انتخاب

زیر نظر

آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی

تفسیر نمونہ

جلد چہارم

ترجمہ

حجۃ الاسلام والمسلمین

علامہ سید صفدر حسین نجفی رح

انتخاب و تلخیص

حجۃ الاسلام والمسلمین

مولانا سید فیاض حسین نقوی دام ظلہٗ

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب:	انتخاب تفسیر نمونہ
تالیف اصل تفسیر نمونہ:	زیر نظر حضرت آیۃ حضرت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی مدظلہ العالی
ترجمہ اصل تفسیر نمونہ:	حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید صفدر حسین نجفی قدس سرہ
انتخاب و تلخیص:	مولانا سید فیاض حسین نقوی (جامعہ علمیہ ڈیفنس کراچی)
جلد:	چہارم
طبع اول:	2007ء
طبع ثانی:	2012ء
کمپوزنگ:	مجاہد حسین حر۔0345-2401125
ناشر:	مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور۔ پاکستان
قیمت مکمل سیٹ	3000روپے

اس کتاب کی اشاعت کیلئے مدینۃ العلم مشن کراچی نے بطور قرضِ حسنہ تعاون فرمایا ہے ہماری دعا ہے کہ خداوند عالم ان کی توفیقاتِ خیر میں اضافہ فرمائے اور ان کے مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ ادارہ۔

ملنے کا پتہ

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور۔ 0321-4481214,042-37314311

عرض ناشر

قارئین محترم!۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اَلحَمدُلِلّٰہِ! مصباح القرآن ٹرسٹ۔۔۔۔۔عرصہ دراز سے دورِ حاضر کی بعض عظیم ترین تفاسیر وتالیفات کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں ایک عظیم اور پُروقار مرکز کی حیثیت سے اُمت مسلمہ کیلئے اپنی عاجزانہ خدمات انجام دے رہا ہے۔

اس ٹرسٹ نے اپنے آغاز کار میں موجودہ دور کی شہرہ آفاق تفسیر۔۔۔تفسیر نمونہ۔۔۔کو فارسی سے اردو زبان میں ترجمہ کروا کے شائع کرنے کا منصوبہ بنایا اور پھر محسن ملت حضرت علامہ سید صفدر حسین نجفی قبلہ اعلی اللہ مقامہٗ کی غیر معمولی مساعی، مالی معاونین کی فراخدلانہ اعانت اور کارکنان کی شبانہ روز محنت کی بدولت پانچ ہی سال کے قلیل عرصے میں کم وبیش دس ہزار صفحات پر محیط یہ تفسیر صوری ومعنوی خوبیوں سے آراستہ ستائیں جلدوں (مختصراً پندرہ جلدیں موجودہ) میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر لی۔شکر اُللہ

اس ادارے نے نہ صرف تفسیر نمونہ کے عظیم منصوبے کو حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پایا تکمیل تک پہنچایا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بیسیوں علمی کتب کے علاوہ سید العلماء السید علامہ علی نقی النقوی اعلی اللہ مقامہ کی سات جلدوں (مختصراً تین جلدیں موجودہ) پر مشتمل تفسیر فصل الخطاب شائع کی۔اردو زبان کو پہلی مرتبہ تفسیر قرآن کے جدید اسلوب سے روشناس کراتے ہوئے تفسیر موضوعی کے دو طویل سلسلوں یعنی ''پیام قرآن'' از آیت اللہ العظمیٰ ناصر مکارم شیرازی اور ''قرآن کا دائمی منشور'' از آیت اللہ جعفر سبحانی کی اشاعت کو بھی تیزی سے مکمل کیا۔

تفسیر نمونہ چونکہ بلا امتیاز پوری امت مسلمہ کو اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے بیدار و تیار کرنے کیلئے لکھی گئی ہے' لہٰذا سبھی مسلمانوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔یہی وجہ ہے کہ ہر جلد کے کئی ایڈیشن شائع ہونے کے باوجود اس کی طلب میں روز بروز اضافہ ہوتا رہا ہے۔

جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ کا یہ ادارہ ہمیشہ خوب سے خوب تر کی جستجو میں رہا ہے۔بعض باذوق اہل علم کی تجویز پر ہم نے تفسیر نمونہ کی طباعت کے ضمن میں ایک مفید تبدیلی کرتے ہوئے، اسے ستائیں جلدوں کی بجائے پندرہ جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا ہے تاکہ قارئین محترم کیلئے مزید آسانیاں پیدا کی جا سکیں۔

پندرہ جلدوں میں تفسیر پیش کرنے کے بعد حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید فیاض حسین نقوی پرنسپل جامعہ علمیہ کراچی کو زحمت دی گئی کہ پانچ جلدوں میں اس کی تلخیص فرمائیں۔ یاد رہے کہ ایران میں فارسی زبان میں تلخیص کی گئی ہے لیکن اس سے پہلے مولانا موصوف خلاصہ مکمل کر چکے تھے۔مزید برآں مصباح القرآن ٹرسٹ کی ویب سائٹ ''اَپ لوڈنگ'' کے مراحل میں ہے۔بہت جلد آپ ہماری تمام کتب ہماری ویب سائٹ www.misbahulqurantrust.com کے ذریعے گھر بیٹھے پڑھ سکیں گے۔ہمیں اُمید ہے کہ صاحبانِ علم وتحقیق حسبِ سابق ''مصباح القرآن ٹرسٹ'' کی اس کوشش کو بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے اور اس گوہر نایاب سے بھرپور علمی وعملی استفادہ فرمائیں گے۔اور ادارہ کو اپنی قیمتی تجاویز وآراء سے ضرور مستفید فرمائیں گے۔۔والسلام

اراکین

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
۱	سورہ روم کے مندرجات	۲
۲	فضیلت تلاوتِ سورہ روم	۲
۳	ایک عجیب پیش گوئی	۴
۴	بدکاروں کا انجام	۶
۵	قیامت میں مجرمین پر کیا گزرے گی	۸
۶	تسبیح وحمد ہر حال میں خدا کیلئے ہے	۹
۷	انفس وآفاق میں خدا کی آیات	۱۱
۸	خدائے واحد ہی مالک حقیقی ہے	۱۵
۹	لوگوں کے اعمال ہی سرچشمہ فساد ہیں	۲۵
۱۰	سورہ لقمان کے مضامین	۳۶
۱۱	سورہ لقمان کی فضیلت	۳۶
۱۲	غناء شیاطین کے بڑے جالوں میں سے ایک جال ہے	۳۹
۱۳	غنا کی حرمت	۴۰
۱۴	غناء کیا ہے؟	۴۰
۱۵	دوسروں نے کیا پیدا کیا؟	۴۱
۱۶	والدین کا احترام	۴۴
۱۷	قابل اطمینان سہارا	۴۹
۱۸	پروردگار کی دس صفات	۵۳
۱۹	خدا کے علم کی وسعت	۵۸
۲۰	سورہ الم سجدہ کا نام	۶۰
۲۱	سورہ سجدہ کے مندرجات	۶۰
۲۲	سورہ سجدہ کی تلاوت کی فضیلت	۶۰
۲۳	عظمت قرآن اور مبدء و معاد	۶۲
۲۴	خدا کا عرش پر قرار پانا	۶۳
۲۵	خلقت انسان کے حیران کن مراحل	۶۴
۲۶	ندامت اور بازگشت کا تقاضا	۶۶
۲۷	عظیم جزائیں جنہیں کوئی نہیں جانتا	۶۹
۲۸	تربیتی اور اصلاحی سزائیں	۷۲
۲۹	سورہ احزاب کے مندرجات	۷۸

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
۳۰	سورۂ احزاب کی وجہ تسمیہ اور فضیلت	۷۸
۳۱	صرف وحی الٰہی کی پیروی کریں......	۸۰
۳۲	فضول دعوے	۸۲
۳۳	خدا کا محکم عہدوپیان.................	۸۶
۳۴	میدان احزاب میں کڑی آزمائش......	۸۷
۳۵	منافقین اورضعیف الایمان میدان احزاب میں	۹۰
۳۶	جنگ سے روکنے والا ٹولہ..................	۹۴
۳۷	جنگ احزاب میں سچے مومنین کا کردار	۹۶
۳۸	ایک عظیم کامیابی	۹۹
۳۹	سعادت ابدی یا دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ......	۱۰۲
۴۰	بیسویں صدی کی جاہلیت.................	۱۰۵
۴۱	اسلام میں عورت کا مقام.................	۱۰۷
۴۲	ایک بہت بڑی رسم ٹوٹتی ہے............	۱۱۰
۴۳	سچے مبلغ کون ہیں؟.....................	۱۱۲
۴۴	ختم نبوت	۱۱۳
۴۵	خدا اورفرشتوں کا درود	۱۱۴
۴۶	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چراغ فروزاں ہیں	۱۱۵
۴۷	طلاق کے کچھ احکام....................	۱۱۷
۴۸	آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کن عورتوں سے نکاح جائز ہے؟......................	۱۱۸
۴۹	ایک اور مشکل آسان ہوتی ہے......	۱۲۰
۵۰	ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک اوراہم حکم.................................	۱۲۲
۵۱	قانون حجاب سے مستثنیٰ موارد............	۱۲۶
۵۲	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام	۱۲۷
۵۳	زبردست انتباہ...........................	۱۲۹
۵۴	قیامت کب آئے گی؟	۱۳۱
۵۵	حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ناروا تہمتیں......	۱۳۳
۵۶	اعمال کی درستی کے لئے حق بات کیا کرو	۱۳۴
۵۷	نوع بشر کا بہت بڑا اعزاز............	۱۳۵
۵۸	انسان کا ''ظلوم وجہول'' سے متصف ہونا	۱۳۶
۵۹	سورہ سبا کے مطالب و مضامین	۱۳۸
۶۰	سورہ سبا کی فضیلت	۱۳۸
۶۱	وہی ہر چیز کا مالک اور ہر چیز کا عالم ہے	۱۳۹

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
۶۲	پروردگار کی قسم قیامت آ کے رہے گی	۱۴۲
۶۳	علماء تیری دعوت کو حق سمجھتے ہیں......	۱۴۴
۶۴	داؤد علیہ السلام پر خدا کے عظیم انعامات......	۱۴۶
۶۵	سلیمانؑ کا جاہ و جلال اور ان کی عبرت انگیز موت......	۱۴۸
۶۶	ایک درخشاں تمدن جو کفران نعمت کی وجہ سے برباد ہو گیا......	۱۵۰
۶۷	قوم سبا کا عبرت انگیز انجام......	۱۵۲
۶۸	کوئی شخص شیطانی وسوسوں کی پیروی پر مجبور نہیں ہے......	۱۵۴
۶۹	تم تمام جہاں والوں کیلیے مبعوث کیے گئے ہو	۱۵۹
۷۰	قیام قیامت کی تاریخ کا مخفی ہونا......	۱۵۹
۷۱	مال و اولاد قرب خدا کی دلیل نہیں......	۱۶۲
۷۲	معبودوں کی عبادت کرنے والوں سے بیزاری	۱۶۵
۷۳	کس دلیل کے ساتھ ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں......	۱۶۶
۷۴	انقلاب فکری ہر اصل انقلاب کی بنیاد ہے	۱۶۸

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
۷۵	باطل سے کوئی کام نہیں ہوتا......	۱۶۹
۷۶	اہل باطل کے لئے راہ فرار نہیں ہو گی	۱۷۱
۷۷	سورہ فاطر کے مضامین......	۱۷۴
۷۸	سورہ فاطر کی فضیلت تلاوت......	۱۷۴
۷۹	بند دروازوں کا کھولنے والا وہی ہے	۱۷۵
۸۰	دنیا اور شیطان تمہیں دھوکا نہ دے......	۱۷۷
۸۱	پاک اور صالح گفتار اور کردار خدا کی طرف لے جاتے ہیں......	۱۷۹
۸۲	شیریں اور شور پانی والے دریا یکساں نہیں ہیں	۱۸۲
۸۳	جھوٹے معبود تو تمہاری آواز تک نہیں سنیں گے	۱۸۳
۸۴	کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگا	۱۸۵
۸۵	نور و ظلمت یکساں نہیں ہیں......	۱۸۷
۸۶	دل کے اندھے ایمان نہ لائیں تو تعجب نہیں	۱۸۸
۸۷	وجود کے در و دیوار پر عجیب نقش و نگار	۱۸۹
۸۸	پروردگار کے ساتھ نفع بخش تجارت......	۱۹۱
۸۹	میراث انبیاء کے حقیقی وارث......	۱۹۲
۹۰	جنت...... جہاں غم ہے نہ تھکان......	۱۹۳

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
۹۱	دوزخیوں کے دنیا میں لوٹنے کی خواہش	۱۹۵
۹۲	آسمان وزمین اس کی قدرت سے قائم ہیں	۱۹۸
۹۳	استکبار اور سازشیں......انکی بدبختی کا سبب	۱۹۹
۹۴	خدا کا لطف نہ ہوتا تو کوئی جاندار زمین پر باقی نہ رہتا	۲۰۱
۹۵	سورہ یٰسین کے مضامین	۲۰۴
۹۶	سورہ یٰسین کی فضیلت تلاوت	۲۰۴
۹۷	قلب قرآن کا سر آغاز	۲۰۵
۹۸	خدائی نصیحت سے فائدہ اٹھانے والے	۲۰۷
۹۹	بستی والوں کی سرگزشت ایک عبرت	۲۰۹
۱۰۰	ایک جان بکف مجاہد	۲۱۲
۱۰۱	دائمی غفلت	۲۱۵
۱۰۲	توحید و معاد کی کچھ نشانیاں	۲۱۶
۱۰۳	سورج اور چاند بھی آیات الٰہی ہیں	۲۱۸
۱۰۴	کشتیوں کا دریاؤں میں چلنا بھی آیات الٰہی ہے	۲۲۰
۱۰۵	جو آیات الٰہی کو نظر انداز کر دیتے ہیں	۲۲۱

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
۱۰۶	قیامت کی چیخ	۲۲۳
۱۰۷	اہل بہشت مادی روحانی نعمتوں سے سرشار ہوں گے	۲۲۶
۱۰۸	شیطان کی پرستش کیوں کرتے ہو؟	۲۲۷
۱۰۹	چوپایوں کے عظیم فائدے	۲۳۳
۱۱۰	رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاعر نہیں بلکہ وہ زندوں کو ڈرانے والے ہیں	۲۳۱
۱۱۱	خلقت اول معاد پر ایک دلیل قاطع ہے	۲۳۵
۱۱۲	توانائیوں کی بازگشت	۲۳۶
۱۱۳	وہ ہر چیز کا مالک و حاکم ہے	۲۳۷
۱۱۴	معاد کا اعتقاد ایک فطری امر ہے	۲۳۸
۱۱۵	ایمان بالقیامت کا اثر انسانی زندگی پر	۲۴۰
۱۱۶	قرآن اور مسئلہ معاد	۲۴۶
۱۱۷	معاد جسمانی	۲۴۸
۱۱۸	بہشت و دوزخ	۲۵۰
۱۱۹	سورہ صافات کے مطالب	۲۵۲
۱۲۰	سورۂ صافات کی تلاوت کی فضیلت	۲۵۲

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
۱۲۱	وہ فرشتے جو انجام امور کیلیے آمادہ رہتے ہیں	۲۵۳
۱۲۲	شیاطین کے نفوذ سے آسمان کی حفاظت	۲۵۵
۱۲۳	وہ ہر گز حق کو قبول نہیں کریں گے	۲۵۶
۱۲۴	کیا ہم اور ہمارے آباء پھر زندہ ہو جائیں گے؟	۲۵۸
۱۲۵	دوزخ میں گمراہ پیشواؤں اور پیروکاروں کی گفتگو............	۲۶۰
۱۲۶	گمراہ پیشواؤں اوران کے پیروکاروں کا انجام	۲۶۲
۱۲۷	بہشت کی نعمتوں کا ایک گوشہ............	۲۶۴
۱۲۸	جہنمی دوست کی تلاش............	۲۶۷
۱۲۹	اہل دوزخ کے لئے کچھ جانکاہ عذاب	۲۶۹
۱۳۰	گزشتہ گمراہ اقوام............	۲۷۰
۱۳۱	نوح علیہ السلام کی داستان کا ایک گوشہ......	۲۷۲
۱۳۲	ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا زبردست منصوبہ	۲۷۴
۱۳۳	مشرکین کے منصوبے خاک میں مل گئے	۲۷۶
۱۳۴	ابراہیم علیہ السلام قربان گاہ میں............	۲۷۸
۱۳۵	ذبیح اللہ کون ہے؟............	۲۸۱
۱۳۶	ابراہیم علیہ السلام خدا کا مومن بندہ............	۲۸۱
۱۳۷	موسیٰ و ہارون علیہما السلام پر خدا کی نعمتیں......	۲۸۳
۱۳۸	پیغمبر خدا الیاس علیہ السلام مشرکین کے مقابلے میں	۲۸۵
۱۳۹	اس قوم کی تباہ سرزمین تمہارے سامنے ہے	۲۸۶
۱۴۰	یونس امتحان کی بھٹی میں............	۲۸۸
۱۴۱	چھوٹی سی داستان بہت سے سبق......	۲۹۱
۱۴۲	قبیح تہمتیں............	۲۹۳
۱۴۳	جھوٹے دعوے............	۲۹۵
۱۴۴	اللہ کا کامیاب گروہ............	۲۹۷
۱۴۵	کفار کا اعتناء نہ کر............	۲۹۹
۱۴۶	سورہ "ص" کے مضامین............	۳۰۲
۱۴۷	اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت......	۳۰۲
۱۴۸	تمہاری نجات کا وقت گزر چکا ہے......	۳۰۴
۱۴۹	کیا بہت سے خداؤں کے بجائے ایک خدا کو مان لیں؟............	۳۰۶
۱۵۰	یہ چھوٹا سا شکست خوردہ گروہ............	۳۰۷
۱۵۱	صرف ایک آسمانی صیحہ ان کا کام تمام کردے گا	۳۰۹

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
۱۵۲	داؤدؑ کی زندگی سے درس حاصل کریں......	۳۱۰
۱۵۳	حضرت داؤدؑ کی ایک بڑی آزمائش......	۳۱۳
۱۵۴	عدل کرو اور ہوائے نفس سے بچو......	۳۱۵
۱۵۵	سلیمانؑ اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ دیکھتے ہیں	۳۱۶
۱۵۶	سلیمان علیہ السلام کا سخت امتحان اور وسیع حکومت	۳۱۸
۱۵۷	حضرت ایوبؑ کی حیران کن زندگی اور ان کا صبر	۳۲۱
۱۵۸	چھ عظیم پیغمبر............................	۳۲۳
۱۵۹	پرہیزگاروں کے لئے وعدہ..........	۳۲۵
۱۶۰	سرکشوں کی سزا..........................	۳۲۷
۱۶۱	اصحاب دوزخ کی دشمنی..................	۳۲۹
۱۶۲	متکبر راندہ درگاہ ہو گیا..................	۳۳۳
۱۶۳	ابلیس کے بارے میں آخری بات......	۳۳۷
۱۶۳	سورۂ زمر کے مطالب ومضامین	۳۴۰
۱۶۴	سورہ زمر کی فضیلت تلاوت............	۳۴۰
۱۶۵	دین کو شرک سے پاک کرو..........	۳۴۱
۱۶۶	وہ ہر چیز پر حاکم ہے، اسے اولاد کی کیا ضرورت ہے؟............................	۳۴۳
۱۶۷	سب کی ایک ہی نفس سے پیدائش......	۳۴۵
۱۶۸	کیا جاہل اور عالم برابر ہیں؟............	۳۴۹
۱۶۹	مخلص بندوں کا طرز حیات..........	۳۵۱
۱۷۰	خدا کے حقیقی بندے........................	۳۵۴
۱۷۱	وہ لوگ جو نور کے مرکب پر سوار ہوں گے	۳۵۵
۱۷۲	قرآن میں کوئی کجی نہیں..................	۳۶۱
۱۷۳	جو کلام خدا کی تصدیق کرتے ہیں......	۳۶۳
۱۷۴	خدا کافی ہے..............................	۳۶۴
۱۷۵	ہدایت اور ضلالت خدا کی طرف سے ہے	۳۶۶
۱۷۶	تمہارے معبود کوئی مشکل حل کر سکتے ہیں؟	۳۶۹
۱۷۷	موت اور نیند کے وقت ارواح قبض ہو جاتی ہیں	۳۷۱
۱۷۸	وہ لوگ جو خدا کے نام سے گھبراتے ہیں	۳۷۳
۱۷۹	خدا تمام گناہوں کو بخش دے گا	۳۷۶
۱۸۰	اس دن پشیمانی فضول ہے............	۳۷۸
۱۸۱	ہر چیز کا خالق ومحافظ خدا ہے............	۳۷۹
۱۸۲	مشرک ہوجانے پر سب اعمال برباد	۳۸۱
۱۸۳	صور پھونکا جانا اور سب کی موت وحیات	۳۸۳

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
۱۸۴	جب زمین پروردگار کے نور سے روشن ہو جائیگی	۳۸۴
۱۸۵	گروہ در گروہ جہنم میں داخل ہوں گے	۳۸۶
۱۸۶	گروہ در گروہ جنت میں ورود............	۳۸۸
۱۸۷	سورہ مومن کے مندر جات	۳۹۲
۱۸۸	سورہ مومن کی فضیلت	۳۹۲
۱۸۹	امید افزا صفات خدا.....................	۳۹۳
۱۹۰	خدا کا اٹل قانون.......................	۳۹۴
۱۹۱	حاملان عرش ہمیشہ مومنین کیلئے دعا گو ہیں	۳۹۶
۱۹۲	گناہوں کا اعتراف لیکن کب ؟	۳۹۸
۱۹۳	صرف خدا کو پکارو اگرچہ کافروں کو ناپسند ہو	۴۰۰
۱۹۴	خدا سے ملاقات کا دن..................	۴۰۲
۱۹۵	جب جان لبوں تک پہنچے گی............	۴۰۳
۱۹۶	ظالموں کا درد ناک انجام دیکھو.......	۴۰۵
۱۹۷	قتل موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ..................	۴۰۷
۱۹۸	آیا کسی کو خدا کی طرف بلانے پر بھی قتل کرتے ہیں ؟	۴۰۹
۱۹۹	جابر حکمران صحیح فہم سے محروم ہیں......	۴۱۲

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
۲۰۰	فرعون کا خدا سے مقابلہ کا اہتمام کرنا	۴۱۴
۲۰۱	دوزخ میں ضعفاء اور مستکبرین کا باہمی احتجاج	۴۱۹
۲۰۲	مومنین کا مددگار کون؟.................	۴۲۰
۲۰۳	اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہیں	۴۲۳
۲۰۴	تخلیق انسانی کے سات مرحلے......	۴۲۹
۲۰۵	مغرور دشمنوں کا انجام..................	۴۳۲
۲۰۶	تلقین صبر..................................	۴۳۴
۲۰۷	چوپاؤں کے مختلف فوائد..................	۴۳۵
۲۰۸	عذاب کے موقع پر ایمان لانا فضول ہے	۴۳۷
۲۰۹	سورہ حٰمٓ سجدہ کے مندرجات	۴۴۰
۲۱۰	سورہ حم کی تلاوت کی فضیلت...........	۴۴۰
۲۱۱	قرآن کی عظمت.........................	۴۴۱
۲۱۲	مشرکین، کون ہیں؟........................	۴۴۳
۲۱۳	آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے دور نئے	۴۴۵
۲۱۴	سرکش قوم ثمود کا انجام	۴۴۹
۲۱۵	روز قیامت کا ایک منظر.................	۴۵۰
۲۱۶	برے ساتھی..........................	۴۵۲

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
۲۱۷	کفار کا شور مچا کر لوگوں تک آواز قرآن پہنچنے سے روکنے کی کوشش کرنا............	۴۵۳
۲۱۸	با استقامت مومنین پر فرشتوں کا نزول	۴۵۵
۲۱۹	برائی کو اچھائی کے ذریعے دور کیجئے......	۴۵۷
۲۲۰	سجدہ صرف خدا کو کرو..................	۴۵۹
۲۲۱	آیات حق کی تحریف کرنے والے......	۴۶۱
۲۲۲	قرآن ہدایت اور شفاء..................	۴۶۴
۲۲۳	سب راز اللہ کے پاس ہیں..........	۴۶۶
۲۲۴	یہ کم ظرف انسان......................	۴۶۸
۲۲۵	چھوٹے اور بڑے جہان میں حق کی نشانیاں	۴۷۰
۲۲۶	سورہ شوریٰ کے مندرجات............	۴۷۴
۲۲۷	سورہ شوریٰ کی تلاوت کی فضیلت......	۴۷۴
۲۲۸	نزدیک ہے کہ آسمان پھٹ جائیں......	۴۷۵
۲۲۹	اُم القریٰ سے قیام......................	۴۷۷
۲۳۰	ولی مطلق صرف خدا ہے..................	۴۷۸
۲۳۱	آپؐ کا دین تمام انبیاء کے دین کا نچوڑ ہے	۴۸۱
۲۳۲	حکم کے مطابق استقامت کیجئے......	۴۸۳
۲۳۳	جلدی نہ کرو قیامت آ کر رہے گی......	۴۸۵
۲۳۴	دنیا اور آخرت کی کھیتی..................	۴۸۷
۲۳۵	مودت اہل بیت اجر رسالت ہے......	۴۹۰
۲۳۶	وہ بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے..........	۴۹۲
۲۳۷	سرکش ثروتمند............................	۴۹۴
۲۳۸	ہواؤں اور کشتیوں کی روانی خدا کی نشانی	۴۹۶
۲۳۹	اہل ایمان ظلم کے آگے نہیں جھکتے......	۴۹۸
۲۴۰	نصرت طلبی عیب نہیں ظلم کرنا عیب ہے	۵۰۰
۲۴۱	آیا واپسی کی کوئی سبیل ہے؟............	۵۰۲
۲۴۲	اولاد، اللہ کا عطیہ ہے..................	۵۰۴
۲۴۳	انبیاء کے خدا کے ساتھ رابطے کے ذرائع	۵۰۶
۲۴۴	قرآن روح ہے......................	۵۰۷
۲۴۵	نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس دین پر تھے؟..............................	۵۰۸
۲۴۶	سورہ زخرف کے مضامین..................	۵۱۰
۲۴۷	سورہ زخرف کی تلاوت کی فضیلت......	۵۱۰
۲۴۸	گناہ رحمت کو نہیں روک سکتے..........	۵۱۱

نمبر شمار	موضوع	صفحہ نمبر
۲۴۹	توحید کے کچھ دلائل............................	۵۱۴
۲۵۰	فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کیوں سمجھتے ہو؟	۵۱۷
۲۵۱	تقلید آباء کی بیہودہ دلیل....................	۵۱۹
۲۵۲	اندھے اور بہرے مقلدین کا انجام	۵۲۰
۲۵۳	توحید انبیاء کا دائمی پیغام....................	۵۲۲
۲۵۴	قرآن کسی دولت مند پر نازل کیوں نہیں ہوا؟	۵۲۴
۲۵۵	چاندی کے محل......جھوٹی قدریں......	۵۲۵
۲۵۶	شیاطین کا ساتھی............................	۵۲۷
۲۵۷	دامن وحی مضبوطی سے پکڑے رہو......	۵۲۹
۲۵۸	مغرور اور عہد شکن فرعونی..................	۵۳۰
۲۵۹	کون سے معبود جہنمی ہیں؟.............	۵۳۶
۲۶۰	حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں غلو کرنے والے	۵۳۸
۲۶۱	کس انتظار میں ہو؟............................	۵۳۹
۲۶۲	مرنے اور عذاب سے جان چھڑانے کی آرزو	۵۴۲
۲۶۳	شفاعت کون کرسکتا ہے؟.............	۵۴۶
۲۶۴	سورۂ دخان کے مضامین.......................	۵۵۰
۲۶۵	سورۂ دخان کی تلاوت کا ثواب......	۵۵۰
۲۶۶	مبارک رات میں قرآن کا نزول......	۵۵۱
۲۶۷	جب ہولناک دھواں آسمان پر چھا جائیگا	۵۵۳
۲۶۸	خود ایمان نہیں لاتے تو دوسروں کو تو نہ روکو	۵۵۵
۲۶۹	محلات، باغات اور خزانوں کو چھوڑ کر چلے گئے	۵۵۷
۲۷۰	بنی اسرائیل کی آزمائش....................	۵۵۹
۲۷۱	یہی موت ہے اور بس....................	۵۶۰
۲۷۲	جدائی کا دن یا یوم الفصل....................	۵۶۲
۲۷۳	تھوہر کا جہنمی درخت....................	۵۶۳
۲۷۴	پرہیزگار لوگ اور بہشت کی گوناگوں نعمتیں	۵۶۵
۲۷۵	سورۂ جاثیہ کے مضامین....................	۵۶۸
۲۷۶	سورہ جاثیہ کی تلاوت کا ثواب............	۵۶۸
۲۷۷	ہر جگہ اللہ کی نشانیاں موجود ہیں......	۵۶۹
۲۷۸	گنہگار جھوٹے پر پھٹکار....................	۵۷۱
۲۷۹	سب تیرے لئے سرگرداں اور تیرے زیر فرمان ہیں....................	۵۷۳
۲۸۰	بنی اسرائیل کی ناشکری....................	۵۷۵
۲۸۱	لوگوں کا مرنا جینا ایک سا نہیں ہے......	۵۷۸

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
۲۸۲	دہریوں کے عقائد........................	۵۸۰
۲۸۳	اللہ کی عادلانی کچہری میں سب گھٹنے ٹیک دیں گے........................	۵۸۲
۲۸۴	جس دن انسان کے برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے........................	۵۸۵
۲۸۵	سورہ احقاف کے مضامین........................	۵۸۸
۲۸۶	سورہ احقاف کی فضیلت........................	۵۸۸
۲۸۷	اس کائنات کی تخلیق حق کی بنیاد پر ہے	۵۸۹
۲۸۸	گمراہ ترین لوگ........................	۵۹۰
۲۸۹	کہہ دیجئے میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں	۵۹۲
۲۹۰	کامیابی کی دو شرطیں........................	۵۹۵
۲۹۱	والدین سے نیکی کا حکم........................	۵۹۶
۲۹۲	والدین کے حقوق پائمال کرنے والے	۵۹۹
۲۹۳	زہد اور آخرت کا ذخیرہ........................	۶۰۰
۲۹۴	قوم عاد اور تباہ کن آندھی........................	۶۰۲
۲۹۵	جنات ایمان لاتے ہیں........................	۶۰۶
۲۹۶	اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر کریں	۶۰۸
۲۹۷	آنحضرتؐ صبر و استقامت کا مجسم نمونہ تھے	۶۰۹
۲۹۸	سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مضامین	۶۱۲
۲۹۹	سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تلاوت کی فضیلت	۶۱۲
۳۰۰	مومن حق کی اور کافر باطل کی اتباع کرتے ہیں........................	۶۱۳
۳۰۱	میدان جنگ میں ارادے کی پختگی ضروری ہے	۶۱۵
۳۰۲	تم خدا کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا	۶۱۸
۳۰۳	مومنین اور کفار کا انجام........................	۶۲۰
۳۰۴	قیامت کی نشانیاں ظاہر ہو چکی ہیں......	۶۲۳
۳۰۵	منافق جہاد کے نام سے بھی ڈرتے ہیں	۶۲۶
۳۰۶	وہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟	۶۲۸
۳۰۷	منافقین انداز گفتگو سے پہچانے جاتے ہیں	۶۳۰
۳۰۸	کفر کی حالت میں مرنے والے نہیں بخشے جائیں گے........................	۶۳۱
۳۰۹	بے جا اور رسوا کن صلح........................	۶۳۲
۳۱۰	اگر تم روگردانی کرو گے تو دوسرے لوگ آجائیں گے........................	۶۳۳

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
۳۱۱	سورۂ فتح کے مطالب........	۶۳۸
۳۱۲	سورۂ فتح کی تلاوت کی فضیلت......	۶۳۸
۳۱۳	فتح مبین........	۶۳۹
۳۱۴	صلح حدیبیہ........	۶۳۹
۳۱۵	فتح مبین کے عظیم نتائج........	۶۴۱
۳۱۶	مومنین کے دلوں پر نزول سکینہ......	۶۴۲
۳۱۷	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت کا استحکام اور لوگوں کی اس کے بارے میں ذمہ داریاں........	۶۴۵
۳۱۸	جنگ میں نہ جانے والوں کی عذر تراشی	۶۴۸
۳۱۹	بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں سے خدا کی خوشنودی........	۶۵۳
۳۲۰	بیعت اور اس کی خصوصیات........	۶۵۴
۳۲۱	صلح حدیبیہ کی مزید برکات........	۶۵۵
۳۲۲	اگر صلح حدیبیہ میں جنگ ہو جاتی؟......	۶۵۷
۳۲۳	تعصب اور حمیت جاہلیت، کفار کے لئے بزرگ ترین سدراہ........	۶۵۹
۳۲۴	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا خواب........	۶۶۰
۳۲۵	دشمنوں کے مقابلہ میں سخت گیر اور دوستوں کے لئے مہربان........	۶۶۲
۳۲۶	سورہ حجرات کے مطالب........	۶۶۶
۳۲۷	سورہ حجرات کی فضیلت........	۶۶۶
۳۲۸	پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے آداب......	۶۶۸
۳۲۹	ہر چیز میں اور ہر جگہ انضباط اسلامی......	۶۷۰
۳۳۰	فاسقوں کی خبروں پر اعتنا نہ کرو........	۶۷۱
۳۳۱	مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں	۶۷۳
۳۳۲	استہزاء، بدگمانی، غیبت، تجسس اور برے القاب سے یاد کرنا ممنوع ہے	۶۷۷
۳۳۳	معاشرے میں کامل اور ہر پہلو سے امن وامان	۶۸۰
۳۳۴	تجسس نہ کرو........	۶۸۰
۳۳۵	غیبت بہت بڑا گناہ ہے........	۶۸۱
۳۳۶	تقویٰ بہترین انسانی صفت........	۶۸۲
۳۳۷	سچی اور جھوٹی قدریں........	۶۸۳
۳۳۸	تقویٰ کی حقیقت........	۶۸۴
۳۳۹	اسلام اور ایمان کا فرق........	۶۸۵

نمبرشمار	موضوع	صفحہ نمبر
۳۴۰	مسلمان ہونے کا احسان مت جتلاؤ	۶۸۷
۳۴۱	سورہ ''ق'' کے مطالب ومضامین	۶۹۰
۳۴۲	سورہ ''قٓ'' کی تلاوت کی فضیلت......	۶۹۰
۳۴۳	ہٹ دھرم منکرین اپنے کام میں سرگرداں ہیں	۶۹۱
۳۴۴	ایک لمحہ کے لئے آسمان کی طرف دیکھو	۶۹۴
۳۴۵	صرف تم ہی نہیں ہو جس کا دشمن سے مقابلہ ہے؟	۶۹۶
۳۴۶	تمہاری چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی وہ لکھتے ہیں	۶۹۷
۳۴۷	قیامت اور تیز بین آنکھیں...........	۶۹۹
۳۴۸	فرشتوں اور شیاطین میں سے انسان کے ہم نشین......	۷۰۲
۳۴۹	اے مجرمو! فرار کی کوئی راہ نہیں ہے......	۷۰۴
۳۵۰	آسمانوں اور زمیں کا پیدا کرنے والا مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے......	۷۰۶
۳۵۱	قیامت کے صیحہ (چیخ) کے ساتھ ہی سب زندہ ہو جائیں گے................	۷۰۸
۳۵۲	سورۂ ذاریات کے مطالب	۷۱۲
۳۵۳	سورہ ذاریات کی تلاوت کی فضیلت	۷۱۲
۳۵۴	طوفانوں اور بارش لانے والے بادلوں کی قسم.............................	۷۱۳
۳۵۵	قسم ہے آسمان کی اور اس کی زیبا شکنوں کی	۷۱۵
۳۵۶	نیکوکار سحر خیزوں کا اجر...................	۷۱۷
۳۵۷	خدا کی نشانیاں تمہارے وجود کے اندر ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟..................	۷۱۹
۳۵۸	ابراہیم علیہ السلام کے مہمان....................	۷۲۱
۳۵۹	قوم لوط علیہ السلام کے بلا دیدہ شہر ایک آیت اور عبرت ہیں............................	۷۲۴
۳۶۰	گذشتہ لوگوں کی تاریخ میں یہ سب عبرت کے درس ہیں......	۷۲۷
۳۶۱	ہم ہمیشہ آسمانوں کو وسعت دیتے رہتے ہیں	۷۲۹
۳۶۲	نصیحت کر کیونکہ نصیحت وتذکر فائدہ مند ہے	۷۳۱
۳۶۳	قرآن کی نظر میں انسان کی خلقت کا مقصد	۷۳۳
۳۶۴	یہ عذاب الٰہی میں حصہ دار ہیں......	۷۳۴

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سورہ روم

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ٦٠ آیات ہیں

سورہ روم کے مندرجات

اس سورہ کے مضامین کا ان سات حصوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

١............اس میں پیش گوئی کی گئی ہے کہ آئندہ ہونے والی جنگ میں اہل روم کو ایرانیوں پر فتح حاصل ہوگی

٢............کسی قدر بے ایمان افراد کے طرز فکر اور ان کی کیفیت حالات کا ذکر ہے۔

٣............اس سورہ کی آیات کے ایک اہم حصے میں خدا کی عظمت کا ذکر ہے۔

٤............ان دلائل کے ذکر کے بعد جو معرفت الٰہی کیلئے انفس و آفاق میں موجود ہیں یہ ذکر ہے کہ توحید ایک امر فطری ہے۔

۵............بے ایمان افراد کے حالات کو مشرح طور پر مکرر بیان کیا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ ان کے گناہوں کے نتیجے میں زمین فساد سے بھر گئی ہے۔

٦............سودخواری کی مذمت کی گئی ہے نیز مسئلہ مالکیت اور حق ذی القربیٰ کا ذکر ہے۔

٧............دلائل توحید کیلئے حق کی نشانیوں کا مکرر ذکر ہے اور ان مسائل کو بیان کیا گیا ہے جو معاد سے متعلق ہیں۔

فضیلت تلاوتِ سورہ روم

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث اس طرح سے منقول ہے:

''جو شخص کہ سورہ روم کو پڑھے گا اسے ہر اس فرشتے کے حسنات کے مقابل جو زمین اور آسمان کے درمیان خدا کی تسبیح کرتا ہے دس گنا اجر ملے گا اور جو کچھ اس نے رات یا دن میں تلف کیا ہے اس کی بھی تلافی ہو جائے گی''۔

یہ امر واضح ہے کہ جو شخص اس سورہ کے مضامین کو جو کہ سراسر درس توحید خدا ہے اور بروز قیامت عظیم عدل و انصاف کے بیان پر مشتمل ہیں اپنے قلب و روح میں جگہ دے گا وہ محسوس کرے گا کہ خدا ہر لمحہ اس کا محافظ و نگہبان ہے اور وہ روز جزا اور بروز قیامت عدل الٰہی کا یقین رکھے گا اور اس کا دل خدا کے خوف سے اس طرح سے معمور ہو جائے گا کہ وہ ایسے اجر عظیم کا مستحق ٹھہرے گا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان و رحیم ہے۔
(١) الٓـمّٓ ۚ	الم
(٢) غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۙ	اہل روم مغلوب ہو گئے

(۳) فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ۙ	(اور یہ شکست) نزدیک کے ملک میں واقع ہوئی لیکن وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب پھر غالب آ جائیں گے،
(۴) فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ۬ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ	چند ہی سال میں اور سب کام حکم خدا سے ہوتے ہیں (اس شکست و کامیابی سے) قبل ہوں یا بعد میں اور اس روز مومنین خوش ہو جائیں گے۔
(۵) بِنَصۡرِ اللّٰہِ ؕ یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۙ	(یہ خوشی) خدا کی مدد سے (ہوگی) خدا جسے چاہتا ہے فتح و نصرت فرماتا ہے اور وہ عزیز و رحیم ہے۔
(٦) وَعۡدَ اللّٰہِ ؕ لَا یُخۡلِفُ اللّٰہُ وَعۡدَہٗ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ	یہ خدا کا وعدہ ہے اور وہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
(۷) یَعۡلَمُوۡنَ ظَاہِرًا مِّنَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚۖ وَ ہُمۡ عَنِ الۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ غٰفِلُوۡنَ	یہ لوگ تو دنیا کی صرف ظاہری زندگی کو جانتے ہیں۔ اور آخرت کی زندگی سے غافل ہیں۔

شان نزول

اس سورہ کی پہلی آیات اس وقت نازل ہوئی تھیں جب جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تھے اور مومنین بہ لحاظ تعداد اقلیت میں تھے اس زمانے میں ایرانیوں اور رومی حکومت میں جنگ ہوئی جس میں ایرانی فوج کو فتح ہوئی تھی۔

مکہ کے مشرکین نے اس فتح کو فال نیک سمجھ کر اپنے شرک کو مبنی برحق ہونے کی دلیل قرار دیا۔

اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں جن میں حتمی طور پر یہ کہا گیا کہ اگر چہ ایرانی اس جنگ میں کامیاب ہو گئے ہیں لیکن زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ رومی فوج سے شکست کھائیں گے یہاں تک کہ اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا وقت بھی بتا دیا گیا اور کہا کہ چند سال کے اندر ہی یہ امر وقوع پذیر ہوگا۔

قرآن کی یہ حتمی پیش گوئی ایک طرف تو اس کتاب آسمانی کے اعجاز کی علامت اور اس امر کی دلیل تھی کہ اس کے لانے والے کو خدا کے علم بے پایاں اور اس کے عالم الغیب ہونے پر کتنا بھروسہ تھا دوسری طرف یہ مشرکین کی فال گیری کی نقیض تھی۔ اس پیش گوئی نے مسلمانوں کو ایسا آسودہ و مطمئن کر دیا کہ ان میں سے بعض نے اس مسئلے پر مشرکین سی شرط باندھنی شروع کر دی یہ ملحوظ رہے کہ اس وقت تک اس قسم کی شرط بندی کی ممانعت کا حکم نہیں آیا تھا۔

تفسیر

ایک عجیب پیش گوئی

یہ سورہ ان انتیس سورتوں میں سے ایک ہے جو حروف مقطعہ سے شروع ہوتی ہیں۔

اس مقام پر جو چیز جاذب توجہ ہے وہ صرف یہ ہے کہ بہت سی ان سورتوں کے برخلاف جو حروف مقطعہ سے شروع ہوتی ہیں اور معا بعد از اں ان میں عظمت قرآن کا ذکر شروع ہو جاتا ہے۔

اس سورہ میں عظمت قرآن کی بحث نہیں ہے بلکہ ایرانیوں کے مقابلے میں اہل روم کی شکست اور پھر ان کی فتح کا ذکر ہے لیکن غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ بحث بھی عظمت قرآن ہی کا بیان ہے کیونکہ یہ غیبی خبر جو زمانہ مستقبل سے متعلق ہے۔ اس کتاب آسمانی کی عظمت و اعجاز کے دلائل میں شمار ہوتی ہے۔

(۲) خداوند عالم حروف مقطعہ کے ذکر کے بعد فرماتا ہے رومی مغلوب ہو گئے۔

(۳) اور یہ شکست اس مقام پر ہوگی جو تم سے نزدیک ہے۔

"ادنی الارض" سے مراد ملک ایران ہے یعنی یہ شکست ایران اور روم کی سرحد پر واقعی ہوئی۔

اس شکست کے ذکر کے بعد یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ رومی اس شکست کے بعد جلد ہی فتح یاب ہوں گے۔

(۴) اس کے بعد اس حادثے کے وقوع کی مدت بالفاظ "فی بضع سنین" چند سال ہی میں بیان کی گئی ہے۔

اگر خدا زمانہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کی خبر دیتا ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر چیز اور ہر کام اسی کے اختیار میں ہے خواہ کوئی بات اس شکست خوردہ قوم کی فتح سے پہلے ہو یا بعد میں۔

درحقیقت قادر بالذات اور مالک علی الاطلاق وہی ہے اور کسی انسان کے پاس جو کچھ ہے اسی کا دیا ہوا ہے۔

اس کے بعد ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے کہ اگر آج رومیوں کو شکست ہوگئی ہے اور مشرک اس سے خوش ہیں تو جب رومی غالب ہوں گے تو مومنین خوش ہوں گے۔

(۵) البتہ مومنین نصرت الٰہی سے خوش ہوں گے۔

خدا جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے وہ شکست ناپذیر اور مہربان ہے۔

مسلمان اس روز مختلف جہتوں سے خوش ہوئے۔

اول تو اس وجہ سے کہ اہل کتاب کو مجوسیوں پر فتح حاصل ہوئی جو کہ خدا پرستی کی شرک پر فتح کی علامت تھی۔

دوم چونکہ قرآن کی معجزانہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی اس لئے یہ بھی ایک معنوی فتح تھی۔

سوم اسی زمانے میں مسلمانوں کو دوسری فتوحات کے علاوہ ایک اور فتح حاصل ہوئی تھی وہ تھی صلح حدیبیہ۔

(۶) پھر بطور تاکید مزید فرمایا گیا ہے یہ وہ وعدہ ہے جو خدا نے کیا ہے۔

اور خدا ہر گز وعدہ خلافی نہ کرے گا اگر چہ اکثر آدمی نہیں جانتے۔

اور لوگوں کی لاعلمی کا باعث یہ ہے کہ انہیں خدا اور اس کے علم وقدرت کی معرفت حاصل نہیں ہے درحقیقت انہوں نے خدا کو پہچانا ہی نہیں اس لئے وہ اس حقیقت سے کہ خدا کا اپنے وعدے سے پھر جانا محال ہے آگاہ نہیں ہیں کیونکہ وعدہ سے پھر جانا یا تو جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی وعدہ کرتے وقت کوئی بات نامعلوم تھی مگر جب بعد میں معلوم ہوئی تو رائے بدل گئی یا وعدہ خلافی ضعف وناتوانی کی وجہ سے ہوتی ہے جس کے باعث وعدہ کرنے والا اپنی رائے بدل لیتا ہے کیونکہ اس میں اپنا وعدہ پورا کرنے کی قدرت نہیں ہوتی۔

لیکن وہ خدا جو ہر کام کے انجام سے باخبر ہے اور اس کی قدرت جملہ اہل جہان کی قدرتوں پر فوقیت رکھتی ہے ہر گز اپنے وعدے سے نہ پھرے گا۔

(۷) اس کے بعد یہ اضافہ کیا گیا ہے کہ یہ کوتاہ بین لوگ دنیا کی صرف ظاہری زندگی کو دیکھتے ہیں اور آخرت اور انجام کار سے بے خبر ہیں۔

اس پیش گوئی کے چند اہم پہلو ہیں اول تو مطلقاً فتح کی خبر دی گئی ہے۔

اور اس کے بعد انہیں جلد ہی فتح نصیب ہوگی

دوسرے کفار پر اسی زمانے کے قریب مسلمانوں کی فتح کی خبر ہے۔

اور اس نصرت الٰہی کے باعث اہل ایمان خوش ہوں گے

تیسرے یہ تصریح ہے کہ واقعہ چند سال بعد ظہور پذیر ہوگا۔

چوتھے دوبارتاکید کے ساتھ اس وعدے کا قطعی ہونا ثابت کرتا ہے۔

یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ نو سال بھی نہیں گزرے تھے یہ دونوں واقعات وقوع پذیر ہو گئے نئی جنگ میں رومیوں نے ایرانیوں پر فتح حاصل کی اور قریباً اسی زمانے میں صلح حدیبیہ کے ذریعے اور ایک روایت کے مطابق جنگ بدر میں مسلمانوں کو دشمنوں پر قابل دید فتح حاصل ہوئی۔

ظاہر بین انسان راہ خدا میں خرچ کرنے کو نقصان مایہ سمجھتا ہے جب کہ مرد موحد اسے پر منفعت تجارت خیال کرتا ہے ان میں سے ایک سودخوری کو اپنی آمدنی میں افزائش کا ذریعہ خیال کرتا ہے اور دوسرا اسے باعث وبال وبدبختی وزیان سمجھتا ہے ان میں سے ایک جہاد کو اپنے لئے باعث زحمت اور شہادت کو بہ معنی فنا سمجھتا ہے اور دوسرا جہاد کو رمز سربلندی اور شہادت کو حیات جاوداں خیال کرتا ہے۔

اگر وہ لوگ دنیا کی اس زندگی کے باطن اور مخفی کیفیت کو بھی جانتے ہوتے تو یہی بات ان کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی تھی کہ آخرت میں کیا ہوگا کیونکہ اگر اس حیات ناپائیدار پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ طویل زنجیر حیات کی ایک کڑی ہے اور طویل سفر

کی ایک منزل ہے بالکل اسی طرح جیسے شکم مادر میں بچے کی زندگی مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ وہ تو ایک طویل زندگی کا ابتدائی مرحلہ ہے۔ا۔اعجاز قرآن۔علم غیب کے لحاظ سے قرآن کا معجزہ ثابت کرنے کے دلائل میں سے ایک دلیل قرآن کی غیبی خبریں بھی ہیں کہ جن کا ایک نمونہ آیات زیر بحث میں آیا ہے چنانچہ آیات کے اندر مکرر تاکیدات کے ساتھ ایک شکست خوردہ فوج کی چند سال بعد عظیم فتح کی خبر دی گئی ہے اور اس اطلاع کو خدا کے تخلف ناپذیر وعدہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔

(۸) اَوَ لَمۡ یَتَفَکَّرُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِہِمۡ ۟ مَا خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَہُمَاۤ اِلَّا بِالۡحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ وَ اِنَّ کَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآیِٔ رَبِّہِمۡ لَکٰفِرُوۡنَ	کیا وہ اپنے دل میں یہ نہیں سوچتے کہ اللہ نے آسمانوں' زمین اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے، کو نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ اور ایک معینہ مدت کے لئے؟ مگر بہت سے لوگ (قیامت اور) اپنے رب کی لقا کے منکر ہیں۔
(۹) اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً وَّ اَثَارُوا الۡاَرۡضَ وَ عَمَرُوۡہَاۤ اَکۡثَرَ مِمَّا عَمَرُوۡہَا وَ جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ؕ فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظۡلِمَہُمۡ وَ لٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ؕ	کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے؟ وہ قوت میں ان سے زیادہ تھے۔انہوں نے زمین کو زراعت اور آبادی کیلئے دگرگوں کیا اور اس سے زیادہ آباد کیا تھا۔ان کے لئے مبعوث شدہ نبی ان کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ آتے رہے اور خدا ایسا نہ تھا جو ان پر ظلم کرتا۔تو انہوں نے خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا تھا۔
(۱۰) ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃَ الَّذِیۡنَ اَسَآءُوا السُّوۡۤاٰۤی اَنۡ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَ کَانُوۡا بِہَا یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ۠	پھر ان لوگوں کا انجام جو اعمال بد کے مرتکب ہوئے، اس مقام تک پہنچا کہ انہوں نے آیاتِ الٰہی کو جھٹلایا اور ان کی ہنسی اڑائی۔

تفسیر

بدکاروں کا انجام

گزشتہ زیر بحث آیات میں سے آخری آیت میں ان ظاہر بین لوگوں کا ذکر تھا جن کے افق فکر کی وسعت صرف اس محدود

عالم اور جہاں مادی تک ہے وہ لوگ قیامت اور وجود عالم ماورائے طبیعت سے غافل ہیں۔

مگر آیات زیر بحث اور آیات آئندہ میں مبداء و معاد کے متعلق مختلف مطالب کا ذکر ہے۔

اول بطور استفہام اعتراض آمیز قرآن کہتا ہے کیا یہ لوگ اپنے ذہن میں یہ نہیں سوچتے کہ خدا نے آسمانوں کو زمین کو اور ان کے درمیان جو کچھ ہے اسے بھی حق کے بغیر پیدا نہیں کیا اور ان کیلئے ایک معین مدت مقرر کی ہے۔

یعنی اگر یہ لوگ صحیح طور پر سوچیں اور اپنے وجدان اور عقل کے فیصلے کی طرف رجوع کریں تو وہ ان دو امور سے خوب آگاہ ہو جائیں گے جن میں سے اول یہ ہے کہ یہ کائنات اساس حق پر پیدا کی گئی ہے اور اس کا وجود ایسے نظام کے تحت قائم ہے جو اس کے خالق کی عقل قدرت کامل اور اس کے وجود کی دلیل کامل ہے

دوسرے یہ کائنات زوال اور فنا کی طرف رواں ہے۔

چونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ اس خالق حکیم نے اسے بے مقصد و بے غایت پیدا کیا ہو۔ اس کا وجود اس امر کی دلیل ہے کہ اس جہاں کے بعد ایک اور دنیا اور دار البقا ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس جہاں کی آفرینش بے معنی تھی اور یہ قطعی لایعنی بات تھی کہ انسان کی چند روزہ زندگی کیلئے اس طویل وعریض کائنات کو پیدا کر دیا جائے۔

لہٰذا آیت کے اخیر میں ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے بہت سے لوگ اپنے پروردگار کی لقا کے منکر ہیں۔

یہ کہ وہ زبان سے تو انکار نہیں کرتے لیکن ان کا عمل ایسا پر عصیان اور شرم ناک ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ معاد پر قطعی یقین نہیں رکھتے کیونکہ اگر وہ معاد کے معتقد ہوتے تو ان کا عمل ایسا فاسد نہ ہوتا اور وہ خود ایسے مفسد نہ ہوتے۔

(۹) آیت مابعد میں یہ اضافہ کیا گیا ہے۔ کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی کہ وہ دیکھتے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے تھے۔

وہ لوگ طاقت میں ان سے زیادہ تھے انہوں نے زمین کو دگرگوں کیا اسے ان سے زیادہ آباد کیا تھا۔

ان کی طرف مبعوث پیغمبران کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ آئے۔

لیکن انہوں نے احکام الٰہی سے بغاوت کی اور حق کی اطاعت نہ کی نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خدا کی طرف سے دردناک عذاب میں مبتلا ہوئے۔

خدا نے تو ان پر ہرگز ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔

(۱۰) زیر بحث آیات میں سے آخری آیت میں اقوام گزشتہ کے آخری مرحلہ کفر کا بیان ہے کہ ان کی بداعمالیاں اور سرکشی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ انہوں نے آیات الٰہی کی تکذیب کی اور اس سے بھی بدتر یہ کہ ان کا مذاق اڑانے لگے۔

(۱۱) اَللّٰهُ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ ثُمَّ اِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ	خدا ہی آفرینش کا آغاز کرتا ہے، پھر اس کا اعادہ فرماتا ہے، پھر تم سب اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

(۱۲) وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ	اور جس روز قیامت برپا ہوگی مجرمین مایوسی اور غم واندوہ میں ڈوب جائیں گے۔
(۱۳) وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعَؤُا وَ كَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ	اور جنہیں انہوں نے خدا کا شریک قرار دیا تھا ان میں سے کوئی بھی ان کا شفیع نہ ہوگا اور وہ (اس روز) ان شریکوں کا انکار کردیں گے۔
(۱۴) وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ	اور جس روز قیامت برپا ہوگی تو (لوگ) ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔
(۱۵) فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَهُمْ فِيْ رَوْضَةٍ يُّحْبَرُوْنَ	وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے وہ باغِ جنت میں خوش ومسرور ہوں گے۔
(۱۶) وَ اَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ	لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا اور ہماری آیات اور لقا کی تکذیب کی، وہ عذابِ الٰہی میں حاضر کئے جائیں گے۔

تفسیر

قیامت میں مجرمین پر کیا گزرے گی

گزشتہ آیت میں ان تکذیب کرنے والوں کا ذکر تھا جو آیات الٰہی کا مذاق اڑاتے تھے اور زیرنظر آیات میں کچھ معاد اور قیامت میں مجرمین کی حالت کا ذکر کرکے معاد کے متعلق اس مضمون کی تکمیل کی گئی ہے جس کا ذکر آیات ماقبل میں آیا تھا۔

پہلے یہ فرمایا گیا ہے۔خدا آفرینش کا آغاز کرتا ہے اور پھر اس کا اعادہ کرے گا اور تم سب پھر اسی کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

اس آیت میں مسئلہ معاد کے بارے میں ایک پر معنی اور مختصر دلیل دی گئی ہے قرآن کی دوسری آیات میں بھی بالفاظ مختلف اس دلیل کی تکرار ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ

وہی ذات جو آفرینش اول پر قدرت رکھتی تھی معاد پر بھی قدرت رکھتی ہے نیز قانون عدالت اور حکمت الٰہی کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مخلوق فنا ہو کر دوبارہ پیدا ہو۔

(۱۲) آیت مابعد میں مجرموں کی حالت اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جس روز قیامت برپا ہوگی مجرمین ناامید اور غم واندوہ میں ڈوب جائیں گے۔

کیونکہ وہ عرصہ محشر میں اپنے ساتھ نہ تو ایمان اور عمل صالح لائے ہیں اور نہ اس روز ان کا کوئی مددگار و رفیق ہوگا نہ یہ امکان ہوگا کہ وہ پھر دنیا کی طرف لوٹ جائیں اور اپنی گزشتہ کوتاہیوں کی تلافی کرلیں۔

(۱۳) لہٰذا آیت مابعد میں یہ اضافہ کیا گیا ہے ان کے معبود اس روز شفاعت نہ کریں گے۔

اسی وجہ سے وہ ان معبودوں سے جنہیں وہ خدا کا شریک سمجھا کرتے تھے نفرت اور بیزاری کا اظہار کریں گے اور ان سے کسی قسم کا تعلق رکھنے سے انکار کردیں گے۔

(۱۴) اس آیت میں بروز قیامت لوگوں کے مختلف گروہ ہوجانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے بروز قیامت لوگ ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گے۔

(۱۵) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے وہ بہشت کے باغ میں نعمات الٰہی سے بہرہ مند اور مسرور و شادکام ہوں گے، اس طرح سے کہ ان کے چہروں سے مسرت کے آثار ظاہر ہوں گے۔

(۱۶) لیکن جو لوگ کافر ہوگئے ہیں اور انہوں نے ہماری آیات اور لقائے آخرت کی تکذیب کی ہے وہ ضرور عذاب الٰہی میں حاضر کئے جائیں گے۔

(۱۷) فَسُبۡحٰنَ اللّٰہِ حِیۡنَ تُمۡسُوۡنَ وَ حِیۡنَ تُصۡبِحُوۡنَ	پاک ومنزہ ہے (اسی کی تسبیح وتنزیہ کرو) جس وقت تم شام کرتے ہو اور صبح کرتے ہو۔
(۱۸) وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیۡنَ تُظۡہِرُوۡنَ	آسمانوں اور زمینوں میں حمد وستائش اسی کیلئے مخصوص ہے، بوقت ظہر بھی اور عصر بھی۔
(۱۹) یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَ یُخۡرِجُ الۡمَیِّتَ مِنَ الۡحَیِّ وَ یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ وَ کَذٰلِکَ تُخۡرَجُوۡنَ ۠	وہ خدا زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے اور زمین کو اس کی موت کے بعد حیات بخشتا ہے اور اسی طرح تم بروزِ قیامت نکالے جاؤ گے۔

تفسیر

تسبیح وحمد ہر حال میں خدا کیلئے ہے

آیات گزشتہ میں مبداء ومعاد کے موضوع پر ایک طویل بحث گزری ہے اور کسی قدر مومنین کے اجر اور مشرکین کی پاداش عمل

کا ذکر آیا ہے۔

آیات زیرنظر میں خدا کی حمد تسبیح اور ہر قسم کے شرک نقص اور عیب سے اس کے منزہ ہونے کا ذکر ہے۔

چنانچہ خدا فرماتا ہے:

تسبیح وتنزیہ اسی خدا کیلئے مخصوص ہے جس وقت کہ تم صبح کرتے ہو اور شام کرتے ہو۔

آسمان وزمین میں حمد وستائش اسی ذات پاک کیلئے مخصوص ہے اور بوقت عصر اور جب ظہر کا وقت ہوتا ہے۔

ان دو آیات میں اس ترتیب سے تسبیح پروردگار کیلئے چار اوقات بیان ہوئے ہیں۔

۱......آغاز شب۔ ۲......طلوع صبح۔ ۳......وقت عصر۔ ۴......زوال آفتاب یعنی ظہر کا وقت۔

(۱۹) اس کے بعد کی آیت میں پھر مسئلہ معاد کا ذکر ہے اور منکرین جس بات کو بعید از عقل سمجھتے تھے اس کا ایک اور طرح سے جواب دیا گیا ہے وہ یہ کہ سنت الٰہی یہ ہے کہ وہ زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے باہر نکالتا ہے۔ اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندگی بخشتا ہے تم بھی اسی طرح بروز قیامت زندہ کئے جاؤ گے اور اپنی قبروں سے نکالے جاؤ گے۔

یعنی معاد کے منظر اور اختتام دنیا کے منظر کی بالترتیب یا ہمیشہ تمہاری آنکھوں کے سامنے تکرار ہوتی رہتی ہے جن میں سے ایک تو زندہ کو مردہ سے نکالنا ہے اور دوسرا مردہ کو زندہ سے۔

بنابرایں یہ کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے کہ دنیا کے خاتمہ پر تمام زندہ موجودات مر جائیں اور قیامت میں تمام انسان ایک نئی زندگی حاصل کرلیں۔

یہ امر سب پر روشن ہے کہ سردیوں کے موسم میں زمین مردہ ہو جاتی ہے نہ اس میں گھاس اگتی ہے نہ کوئی پھول کھلتا ہے نہ کوئی شگوفہ

لیکن فصل بہار میں اعتدال ہو تو حیات بخش بارش کے قطرات گرنے کی وجہ سے زمین میں ایک جنبش پیدا ہوتی ہے ہر جگہ گھاس اگ آتی ہے پھول کھلتے ہیں شاخوں پر شگوفے نمودار ہوتے ہیں یہ ہے معاد کا منظر جسے ہم دنیا میں دیکھتے ہیں۔

زندہ سے مردہ کیونکر نکالا جاتا ہے یہ بات بھی پوشیدہ و پنہاں نہیں ہے۔

دور حاضر میں انسان نے علوم میں تجربات اور مشاہدات سے جتنی بھی ترقی کی ہے اور معلومات کا جو ذخیرہ بہم پہنچایا ہے اس کے مطابق یہ ہرگز نہیں دیکھا گیا کہ غیر ذی حیات سے زندہ وجود پیدا ہو جائے ابتداء میں یہ کرہ زمین آگ کا ایک گولا تھا اس پر زندگی کا وجود نہ تھا بعد میں ان مخصوص اسباب کی وجہ سے جن کا علوم حاضر کے ذریعے سے اب تک انکشاف نہیں ہو سکا ہے اس بے جان زمین سے ایک عظیم تحریک کے ساتھ زندہ مخلوقات پیدا ہوگئی۔

لیکن جہاں تک موجودہ حالات میں انسان کے علم و دانش کی رسائی ہے اس کے ذریعے کرہ زمین کے موجودہ حالات میں یہ تحریک نظر نہیں آتی

لیکن ہمارے لئے جو بات محسوس اور کاملاً قابل ادارک ہے وہ یہ ہے کہ بے جان موجودات زندہ موجودات کے اجسام کا جزو بن جاتے ہیں اور پھر خود بھی زندہ مخلوقات میں شامل ہو جاتے ہیں۔

ہم جو آب وغذا کھاتے ہیں وہ زندہ مخلوق نہیں ہے لیکن وہ جیسے ہی ہمارے جسم کا جزو بنتی ہے ایک زندہ مخلوق بن جاتی ہے خدا کی وجہ سے ہمارے بدن کے خلیوں پر مزید خلیوں کا اضافہ ہوتا جاتا ہے چنانچہ اسی طرح ایک طفل شیر خوار جوان ہو کر قوی ہیکل بن جاتا ہے۔

بنا بریں کہا جا سکتا ہے کہ عالم طبیعی کے نظام میں دائماً ایک دور جاری رہتا ہے کہ موت سے زندگی اور زندگی سے موت خارج ہوتی رہتی ہے۔

اسی دلیل سے وہ خدا جو خالق فطرت ہے اس امر پر بھی قادر ہے کہ بروز قیامت مردوں کو زندہ کر دے۔

(۲۰) وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ بَشَرٌ تَنۡتَشِرُوۡنَ	اور اس خدا کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ اس کے بعد جب تم انسان بن گئے تو روئے زمین پر پھیل گئے۔
(۲۱) وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ خَلَقَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا لِّتَسۡکُنُوۡۤا اِلَیۡہَا وَ جَعَلَ بَیۡنَکُمۡ مَّوَدَّۃً وَّ رَحۡمَۃً ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ	اور اس کی آیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس سے ازواج کو پیدا کیا تا کہ تم ان کی قربت میں تسکین پاؤ اور اس نے تمہارے درمیان مودّت و مہربانی پیدا کر دی۔ اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو غور کرتے ہیں۔
(۲۲) وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ خَلۡقُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافُ اَلۡسِنَتِکُمۡ وَ اَلۡوَانِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلۡعٰلِمِیۡنَ	نیز اس کی آیات میں آسمانوں اور زمین کو پیدا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا بھی ہے بیشک اہلِ علم کے لئے اسی میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

تفسیر

انفس وآفاق میں خدا کی آیات

ان آیات اور ان کے بعد آنے والی آیات کے کچھ حصے میں نظام عالم ہستی میں خدا کی نشانیوں اور دلائل توحید کے جاذب توجہ نکات کو بیان کیا گیا ہے اس بیان سے گزشتہ مباحث کی تکمیل ہوتی ہے۔

قرآن میں سب سے پہلے انسان کی آفرینش کا ذکر ہے اور تخلیق انسان اللہ کی پہلی اور سب سے اہم نعمت اور احسان ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے آیات الٰہی میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ اس کے بعد تم انسان بن گئے اور روئے زمین پر پھیل گئے۔

اس آیت میں خدا کی دو نشانیوں کا ذکر ہوا ہے۔

اول انسان کی مٹی سے پیدائش کا اس سے پہلے انسان یعنی آدم کی تخلیق مراد ہے یا تمام انسانوں کی پیدائش مراد ہے کیونکہ وہ مواد غذائی جس سے انسان کا جسم پرورش پاتا ہے بلا واسطہ یا بالواسطہ زمین ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

دوسری نشانی یہ ہے کہ نسل انسانی کثیر ہوگئی اور نسل آدم تمام روئے زمین پر پھیل گئی۔ اگر خدا آدم میں افزائش نسل کی خصوصیت نہ رکھتا تو اس کی نسل کا سلسلہ کب کا منقطع ہو چکا ہوتا۔

زیر بحث آیات میں سے دوسری آیت میں تخلیق انسان کا حال بیان کرنے کے بعد ان نشانیوں کا ذکر ہے جو انسان کے نفس میں موجود ہیں چنانچہ خدا فرماتا ہے آیات الٰہی میں سے ایک اور بات یہ ہے کہ تمہاری ہی جنس سے تمہارے لئے ازواج کو پیدا کیا گیا ہے تاکہ تم ان کی قربت میں سکون حاصل کرو۔

اور چونکہ زن وشوہر کے درمیان رشتہ محبت کی بقا کیلئے بالخصوص اور تمام انسانوں کے درمیان بالعموم ایک جذبہ اور روحانی و قلبی کشش کی ضرورت ہے اس لئے آیت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے۔ تمہارے درمیان محبت اور رحمت کو پیدا کیا۔

آیت کے اخیر میں تاکید مزید کیلئے فرمایا گیا ہے ان امور میں فکر کرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔

اس اصول فطرت سے یہ نتیجہ نکالنا درست ہے کہ جو لوگ اس سنت الٰہی کو ترک کرتے ہیں ان کی شخصیت ناقص رہ جاتی ہے کیونکہ ان کی تکمیل شخصیت کا ایک مرحلہ طے نہیں ہوا۔

زیر بحث آیات میں سے آخری آیت ان مضامین کا ایک مجموعہ ہے جن کا ان آیات میں ذکر ہوا ہے جن میں انفس و آفاق میں پائی جانے والی نشانیوں کا ذکر ہے۔

اس میں سب سے پہلے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے خدا کی عظیم آیات میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق بھی۔

آسمان پر سیاروں کے کرات ہیں ان کے نظامات کہکشائیں اور ان کی بلندی اور مسافت کا یہ عالم ہے کہ انسان کا بلند پرواز تخیل ان کی عظمت کا ادارک کرنے سے عاجز ہے اور ان کے مطالعے سے انسان تھک جاتا ہے انسان کا علم و دانش جس قدر بھی ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر خدا کی عظمت کے تازہ نکات اس پر آشکار ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد کلام کا پہلو بدل کر انسان کے نفس میں من جملہ آیات عظیم کے ایک آیت کا ذکر کیا گیا ہے فرمایا گیا ہے۔ تمہاری زبانوں اور رنگوں کا اختلاف بھی اس کی آیات عظمت میں سے ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کی اجتماعی زندگی افراد واشخاص کی شناخت کے بغیر ممکن ہی نہیں
قرآن شریف آیت کے آخر میں کہتا ہے: ان چیزوں میں اہل دانش کیلئے آیات الٰہی ہیں۔
کیونکہ اہل علم ہی عامة الناس کے مقابلے میں ان اسرار سے بہتر طور پر آگاہ ہوتے ہیں۔

(۲۳) وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّهَارِ وَ ابۡتِغَآؤُکُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ	اوراس کی آیات میں تمہاری رات اوردن کی نیند بھی ہےاورفضلِ الٰہی کے حصول کے لئےتمہاری سعی وکوشش بھی۔تحقیق ان امور میں سننے والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔
(۲۴) وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖ یُرِیۡکُمُ الۡبَرۡقَ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحۡیٖ بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ	اوراس کی آیات میں یہ بھی ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے جوخوف کا باعث بھی ہے اور (بارش کی) امید کا بھی۔اور وہ آسمان سے پانی برساتا ہےجس سے وہ زمین کواس کی موت کے بعد زندہ کردیتا ہے اس میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جوعقل سے کام لیتے ہیں۔
(۲۵) وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنۡ تَقُوۡمَ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ بِاَمۡرِہٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاکُمۡ دَعۡوَۃً ٭ۖ مِّنَ الۡاَرۡضِ ٭ۖ اِذَاۤ اَنۡتُمۡ تَخۡرُجُوۡنَ	اوراس کی آیات میں ایک یہ بھی ہے کہ آسمان وزمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔پھر جب وہ تمہیں (قیامت میں) زمین سے بلائے گا توتم (سب کےسب) فوراً نکل پڑوگے۔

تفسیر

انسان کے نفس اور خارجی دنیا میں خدا کی عظمت کی نشانیاں۔گزشتہ بحثوں کے بعد جن میں انفس وآفاق میں آیات الٰہی کا ذکر تھا زیرِ نظر آیات میں ان عظیم آیات کے ایک اور حصہ کا بیان ہے۔

اس سے پہلے نیند کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے کیونکہ وہ مظاہر فطرت میں سے ایک اہم مظہراور نظام عالم میں اس کے خالق کی حکمت کا اظہار ہے چنانچہ فرمایا گیا ہےتمہارا دن اور رات میں سونا نیز فضل الٰہی سے حصہ پانے کیلئے تمہاری سعی وکوشش اور ضروریات زندگی کو پورا کرنے کیلئےتمہاری بھاگ دوڑ اوران کا پورا ہونا یہ سب آیات الٰہی میں سے ہے۔

آیت کے اخیر میں یہ الفاظ ہیں سننے والوں کیلئے ان امور میں بہت سی نشانیاں ہیں۔

یہ نعمت الٰہی اس امر کا باعث ہوتی ہے کہ انسان کے جسم اور روح میں از سرنو قوت کارآجاتی ہے انسان جب استراحت کرتا ہےتو وہ اس وقت کام سے فارغ ہوتا ہےتھوڑی دیر سونے سے اس کی تھکن دور ہو جاتی ہے اوراس کے اعضا کو آرام مل جاتا ہے اس طرح انسان میں ایک نئی زندگی خوشی اورتازہ توانائی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر انسان سویا نہ کرتا تو اس کا جسم جلد ہی پژمردہ اور فرسودہ ہو جاتا اور بہت جلد ناتوان اور ضعیف ہو جاتا یہی وجہ ہے کہ مناسب و معتدل نیند انسان کیلئے نشاط جوانی کی بقا' طول عمر اور صحت و سلامتی کا باعث ہے۔

(۲۴) اس کے بعد کی آیت میں آیات الٰہی کی پانچویں قسم کو بیان کیا گیا ہے اس آیت میں بھی خدا کی ان نشانیوں کا ذکر ہے جو نفس انسانی سے باہر عالم خارج میں پائی جاتی ہیں اس میں خصوصیت سے رعد و برق' بارش اور زمین کی موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا ذکر ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے آیات الٰہی میں سے ایک بجلی بھی ہے جو تمہارے لئے موجب خوف بھی ہے اور باعث امید بھی۔

بجلی کا خوف تو یہ ہے کہ وہ کبھی بصورت صاعقہ ٹوٹ پڑتی ہے اور ہر اس چیز کو جو اس کے احاطہ میں آ جائے جلا خاک کر دیتی ہے بجلی چمکنے سے امید یہ ہوتی ہے کہ عموماً گرج چمک کے بعد تند و تیز بارش ہوتی ہے اس بناء پر بجلی نزول بارش کا پیش خیمہ ہے اس کے بعد یہ فرمایا گیا ہے کہ خدا آسمان سے پانی برساتا ہے جو زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کر دیتا ہے۔

آیت کے آخر میں بطور تاکید اضافہ کیا گیا ہے کہ ان چیزوں میں ان لوگوں کیلئے جو فکر کرتے اور عقل سے کام لیتے ہیں خدا کی نشانیاں ہیں۔

اہل عقل و فکر ہی یہ سمجھتے ہیں کہ اس مرتب نظام فطرت کے پیچھے کسی قادر مطلق کا ہاتھ ہے جو اس نظام کو چلا رہا ہے نیز یہ کہ یہ نظامت فطرت محض اتفاقاً یا اندھی اور بہری حرکت و ضرورت سے ظہور میں نہیں آ گیا۔

(۲۵) زیر نظر آیات میں سے آخری آیت میں عالم خارج میں موجود آیات الٰہی کے سلسلے میں زمین و آسمان کے نظام اور ان کے ثبات و بقا کا ذکر ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے آیات عظمت الٰہی میں سے ایک یہ ہے کہ آسمان و زمین اس کے امر سے قائم ہیں۔

یعنی صرف آسمان و زمین کی تخلیق ہی جیسا کہ آیت ۲۲ میں اشارہ ہوا ہے آیت الٰہی نہیں بلکہ ان کے نظام کا باقی رہنا ایک دوسری نشانی ہے کیونکہ یہ عظیم اجرام اپنی منظّم گردش کیلئے اور چیزوں کی احتیاج بھی رکھتے ہیں جن میں سے سب سے اہم ان کی باہم قوت جاذبہ اور دافعہ ہے۔

اس آیت کے اخیر میں معاد کیلئے توحید کو بنیادی شرط قرار دیتے ہوئے بحث کا رخ اسی طرف موڑتے ہوئے فرمایا گیا ہے جب وہ تمہیں زمین میں سے بلائے گا تو تم سب کے سب باہر نکل آؤ گے۔

(۲۶) وَ لَهٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ کُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ	اور آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے سب اس کے سامنے جھکے ہوئے ہیں اور سب اسی کے فرمان بردار ہیں۔
(۲۷) وَ هُوَ الَّذِیۡ یَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُهٗ وَ هُوَ اَهۡوَنُ عَلَیۡهِ ؕ وَ لَهُ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ؑ	اور وہی خلقت کا آغاز کرتا ہے، اور پھر اسے لوٹائے گا اور اس کیلئے یہ کام آسان تر ہے اور اس کیلئے آسمانوں اور زمین میں توصیفِ برتر ہے اور وہ غالب، حکمت والا ہے۔

(۲۸) ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ	خدا تمہارے لئے تمہارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے۔ کیا تمہارے غلام اور لونڈیاں تمہارے اس مال میں، جو ہم نے تمہیں دیا ہے، شریک ہیں، کیا وہ اس میں تمہارے برابر کے حصہ دار ہیں' کیا ان سے اجازت لئے بغیر تم اس میں تصرف سے اسی طرح ڈرتے ہو جیسے آزاد حصہ داروں سے؟ ہم اس طرح اپنی آیات کو ان کیلئے جو عقل سے کام لیتے ہیں کھول کر بیان کرتے ہیں۔
(۲۹) بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ	بلکہ ظالم بغیر علم و آگاہی کے اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور خدا جسے گمراہ کرے اسے کون ہدایت کر سکتا ہے اور ان کا کوئی یاور و مددگار نہ ہوگا۔

تفسیر

خدائے واحد ہی مالک حقیقی ہے

گزشتہ آیات میں توحید خالقیت اور توحید ربوبیت کے متعلق بحث تھی مگر زیر نظر آیات میں سے پہلی آیت میں توحید کی ایک اور شاخ یعنی توحید مالکیت کا ذکر ہے چنانچہ خدا فرماتا ہے زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے سب اس کیلئے ہے۔ اور چونکہ سب اس کی ملکیت ہیں اس لئے سب کے سب اس کے سامنے فروتن اور مطیع ہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ اس مقام پر مالکیت اور مطیع ہونے کا مفہوم مالکیت واطاعت تکوینی ہے یعنی قانون آفرینش کے لحاظ سے ہر شے کی زمام امر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ خواہ نہ خواہ اس کے قوانین کا پابند ہے۔

یہاں تک کہ نافرمان باغی اور قانون شکن گناہ گار بھی' خدا کے قوانین تکوینی کی پابندی پر مجبور ہیں۔ اس مالکیت کی دلیل' اس کی وہی خالقیت اور ربوبیت ہے۔ وہ ذات جس نے ابتدا میں کائنات کو خلق کیا اور اس کا نظام وتدبیر بھی جس کی قدرت میں ہے لازماً اس کا مالک اصلی بھی وہی ہے۔

(۲۷) آیات گزشتہ اور آیات آئندہ میں مبداء اور معاد کے مسائل تانے بانے کی طرح بنے ہوئے ہیں چنانچہ زیر قلم آیات میں سے آیت ۲۷ میں پھر مسئلہ معاد کا ذکر ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے اسی کی ذات ہے جس نے آفرینش کا آغاز کیا اور وہ پھر اسے

لوٹائے گا اور یہ کام اس کیلئے آسان تر ہے۔

اس آیت میں مختصر ترین استدلال کے ساتھ امکان معاد کو ثابت کیا گیا ہے روح بیان یہ ہے کہ

جب تم یہ مانتے ہو کہ آغاز آفرینش اسی کی طرف سے ہے تو بعد فنا تجدید حیات جو تخلیق اول کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے اس پر وہ کیوں قادر نہیں ہو سکتا؟

اس مقام پر ایک نکتے کی طرف توجہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ کسی کام کا آسان یا سخت ہونا فکر انسانی کے مطابق ہے جب کہ ذات لامحدود کیلئے سخت و آسان میں کوئی تفاوت نہیں ہے۔

شاید اسی وجہ سے آیت میں بلا فاصلہ یہ الفاظ ہیں۔

آسمانوں اور زمین میں خدا ہی کیلئے توصیف برتر ہے۔

کیونکہ آسمان وزمین میں کسی وجود کے متعلق بھی جو وصف کمال تصور کیا جائے مثلاً علم قدرت مالکیت عظمت جود و کرم تو اس کا مصداق اتم واکمل خدا ہی ہے کیونکہ صرف ذات الٰہی ہی لامحدود ہے باقی ماسوا اللہ محدود ہے علاوہ بریں خدا کے اوصاف ذاتی ہیں اور دیگر ہر شے کے اضافی اور عارضی ہیں

آیت کے اختتام پر بہ عنوان تاکید یا بطور دلیل فرمایا گیا ہے اور وہی عزیز وحکیم ہے۔

وہ عزیز اور شکست ناپذیر ہے لیکن قدرت نامحدود کے ہوتے ہوئے بھی وہ کوئی کام بے حساب انجام نہیں دیتا۔اس کے تمام کام حکمت پر مبنی ہیں۔

(۲۸) گزشتہ آیات میں توحید ومعاد کے متعلق کچھ دلائل بیان کرنے کے بعد ایک مثال کی صورت میں نفی شرک کی دلیل دی گئی ہے چنانچہ کہا گیا ہے خدا خود تمہارے ہی حالات سے تمہارے لئے ایک مثال دیتا ہے۔

وہ مثال یہ ہے کہ اگر تمہارے غلام اور خادم ہوں تو کیا یہ لوگ اس روزی میں جو ہم نے تمہیں دی ہے تمہارے شریک ہو جائیں گے؟

اس طرح کی شرکت کہ تم دونوں ہر طرح سے مساوی ہو (فانتم فیہ سوء) اور اس طرح بے تکلف شریک ہوں کہ تمہیں یہ ڈر ہو کہ وہ تمہاری اجازت کے بغیر تمہارے مال میں تصرف کریں گے جس طرح کہ تم اپنے آزاد شرکاء (یعنی رشتہ داروں سے اپنے مال اور میراث کے متعلق ڈرتے ہو۔ یا یہ کہ تمہارا یہ حال ہو جائے کہ تم اپنے مال میں ان کی اجازت کے بغیر تصرف نہ کر سکو۔

جب کہ تم اپنے غلاموں کی جو تمہاری مجازی ملکیت ہیں اپنے کاروبار اور اموال میں اس طرح شرکت کو نادرست سمجھتے ہو تو پھر ان مخلوقات کو جو خدا کی حقیقی ملکیت ہیں اس کا شریک کس طرح سمجھتے ہو؟ یا جب تم پیغمبروں کو مثلاً مسیح علیہ السلام کو یا ملائکہ کو یا ایسی مخلوق کو جیسے جنات ہیں یا پتھر یا لکڑی کے بتوں کو خدا کا شریک سمجھتے ہو تو بتاؤ کہ یہ تمہارا کیسا غیر منطقی اور غلط فیصلہ ہے؟

آیت کے اخیر میں اس مسئلے پر زیادہ غور وخوض کرنے کیلئے بطور تاکید فرمایا گیا ہے ہم اس طرح ان لوگوں کیلئے جو غور وفکر

کرتے ہیں اپنی آیات کی تشریح کرتے ہیں۔

البتہ تمہاری ہی زندگیوں سے واضح مثالوں کا ذکر کر کے ہم تمہیں بہ تکرار حقائق سمجھاتے ہیں تا کہ تم ان پر غور کرو کم از کم اتنا تو سمجھو کہ جو بات تم اپنے لئے پسند نہیں کرتے وہ رب العالمین کیلئے بھی پسند نہ کرو۔

(۲۹) مگر یہ آیات بینات اور اس قسم کی واضح اور روشن مثالیں صاحبان فکر کیلئے ہیں نہ کہ بے دانش نفس پرست ظالموں کیلئے جن کے دلوں پر جہل و نادانی کے پردے پڑے ہوئے ہیں اور ایام جاہلیت کی خرافات اور تعصّبات نے ان کی فضائے فکر کو تیرہ و تار کر دیا ہے اس لئے آیت بعد میں یہ اضافہ کرتی ہے ظالم علم و آگاہی کے بغیر اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کرتے ہیں ان کا عمل کسی دلیل کے تحت نہیں ہے۔

خدا نے ایسے لوگوں کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے وادی ضلالت میں پہنچا دیا ہے بھلا ان لوگوں کی ہدایت کون کر سکتا ہے جنہیں خدا نے گمراہ کیا ہو۔

یہ مسلم ہے کہ خدا جن لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دے تو ان کا کوئی بھی یاور و ناصر نہ ہوگا۔

(۳۰) فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ	تو اپنا رُخ پروردگار کے خالص دین کی طرف کر لے کیونکہ یہ فطرت ہے کہ جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی تخلیق میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا اور یہی محکم و استوار دین ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیت کو نہیں جانتے۔
(۳۱) مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ	تم اسی خدا کی طرف رجوع کئے رہو، نماز قائم کرتے رہو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ۔
(۳۲) مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ	(نہ ان لوگوں میں ہونا) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ اسی سے خوش ہے جو کچھ اس کے پاس ہے۔

تفسیر

اس مقام تک مشاہدہ کائنات سے توحید و خدا شناسی کا سبق حاصل کرنے اور یہ ثابت کرنے کیلئے کہ اس عالم مادی کے ماوراء ایک ایسی ذات ہے جو مبداء علم و قدرت ہے، بہت سی بحثیں ہوئی ہیں

اس آیت میں اس توحید کا ذکر ہے جو عالم فطرت میں موجود ہے یعنی اس مسئلہ توحید کو مشاہدہ عالم مظاہر کے بجائے مشاہدہ نفس مشاہدہ باطن اور کیفیت عالم وجدان کے زاویہ نظر سے بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ فرمایا گیا ہے خدا کے پاک اور خالص دین کی طرف رخ کرو۔

کیونکہ یہی وہ فطرت ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے خدا کے عمل تخلیق میں تغیر نہیں ہوتا۔

اور یہی محکم واستوار دین وآئین ہے۔

مگر اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

دین حنیف وہ دین ہے جو تمام انحرافات، خرافات، کجی اور گمراہیوں سے جدا ہے اور راستی اور درستی کی طرف مائل ہے۔

(۳۱) اس کے بعد کی آیت میں یہ اضافہ ہے کہ دین حنیف یعنی خالص وفطری دین کی طرف تمہاری توجہ اس حال میں ہے کہ تم خدا کی طرف لوٹو گے۔

تمہارے وجود کی اصل واساس توحید پر ہے اور آخر کار تم اسی بنیاد کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

انابت اور بازگشت کے ذکر کے بعد تقویٰ کا حکم ہے کہ جو تمام اوامر ونواہی کا جامع ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے خدا سے پرہیز کرو۔ یعنی اس کے احکام کی مخالفت سے پرہیز کرو۔

اس کے بعد تمام اوامر میں سے سب سے زیادہ زور اور تاکید نماز پر ہے۔ فرمایا گیا ہے نماز قائم کرو۔

کیونکہ نماز ہر جہت سے شرک کے ساتھ مبارزۃ کا بہترین لائحہ عمل ہے اور عقیدہ توحید اور ایمان باللہ کو مستحکم کرنے کا بہترین وسیلہ ہے۔

اس لئے ذکر صلوۃ کے بعد ہی شرک کے بارے میں فرمایا گیا ہے مشرکین میں سے مت ہو جانا۔ کیونکہ شرک عظیم ترین گناہ اور اکبر کبائر ہے ممکن ہے روز حساب خدا ہر قسم کے گناہوں کو بخش دے مگر وہ گناہ شرک کو کبھی نہ بخشے گا۔

(۳۲) زیر نظر آیت میں علامات ونتائج شرک میں سے ایک کو نہایت مختصر اور پر معنی عبارت میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تم مشرکین میں سے نہ ہو جانا وہی لوگ جنہوں نے اپنے دین کو پارہ پارہ کر لیا ہے اور مختلف فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم ہو گئے ہیں۔

اور عجیب بات یہ ہے کہ ان فرقوں میں باہم جو تضاد واختلاف ہے اس کے باوجود ہر گروہ اپنے عقائد اور مسلمات سے خوش ہے۔

یہ مسلم ہے کہ علامات شرک میں سے ایک پراگندگی اور باہمی تفرقہ بھی ہے کیونکہ مختلف معبودوں کی پرستش سے متفاوت عقائد اور منتشر روش فکر پیدا ہوتی ہے اور یہ چیزیں باہمی تفرقہ اور پراگندگی کا موجب ہو جاتی ہیں۔

ا۔ توحید انسان کی داخلی قوی قوت جاذبہ ہے۔ جس طرح کہ دلائل عقلی ومنطقی انسان کے طرز عمل کو معین کرتے ہیں اسی طرح اس کے نفس میں ایسے جذبات اور تمائلات موجود ہیں کہ جو کبھی تو شعوری اور کبھی غیر شعوری طور پر اس کے طرز عمل کا تعین کرتے ہیں۔

نسل انسانی کے بقا کا راز ہی یہ ہے کہ انسان مسائل حیات میں ہمیشہ ہی دلائل عقلی و منطق سے کام نہیں لیتا کیونکہ اگر وہ ایسا کرنے لگے تو بہت سے مقاصد زندگی معطل ہو کے رہ جائیں مثلاً اگر انسان غذا کھانے یا آمیزش جنسی کیلئے طبی اور منطقی دلائل دینے لگے۔یعنی غذا کھانے سے ''بدل ما یتحلل ''ہوتا ہےاور توالد وتناسل بقائے نسل انسانی کا باعث ہے تو اس کی نوع اب سے پہلے کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی۔لیکن جنسی جذبہ وجبلت اور غذا کھانے کی خواہش خواہ نہ خواہ اس سے یہ اعمال سرزد کراتی ہے اور یہ مقاصد جس قدر بقائے حیات فرد اور بقائے نوع کیلئے زیادہ مفید ہوتے ہیں یہ جذبات بھی اتنے ہی زیادہ قوی ہوتے ہیں۔

لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ کشش اور میلان دو قسم کا ہے کبھی تو غیر شعوری ہوتا ہے جیسے کہ حیوانات عقل و فکر کے بغیر ہی غذا اور جنس مخالف کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

اور کبھی یہ میلان شعوری ہوتا ہے یعنی یہ جبلت عقل وشعور سے کام لے کر اپنا عمل کرتی ہے۔

قسم اول کے جذبات کو جبلت اور قسم دوم کو فطرت کہتے ہیں۔

خدا پرستی اور اس کی ذات کی طرف میلان قلب ہر شخص کی فطرت اصلیہ ہے۔

ممکن ہے کہ بعض حضرات ہماری اس بات کو ایسا ادعا سمجھیں جو خدا پرست لوگوں کی طرف سے تراش لیا گیا ہے۔مگر ہمارے پاس ایسے شواہد موجود ہیں جن سے نہ صرف انسان کا میلان ذات الٰہی کی طرف فطری ثابت ہوتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اپنے تمام اصولوں کے ساتھ ایک فطری امر ہے مثلاً

1۔انسان کی پر ہنگامہ طویل تاریخ میں ہمیشہ کسی نہ کسی قسم کا مذہبی اعتقاد اور ماورائے فطرت طاقت پر ایمان ضرور رہا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ فطرت انسانی ہے کیونکہ اگر اعتقاد وایمان باللہ صرف انفرادی رجحان اور عادت ہوتا اور یہ جذبہ عمومیت نہ رکھتا اور نہ دائمی اور ہمیشگی ہوتا تو یہ نتیجہ نکالا جا سکتا تھا کہ یہ عارضی واقعہ ہے مگر اس کی عمومیت اور دوام اس کے فطرت ہونے کی دلیل ہے۔

2۔آج کی دنیا کے مشاہدے سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانے کی بعض مستبد طاقتوں نے اپنی پوری کوشش اور طاقت صرف کر کے لوگوں کے دلوں سے مذہب کو محو کرنا چاہا۔لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئیں۔

3۔علاوہ بریں ماہرین نفسیاتی اور ماہرین تجزیہ نفسی نے ابعاد روح انسانی کے بارے میں جو انکشافات کئے ہیں وہ بھی مذہب کے فطری ہونے پر شاہد ہیں وہ کہتے ہیں کہ نفس انسانی کے مختلف ابعاد کے متعلق تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں ایک جوہر

قدسی یا یزدانی بھی ہے جسے جبلت مذہبی کہنا چاہئے بعض ماہرین نفسیاتی اس امر کے قائل ہیں کہ انسان میں راستی علم نیکی اور زیبائی کے جذبات کا سرچشمہ یہی جوہر قدسی ہے۔

۱۔حس راستی۔ انسان میں یہ حس ہر قسم کے علوم وفنون کا سرچشمہ ہے یہی انسان کو رموز کائنات کی تحقیق اور انکشاف پر آمادہ کرتی ہے۔

۲۔حس نیکی۔ یہ حس انسان کو فضائل اخلاق مثلاً عدالت' شجاعت' قربانی اور ان جیسے دیگر امور کی طرف مائل کرتی ہے۔

۳۔حس زیبائی۔(جبلت حسن) یہ جبلت انسان کو فنون لطیفہ، جمالیات، ادبیات، ذوقی اور وجدانی اشواق کی طرف مائل کرتی ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرد اور معاشرے کو متغیر کر دیتی ہے۔

۴۔حس مذہبی۔یعنی یہ ایمان رکھنا کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے اور اس کی عبادت اور حمد وثنا کرنا۔

4۔انسان کی یہ جبلت بھی کہ وہ مصائب کے طوفان میں اپنی مشکلات کے حل اور شدائد زندگی سے نجات حاصل کرنے کیلئے کسی نادیدہ اور ماورائی طاقت سے لو لگاتا ہے اس حقیقت کی شاہد ہے کہ اس کے اندر ایک اندرونی جذبہ اور فطری الہام موجود ہے جو اسے وجود خدا کا یقین دلاتا ہے۔

(۳۳) وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوۡا رَبَّہُمۡ مُّنِیۡبِیۡنَ اِلَیۡہِ ثُمَّ اِذَاۤ اَذَاقَہُمۡ مِّنۡہُ رَحۡمَۃً اِذَا فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ بِرَبِّہِمۡ یُشۡرِکُوۡنَ ۙ	جس وقت لوگوں کو ضرر پہنچتا ہے تو وہ اپنے رب کو پکارتے اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ پھر جب وہ انہیں اپنی رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک فریق اپنے پروردگار کی طرف سے مشرک ہو جاتا ہے۔
(۳۴) لِیَکۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَیۡنٰہُمۡ ؕ فَتَمَتَّعُوۡا ۟ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ	تا کہ ہماری نعمتوں کا انکار کرے۔تم فائدہ اٹھا لو مگر جلد ہی تمہیں معلوم ہو جائے گا۔
(۳۵) اَمۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنًا فَہُوَ یَتَکَلَّمُ بِمَا کَانُوۡا بِہٖ یُشۡرِکُوۡنَ	کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی محکم دلیل نازل کی ہے جو انہیں شرک کرنا سکھاتی ہے اور اس کی توجیہ کرتی ہے؟

(۳٦) وَ اِذَآ اَذَقۡنَا النَّاسَ رَحۡمَةً فَرِحُوۡا بِهَا ؕ وَ اِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ اِذَا هُمۡ يَقۡنَطُوۡنَ	اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور جب ان کے اعمال کے سبب انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اچانک مایوس ہو جاتے ہیں۔

تفسیر

زیرنظر آیات میں سے پہلی آیت گزشتہ آیات کے مضمون پر استدلال اور تاکید ہے یعنی تصور توحید ایک فطری امر ہے اور مصائب اور شدائد کے وقت یہ نور الٰہی دل میں چمکتا ہے چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے جب انسانوں کو کوئی ضرر پہنچتا ہے تو وہ خدا کو یاد کرتے ہیں اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

لیکن یہ لوگ اس قدر کم ظرف' کوتاہ فکر' اسیر تعصب اور اپنے بزرگوں کے ایسے اندھے مقلد ہیں کہ جیسے ہی ان کے اوپر سے سخت حادثات گزر جاتے ہیں اور نسیم راحت وآرام چلتی ہے اور خدا ان پر اپنی طرف سے رحمت کی بارش کرتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ اپنے پروردگار کے معاملے میں مشرک ہو جاتا ہے۔

"منیبین الیه" کا مفہوم جیسا کہ ہم نے سابقاً ذکر کیا توجہ طلب ہے کیونکہ "انابة" مادہ "نوب" سے بنا ہے اس کے معنی ہیں کسی چیز کی طرف پھر لوٹ جانا اس سے اس معنی کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ انسان کی فطرت میں جذبہ توحید وخدا پرستی بنیادی طور پر موجود ہے اور شرک ایک عارضی صورت ہے کہ انسان کسی وقت خدا سے امید منقطع کر لیتا ہے مگر پھر خواہ نہ خواہ ایمان باللہ اور توحید کی طرف لوٹتا ہے۔

(۳۴) اس کے بعد کی آیت میں ان کم ظرف مشرکین کی تنبیہ وتہدید کیلئے کہ جو نعمات الٰہی کے حصول کے بعد اللہ کو بھول جاتے ہیں فرمایا گیا ہے انہیں ہماری نعمتوں کا انکار کرنے دو اور جو کچھ ان کی امکان میں ہے انہیں کرنے دو۔

جتنا بھی تمہارے امکان میں ہے اس دنیا کی زودگزر نعمتوں سے فائدہ اٹھالو۔

مگر تم جلد ہی اپنے برے اعمال کا نتیجہ دیکھ لوگے۔

(۳۵) آیت مابعد میں گروہ مشرکین کو قصوروار ثابت کرنے کیلئے ان کے خلاف سرزنش کو سوال کے پیرائے میں ادا کیا گیا ہے کیا ہم نے ان پر کوئی دلیل محکم نازل کی ہے جو انہیں راہ شرک پر چلنے کی ترغیب دیتی ہے۔

(۳٦) زیرنظر آیات میں سے آخری آیت جس میں ان مشرک کم ظرف جہلا کی طرز فکر اور نفسیاتی کیفیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے کے الفاظ یہ ہیں کہ ہم جس وقت لوگوں کو اپنی رحمت سے سرفراز کرتے ہیں تو وہ خوش اور مغرور ہو جاتے ہیں مگر جب انہوں نے جو اعمال انجام دیئے ہیں ان کے نتیجے میں انہیں رنج اور تکلیف پہنچتی ہے تو وہ مایوس اور ناامید ہو جاتے ہیں۔

جب کہ راست باز مومنین وہ ہیں کہ نہ تو وہ نعمت وغناء کے وقت غرور وغفلت میں مبتلا ہوتے ہیں اور نہ مصیبت کے وقت ان پر یاس وناامیدی طاری ہوتی ہے وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نعمت عطیہ الٰہی ہے اس لئے وہ اس کیلئے خدا کا شکر کرتے ہیں اور مصیبت کو وہ آزمائش وامتحان یا اپنے اعمال کا نتیجہ سمجھتے ہیں لہٰذا وہ صبر کرتے ہیں اور اللہ تعالٰی سے دعا کرتے ہیں

(۳۷)اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ	کیا انہوں نے دیکھا کہ خدا جس کیلئے چاہتا ہے روزی کو فراخ (اور جسکے لئے چاہتا ہے تنگ) کر دیتا ہے؟ بے شک اس میں ایماندار لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں۔
(۳۸) فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰی حَقَّہٗ وَ الۡمِسۡکِیۡنَ وَ ابۡنَ السَّبِیۡلِ ؕ ذٰلِکَ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ ۫ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ	پس تو قریبیوں، مسکینوں اور مسافروں کا حق ادا کردو۔ یہ امر ان لوگوں کیلئے جو رضائے خدا کے طالب ہیں، بہتر ہے اور ایسے ہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔
(۳۹) وَ مَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّیَرۡبُوَا۠ فِیۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰہِ ۚ وَ مَاۤ اٰتَیۡتُمۡ مِّنۡ زَکٰوۃٍ تُرِیۡدُوۡنَ وَجۡہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ	اور تم جو سود دیتے ہو تا کہ لوگوں کے لئے مال میں افزائش ہو تو خدا کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی البتہ تم جو بطور زکوۃ صرف رضائے الٰہی کے لئے دیتے ہو ایسے لوگ دوگنا اجر پانے والے ہیں۔
(۴۰)اَللّٰہُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ ثُمَّ رَزَقَکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ؕ ہَلۡ مِنۡ شُرَکَآئِکُمۡ مَّنۡ یَّفۡعَلُ مِنۡ ذٰلِکُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ ؕ سُبۡحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ۠	خدا ہی کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، پھر رزق دیا پھر وہ تمہیں موت دے گا اور پھر زندہ کرے گا۔ تم نے خدا کے لئے جو شریک قرار دیئے ہیں ان میں سے کوئی ایسا ہے کہ ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے؟ اللہ کی ذات ان شرکاء سے جو تم قرار دیتے ہو، منزہ و برتر ہے۔

تفسیر

پہلی زیر بحث آیت میں بھی گزشتہ مقامات کی طرح توحید ربوبیت کا تذکرہ ہے اور جیسا کہ آیات ماقبل میں آچکا ہے بعض کم ظرف لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جب ہم انہیں اپنی نعمتیں عطا کرتے ہیں۔ تو وہ مغرور ہو جاتے ہیں اور جب وہ کسی بلا یا مصیبت سے

دو چار ہو جاتے ہیں تو مایوس ہو جاتے ہیں اسی نسبت سے اس آیت میں فرمایا گیا ہے کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ خدا جس کیلئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔

یہ درست ہے کہ یہ عالم عالم اسباب ہے جو لوگ محنتی اور سخت کوش ہیں عام طور پر وہ زیادہ کماتے ہیں اور خوش حال ہیں بخلاف ازیں کاہل اور کم کوش لوگ عسرت میں رہتے ہیں لیکن یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کیونکہ کبھی ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ نہایت لائق اور جدو جہد کرنے والے لوگ جتنی بھی زیادہ کوشش کرتے ہیں کامیاب نہیں ہوتے اس کے بالعکس ایسے لوگ بھی نظر آتے ہیں جو کسب معاش میں بہت کوشش نہیں کرتے مگر ان کیلئے ہر طرف سے روزی کے دروازے کھلے ہوتے ہیں۔

یہ مستثنیات اس لئے ہیں تا کہ خدا یہ بتادے کہ اس عالم اسباب میں جو تر غیبات ہیں ان کا نتیجہ یہ نہ ہو کہ انسان عالم اسباب میں ہی گم ہو جائے۔ انسان کو یہ نہ بھولنا چاہئے کہ اس کارخانے کی پشت پر ایک قوی ہاتھ ہے جو اسے چلا رہا ہے۔

اس لئے آیت کے آخر میں قرآن فرماتا ہے ان معاملات میں ان لوگوں کیلئے جو ایمان لائے ہیں خدا کی قدرت اور عظمت کی نشانیاں ہیں۔

(۳۸) اور چونکہ ہر نعمت الٰہی اپنے ساتھ ذمہ داریاں اور فرائض بھی لاتی ہے اس لئے آیت ما بعد میں روئے سخن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جب کہ ایسا ہے تو تم اپنے اعزا و اقارب کا حق ادا کرو۔ اسی طرح مسکینوں اور مسافروں کی مدد کرو۔

کلمہ حقہ سے اس واقعیت کا اظہار مقصود ہے کہ مذکورہ بالا لوگ انسان کے مال و دولت میں شریک ہیں۔ اگر انسان انہیں کچھ بطور امداد دیتا ہے تو درحقیقت وہ ان کا حق ادا کر رہا ہے اور ان پر کچھ احسان نہیں کر رہا۔

بہرحال آیت کے اخیر میں نیکوکار لوگوں کی تشویق اور ضمناً اس بخشش کی شرط قبولیت کے طور پر فرمایا گیا ہے یہ کام ان لوگوں کیلئے بہتر ہے جو صرف رضائے الٰہی کے طالب ہیں۔

اور جو لوگ کہ ایسے کارہائے خیر انجام دیتے ہیں وہ نجات یافتہ ہیں۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ آیت بالا میں کلمہ وجہ اللہ سے خدا کی جسمانی صورت مراد نہیں ہے کیونکہ وہ صورت جسمانی نہیں رکھتا بلکہ اس کلمہ سے مراد خدا کی ذات ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف انفاق اور رشتہ داروں اور دیگر صاحبان حقوق کا حق ادا کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ اخلاص اور پاک نیت کے ساتھ ہو اس میں کسی قسم کی ریا کاری اور خودنمائی نہ ہو اور نہ احسان وتحقیر کا جذبہ ہو دینے والا کسی قسم کی بدلے کا منتظر بھی نہ رہے۔

(۳۹) آیت مابعد میں اس بحث کی مناسبت سے جو انفاق خالص کے متعلق جاری تھی انفاق کی دو صورتوں کا ذکر ہے اول تو وہ انفاق ہے جو محض لوجہ اللہ کیا جائے اور دوسرے وہ جو حصول مال دنیا کیلئے کیا جائے اس سلسلے میں خدا فرماتا ہے تم جو مال اس مقصد

سے خرچ کرتے ہو کہ اس سے افزائش ہو اور لوگوں کے اموال میں اضافہ ہو جائے تو خدا کے نزدیک اس میں کچھ اضافہ نہ ہوگا البتہ تم جو بطور زکوۃ صرف رضائے الٰہی کیلئے دیتے ہو اس قسم کے لوگ کئی گنا اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔

درحقیقت بمعنی افزائش ہے:

ان میں سے پہلی تفسیر جو سب سے زیادہ واضح اور آیت کے مفہوم سے ہم آہنگ تر' اور ان روایات سے ہم ساز ہے جو اہل بیتؑ سے منقول ہیں یہ ہے کہ اس مقام پر ربا سے مراد وہ تحائف ہیں جو بعض لوگ دوسروں کیلئے بالخصوص صاحبان دولت و ثروت کیلئے لے جاتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان اہل دولت سے زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر منفعت حاصل کریں۔

یہ امر بدیہی ہے کہ امرا کو جو ہدیئے پیش کئے جاتے ہیں انہیں مستحق امداد سمجھ کر تو نہیں پیش کئے جاتے اور نہ یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ لوگ حاجت مند ہیں اس لئے پہلے ان کی مدد کرنی چاہئے بلکہ مدنظر یہ ہوتا ہے کہ یہ ہدیہ ایسی جگہ دیا جائے جہاں سے زر کثیر حاصل ہو سکے یہ فطری امر ہے کہ اس طرح کے تحائف جن میں شائبہ اخلاص نہیں ہوتا اخلاقی نقطہ نگاہ سے ان کی کوئی قدر نہیں ہے۔

(۴۰) زیر بحث آخری آیت میں بار دیگر مبداء و معاد کا ذکر ہے جو کہ اس سورہ کی بہت سی آیات کا بنیادی موضوع ہے اس آیت میں خدا کو چار اوصاف سے متصف کیا گیا ہے تا کہ شرک کی نفی اور توحید کا اثبات ہو اور وقوع معاد پر بھی دلیل قائم ہو چنانچہ فرمایا گیا ہے خدا ہی کی وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اس کے بعد تمہارے لئے رزق مہیا کیا پھر تمہیں وہ مار دے گا اور پھر زندہ کرے گا۔ جن کو تم نے خدا کا شریک قرار دیا ہے کیا ان میں سے کسی میں بھی یہ قدرت ہے کہ وہ یہ کام کر سکے۔

خدا کی ذات ان شرکاء سے جو تم اس کیلئے تجویز کرتے ہو منزہ اور برتر ہے۔

یہ امر مسلم ہے کہ مشرکین میں سے کسی کا بھی یہ اعتقاد نہ تھا کہ فاعل تخلیق بت ہیں یا یہ کہ انہیں رزق پہنچانا بتوں کے اختیار میں ہے یا ان کی حیات و مرگ کے مختار وہ ہیں کیونکہ وہ ان خودساختہ معبودوں کو اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ اور شفاعت کنندہ سمجھتے تھے نہ کہ خالق آسمان و زمین اور نہ روزی دہندہ اس لئے قرآن میں یہ سوالات استفہام انکاری ہیں اور سوالات کی روح جواب میں نفی کی متقاضی ہے۔

نیز "**سبحانه و تعالىٰ عما يشركون**" سے یہ حقیقت ظاہر ہوتی ہے کہ ان مشرکین نے ذات خدا کے مرتبے کو غیر معمولی طور پر اس کے مقام ارفع سے نیچے گرا دیا تھا اور اس ذات کو اپنے خودساختہ معبودوں کی صف میں جگہ دے دی تھی۔

(۴۱) ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ	لوگوں کے اعمال کے باعث خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ انہیں ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے۔ شاید کہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔

(۴۲) قُلۡ سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلُ ؕ کَانَ اَکۡثَرُہُمۡ مُّشۡرِکِیۡنَ	ان سے کہہ دو زمین میں چل پھر کر دیکھیں ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے ان میں سے اکثر مشرک تھے۔
(۴۳) فَاَقِمۡ وَجۡہَکَ لِلدِّیۡنِ الۡقَیِّمِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا مَرَدَّ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ یَوۡمَئِذٍ یَّصَّدَّعُوۡنَ	(اے پیغمبرؐ) تم پنا رخ مستقیم اور پائیدار دین کی طرف کئے رہو اس دن کے آنے سے پہلے جسے ارادۂ الٰہی سے کوئی روک نہیں سکتا۔ اس روز لوگ جماعتوں میں بٹ جائیں گے۔
(۴۴) مَنۡ کَفَرَ فَعَلَیۡہِ کُفۡرُہٗ ۚ وَ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِاَنۡفُسِہِمۡ یَمۡہَدُوۡنَ ۙ	جس شخص نے کفر کیا اس کا کفر اسی کیلئے ضرر رساں ہے اور جو لوگ کہ اعمالِ صالح بجالاتے ہیں وہ (اجر الٰہی کو) اپنے ہی فائدے کیلئے مہیا کرتے ہیں۔
(۴۵) لِیَجۡزِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡکٰفِرِیۡنَ	یہ اس لئے ہے کہ خدا ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور اعمال صالح انجام دیتے ہیں اپنے فضل سے جزا دے یقیناً وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

تفسیر

لوگوں کے اعمال ہی سرچشمہ فساد ہیں

گزشتہ آیات میں شرک کا ذکر تھا ہم جانتے ہیں کہ مفاسد کی جڑ توحید کو فراموش کر دینا اور شرک اختیار کرنا ہے اس لئے زیر نظر آیات میں اول یہ کہا گیا ہے کہ لوگوں کے اعمال کے نتیجے میں خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا ہے۔

خدا چاہتا ہے کہ لوگ اپنے اعمال کا ردعمل دیکھیں اور جو کام انہوں نے کئے ہیں ان میں سے بعض کا نتیجہ چکھیں اس طرح شاید ان کی آنکھیں کھلیں اور اللہ کی طرف رجوع ہوں۔

(۴۲) آیت مابعد میں زمین پر سیر کا حکم بیان مصلحت دیا گیا ہے کہ قوموں کے ارتکاب گناہ کی وجہ سے زمین پر ظہور فساد سے جو نتائج رونما ہوئے اس کے شواہد اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اس ضمن میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ ان لوگوں سے کہہ

دوتم زمین میں سفر کرواور گزشتہ امتوں کے حالات کی تحقیق کرواوران کے اعمال اوران کے نتائج کی تفتیش کروتو تمہیں معلوم ہوگا کہ تم سے پہلی جوقومیں ان مقامات میں آباد تھیں اور شرک وانکار پر مصر تھیں ان کا انجام کیا ہوا۔

ان کے ویران شدہ قصور ومحلات کو بہ نظر عبرت دیکھواور دیکھو کہ انہوں نے جوخزانے جمع کئے تھے وہ لٹ چکے ہیں مشاہدہ کرو کہ ان کی وہ جماعت جسے اپنی قوت اور توانائی پر ناز تھا پراگندہ ہوگئی ہے اور دیکھو کہ ان کی قبریں ٹوٹ پھوٹ کر ویران ہوگئی ہیں اوران کی ہڈیاں گل سڑ گئی ہیں۔

البتہ ان میں سے اکثر افراد مشرک تھے۔اور یہ شرک ام الفسا داوران کی تباہی کا باعث ہوا۔

(۴۳) چونکہ نصیحت حاصل کرنا خواب غفلت سے بیدار ہونا اور پھر خدا کی طرف رجوع کرنا ہی کافی نہیں ہوتا اس لئے آیت مابعد میں خدا پیغمبر ﷺ اکرم کی طرف روئے سخن کر کے یہ فرماتا ہے تم اپنا رخ مستقیم اور پائیدار دین (وہ دین جوتوحید خالص کی تعلیم دیتا ہے) کی طرف کئے رہواس دن کے آنے سے قبل جسے ارادہ الٰہی سے کوئی روک نہیں سکتا اور نہ خدا کا پروگرام معطل ہوسکتا ہے اس روز لوگ پراگندہ اور گروہ در گروہ ہو جائیں گے ایک گروہ بہشت میں اور دوسرا گروہ دوزخ میں جائے گا۔

آیت کے مخاطب جناب رسالت مآب ﷺ ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب پیغمبر ﷺ کو یہ تاکید ہے تو دوسرے سمجھ لیں کہ پھران کی کیا حیثیت ہے۔

(۴۴) اس آیت میں اس امر کی تشریح ہے کہ بروز قیامت لوگ کس طرح جماعتوں میں تقسیم ہو جائیں گے چنانچہ فرمایا گیا ہے جس نے کفر کیا اس کا نقصان خود اسی کو پہنچے گا۔

لیکن وہ لوگ جو اعمال صالح انجام دیتے ہیں وہ ان اعمال کے ذریعے اجرالٰہی کو اپنے لئے مہیا کرتے ہیں۔

(۴۵) یہ امر توجہ طلب ہے کہ جہاں کفار کا ذکر ہے جملہ ''من کفر فعلیه کفره'' پر ہی اکتفا کی گئی ہے لیکن جب اہل ایمان کا ذکر آتا ہے تو آیت مابعد میں بالوضاحت یہ بیان ہے کہ انہیں صرف بوزن اعمال ہی جزا نہیں ملے گی بلکہ خدا انہیں ایسی نعمات کثیر عطا فرمائے گا جو اس کے فضل وکرم کی شایان شان ہیں۔

مقصود یہ ہے کہ خدا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اعمال صالح انجام دیتے ہیں اپنے فضل وکرم سے جزائے خیر دے گا۔

یہ امر مسلم ہے کہ خدا کے اس فضل سے کفار مستفید نہ ہوسکیں گے کیونکہ خدا کفار کو دوست نہیں رکھتا۔

(۴۶) وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ یُّرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّ لِیُذِیْقَکُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَ لِتَجْرِیَ الْفُلْکُ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ	اس کی (عظمت وقدرت کی) نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہواؤں کو بشارت دہندہ بنا کر بھیجتا ہے تاکہ تمہیں اپنی رحمت سے سیراب کرے اور اسی کے حکم سے کشتیاں چلیں تم اس کے (فضل سے) استفادہ کرو۔ ممکن ہے کہ تم اس کا شکر (بھی) ادا کرو۔
(۴۷) وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَ کَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ	ہم نے تم سے پہلے ان کی قوم کی طرف رسول بھیجے۔ وہ ان کے پاس ہماری روشن دلیلیں لے کر گئے (مگر جب پند و نصائح سے کوئی فائدہ نہ ہوا تو) تو ہم نے مجرمین سے انتقام لیا (اور ہم نے مومنین کی مدد کی) اور مومنین کی مدد کرنا ہم پر ہمیشہ فرض ہے۔
(۴۸) اَللّٰهُ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا فَیَبْسُطُهٗ فِی السَّمَآءِ کَیْفَ یَشَآءُ وَ یَجْعَلُهٗ کِسَفًا فَتَرَی الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَاۤ اَصَابَ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اِذَا هُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۚ	وہ خدا ہی ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تاکہ وہ بادلوں کو حرکت میں لے آئیں، پھر انہیں آسمان کی وسعت میں جس طرح چاہتا ہے پھیلا دیتا ہے اور پھر انہیں تہ در تہ کر دیتا ہے۔ پھر تم دیکھتے ہو کہ ان بادلوں کے بیچ میں سے بارش کے قطرے گرنے لگتے ہیں۔ جب خدا (اس حیات بخش بارش کو) اپنے بندوں پر (جنہیں وہ چاہتا ہے) برساتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔
(۴۹) وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّنَزَّلَ عَلَیْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِیْنَ	اور ہر چند کہ، وہ اس سے قبل کہ ان پر بارش نازل ہو، مایوس تھے۔

(۵۰) فَانْظُرْ اِلٰی اٰثَارِ رَحْمَتِ اللّٰہِ کَیْفَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ لَمُحْیِ الْمَوْتٰی ۚ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ	رحمتِ الٰہی کے آثار دیکھو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد کس طرح زندہ کر دیتا ہے، اور وہی ذات مردوں کو زندہ کرے گی اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر

ہم کہہ چکے ہیں کہ اس سورہ میں دلائل توحید باری تعالیٰ کا قابل لحاظ حصہ سات آیتوں میں بیان ہوا ہے ان میں سے ہر آیت ومن ایاتہ کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے ان آیات میں سے چھ پر صفحات ماقبل میں گفتگو ہو چکی ہے اب آخر میں ہم سب سے آخری ساتویں آیت پر غور کرتے ہیں۔

آیت ماقبل الذکر میں ایمان اور عمل صالح کا بیان تھا دلائل توحید بھی اس سلسلے میں برائے تاکید ہوں گے خداوند کریم فرماتا ہے کہ خدا کی عظمت وقدرت کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ہواؤں کو بشارت دہندہ بنا کر بھیجتا ہے۔

وہ ہوائیں بارش کے جلو میں حرکت کرتی ہیں بادل کے ٹکڑوں کو گھیر کر لاتی ہیں اور باہم پیوست کرتی ہیں پھر انہیں خشک اور پیاسی زمینوں کی طرف لے جاتی ہیں یہ بادل صفحہ آسمان پر چھا جاتے ہیں اور فضا کا درجہ حرارت تبدیل ہو جاتا ہے پھر بارش ہونے لگتی ہے۔

آیت کے آخری الفاظ یہ ہیں خدا چاہتا ہے کہ وہ تمہیں اپنی رحمت کا ذائقہ چکھائے اور یہ کہ کشیاں اسی کے حکم سے چلیں اور تم اس کے فضل سے بہرہ یاب ہو ممکن ہے کہ اس طرح تم اس کا شکر ادا کرو۔

ہوائیں مویشیوں کی پرورش اور کاشتکاری کیلئے گوناں گوں نعمات کا باعث ہیں نیز وہ حمل ونقل کا وسیلہ بھی ہیں نتیجتاً تجارتی امور میں پیش رفت کا سبب ہوتی ہیں قرآن میں ان فوائد کی طرف تین جملوں سے اشارہ کیا گیا ہے۔

اول............لِیُذِیْقَکُمْ مِّنْ رَّحْمَتِہٖ

دوم............لِتَجْرِیَ الْفُلْکُ بِاَمْرِہٖ

سوم............لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ

(۴۷) اس آیت میں پیغمبران الٰہی کی بعثت کا ذکر ہے۔ مگر آیت ۴۸ میں پھر ہواؤں کے چلنے کا بیان آ جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ آیت ۴۷ کا ایسی دو آیات کے درمیان واقع ہونا جن میں ہواؤں کی نعمت کا ذکر کیا گیا ہے محض جملہ معترضہ کے طور پر ہو۔

علاوہ بریں یہ بھی ممکن ہے کہ ان مباحث کے ساتھ مسئلہ نبوت کا ذکر مبداء ومعاد کے مسائل کی تکمیل کے نقطہ نظر سے ہو۔

بہر حال آیت نمبر ۴۷ میں فرمایا گیا ہے ہم نے تم سے پہلے بھی ان کی قوم کی طرف رسول بھیجے۔

اور یہ رسول ان اقوام کے پاس معجزات اور روشن وآشکار عقلی دلائل لے کر آئے۔

ان اقوام میں سے ایک جماعت تو ایمان لائی اور ایک گروہ مخالفت پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن جب ان کفار پر پند ونصائح اور

تنبیہات کا کچھ اثر نہ ہوا تو پھر ہم نے مجرموں سے انتقام لیا۔

مگر ہم نے مومنین کی مدد کی اور مومنین کی مدد کرنے کا فرض ہم پر ہمیشہ عائد ہوتا ہے۔

(۴۸) اس کے بعد آیت ۴۸ میں پھر ہوا چلنے کی نعمت کا ذکر کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے وہ خدا ہی سے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے تا کہ وہ بادلوں کو حرکت میں لائیں۔

پھر وہ بادلوں کو آسمان کی وسعت میں اپنی مصلحت کے مطابق پھیلا دیتا ہے۔

پھر ان بادلوں کے ٹکڑوں کو مجتمع کر کے تہ بہ تہ کر دیتا ہے۔

تم دیکھتے ہو کہ اس بادل کے ہجوم میں سے قطرات باراں خارج ہوتے ہیں۔

قدرت نے نزول باران کیلئے ہوا کو ایک پورا منصوبہ سونپ دیا ہے اس پر یہ فرض عائد کیا ہے کہ وہ سمندر سے بادلوں کے ٹکڑوں کو خشک اور پیاسی زمین کی طرف لاتی ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے خدا اس حیات بخش بارش کو ان بندوں تک پہنچتا ہے جنہیں وہ یہ نعمت بخشا چاہتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔

(۴۹) ہر چند کہ وہ لوگ نزول باراں سے قبل مایوس اور ناامید تھے۔

اس مایوسی اور اس بشارت کا وہی لوگ اچھی طرح ادارک کر سکتے ہیں کہ جن کی زندگیوں کا انحصار بیابان گرد عربوں کی طرح ان قطرات باراں ہی پر ہے۔

(۵۰) زیر نظر آیات میں سے آخری آیت میں پیغمبر اسلام ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ رحمت الٰہی کے آثار کو دیکھو کہ وہ زمین کو اس کی موت کے بعد کس طرح زندہ کرتا ہے۔

نیز یہ کہ بارش کو رحمت الٰہی کہا گیا ہے یہ باعتبار نتیجہ ہے کیونکہ وہ مختلف جہات سے باعث برکت ہے

اس کے بعد اس تعلق کی جہت سے جو مبداء و معاد کا اس قسم کے مسائل سے ہے آیت کے آخر میں اس بات کا اضافہ کیا گیا ہے جس ذات نے مردہ زمین کو نزول باران سے زندہ کر دیا وہی بروز قیامت مردوں کو بھی زندہ کرے گا اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

(۵۱) وَ لَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ	اگر ہم (گرم اور جلانے والی) ہوا بھیجیں کہ اس کے اثر سے وہ اپنی زراعت اور باغات کو زرد اور پژمردہ دیکھیں تو وہ ناشکری کرنے لگتے ہیں۔
(۵۲) فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ	اور تم مُردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے اور نہ ہی بہروں کو جب وہ منہ موڑ لیں۔

(۵۳) وَ مَآ اَنۡتَ بِهٰدِ الۡعُمۡیِ عَنۡ ضَلٰلَتِهِمۡ ؕ اِنۡ تُسۡمِعُ اِلَّا مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَهُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۠	نیز تم اندھوں کو ان کی گمراہی سے نکال کر ہدایت نہیں کر سکتے۔ تم تو صرف ان ہی لوگوں کو اپنی بات سنا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔
(۵۴) اَللّٰهُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ ضُعۡفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ ضُعۡفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّةٍ ضُعۡفًا وَّ شَیۡبَةً ؕ یَخۡلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡقَدِیۡرُ	خدا ہی نے تمہیں کمزور حالت میں پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد اس نے قوت عنایت فرمائی۔ پھر قوت کے بعد کمزوری اور پیری کا وقت دیا۔ خدا جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ جاننے والا اور قدرت رکھنے والا ہے۔

تفسیر

از بسکہ گزشتہ آیات میں بابرکت ہواؤں کا ذکر تھا جو پر برکت بارشوں کا پیش خیمہ ہوتی ہیں مگر زیرِ نظر آیات میں سے پہلی آیت میں زیاں رساں ہواؤں کا ذکر ہے اس ضمن میں خدا فرماتا ہے اگر ہم ہوا بھیجیں (کہ جو گرم اور جھلسا دینے والی ہو یا سرد وخشک ہو) اور اس کے اثر سے یہ لوگ اپنے باغات اور زراعت کو زرد اور پژمردہ دیکھیں تو ناشکر گزاری کرنے لگتے ہیں۔ اور اس روش پر قائم رہتے ہیں۔

یہ لوگ کم ظرف ہیں ان کا حال یہ ہے کہ نزول باران سے قبل مایوس اور شکستہ خاطر ہوتے ہیں اور جب مینہ برس جاتا ہے تو بہت خوش ہوتے ہیں اور اگر کسی دن لو چلنے لگے اور وقتی طور پر وہ اذیت میں مبتلا ہو جائیں تو فریاد کرنے لگتے ہیں اور خدا کی شکایت کرنے لگتے ہیں۔

اس کے برعکس راست باز مومنین کا یہ حال ہے کہ جب انہیں خدا کی کوئی نعمت ملتی ہے تو شکر کرتے ہیں اور مصیبتوں میں صبر کرتے ہیں مادی زندگی کے نشیب وفراز سے ان کے ایمان میں ذرہ بھر خلل نہیں پڑتا۔ اور ضعیف الایمان کوردلوں کی طرح ہوا کے ایک موافق جھونکے سے مومن اور دوسرے مخالف جھونکے سے کافر نہیں ہو جاتے۔

(۵۲) اس آیت میں اور بعد والی آیت میں ماقبل کے مضمون کی مناسبت سے انسانوں کو چار گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

اول...... وہ لوگ جو اگرچہ جسمانی اعتبار سے زندہ ہیں لیکن باعتبار قلب و روح مردہ ہیں کہ وہ ادراک حقائق سے قاصر ہیں۔

دوم...... وہ لوگ کہ ان کے کان تو ہیں مگر وہ کلمۃ الحق سننا نہیں چاہتے۔

سوم......وہ گروہ جن کی آنکھیں چہرہ حق کو دیکھنے سے محروم ہیں۔

چہارم......راست باز مومنین کا گروہ جو دلہای دانا گوشہای شنوااور چشم ہائے بینار کھتے ہیں۔

پہلی بات یہ کہی ہے کہ اپنی حق باتیں مردوں کونہیں سنا سکتے اور جن کے قلب مردہ ہو چکے ہیں ان پر تمہاری نصیحتوں کا کچھ اثر نہیں ہوسکتا۔

نیز یہ کہ تم اپنی بات بہروں کو بھی نہیں سنا سکتے۔اور جن کے قلب مردہ ہو چکے ہیں ان پر تمہاری نصیحتوں کا کچھ اثر نہیں ہو سکتا۔

نیز یہ کہ تم اپنی بات بہروں کو بھی نہیں سنا سکتے۔بالخصوص اس وقت کہ جب وہ کلمہ حق سننے سے پشت پھیر لیں۔

(۵۳)اسی طرح تمہارے امکان میں یہ بھی نہیں کہ تم اندھوں کو گم راہی سے نکال کر راہ راست کی ہدایت کرو۔

تم اپنے کلمات حق صرف ان لوگوں کے کانوں تک پہنچا سکتے ہو جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔

قرآن مادی حیات ومرگ اور ظاہری بینائی اور سماعت کے علاوہ ایک برتر حیات ومرگ اور دید وشنید کا قائل ہے کہ انسان کی سعادت اور بدبختی کا انحصار آخرالذکر حواس باطنی پر ہے۔

(۵۴)زیر بحث آیات میں سے آخری آیت جس میں توحید باری تعالیٰ کی دلیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو دلیل فقرو غنا کہلاتی ہے اس دلیل سے خدا ان تمام دلائل کی جو اثبات توحید کیلئے اس سورہ میں بیان ہوئے ہیں تکمیل کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

ذات الٰہی وہی ہے جس نے تم کو جب پیدا کیا تو تم ضعیف وناتوان تھے اسی نے تمہیں اس ضعف وناتوانی کے عرصے کے بعد قوت اور توانائی عطا کی کہ تمہارے شباب اور جوانی کا زمانہ آ گیا اس دور کے بعد پھر اضمحلال قویٰ کا زمانہ آیا اور تم پر ضعف پیری غالب آ گیا۔

وہی خدا ہے کہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہی عالم وقادر ہے۔

تم آغاز حیات میں اتنے ضعیف وناتوان تھے کہ اپنے اوپر سے مکھی بھی نہیں اڑا سکتے تھے اور نہ اپنے منہ کی رال کو صاف کر سکتے تھے اور تمہاری یہ حالت جسمانی اور فکری لحاظ سے ''لا تعلمون شیئا ''کے مصداق تھی (یعنی تم کچھ نہیں جانتے) یہاں تک کہ تم اپنے ماں باپ کو جو دائماً تمہاری نگہداشت کرتے تھے نہیں پہچانتے تھے۔

لیکن رفتہ رفتہ تم میں نموٗ بالیدگی اور توانائی پیدا ہوگئی۔تمہارا جسم قوی ہو گیا اور تم میں عقل' قوت متفکرہ اور وسیع ادارک پیدا ہو گیا۔تاہم تم اس طاقت وتوانائی کا تحفظ نہیں کر سکتے تھے۔تمہاری مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی دامن کوہ سے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جائے اور وہ پھر وہاں سے نیچے آ جائے۔تمہارا حال بھی ایسا ہی ہے کہ عہد طفلی کے ضعف وناتوانی سے جوانی کی توانائی تک ترقی کرتے ہو۔پھر زوال شروع ہو جاتا ہے اور جسمانی وروحانی ضعف وناتوانی کے قعر میں گر پڑتے ہو۔

زندگی کے یہ تغیرات اور نشیب وفراز اس حقیقت کی روشن دلیل ہیں کہ نہ تو وہ قوت وتوانائی تم نے اپنے ارادے سے پیدا کی

تھی اور نہ اس ضعف و ناتوانی پر تمہیں اختیار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ان جملہ تغیرات کا منبع کوئی اور ہی ذات ہے اور تمہاری بہر جہت بے بسی اس امر کی دلیل ہے کہ تمہارے وجود کے پہیئے کو کوئی اور ذات ہی گھماتی ہے اور تمہاری ہر کیفیت حیات عارضی ہے۔

اس آیت کا آخری جملہ جس میں خدا کے علم اور قدرت کا ذکر ہے وہ معناً بشارت بھی ہے اور تنبیہ بھی۔ تنبیہ اس جہت سے ہے کہ خدا تمہارے جملہ اعمال اور نیتوں سے آگاہ ہے اور ان اعمال کی جزا و سزا دینے پر قادر ہے۔

(۵۵) وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ	اور جس روز قیامت برپا ہوگی تو گناہ گار قسمیں کھائیں گے کہ وہ (عالمِ برزخ میں) ایک ساعت سے زیادہ نہیں ٹھہرے۔ وہ اسی طرح ادراکِ حقیقت سے محروم رہے تھے۔
(۵۶) وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۫ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ	اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا ہے وہ کہیں گے کہ تم فرمانِ خدا کے مطابق روزِ قیامت تک (عالمِ برزخ میں) رہے ہو اور اب یہ اٹھنے کا دن ہے، مگر تم جانتے نہ تھے۔
(۵۷) فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَعْذِرَتُهُمْ وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ	اس روز ظالموں کا عذر کچھ فائدہ نہ دے گا اور ان کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے گی۔
(۵۸) وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ لَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ	ہم نے لوگوں کیلئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کردی ہیں۔ اگر تم ان کے سامنے کوئی آیت پیش کرتے ہو تو یہ کافر کہتے ہیں کہ تم تو جھوٹے ہو (اور یہ سب جادو ہے)۔
(۵۹) كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ	اس طرح خدا ان لوگوں کے دلوں پر، جو علم نہیں رکھتے مہر لگا دیتا ہے،

(٦٠)فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا يَسۡتَخِفَّنَّكَ الَّذِيۡنَ لَا يُوۡقِنُوۡنَ ۧ	جب کہ حالت یہ ہے تو تم صبر کرو کیوں کہ خدا کا وعدہ حق ہے، اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے وہ تمہیں غضب ناک نہ کریں۔

تفسیر

ہم اس سے پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس سورہ میں مبداء و معاد کی بحثیں کپڑے کے تانے بانے کی طرح باہم یک دگر مربوط ہیں زیر نظر آیات میں مبداء و معاد کی ان بحثوں پر جو قبل ازیں گزر چکی ہیں مسئلہ قیامت کا مزید اضافہ کیا گیا ہے اور اس روز مجرموں کا جو درد ناک حال ہوگا اس کی منظر کشی کی گئی ہے۔

چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ جس روز قیامت برپا ہوگی مجرمین قسمیں کھائیں گے کہ ہم تو عالم برزخ میں فقط ایک گھنٹہ ہی رہے ہیں۔

البتہ وہ اپنی گزشتہ زندگی میں بھی اسی طرح ادارک حقیقت سے محروم رہے تھے۔

(٥٦)اس آیت میں اس جواب کا ذکر ہے جو حق آگاہ مومنین ان مجرمین کو دیں گے جو عالم برزخ اور قیامت کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں چنانچہ خدا فرماتا ہے وہ لوگ کہ جنہیں علم و ایمان دیا گیا ہے کہیں گے کہ تم لوگ حکم خدا کے مطابق روز قیامت تک عالم برزخ میں رہے ہو اور آج روز قیامت اور قبروں سے اٹھنے کا دن ہے مگر تم اس حقیقت کو نہ جانتے تھے۔

اس آیت میں کلمہ ''علم'' کو ''ایمان'' پر مقدم رکھا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ علم ہی اساس ایمان ہے۔

(٥٧) بہر حال جس وقت مجرمین یہ دیکھیں گے کہ روز قیامت کے دردناک عواقب ان کے روبرو ہیں تو وہ عذر خواہی اور توبہ کرنے لگیں گے لیکن قرآن کا فیصلہ یہ ہے کہ اس روز ظالموں کو ان کی عذر خواہی کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی۔

ان کا عذر یہ ہوگا کہ اپنے گناہوں کو کفر و نفاق کے آئمہ ضلالت کے سر تھوپیں گے۔

یہ مجرمین کبھی اپنی عذر خواہی میں کوشش کرتے ہوئے راہ راست سے اپنے انحراف کو شیطان کے سر تھوپیں گے اور اس نے ان کے دل میں جو وسوسے ڈالے ہیں ان پر اسے ملامت کریں گے مگر ابلیس انہیں یہ جواب دے گا۔

(٥٨) اس آیت میں ان تمام مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اس سورہ میں بیان ہوئے ہیں چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں۔ مثلاً وعدہ وعید، امر و نہی، بشارت و انذار آیات آفاق و انفس، دلائل مبداء و معاد اور غیب کی خبریں حاصل کلام یہ کہ قرآن میں ہر اس بات کا ذکر ہے جس کا انسانی نفوس پر اثر ہوسکتا ہے۔

درحقیقت قرآن کلیتاً اور بالخصوص سورہ روم کہ ہم جس کی تفسیر کے اختتام کے مرحلے میں ہیں ایسے مسائل کا مجموعہ ہے جو انسانوں کے ہر طبقہ اور ہر گروہ اور ہر طرز فکر اور ہر عقیدے کے لوگوں کو بیدار کرنے والے ہیں۔

مگر اس کے باوجود ایک گروہ ایسا ہے کہ ان کے تاریک اور سیاہ دلوں پر کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا لہٰذا تم ان کے سامنے جو

آیت اور حق کی نشانی بھی پیش کرو گے تو یہ کفار یہی کہیں گے کہ تم اہل باطل ہو اور تم جو کچھ کہتے ہو بے بنیاد باتیں ہیں۔

آیت میں کلمہ "مبطلون" ایک جامع لفظ ہے جس میں مشرکین کے تمام ناروا الزامات تہمتیں اور لیبل شامل ہیں مثلاً دروغ سحر اور جنون کا اتہام کلام الٰہی کو خرافاتی افسانے اور اساطیر الاولین کہنا یہ جملہ امور باطل اس ایک کلمہ میں جمع ہیں۔

(۵۹) اس آیت میں اس گروہ کی مخالفت حق کی وجہ بالوضاحت بیان کی گئی ہے گروہ کفار کی خیرہ سری ان کے قلب کا قبول حق سے گریز اور ہر حقیقت سے دشمنی اس وجہ سے ہے کہ کثرت گناہ اور کج فکری کی وجہ سے ان کی حس قبول حق وامتیاز مردہ ہوگئی ہے اب ان کو کسی طرح بھی ادارک حقیقت ہوتا ہی نہیں ہے۔

خدا ایسے لوگوں کے دلوں پر جو علم و آ گاہی نہیں رکھتے مہر لگا دیتا ہے۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ آیات گزشتہ میں علم کو ایمان کی اساس کہا گیا ہے اور اس آیت میں جہل کو کفر اور عدم قبول حق کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

(۶۰) سورہ روم کی آخری آیت میں جو زیر بحث آیات میں سے آخری آیت بھی ہے پیغمبر گرامی اسلام ﷺ کو دو اہم احکام اور ایک عظیم بشارت دی گئی ہے تا کہ آن جناب کو اس جنگ و پیکار میں جو اس زمانہ میں جاہل بے خرد اور سنگ دماغ کفار سے مسلسل جاری تھی استقامت اور استقلال عطا ہو۔

پہلا حکم یہ ہے کہ آپ جملہ حوادث تمام آزار وزحمات اور ہر قسم کی ناروا تہمتوں کے مقابلے میں صبر کیجئے۔ کیونکہ صبر وشکیبائی اور استقامت ہی کامیابی کی اصلی کلید ہے اور اس غرض سے کہ پیغمبر ﷺ اکرم تبلیغ اسلام کی راہ میں زیادہ سرگرم ہو جائیں اضافہ کیا گیا ہے خدا کا وعدہ یقیناً حق ہے۔

دوسرا حکم الٰہی یہ ہے کہ آپ کفار سے اس سخت اور مسلسل جنگ میں اپنے اعصاب پر قابو رکھیں اور طبیعت کی متانت اور اطمینان قلب کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیں چنانچہ فرمایا گیا ہے جو لوگ ایمان نہیں رکھتے وہ تمہیں غصہ ور اور تندخو نہ بنا دیں۔

اس قسم کے لوگوں کے مقابلے میں آپ کا فرض بردباری تحمل حوصلہ اور حفظ متانت ہے کہ جو ایک پیغمبر کے شایان شان ہے

اس سورہ کا مومنین کی دشمنوں پر فتح کے وعدے سے آغاز ہوا تھا اور کامیابی کے وعدے ہی پر اس کا اختتام ہوتا ہے مگر اس فتح مبین کی شرط اصلی رسول ﷺ اور مومنین کا صبر واستقامت بیان کی گئی ہے۔

سورہ لقمان

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۳۴ آیات ہیں

سورہ لقمان کے مضامین

بطور کلی اس سورہ کے مضامین پانچ حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔

پہلے حصہ میں حروف مقطعات کے ذکر کے بعد عظمت قرآن اور خاص صفات کے حامل مومنین کیلئے قرآن کا ہدایت اور رحمت ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔

دوسرے حصہ میں آسمانوں کی تخلیق اور انہیں بغیر کسی ستون کے برقرار رکھنے اور زمین میں پہاڑ پیدا کرنے مختلف جانور معرض وجود میں لانے بارش نازل کرنے اور نباتات وغیرہ اگانے کا تذکرہ ہے۔

تیسرے حصہ میں خلاق عالم کی صفات اور قدرت کی مناسبت سے حضرت لقمان کے کچھ حکمت آمیز ارشادات کو بیان کیا گیا ہے یہ نصیحتیں اس مرد خدا نے اپنے فرزند سے کیں۔

چوتھے حصہ میں ایک بار پھر توحید کے دلائل پیش کئے گئے ہیں اور آسمان وزمین کی تسخیر اور خداوند عالم کی وافر نعمتوں کا تذکرہ ہے اس میں ایسے بت پرستوں کی منطق کی مذمت کی گئی ہے جو صرف اپنے بڑوں کی تقلید میں گمراہی کی وادی میں سر گرداں ہیں اور انہی سے خداوند عالم کی خلاقیت کا اقرار لینے کا ذکر ہے جو عبودیت کی بنیاد اور اساس ہے۔

نیز اس سلسلہ میں قرآن اسی حصہ میں خداوند عالم کے وسیع اور غیر متناہی علم سے ایک واضح مثال کے ذریعہ پردہ اٹھاتا ہے

پانچویں حصہ میں معاد اور موت کے بعد زندگی کی طرف مختصر لیکن دل ہلا دینے والا اشارہ موجود ہے جو خبردار کر رہا ہے کہ اس دنیاوی زندگی پر مغرور نہیں ہونا چاہئے بلکہ آخرت کی سرائے جاودانی کی فکر میں رہنا چاہئے۔

یہاں پر پروردگار عالم کے علم غیب کے اس حصے کو بیان کیا گیا ہے جو انسان کے جملہ امور سے متعلق ہے ان امور میں سے انسان کی موت کا لمحہ بھی ہے اور وہ بچہ بھی جو ابھی شکم مادر میں ہے خدا ان سب کیفیات سے باخبر ہے اسی مطلب پر یہ سورہ پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔

سورہ لقمان کی فضیلت

ایک حدیث پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے:

''جو شخص سورہ لقمان پڑھے حضرت لقمان قیامت میں اس کے رفیق اور دوست ہوں گے اور جن لوگوں نے نیک یا بد اعمال انجام دیئے ہیں امر بمعروف اور نہی از منکر کے حکم کے بعد ان کی تعداد کے مطابق دس گنا نیکیاں اسے دی جائیں گی''۔

ایک اور حدیث میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے:

''جو شخص رات کو سورہ لقمان کی تلاش کرے تو خداوند عالم تیس فرشتوں کو اس کی حفاظت کیلئے صبح تک شیطان اور اس کے لشکر کے مقابلہ کے لئے مامور کر دیا ہے اور اگر دن کو اس کی تلاوت کرے تو یہ تیس فرشتے غروب آفتاب تک شیطان اور اس کے لشکر سے اس کی حفاظت کرتے ہیں''۔

قرآن مجید کی ایک سورت پڑھنے کے اس قدر فضائل' اس قدر ثواب اور اعزاز اس بناء پر ہیں کہ چونکہ تلاوت فکر ونظر اور غور وفکر کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور غور وفکر عمل کرنے کا مقدمہ ہے ورنہ محض زبانی فر فر پڑھ لینے سے ان تمام فضیلتوں کی توقع نہیں رکھنا چاہئے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) الٓمّٓ ۚ	الم
(۲) تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡحَکِیۡمِ ۙ	یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں۔
(۳) ھُدًی وَّ رَحۡمَۃً لِّلۡمُحۡسِنِیۡنَ ۙ	جو نیک لوگوں کیلئے ہدایت ورحمت کا سبب ہیں۔
(۴) الَّذِیۡنَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤۡتُوۡنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمۡ بِالۡاٰخِرَۃِ ھُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ؕ	وہی جو نماز کو قائم کرتے ہیں زکوۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔
(۵) اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنۡ رَّبِّھِمۡ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ	وہی لوگ اپنے پروردگار کی ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح اور نجات پانے والے ہیں۔

تفسیر

یہ سورہ قرآن مجید کی عظمت واہمیت کے ذکر کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور حروف مقطعات کا اس کی ابتداء میں ہونا بھی اس حقیقت کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ یہ آیات جو الف باء جیسے سادہ سے حروف سے مرکب ہیں اس قسم کے عظیم اور اعلیٰ مضامین کی حامل بھی ہیں جو انسانوں کی تقدیر یکسر بدل کر رکھ دیتی ہیں۔

(۲) لہٰذا حروف مقطعات کے ذکر کے بعد اشارہ ہوتا ہے یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں۔''تلک'' عربی زبان میں دور کے اشارے کے لئے آتا ہے اور جیسا کہ ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ یہ تعبیر خاص طور پر ان آیات کی عظمت واہمیت پر دلالت کر رہی ہے۔ گویا یہ آیات آسمان کی سی بلندی اور نہایت ارفع مقام کی حامل ہیں۔

کتاب کو حکیم کے ساتھ موصوف کیا گیا ہے اس کی وجہ یا تو اس کے مندرجات کا استحکام ہے کیونکہ باطل ہرگز اس تک رسائی

حاصل نہیں کرسکتا۔اور ہر قسم کی خرافات اور بیہودگی اس سے کوسوں دور ہے۔یا پھر اس معنی میں ہے کہ یہ قرآن ایک دانشمند اور حکیم و دانا عالم کی طرح ہے جو خاموش رہ کر بھی بہ ہزار زبان گفتگو کرتا ہے تعلیم دیتا ہے پند و نصیحت کرتا ہے تشویق و ترغیب دلاتا ہے عذاب سے ڈرتا ہے اور عبرت انگیز داستانیں بیان کرتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ یہ ہر لحاظ سے حکمت سے لبریز ہے اور یہ آغاز حضرت لقمان حکیم کی باتوں سے براہ راست مناسبت رکھتا ہے جن کا اس سورہ میں تذکرہ ہے۔

البتہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ مذکورہ بالا آیت میں حکمت کے دونوں معانی مراد لئے جائیں۔

(۳) یہ آیت نزول قرآن کا اصلی مقصد یوں بیان کرتی ہے یہ کتاب حکیم نیکوکاروں کیلئے سبب ہدایت و رحمت ہے۔

ہدایت در حقیقت مقدمہ اور تمہید ہے رحمت پروردگار کیلئے کیونکہ انسان پہلے نور قرآن کی روشنی میں حقیقت کو معلوم کرتا ہے اور اس پر عقیدہ رکھتا ہے اور اسے اپنے عمل کا پیش خیمہ بناتا ہے اس کے بعد اپنے پروردگار کی وسیع رحمت اور بے انتہا نعمتوں کا حقدار بنتا ہے۔

(۴) یہ آیت محسنین کو تین اوصاف کے ساتھ متصف کرتے ہوئے کہتی ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں زکوۃ ادا کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

ان کا خالق کے ساتھ نماز کے ذریعہ اور مخلوق کے ساتھ زکوۃ کے ذریعہ اٹوٹ رابطہ ہے اور قیامت کی عدالت کے بارے میں یقین ان کا قوی سبب ہے کہ وہ گناہ سے پرہیز اور فرائض کو ادا کرتے ہیں۔

(۵) اور محل بحث آخری آیت میں محسنین کی عاقبت اور انجام کار کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے طریق ہدایت پر۔

(٦) وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَہۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ٭ۖ وَّ یَتَّخِذَہَا ہُزُوًا ؕ اُولٰٓئِکَ لَہُمۡ عَذَابٌ مُّہِیۡنٌ	بعض لوگ باطل اور بیہودہ باتیں (باقاعدہ) خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو جہالت و نادانی کی بناء پر گمراہ کریں اور آیاتِ الٰہی کا مذاق اڑائیں۔ان کے لئے ذلیل اور خوار کرنے والا عذاب ہے۔
(٧) وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسۡتَکۡبِرًا کَاَنۡ لَّمۡ یَسۡمَعۡہَا کَاَنَّ فِیۡۤ اُذُنَیۡہِ وَقۡرًا ۚ فَبَشِّرۡہُ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ	جس وقت اس پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ تکبر کی بناء پر ان سے منہ موڑ لیتا ہے، گویا اس نے سنا ہی نہیں یا اس کے کان بالکل بہرے ہوں۔اسے دردناک عذاب کی بشارت دے دو۔

(۸) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۙ	(لیکن) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال بجالاتے ہیں، رحمتوں سے بھرے ہوئے بہشت کے باغات ان کیلئے ہیں۔
(۹) خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ	وہ ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ خدا کا مسلّم اور حقیقی وعدہ ہے اور وہی عزیز و حکیم ہے۔

شان نزول

زیر بحث پہلی آیات نضر بن حارث کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو ایک تاجر شخص تھا اور تجارت کی غرض سے ایران کا سفر کیا کرتا تھا اور ساتھ ہی ایرانیوں کی داستانیں قریش کے سامنے بیان کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمہارے سامنے عاد و ثمود کی داستانیں بیان کرتا ہے تو میں تمہیں رستم اور اسفندیار کے قصے کہانیاں اور کسری اور سلاطین عجم کی خبریں سناتا ہوں چنانچہ وہ اس کے گرد بیٹھ جاتے اور قران کو چھوڑ کر اس کی داستانوں کو خوب غور سے اور کان لگا کر سنتے تھے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ آیات کا یہ حصہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوا ہے جس نے ایک گویا لونڈی خرید رکھی تھی جو وہ دن رات گانے گا گا کر اسے یاد خدا سے غافل رکھتی تھی۔

تفسیر

غناء شیاطین کے بڑے جالوں میں سے ایک جال ہے

ان آیات میں گفتگو اس گروہ کے بارے میں ہے جو محسنین اور مومنین کے گروہ کے بالکل مدمقابل قرار دیئے گئے ہیں جن کا ذکر گزشتہ آیات میں ہو چکا ہے۔

یہاں پر گفتگو ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اپنے سرمائے کو بیہودہ اور لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے خرچ کرتے ہیں اور اپنے لئے دنیا و آخرت کی بدبختی مول لیتے ہیں۔

پہلے فرماتا ہے بعض لوگ وہ ہیں جو باطل اور بے ہودہ باتیں خرید کرتے ہیں تاکہ خلق خدا کو جہالت اور نادانی کی بناء پر راہ خدا سے گمراہ کر دیں۔ اور یہ آیات خدا کا مذاق اڑاتے ہیں۔

اور آیت کے آخر میں ارشاد فرماتا ہے ایسے لوگوں کیلئے رسوا کن عذاب ہے۔

لیکن "لھو الحدیث" کا ایک وسیع مفہوم ہے جو ہر قسم کی باتوں یا سرگرم رکھنے اور غافل کرنے والے راگ و رنگ کے

سروں اور آہنگوں کو بھی شامل ہے جو انسان کو بے ہودگی یا برائی کی طرف کھینچ کر لے جاتی ہیں چاہے وہ غنا ہو' گانا ہو' شہوت انگیز وہوس آلود لحن اور آہنگیں ہوں یا ایسی تقریریں اور تحریریں جو آہنگ وطرز کے لحاظ سے نہیں بلکہ اپنے مفہوم ومطالب کے لحاظ سے انسان کو برائیوں کی طرف کھینچ کر لے جائیں۔

غناء کی حرمت

اس میں شک نہیں کہ غنا (گانا) مشہور شیعہ علماء کی نظر میں حرام ہے اور اجماع واتفاق کی حد تک شہرت رکھتا ہے۔

غناء کیا ہے؟

یقیناً ایسا نہیں ہے کیونکہ اسلامی روایت میں بھی ہے اور مسلمانوں کی سیرت بھی اسی بات کو بیان کرتی ہے کہ قرآن اذان اور اس قسم کی دوسری چیزوں کو اچھی اور زیبا آواز سے پڑھنا چاہئے۔

اس بارے میں جو کچھ فقہاء اور اہل لغت کے بیانات سے مجموعی طور پر استفادہ کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ غنا طرب انگیز آہنگوں سروں لہو اور باطل کو کہتے ہیں۔

زیادہ واضح الفاظ میں وہ آہنگیں اور طرزیں ہیں جو فسق وفجور اور اہل گناہ وفساد کی محفلوں کے لائق اور شایان ہیں غنا میں شامل ہیں بالفاظ دیگر غنا اس آواز کو کہا جاتا ہے جو انسان کے اندر شہوانی طاقتوں کو ہیجان میں لائیں اور انسان اس حالت میں محسوس کرے کہ اگر اس آواز کے ساتھ ساتھ شراب اور جنسی لذات بھی ہوں تو مکمل طور پر مناسب ہوگا۔

یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ کبھی ایک آہنگ وطرز خود بھی غنا' لہو اور باطل ہے اور اس کے مشمولات اور مضامین بھی وہ اس لحاظ سے کہ عشقیہ اور فساد انگیز اشعار کو مطربانہ آہنگوں اور طرزوں کے ساتھ پڑھا جائے اور کبھی صرف آہنگ وطرز غناء ہوتی ہے اس طرح سے کہ اچھے مطالب پر مبنی اشعار یا قرآنی آیات' دعا اور مناجات کو اس طرز کے ساتھ پڑھیں جو عیاش اور بدکار افراد کی محافل کے لائق ہوتی ہیں تو ان دونوں صورتوں میں حرام ہے (غور کیجئے)

آخری بات جس کا تذکرہ ہم یہاں پر ضروری سمجھتے ہیں یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے اوپر لکھا ہے اس کا تعلق صرف اور صرف غنا اور گانے سے ہے رہا موسیقی اور اس کے آلات کا استعمال وہ ایک علیحدہ بحث ہی جو ہمارے اس موضوع سے باہر ہے۔

(۷) یہ آیت آیات الٰہی کے مقابلہ میں اس گروہ کے ردعمل کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ درحقیقت لہوالحدیث کے مقابلہ میں ان کے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے فرماتا ہے جس وقت ان کے سامنے آیات پڑھی جاتی ہیں تو وہ متکبرانہ انداز میں منہ پھیر لیتا ہے گویا اس نے ہماری آیات کو سنا ہی نہیں گویا اس کے کان بہرے ہیں اور وہ بالکل ہی کوئی بات نہیں سنتا۔

اور آخر میں اس شخص کی سزا اور دردناک عذاب کو اس طرح بیان کرتا ہے اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔

(۸) اس آیت میں سچے مومنین کے حالات کی تفصیل وتشریح کی طرف لوٹتا ہے کہ ابتداء میں جن کے ساتھ یہ تقابل شروع

ہوآخر میں اختتام بھی انہی پر کرتا ہے فرماتا ہے جولوگ ایمان لائے اور عمل صالح انجام دیا تو نعمت سے بھرپور جنت کے باغات ان کیلئے ہیں۔

(۹) زیادہ اہم بات یہ ہے کہ جنت کے یہ نعمتوں بھرے باغات ان کیلئے جاودانہ اور ہمیشہ کیلئے ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے یہ خدا کا اٹل اور مسلم وعدہ ہے جس کی خلاف ورزی ہرگز نہیں ہوسکتی۔ خدا نہ تو جھوٹا وعدہ کرتا ہے اور نہ ہی وہ اپنے وعدہ کی وفائی سے عاجز ہے کیونکہ وہ عزیز صاحب قدرت اور حکیم وآ گاہ ہے

(۱۰) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَ اَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ	اللہ نے آسمانوں کو قابل رویت ستونوں کے بغیر خلق فرمایا اور زمین میں پہاڑ نصب کئے تاکہ زمین تمہیں مضطرب ومتزلزل نہ کرے اور روئے زمین پر ہر چلنے والے کو پھیلا دیا۔ اور ہم نے آسمانوں سے پانی نازل فرمایا اور اس کے ذریعہ ہم نے روئے زمین پر مختلف قسم کے قیمتی نباتات کے جوڑے جوڑے اگائے۔
(۱۱) هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۠	یہ خدا کی خلقت ہے لیکن مجھے دکھاؤ کہ خدا کے علاوہ جو معبود ہیں انہوں نے کسی چیز کو پیدا کیا ہے؟ لیکن ظالم تو واضح گمراہی میں ہیں۔

تفسیر

دوسروں نے کیا پیدا کیا؟

اس آیت میں توحید کے بارے میں ایک اور دلیل کا ذکر ہے جو عقیدہ کی نہایت بنیاد اصل ہے۔

پہلی آیت میں پروردگار عالم کی آفرینش کے پانچ حصوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو آپس میں اٹوٹ رشتہ رکھتے ہیں آسمان کی خلقت کرات کا فضا میں معلق ہونا' زمین کا اپنی جگہ برقرار رہنا' پہاڑوں کی پیدائش اور پھر جانداروں کی تخلیق اس کے بعد پانی اور نباتات کی پیدائش جو ان کی غذا کا ذریعہ ہیں چنانچہ فرماتا ہے۔

خدا نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر پیدا کیا ہے جو قابل رویت ہوں۔

یہ تعبیر قانون جاذبہ ودافعہ کشش ثقل کی جانب ایک لطیف اشارہ ہے جو نظر نہ آنے والی بہت ہی قوی ستونوں کی طرح آسمانی کرات کو اپنی جگہ برقرار رکھے ہوئے ہے۔

بہر حال اوپر والا جملہ قرآن مجید کے علمی معجزات میں سے ایک ہے جس کی مزید تفصیل سورہ رعد کی آیہ ۲ کے ذیل میں (جلد ۵صفحہ ۶۱۷) لائے ہیں۔

اس کے بعد پہاڑوں کی آفرینش کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے خدا نے زمین میں پہاڑ رکھے ہیں تاکہ زمین تمہیں مضطر اور متزلزل نہ کرے۔

اب جبکہ غیر مرئی (دکھائی نہ دینے والے) ستونوں کی وجہ سے آسمان کے سکون اور پہاڑوں کے ذریعہ زمین کے سکون کی نعمتوں کی بات پوری ہوگئی تو زندہ موجودات کی آفرینش اوران کے آرام وسکون کی نوبت آتی ہے کہ وہ سکون اور آرام دہ ماحول اور عرصہ حیات میں قدم رکھتے ہیں خدا فرماتا ہے اور روئے زمین میں ہر چلنے والے کو پھیلایا۔

اور پھر یہ بھی واضح ہے کہ چلنے پھرنے والے یہ جاندار آب وغذا کے محتاج ہیں لہٰذا بعد والی جملوں میں ان دو موضوعات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے ہم نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اس کے ذریعہ روئے زمین پر انواع واقسام کی نباتات کے قیمتی جوڑے اگائے۔

ایسا دستر خواں جو انواع واقسام کی غذاؤں کے ساتھ تمام روئے زمین پر بچھا ہوا ہے جس میں سے ہر ایک آفرینش وخلقت کے لحاظ سے پروردگار کی عظمت وقدرت پر دلیل ہے۔

یہ آیت ایک بار پھر عالم نباتات میں زوجیت کی طرف اشارہ کرتی ہے جو قرآن کے علمی معجزات میں سے ایک ہے کیونکہ اس زمانے میں عالم نباتات میں زوجیت نر و مادہ کی جنس کے وجود کا تصور وسیع طور پر ثابت نہیں ہوا تھا اور قرآن ہی نے اس سے پردہ اٹھایا ہے۔

(۱۱) عالم آفرینش میں خدا کی عظمت اور خلقت کے مختلف پہلوؤں کے ذکر کے بعد روئے سخن مشرکین کی طرف کرتے ہوئے اوران کو جواب دہ قرار دے کر ان سے جواب طلبی کرتے ہوئے کہتا ہے یہ خدا کی آفرینش وخلقت ہے لیکن مجھے یہ دکھاؤ کہ اس کے علاوہ جو معبود ہیں انہوں نے کسی چیز کو خلق کیا ہے؟

یقیناً وہ یہ دعوی نہیں کر سکتے تھے کہ اس جہان کی مخلوقات میں سے کوئی بھی چیز بتوں کی تخلیق ہے اسی بناء پر وہ توحید خالقیت کے تو معترف تھے لیکن اس حالت میں وہ کس طرح عبادت میں شرک کی توجیہ کر سکتے تھے؟ کیونکہ خالقیت کی توحید ربوبیت کی توحید اور مدبر عالم کی یکتائی یہ سب کچھ عبودیت میں توحید کی دلیل ہے۔

لہٰذا آیت کے آخر میں ان کے عمل کو ظلم وگمراہی پر مبنی شمار کرتے ہوئے کہتا ہے لیکن ظالم واضح گمراہی میں ہیں۔

ہر ایک کو معلوم ہے کہ ''ظلم'' ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے جو کسی چیز کو اس کے غیر محل میں قرار دینے کو بھی شامل ہے اور چونکہ مشرکین عبادت کو اور گاہے تدبیر عالم کو بتوں کے اختیار میں قرار دیتے تھے لہٰذا عظیم ترین ظلم وضلالت کے مرتکب تھے۔

(۱۲)وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ	ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی (اور کہا) خدا کا شکر ادا کرو۔ بیشک جو شکرادا کرے گا وہ اپنے فائدہ کے لئے شکر ادا کرے گا۔ اور جو شخص کفران کرے گا (تو خدا کو کوئی نقصان نہیں دیتا) کیونکہ خدا بے نیاز اور لائق تعریف ہے۔
(۱۳) وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ	اور اس وقت کو یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا، جبکہ وہ اسے وعظ ونصیحت کر رہے تھے: بیٹا! کسی چیز کو خدا کا شریک قرار نہ دو کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔
(۱۴) وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ	اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے بارے میں وصیت کی۔ اس کی ماں زحمت پر زحمت اٹھا کر حاملہ ہوئی اور اس کے دودھ پلانے کی مدت دو سال میں مکمل ہوتی ہے۔ (پس ہم نے اسے وصیت کی) میرا شکر اور ماں باپ کا شکریہ ادا کرو کیونکہ تم سب کی بازگشت میری طرف ہے۔
(۱۵) وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	اور جس وقت وہ دونوں (ماں باپ) کوشش کریں کہ کسی کو تم میرا شریک قرار دو جس سے تم آگاہ ہی نہیں رکھتے، تو ان کی اطاعت نہ کرو۔ تاہم دنیا میں ان کے ساتھ شائستہ طرز کا سلوک کرو اور ایسے لوگوں کی پیروی کرو جو میری طرف آتے ہیں۔ اس کے بعد تم سب کی بازگشت میری طرف ہے اور میں تمہیں اس عمل سے آگاہ کروں گا جو تم انجام دیتے تھے۔

تفسیر

گزشتہ مباحث توحید وشرک اور اہمیت وعظمت قرآن اور اس آسمانی کتاب میں استعمال ہونے والی حکمت کے بارے میں

تھے۔اسی مناسبت سے زیر بحث اور چند بعد والی آیات میں لقمان حکیم کے بارے میں اور اس مرد خدا کے چند نصائح، توحید کی عظمت اور شرک سے برسر پیکار رہنے کے سلسلے میں درمیان میں آئی ہیں اور اہم اخلاقی مسائل کہ جن میں لقمان کی اپنے بیٹے کو پند و نصائح کا بیان ہے یہ دس نصیحتیں جو چھ آیات کے اندر بیان ہوئی ہیں اعتقادی مسائل کو بھی دلکش طور پر بیان کرتی ہیں اور دینی فرائض اور ذمہ داریوں کے اصول اور اخلاقی مباحث کو بھی۔

اس بارے میں کہ لقمان کون تھے اور کن خصوصیات کے حامل تھے؟ ایک حدیث میں جو پیغمبر گرامی اسلام ﷺ سے نقل ہوئی ہے اس طرح درج ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ لقمان پیغمبر نہیں تھے بلکہ وہ اللہ کے ایسے بندے تھے جو زیادہ غور و فکر کیا کرتے ان کا ایمان و یقین اعلی درجے پر تھا خدا کو دوست رکھتے تھے اور خدا بھی انہیں دوست رکھتا تھا اور اللہ نے انہیں اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دیا تھا۔

پہلی آیت میں فرماتا ہے ہم نے لقمان کو حکمت دی اور انہیں کہا کہ خدا کا شکر ادا کرو کیونکہ جو شخص نعمت کا شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے ہی نفع کیلئے کرتا ہے اور جو شخص کفران نعمت کرتا ہے وہ خدا کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا کیونکہ خدا بے نیاز اور لائق تعریف ہے۔

اور حکمت کی تفسیر میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ جس حکمت کے بارے میں قرآن نے گفتگو کی ہے اور خدا نے لقمان کو عطا فرمائی ہے وہ مجموعہ ہے معرفت علم پاکیزہ اخلاق تقویٰ اور ہدایت کا نور۔

لقمان نے اس حکمت کا حامل ہونے کی بناء پر اپنے پروردگار کا شکر شروع کیا وہ نعمات الٰہی کے اہداف اور نتائج کو جانتے تھے اور انہیں ٹھیک اسی میں کہ جس کیلئے وہ پیدا ہوئی تھیں استعمال میں لائے اور اصولی طور پر حکمت اسی چیز کا نام ہے۔

ہر چیز کو اس کی جگہ پر استعمال کرنا اس بناء پر شکر و حکمت کی بازگشت ایک ہی نقطہ کی طرف ہوتی ہے۔

(۱۳) حضرت لقمان اور ان کے مقام علم و حکمت کے تعارف کے بعد ان کی پہلی نصیحت جو ان کے اپنے بیٹے کیلئے ہے وہ اہم ترین وصیت ہے اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے اس وقت کو یاد کرو جب لقمان نے اپنے بیٹے کو موعظہ کرتے ہوئے کہا بیٹا! کسی چیز کو خدا کا شریک قرار نہ دے کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

اور اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے کہ بے قدر و قیمت چیز کو اس کے مقابلہ میں قرار دیا جائے اور مخلوق کے بارے میں یہ کہ اسے گمراہی کی طرف کھینچ کر لے جائیں اور اپنے مجرمانہ اعمال کے ذریعہ انہیں گمراہی کی طرف لائیں ان پر ظلم و ستم کریں اور اپنے بارے میں یہ کہ پروردگار کی عبودیت کے شرف اور عزت و عظمت سے ہٹ کر اس کے غیر کی پرستش کر کے خود کو قعر مذات میں گرا دیں۔

والدین کا احترام

زیر نظر آخری دونوں آیات درحقیقت جملہ معترضہ ہیں جو لقمان کے پند و نصائح کے درمیان خدا کی طرف سے بیان ہوئی ہیں لیکن بے ربط معانی میں نہیں بلکہ خداوند عالم کا کلام ہے جو لقمان کی باتوں سے واضح ربط رکھتا ہے کیونکہ ان دو آیات میں ماں باپ کے وجود کی نعمت ان کی زحمات خدمات اور حقوق اور اللہ کے شکر کے ساتھ والدین کے شکریہ کو بھی قرار دیا ہے۔

علاوہ ازیں لقمان نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں کی ہیں وہ ان کے پرخلوص ہونے پر بھی دلالت کرتی ہیں کیونکہ اولاد کے ساتھ والدین کو دلی محبت قلبی لگاؤ اور خلوص دل سے پیدا ہوتا ہے قطعاً ناممکن ہے کہ وہ اولاد کی بہتری کے علاوہ کچھ اور سوچ بھی سکیں۔

پہلے فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو ماں باپ کے بارے میں سفارش اور وصیت کی۔

اسکے بعد ماں کی حد سے زیادہ تکالیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے ان کی ماں نے اسے ایسی حالت میں حمل کیا کہ ہر روز اس کے ضعف اور کمزوری پر نئے ضعف کا اضافہ ہوتا۔

علمی لحاظ سے بھی اور تجربہ کی رو سے بھی یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ مائیں ایام حمل کے دوران کمزوری اور سستی میں مبتلا ہو جاتی ہیں کیونکہ اپنی جان کا شیرہ اور ہڈیوں کا گودہ شکم میں موجود اپنے بچہ کی پرورش کے ساتھ مخصوص کر دیتی ہیں اور اپنے وجود کے سارے حیاتیاتی مواد کا بہترین حصہ اسے پیش کرتی رہتی ہیں۔

یہاں تک کہ یہی عمل زمانہ رضاعت یعنی دودھ پلانے کے دوران میں بھی جاری رہتا ہے کیونکہ دودھ عورت کی جان کا شیرہ ہوتا ہے۔

لہٰذا اس کے بعد کہتا ہے کہ اس کے دودھ پلانے کے اختتام کا زمانہ دو سال ہے۔

جیسا کہ قرآن کی ایک دوسری جگہ بھی اشارہ ہوا ہے:

''مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں گی'' (بقرہ............۲۳۳)

البتہ مراد مکمل دودھ پلانے کی مدت ہے اگرچہ ممکن ہے کہ اس سے کم مدت بھی انجام پائے۔

اس کے بعد کہتا ہے کہ ہم نے اسے وصیت کی کہ میرا شکر بھی ادا کرو اور ماں باپ کا بھی۔

میرا شکر ادا کرو کہ میں تمہارا خالق اور منعم ہوں اور اسی قسم کے مہربان ماں باپ تجھے دیئے ہیں اور اپنے ماں باپ کا بھی شکریہ ادا کرو جو اس فیض کا واسطہ اور تمہاری طرف میری نعمتوں کے منتقل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

آیت کے آخر میں جو ایک قسم کی تنبیہ اور عتاب سے خالی نہیں فرماتا ہے تم سب کی بازگشت میری طرف ہے۔

جی ہاں! اگر تم نے یہاں کسی قسم کی کوتاہی کی تو وہاں پر ان حقوق تکالیف اور خدمات کے بارے میں بازپرس کی جائے گی اور ذرے ذرے کا حساب لیا جائے گا

(۱۵) اور ماں باپ کے بارے میں نیکی کی وصیت سے ہوسکتا ہے کہ بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ عقائد کفر اور ایمان کے مسئلہ میں بھی ان کی پیروی کی جائے یا نرمی برتی جائے؟ لیکن بعد والی آیت میں فرماتا ہے جس وقت وہ دونوں سعی و کوشش کریں کہ کسی چیز کو میرا شریک قرار دو کہ جس سے کم از کم آگاہی نہیں رکھتے تو ان کی اطاعت نہ کرو۔

کبھی بھی انسان اور اس کے والدین کے رابطے کو خدا کے رابطے پر مقدم نہ کرنا اور نہ ہی رشتہ داری کی محبت اعتقاد پر حاکم ہو۔

ہوسکتا ہے کہ اس فرمان سے یہ وہم وگمان پیدا ہو کہ مشرک ماں باپ کے سامنے سختی اور بے احترامی کو استعمال کیا جانا چاہیئے؟

تو فوراً ہی کہتا ہے کہ شرک اور کفر کی مسئلہ میں ان کی پیروی نہ کرنا مطلقاً قطع رابطہ کی دلیل نہیں ہے بلکہ اس کے باوجود ان کے ساتھ دنیا میں شائستگی کا سلوک کر۔ دنیاداری اور مادی زندگی میں ان سے مہر ومحبت سے پیش آ ؤ اور نرمی کا سلوک کرو اور مذہبی امور میں ان کے افکار اور نظریات کے سامنے نہ جھکو۔ یہ ٹھیک اعتدال کا نقطہ اصلی ہے جس میں خدا اور ماں باپ کے حقوق کا حسین امتزاج ہے۔

لہٰذا اس کے بعد مزید کہتا ہے ایسے لوگوں کی پیروی کرو جنہوں نے میری طرف رجوع کیا ہے۔

کیونکہ اس کے بعد تم سب کی بازگشت میری طرف ہے اور میں تمہیں اس عمل سے آ گاہ کروں گا جو تم انجام دیا کرتے تھے اور اس کے مطابق ہی جزا اور سزا دوں گا۔

(۱۶) یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنۡ تَکُ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ فَتَکُنۡ فِیۡ صَخۡرَةٍ اَوۡ فِی السَّمٰوٰتِ اَوۡ فِی الۡاَرۡضِ یَاۡتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِیۡفٌ خَبِیۡرٌ	بیٹا! اگر رائی کے دانہ کے برابر (نیک یا بد عمل) ہو اور پتھر کے دل میں یا آسمانوں اور زمین کے گوشہ میں قرار پائے خدا اسے (قیامت میں حساب کیلئے) لے آئے گا۔ خدا نہایت ہی باریک بین وآ گاہ ہے۔
(۱۷) یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَ اۡمُرۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَانۡهَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ وَ اصۡبِرۡ عَلٰی مَاۤ اَصَابَکَ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ مِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ۚ	بیٹا! نماز کو قائم کرو اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرو اور ان مصائب کے مقابلے میں جو تجھے پہنچیں با استقامت اور صابر بنو کیونکہ یہ ایسے کاموں میں سے ہیں جو اہم اور اساسی ہیں۔
(۱۸) وَ لَا تُصَعِّرۡ خَدَّکَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخۡتَالٍ فَخُوۡرٍ ۚ	بیٹا! بے اعتنائی کے ساتھ لوگوں سے روگردانی نہ کرو اور غرور کے ساتھ زمین پر نہ چلو کیونکہ خدا کسی مغرور اور متکبّر کو دوست نہیں رکھتا۔
(۱۹) وَ اقۡصِدۡ فِیۡ مَشۡیِکَ وَ اغۡضُضۡ مِنۡ صَوۡتِکَ ؕ اِنَّ اَنۡکَرَ الۡاَصۡوَاتِ لَصَوۡتُ الۡحَمِیۡرِ ۟	بیٹا! چلنے میں اعتدال کو پیشِ نظر رکھو اپنی آواز کو دھیما رکھو (اور ہرگز اونچی آواز سے نہ بولو) کیونکہ بدترین آواز گدھوں کی آواز ہے۔

تفسیر

دوسری نصیحت حساب وکتاب اعمال ومعاد کے بارے میں ہے جو مبداء ومعاد کے حلقہ کی تکمیل کرتا ہے۔

جناب لقمان کہتے ہیں بیٹا! اگر نیک و بد اعمال یہاں تک کہ رائی کے دانے کے وزن کے برابر ہوں پتھر کے اندر یا آسمان

کے گوشے میں یا زمین کے اندر کسی جگہ بھی خدا ان کو وعدہ گاہ قیامت میں حاضر کرے گا اور اس کا حساب و کتاب کرے گا کیونکہ خدا لطیف باریک بین اور آگاہ وخبردار ہے۔

خردل رائی ایک پودا ہے جس کے بہت چھوٹے سیاہ دانے ہوتے ہیں جو چھوٹا ہونے کی وجہ سے کمی اور حقارت میں ضرب المثل ہے۔

اس طرف اشارہ ہے کہ نیک اور بدعمل جس قدر چھوٹے اور کم قیمت اور جس قدر مخفی و پنہاں ہیں مثل رائی کے دانے کے جو پتھر کے اندر زمین کی گہرائیوں میں یا آسمان کے گوشہ میں مخفی ہو خداوند لطیف وخبیر جو عالم ہستی کی تمام چھوٹی بڑی موجودات سے آگاہ ہے اسے حساب و کتاب اور سزا و جزا کیلئے حاضر کرے گا اور کوئی چیز اس کے ہاں گم نہیں ہوتی!

انسان کے اعمال سے پروردگار کا آگاہ ہونا اور تمام نیکیوں اور بدیوں کا پروردگار عالم کی کتاب علم میں محفوظ ہونا اور اس کائنات میں کسی چیز کے نابود نہ ہونے کی طرف توجہ تمام انفرادی واجتماعی اصلاحات کی اصل و بنیاد اور اچھائیوں کی طرف لے جانے کا طاقتور محرک ہے اور شر و برائیوں سے روکنے کی بڑی طاقت۔

(۱۷) مبداء و معاد جو تمام مکتبی اعتقادات کی اساس ہے کی بنیادوں کو محکم طور پر بیان کرنے کے بعد اہم ترین عمل یعنی مسئلہ نماز کو پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں بیٹا نماز کو قائم کرو۔

کیونکہ نماز تمہارے خالق کے ساتھ تمہارا اہم ترین رابطہ ہے تمہارا دل کو بیدار اور روح کو صاف وشفاف اور زندگی کو منور کرتی ہے تمہاری جان سے گناہوں کے آثار کو دھو ڈالتی ہے تمہارے دل کے خانہ میں نور ایمان کی روشنی ڈالتی ہے اور تمہیں فحشاء و منکرات سے روکتی ہے۔

نماز کے پروگرام کے بعد ایک اہم ترین اجتماعی فریضہ امر بمعروف اور نہی از منکر کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں لوگوں کو نیکیوں اور معروف کی دعوت دو اور منکرات اور برائیوں سے روکو۔

ان تین اہم عملی احکام کے بعد ایک ایسے اہم مسئلے کی طرف متوجہ کیا ہے جسے ایمان سے وہی نسبت ہے جو سر کو بدن سے ہوتی ہے اور وہ ہے صبر و استقامت فرمایا مصائب ومشکلات کے مقابلے میں جو تم پر نازل ہوتے ہیں صابر وشکیبار ہو کیونکہ یہ چیز ہر انسان کے حتمی فرائض اور بنیادی کاموں سے ہے؟

(۱۸) اس کے بعد لقمان اپنے اور دوسرے لوگوں سے متعلق اخلاقی مسائل کو بیان کرتے ہیں اور سب سے پہلے تواضع فروتنی اور خندہ پیشانی سے پیش آنے کی ہدایت کرتے ہوئے کہتے ہیں بے اعتنائی کے ساتھ لوگوں سے روگردانی نہ کرو۔ اور مغرورانہ انداز میں روئے زمین پر نہ چلو۔ کیونکہ خدا کسی متکبر اور مغرور کو دوست نہیں رکھتا۔

اور اس طرح سے لقمان حکیم یہاں دو بری اور ناپسندیدہ صفات کی طرف جو معاشرہ کے صمیمانہ روابط کے منقطع ہونے کا سبب ہیں اشارہ کرتے ہیں ایک تو تکبر اور بے اعتنائی اور دوسری غرور اور خود پسندی ہے اور اس سلسلے میں دونوں مشترک ہیں جو انسان کو

تو ہم خیال اور اپنے آپ کو برتر سمجھنے کی دنیا میں غلطاں کر دیتی ہیں اور دوسروں سے اس کے روابط کو منقطع کرنے کا باعث بنتی ہیں۔

(۱۹) اس آیت میں دو اور اخلاقی پروگرام بیان کئے ہیں جو مثبت پہلو کے حامل ہیں گزشتہ پروگراموں کے مقابلہ میں جو منفی پہلو رکھتے ہیں فرماتا ہے بیٹا! چلنے پھرنے میں اعتدال کا راستہ اختیار کرو۔

اور بات کرنے میں بھی اعتدال کو مدنظر رکھو اور آواز دینے میں بھی آہستگی اختیار کرو اور شور مچا کر بلند آواز سے نہ پکارو۔

کیونکہ بدترین آواز گدھوں کی ہے۔

درحقیقت ان دو آیات میں دو صفات سے نہی اور دو صفات کے بارے میں امر ہوا ہے۔

نہی اپنے آپ کی برتری اور خود پسندی سے کہ جن میں سے ایک تو اس بات کا سبب بنتی ہے کہ انسان خدا کی مخلوق کے ساتھ تکبر کرے اور دوسری سبب بنتی ہے کہ انسان اپنے آپ کو حد کمال میں تصور کرے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے لئے تدریجی کمال اور ارتقاء کے دروازے بند کر دیتا ہے اگر چہ وہ اپنا دوسروں سے موازنہ نہ کرے۔

اور امر عمل اور گفتگو میں اعتدال کی رعایت کا چونکہ چلنے پھرنے اور گفتگو کرنے میں اعتدال درحقیقت مثال کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور جس شخص میں واقعاً یہ چار صفات پائی جاتی ہوں وہ موفق خوش قسمت اور کامیاب انسان ہوتا ہے جو لوگوں میں محبوب اور بارگاہ خدا میں معزز ہوتا ہے۔

ایک حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔

''جو چیز میری امت کے زیادہ سے زیادہ بہشت میں داخل ہونے کا سبب بنے گی وہ خدا کا تقویٰ اور حسن خلق ہے''۔

ایک حدیث میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے

''جوش، غصہ، غرور و تکبر کے ساتھ زمین پر چلتا ہے تو زمین اور زمین کے اندر کی اور اس کے اوپر کی چیزیں سب اس پر لعنت کرتی ہیں۔

(۲۰) اَلَمۡ تَرَوۡا اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ لَکُمۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ اَسۡبَغَ عَلَیۡکُمۡ نِعَمَہٗ ظَاہِرَۃً وَّ بَاطِنَۃً ؕ وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّ لَا ہُدًی وَّ لَا کِتٰبٍ مُّنِیۡرٍ	کیا تو نے دیکھا نہیں کہ خدا نے ان چیزوں کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، تمہارے لئے مسخر فرمایا ہے اور اپنی نعمتوں، کو چاہے وہ ظاہری ہوں یا باطنی، تم پر وسیع و زیادہ کر دیا ہے، لیکن بعض لوگ بغیر کسی علم و دانش اور ہدایت اور واضح کتاب کے خدا کے بارے میں لڑائی جھگڑا کرتے ہیں۔

(۲۱) وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَا وَجَدۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوۡ كَانَ الشَّيۡطٰنُ يَدۡعُوۡهُمۡ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيۡرِ	جس وقت ان سے کہا جائے جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں نہیں، ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے کہ جس پر اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ کیا اگر شیطان انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف بھی دعوت دے (پھر بھی پیروی کریں گے)؟
(۲۲) وَ مَنۡ يُّسۡلِمۡ وَجۡهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ هُوَ مُحۡسِنٌ فَقَدِ اسۡتَمۡسَكَ بِالۡعُرۡوَةِ الۡوُثۡقٰى ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الۡاُمُوۡرِ	جو شخص اپنی روح (اور دل وجان) کو خدا کے سپرد کر دے، جبکہ وہ نیکوکار ہو، اس نے محکم سہارے (اور وسیلہ) کو پکڑا ہے (اور قابلِ اطمینان شے کا سہارا لیا ہے) اور تمام کاموں کی عاقبت وانجام خدا ہی کی طرف ہے۔
(۲۳) وَ مَنۡ كَفَرَ فَلَا يَحۡزُنۡكَ كُفۡرُهٗ ؕ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ فَنُنَبِّئُهُمۡ بِمَا عَمِلُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ	اور جو شخص کافر ہو جائے تو اس کا کفر تجھے غمگین نہ کرے۔ ان سب کی بازگشت ہماری طرف ہے اور ہم انہیں ان اعمال سے، جو انہوں نے انجام دیئے ہیں، آگاہ کریں گے۔ بیشک خدا دلوں کے راز سے بھی خوب واقف ہے۔
(۲۴) نُمَتِّعُهُمۡ قَلِيۡلًا ثُمَّ نَضۡطَرُّهُمۡ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيۡظٍ	ہم تھوڑے سے دنیوی فائدے کو ان کے اختیار میں دیں گے۔ پھر انہیں عذابِ شدید کے برداشت کرنے پر مجبور کریں گے۔

تفسیر

قابلِ اطمینان سہارا

حضرت لقمان کے مبداو معاد اور راہ و رسم زندگی اور اجتماعی و اخلاقی پروگراموں کے سلسلہ میں دس نکاتی پند ونصائح کے اختتام پر قرآن ان کی تکمیل کیلئے خدائی نعمتوں کے بیان کی طرف جاتا ہے تاکہ لوگوں کے احساس شکرگزاری کو اجاگر کرے وہ شکر جو اللہ کی معرفت کا منبع اور اس کے فرمان کی اطاعت کا سبب ہے۔

روئے سخن تمام انسانوں کی طرف کرتے ہوئے کہتا ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمانوں اور زمین میں موجود چیزوں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تا کہ وہ تمہارے مفادات کیلئے سرگرم عمل رہیں۔

آگے چل کر مزید کہتا ہے خدا نے اپنی نعمتوں کو خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی وسیع اور زیادہ کیا ہے۔

اور آیت کے آخر میں قرآن ایسے لوگوں کے بارے میں گفتگو کرتا ہے جو خدا کی ان عظیم نعمتوں کا انکار کرتے ہیں جو انسان کا اندر اور باہر سے احاطہ کئے ہوئے ہیں اور حق کے ساتھ لڑنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں فرماتا ہے بعض ایسے لوگ ہیں جو خدا کے بارے میں بغیر علم و دانش اور ہدایت و واضح کتاب کے مجادلہ کرتے ہیں۔

اور بجائے اس کے کہ ان تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں بخشنے والے کو پہچانے، جہالت و سرکشی کی بناء پر شرک اور کفر کا رخ کرتے ہیں۔

حقیقت میں یہ ضدی اور ہٹ دھرم گروہ نہ خود علم و دانش رکھتا ہے نہ کسی راہبر و رہنما کا اتباع کرتا ہے اور نہ ہی وحی الٰہی سے مدد لیتا ہے چونکہ راہ ہدایت ان تینوں چیزوں میں منحصر ہے لہٰذا ان کے ترک کرنے سے انسان گمراہی اور شیاطین کی وادی میں چلا جاتا ہے۔

(۲۱) اس آیت میں اس گمراہ گروہ کی بودی اور کمزور منطق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے اور جس وقت ان سے کہا جائے جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے اس کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں نہیں ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء (و اجداد کو پایا ہے۔

اور چونکہ ان کے جاہل و منحرف بزرگوں کی پیروی اور اوپر والے ہدایت آفریں تین طریقوں میں سے کسی کی بھی جزاء نہیں لہٰذا قرآن اسے راہ شیطان کے عنوان سے ذکر کرتا ہے اور فرماتا ہے کیا حتیٰ اگر شیطان انہیں بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کی طرف دعوت دے تو پھر بھی انہیں اس کا اتباع کرنا چاہئے؟

(۲۲) اس کے بعد دو گروہوں یعنی خالص مومن اور گناہوں سے آلودہ کفار کی حالت کو بیان کر کے ان کا آپس میں تقابل کرتا ہے اور اس بارے میں بھی تقابل کرتا ہے کہ جو لوگ شیطان کے پیروکار اور اپنے بزرگوں کی اندھی تقلید کرتے ہیں محل توجہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے جس شخص نے اپنے دل و جان کو خدا کے سپرد کر دیا اور پروردگار عالم کے آستان پر سر تسلیم خم کر دیا جبکہ وہ محسن اور نیکوکار بھی ہے تو اس نے محکم دستے کو پکڑ لیا ہے۔

محکم عروہ اور دستہ کو پکڑنا اس حقیقت کے متعلق ایسی لطیف تشبیہ ہے کہ انسان مادیت کے گہرے کھڈے سے نکلنے اور معرفت، معنویت اور روحانیت کی بلند ترین چوٹی تک پہنچنے کیلئے ایک محکم اور قابل اطمینان وسیلہ کا محتاج ہے اور یہ وسیلہ ایمان اور عمل

صالح کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی ان کے علاوہ باقی سب کچھ فرسودہ پارہ پارہ ہونے والا سقوط اور موت کا سبب ہیں علاوہ ازیں صرف وسیلہ ہی کو بقا حاصل ہے اس کے علاوہ سب کچھ فانی اور نابود ہونے والا ہے اس لئے آیت کے آخر میں فرماتا ہے تمام کاموں کی عاقبت خدا کی طرف ہے۔

اس حدیث میں جو تفسیر برہان میں اہل سنت کے طریقوں سے امام علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کے ذریعہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہوئی ہے اس طرح آیا ہے

''میرے بعد تاریک اور ظلماتی فتنہ رونما ہوگا صرف وہ لوگ اس سے نجات حاصل کریں گے جو عروۃ الوثقی اور مضبوط دستہ کو پکڑ لیں گے''

عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! عروۃ الوثقی کیا ہے؟

فرمایا: سید اوصیاء کی ولایت!

لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! سید اوصیاء کون ہے؟

فرمایا: امیر المومنین

عرض کیا: امیر المومنین کون ہے؟

فرمایا: مسلمانوں کا مولی اور میرے بعد ان کا امام و پیشوا۔

پھر انہوں نے اس بناء پر کہ زیادہ صریح جواب حاصل کریں عرض کیا وہ کون ہے؟

فرمایا: میرا بھائی علی بن ابی طالب علیہ السلام

اور روایات بھی اس سلسلے میں کہ عروۃ الوثقی سے مراد اہل بیت علیہم السلام یا آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اولاد حسین علیہ السلام میں آئمہ علیہم السلام کی دوستی ہے نقل ہوئی ہیں

ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ اس قسم کی تفسیریں اپنے واضح مصداق کا بیان ہوتی ہیں اور توحید و تقویٰ وغیرہ جیسے دوسرے مصادیق کی متضاد نہیں ہیں۔

(۲۳) اس کے بعد دوسرے گروہ کی حالت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے جو شخص کافر ہو جائے اور ان واضح حقائق کا انکار کرے اس کا کفر آپ کو غمگین نہ کردے۔

کیونکہ آپ نے اپنی ذمہ داری کو اچھی طرح انجام دے دیا ہے اب وہ ہے کہ جو اپنے اوپر ظلم و ستم کرتا ہے۔

نیز اے پیغمبر! آپ اس سے بھی پریشان نہ ہوں کہ اگر ایک گروہ دنیا میں باوجودیکہ کفر اختیار کرتا اور ظلم ڈھاتا ہے پھر بھی

خدائی نعمتوں سے بہرہ ور ہے اور سزا اور عذاب میں مبتلا نہیں کیونکہ ابھی دیر نہیں ہوئی۔

ان سب کی بازگشت ہماری طرف ہے اور ہم انہیں ان کے اعمال اور ان کے تلخ اور منحوس نتائج سے آگاہ کریں گے۔

ہم نہ صرف ان کے اعمال سے آگاہ ہیں بلکہ ان کی نیتوں اور دل کے اندرونی اسرار سے بھی باخبر ہیں کیونکہ خدا اس سے جو سینوں کے اندر ہے آگاہ ہے۔

(۲۴) پھر مزید کہتا ہے کہ ان کا دنیاوی زندگی سے بہرہ ور ہونا آپ کو تعجب اور حیرت میں نہ ڈال دے ہم تھوڑی سی متاع دنیا ان کے اختیار میں دے دیتے ہیں اور متاع دنیا جتنا بھی زیادہ ہو پھر بھی کم اور ناچیز ہے پھر انہیں جبری طور پر عذاب شدید کی طرف کھینچ کر لے جائیں گے مسلسل اور دردناک عذاب کی طرف۔

ہوسکتا ہے کہ یہ تعبیر اس طرف اشارہ ہو کہ وہ یہ تصور نہ کریں کہ وہ اس جہان میں خدا کے قبضہ قدرت سے خارج ہیں بلکہ وہ خود چاہتا ہے کہ انہیں آزمائش اتمام حجت اور دوسرے مقاصد کیلئے آزاد رکھا۔

(۲۵) وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ	اگر تم ان سے سوال کرو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے؟ تو یقیناً وہ کہیں گے اللہ نے۔ کہہ دو الحمد للہ! (کہ تم خود معترف ہوئے) لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔
(۲۶) لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ	اللہ کیلئے وہ کچھ ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے کیونکہ خدا بے نیاز اور لائقِ حمد وستائش ہے۔
(۲۷) وَ لَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ	اور اگر روئے زمین پر تمام درخت قلم بن جائیں، سمندر ان کیلئے سیاہی بن جائے اور ان میں سات دیگر سمندروں کا اضافہ کیا جائے تو یہ سب کے سب ختم ہو جائیں گے لیکن کلماتِ الٰہی ختم نہیں ہوں گے یقیناً خدا عزیز وحکیم ہے۔
(۲۸) مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ	تم سب کی دوبارہ خلقت وزندگی ایک فرد کی زندگی سے زیادہ نہیں ہے۔ بیشک خدا سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

(۲۹)اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُوۡلِجُ الَّیۡلَ فِی النَّہَارِ وَ یُوۡلِجُ النَّہَارَ فِی الَّیۡلِ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ۫ کُلٌّ یَّجۡرِیۡۤ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ اَنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرٌ	کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے اور ہر ایک معیّن و مقررہ (وقت تک اپنی) حرکت کو جاری رکھے ہوئے ہے اور جو کام تم کرتے ہو خدا اس سے آگاہ ہے؟
(۳۰) ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡحَقُّ وَ اَنَّ مَا یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہِ الۡبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰہَ ہُوَ الۡعَلِیُّ الۡکَبِیۡرُ ۠	یہ سب کچھ اس امر کی دلیل ہے کہ خدا حق ہے اور اس کے علاوہ جس کو وہ پکارتے ہیں سب باطل ہے اور خدا بلند مقام اور عظیم مرتبے والا ہے۔

تفسیر

پروردگار کی دس صفات

اوپر والی چھ آیات میں خدا کی صفات کا ایک مجموعہ بیان ہوا ہے جو حقیقت میں دس اچھے صفات یا اسماء حسنی میں سے دس اسماء کو بیان کرتا ہے غنی، حمید، عزیز، حکیم، سمیع، بصیر، خبیر، حق، علی اور کبیر۔

یہ تو ہوا ایک لحاظ سے رہا دوسرا پہلو تو پہلی آیت میں خدا کی خالقیت کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے اور دوسری آیت میں اس کی مالکیت عامہ سے تیسری آیت میں اس کے بے انتہا علم سے اور چوتھی و پانچویں آیت میں اس کی غیر متناہی قدرت ہے اور آخری آیت میں نتیجہ اخذ کرتا ہے جو ذات ان صفات کی حامل ہے وہ حق ہے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ باطل ناچیز اور حقیر ہے۔

پہلے فرماتا ہے اگر ان سے سوال کرو کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا ہے تو یقیناً وہ جواب دیں گے کہ اللہ نے۔

یہ تعبیر جہاں ایک طرف اس امر کی دلیل ہے کہ مشرک لوگ خالق کی توحید کے ہرگز منکر نہیں تھے

وہاں دوسری طرف توحید کے فطری ہونے اور تمام انسانوں کی فطرت میں نور الٰہی کی تجلی کی دلیل بھی ہے۔

اس کے بعد کہتا ہے اب جبکہ وہ خالق کی توحید کے معترف ہیں تو کہہ دے کہ حمد و ستائش اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو ہر چیز کا خالق ہے نہ کہ بتوں کے ساتھ جو خود مخلوق ہیں لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے اور وہ نہیں سمجھتے کہ عبادت کو خالق عالم کیلئے منحصر ہونا

چاہئے۔

(۲۶)اس کے بعد حق تعالیٰ کی مالکیت کے ثبوت کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے فرماتا ہے خدا کیلئے ہے تمام وہ کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔

واضح رہے کہ وہ ذات جو خالق اور مالک ہے وہی امور جہاں کی مدبر بھی ہے

اور جو ذات ان صفات کی حامل ہے وہ ہر چیز سے بے نیاز اور ہر قسم کی ستائش کے لائق ہوگی اسی بناء پر آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے خدا غنی وحمید ہے۔

وہ غنی مطلق اور ہر لحاظ سے حمید ہے کیونکہ جو نعمت وعطا بخشش جہان میں ہے اسی کی طرف لوٹتی ہے اور ہر شخص جو کچھ رکھتا ہے اس کی طرف سے ہے اور تمام اچھائیوں کے خزانے اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

(۲۷) یہ آیت خدا کے غیر متناہی اور بے پایاں علم کی تصویر کرشی کرتی ہے جو ایک بہت ہی واضح اور روشن مثال کے ساتھ مجسم ہوتی ہے کہتا ہے جتنے کچھ روئے زمین پر درخت ہیں قلم ہو جائیں اور سمندر اس کیلئے سیاہی بن جائیں اور سات سمندروں کا اس پر اضافہ ہو جائے تا کہ وہ علم خدا کو لکھیں یہ سب ختم ہو جائیں گے لیکن کلمات خدا ختم نہیں ہوں گے خداوند عالم عزیز وحکیم ہے۔

چونکہ اس جہان کی گونا گوں مخلوقات میں سے ہر چیز خدا کی پاک ذات اور اس کے علم وقدرت کو بیان کرتی ہے لہٰذا ہر موجود کو کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے اس کے بعد اسی مناسبت سے کلمۃ اللہ پروردگار عالم کے علم ودانش کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔

(۲۸) پروردگار کے غیر متناہی علم کے ذکر کے بعد اس کی بے انتہا قدرت کی بات درمیان میں لاتے ہوئے فرماتا ہے تم سب کی خلقت وآفرینش نیز موت کے بعد تم سب کا اٹھنا ایک فرد کی مثال سے زیادہ نہیں ہے خدا سننے اور دیکھنے والا ہے۔

(۲۹) یہ آیت تاکید اور خدا کی وسیع قدرت کیلئے ایک اور بیان ہے۔روئے سخن پیغمبر کی طرف کرتے ہوئے کہتا ہے کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ خدا رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔

نیز کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ خدا نے سورج اور چاند کو انسانوں کے مفادات کیلئے مسخر کیا ہے۔

اور ان میں سے ہر ایک مقررہ مدت تک اپنی حرکت کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

اور یہ کہ خدا اس سے کہ جو تم انجام دیتے ہو آگاہ ہے۔

(۳۰) آیت کے آخر میں بحث کو سمیٹتے ہوئے نتیجے کے طور پر فرماتا ہے یہ امور اس چیز کی دلیل ہیں کہ خدا حق ہے اور اس کے علاوہ جنہیں وہ لوگ پکارتے ہیں باطل ہیں اور خدا بلند مقام اور بزرگ مرتبہ والا ہے۔

گذشتہ آیات میں خداوند عالم کی خالقیت مالکیت اور غیر متناہی علم وقدرت کے بارے میں بحث سے ثابت ہو گیا ہے کہ حق

صرف وہی ہے اور اس کے علاوہ سب زائل، باطل، محدود اور حاجت مند و نیاز مند ہیں اور علی و کبیر کہ جو ہر چیز سے برتر اور توصیف و تعریف سے بالاتر ہے اور وہ اسی کی پاک ذات ہے

(۳۱) اَلَمۡ تَرَ اَنَّ الۡفُلۡکَ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِنِعۡمَتِ اللّٰہِ لِیُرِیَکُمۡ مِّنۡ اٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں سمندر کے سینے پر حکمِ خدا اور اس کی نعمت کی برکت سے چلتی ہیں وہ تمہیں اپنی آیات کا ایک حصّہ دکھائے؟ بیشک اس میں تمام صبر و شکر کرنے والوں کیلئے قدرتِ خدا کی بہت سی نشانیاں ہیں۔
(۳۲) وَ اِذَا غَشِیَہُمۡ مَّوۡجٌ کَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰہَ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ۬ۚ فَلَمَّا نَجّٰىہُمۡ اِلَی الۡبَرِّ فَمِنۡہُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ؕ وَ مَا یَجۡحَدُ بِاٰیٰتِنَاۤ اِلَّا کُلُّ خَتَّارٍ کَفُوۡرٍ	اور جس وقت (دریائی سفر میں) بادلوں کی طرح کوئی موج انہیں چھپا دے (اور ان کے سر کے اوپر آ جائے) تو وہ خدا کو خلوص کے ساتھ پکارتے ہیں لیکن جس وقت اللہ انہیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو بعض لوگ تو اعتدال کی راہ اختیار کرتے ہیں اور ہماری آیات کا کوئی شخص سوائے عہد شکن کفر کرنے والے کے انکار نہیں کرتا۔

تفسیر

پہلی آیت دلیل نظم کے متعلق ہے اور دوسری آیت توحید فطری کے اور مجموعی طور پر ان مباحث کی تکمیل کرتی ہے جو گزشتہ آیات میں ہو چکی ہیں۔

کہتا ہے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ کشتیاں دریاؤں کے سینے پر خدا کے حکم اور اس کی نعمت کی برکت سے چلتی ہیں۔

مقصد یہ ہے کہ اپنی عظمت کی آیات کا ایک پہلو تمہیں دکھائے۔

جی ہاں ان میں نشانیاں ہیں ان کیلئے جو بہت صبر کرنے والے شکیبا اور شکر گزار ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ کشتیوں کا سمندروں کے سینہ پر چلنا قوانین آفرینش کے ایک مجموعہ کا نتیجہ ہے

گرداب بلا میں

کشتیوں کے دریا میں چلنے کی نعمت کے بیان کے بعد جو گذشتہ زمانہ میں بھی اور موجودہ زمانہ میں بھی انسانوں اور مال و اسباب کے حمل و نقل کا عظیم اور مفید ترین وسیلہ ہیں اسی مسئلہ کے ایک اور پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

جس وقت وہ کشتی پر سوار ہوں اور سمندروں کے درمیان پہنچ جائیں اور سمندر میں طوفان آ جائے اور کوہ پیکر امواج بادلوں کی طرح ان کے سروں پر چھا جائیں تو وہ خدا کو خلوص کے ساتھ پکارتے ہیں۔

یعنی سمندر کی عظیم موجیں اس طرح اٹھتی اور ان کے اطراف کو یوں گھیر لیتی ہیں گویا بادلوں نے ان کے سر پر سایہ کیا ہوا ہے۔

ایسا سایہ جو وحشت ناک اور ہول انگیز ہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں انسان اپنی تمام ظاہری طاقتوں کے باوجود اس نے جو اپنے لئے جمع کر رکھی ہیں اپنے آپ کو ضعیف و ناچیز اور ناتواں پاتا ہے

یہ وہ مقام ہے جہاں خالص توحید انسان کے سارے دل کا احاطہ کر لیتی ہے وہ دین اور عبادت کو صرف اسی کے ساتھ مخصوص سمجھتا ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے جس وقت خدا نے انہیں ہلاکت سے نجات دے دی موجیں ماند پڑ گئیں اور صحیح و سالم ساحل نجات تک پہنچ گئے تو لوگ دو گروہ ہو گئے بعض نے اعتدال کی راہ اختیار کی اور اس عہد و پیمان کے جو دل میں ان حساس لحات میں خدا سے کئے تھے ان کے پابند و فادار رہتے ہیں۔

آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے ہماری آیات کا سوائے پیمان شکن کفران کرنے والوں کے کوئی انکار نہیں کرتا۔

(۳۳)یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا یَوْمًا لَّا یَجْزِیْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ٘ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ٙ وَ لَا یَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ	اے لوگو! خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور اس دن سے ڈرو کہ جس میں نہ باپ اپنے بیٹے کے اعمال کی جزاء کا بار اٹھائے گا اور نہ بیٹا باپ کی جزاء میں سے کسی چیز کا۔ یقیناً خدا کا وعدہ حق ہے۔ لہٰذا دنیوی زندگی تمہیں فریب نہ دے اور شیطان تمہیں مغرور نہ کرے۔

(۳۴) اِنَّ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَ يُنَزِّلُ الۡغَيۡثَ ۚ وَ يَعۡلَمُ مَا فِى الۡاَرۡحَامِ ؕ وَ مَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَكۡسِبُ غَدًا ؕ وَ مَا تَدۡرِىۡ نَفۡسٌۢ بِاَىِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌ خَبِيۡرٌ ۠	قیامِ قیامت کے وقت سے آگاہی خدا کے ساتھ مخصوص ہے، وہی ہے جو بارش کو نازل کرتا ہے اور جو کچھ ماؤں کے رحم میں ہے اسے جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا صرف خدا ہی (اس سب کا) عالم و آگاہ ہے۔

تفسیر

اس آیت میں پہلے مجموعی طور پر ایک اجمالی صورت میں گذشتہ پند و نصائح اور توحید و معاد کے دلائل کے ذریعہ تمام انسانوں کو خدا اور قیامت کے دن کی طرف متوجہ کرتا ہے پھر دنیا اور شیطان کی طرف سے پیدا ہونے والے غرور و تکبر سے ڈراتا ہے اور اس کے بعد علم خدا کی وسعت اور تمام چیزوں کو اس کی شمولیت اور اس کی عمومیت کو بیان کرتا ہے۔

فرماتا ہے اے لوگو! خدا سے ڈرو۔

اور اس دن سے ڈرو کہ جس میں نہ تو باپ اپنے بیٹے کے گناہ کا بوجھ اپنے کندھے پر اٹھائے گا۔ نہ ہی بیٹا باپ کی ذمہ داری میں سے کسی چیز کا متحمل ہوگا۔

حقیقت میں پہلا فرمان مبداء کی طرف توجہ ہے اور دوسرا معاد کی طرف۔

پہلا حکم انسان میں خبردار رہنے کی قوت کو زندہ کرتا ہے اور دوسرا پاداش و کیفر اور جزاء سزا کے احساس کو اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص یہ جانتا ہو کہ ایک خبیر اور آگاہ ذات اس کے تمام اعمال کو دیکھتی اور جانتی ہے اور اسے محفوظ کرتی جاتی ہے اور دوسری طرف سے عدل و انصاف کا محکمہ اس کے تمام چھوٹے بڑے اعمال کی چھان بین کرے گا تو اس قسم کا انسان بہت کم گناہ کا اور بے راہ روی کا شکار ہوتا ہے۔

بہر حال اس دن ہر شخص اس طرح اپنے آپ کے ساتھ معروف و مشغول اور اپنے اعمال کے پیچ و خم میں گرفتار ہوگا کہ دوسرے کی طرف توجہ بھی نہیں کر سکے گا۔ یہاں تک کہ باپ اور بیٹا جو آپس میں نزدیک ترین رابطہ رکھتے ہیں ان میں سے کسی کو بھی دوسرے کا خیال نہ ہوگا۔

آیت کے آخر میں انسان کو دو چیزوں سے ڈراتے ہوئے فرماتا ہے خدا کا وعدہ حق ہے مبادا کہیں تمہیں زندگی فریب دے

اور شیطان دھوکہ دے ڈالے۔

(۳۴) خدا کے علم کی وسعت

گذشتہ آیت میں قیامت کے سلسلہ میں ہونے والی بحث کی مناسبت سے اس سورہ کی آخری آیت میں بھی ایسے علوم کے بارے میں گفتگو کی جارہی ہے جو پروردگار کے ساتھ مخصوص ہیں کہتا ہے قیام قیامت کے وقت کی آگاہی خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور وہی ہے جو بارش کو نازل کرتا اور اس کے نزول کی تمام جزئیات سے آگاہ ہے۔

اور نیز وہی ہے جو ایسے بچوں سے کہ جو رحم مادر میں ہوتے ہیں ان کی تمام تفصیلات کے ساتھ آگاہ ہے۔

اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔

اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین میں مرے گا۔ خدا عالم اور آگاہ ہے۔

گویا یہ آیت مجموعی طور پر اس سوال کا جواب ہے جو قیامت کے بارے میں پیش ہوا ہے وہی سوال جو مشرکین قریش نے پیغمبر سے بار بار کیا اور کہا:

"متی ھو" قیامت کا دن کب ہوگا (اسرا ۵۱)

سورۂ سجدہ

اس سورت کی ۳۰ آیات ہیں
اور مکہ میں نازل ہوئی

سورہ الم سجدہ کا نام

مشہور یہ ہے کہ یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی ہے۔ بعض مفسرین نے تو اس کی کسی آیت کا استثناء بھی نہیں کیا ہے لیکن بعض نے آیہ ۱۸ تا ۲۰ کو مدنی سمجھا ہے اور ان کا نظریہ ہے کہ یہ تین آیات مدینہ میں نازل ہوئی۔ حالانکہ ان آیات میں ان کے مدنی ہونے کا کوئی قرینہ اور نشانی نظر نہیں آتی۔

اس سورہ کا نام بعض روایات میں اور مشہور مفسرین کی زبان میں سورہ سجدہ یا الم سجدہ ہے اور کبھی اسے حم سجدہ سے جدا بیان کرنے کیلئے سجدہ لقمان کے نام سے پکارتے ہیں کیونکہ یہ سورہ لقمان کے بعد قرار پایا ہے۔

بعض روایات میں اسے الم تنزیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

سورہ سجدہ کے مندرجات

یہ سورہ چونکہ مکی سورتوں میں سے ہے لہٰذا دوسری مکی سورتوں کی طرح اپنے اصلی خطوط یعنی مبداء و معاد اور بشارت و انداز کے مباحث پر مشتمل ہے اور بطور مجموعی اس میں چند مباحث توجہ طلب ہیں۔

۱............سب سے پہلے عظمت قرآن کے بارے میں گفتگو ہے

۲............اس کے بعد آسمان و زمین میں خدا کی نشانیوں اور اس کائنات کی چلانے کے سلسلہ میں بحث ہے۔

۳............ایک اور بحث انسان کو مٹی اور نطفہ کے پانی اور خدا کی روح سے خلقت اور علم و دانش کو حاصل کرنے کے ذرائع یعنی آنکھ کان اور عقل کا خدا کی طرف سے عطیہ ہونا ہے۔

۴............اس کے بعد قیامت اور اس سے پہلے کے حوادث یعنی موت اور اس کے بعد یعنی سوال و جواب حساب کے بارے میں گفتگو ہے۔

۵ اور ۶......موثر اور ہلا دینے والی بشارت و انداز کی مباحث ہیں۔

تو اس طرح سے اس سورہ کا اصل مقصد مبداء و معاد پر ایمان کی بنیادوں کو مضبوط کرنا اور اس کے ذریعے تقویٰ کی طرف تحریک کی ایک قوی موج ایجاد کرنا ہے جس سے لوگ طغیان اور سرکشی سے باز آجائیں اور اپنے بلند انسانی مرتبہ کی قدر و قیمت کو پہچانیں۔

سورہ سجدہ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر ﷺ اسلام سے یوں مذکور ہے۔

''جو شخص سورہ الم تنزیل اور تبارک الذی کو پڑھے تو گویا اس نے شب قدر جاگ کر گزاری''۔

ایک دوسری حدیث میں امام جعفر بن محمد صادق علیہ السلام سے اس طرح نقل ہوا ہے

''جو شخص سورہ سجدہ ہر شب جمعہ پڑھے خدا اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دے گا اور اس کے گزشتہ گناہوں کو بخش دے گا اور محمد واہل بیت علیہم السلام کے دوستوں میں ہوگا''۔

یقیناً اس کی تلاوت انسان کی اس حد تک اصلاح کرسکتی ہیں کہ ان تمام فضائل اور اعزازات کا مستحق قرار پاتا ہے لیکن تلاوت ایسی جو سوچ و بچار کا سرچشمہ ہو اور سوچ و بچار ایسی جو پختہ ارادے اور تحرک کا منبع ہو۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان و رحیم ہے۔
(۱) الٓمّٓ ۚ	الم
(۲) تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ	یہ وہ کتاب ہے جو عالمین کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور اس میں کسی طرح کا شک نہیں ہے۔
(۳) اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰهُ ۚ بَلۡ هُوَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰٮهُمۡ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ	لیکن وہ کہتے ہیں (محمد نے) خدا پر جھوٹ باندھا ہے لیکن (انہیں جاننا چاہئے) کہ یہ تیرے پروردگار کی طرف سے حق بات ہے تاکہ تم ایسے گروہ کو ڈراؤ جس کی طرف تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ شاید (وہ پند و نصیحت حاصل کرکے) ہدایت پا جائیں۔
(۴) اَللّٰهُ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا فِىۡ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسۡتَوٰى عَلَى الۡعَرۡشِ ؕ مَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا شَفِيۡعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ	خدا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، چھ دنوں (ادوار) میں پیدا کیا، پھر عرش (قدرت) پر قرار پایا۔ تمہارے لئے اس کے علاوہ اور کوئی ولی اور شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔ کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

(۵) يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ	اس جہان کے امور کی آسمان سے زمین تک وہی تدبیر کرتا ہے پھر اس دن جس کی مقدار ہزار سال ہے، (ان سالوں کے حساب سے جو تم شمار کرتے ہو) اس کی طرف لوٹ جائے گا (اور دنیا ختم ہو جائے گی)۔

تفسیر

عظمت قرآن اور مبداء و معاد

اس سورہ میں ہم حروف مقطعات (الف۔ لام۔ میم) سے ایک بار پھر روبرو ہورہے ہیں اور یہ پندرھویں دفعہ ہے کہ ہم قرآنی سورتوں کے آغاز میں اس قسم کے حروف دیکھ رہے ہیں۔

جو بحث قرآن کی اہمیت کے سلسلہ میں ان حروف کے فوراً بعد آیا ہے۔ ایک بار پھر اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ "الم" قرآن کی عظمت اور پروردگار عالم کی عظیم قدرت کی طرف اشارہ ہے کہ اس قسم کی عظیم اور مطالب سے لبریز کتاب جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جاودانی معجزہ ہے الف باء ایسے سادہ حروف سے وجود میں آئی ہے اور جن پر ہر ایک کی دسترس ہے۔

(۲) فرماتا ہے یہ وہ کتاب ہے جو عالمین کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

واقع میں یہ آیت دو سوالوں کا جواب ہے گویا پہلے اس آسمانی کتاب کے مضامین اور مندرجات کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو جواب میں کہتا ہے اس کے مندرجات اور مضامین حق ہیں اور اس میں کم ترین شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے پھر اس کے وجود میں لانے والے کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو جواب میں کہتا ہے یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے ہے۔

(۳) پھر اس تہمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے جو بارہا مشرکین اور بے ایمان منافقین اس عظیم آسمانی کتاب پر باندھتے تھے وہ کہتے ہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے حالانکہ یہ پروردگار عالمین کی طرف سے نہیں ہے۔

ان کے بے دلیل دعوے کے جواب میں کہتا ہے وہ افتراء نہیں ہے بلکہ تیرے پروردگار کی طرف سے حق بات ہے۔

اور اس کی حقانیت کی دلیل خود اسی میں آشکار و نمایاں ہے۔

پھر اس کے نزول کے ہدف اور مقصد کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ہدف اور مقصد یہ تھا کہ ایک گروہ کو تو انذار کرے اور ڈرائے کہ جنہیں تجھ سے پہلے انذار کرنے والا نہیں آیا ہے شاید وہ پند و نصیحت اور ہدایت حاصل کریں۔

اس بناء پر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نذیر سے مراد کوئی عظیم پیغمبر ہو جو اپنی دعوت کو آشکارا اور معجزات کے ساتھ اور وسیع و عریض ماحول میں ظاہر کرے اور ہم جانتے ہیں کہ اس قسم کا انذار کرنے والا جزیرہ نمائے عرب اور قبائل مکہ کے درمیان ظاہر نہیں ہوا۔

(۴) عظمت قرآن اور رسالت پیغمبر اکرم ﷺ کے بعد اسلام کے ایک اور اہم ترین بنیادی عقیدہ یعنی توحید کے اثبات اور شرک کی نفی کو بیان کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے خدا وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین اور ہر اس چیز کو چھ دنوں میں پیدا کیا جو ان دونوں کے درمیان ہے۔

مسئلہ آفرینش وخلقت کے بعد عالم ہستی پر حاکمیت خدا کے مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

پھر خدا عرش پر مستقر ہوا اور سارے عالم ہستی پر حکومت کی۔

خدا کا عرش پر قرار پانا

بلکہ اس معنی میں ہے کہ وہ جہان ہستی کا خالق بھی ہے اور سارے عالم پر اس کی حکومت بھی ہے۔

اور آیت کے آخر میں توحید ولایت وشفاعت کے مسئلہ کی طرف اشارہ کر کے مراحل توحید کو مکمل کرتے ہوئے فرماتا ہے اس کے علاوہ تمہارا کوئی ولی وشفیع نہیں ہے۔

کہ جہان کی خالقیت اس کی حاکمیت کی دلیل ہے اور حاکمیت ولی شفیع اور معبود کی توحید پر دلالت کرتی ہے تو پھر تم کیوں بے راہ روی اختیار کرتے ہو اور بتوں کے دامن کو پکڑتے ہو تم سوچتے سمجھتے کیوں نہیں۔

حقیقت میں توحید کے تین مراحل جو اوپر والی آیت میں بیان ہوئے ہیں ہر ایک مرحلہ ایک دوسرے کی دلیل شمار ہوتا ہے توحید خالقیت توحید حاکمیت کی دلیل ہے اور توحید حاکمیت ولی وشفیع ومعبود کی وحدانیت پر دلیل ہے۔

(۵) زیر بحث آخری آیت میں پہلے توحید پروردگار کی طرف اور پھر مسئلہ معاد کی طرف اشارہ کرتا ہے جو گذشتہ آیات میں توحید کی تین قسمیں بیان ہوئی ہیں توحید خالقیت توحید مالکیت اور توحید عبودیت یہاں توحید ربوبیت کے ذکر سے وہ سلسلہ گفتگو مکمل ہو جاتا ہے یعنی جہان ہستی کا نظم ونسق صرف خدا ہی کے ذریعہ پایہ تکمیل کو پہنچتا ہے۔

فرماتا ہے خدا اس جہان کے امور کو اپنے قرب کے مقام سے زمین کی طرف تدبیر کرتا ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے پھر تدبیر امور کیلئے اس دن کہ جس کی مقدار ہزار سال ہے اور ان سالوں میں سے جنہیں تم شمار کرتے ہو اس کی طرف لوٹے گا۔

اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے۔

یعنی یہ کہ خدا نے اس جہان کو خلق کیا ہے اور آسمان وزمین کو مخصوص تدبیر کے ساتھ نظم عطا کیا ہے اور انسانوں اور دوسرے زندہ موجودات کو لباس حیات پہنایا ہے لیکن اس کائنات کے خاتمہ پر سب کچھ ختم کر دے گا۔ اور اس جہان کے لپیٹے جانے کے بعد ایک نئے نقشے اور زیادہ وسیع جہان کا اختراع ہوگا یعنی اس دنیا کے اختتام پر ایک دوسرے جہان کا آغاز ہوگا۔

(۶) ذٰلِکَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۙ	وہ وہی خدا ہے کہ مخفی وآشکار سے باخبر ہے اور ناقبل شکست اور مہربان ہے۔

(٧) الَّذِیْٓ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَ بَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ۚ	وہ وہی ہے جس نے جس چیز کو پیدا کیا، اچھا پیدا کیا اور خلقت انسان کی ابتداء مٹی سے قرار دی۔
(٨) ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ۚ	پھر اس کی نسل کو ناچیز اور بے قدر و قیمت پانی کے نچوڑ سے خلق فرمایا۔
(٩) ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ	پھر اس کے بدن کو موزوں بنایا، اور اپنی روح میں سے اس میں پھونکا، تمہارے لئے کان، آنکھیں اور دل قرار دیئے، لیکن تم بہت کم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہو۔

تفسیر

خلقت انسان کے حیران کن مراحل

اس آیت میں اشارہ اور تاکید ہیں ان توحیدی مباحث پر جو پہلے کی آیات میں گزر چکی ہیں جو چار مراحل میں خلاصہ ہوتی ہیں توحید خالقیت حاکمیت ولایت اور ربوبیت فرماتا ہے وہ جیسے کہ ان صفات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے وہی ہے خدا کہ جو مخفی و آشکار سے باخبر ہے اور ناقبل شکست اور مہربان ہے۔

(٧) یہ آیت بطور عموم آفرینش کے نظام احسن کی طرف بطور خاص اور خلقت انسان کے آغاز اور اس کے ارتقائی مراحل کی طرف بطور عام اشارہ ہے اور فرماتا ہے وہ وہی ہے جس نے جس چیز کو پیدا کیا بہت اچھا پیدا کیا۔

ہر چیز کو جس شے کی ضرورت تھی اس نے دیا دوسرے لفظوں میں خلقت کے عظیم محل کی بنیاد کو نظام احسن یعنی ایسے نظم وضبط پر استوار کیا جس سے زیادہ کامل کا تصور نہیں ہوسکتا تھا۔

دھندہ ای کہ بہ گل نکہت و بہ گل حسان داد

بہ ہر کہ آنچہ سزا دید حکمتش آن داد !

(وہ جس نے پھول کو خوشبو اور مٹی میں روح پھونکی جو جس چیز کے لائق تھا خالق حکمت نے اسے وہی کچھ دیا)

اس کے بعد قرآن اس آفاق کے مقدمہ اور تمہید کو ذکر کرنے کے بعد انفس کی بحث میں وارد ہوتا ہے اور جس طرح آفاقی آیات کی بحث میں توحید کی مختلف اقسام کے بارے میں گفتگو کی تھی یہاں انسان کے بارے میں چند عظیم نعمتوں کی بات کرتا ہے۔

پہلے کہتا ہے خدا نے انسان کی خلقت کی ابتداء مٹی سے فرمائی۔

تا کہ اس سے ایک طرف تو اپنی قدرت کی عظمت بھی بیان کرے اور اس انسان کو تنبیہ اور خبردار بھی کرے کہ تو کہاں سے آیا

ہے اور کہاں جائے گا؟

واضح رہے کہ یہ آیت آدم کی خلقت کے بارے میں گفتگو کررہی ہے نہ کہ تمام انسانوں کے بارے میں کیونکہ ان کی نسل کو جاری رکھنا بعد والی آیت میں پیش کیا گیا ہے اور اس آیت کا ظہور واضح دلیل ہے انسان کی مستقل خلقت اور کم از کم نوع انسانی کے بارے میں تحول انواع کے مفروضہ کی نفی کیلئے یعنی نظریہ ارتقاء کی نفی کی ہے۔

(۸) یہ آیت نسل انسانی کی خلقت اور اولاد آدم کی ولادت کے بعد کے مراحل کی کیفیت کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے پھر خدا نے اس کی نسل کو ناچیز اور بے قدر پانی کے نچوڑنے سے قرار دیا۔

(۹) یہ آیت رحم کی دنیا میں انسانی ارتقاء کے پیچیدہ اور اسی طرح ان مراحل کی طرف اشارہ ہے جو آدم نے مٹی سے خلقت کے وقت طے کئے تھے فرماتا ہے پھر انسان کے بدن کو موزوں بنایا۔

اور اپنی روح میں سے اس میں پھونکا۔

اور تمہارے لئے کان آنکھیں اور دل قرار دیئے۔

لیکن بہت کم تم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہو۔

ابتداء میں جب نطفہ منعقد ہوتا ہے تو صرف ایک قسم کی حیات نباتی کا حامل ہوتا ہے یعنی صرف غذا حاصل کرتا اور نشو نما پاتا ہے لیکن نہ تو اس میں حس و حرکت جو حیات حیوانی کی نشانی ہے اور نہ ہی قوت ادارک جو حیات انسانی کی نشانی ہے موجود ہوتی ہے۔

لیکن رحم میں نطفہ کا ارتقاء اس مرحلہ تک پہنچ جاتا ہے کہ وہ حرکت کرنے لگتا ہے اور تدریجاً دوسری انسانی طاقتیں اس میں زندہ ہوجاتی ہیں اور یہ وہی مرحلہ ہے جسے قرآن نفخ روح سے تعبیر کرتا ہے۔

روح کی خدا کی طرف اضافت اصطلاح کے مطابق اضافت تشریفی ہے یعنی ایک زبردست قیمتی اور باشرافت روح جو اس قابل ہے کہ اسے روح خدا کا نام دیا جائے انسان میں پھونکی جاتی ہے

(۱۰) وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ بَلْ هُمْ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ	انہوں نے کہا کیا جس وقت ہم مرجائیں گے اور زمین میں گم ہوجائیں گے تو نئی زندگی پالیں گے؟ لیکن وہ تو اپنے پروردگار کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں۔
(۱۱) قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ۧ	کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مامور ہوا ہے، تمہاری (روح کو) قبض کرلے گا، پھر تم اپنے پروردگار کی طرف پلٹ جاؤ گے۔

(۱۲) وَ لَوۡ تَرٰۤی اِذِ الۡمُجۡرِمُوۡنَ نَاکِسُوۡا رُءُوۡسِہِمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ رَبَّنَاۤ اَبۡصَرۡنَا وَ سَمِعۡنَا فَارۡجِعۡنَا نَعۡمَلۡ صَالِحًا اِنَّا مُوۡقِنُوۡنَ	اور اگر تم ان مجرموں کو دیکھو، جس وقت کہ وہ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں سر نیچے کئے ہوئے کہیں گے، پروردگارا! جو کچھ تو نے وعدہ کیا تھا ہم نے اسے دیکھا اور سُنا ہے۔ ہمیں واپس پلٹا دے تا کہ ہم عملِ صالح بجالائیں۔ہم قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔
(۱۳) وَ لَوۡ شِئۡنَا لَاٰتَیۡنَا کُلَّ نَفۡسٍ ہُدٰىہَا وَ لٰکِنۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ مِنِّیۡ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَہَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ	اور اگر ہم چاہتے تو ہر انسان کو (جبری طور پر اور) لازمی ہدایت دیتے لیکن ہم نے (انہیں آزاد چھوڑ رکھا ہے اور) مقرر کیا ہے کہ دوزخ کو (بے ایمان اور گناہگار) جن وانس کے تمام افراد سے بھر دیں۔
(۱۴) فَذُوۡقُوۡا بِمَا نَسِیۡتُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ ہٰذَا ۚ اِنَّا نَسِیۡنٰکُمۡ وَ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡخُلۡدِ بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ	(اوران سے کہو کہ عذاب جہنم کو) چکھو اس لئے کہ آج کی ملاقات کو تم نے فراموش کر دیا تھا۔ ہم نے بھی تمہیں فراموش کیا ہے اور ہمیشہ کے عذاب کو ان اعمال کی وجہ سے چکھو جو تم نے انجام دیئے ہیں۔

تفسیر

ندامت اور بازگشت کا تقاضا

یہ آیات معاد کے بارے میں ایک بولتی ہوئی ناطق بحث کے ساتھ شروع ہو رہی ہیں اس کے بعد دوسرے جہان میں مجرمین کی حالت کو بیان کرتا ہے اور مجموعی طور پر گذشتہ بحثوں کی تکمیل ہے جو مبداء کے بارے میں بیان ہوئی ہیں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ مبداء ومعاد کی بحث قرآن مجید میں عام طور پر ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہے۔

پہلے کہتا ہے انہوں نے کہا کیا جس وقت ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے اور زمین میں گم ہو گئے تو نئی پیدائش پائیں گے۔

زمین میں گم ہو جانے کی تعبیر "ضللنا فی الارض "اس طرف اشارہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد پانی مٹی کی طرح خاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہر ذرہ عوامل طبیعی اور غیر طبیعی کی بناء پر ایک گوشہ میں جا پہنچتا ہے اور پھر اس کی کوئی چیز بھی باقی نظر نہیں آتی تا کہ اسے قیامت میں دوبارہ پلٹانے کا یقین لائے۔

لیکن حقیقت میں وہ اپنے اس کام سے قدرت خدا کے منکر نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے پرودگار کی ملاقات کا انکار کرتے ہیں۔

کیاانسان گمان کرتا ہے کہ اس کی پراگندہ اور بکھری ہوئی ہڈیوں کو ہم جمع نہیں کرسکیں گے؟ ہم تو یہاں تک قادر ہیں کہ تمہاری انگلیوں کی پوروں کے خطوط پہلے نظام کی طرف پلٹا دیں لیکن انسان کا ہدف ومقصد یہ ہے کہ وہ دن جو اس میں اس کے سامنے ہے (انکار قیامت کرکے) فسق وفجور اور گناہ کے ساتھ گزار دے۔اس لئے پوچھتا ہے کہ:

''قیامت کب آئے گی'' (سورہ قیامت ۳ تا ٦)

اس بناء پر وہ استدلال کے لحاظ سے لولے لنگڑے نہیں بلکہ ان کی تن آسانی نے ان کے دل پر حجاب ڈال رکھا ہے اور ان کی بری نیتیں مسئلہ معاد کے قبول کرنے سے مانع ہیں۔

(۱۱) یہ آیت ان کا جواب ایک دوسرے طریقے سے دیتی ہے کہتی ہے یہ تصور نہ کرو کہ تمہاری شخصیت تمہارے اسی جسمانی بدن کے ساتھ ہے بلکہ تمہاری شخصیت کی اساس وبنیاد کو تمہاری روح تشکیل دیتی ہے اور وہ محفوظ ہے کہہ دے کہ موت کا فرشتہ جو تم سب پر مقرر کیا ہے تمہاری روح قبض کرتا ہے پھر تم اپنے پروردگار کی طرف پلٹ جاتے ہو۔

اور خلاصہ کے طور پر اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اوپر والی یہ آیت معاد اور قیامت کے منکرین کو اس طرح جواب دیتی ہے کہ اگر تمہاری مشکل جسمانی اجزاء کا منتشر اور پراگندہ ہونا ہے تو تم خود قدرت خدا کو قبول کرتے ہو اور اس کے منکر نہیں ہو اور اگر اس پرا گندگی کی وجہ سے انسان کی شخصیت کے اضمحلال اور نابودی والی مشکل ہے تو وہ بھی ٹھیک نہیں ہے کیونکہ انسانی شخصیت کی بنیاد روح پر استوار ہے۔

(۱۲) اس کے بعد ان کافر مجرم اور معاد کے منکرین کی کیفیت جو قیامت میں اس کے مختلف مناظر کو مشاہدہ کرنے سے ہوگی اپنے کیئے پر سخت نادم اور پشیمان ہوں گے اس طرح مجسم اور ان کی تصویر کشی کرتی ہوئے کہتی ہے اگر تو دیکھے مجرمین کو جس وقت کہ وہ اپنے پروردگار کے سامنے سر نیچے کئے ہوئے کہیں گے پروردگارا جو کچھ تو نے وعدہ کیا تھا اس کو ہم نے دیکھا اور سنا ہے ہم اپنے کئے پر نادم ہیں ہمیں واپس پلٹا دے تاکہ ہم عمل صالح انجام دیں ہم اس جہان قیامت پر یقین رکھتے ہیں تو تم تعجب میں ڈوب جاؤ گے۔

یقیناً آپ تعجب کریں گے کہ کیا یہ سر نیچے کئے ہوئے نادم اور پشیمان افراد وہی مغرور، سرکش اور منہ زور لوگ ہیں جو دنیا میں کسی حقیقت کے مقابلہ میں سر نہیں جھکاتے تھے؟ مجرمین سے مراد یہاں کفار اور خصوصیت سے قیامت کے منکرین ہیں۔

(۱۳) اور چونکہ ایمان کو قبول کرنے کیلئے آیت کا سارا اصرار اور زیادہ زور ممکن ہے یہ توہم پیدا کرے کہ کیا خدا اس قدر قدرت وتوانائی نہیں رکھتا کہ نور ایمان کا پرتو ان کے دل میں ڈال دے؟ تو بعد والی آیت میں مزید کہتا ہے اگر ہم چاہتے تو ہر انسان کو جبری طور پر ضروری ہدایت دے دیتے۔

یقیناً ہم ایسی قدرت رکھتے ہیں لیکن ایسا ایمان جو ہمارے جبری طریقے سے وجود میں آئے تو ایسے ایمان کی چنداں قیمت نہیں ہے لہٰذا ہم نے ارادہ کرلیا کہ بنی نوع انسان کو یہ اعزاز اور افتخار بخشیں کہ وہ مختار ہو اور ارتقائی مراحل اپنے قدموں سے طے کرے۔

لہٰذا آیت کے آخر میں فرماتا ہے میں نے انہیں آزاد چھوڑ دیا لیکن مقرر کر دیا کہ دوزخ کو بے ایمان اور گناہگار جن وانس کے تمام افراد سے بھر دوں۔

جی ہاں انہوں نے اپنے غلط اختیار سے اس راہ کو طے کیا ہے لہٰذا وہ سزا اور عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں اور ہم نے بھی قطعی ارادہ کرلیا ہے کہ دوزخ کو ان سے بھر دیں۔

(۱۴) اس لئے اس آیت میں ہے ہم ان دوزخیوں سے کہیں گے کہ جہنم کا عذاب اس بناء پر چکھو کہ آج کی ملاقات کو تم بھول گئے تھے۔ اور ہم نے بھی تمہیں فراموشی کے حوالے کر دیا۔

اور نیز ہمیشگی کے عذاب کو ان اعمال کی وجہ سے چکھو جنہیں تم انجام دیتے تھے۔

اس آیت سے ایک بار پھر معلوم ہوتا ہے قیامت کی دادگاہ اور علامت کو بھول جانا ہی انسان کی بدبختی کا اصل سرچشمہ ہے اور یہی وہ صورت ہے کہ جس میں وہ اپنے آپ کو قانون شکنی اور مظالم کے سلسلہ میں آزاد سمجھتا ہے نیز اس آیت سے یہ بات بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ابدی اور ہمیشہ کی سزا و عذاب ان اعمال کی وجہ سے ہی ہے جنہیں انسان خود انجام دیتا ہے نہ کوئی اور چیز!

(۱۵) اِنَّمَا یُؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ السجدة	صرف وہی لوگ ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں جنہیں جب بھی ان آیات کی یاد دہانی کرائی جائے تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں، وہ اپنے پروردگار کی تسبیح وحمد بجالاتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔
(۱۶) تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا	ان کے پہلو رات کو بستروں سے دور رہتے ہیں۔ (وہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور خدا کی بارگاہ کی طرف رخ کرتے ہیں) اپنے پروردگار کو خوف وامید کے ساتھ پکارتے ہیں
وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ	اور جو کچھ ہم نے انہیں روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔
(۱۷) فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ	کوئی شخص نہیں جانتا کہ کیسی اہم جزائیں، جو آنکھوں کی روشنی کا سبب بنتی ہیں ان کے لئے چھپی ہوئی ہیں۔ یہ ان اعمال کی جزاء ہے جنہیں وہ انجام دیتے تھے۔

(۱۸) اَفَمَنۡ كَانَ مُؤۡمِنًا كَمَنۡ كَانَ فَاسِقًا ؕ لَا يَسۡتَوٗنَ	کیا وہ شخص جو صاحب ایمان ہو اس شخص کی طرح ہے جو فاسق ہے؟ نہیں! یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔
(۱۹) اَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمۡ جَنّٰتُ الۡمَاۡوٰى ۡ نُزُلًاۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ	لیکن وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور جنہوں نے عمل صالح انجام دیئے، ان کے لئے دائمی بہشت کے باغات ہوں گے۔ یہ (خدا کی طرف سے) ان کی میزبانی کا وسیلہ (اور سامانِ ضیافت) ہے ان اعمال کے مقابلہ میں جنہیں وہ انجام دیتے تھے۔
(۲۰) وَ اَمَّا الَّذِيۡنَ فَسَقُوۡا فَمَاۡوٰهُمُ النَّارُ ؕ كُلَّمَاۤ اَرَادُوۡۤا اَنۡ يَّخۡرُجُوۡا مِنۡهَاۤ اُعِيۡدُوۡا فِيۡهَا وَ قِيۡلَ لَهُمۡ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ النَّارِ الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ	لیکن وہ لوگ جو فاسق ہو گئے ان کی ہمیشہ کی جگہ آگ ہے۔ جس وقت اس سے نکلنا چاہیں گے تو انہیں اس کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا اس آگ کا عذاب چکھو جس کا تم انکار کرتے تھے۔

تفسیر

عظیم جزائیں جنہیں کوئی نہیں جانتا

ہم سب کو معلوم ہے کہ قرآن کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ بہت سے حقائق کو ایسے دلنشین انداز میں ایک دوسرے کے تقابل اور موازنہ کے ساتھ بیان کرتا ہے تا کہ وہ اچھی طرح ہر ایک کی سمجھ میں آجائیں۔

گذشتہ آیات میں مجرمین اور کافرین کے بارے میں بیان شدہ تشریح کے بعد یہاں پر بھی برجستہ مومنین کی صفات اور ان کے اصول عقائد اور عملی پروگرام کو اختصار کے ساتھ دو آیات کے ضمن میں آٹھ صفات کے ذکر کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے صرف وہی لوگ ہماری آیات پر ایمان لے آتے ہیں کہ جنہیں جب بھی ان آیات کی یاددہانی کرائی جائے تو سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بجالاتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے۔

اس آیت میں ان کی صفات کے چار حصے بیان ہوئے ہیں۔

1..........آیات الٰہی کے سنتے ہی سجدہ میں گر پڑتے ہیں۔

یہی خصوصیت قرآن کی دوسری آیات میں انبیاء کی ایک برجستہ ترین صفت کے عنوان سے ذکر ہوئی ہے جیسا کہ خداوند عظیم انبیاء کے ایک گروہ کے متعلق کہتا ہے۔

جس وقت خداوند رحمان کی آیات ان پر پڑھی جاتی تھیں تو وہ خاک پر گر پڑتے اور سجدہ کرتے اور گریہ شوق کرتے تھے۔(سورہ مریم...........۵۸)

نوٹ: (توجہ رکھنا چاہئے کہ یہ آیت قرآن مجید میں ''واجب سجدہ'' کی پہلی آیت ہے۔ چنانچہ جو شخص اس ساری آیت کو پڑھے یا کسی دوسرے سے سنے تو واجب ہے کہ سجدہ کرے البتہ اس میں وضو واجب نہیں ہے لیکن احتیاط واجب یہ ہے کہ پیشانی ایسی چیز پر رکھے جس پر سجدہ صحیح ہے۔)

2'3......دوسری اور تیسری نشانی ان کی پروردگار کی تسبیح اور حمد ہے ایک طرف جہاں وہ خدا کو نقائص سے پاک اور منزہ شمار کرتے ہیں تو دوسری طرف اس کے صفات کمال وجمال کی بناء پر اس کی حمد وستائش کرتے ہیں۔

4......ان کی ایک اور صفت تواضع'فروتنی اور ہر قسم کے استکبار سے دوری ہے کیونکہ کبر وغرور کفر و بے ایمانی کے زینہ کی پہلی سیڑھی ہے اور حق وحقیقت کے سامنے جھک جانا ایمان کا پہلا قدم ہے۔

(۱۶) اس کے بعد ان کی دوسری صفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے ان کے پہلو رات کے وقت بستروں سے دور ہو جاتے ہیں وہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور بارگاہ خدا کا رخ کر کے اس سے راز و نیاز کرتے ہیں۔

جی ہاں! جس وقت غافل لوگوں کی آنکھ سو رہی ہوتی ہے تو وہ رات کا ایک حصہ بیدار ہوتے اور اس وقت جبکہ زندگی کا کاروبار ٹھپ ہوتا ہے فکری مشاغل کم سے کم حد کو پہنچ جاتے ہیں اور آرام وسکون اور خاموشی نے ہر جگہ کو گھیر رکھا ہوتا ہے اور عبادات میں ریا کا شائبہ بہت ہی کم ہوتا ہے اور خلاصہ یہ کہ اس وقت حضور قلب کے بہترین مواقع میسر ہوتے ہیں یہ لوگ اپنے پورے وجود کے ساتھ بارگاہ معبود کا رخ کرتے ہیں اور اپنے معشوق ومحبوب کے آستانے پر سر جھکا دیتے ہیں۔

اور جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے اس کی بارگاہ میں پیش کر دیتے ہیں یہ اس کی یاد میں زندہ ہیں اور اپنے دل کے پیمانے کو اس کی مہر ومحبت سے لبریز اور سرشار رکھتے ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے وہ اپنے پروردگار کو خوف وامید کے ساتھ پکارتے ہیں۔

جی ہاں ان کی دو اور صفات خوف ورجا یا ڈر اور امید ہے نہ تو اس کے غضب اور عذاب سے مامون رہتے ہیں اور نہ اس کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں اس خوف اور امید کا توازن جو خدا کی راہ میں ان کے تدریجی کمال وارتقاء اور پیش رفت کا ضامن ہے ہمیشہ ان کے وجود میں کارفرما ہے۔

وجہ یہ ہے کہ امید پر خوف کا غلبہ انسان کو مایوسی اور سستی کی طرف کھینچ کر لے جاتا ہے اور رجاء اور طمع کا غلبہ اسے غرور وغفلت پر آمادہ کرتا ہے اور یہ دونوں خدا کی طرف انسان کے ارتقائی مراحل کے دشمن ہیں۔

آخری اور آٹھویں خصوصیت ان کی یہ ہے کہ جو کچھ ہم نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

نہ صرف یہ کہ اپنے مال ضرورت مندوں کو بخش دیتے ہیں بلکہ اپنے علم و دانش قوت اور قدرت صحیح رائے اور تجربہ اور فکری ذخیرے کو ضرورت مند لوگوں پر خرچ کرنے سے گریز نہیں کرتے۔

پھر اسی آیت میں سچے مومنین کے عظیم اور اہم اجر کو بیان کرتا ہے جو پہلے کی دو آیات میں مذکورہ نشانیوں کے حامل ہیں ایک ایسی قابل توجہ تعبیر کے ساتھ جو ان کے اجر کی حد سے زیادہ اہمیت کی ترجمانی کرتی ہے فرماتا ہے کوئی شخص نہیں جانتا کہ آنکھوں کی ٹھنڈک میں کیا اہم اجر و ثواب ان کیلئے چھپا رکھے گئے ہیں۔

یہ بڑا عظیم اور بلند تر اجر ہے جو ان کے اعمال کے بدلے میں دیا گیا۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی ایک حدیث میں ہم پڑھتے ہیں

خدا فرماتا ہے میں نے اپنے صالح بندوں کیلئے ایسی نعمتیں فراہم کر رکھی ہیں کہ جنہیں نہ تو کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی کوئی فرد بشر ان کے متعلق سوچ سکتا ہے!

یہ آیت اس تقابل کو جو گذشتہ آیات میں تھا زیادہ صراحت کے ساتھ واضح کرتے ہوئے کہتی ہے کیا وہ شخص جو مومن ہے مثل اس کے ہے جو فاسق ہے؟ نہیں یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہیں۔

اس آیت میں فاسق مومن کے مقابلہ میں ذکر ہوا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ''فسق'' ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے کہ جو کفر کو بھی شامل ہے اور دوسرے گناہوں کو بھی۔

بعد والی آیت میں اس عدم مساوات اور برابر نہ ہونے کو زیادہ وسیع شکل میں بیان کرتے ہوئے آیا ہے باقی رہے وہ جو ایمان لے آئے اور عمل صالح انجام دیا ان کیلئے بہشت جاوداں کے باغات ہوں گے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے کہ یہ جنات مادی ان کے انجام شدہ اعمال کے بدلے میں۔ خدا کی ان کیلئے مہمانی کا ذریعہ ہیں۔

اور اس آیت میں ان کے نقطہ مقابل کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے لیکن وہ لوگ جو فاسق ہو گئے ہیں اور اپنے پروردگار کی اطاعت سے نکل گئے ہیں ان کیلئے ہمیشہ رہنے کی جگہ جہنم کی آگ ہے۔

وہ ہمیشہ کیلئے اس وحشت ناک جگہ میں مقید اور محبوس ہیں اس طرح سے کہ جس وقت اس سے نکلنا چاہیں گے انہیں واپس لوٹا دیا جائے گا۔

اور انہیں کہا جائے گا کہ چکھو تو اس کے عذاب کو جس کا ہمیشہ انکار کیا کرتے تھے۔

دوبارہ ہم یہاں دیکھ رہے ہیں کہ عذاب الٰہی کفر و تکذیب کے مقابلہ میں آیا ہے اور اس کا ثواب و جزا عمل کے مقابلہ میں ہے۔

جو اس طرف اشارہ ہے کہ تنہا ایمان ہی کافی نہیں ہے بلکہ ضروری ہے کہ وہ عمل کیلئے سبب بھی بنے۔ لیکن کفر اکیلا عذاب کیلئے کافی ہے اگرچہ اس کے ساتھ عمل نہ بھی ہو۔

(۲۱) وَ لَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ	ہم انہیں (اس دنیا کا) نزدیکی عذاب (آخرت کے) بڑے عذاب سے پہلے چکھائیں گے شاید کہ وہ پلٹ آئیں۔
(۲۲) وَ مَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنْتَقِمُونَ	اس شخص سے بڑھ کر کون زیادہ ظالم ہے جسے اس کے پروردگار کی آیات کی یاد دہانی کرائی گئی ہو لیکن وہ اس سے اعراض اور روگردانی کرے۔ یقیناً ہم مجرمین سے انتقام لیں گے۔

تفسیر

تربیتی اور اصلاحی سزائیں

گناہگاروں اور ان کی دردناک سزاؤں کے بارے میں تو گذشتہ آیات میں بحث ہوچکی ہے موجودہ آیات میں ان کے بارے میں خدا کے ایک مخفی لطف کی طرف اشارہ ہے جو دنیا میں خفیف اور بیدار کرنے والی سزاؤں کی صورت میں ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ خدا ہرگز نہیں چاہتا کہ بندہ عذاب جاودانی میں گرفتار ہو لہٰذا بندے کی نجات کیلئے اسے بیدار کرنے والے ہر قسم کے وسائل کو بروئے کار لاتا ہے۔

خدا اپنے پیغمبر بھیجتا ہے آسمانی کتابیں نازل کرتا ہے نعمت دیتا ہے مصیبت میں گرفتار کرتا ہے اور اگر ان میں سے کسی چیز سے فائدہ نہ اٹھائیں تو پھر اس قسم کے اشخاص کا سوائے جہنم کی آگ کے کوئی اور انجام نہیں ہے۔

فرماتا ہے ہم انہیں دنیا کا نزدیکی عذاب آخرت کے عذاب سے پہلے چکھائیں گے شاید وہ بیدار ہو کر پلٹ آئیں۔

یقیناً عذاب ادنی ایک وسیع معنی رکھتا ہے جو زیادہ تر ان احتمالات کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

من جملہ ان کے اس سے مراد مصائب و درد اور رنج و غم ہیں۔

یا مکہ کا سات سالہ شدید قحط اور خشک سالی جس میں مشرکین اس قدر گرفتار ہوئے کہ انہیں مجبوراً مردار لاشے کھانا پڑے۔ یا وہ کاری ضربیں جو ان کے پیکر پر جنگ بدر میں وارد ہوئیں۔

باقی رہا عذاب اکبر جو قیامت کے دن کا عذاب ہے تو وہ ہر سزا اور عذاب سے بہت بڑا اور زیادہ دردناک ہے۔

(۲۲) اور چونکہ جس وقت بیدار کرنے والے وسائل میں سے کوئی بھی وسیلہ حتیٰ کہ خدائی عذاب بھی سودمند ثابت نہیں ہوتا تو پھر اس گروہ کے ظالم ترین لوگوں سے پروردگار کے انتقام کے علاوہ کوئی راہ باقی نہیں رہ جاتی۔

اس آیت میں اس طرح فرماتا ہے کون سا شخص زیادہ ستم گر ہے اس شخص سے جسے اس کے پروردگار کی آیات یاد دلائی جائیں اور وہ ان سے اعراض اور روگردانی کرے۔

یقیناً ہم ان بے ایمان مجرموں سے ضرور انتقام لیں گے۔

حقیقت میں یہ ایسے لوگ ہیں جن پر نہ خدائی نعمتیں موثر ہیں اور نہ اس کا عذاب اور خبر دار کرنے والی بلائیں اور مصائب اسی بناء پر ان سے زیادہ ظالم کوئی شخص نہیں ہے لہذا اگر ان سے انتقام نہ لیا جائے تو پھر کس سے لیا جائے؟

(۲۳) وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ فَلَا تَکُنۡ فِیۡ مِرۡیَۃٍ مِّنۡ لِّقَآئِہٖ وَ جَعَلۡنٰہُ ہُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۚ	ہم نے موسیٰ کو آسمانی کتاب دی اور تجھے شک نہیں ہونا چاہئے کہ اس نے آیاتِ الٰہی کو حاصل کرلیا اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کیلئے ہدایت کا ذریعہ قرار دیا۔
(۲۴) وَ جَعَلۡنَا مِنۡہُمۡ اَئِمَّۃً یَّہۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا لَمَّا صَبَرُوۡا ؕ۟ وَ کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یُوۡقِنُوۡنَ	اور ان میں سے ہم نے ائمہ (اور پیشوا) منتخب کئے جو ہمارے حکم سے (لوگوں کی) ہدایت کرتے تھے، اس بناء پر کہ انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔
(۲۵) اِنَّ رَبَّکَ ہُوَ یَفۡصِلُ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ	یقیناً تمہارا پروردگار ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دیگا جس چیز میں وہ اختلاف کرتے تھے (اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی سزا دے گا)۔

تفسیر

زیر بحث آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی داستان کی طرف ایک مختصر سا اشارہ ہے تا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کی تسلی ہو۔

پہلے کہتا ہے ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی۔

اس بناء پر آپ اپنے دل میں کسی قسم کے شک وشبہ وتردد کو نہ آنے دیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے آیات الٰہی کو حاصل کرلیا۔

ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی آسمانی کتاب تورات کو بنی اسرائیل کی ہدایت کا ذریعہ قرار دیا۔

(۲۴) اس آیت میں ان اعزازات کی طرف اشارہ ہے جو بنی اسرائیل کو استقامت وایمان کے زیر سایہ نصیب ہوئے تا کہ دوسروں کیلئے درس ہو فرماتا ہے اور ان میں سے ہم نے امام اور پیشوا قرار دیئے کہ جنہوں نے ہمارے فرمان اور حکم سے خلق خدا کی ہدایات کے امور کو اپنے ذمہ لیا کیونکہ انہوں نے صبر کا مظاہرہ کیا اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔

یہاں پر کامیابی کا راز اور پیشوائی اور امامت کی شرط دو چیزوں کو بیان کرتا ہے ایک آیات الٰہی پر ایمان و یقین اور دوسری صبر واستقامت۔

(۲۵) اور چونکہ بنی اسرائیل نے دوسری امتوں کی طرح ان سچے ائمہ اور پیشواؤں کے بعد اختلاف شروع کر دیئے مختلف راستے طے کئے اور لوگوں کے درمیان فرقہ بندی کو ہوا دی لہٰذا آخری محل بحث آیت میں تہدید آمیز لہجہ میں کہتا ہے تیرا پروردگار ان کے درمیان قیامت کے دن ان اختلافات کے بارے میں جو ان کے درمیان تھے فیصلہ کرے گا اور ہر شخص کو اس کے کیفر کردار تک پہنچائے گا۔

ہمیشہ حق کو خواہشات نفسانی کے ساتھ مخلوط کر دینے سے ہی اختلاف پیدا ہوتے ہیں لہٰذا قیامت کے دن تمام خواہشات اور ہوا اور ہوس کافور ہو جائیں گی اور حق اپنی اصلی شکل وصورت میں ظہور پذیر ہوگا یہ وہ مقام ہے جہاں خدا اپنے فرمان کے ذریعہ تمام اختلافات کو ختم کر دے گا یہ معاد وقیامت کا ایک اور فلسفہ ہے (غور کیجئے گا)

(۲۶) اَوَ لَمۡ یَہۡدِ لَہُمۡ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ یَمۡشُوۡنَ فِیۡ مَسٰکِنِہِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ ؕ اَفَلَا یَسۡمَعُوۡنَ	کیا ان کی ہدایت کیلئے یہی کافی نہیں کہ ہم نے بہت سے افراد کو ہلاک کر دیا ہے جو ان سے صدیوں پہلے گزر چکے ہیں ؟ یہ ان کے (ویران شدہ) گھروں میں چلتے پھرتے ہیں۔اس میں خدا کی قدرت (اور اس کے درد ناک عذاب) کی نشانیاں ہیں۔کیا وہ سنتے نہیں؟
(۲۷) اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا نَسُوۡقُ الۡمَآءَ اِلَی الۡاَرۡضِ الۡجُرُزِ فَنُخۡرِجُ بِہٖ زَرۡعًا تَاۡکُلُ مِنۡہُ اَنۡعَامُہُمۡ وَ اَنۡفُسُہُمۡ ؕ اَفَلَا یُبۡصِرُوۡنَ	کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو خشک زمینوں کی طرف چلاتے ہیں اور اس کے ذریعہ زراعتیں اگاتے ہیں جن سے ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی۔کیا وہ دیکھتے نہیں؟
(۲۸) وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ہٰذَا الۡفَتۡحُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ	اور وہ کہتے ہیں اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ تمہاری کامیابی وفتح کب ہوگی؟
(۲۹) قُلۡ یَوۡمَ الۡفَتۡحِ لَا یَنۡفَعُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِیۡمَانُہُمۡ وَ لَا ہُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ	کہہ دو کامیابی کے دن ایمان لانا کافروں کیلئے سودمند نہ ہوگا اور انہیں کسی قسم کی مہلت نہیں دیجائیگی۔

(۳۰) فَاَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ وَ انۡتَظِرۡ اِنَّهُمۡ مُّنۡتَظِرُوۡنَ ۟	(اے پیغمبر) اب جب کہ ایسا ہی ہے تو ان سے منہ پھیر لے اور منتظر رہ وہ بھی منتظر ہیں۔ (تو رحمتِ خدا کا منتظر رہ اور وہ اس کے عذاب کے منتظر ہیں)۔

تفسیر

گذشتہ آیات میں بے ایمان مجرمین کی تنبیہ موجود تھی اور زیر بحث پہلی آیت بھی اس تنبیہ کی تشریح اور تکمیل کے طور پر ہے فرماتا ہے کیا یہی بات ان کی ہدایت کیلئے کافی نہیں ہے کہ لوگوں میں سے بہت سے افراد جو ان سے صدیوں پہلے زندگی بسر کرتے تھے ہم نے انہیں ہلاک کیا اور انہیں ان کے اعمال کی سزا دی۔

یہ ان کے ویران شدہ گھروں میں چلتے پھرتے ہیں اور ان نفرین شدہ اقوام کے آثار اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔

اس لئے آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے اس موضوع میں قدرت خدا کی نشانیاں اور عبرت کے درس ہیں کیا وہ سنتے نہیں ہیں؟

(۲۷) اس آیت میں ایک اہم ترین نعمت الٰہی کی طرف اشارہ کرتا ہے جو تمام زمینوں کی آبادی کا سبب اور تمام زندہ موجودات کی حیات کا ذریعہ ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ جس طرح خدا گنہگار لوگوں کی زمینوں کے ویران کرنے کی قدرت رکھتا ہے اسی طرح ویران اور مردہ زمینوں کے آباد کرنے اور اپنے بندوں کو ہر قسم کی نعمت و بخشش عطا کرنے پر بھی قادر ہے۔

فرماتا ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم پانی کو خشک اور بے آب و گیاہ زمینوں کی طرف چلاتے ہیں اور اس کے ذریعہ فصلیں اگاتے ہیں کہ جس سے ان کے چوپائے بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی غذا حاصل کرتے ہیں کیا وہ دیکھتے نہیں؟

(۲۸) چونکہ گذشتہ آیات مجرمین کو انتقام کی تہدید اور مومنین کو امامت پیشوائی اور کامیابی کی بشارت دے رہی تھیں یہاں پر کفار غرور و نخوت سے یہ سوال پیش کرتے ہیں کہ یہ وعدے اور وعید کب عملی صورت اختیار کریں گے جیسا کہ قرآن فرماتا ہے وہ کہتے ہیں اگر تم سچ کہتے ہو تو تمہاری یہ فتح و کامرانی کب آئے گی؟

(۲۹) تو قرآن فوراً انہیں یہ جواب دیتا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہہ دے آخر کار کامیابی کا دن آ کے رہے گا لیکن اس دن ایمان لانا کافروں کیلئے سودمند نہ ہوگا اور کسی قسم کی انہیں مہلت بھی نہیں دی جائے گی۔

یعنی اگر تمہارا مقصد یہ ہے کہ خدائی وعدوں کی صداقت جو پیغمبروں کی زبانی تم نے سنی ہے اسے آنکھوں سے دیکھو اور پھر ایمان لے آؤ تو پھر اس دن دیر ہو چکی ہوگی اور ایمان تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گا۔

(۳۰) آخرکاراس سورہ سورہ سجدہ کی آخری آیت کے ساتھ ناطق اور معنی خیز تہدی کے ذریعہ سورہ کو ختم کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے پیغمبر! اب جبکہ ایسا ہے ان سے منہ پھیرلو اور تم بھی منتظر رہو اور وہ بھی منتظر ہیں۔

اب جبکہ نہ تو بشارت انہیں اثر کرتی ہے اور نہ انذار ڈرانا اور نہ ہی وہ اہل منطق واستدلال ہیں تاکہ وسیع عالم خلقت میں آثار الٰہی کے مشاہدہ کرنے سے اسے پہچانیں اور اس کے غیر کی پرستش ترک کردیں اور نہ ہی بیدار ضمیر رکھتے ہیں کہ اپنی جان کے اندر سے بلند ہونے والے نغمہ توحید پر کان دھریں لہٰذا ان سے روگردانی کرکے منہ پھیر لیجئے اور اپنے خدا کی رحمت کے منتظر رہئے اور وہ اس کے عذاب کے منتظر رہیں کیونکہ وہ صرف عذاب کے لائق ہیں۔

سورۂ احزاب

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوئی
اور ۷۳ آیات پر مشتمل ہے

سورہ احزاب کے مندرجات

جو مباحث اس سورہ میں آئی ہیں ان کو سات حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا حصہ: سب سے پہلے یہ سورت پیغمبر اسلام ﷺ کو خدا کی اطاعت کرنے اور کفار کی پیروی اور منافقین کی پیش کشوں کو ترک کرنے کی دعوت دیتا ہے

دوسرا حصہ: زمانہ جاہلیت کے کچھ خرافات مثلاً ظہار کا مسئلہ جسے طلاق اور عورت و مرد کے لئے ایک دوسرے سے جدائی کا ذریعہ سمجھتے تھے اور اسی طرح اپنے منہ بولے بیٹے کے مسئلہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس پر خط تنسیخ کھینچتا ہے

تیسرا حصہ: جو اس سورت کا اہم ترین حصہ ہے جنگ احزاب اور اس کے ہلا دینے والے حوادث، مسلمانوں کی کفار پر معجزانہ فتح و کامرانی منافقین کی تخریب کاری اور گوناں گوں بہانہ تراشی اور ان کی عہد شکنی سے تعلق رکھتی ہے۔

چوتھا حصہ: ازواج پیغمبر اکرم ﷺ سے متعلق ہے کہ انہیں ہر چیز میں مسلمان عورتوں کے لئے اسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل ہونا چاہئے اور اس سلسلہ میں قرآن انہیں اہم دستور اور فرمان جاری کرتا ہے۔

پانچواں حصہ: میں زینب بنت جحش کی داستان ہے جو ایک زمانہ تک پیغمبر کے منہ بولے بیٹے زید کی بیوی تھیں پھر ان سے الگ ہو گئیں اور حکم خدا کے تحت پیغمبر سے ان کا عقد ہوا اور منافقین کے لئے داستاویز بن گئی کہ قرآن اس سلسلہ میں بہانہ جو افراد کو قانع جواب دیتا ہے

چھٹا حصہ: مسئلہ حجاب کی بات کرتا ہے جس کا گذشتہ پانچ حصوں سے بھی قریبی رابطہ ہے اور تمام صاحب ایمان عورتوں کو اس اسلامی دستور کی پابندی کی تلقین کرتا ہے۔

ساتواں حصہ: آخری حصہ معاد جیسے اہم مسئلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس عرصہ عظیم میں راہ نجات اور اسی طرح عظیم انسان کی امانت یعنی اس کی ذمہ داری، فرائض کی بجا آوری اور ذمہ داری کی تشریح کرتا ہے۔

سورۂ احزاب کی وجہ تسمیہ اور فضیلت

چونکہ اس سورہ کا اہم حصہ جنگ احزاب خندق کے واقعہ کو بیان کرتا ہے اس لئے اس کا یہ نام انتخاب ہوا ہے۔

اس سورہ کی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ پیغمبر ﷺ اسلام فرماتے ہیں۔

''جو شخص سورہ احزاب کی تلاوت کرے اور اپنے گھر والوں کو اس کی تعلیم دے تو وہ عذاب قبر سے مامون رہے گا''۔

اور امام صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

''جو شخص سورۂ احزاب کی زیادہ تلاوت کرتا ہے قیامت کے دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خاندان والوں کے جوار میں رہے گا''۔

ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ اس قسم کے فضائل اور اعزازات صرف بے روح اور ہر قسم کے فکر اور عمل سے عاری تلاوت کے ذریعہ حاصل نہیں ہوتے۔ایسی تلاوت کی ضرورت ہے جو غور وفکر کا مرکز ہو اور ایسا غور وخوض جو فکر انسانی کے افق کو اس طرح منور اور روشن کردے کہ اس کا پرتو اس کے اعمال میں ظاہر ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱)یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۙ	اے پیغمبر! تقویٰ اختیار کرو اور کفار ومنافقین کی اطاعت نہ کرو۔بیشک خدا عالم اور حکیم ہے۔
(۲)وَّ اتَّبِعۡ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا ۙ	اور جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہیں وحی ہوتی ہے اس کی پیروی کرو کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو، خدا اس سے آگاہ ہے۔
(۳)وَّ تَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیۡلًا	اور خدا پر توکل کرو اور یہی کافی ہے۔خدا انسان کا محافظ اور دفاع کرنے والا ہے۔

شان نزول

یہ ابوسفیان اور بعض دوسرے کفر وشرک کے سرغنوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں وہ جنگ احد کے بعد پیغمبر اسلام سے امان پا کر مدینہ میں داخل ہوئے رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا محمد اپنے اور ہمارے خداؤں کو برا بھلا کہنے سے رک جایئے اور کہئے کہ وہ اپنے پرستش کرنے والوں کی شفاعت کریں گے۔اس پیش کش سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھ ہوا۔حضرت عمر کھڑے ہوئے گئے اور کہا کہ مجھے اجازت دیجئے تا کہ انہیں قتل کردوں پیغمبر نے فرمایا میں نے انہیں امان دی ہے۔لہٰذا اس قسم کی کوئی چیز ممکن نہیں۔لیکن آپ نے حکم دیا کہ انہیں مدینہ سے باہر نکال دیا جائے تو اس موقع پر آیات نازل ہوئیں اور پیغمبر کو حکم دیا کہ اس قسم کی کسی پیش کش کی پرواہ نہ کریں۔

تفسیر

صرف وحی الٰہی کی پیروی کریں

خطرناک لغزشیں جو عظیم رہبروں کے راستوں میں قرار پائی ہیں۔مخالفین کی طرف سے سودے بازی پرمبنی پیش کش ہوا کرتی ہیں۔

مشرکین مکہ اور منافقین مدینہ نے بارہا کوشش کی کہ سودے بازی پرمبنی پیش کشوں کے ذریعہ پیغمبر اسلام ﷺ کو خط توحید سے منحرف کردیں۔

لیکن سورۂ احزاب کی ابتدائی آیات نے نازل ہوکران کی سازش کو ختم کردیا اور اس پر پانی پھیر دیا اور پیغمبر کو دوٹوک انداز میں خط توحید کی روش کو کسی قسم کی سودے بازی کئے بغیر جاری رکھنے کا حکم دیا۔یہ آیات مجموعی طور پر پیغمبر اکرم ﷺ کو چار اہم حکم دے رہی ہیں۔

پہلا حکم۔تقویٰ اور پرہیزگاری کے سلسلہ میں ہے، جو دوسرے تمام پروگراموں کے لئے بنیادی عنصر ہے۔فرماتا ہے۔ اے پیغمبر! تقویٰ اختیار کرو۔

''تقویٰ'' درحقیقت وہی باطنی ذمہ داری اور جواب دہی کا احساس ہے۔اور جب تک یہ احساس موجود نہ ہو انسان کسی بھی اصلاحی پروگرام کے لئے حرکت نہیں کرتا۔

دوسرا حکم۔کفار و منافقیں کی اطاعت کی نفی ہے۔خدا فرماتا ہے۔کفار و منافقین کی اطاعت نہ کرو۔

اس آیت کے آخر میں اس موضوع کی تاکید کے لئے کہتا ہے۔خدا عالم اور حکیم ہے۔

اگر وہ آپ کو انکی پیروی ترک کرنے کا حکم دیتا ہے تو وہ اس کے لامتناہی علم وحکمت کی بناء پر ہے۔

بہرحال تقویٰ اور احساس ذمہ داری کے بعد پہلا فریضہ صفحہ قلب کو غیر خدا کی محبت سے صاف اور پاک کرنا ہے اور اس سرزمین سے مزاحمت کرنے والے کانٹوں کی بیخ کنی کرنا ہے

تیسرے حکم میں عقیدہ توحید کی تخم ریزی اور وحی الٰہی کی اتباع کرنے کے مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے۔'' جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر وحی ہوتی ہے۔اس کی پیروی کرو۔

اور اچھی طرح خبردار ہو کہ جو کچھ تم انجام دیتے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے۔

اس بناء پر پہلے عفریت کو دل و جان سے نکالیں تاکہ اس میں فرشتہ آسکے۔کانٹوں کو ختم کریں تاکہ پھولوں کی تخم ریزی ہوسکے۔

طاغوت کو دور کرکے اس سے خود کو پاک کرنا چاہئے تاکہ اللہ کی حکومت نظام الٰہی اس کے جگہ لے سکے۔

اور چونکہ اس راہ پر چلنے کے لئے مصائب ومشکلات بہت زیادہ ہیں، سازشوں کے جال بچھے ہوئے ہیں۔قدم قدم پر

روڑے اٹکائے جاتے ہیں۔لہٰذا چوتھے حکم کو اس شکل میں صادر کرتا ہے خدا پر توکل کرو اور ان لوگوں کی سازشوں سے نہ ڈرو۔

اور یہی کافی ہے کہ خدا انسان کا ولی ومحافظ اور مدافع وحامی ہے۔

اگر ہزار دشمن بھی آپ کو شہید کرنے کا ارادہ کرلیں، لیکن چونکہ میں آپ کا دوست اور یاور ہوں لہٰذا دشمنوں سے کبھی ہراساں نہ ہوں۔

اگر چہ ان آیات میں مخاطب پیغمبر کی ذات ہے لیکن واضح ہے کہ یہ تمام مومنین) اور تمام عالم اسلام کے لئے یکساں حکم ہے۔ یہ ہر دور اور ہر زمانہ کے لئے نجات بخش نسخہ ہے۔

(۴)مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنۡ قَلۡبَيۡنِ فِىۡ جَوۡفِهٖ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَزۡوَاجَكُمُ الّٰٓـئِْ تُظٰهِرُوۡنَ مِنۡهُنَّ اُمَّهٰتِكُمۡ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَدۡعِيَآءَكُمۡ اَبۡنَآءَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ قَوۡلُكُمۡ بِاَفۡوَاهِكُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ يَقُوۡلُ الۡحَقَّ وَ هُوَ يَهۡدِى السَّبِيۡلَ	خدا نے کسی شخص کے لئے دو دل اس کے وجود میں خلق نہیں فرمائے اور اس نے ہرگز تمہاری بیویوں کہ جنہیں تم محل ''ظہار'' قرار دیتے ہو۔ تمہاری مائیں قرار نہیں دیا اور تمہارے منہ بولے بیٹوں کو بھی حقیقی بیٹا قرار نہیں دیا۔ یہ ایسی بات ہے کہ جو تم صرف اپنی زبان سے کہتے ہو۔ (جھوٹی اور بغیر ثبوت کے) لیکن خدا حق بات کرتا ہے اور راہِ راست کی ہدایت فرماتا ہے۔
(۵)اُدۡعُوۡهُمۡ لِاٰبَآئِهِمۡ هُوَ اَقۡسَطُ عِنۡدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اٰبَآءَهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ وَ مَوَالِيۡكُمۡ ؕ وَ لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ فِيۡمَاۤ اَخۡطَاۡتُمۡ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنۡ مَّا تَعَمَّدَتۡ قُلُوۡبُكُمۡ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا	انہیں ان کے باپوں کے نام کے ساتھ پکارا کرو۔ کیونکہ یہ کام خدا کے نزدیک زیادہ صاف تر ہے اور اگر تم ان کے باپوں کو نہیں پہچانتے تو وہ تمہارے دینی بھائی اور تمہارے (موالی دوست) ہیں۔ لیکن تم پر ان خطاؤں میں کوئی گناہ نہیں (جو ایسے موقع پر) تم سے سرزد ہوتی ہیں۔ لیکن جو کچھ تم جان بوجھ کر کہتے ہو (اس کا ضرور حساب لے گا) اور خدا غفور ورحیم ہے۔

(٦) اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا	پیغمبر مومنین کی نسبت خود ان سے اولیٰ ہیں اور پیغمبر کی بیویاں ان (مومنین) کی مائیں ہیں اور مومنین و مہاجرین میں سے (جو لوگ آپس میں) رشتہ دار ہیں اللہ کی کتاب کی رُو سے (غیروں کی نسبت) ایک دوسرے کے ترکہ کے زیادہ حقدار ہیں مگر یہ کہ تم چاہو کہ اپنے دوستوں کی نسبت کوئی نیک کام انجام دو (اور اپنے مال کا ایک حصہ انہیں دیدو) تو یہ (حکم) اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

تفسیر

فضول دعوے

گذشتہ آیات کے بعد جو پیغبر کو حکم دیتی تھیں کہ صرف وحی الٰہی کی اتباع کریں، نہ کہ کفار و منافقین کی یہاں پر ان کی پیروی کے نتیجہ کو بیان کرتا ہے۔ ان کی پیروی انسان کو بڑی حد تک خرافات' باطل اور بے راہ روی کی دعوت دیتی ہے۔ جن میں تین موادتو پہلی زیر بحث آیت میں بیان ہوئے ہیں۔

ابتداء میں فرماتا ہے۔ خدا نے کسی شخص کے لئے بھی دو دل اس کے وجود میں قرار نہیں دیئے۔

اس جملہ کا ایک نہایت ہی عمیق اور گہرا معنی بھی ہے اور یہ کہ انسان ایک سے زیادہ دل نہیں رکھتا اور یہ دل ایک معبود کے عشق کے علاوہ کئی گنجائش نہیں رکھتا۔ وہ لوگ جو شک اور متعدد معبودوں کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کے متعدد دل ہونے چاہیں۔ تا کہ ہر ایک کو ایک معبود کے عشق کا مرکز بنائیں۔

اس لئے ایک حدیث میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں ہم پڑھتے ہیں۔

آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''ہماری دوستی اور ہمارے دشمن کی دوستی ایک دل میں جمع نہیں ہوسکتی، کیونکہ خدا نے ایک انسان کے لئے دو دل قرار نہیں دیئے ہیں کہ ایک کے ساتھ کسی کو دوست رکھے اور دوسرے کے ساتھ کسی کو دشمن! ہمارے دوست ہماری محبت میں خالص ہیں۔ جیسا کہ سونا کٹھالی سے نکل کر کندن بن جاتا ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو جاننا چاہتا ہے۔ وہ اپنے دل کی آزمائش کرے۔ اگر ہمارے دشمنوں کی محبت کا کچھ حصہ اس کے دل میں ہماری محبت کے ساتھ ملا ہوا ہے تو نہ وہ ہم سے ہے اور نہ ہم اس سے''۔

اس بنا پر ایک دل ایک ہی اعتقاد کا مرکز ہے اور وہ بھی ایک ہی عملی پروگرام پر عمل درآمد کرتا ہے۔ کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ انسان حقیقتاً کسی چیز کا معتقد تو ہو لیکن عملی شکل میں اس سے جدا ہو۔

قرآن اس کے بعد جاہلیت کی ایک اور بے ہودہ رسم اور خرافات کو بیان کرتا ہے اور وہ ظہار کی خرافات ہے۔ مرد جس وقت اپنی بیوی سے ناراض ہوجاتے۔ اور چاہتے کہ اس سے نفرت کا اظہار کریں تو اس سے کہتے ''انت علی کظھر امی'' (تو میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہے)۔ اور اس بات کے ساتھ جو اسے اپنی ماں کی طرح سمجھنے لگتے اور اس بات کو طلاق کے مانند خیال کرتے۔

قرآن اس آیت کے آخر میں کہتا ہے۔ خدا نے ہرگز تمہاری بیویوں کو جنہیں تم محل ظہار قرار دیتے ہو۔ تمہاری مائیں قرار نہیں دیا ہے۔ اور ماؤں والے احکام ان کیلئے مقرر نہیں کئے۔

اسلام نے اس زمانہ جاہلیت کے پروگرام کو صرف مسترد ہی نہیں کیا بلکہ اس کے لئے سزا بھی مقرر کی ہے اور وہ یہ کہ جو شخص یہ بات کہے وہ ضروری کفارہ ادا کئے بغیر اپنی بیوی کے پاس نہیں جاسکتا اور اگر کفارہ بھی ادا نہ کرے اور بیوی کے پاس بھی نہ جائے تو بیوی ''حاکم شریعت کے کے ذریعہ اسے دو کاموں میں سے ایک قبول کرنے پر آمادہ کرسکتی ہے۔ یا تو باقاعدہ طور پر اور قانون اسلام کے مطابق اسے طلاق دے کر اس سے الگ ہوجائے۔ یا کفارہ ادا کر کے حسب سابق اپنی ازدواجی زندگی کو جاری رکھے۔

پھر زمانہ جاہلیت کی تیسری بے ہودہ چیز کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے۔ خدا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے حقیقی بیٹے قرار نہیں دیتا۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں معمول تھا کہ کچھ لوگ چھوٹے بچوں کو اولاد کے طور پر انتخاب کر لیتے اور انہیں اپنا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے اور ایسا کرنے کے بعد تمام وہ حقوق جو ایک بیٹے کے کسی باپ پر ہوتے ہیں۔ اس کے قائل ہوجاتے تھے۔ وہ منہ بولے باپ کے وارث ہوتے اور منہ بولے بیٹے ان کے وارث ہوتے۔ ایسے باپ کی بیوی بیٹے پر اور ایسے بیٹے کی بیوی باپ پر حرام ہوجاتی۔

اسلام نے غیر منطقی اور بے ہودہ قواعد وضوابط کو سختی سے مسترد کر دیا۔

اس لئے قرآں اس جملے کے بعد کہتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ جو تم زبان سے کہتے ہو۔

تم کہتے ہو فلاں میرا بیٹا ہے حالانکہ دل میں جانتے ہو کہ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ آواز کی یہ لہریں صرف تمہارے منہ کی فضا میں گھوم پھر کر باہر نکل جاتی ہیں اور کسی بھی صورت میں یہ دل کی آواز نہیں ہوتی۔

یہ غلط اور فضول باتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں لیکن خدا حق بات کہتا ہے۔ اور راہ راست کی ہدایت کرتا ہے۔

حق بات اسے کہا جاتا ہے جو واقفیت عین کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو یا اگر کوئی طے شدہ معاملہ ہے تو وہ ہر لحاظ سے اس معاملہ کی تمام مصلحتوں سے ہم آہنگ ہو اور معلوم ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ''ظہار'' ایسا ناپسندیدہ مسئلہ یا منہ بولا بیٹا جو دوسرں کی اولاد

کے حقوق کو بڑی حد تک پامال کرتا تھا۔ نہ تو واقفیت عین رکھتا تھا۔ اور نہ ہی کوئی ایسا طے شدہ معاملہ تھا جس میں مصلحت عامہ کو مدنظر رکھا گیا ہو۔

(۵) اس کے بعد قرآن مزید تاکید اور اسلام کے صحیح اور منطقی خط کو واضح کرنے کے لئے یوں اضافہ کرتا ہے انہیں ان کے باپوں کے نام سے پکارا کرو کیونکہ یہ کام خدا کے نزدیک زیادہ عادلانہ ہے۔

اور بہانے کو دور کرنے کے لئے مزید کہتا ہے۔ اگر ان کے باپوں کو تم نہیں پہنچانتے ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور موالی ہیں۔

یعنی ان کے باپوں کو نہ پہچاننا اس چیز کی دلیل نہیں بنتا کہ دوسرے شخص کا نام باپ کے عنوان سے اس پر رکھ دیں بلکہ انہیں دینی بھائی کے عنوان سے یا دوست اور آشنا کے طور پر خطاب کرو۔

لیکن چونکہ انسان کبھی گذشتہ عادت کے ماتحت یا سبقت لسانی کی بناء پر یا بعض افراد کے نسبت میں اشتباہ کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ کسی کو اس کے باپ کے علاوہ کسی اور سے نسبت دے دے۔ اور یہ چیز انسان کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ لہٰذا خداوند عادل و حکیم ہے۔ ایسے شخص کو سزا نہیں دے گا۔ اس لئے آیت کے ذیل میں اضافہ کرتا ہے۔ جس وقت اس موقع کے مرتکب ہو جاؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

لیکن جو کچھ تم جان بوجھ کر اور اپنے ارادہ اختیار سے کہتے ہو۔ اس پر ضرور سزا دی جائے گی۔

اور خدا ہمیشہ غفور رحیم ہے۔

تمہارے گذشتہ گناہوں کو بخش دے گا اور سہو و نسیان اور خطاؤں کو معاف کر دے گا۔

(۶) یہ آیت ایک اور اہم مسئلہ یعنی اس کے نظام مواخات کے ابطال کو پیش کرتی ہے۔

اس کی وضاحت یہ کہ جس وقت مسلمانوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اسلام نے ان کا تعلق مشرک رشتہ دارں کے ساتھ کہ جو مکہ میں تھے کلی طور پر توڑ دیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم خدا سے مسئلہ اخوت پیمان برداری ان کے درمیان کیا۔

اس طرح سے کہ مہاجریں وانصار کے درمیان (دو دو کر کے) پیمان اخوت و برادری باندھا گیا اور وہ دو حقیقی بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے وارث بنے لیکن یہ حکم عارضی اور صرف موجودہ سخت ترین حالت سے سے مخصوص تھا اور جس وقت اسلام نے وسعت پیدا کی ہے) اور گذشتہ روابط تدریجاً برقرار ہوئے تو اب اس حکم کو باقی اور جاری رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔

یہ آیت نازل ہوئی اور نظام مواخات کو جو نسب کا جانشیں تھا باطل کیا۔ اور وراثت وغیرہ کے حکم کو حقیقی رشتہ داروں کے ساتھ مخصوص کر دیا۔

البتہ زیر بحث آیت میں اس نکتہ کے ذکر سے پہلے دو اور احکام یعنی مومنین کی نسبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اولیٰ ہونا۔ اور پیغمبر کی بیویوں کا ماں کی مانند ہونا، مقدمہ کے طور پر ذکر ہوا ہے۔

فرماتا ہے پیغمبر مؤمنیں کی نسبت خود ان سے اولیٰ ہیں۔

اور ان کی بیویاں مؤمنین کی مائیں شمار ہوتی ہے۔

باوجود اس کے کہ پیغمبر بمنزلہ باپ کے اور ان کی بیویاں، منزلہ ماؤں کے ہیں۔لیکن کبھی بھی ان سے میراث نہیں لیتے تو کس طرح توقع رکھی جاسکتی ہے کہ منہ بولے بیٹے وارث بنتے ہوں۔

پھر مزید کہتا ہے۔رشتہ دار ایک دوسرے کی نسبت مومنین و مہاجریں میں سے اس میں خدا نے مقر کیا ہے اولیٰ ہیں۔

لیکن اس کے باوجود اس بناء پر کہ کلی طور مسلمانوں پر راستہ بند نہ کریں اور دوستوں کیلئے اور ان کیلئے جن کے ساتھ ان کا کسی قسم کا کوئی تعلق یا لگاؤ ہو تو کوئی چیز بطور میراث چھوڑ سکتے ہیں۔اگر چہ وصیت کے طریق سے تنہا ہی مال کی بابت ہی سہی آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے۔مگر یہ کہ تم چاہو کہ اپنے دوستوں کی نسبت کوئی نیک کام انجام دو تو کوئی مانع نہیں ہے۔

اور آخری جملہ میں گذشتہ تمام احکام کی تاکید کے لئے یا آخری حکم کی تاکید کے لئے فرماتا ہے۔یہ حکم کتاب الٰہی میں لوح محفوظ یا قرآن میں) لکھا جاچکا ہے۔

یعنی پیغمبر اسلامؐ اجتماعی مسائل میں اور انفرادی وخصوصی مسائل میں بھی حکومت سے مربوط مسائل میں بھی قضادت ودعوت سے متعلق مسائل میں بھی ہر انسان سے خود اس کی نسبت اولی تھے اور آپ کا ارادہ اور خواہش خود اس کے ارادہ اور خواہش پر مقدم ہے۔

کیونکہ پیغمبر معصوم ہوتا ہے اور خدا کا نمائندہ۔سوائے معاشرے اور فرد کی خیر وصلاح کے کچھ بھی مدنظر نہیں رکھتا۔

دوسرا حکم پیغمبر اکرمؐ کی بیویوں کے سلسلہ میں ہے کہ وہ تمام مومنین کے لئے (ماں) کی حیثیت رکھتی ہیں۔البتہ معنوی اور روحانی مائیں ہیں جیسا کہ پیغمبر اکرمؐ امت کے روحانی اور معنوی باپ ہیں۔

اس معنوی میں ربط اور رشتہ کی تاثیر صرف ''حفظ'' احترام اور پیغمبر کی بیویوں سے ازدواج کی حرمت'' کے سلسلہ میں ہے جیسا کہ اسی سورہ کی آیات میں پیغمبر کی رحلت کے بعد ان کی ازواج سے نکاح کرنے کی تحریم کا صریح حکم آیا ہے۔یعنی مسلمان حق رکھتے ہیں کہ پیغمبر کی بیٹیوں کے ساتھ شادی کریں۔

حالانکہ کوئی شخص اپنی ماں کی بیٹی کے ساتھ شادی نہیں کرسکتا، نیز محرمیت کا مسئلہ اور پیغمبر کی بیویوں کی طرف نگاہ کرنا ان کے محرم کے سوا کسی شخص کیلئے بھی جائز نہیں تھا۔

(۷)وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیۡثَاقَہُمۡ وَ مِنۡکَ وَ مِنۡ نُّوۡحٍ وَّ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ۪ وَ اَخَذۡنَا مِنۡہُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًا ۙ	اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تجھ سے اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے اور ان سے سب سے ہم نے محکم پیمان لیا تھا (کہ تبلیغ و رسالت کے فرائض میں کوتاہی نہ کریں)۔

(۸)لِّيَسۡـَٔلَ الصّٰدِقِيۡنَ عَنۡ صِدۡقِهِمۡ‌ ۚ وَ اَعَدَّ لِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابًا اَلِيۡمًا ۚ	تا کہ خدا سچوں کی صداقت کے بارے میں سوال کرے اور کافروں کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تفسیر

خدا کا محکم عہد و پیمان

چونکہ گزشتہ آیات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیع اختیارات ''النبی اولی بالمومنین من انفسھم) کے تحت بیان ہوئے یہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور باقی عظیم انبیاء علیہم السلام کے زبردست اور سنگین فرائض کو بیان کرتا ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہمیشہ اختیارات اور ذمہ داریاں لازم اور ملزوم ہوتے ہیں۔

پہلے فرماتا ہے۔ یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے پیغمبروں سے عہد و پیمان لیا۔ اسی طرح تجھ سے اور نوح علیہ السلام ، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام سے جی ہاں ان سب سے ہم نے محکم پیمان لیا۔

اس طرح سے پہلے تو تمام انبیا علیہم السلام کو مسئلہ میثاق میں پیش کرتا ہے۔ پھر پانچ اولوالعزم پیغمبروں کے نام لئے ہیں۔ کہ سب سے پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا ذکر ان کی شرافت وعظمت کی وجہ سے جو وہ رکھتے ہیں۔ آیا ہے اس کے بعد چار دوسرے اولولعزم پیغمبر زمانہ ظہور کی ترتیب کے ساتھ نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام ذکر ہوئے ہیں۔

وہ پیمان تمام مراحل میں فریضہ تبلیغ و رسالت کی ادائیگی، لوگوں کی قیادت اور ہدایت کے فرائض کو پورا کرنا ہے۔

نیز اس کے بھی پابند تھے۔ کہ ایک دوسرے کی تائید کریں اور پہلے انبیاء اپنی امتوں کو پیغمبروں کو قبول کرنے کے لئے آمادہ کریں جیسا کہ بعد والے پیغمبر سابقہ انبیاء کی دعوت کی تصدیق و تائید کریں۔

یہ آیت بعثت انبیاء اور اس پختہ عہد و پیمان کے مقصد کو جو ان سے لیا گیا ہے اس طرح بیان کرتی ہے۔ غرض یہ ہے۔ کہ خدا سچوں کی صداقت کے بارے میں پوچھے اور کفار کے لئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

یہاں صادقین سے مراد وہ مومنین ہیں جو اپنے دعووں کی سچائی میں عملی ثبوت پیش کریں۔ دوسرے لفظوں میں آزمائش کے میدان اور خدائی امتحان میں سرخرو اور سرفراز ہوں۔

یقیناً صادقین سے مراد وہی لوگ ہیں جنہوں نے دین خدا کی حمایت کے میدان میں جہاد، اور مشکلات کے سامنے استقامت اور ایستادگی اور جان و مال کے خرچ کرنے میں اپنی صداقت اور راستگوئی کو پایۂ ثبوت تک پہنچا دیا ہے۔

(۹)یٰاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اذۡکُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَآءَتۡکُمۡ جُنُوۡدٌ فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ رِیۡحًا وَّ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرًا ۚ	اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو! اپنے اوپر خدا کی نعمت کو یاد کرو، اس وقت کہ جب (عظیم) لشکر تمہاری طرف آئے۔ لیکن ہم نے سخت آندھی (اور طوفان) اور ایسے لشکران پر بھیجے جنہیں تم نہیں دیکھ سکے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اسے دیکھ رہا ہے۔
(۱۰)اِذۡ جَآءُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡقِکُمۡ وَ مِنۡ اَسۡفَلَ مِنۡکُمۡ وَ اِذۡ زَاغَتِ الۡاَبۡصَارُ وَ بَلَغَتِ الۡقُلُوۡبُ الۡحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوۡنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوۡنَا	اس وقت کو یاد کرو، جب وہ تمہارے (شہر کے) اوپر اور نیچے سے وارد ہوئے (اور مدینہ کا محاصرہ کر لیا) اور اس وقت جب کہ آنکھیں شدّتِ وحشت سے خیرہ ہوگئی تھیں اور جان لبوں تک پہنچ چکی تھی اور تم خدا کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں کر رہے تھے۔
(۱۱)هُنَالِکَ ابۡتُلِیَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَ زُلۡزِلُوۡا زِلۡزَالًا شَدِیۡدًا	وہاں مومنین کی آزمائش کی گئی اور وہ سخت مضطرب اور پریشان ہو گئے۔

تفسیر

میدان احزاب میں کڑی آزمائش

یہ اور چند بعد والی آیات جو مجموعی طور پر سترہ آیات بنتی ہیں۔ اور مومنین'' اور ''منافقین'' کے بارے میں خدا کی کڑی آزمائش اور عمل کے سلسلہ میں ان کے صدق گفتار کے امتحان کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔

یہ آیات تاریخ اسلام کے ایک اہم ترین حادثے یعنی جنگ احزاب کے متعلق گفتگو کرتی ہیں۔

''یہ جنگ احزاب جیسا کہ اس نام سے ظاہر ہے۔ تمام اسلام دشمن طاقتوں اور ان مختلف گروہوں کی طرف سے ہر طرح کا مقابلہ تھا کہ اس دین کی پیش رفت سے ان لوگوں کے ناجائز مفادات خطرے میں پڑ گئے تھے۔

جنگ کی آگ کی چنگاری بنونضیر کے یہودیوں کے ایک گروہ کی طرف سے بھڑکی جو مکہ میں آئے اور قبیلہ قریش کو آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ لڑنے پر اکسایا اور ان سے وعدہ کیا کہ آخری دم تک ان کا ساتھ دیں گے۔ پھر قبیلہ غطفان کے پاس گئے اور انہیں بھی کارزار کے لئے آمادہ کیا۔

ان قبائل نے اپنے ہم پیمان اور حلیفوں مثلاً بنی اسد اور بنی سلیم کو بھی دعوت دی اور چونکہ یہ سب قبائل خطرہ محسوس کئے ہوئے

تھے۔لہذا اسلام کا کام ہمیشہ کے لئے تمام کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا تا کہ وہ اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل کر دیں۔

مسلمانوں نے جب اپنے آپ کو ایک عظیم گروہ کے مقابلہ میں دیکھا تو حکم رسالت پناہ سے مشورہ کرنے بیٹھ گئے اور سب سے پہلے سلمان فارسیؓ کی پیش کش پر مدینہ کے اطراف میں خندق کھودی گئی تا کہ دشمن اسے آسانی کے ساتھ عبور نہ کر سکے اور شہر لوٹ مار سے بچ جائے اسی بناء پر اس جنگ کا ایک نام جنگ خندق بھی ہے۔

مسلمانوں پر بہت سخت اور خطرناک لمحات گذر رہے تھے۔جانیں لبوں تک آئی ہوئی تھیں۔منافقین لشکر اسلام کے درمیان زبردست تگ و دو میں پڑے ہوئے تھے۔دشمن کا انبوہ کثیر اور اس کے مقابلہ میں لشکر اسلام کی کمی (لشکر کفر کی تعداد دس ہزار اور لشکر اسلام کی تین ہزار لکھی ہے۔) دشمن کی تیاری جنگی ساز وسامان اور ضروری وسائل کی فراہمی ایک سخت اور دردناک مستقبل کو مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے مجسم کر رہے تھے۔

لیکن خدا چاہتا تھا۔کہ یہاں پیکر کفر پر آخری ضرب پڑے اور منافقین کو مسلمانوں کی صفوں سے جدا کر دے، سازشی عناصر کا بھانڈا پھوڑ دے اور سچے مسلمانوں کو آزمائش کی بھٹی میں ڈالے۔

آخر کار یہ جنگ (جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آئے گی) مسلمانوں کی کامیابی پر منتج ہوئی۔حکم خدا سے سخت آندھی چلی جس نے کفار کے خیمے، تنبو اور تمام بساط زندگی کو لپیٹ کر رکھ دیا۔ان کے دلوں میں زبردست رعب و وحشت ڈال دی اور فرشتوں کی غیبی طاقتیں مسلمانوں کی مدد کیلئے بھیجیں۔

عمرو بن عبدود کے مقابلہ میں حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی قدرت نمائی جیسی عجیب وغریب خدائی طاقتوں کے مظاہرے کا اضافہ ہوا اور مشرکین کوئی کارنامہ سرانجام دیئے بغیر بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس سورہ کی ابتدائی ان سترہ آیات میں مشرکین کی سرکوبی کرنے والا تجزیہ وتحلیل پیش کیا گیا ہے۔اور اسلام کی فیصلہ کن کامیابی اور منافقین کی سرکوبی کو احسن انداز میں بیان فرمایا ہے۔

یہ تھی جنگ احزاب کی ایک جھلک جو ہجرت کے پانچویں سال واقع ہوئی۔

قرآن اس ماجرا کو پہلے تو ایک ہی آیت میں خلاصہ کرتا ہے۔پھر دوسری ۱۶ آیت میں اس کی خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو اپنے اوپر خدا کی عظیم نعمت کو یاد کرو۔اس موقع پر جب کہ (عظیم) لشکر تمہاری طرف آئے۔

لیکن ہم نے ان پر آندھی اور طوفان بھیجے اور ایسے لشکر جنہیں تم نہیں دیکھتے تھے۔اور اس ذریعہ سے ہم نے ان کی سرکوبی کی اور انہیں تتر بتر کر دیا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے: اور خدا ان تمام کاموں کو جنہیں تم انجام دیتے ہو دیکھ رہا ہے اور وہ کام بھی جو ہر گروہ نے اس عظیم میدان

میں انجام دیئے یقیناً خداوند عالم بصیر اور بینا ہے۔

(۱۰) یہ آیت جو جنگ احزاب کی بحرانی کیفیت، دشمنوں کی عظیم طاقت اور بہت سے مسلمانوں کی شدید پریشانی کی تصویر کشی کرتے ہوئے یوں کہتی ہے۔اس وقت کو یاد کرو جب وہ تمہارے شہر کے اوپر اور نیچے سے داخل ہوگئے۔اور مدینہ کو اپنے محاصرہ میں لے لیا۔) اور اس وقت کو جب آنکھیں شدت وحشت سے پتھرا گئی تھیں اور جان لبوں تک آئی ہوئی تھی۔اور خدا کے بارے میں طرح طرح کی بدگمانیاں کرتے تھے۔

(۱۱) یہی وہ منزل تھی کہ خدائی امتحان کی بھٹی سخت گرم تھی۔جیسا کہ یہ آیت کہتی ہے کہ ''وہاں مومنین کو آزمایا گیا اور وہ سخت ہل گئے تھے۔

فطری امر یہ ہے کہ جب انسان فکری طوفانوں میں گھر جاتا ہے تو اس کا جسم بھی ان طوفانوں سے لاتعلق نہیں رہ سکتا۔ بلکہ وہ اضطراب اور تزلزل کے سمندر میں ڈوب جاتا ہے۔

جی ہاں جس طرح فولاد کو گرم بھٹی میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ نکھر جائے اسی طرح اوائل کے مسلمان بھی جنگ احزاب جیسے معرکوں کی بھٹی میں سے گزریں۔تاکہ کندن بن کر نکلیں اور حادثات کے مقابل میں جرأت اور پامردی کا مظاہر کرسکیں۔

(۱۲)وَ اِذۡ یَقُوۡلُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوۡلُهٗۤ اِلَّا غُرُوۡرًا	اس وقت کو یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی، کہتے تھے کہ خدا اور اس کے رسول نے ہمیں جھوٹے وعدوں کے سوا کچھ نہیں دیا۔
(۱۳)وَ اِذۡ قَالَتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ یٰۤاَهۡلَ یَثۡرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمۡ فَارۡجِعُوۡا ۚ وَ یَسۡتَاۡذِنُ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمُ النَّبِیَّ یَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ بُیُوۡتَنَا عَوۡرَةٌ ۛؕ وَ مَا هِیَ بِعَوۡرَةٍ ۚۛ اِنۡ یُّرِیۡدُوۡنَ اِلَّا فِرَارًا	اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا، اسے اہلِ یثرب! (مدینہ والو!) یہاں تمہارے ٹھہرنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔اپنے گھروں کی طرف پلٹ جاؤ اور ان میں سے ایک گروہ پیغمبر سے واپس پلٹ جانے کی اجازت لیتا اور کہتا تھا۔ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں تھے کہ (جنگ سے) بھاگ جائیں۔

(۱۴)وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَ مَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا	وہ تو ایسے لوگ تھے کہ اگر دشمن مدینہ کے اطراف و جوانب سے ان پر وارد ہوتے اور ان کو شرک کی طرف لوٹ جانے کی پیشکش کرتے تو وہ ضرور قبول کر لیتے اور سوائے تھوڑی سی مدت کے اس راہ کے انتخاب کرنے سے دریغ نہ کرتے۔
(۱۵)وَ لَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا	انہوں نے اس سے پہلے خدا سے عہد کیا تھا کہ وہ دشمن کو پشت نہیں دکھائیں گے اور خدا کے عہد و پیمان کے بارے میں ان سے سوال کیا جائیگا۔
(۱۶)قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا	کہہ دیجئے کہ اگر موت یا مارے جانے سے فرار کرتے ہو تو وہ تمہارے لئے سودمند نہیں ہے اور اس وقتی زندگی کے تھوڑے سے فائدہ کے سوا تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔
(۱۷)قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا	کہہ دیجئے کہ خدا کے ارادے کے مقابلہ میں کون تمہاری حفاظت کر سکے گا۔ اگر اس نے تمہارے لئے مصیبت یا رحمت کا ارادہ کر ہی لیا ہے اور خدا کے علاوہ تمہیں کوئی بھی سرپرست اور یار و یاور نہیں ملے گا۔

تفسیر

منافقین اور ضعیف الایمان میدان احزاب میں

ہم کہہ چکے ہیں کہ امتحان کی بھٹی جنگ احزاب میں گرم ہوئے اور سب کے سب اس عظیم امتحان میں گھر گئے۔ یہاں پر مسلمان مختلف گروہوں میں بٹ گئے تھے۔ ایک جماعت سچے مومنین کی تھی ایک گروہ ہٹ دھرم اور سخت قسم کے منافقین کا تھا ایک گروہ اپنے گھر بار، زندگی اور بھاگ کھڑا ہونے کی فکر میں تھا۔ اور کچھ لوگوں کی یہ کوشش تھی کہ دوسرے لوگوں کو جہاد سے روکیں۔ اور ایک گروہ اس کی کوشش میں مصروف تھا کہ منافقین کے ساتھ اپنے رشتہ کو محکم کریں۔

قرآن اس آیت میں منافقین اور دل کے بیمار لوگوں کے بارے میں گفتگو کو بیان کر رہا ہے۔فرماتا ہے۔اس وقت کو یاد کرو جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دل بیمار تھے۔کہتے تھے کہ خدا اور اس کے رسولؐ نے سوائے جھوٹے وعدوں کے ہمیں کچھ نہیں دیا۔

جنگ احزاب کی تاریخ میں آیا ہے کہ خندق کھودنے کے دوران میں جب ہر ایک مسلمان خندق کے ایک حصہ کو کھودنے میں مصروف تھا تو ایک مرتبہ پتھر کے ایک سخت اور بڑے ٹکڑے سے ان کا سامنا ہوا کہ جس پر کوئی ہتھوڑا کارگر ثابت نہیں ہو رہا تھا۔حضرت رسالت مآبؐ کو خبر دی گئی تو آنحضرتؐ بنفس نفیس خندق میں تشریف لے گئے اور اس پتھر کے پاس کھڑے ہو کر ہتھوڑا لے کر پہلی مرتبہ ہی اس کے دل پر ایسی مضبوط چوٹ لگائی کہ اس کا کچھ حصہ ریزہ ریزہ ہو گیا اور اس سے ایک چمک نکلی جس پر آپؑ نے فتح و کامرانی کی تکبیر بلند کی۔آپ کے ساتھ دوسرے مسلمانوں نے بھی تکبیر کہی۔

آپؐ نے ایک اور سخت چوٹ لگائی تو اس کا کچھ حصہ اور ٹوٹا اور اس سے بھی چمک نکلی۔اس پر بھی سرور کونینؐ نے تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی۔آخر کار آپ نے تیسری چوٹ لگائی جس سے بجلی کوندی اور باقی ماندہ پتھر بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔حضور اکرمؐ نے پھر تکبیر کہی اور مسلمانوں نے بھی ایسا ہی کیا اس موقع پر جناب سلمان فارسیؓ نے اس ماجرہ کے بارے میں دریافت کیا تو سرکار رسالت مآبؐ نے فرمایا پہلی چمک میں میں نے حیرہ کی سرزمین اور ایران کے بادشاہوں کے قصر و محلات دیکھے ہیں اور جبرائیل نے مجھے بشارت دی ہے کہ میری امت ان پر کامیابی حاصل کرے گی۔

دوسری چمک میں شام اور روم کے سرخ رنگ کے محلات نمایاں ہوئے اور جبرائیل نے پھر بشارت دی کہ کہ میری امت ان پر فتح یاب ہو گی۔تیسری چمک میں مجھے صنعا و یمن کے قصور و محلات دکھائی دیئے اور جبرائیل نے نوید دی کہ میری امت ان پر بھی کامیابی حاصل کرے گی۔اے مسلمانو!تمہیں خوش خبری ہو!

منافقین نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کیسی عجیب و غریب باتیں ہیں اور کیا ہی باطل اور بے بنیاد پروپیگنڈا ہے؟ مدینہ سے حیرہ اور مدائن کسریٰ کو تو دیکھ کر تمہیں ان کے فتح ہونے کی خبر دیتا ہے حالانکہ اس وقت تم چند عربوں کے چنگل میں گرفتار ہو اور خود دفاعی پوزیشن اختیار کئے ہوئے ہو تم تو ''بیت الخذر'' (خوف کی جگہ) تک نہیں جاسکتے کیا ہی خیال خام اور گمان باطل ہے؟

تو یہ آیت نازل ہوئی اور کہا کہ یہ منافق اور دل کے مریض کہتے ہیں کہ خدا اور اس کے رسولؐ نے سوائے دھوکہ فریب کے ہمیں کوئی وعدہ نہیں دیا۔وہ پروردگار کی بے انتہا قدرت سے بے خبر ہیں۔

(۱۳)اس آیت میں منافقین اور دل کے بیمار لوگوں میں سے ایک خطرناک گروہ کے حالات تفصیل سے بیان کرتا ہے جو دوسروں کی نسبت زیادہ خبیث اور آلودہ گناہ ہیں۔چنانچہ کہتا ہے اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب مدینہ کے رہنے والو!یہاں تمہارے رہنے کی جگہ نہیں ہے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ۔

اس طرح سے وہ چاہتے تھے کہ ایک طرف سے تو وہ انصار کے گروہ کو لشکر اسلام سے جدا کر لیں اور دوسری طرف سے انہی

منافقین کا ٹولہ جن کے گھر مدینہ میں تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجازت مانگ رہے تھے کہ وہ واپس چلے جائیں اور اپنی اس واپسی کیلئے حیلے بہانے بنا رہے تھے۔ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ ہمارے گھروں کے درو دیوار ٹھیک نہیں ہیں حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ اس طرح سے وہ میدان کو خالی چھوڑ کر فرار کرنا چاہتے تھے۔

''یثرب'' مدینہ کا قدیمی نام ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس شہر کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے تک اس کا نام یثرب رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس کا نام مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (پیغمبر کا شہر) پڑ گیا جس کا مخفف مدینہ ہے۔

(۱۴) اس آیت میں خداوند عالم اس گروہ کے ایمان کی کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے وہ اسلام کے اظہار میں اس قدر ضعیف اور ناتواں ہیں کہ اگر دشمن مدینہ کے اطراف وجوانب سے اس شہر میں داخل ہو جائیں اور مدینہ کو فوجی کنٹرول میں لے کر انہیں پیش کش کریں کہ کفر وشرک کی طرف پلٹ جائیں تو جلدی سے اس کو قبول کرلیں گے اور اس راہ کے انتخاب کرنے میں ذرا سا بھی توقف نہیں کریں گے۔

ظاہر ہے کہ جو لوگ اس قدر ضعیف، کمزور اور غیر مستقل مزاج ہوں کہ نہ دشمن سے جنگ کرنے کے لئے تیار ہوں اور نہ ہی راہ خدا میں شہادت قبول کرنے کے لئے۔

(۱۵) پھر قرآن اس منافق ٹولے کو عدالت کے کٹہرے میں لا کر کہتا ہے انہوں نے پہلے سے خدا کے ساتھ عہد و پیمان باندھا ہوا تھا کہ دشمن کی طرف پشت نہیں کریں گے اور اپنے عہد و پیمان پر قائم رہتے ہوئے توحید، اسلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے دفاع میں کھڑے ہوں گے۔ کیا وہ جانتے نہیں کہ خدا سے کئے گئے عہد و پیمان کے بارے میں سوال کیا جائے گا؟

اصولی طور پر جو شخص ایمان لاتا اور رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت کرتا ہے درحقیقت وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اسلام اور قرآن کا جان کی حد تک دفاع کرے گا۔

(۱۶) جب خدا نے منافقین کی نیت کو فاش کر دیا کہ ان کا مقصد گھروں کی حفاظت کرنا نہیں، بلکہ میدان جنگ سے فرار کرنا ہے تو انہیں دو دلیلوں کے ساتھ جواب دیتا ہے۔

پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے کہ دیجئے کہ اگر موت یا قتل ہونے سے فرار کرتے ہو تو یہ فرار تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اور تم دنیاوی زندگی کے چند دن سے زیادہ فائدہ نہیں اٹھاؤ گے۔

(۱۷) دوسرا یہ کہ کیا تم جانتے نہیں ہو کہ تمہارا سارا انجام خدا کے ہاتھ میں ہے اور تم اس کی قدرت ومشیت کے دائرہ اختیار سے ہرگز بھاگ نہیں سکتے۔

اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان سے کہ دیجئے، کون شخص خدا کے ارادہ کے مقابلہ میں تمہاری حفاظت کر سکتا ہے اگر وہ تمہارے لئے مصیبت یا رحمت چاہتا ہے؟

جی ہاں! وہ خدا کے علاوہ کوئی سرپرست اور یار و مددگار نہیں پائیں گے۔

اب جبکہ تمام تقدیریں اس کے ہاتھ میں ہیں۔لہٰذا جہاد کے سلسلہ میں اس کا فرمان جو دنیا میں بھی اور اللہ کی بارگارہ میں بھی باعث عزت وسرفرازی ہے، دل و جان سے قبول کرو، یہاں تک کہ اگر تمہیں اس راہ میں شہادت بھی نصیب ہو جائے تو اس کا خندہ پیشانی سے استقبال کرو۔

(۱۸)قَدۡ يَعۡلَمُ اللّٰهُ الۡمُعَوِّقِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَ الۡقَآئِلِيۡنَ لِاِخۡوَانِهِمۡ هَلُمَّ اِلَيۡنَا ۚ وَ لَا يَاۡتُوۡنَ الۡبَاۡسَ اِلَّا قَلِيۡلًا ۙ	خدا ان افراد کو اچھی طرح جانتا ہے جو لوگوں کو جنگ سے روکتے ہیں اور ان کو بھی جو اپنے بھائیوں سے کہتے تھے کہ ہماری طرف آؤ (اور اپنے آپ کو معرکہ جنگ سے باہر نکالو) وہ (کمزور افراد ہیں اور) سوائے تھوڑی سی مقدار کے جنگ نہیں کرتے۔
(۱۹)اَشِحَّةً عَلَيۡكُمۡ ۖۚ فَاِذَا جَآءَ الۡخَوۡفُ رَاَيۡتَهُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَيۡكَ تَدُوۡرُ اَعۡيُنُهُمۡ كَالَّذِىۡ يُغۡشٰى عَلَيۡهِ مِنَ الۡمَوۡتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الۡخَوۡفُ سَلَقُوۡكُمۡ بِاَلۡسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الۡخَيۡرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا فَاَحۡبَطَ اللّٰهُ اَعۡمَالَهُمۡ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا	وہ تمہارے بارے میں ہر چیز میں بخیل ہیں اور جس وقت خوف اور بحران کے لمحات پیش آتے ہیں تو آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کی طرف اس طرح سے دیکھتے ہیں اور ان کی آنکھوں کے ڈھیلے یوں چکر لگاتے ہیں گویا ان پر موت کی غشی طاری ہو۔لیکن جب خوف اور وحشت کی یہ حالت ختم ہو جاتی ہے تو وہ تمہارے خلاف غیظ وغضب سے لبریز تیز اور تند زبانیں کھولتے ہیں (اور مالِ غنیمت سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں) حالانکہ وہ اس میں بھی حریص اور بخیل ہیں وہ ہرگز ایمان نہیں لائے۔لہٰذا خدا نے ان کے اعمال کو حبط اور نابود کر دیا اور یہ کام خدا کے لئے آسان ہے۔

(۲۰) يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ وَ لَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ۧ	وہ گمان کرتے ہیں کہ ابھی احزاب کا لشکر نہیں گیا اور اگر وہ پلٹ آئیں تو یہ دوست رکھتے ہیں کہ بادیہ نشین بدوٴں کے درمیان منتشر اور مخفی ہو جائیں، تمہاری خبر حاصل کرتے رہیں اور اگر تمہارے درمیان رہیں تو سوائے تھوڑی سی دیر کے جنگ و پیکار نہ کریں۔

تفسیر

جنگ سے روکنے والا ٹولہ

اس کے بعد منافقین کے اس گروہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو جنگ احزاب کے میدان سے خود بھی کنارہ کش ہوا اور دوسروں کو بھی کنارہ کشی کی دعوت دیتا تھا۔ فرماتا ہے خدا تم میں سے اس گروہ کو جانتا ہے جو کوشش کرتے تھے کہ لوگوں کو جنگ سے منحرف کردیں۔

اور اسی طرح سے ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو اپنے بھائیوں سے کہتے تھے کہ ہماری طرف آوٴ۔ اور اس خطرناک جنگ سے دستبردار ہو جاوٴ۔

وہی لوگ جو اہل جنگ نہیں ہیں اور سوائے کم مقدار کے اور وہ بھی بطور جبر و اکراہ یا دکھاوے کے جنگ کے لئے نہیں جاتے۔

(۱۹) اس آیت میں فرماتا ہے ان تمام رکاوٹوں کا باعث یہ ہے کہ وہ تمہاری بابت تمام چیزوں میں بخیل ہیں۔

نہ صرف میدان جنگ میں جان قربان کرنے میں بلکہ وسائل جنگ مہیا کرنے کے لئے مالی امداد اور خندق کھودنے کے لئے جسمانی امداد حتیٰ کہ فکری امداد مہیا کرنے میں بھی بخل سے کام لیتے ہیں۔ ایسا بخل جو حرص سے ہوتا ہے اور ایسا حرص جس میں روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ان کے بخل اور ہر قسم کے ایثار سے دریغ کرنے کے بیان کے بعد ان کے ان دوسرے اوصاف کو جو ہر عہد اور ہر دور کے تمام منافقین کے لئے تقریباً عمومیت کا درجہ رکھتے ہیں، بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: جس وقت خوفناک اور بحرانی لمحات آتے ہیں تو وہ اس قدر بزدل اور ڈرپوک ہیں کہ آپ دیکھیں گے کہ وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ ان کی آنکھوں میں ڈھیلے بے اختیار گردش کر رہے ہیں اس شخص کی طرح جو جاں کنی میں مبتلا ہو۔

چونکہ وہ صحیح ایمان کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہی زندگی میں ان کا کوئی مستحکم سہارا ہے، جس وقت کسی سخت حادثہ سے دوچار

ہوتے ہیں تو کلی طور پر اپنا توازن کھو بیٹھتے ہیں گویا چاہتے ہیں کہ ان کی روح قبض ہو جائے۔

پھر مزید کہتا ہے لیکن یہی لوگ جس وقت کہ طوفان رک جاتا ہے اور حالات معمول پر آجاتے ہیں تو تمہارے پاس یہ توقع لے کر آتے ہیں کہ گویا جنگ کے اصل فاتح یہی ہیں اور قرض خواہوں کی طرح پکار پکار کر اور سخت اور درشت الفاظ کے ساتھ مال غنیمت سے اپنے حصہ کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس میں سخت گیر، بخیل اور حریص ہیں۔

آیت کے آخر میں ان کی طرف جو واقع میں ان کی تمام بدبختیوں کی جڑ اور بنیاد ہے اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے وہ ہرگز ایمان نہیں لائے۔

اور اسی بناء پر خدا نے ان کے اعمال نیست و نابود کر دیئے ہیں۔

کیونکہ ان کے اعمال ہرگز خدا کی منشاء اور ان کے خلوص پر مبنی نہیں ہیں اور یہ کام خدا کے لئے بہت ہی آسان ہے۔

(۲۰) یہ آیت اس گروہ کی بزدلی اور خوف کی زیادہ فصیح انداز تصویر کشی کرتے ہوئے کہتی ہے وہ اس قدر وحشت زدہ ہو چکے ہیں کہ احزاب اور دشمن کے لشکروں کے پراگندہ ہو جانے کے بعد بھی یہ تصور کرتے ہیں کہ ابھی وہ نہیں گئے۔

وحشتناک اور بھیانک تصور نے ان کی فکر پر سایہ ڈالا ہوا ہے گویا کفر کی افواج پے در پے ان کی آنکھوں کے سامنے قطار و قطار جاری ہیں ننگی تلواریں لئے اور نیزے تانے ان پر حملہ کر رہی ہیں۔

آگے چل کر کہتا ہے اگر احزاب دوبارہ پلٹ کر آجائے تو وہ اس بات پر تیار ہیں کہ بیابان کا رخ کر لیں اور بادیہ نشین بدوؤں کے درمیان منتشر ہو کر پنہاں ہو جائیں۔

ہاں، ہاں! وہ چلے جائیں اور وہاں جا کر رہیں اور ہمیشہ تمہاری خبروں کے جویا رہیں۔

ہر مسافر سے تمہاری ہر ہر پل کی خبر کے جویا رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں احزاب ان کی جگہ کے قریب آجائیں اور ان کا سایہ ان کے گھر کی دیواروں پر آپڑے اور تم پر یہ احسان جتلائیں کہ وہ ہمیشہ تمہاری حالت اور کیفیت کے متلاشی تھے۔

اور آخری جملہ میں کہتا ہے بالفرض وہ فرار بھی نہ کرتے اور تمہارے درمیان ہی رہتے پھر بھی سوائے تھوڑی سی جنگ کے وہ کچھ نہ کرتے۔

نہ ان کے جانے سے تم پریشان ہونا اور نہ ہی ان کے موجود رہنے سے خوشی منانا، کیونکہ نہ تو ان کی قدر و قیمت ہے اور نہ ہی کوئی خاص حیثیت، بلکہ ان کا نہ ہونا ان کے ہونے سے بہتر ہے۔

(۲۱) لَقَدۡ كَانَ لَكُمۡ فِيۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ كَانَ يَرۡجُوا اللّٰهَ وَ الۡيَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيۡرًا ؕ	تم لوگوں کے لئے رسولِ خدا کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے ان لوگوں کے لئے جو رحمت خدا اور روزِ جزاء کی امید رکھتے ہیں اور خدا کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔

(۲۲)وَ لَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ صَدَقَ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۫ وَ مَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّ تَسْلِيْمًا ؕ	جب مومنین نے احزاب کے لشکر کو دیکھا تو کہا یہ وہی ہے جس کا خدا اور اس کے رسول نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور خدا اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے۔اور اس چیز نے سوائے ان کے ایمان وتسلیم کے کسی اور چیز کا اضافہ نہیں کیا۔
(۲۳)مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۫ۖ وَ مَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۙ	مومنین میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ سے باندھے گئے عہد و پیماں پر صدقِ دل سے قائم ہیں۔بعض اپنے عہد کو پورا کر گئے (اور انہوں نے اس کی راہِ خدا میں شربتِ شہادت نوش کرلیا) اور کچھ انتظار میں ہیں اور انہوں نے ہرگز اپنے عہد و پیمان میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔
(۲۴)لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۚ	مقصد یہ ہے کہ خدا سچّوں کو ان کی سچائی کی بنا پر اجر دے اور جب چاہے منافقین کو عذاب دے، یا (اگر توبہ کریں تو) ان کی توبہ قبول کرے کیونکہ خدا غفور و رحیم ہے۔
(۲۵)وَ رَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ؕ وَ كَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۚ	خدا نے کافر احزاب کا منہ پھرا دیا۔وہ جلتے کڑھتے، نامراد لوٹ گئے اور خدا نے اس میدان میں مومنین کو جنگ سے بے نیاز کر دیا۔(اُنہیں فتح عطا کی) اور اللہ طاقتور اور ناقابلِ شکست ہے۔

تفسیر

جنگ احزاب میں سچے مومنین کا کردار

اب تک مختلف گروہوں اور ان کے جنگ احزاب میں کارناموں کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی جن میں ضعیف الایمان مسلمان، منافق لوگ، کفر ونفاق کے سرغنے اور جہاد سے روکنے والے شامل ہیں۔

قرآن مجید اس گفتگو کے آخر میں سچے مومنین ان کے بلند حوصلوں، پامردوں، جرأتوں اور اس عظیم جہاد میں ان کی دیگر خصوصیات کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

اس بحث کی تمہید کو پیغمبر اسلامﷺ کی ذات سے شروع کرتا ہے جو مسلمانوں کے پیشوا، سردار، اور اسوۂ کامل ہیں۔ خدا کہتا ہے تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی اور میدان احزاب میں ان کا کردار ایک اچھا نمونہ اور اسوہ تھا۔ ان لوگوں کے لئے جو رحمت خدا اور روز قیامت کی امید رکھتے ہیں اور خدا کو بہت زیادہ یاد کرتے ہیں۔

تمہارے لئے بہترین اسوہ اور نمونہ، نہ صرف اس میدان میں بلکہ ساری زندگی پیغمبر اسلامﷺ کی ذات والا صفات ہے۔

"**و لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ**" کا مفہوم یہ ہے کہ تمہارے لئے پیغمبر خدا کی ذات میں اچھی اقتداء اور پیروی ہے ان کی اقتداء کرنے سے اپنی راہوں کی اصلاح اور صراط مستقیم کو اختیار کر سکتے ہو۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

"جب بھی جنگ کی آگ شعلہ ور ہوتی تو ہم رسول اللہﷺ کی طرف پناہ لیتے اور ہم سے کوئی شخص بھی ان سے زیادہ دشمن کے قریب نہ ہوتا"۔

(۲۲) اس مقدمے اور تمہید کے بعد سچے مومنین کی حالت کو بیان کرتے ہوئے قرآن یوں فرماتا ہے جس وقت مومنین نے احزاب کے لشکروں کو دیکھا تو نہ صرف یہ کہ ان پر گھبراہٹ طاری نہ ہوئی بلکہ کہا کہ یہ وہی چیز ہے جس کا خدا اور اس کے رسول نے وعدہ کیا تھا اور جس کی پہلی کرن آشکار ہو چکی ہے اور خدا اور اس کے رسولﷺ نے سچ کہا ہے اور اس واقعے نے ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم کے علاوہ کسی اور چیز میں اضافہ نہیں کیا۔

یہ اس گفتگو کی طرف اشارہ ہے جو پہلے پیغمبر اکرمﷺ نے کی تھی کہ عنقریب قبائل عرب اور تمہارے مختلف دشمن ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر تمہاری طرف آئیں گے لیکن جان لو کہ آخر کار فتح تمہاری ہوگی۔

مومنین نے جب احزاب کے ہجوم کو دیکھا تو یقین کر لیا کہ یہ پیغمبر کا وہی وعدہ ہے اور کہا کہ اب جبکہ وعدے کا پہلا حصہ وقوع پذیر ہو چکا ہے تو دوسرا حصہ یعنی فتح و کامرانی بھی یقیناً اس کے پیچھے پیچھے آئے گی۔ لہٰذا ان کے ایمان اور جذبہ تسلیم میں اضافہ ہو گیا۔

(۲۳) یہ آیت مومنین کے ایک خاص گروہ کی طرف اشارہ ہے جو پیغمبر اکرمﷺ کی اقتداء میں سب سے زیادہ پیش قدمی کرتے تھے وہ خدا سے کئے ہوئے اپنے اس عہد و پیمان پر قائم تھے کہ وہ آخری سانس اور آخری قطرۂ خون تک فداکاری اور قربانی کے لئے تیار ہیں۔ فرمایا گیا ہے مومنین میں ایسے بھی ہیں جو اس عہد و پیمان پر قائم ہیں جو انہوں سے خدا سے باندھا ہے ان میں سے کچھ نے تو میدان جہاد میں شربت شہادت نوش کر لیا ہے اور بعض انتظار میں ہیں۔

اور انہوں نے اپنے عہد و پیمان میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں کی۔ اور نہ ہی ان کے قدموں میں لغزش پیدا ہوئی ہے۔

منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کے برعکس کہ جنہیں طوفان حوادث ادھر سے ادھر پھینک دیتے ہیں اور جو روزانہ اپنے ناتواں دماغ میں نت نئے اور ناپاک منصوبے پروان چڑھاتے رہتے ہیں۔

آیت اس قسم کا وسیع مفہوم رکھتی ہے جو ہر زمانے کے تمام سچے مومنین پر محیط ہے چاہے وہ ہوں، جنہوں نے جام شہادت زیب تن کیا اور چاہے وہ ہوں جو بغیر کسی قسم کے تنزلزل کے اپنے خدا سے کئے ہوئے عہد و پیمان پر قائم رہے اور جہاد و شہادت پر آمادہ رہے۔

(۲۴) اس آیت میں مومنین کے اعمال کے نتیجے اور آخری ہدف کو ایک مختصر سے جملے میں اس طرح بیان کیا گیا مقصد یہ ہے کہ خدا سچوں کو ان کی سچائی کی وجہ سے جزائے خیر دے اور منافقین کو جب چاہے عذاب دے۔ اور اگر وہ توبہ کریں تو انہیں بخش دے اور ان کی توبہ قبول کرے۔ کیونکہ خدا غفور و رحیم ہے۔

نہ تو مخلص مومنین کی سچائی اور وفاداری بغیر جزائے خیر کے رہے گی اور نہ ہی منافقین کی کمزوری اور تخریب کاری بغیر عذاب اور سزا کے رہے گی۔

(۲۵) زیر بحث آیت جنگ احزاب کے سلسلہ میں حرف آخر کی صورت میں اس بحث کو ختم کرتی ہے۔ مختصر سی عبارتوں میں اس ماجرے کو واضح طور پر سمیٹے ہوئے کہتی ہے۔ خدا نے کافروں کو ایسی حالت میں واپس لوٹایا کہ ان کے دل غیظ و غضب سے لبریز تھے۔ وہ غم و غصہ میں چل رہے تھے اور وہ کسی ایسے نتیجے پر نہ پہنچ سکے جو ان کے پیش نظر تھا۔

بعد والے جملہ میں قرآن مزید کہتا ہے خدا نے اس میدان میں مومنین کو جنگ سے بے نیاز کر دیا۔

اس قسم کے اسباب و عوامل فراہم کئے کہ کسی قسم کی ایسی سختی پیش نہ آئی جس سے کسی مومن کا زیادہ نقصان ہوتا اور جنگ ختم ہو گئی کیونکہ ایک طرف سے تو شدید طوفان اور سردی نے مشرکین کو درہم برہم کر دیا اور دوسری طرف خدا کے نظر نہ آنے والے لشکر کے ذریعے رعب، خوف اور وحشت کو ان کے دلوں میں ڈال دیا اور تیسری طرف سے حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ضرب دشمن کے سب سے بڑے پہلوان عمرو بن عبدود پر پڑی جس سے وہ دیارِ عدم میں جا پہنچا۔ اس سے ان کی امیدوں اور آرزوؤں کی عمارت دھڑام سے نیچے آگری۔ یہ امر اس بات کا سبب ہوا کہ وہ مدینہ کا محاصرہ ترک کر کے اپنے اپنے قبائل کی طرف ناکام واپس پلٹ گئے۔

آیت کے آخری جملہ میں فرمایا گیا ہے خدا قوی اور ناقابل شکست ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ قوی تو ہوں لیکن عزیز یعنی ناقابل شکست نہ ہوں۔ یعنی ان پر زیادہ قوی شخص کامیاب ہو جائے لیکن ناقابل شکست طاقتور صرف اور صرف خدا ہے جس کی طاقت اور قدرت لامتناہی ہے۔

جنگ احزاب کے نتائج

جنگ احزاب تاریخ اسلام میں ایک اہم موڑ اور سنگ میل ثابت ہوئی جس میں فوجی اور سیاسی اعتبار سے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ بطور خلاصہ اس جنگ کے مفید نتائج چند جملوں میں بیان کئے جاسکتے ہیں۔

1............دشمن کی آخری کوششوں کا ناکام ہو جانا اور ان کی برتری کی آخری طاقت کا ٹوٹ جانا۔

2............منافقین کی سازش کا آشکار ہو جانا اور ان خطرناک داخلی دشمنوں کا مکمل طور پر بھانڈا پھوٹ جانا۔

3..........جنگ احد کی شکست کی تلخ یادوں کی تلافی۔

4..........دشمن کے دل میں مسلمانوں کی مزید طاقت اور ہیبت کا طاری ہونا۔

5..........جو معجزات مسلمانوں نے اس میدان میں دیکھے ان کی وجہ سے ان کے حوصلوں کا بلند ہو جانا۔

6..........مدینہ کے اندر اور باہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت کا مسلم ہو جانا۔

7..........سرزمین مدینہ کا اک یہود بنی قریظہ کے شر سے صفایا کی راہ ہموار کرنا۔

(۲۶)وَ اَنۡزَلَ الَّذِیۡنَ ظَاهَرُوۡهُمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ مِنۡ صَيَاصِيۡهِمۡ وَ قَذَفَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمُ الرُّعۡبَ فَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ وَ تَاۡسِرُوۡنَ فَرِيۡقًا ۚ	خدا نے اہلِ کتاب میں سے جن کی (مشرکینِ عرب کی طرف سے) حمایت کی انہیں ان کے محکم قلعوں سے نیچے کھینچا اور ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا (اور ان کا معاملہ یہاں تک پہنچا کہ) ان میں سے ایک گروہ کو تم قتل کر رہے ہو اور دوسرے گروہ کو قیدی بنا رہے ہو۔
(۲۷)وَ اَوۡرَثَكُمۡ اَرۡضَهُمۡ وَ دِيَارَهُمۡ وَ اَمۡوَالَهُمۡ وَ اَرۡضًا لَّمۡ تَطَئُوۡهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرًا ۧ	اور ان کی زمینوں، ان کے گھروں اور ان کے مالوں کو تمہارے اختیار میں دے دیا۔ اور (اسی طرح) اس زمین کو بھی جس میں تم نے کبھی قدم بھی نہیں رکھا تھا۔ اور یقیناً خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر

ایک عظیم کامیابی

مدینہ میں یہودیوں کے تین مشہور قبائل رہتے تھے، بنی قریظہ، بنی النضیر اور بنی قینقاع۔

تینوں گروہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کا ساتھ نہیں دیں گے، ان کے لئے جاسوسی نہیں کریں گے۔

لیکن قبیلہ بنی قینقاع نے ہجرت کے دوسرے سال اور قبیلہ بنی نضیر نے ہجرت کے چوتھے سال مختلف حیلوں بہانوں سے اپنا معاہدہ توڑ ڈالا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقابلہ کے لئے تیار ہو گئے آخر کار ان کی مزاحمت اور مقابلہ کی سکت ختم ہو گئی اور مدینہ سے باہر نکال دیئے گئے۔

اسی بناء پر ہجرت کے پانچویں سال جبکہ جنگ احزاب پیش آئی تو صرف قبیلہ بنی قریظہ مدینہ میں باقی رہ گیا تھا۔اور جیسا کہ جنگ احزاب کی سترہ آیات کی تفسیر میں ہم نے کہا ہے وہ بھی اس میدان میں اپنے معاہدہ کو توڑ کر مشرکین عرب کے ساتھ مل گئے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں تلواریں سونت لیں۔

جب جنگ احزاب ختم ہوگئی تو جبرائیل علیہ السلام حکم خدا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئے اور کہا کیوں آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں جبکہ فرشتے ابھی تک آمادہ پیکار ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً بنی قریظہ کی طرف جائیں اوران کا کام تمام کریں۔

منادی نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ندا دی کہ نماز عصر پڑھنے سے پہلے بنی قریظہ کی طرف چل پڑو۔مسلمان بڑی تیزی کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور غروب آفتاب کے ساتھ ہی بنی قریظہ کے محکم ومضبوط قلعوں کو مسلمانوں نے اپنے محاصرے میں لے لیا۔

پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا۔اوراپنے آپ کو مسلمانوں کے سپرد کر دیا۔ان میں سے کچھ کو قتل کر دیا گیا اور مسلمانوں کی کامیابیوں میں ایک اور فتح کا اضافہ ہوا۔

یہ آیت اور بعد والی آیت اس ماجرے کی طرف مختصر اور بلیغ اشارہ کرتی ہیں۔جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ یہ آیات کامیابی کے حصول کے بعد نازل ہوئیں اوراس ماجرے کا تذکرہ خدا کی ایک عظیم نعمت اور عنایت کے طور پر ہوا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے خدا نے اہل کتاب میں سے ایک گروہ کو جنہوں نے مشرکین عرب کی حمایت کی تھی ان کے محکم ومضبوط قلعوں سے نیچے کھینچا۔

یہاں سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہودیوں نے اپنے قلعے مدینہ کے پاس بلند اور اونچی جگہ پر بنا رکھے تھے اوران کے بلند برجوں سے اپنا دفاع کرتے تھے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے خدا نے ان کے دلوں میں خوف اور رعب ڈال دیا۔

آخر کاران کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ تم ان میں سے ایک گروہ کو قتل کررہے تھے اور دوسرے کو اسیر بنا رہے تھے؟

(۲۷)اوران کی زمینیں گھر اور مال ومتاع تمہارے اختیار میں دے دیا۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے اسی طرح وہ زمین بھی تمہارے اختیار میں دے دی جس پر ہرگز تم نے قدم نہیں رکھا اور خدا ہر چیز پر قادر وتوانا ہے۔

ظاہراً یہ جملہ ان مخصوص باغات واراضی کی طرف اشارہ ہے جو بنی قریظہ کے قبضے میں گئے اور کوئی بھی ان میں داخل ہونے کا حق نہیں رکھتا تھا۔کیونکہ یہود اپنے اموال کی حفاظت اوراس کا زبردست خیال رکھتے تھے۔

جنگ بنی قریظہ کے نتائج

ظالم اور ہٹ دھرم گروہ پر فتح وکامرانی مسلمانوں کے لئے نہایت مفید نتائج کی حامل تھی۔ان میں سے بعض یہ ہیں۔

1..........مدنیہ کا داخلی محاذ ختم ہو گیا اور یہودی جاسوسوں سے مسلمان آسودہ خاطر ہو گئے۔

2..........مدینہ کے اندر مشرکین عرب کے اڈے منہدم ہو گئے اور اندرونی شورش سے ان کی امیدیں ختم ہو گئیں۔

3..........آئندہ کی کامیابیوں کے لئے راہ ہموار ہو گئی، خصوصاً خیبر کی فتح کے لئے۔

4..........مدینہ کے اندر اور باہر دوستوں اور دشمنوں کی نگاہ میں حکومت اسلامی کی حیثیت مستحکم ہو گئی

(۲۸)یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَ زِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْکُنَّ وَ اُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا	اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ ہدیہ دے کر اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔
(۲۹)وَ اِنْ کُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا	اور اگر تم خدا، اس کے پیغمبر اور دارِ آخرت کی طالب ہو تو خدا نے تم میں نیکو کاروں کے لئے عظیم اجر مہیا کر رکھا ہے۔
(۳۰)یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَنْ یَّاْتِ مِنْکُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ ؕ وَ کَانَ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰهِ یَسِیْرًا	اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی صریح گناہ اور بُرے کام کی مرتکب ہوگی اس کا عذاب دُگنا ہوگا اور یہ خدا کے لئے نہایت آسان ہے۔
(۳۱)وَ مَنْ یَّقْنُتْ مِنْکُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَیْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا کَرِیْمًا	اور تم میں سے جو کوئی خدا اور اس کے رسول کے لئے خضوع وخشوع اختیار کرے گی اور عملِ صالح بجا لائے گی۔تو ہم اس کو دوگنا اجر و جزاء دیں گے اور اس کیلئے ہم نے باعظمت روزی فراہم کر رکھی ہے۔

شان نزول

چند جنگوں کے بعد بڑی مقدار میں غنیمتیں مسلمانوں کے ہاتھ لگ گئیں تو ازواج پیغمبر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفقہ میں اضافہ اور زندگی کے گوناگوں لوازم کے لئے مختلف تقاضے شروع کر دیئے بعض تفاسیر کے مطابق حضرت ام سلمہؓ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خدمت گزاری کے لئے کنیز کا تقاضا کیا، میمونہؓ نے کوئی خاص لباس مانگا، زینب جحش نے ایک خاص یمنی کپڑے کی فرمائش کی، حفصہؓ نے مصری جامہ طلب کیا، جویریہؓ نے ایک عمدہ لباس چاہا، سودہؓ نے خیبری گلیم

کی درخواست کی۔خلاصہ یہ کہ ہر ایک نے الگ الگ فرمائش کی۔

پیغمبر اکرم ﷺ جانتے تھے کہ اس قسم کی فرمائشوں کے سامنے جھک جانا جو عام طور پر ختم ہونے والی نہیں ہوتیں، ہیئت نبوت کو کیسے انجام سے دوچار کردیں گی۔ لہٰذا آپ نے ان خواہشات کو پورا کرنے سے انکار کردیا اور پورا ایک مہینہ ان سے کنارہ کشی اختیار کئے رکھی۔ یہاں تک کہ مذکورہ آیات نازل ہوئیں اور دوٹوک لیکن رحمت ورأفت کے لہجہ کے ساتھ انہیں خبردار کیا کہ اگر زیب وزینت سے آراستہ دنیاوی زندگی چاہتی ہو تو پیغمبر کے گھر کی سادہ لیکن پر افتخار زندگی پر قانع ہوجاؤ اور پروردگار کے عظیم اجروثواب سے حصہ لیتی رہو۔

تفسیر

سعادت ابدی یا دنیاوی ٹھاٹھ باٹھ

آپ بھولے نہیں ہوں گے کہ اس سورہ کی شروع کی آیات میں خداوند عالم نے عزت وافتخار کا تاج پیغمبر ﷺ کی بیویوں کے سر پر رکھا ہے اوران کا ام المومنین کے عنوان سے تعارف کروایا ہے۔ واضح رہے کہ ہمیشہ حساس اور افتخار آفرین مراتب کے ساتھ بھاری ذمہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔ ازواجِ رسول ﷺ کیونکر امہات المومنین ہوسکتی ہیں جب کہ ان کی قلب ونظر دنیا کی زیب وزینت پر فریفتہ ہوں۔

پیغمبر اکرم ﷺ کوئی بادشاہ نہیں ہیں کہ ان کا شان وشوکت والا حرم سرا ہو اوران کی بیویاں قیمتی جواہرات اور زیب وزینت کی دوسری چیزوں سے لدی پھندی ہوں۔

زیرنظر آیات میں سے پہلی آیت پیغمبر اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے کہتی ہے اے پیغمبر ﷺ! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیاوی زندگی اوراس کی زینت کی طلب گار ہو تو آؤ میں کسی لڑائی جھگڑے کے بغیر کچھ ہدیہ دے کر تمہیں اچھے طریقے سے جدا کئے دیتا ہوں۔

(۲۹) اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے لیکن اگر تم خدا اوراس کے پیغمبر کو چاہتی ہو اور آخرت کے گھر کو، نیز مادی لحاظ سے سادہ زندگی جس میں محرومیتیں بھی ہیں۔اس پر قانع ہو تو خدا نے تم میں سے نیک خواتین کے لئے عظیم جزاء اور اجر تیار کررکھا ہے۔

اس بناء پر صرف خدا، آخرت کے گھر اور پیغمبر ﷺ کے ساتھ عشق اور لگاؤ کا اظہار کافی نہیں ہے، عملی زندگی بھی اس کے ساتھ ہم آہنگ ہونی چاہیئے۔اس طرح خدا نے ازواج پیغمبر ﷺ کی ذمہ داریوں کی جنہیں صاحب ایمان عورتوں کے لئے اسوہ اور نمونہ ہونا چاہئے ہمیشہ کے لئے واضح کردیا ہے۔

اگرچہ اس گفتگو میں پیغمبر اکرم ﷺ کی ازواج مخاطب ہیں، لیکن اپنے مضمون اور نتیجہ کے لحاظ سے اس پر محیط ہے۔خصوصاً وہ لوگ جو مخلوق کی رہبری اور لوگوں کی پیشوائی کے مقام بلند پر فائز ہیں۔

(۳۰) پھر اس آیت میں آنحضرت ﷺ کی ازواج کی سنگین ذمہ داریوں کو قرآن واضح عبارت کے ساتھ بیان کرتے

ہوئے کہتا ہے اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو بھی آشکار گناہ اور فحش و غلط کام انجام دے گی۔ اس کا عذاب دگنا ہوگا۔ اور یہ خدا کے لئے آسان ہے۔

تم وحی کے گھر اور مرکز نبوت میں زندگی بسر کر رہی وہ، اسلامی مسائل کے سلسلہ میں تمہاری معلومات پیغمبر خدا سے ہمیشہ نزدیک رہنے کی بناء پر عام لوگوں سے زیادہ ہیں، علاوہ ازیں تمہاری طرف دوسری عورتوں کی توجہ ہوتی ہے اور تم ان کے نزدیک نمونہ عمل ہوتی ہو۔ اس بناء پر خدا کی بارگاہ میں تمہارا گناہ بھی دوسروں کی نسبت زیادہ ہوگا۔ کیونکہ ثواب اور عذاب معرفت اور معلومات کے مطابق ملتے ہیں اسی طرح ماحول پر اس کا اثر ہوتا ہے تمہیں آگاہی بھی زیادہ ہے اور معاشرے پر اثر انداز ہونے کے لحاظ سے بھی تمہاری حیثیت بہت حساس ہے۔

(۳۱) البتہ اس کے برعکس کے بارے میں حکم ہوتا ہے اور جو کوئی تم میں سے خدا اور پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے خضوع اور اطاعت کرے اور عمل صالح بجالائے تو ہم اس کو دوگنا اجر دیں گے اور اس کے لئے ہم نے قیمتی رزق فراہم کر رکھا ہے

(۳۲) يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ	اے نبی کی بیویو! اگر تقویٰ اپناؤ تو تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، لہٰذا ہوس انگیز قسم کی گفتگو نہ کیا کرو کہیں کوئی بیمار دل شخص تمہارے بارے میں لالچ میں نہ پڑ جائے اور صاف سیدھی بات کیا کرو۔
(۳۳) وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۚ	اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو، اور پہلی جاہلیت کی طرح لوگوں کے سامنے نہ نکلا کرو، اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اے اہل بیت! خدا تو یہ چاہتا ہے کہ (ہر طرح کی) نجاست اور گناہ کو تم سے دُور رکھے اور تمہیں ہر طرح سے پاک و پاکیزہ رکھے۔
(۳۴) وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۧ	اور جو کچھ تمہارے گھروں میں آیاتِ خدا اور حکمت و دانش کی تلاوت کی جاتی ہے اسے یاد رکھو اور خدا لطیف و خبیر ہے۔

تفسیر

ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسا ہونا چاہیئے: گذشتہ آیات میں ازواج پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت اور عظیم ذمہ داری کے بارے میں گفتگو

تھی اسی طرح جاری وساری ہے ان چند آیات میں ازواجِ نبی کو سات اہم احکام دیئے گئے ہیں۔

پہلے ایک مختصر سی تمہید میں فرمایا گیا ہے اے ازواج پیغمبر اگر تقویٰ اپناؤ تو تم کسی عام عورت کی طرح نہیں ہو۔

اس خاص حیثیت کا حامل ہونے کے باعث تم تقویٰ اور گناہ دونوں میں تمام عورتوں کے لئے نمونہ اور مثال بن سکتی ہو۔ اس مقدمے میں قرآن مخاطب کو اپنی ذمہ داریاں قبول کرنے کے لئے آمادہ کرتا ہے اور انہیں ان کا مقام یاد دلاتا ہے اس کے بعد پہلا حکم عفت و پاکدامنی کے سلسلے میں صادر کرتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ ایک باریک نکتے کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ اس بارے میں دوسرے مسائل خود بخود واضح اور روشن ہو جائیں۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے اس بناء پر ہوس انگیز انداز سے بات نہ کیا کرو کہ جس سے دل کے بیمار تمہارے بارے میں للچانے لگیں۔

بلکہ بات کرتے وقت دوٹوک، سپاٹ اور معمول کے مطابق گفتگو کرو، پست عورتوں کی سی گفتگو نہ کرو جو کوشش کرتی ہیں کہ ہیجان انگیز اور تحریک خیز گفتگو وہ جس کے باعث شہوت پرست افراد گناہ کی سوچ میں پڑ جاتے ہیں۔

آیت کے آخر میں دوسرے حکم کی یوں تشریح کی گئی ہے تمہیں ایسی شائستہ گفتگو کرنا چاہئے جو خدا اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کی رضا کے مطابق اور حق وعدالت سے مزین ہو۔

(۳۳) تیسرا حکم عفت و پاک دامنی کے سلسلہ میں ہے، ارشاد ہوتا ہے تم اپنے گھروں میں رہو اور پہلی جاہلیت کی طرح لوگوں کے سامنے نہ آؤ اور اپنے بدن اور اس کی زینت کو دوسروں کے سامنے ظاہر نہ کرو۔

جاہلیت اولی سے مراد وہ جاہلیت ہے جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ سے پہلے تھی اور جیسا کہ تواریخ میں آیا ہے کہ اس زمانے میں عورتیں ٹھیک طرح پردہ نہیں کرتی تھیں بلکہ اپنے دوپٹے کا ایک حصہ اپنی پشت پر اس طرح ڈال لیتی تھیں جس سے ان کا گلا، سینہ اور گردن کا ایک حصہ اور گوشوارے دکھائی دیتے تھے۔ قرآن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج کو اس قسم کے اعمال سے روکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ ایک عام حکم ہے اور آیات کا ازواج پیغمبر کو مخاطب کرنا زیادہ تاکید کے لئے ہے بالکل اس طرح جیسے ہم کسی دانشور سے کہیں کہ آپ تو ایک عالم ہیں جھوٹ نہ بولا کریں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ دوسروں کے لئے جھوٹ بولنے کی اجازت ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ایک عالم کو زیادہ سختی کے ساتھ اس سے پرہیز کرنا چاہئے۔

آخر میں چوتھے، پانچویں اور چھٹے حکم کو بیان فرمایا گیا ہے تم پیغمبر کی بیویو! نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو،

یہ تین احکام بھی واضح کرتے ہیں کہ زیر بحث احکام ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہیں بلکہ سب کے لئے ہیں اگرچہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ آیت کے آخر میں فرماتا ہے اے اہل بیت! خدا تو بس یہ چاہتا ہے کہ نجاست اور گناہ کو تم سے دور رکھے اور تمہیں ہر طرح سے پاک و پاکیزہ رکھے۔

''انما'' کی تعبیر جو عام طور پر حصر کے لئے ہے اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نعمت خاندان پیغمبر اکرم ﷺ سے مخصوص ہے لفظ مزید پروردگار کے ارادۂ تکوینی کی طرف اشارہ ہے۔

یعنی معصومین کی ہمت تائیدات الٰہی اور اپنے پاک اعمال کی وجہ سے ایسی ارفع و اعلیٰ ہے کہ گناہ پر قدرت و اختیار رکھنے کے باوجود گناہ کی طرف نہیں جاتے۔

بہت زیادہ روایات جو اہل سنت اور شیعہ منابع و مصادر میں وارد ہوئی ہیں۔ پیغمبر اکرم ﷺ کے سارے خاندان کے شمول کی نفی کرتی ہے۔ اور کہتی ہیں کہ اس آیت میں مخاطب صرف پانچ افراد ہیں۔ یعنی حضرت پیغمبر اکرم ﷺ، حضرت علی علیہ السلام، حضرت فاطمہ علیہا السلام، امام حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام۔

(۳۴) آخری زیر بحث آیت میں ازواج پیغمبر کا ساتواں اور آخری حصہ بیان ہوا ہے اور ان سب کو خبردار اور متنبہ کیا گیا ہے کہ بہترین موقع انہیں میسر ہے اس سے استفادہ کریں اور حقائق اسلام سے آگاہی حاصل کریں، چنانچہ فرمایا گیا ہے۔ تمہارے گھروں میں خدائی آیات اور حکمت و علم کی تلاوت ہوتی ہے اسے یاد کرو' اور اس کے سائے میں اپنی اصلاح کرو، کیونکہ بہترین موقع تمہارے ہاتھ میں ہے۔

خلاصہ کلام کے طور پر آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے۔ ''خدا لطیف و خبیر ہے۔ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ نہایت ہی گہرے اور باریک مسائل سے بھی باخبر اور آگاہ ہے اور تمہاری نیتوں کو بھی اچھی طرح سے جانتا ہے اور تمہارے سینوں کے اندرونی اسرار سے بھی باخبر ہے۔

بیسویں صدی کی جاہلیت

مفسرین کی ایک جماعت ''الجاهلية الاولیٰ'' کی تفسیر کے سلسلے میں زیر بحث آیات میں شک و شبہ کا شکار ہوئی ہے۔ گویا وہ یہ باور نہیں کرسکے کہ ظہور اسلام کے بعد جاہلیت کی کوئی اور قسم بھی دنیا میں ظہور پذیر ہوگئی جس کے سامنے اسلام سے پہلے عربوں کی جاہلیت بھی شرما جائے گی لیکن آج کے زمانے میں یہ امر ہمارے لئے جو بیسویں صدی کی جاہلیت کے وحشت ناک مظاہر کے شاہد ہیں پورے طور پر حل شدہ ہے اور اسے قرآن کی معجزانہ پیش گوئیوں میں سے ایک شمار کرنا چاہئے۔

اگر عرب جاہلیت اولیٰ کے زمانے میں جنگ اور غارتگری کا بازار گرم رکھتے تھے۔ اور بطور مثال متعدد بار بازار عکاظ احمقانہ خوں ریزی کا مرکز بنا جس میں کچھ افراد قتل ہوگئے تو ہمارے زمانے کی جاہلیت میں ایسی عالمی جنگیں رونما ہوتی ہیں کہ بسا اوقات دو کروڑ افراد ان کی بھینٹ چڑھ جاتے ہیں اور اس سے زیادہ تعداد میں لوگ مجروح اور معذور ہو جاتے ہیں۔

اگر جاہلیت عرب میں عورتیں ''تبرج بزینت'' کرتی تھیں اور اپنے دوپٹے کو اس انداز سے استعمال کرتیں کہ سینہ، گلا، گردن کا ہار اور گوشوارے نمایاں ہو جاتے تو ہمارے زمانے میں ایسے کلب بھی ہیں۔ جنہیں ''برہنوں کے کلب'' کا نام دیا جاتا ہے۔ (جن کا نمونہ انگلستان میں موجود ہے۔ ہم نہایت معذرت کے ساتھ عرض کریں گے۔ کہ ایسے کلبوں میں لوگ مادرزاد ننگے بن جاتے ہیں۔

ساحل سمندر کے پلازوں، سوئمنگ پولوں حتیٰ کہ شارع عام پر ہونے والی اخلاق باختگی نا قابل بیان ہے۔

اگر عربوں کی جاہلیت کے دور میں ’زنان آلودہ ذوات الاعلام‘ (جھنڈے تلے والی بدمعاش عورتیں) جو گناہ کی دعوت کی غرض سے اپنے مکانوں پر جھنڈے نصب کر دیتی ہیں، موجود تھیں، تو ہماری صدی کی جاہلیت میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو اس بارے میں مخصوص روزناموں میں ایسے مطالب شائع کرتے ہیں جنکے کے ذکر سے قلم شرما جاتا ہے اور اس کے مقابلے میں عربوں کی جاہلیت، شرافت نظر آتی ہے۔

قصہ کوتاہ، ہم ان مفاسد کی کیفیت کے بارے میں کیا کہیں جو ایمان سے خالی اس مادی اور مشینی تمدن میں پائے جاتے ہیں جن کو بیان نہ کرنا ہی بہتر ہے اور ہم اس مقدس تفسیر کو اس سے آلودہ نہیں کرنا چاہتے۔

جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے ایسے لوگوں کی زندگی کی نشان دہی کرنے کیلئے نہ ہونے کے برابر تھا۔ جو خدا سے اپنا ناتہ توڑ لیتے ہیں اور ہزار ہا دانش گاہوں علمی مراکز اور مشہور دانش مندوں کے باوجود اخلاق فساد کی دلدل میں پھنس چکے ہیں۔ یا جنسی فساد کی منجدھار میں ڈوب چکے ہیں۔ حتیٰ کہ خود انہی مراکز کے دانشور بھی ایسی تباہ کاریوں کا شکار ہو چکے ہیں۔

(۳۵) اِنَّ الۡمُسۡلِمِیۡنَ وَ الۡمُسۡلِمٰتِ وَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ وَ الۡقٰنِتِیۡنَ وَ الۡقٰنِتٰتِ وَ الصّٰدِقِیۡنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِیۡنَ وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الۡخٰشِعِیۡنَ وَ الۡخٰشِعٰتِ وَ الۡمُتَصَدِّقِیۡنَ وَ الۡمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِیۡنَ وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الۡحٰفِظِیۡنَ فُرُوۡجَہُمۡ وَ الۡحٰفِظٰتِ وَ الذّٰکِرِیۡنَ اللّٰہَ کَثِیۡرًا وَّ الذّٰکِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰہُ لَہُمۡ مَّغۡفِرَۃً وَّ اَجۡرًا عَظِیۡمًا	بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، صاحبِ ایمان مرد اور صاحبِ ایمان عورتیں، فرمانِ الٰہی کے مطیع مرد اور مطیع عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں، صابر مرد اور صابر عورتیں، باخشوع مرد اور باخشوع عورتیں، راہِ خدا میں) خرچ کرنے والے مرد اور خرچ کرنے والی عورتیں، روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں، وہ مرد جو اپنے دامنِ عفت کو آلودگی سے محفوظ رکھتے ہیں اور پاک دامن عورتیں، وہ مرد جو خدا کو زیادہ یاد کرتے ہیں۔ اور وہ عورتیں جو زیادہ یادِ خدا میں مصروف رہتی ہیں خدا نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجر عظیم فراہم کر رکھا ہے۔

شان نزول

جس وقت جعفر بن ابی طالب علیہ السلام کی زوجہ جناب اسماء بنت عمیس اپنے شوہر کے ہمراہ حبشہ سے واپس لوٹیں تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج سے ملاقات کیلئے تشریف لے گئیں۔ سب سے پہلے جو انہوں نے سوالات کئے ان میں

سے ایک یہ بھی تھا کہ ''کوئی چیز عورتوں کے بارے میں بھی قرآن مجید میں نازل ہوئی ہے ازواج رسول نے جواب دیا کہ ''نہیں'' تو فوراً رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوئیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! کیا عورتیں خسارے کا شکار تو نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''وہ کیسے؟'':

اسماء نے عرض کیا: ''قرآن مجید میں مردوں کی طرح ان کے بارے میں کوئی فضیلت نہیں آئی''۔

چنانچہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں اطمینان دلایا کہ عورت اور مرد بارگاہ رب العزت میں قرب و منزلت کے لحاظ یکساں حیثیت کے حامل ہیں۔

تفسیر

اسلام میں عورت کا مقام

ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذمہ داریوں کے سلسلے میں گذشتہ آیات میں مذکورہ گفتگو کے بعد زیر نظر آیت میں عورتوں، مردوں اور ان کی برجستہ صفات کے متعلق ایک اور مفید گفتگو ہو رہی ہے۔ ان کی دس اعتقادی، عملی اور اخلاقی صفات کو شمار کر کے ان کے عظیم اجر کو آیت کے آخر میں بیان کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوا ہے۔ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، مومن مرد اور مومن عورتیں'۔ اور وہ مرد جو حکم خدا کے مطیع اور پیروکار ہیں۔ اور وہ عورتیں جو فرمان حق کی اطاعت کرتی ہیں۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام وہ زبانی اقرار ہے۔ جو انسان کو مسلمانوں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے اور اسی پر اسلامی احکام نافذ ہوتے ہیں، لیکن ایمان، دل کے ساتھ تصدیق کرنے کا نام ہے۔

اس کے بعد سچے مؤمنین کی ایک اہم ترین صفت یعنی زبان کی حفاظت کرنے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور سچے مرد اور سچی عورتیں'

چونکہ مشکلات کے مقابلے میں ایمان کی بنیاد صبر و شکیبائی ہے اور معنویت کے لحاظ سے صبر کا مقام و مرتبہ انسان کے بدن میں مثل ''سر'' کے ہے۔ لہٰذا ان کی پانچویں صفت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔ اور صابر و شکیبا مرد اور صابر با استقامت عورتیں'

ہم جانتے ہیں کہ اخلاق کے آفات اور اس کے مصائب میں سے تکبر و غرور اور حب جاہ و مال بھی ہیں جب کہ اس کا متضاد ''خشوع'' لہٰذا چھٹی صفت یہ بتائی گئی ہے۔ اور باخشوع مرد اور باخشوع عورتیں''۔

حب جاہ کے علاوہ حب مال بھی ایک عظیم آفت ہے جس کے چنگل میں پھنس جانا ایک زبردست المیہ ہوتا ہے۔ بلکہ قید و بند سے کم

نہیں ہوتا۔اس کا متضاد انفاق اور حاجت مندوں کی مدد کرنا ہے۔اس لئے ساتویں صفت یہ بیان کی گئی ہے۔اور انفاق کرنیوالے مرد اور انفاق کرنے والی عورتیں''۔

ہم عرض کر چکے ہیں۔کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ اگر انسان ان کے شر سے محفوظ ہوجائے تو بہت سے شرور اور اخلاقی آفات سے بچ جاتا ہے۔اور وہ ہیں زبان، شکم اور جنسی خواہشات۔پہلے حصہ میں چوتھی صفت کی طرف اشارہ ہوا ہے لیکن دوسرے اور تیسرے حصے میں سچے مؤمن کی آٹھویں اور نویں صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔''اور وہ مرد جو روزہ رکھتے ہیں اور وہ عورتیں جو روزہ رکھتی ہیں''۔

''اور وہ مرد جو اپنے دامن کو فحش آلودگیوں سے بچاتے ہیں۔اور وہ عورتیں جو پاک دامن ہیں۔

اور آخر میں دسویں اور آخری صفت بیان کی گئی ہے کہ جس سے عام گذشتہ صفات کا دوام وابستہ ہے ارشاد ہوتا ہے۔''اور وہ مرد جو خدا کو زیادہ یاد کرتے ہیں اور وہ عورتیں جو خدا کو زیادہ یاد کرتی ہیں''

جی ہاں! وہ خدا کے ساتھ ہر حالت میں اور تمام مقامات پر غفلت اور بے خبری کے پردوں کو اپنے دل سے ہٹا دیتے ہیں۔ شیاطین کے وسوسوں اور بے ہودہ خیالات کو دور کر دیتے ہیں۔اور اگر ان سے کوئی لغزش سرزد ہوجاتی ہے۔تو فوراًاس کی تلافی کر دیتے ہیں۔

آیت کے آخر میں ایسے مردوں اور عورتوں کے عظیم اجر کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔خدا نے ان کے لئے مغفرت اور اجر عظیم فراہم کر رکھا گیا ہے۔

خداوند عالم پہلے مرحلہ میں ان کے گناہوں کو دھوڈالتا ہے۔جو ان کی روح کی آلودگی کا موجب بنتے ہیں۔پھر انہیں عظیم اجر عطا کرتا ہے۔ایسا اجر جس کی عظمت خود اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

(٣٦)وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ	کوئی باایمان مرد اور باایمان عورت یہ حق نہیں رکھتے کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی امر کو لازم سمجھیں تو وہ (خدا کے فرمان کے مقابلہ میں) اپنی طرف سے خود مختار ہوں اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا، پس وہ واضح گمراہی میں گرفتار ہے۔

(۳۷)وَ اِذۡ تَقُوۡلُ لِلَّذِیۡۤ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِ اَمۡسِکۡ عَلَیۡکَ زَوۡجَکَ وَ اتَّقِ اللّٰہَ وَ تُخۡفِیۡ فِیۡ نَفۡسِکَ مَا اللّٰہُ مُبۡدِیۡہِ وَ تَخۡشَی النَّاسَ ۚ وَ اللّٰہُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشٰہُ ؕ فَلَمَّا قَضٰی زَیۡدٌ مِّنۡہَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰکَہَا لِکَیۡ لَا یَکُوۡنَ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ حَرَجٌ فِیۡۤ اَزۡوَاجِ اَدۡعِیَآئِہِمۡ اِذَا قَضَوۡا مِنۡہُنَّ وَطَرًا ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ مَفۡعُوۡلًا	وہ وقت یاد کرو جب اس شخص کو جسے خدا نے نعمت دی تھی اور تم نے بھی اس پر احسان کیا تھا، تم اس سے کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو روکے رکھو اور خدا سے ڈرو اور تم اپنے دل میں ایک چیز چھپائے ہوئے تھے کہ جسے خدا نے ظاہر کرنا تھا' اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے۔ حالانکہ خدا اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس سے ڈرو۔ جس وقت زید اپنی بیوی سے جُدا ہوا تو ہم نے اسکی بیوی کا نکاح تم سے کردیا تاکہ مؤمنین کیلیئے اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے مطلقہ ہونے کے بعد شادی کرنے میں کوئی مشکل باقی نہ رہے، اور خدا کا فرمان تو پورا ہو کر رہتا ہے۔
(۳۸)مَا کَانَ عَلَی النَّبِیِّ مِنۡ حَرَجٍ فِیۡمَا فَرَضَ اللّٰہُ لَہٗ ؕ سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ کَانَ اَمۡرُ اللّٰہِ قَدَرًا مَّقۡدُوۡرَا ۙ	جو چیز خدا نے نبی پر فرض کی ہے اس کے بارے میں پیغمبر پر کسی قسم کی سختی اور حرج نہیں ہے۔ خدا کی سنت ان لوگوں کے بارے میں بھی جاری ہے جو اس سے پہلے تھے اور خدا کا فرمان تو ٹھیک ٹھیک اور حساب و کتاب کے مطابق ہے۔

شان نزول

یہ آیات رسولﷺ کی پھوپھی زاد) زینب بنت جحش اور آنحضرتﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ زمانہ بعثت سے پہلے اور اس کے بعد جب کہ حضرت خدیجہؓ نے پیغمبر اسلامﷺ سے شادی کی تو حضرت خدیجہ علیہا السلام نے زید نامی ایک غلام خریدا، جسے بعد میں آنحضرتﷺ کو ہبہ کر دیا۔

آپﷺ نے اسے آزاد کر دیا۔ چونکہ اس کے قبیلے نے اسے اپنے سے جدا کر دیا تھا، لہذا رسولﷺ نے اسے اپنا بیٹا بنالیا تھا، جسے اصطلاح میں متبنیٰ کہتے ہیں۔

جب سرکار رسالتﷺ نے زید کا عقد کرنا چاہا تو اپنی پھوپھی زاد، زینب بنت جحش بنت امیہ بنت عبدالمطلب سے اس کے لئے خواستگاری کی۔۔ زینب نے پہلے تو یہ خیال کیا کہ آنحضرتﷺ اپنے لئے اسے انتخاب کرنا چاہتے

ہیں۔لہٰذا وہ خوش ہوگئی اور رضامندی کا اظہار کر دیا،لیکن بعد میں جب اسے پتہ چلا کہ آپ کی یہ خواستگاری تو زید کیلئے تھی تو سخت پریشان ہوئی اور انکار کر دیا۔اس کے بھائی عبداللہ نے بھی اس چیز کی سخت مخالفت کی۔

یہی وہ مقام تھا جس کے بارے میں زیر آیات میں سے پہلی آیت نازل ہوئی اور زینب اور عبداللہ جیسے افراد کو تنبیہ کی کہ جس وقت خدا اور اس کا رسول کسی کام کو ضروری سمجھیں تو وہ مخالفت نہیں کر سکتے۔

جب انہوں نے یہ بات سنی تو سر تسلیم خم کر دیا۔

اس کے بعد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی میں اس ناکامی کی تلافی کے طور پر زینب کو حکم خدا کے تحت اپنے حبالہ عقد میں لے لیا۔اور یہ بات یہیں پر ختم ہوگئی۔

تفسیر

ایک بہت بڑی رسم ٹوٹتی ہے

سب جانتے ہیں کہ اسلام کی روح تسلیم ہے اور وہ بھی حکم خدا کے سامنے غیر مشروط طور پر یہ معنی قرآن کی مختلف آیات اور عبارات سے ظاہر ہوتا ہے۔منجملہ ان کے یہ آیت ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔"کسی ایماندار مرد اور باایمان عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی امر کو ضروری سمجھیں تو حکم خدا کے سامنے ان کا اپنا اختیار چلے"۔

انہیں چاہیئے کہ وہ اپنا ارادہ حق تعالیٰ کے ارادے کے تابع کر لیں جیسا کہ ان کا وجود سراپا اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔

بالکل اسی طرح جس طرح سے ایک ماہر طبیب بیمار سے کہتا ہے کہ میں اس صورت میں تمہارا علاج کر دوں گا جب تم میری ہدایت کو بصر و چشم قبول کرو گے اور اپنی طرف سے خود مختار نہیں بنو گے،درحقیقت یہ بات بیمار کے بارے میں طبیب کی دلی شفقت اور انتہائی دل سوزی کی دلیل ہوتی ہے اور خدا تو اس قسم کے طبیب سے بدرجہ اولیٰ اور برتر ہے۔

اسی لئے آیت کے آخر میں اس نکتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے، : جو"شخص خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ واضح گمراہی کا شکار ہوگا۔

وہ راہ سعادت کھو دے گا اور بے راہ روی اور بدبختی کا شکار ہو جائے گا۔

اس کے بعد زید اور اس کی بیوی زینب کی اس مشہور داستان کو بیان کیا گیا ہے جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے حساس مسائل میں سے ایک ہے اور ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسئلہ سے مربوط ہے۔چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ"اس وقت کو یاد کرو جب اس شخص کو جسے خدا نے نعمت دے رکھی تھی اور تم نے (بھی اے رسول) اسے نعمت دی تھی اور تم کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو روکے رکھو اور خدا سے ڈرو"۔

نعمت خدا سے مراد وہ ہدایت اور ایمان کی نعمت ہے جو زید بن حارثہ کو نصیب ہوئی تھی اور پیغمبر کی نعمت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے آزاد کیا تھا اور اپنے بیٹے کی طرح سے عزت بخشی تھی۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ زید اور زینب کے درمیان کوئی جھگڑا ہو گیا تھا۔اور یہ جھگڑا اس قدر طول پکڑ گیا کہ نوبت

جدائی اور طلاق تک جا پہنچی۔ آنحضرت بار ہا بلکہ ہمیشہ اسے نصیحت کرتے اور روکتے تھے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے۔''تم اپنے دل میں ایک چیز کو چھپائے ہوئے تھے جسے خدا آشکار کرتا ہے اور تم لوگوں سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ خدا زیادہ حق رکھتا ہے۔ کہ اس سے ڈرو''۔

اس لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے''جس وقت زید نے اپنی حاجت کو پورا کرلیا اور اپنی بیوی کو چھوڑ دیا تو ہم اسے تمہاری زوجیت میں لے آئے تاکہ منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے مطلقہ ہونے کے بعد مومنین کو ان سے شادی کرنے میں کوئی مشکل نہ ہوتی۔ یہ کام ایسا تھا جسے انجام پا جانا چاہئے تھا''اور خدا کا فرمان انجام پا کر رہتا ہے۔''

اس بنا پر یہ مسئلہ ایک تو اخلاقی اور انسانی مسئلہ تھا اور دوسرے یہ زمانہ جاہلیت کی دو غلط رسموں کو توڑنے کا ایک نہایت ہی موثر ذریعہ تھا (یعنی منہ بولے بیٹے کی مطلقہ سے ازدواج اور آزاد کردہ غلام کی مطلقہ سے عقد)۔

''**کان امر اللّٰہ مفعو لا**'' کا جملہ اس طرف اشارہ ہے کہ اس قسم کے مسائل میں دوٹوک فیصلہ کر دینا چاہئے۔ اور کرنے کا کام ضرور انجام پذیر ہونا چاہئے۔ ایسے مسائل میں جو کلی اور بنیادی حیثیت کے حامل ہوتے ہیں ان کے سلسلہ میں دنیا کے شور شرابے اور جنجال کے سامنے ہتھیار نہیں ڈال دینا چاہئے۔

(۳۸) آخری زیر بحث آیت گزشتہ۔۔۔ کی تکمیل کے سلسلے میں یوں کہتی ہے:''خدا نے جو چیز پیغمبر پر واجب کر دی ہے اس کے بارے میں ان کے لئے کسی قسم کی سختی اور حرج نہیں ہے''۔

جب خداوند عالم انہیں کوئی حکم دیتا ہے تو اس کے بارے میں کسی قسم کی رو رعایت جائز نہیں ہے۔ کسی قسم کے چون و چرا کے بغیر اس پر عمل درآمد ہونا چاہئے۔

آسمانی رہروں کو خدائی احکام کے اجرا میں ادھر ادھر کی باتوں پر بھی کان نہیں دھرنا چاہئے۔ غلط سیاسی فضا یا غلط قسم کے آداب ورسوم کو جو ماحول پر چھائے ہوئے ہیں۔ مدنظر نہیں رکھنا چاہئے۔

اصولی طور پر کسی رسم ورواج کو توڑنے اور غیر انسانی آداب ورسوم کو ختم کرنے سے ہمیشہ ہنگامہ کھڑا ہوتا ہے۔ لہٰذا پیغمبروں کو کبھی ایسے ہنگاموں کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے۔ اسی لئے بعد والے جملہ میں فرمایا گیا ہے: انبیاء کے بارے میں یہ خدائی سنت گزشتہ امتوں میں بھی جاری رہ چکی ہے۔

گویا اے رسول! صرف آپ ہی ان مشکلات میں گرفتار نہیں ہیں بلکہ تمام انبیاء غلط رسم ورواج کو توڑتے وقت ان مشکلات سے دوچار ہوئے تھے۔

اس قسم کے بنیادی مسائل کے فیصلہ کن ہونے کو ثابت کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے:

خدا کا حکم ہمیشہ نپا تلا اور صحیح صحیح پروگرام کے مطابق ہوتا ہے۔ اور اسے نافذ العمل ہونا چاہئے۔

(۳۹) اِلَّذِیۡنَ یُبَلِّغُوۡنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَ یَخۡشَوۡنَہٗ وَ لَا یَخۡشَوۡنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیۡبًا	(وہ گذشتہ انبیا ایسے لوگ تھے) جو خدائی پیغامات کی تبلیغ کرتے تھے اور اُسی سے ڈرتے تھے اور خدا کے علاوہ کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے۔اور یہی کافی ہے کہ خدا حساب لینے والا ہے۔

تفسیر

سچے مبلغ کون ہیں؟

پہلی زیر بحث آیت میں اس گفتگو کی مناسبت سے جو گذشتہ آیات میں سے آخری آیت میں پیغمبروں کے بارے میں گزری تھی انبیاء کے عمومی فرائض میں سے ایک اہم ترین فرض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔''وہ (گذشتہ انبیاء) ایسے لوگ تھے جو خدائی پیغامات کی تبلیغ کرتے تھے اور اس سے ڈرتے تھے اور خدا کے علاوہ کسی سے خوف نہیں کھاتے تھے''۔

آپ کو بھی پروردگار کے پیغاموں کی تبلیغ کے سلسلے میں کسی سے ذرہ بھر بھی نہیں گھبرانا چاہئے۔

اصولی طور پر پیغمبروں کا کام بہت سے مراحل میں اس قسم کی رسومات کو توڑنا ہے۔اگر وہ تھوڑے سے بھی خوف اور وحشت کا مظاہرہ کریں گے تو یقیناً اپنے فرائض کی بجا آوری میں ہرگز کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔انہیں فیصلہ کن انداز میں آگے بڑھنا چاہئے۔اور بدزبان لوگوں کی نازیبا باتوں کو برداشت کرنا چاہئے۔لوگوں کی افواہوں اور شور وغوغا کرنے والے کمینہ فطرت اور مفسد لوگوں کی سازشوں کی پرواہ کئے بغیر اپنے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہئے۔سب حساب وکتاب خدا کے پاس ہے۔اسی لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے۔یہی کافی ہے کہ خداوند عالم بندوں کے اعمال کا محافظ،محاسب اور ان کا جزا دینے والا ہے۔

اس راہ میں انبیاء کے ایثار وقربانی کے حساب کی بھی حفاظت کرتا ہے۔اس کا اجر بھی دیتا ہے اور دشمن کی نازیبا گفتگو اور یاوہ سرائی کا محاسبہ کر کے انہیں کیفر کردار تک پہنچاتا ہے۔

حقیقت میں ''کفی باللّٰہ حسیباً'' کا جملہ اس امر کی دلیل ہے کہ خدائی رہبروں کو اپنے دین کی تبلیغ میں پریشانی اور خوف میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔کیونکہ ان کی زحمتوں،تکلفوں اور مشقتوں کا حساب کرنے اور جزاء دینے والا خود خدا ہے۔

(۴۰)مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا ۧ	محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم وآخری پیغمبر ہیں اور خدا ہر چیز سے آگاہ ہے۔

تفسیر

ختم نبوت

یہ آیات اس سلسلہ کی گفتگو کی آخری کڑی ہے جو زمانہ جاہلیت کی ایک غلط رسم کو توڑنے کے لئے خدا نے زید کی مطلقہ بیوی سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد کے بارے میں بیان فرمائی ہے اور آخری جواب کے طور پر ایک مختصر لیکن جچا تلا جواب دیا گیا ہے ضمنی طور پر ایک اور اہم حقیقت کو ایک خاص مناسبت کی بناء پر ذکر کیا گیا ہے اور وہ ہے ختم نبوت کا مسئلہ۔

پہلے فرمایا گیا ہے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔

نہ زید کے اور نہ کسی اور کے اگر کسی دن لوگوں نے اسے محمد کے بیٹے کا نام دیا ہے تو یہ صرف ایک عادت اور دنیاوی رسم و رواج کے مطابق تھا، جسے اسلام لے آنے والے اور قرآن کے نازل ہو جانے کے بعد ختم کر دیا گیا ہے، یہ فطری رقابت داری کا رابطہ نہیں ہے۔

آگے چل کر مزید فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر کا رابطہ تمہارے ساتھ صرف رسالت اور خاتمیت کی بناء پر ہے کیونکہ وہ خدا کے رسول اور خاتم النبین ہیں۔

اسی بناء پر آیت کی ابتدا کلی طور پر نسبی رابطے کو منقطع کرتی ہے اور اس کی انتہا اس معنوی رابطے کو ثابت کرے جو رسالت اور خاتمیت سے پیدا ہوتا ہے اور یہاں سے ہی آیت کے آغاز اور اختتام کا تعلق واضح ہو جاتا ہے۔

البتہ عالم اور آگاہ خدا نے بھی وہ تمام چیزیں جو اس سلسلے میں ضروری تھیں، آپ کے اختیار میں دے دیں، خواہ وہ اصولی ہوں، یا فروعی، کلی ہوں یا جزوی اس لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے خدا ہر چیز سے عالم اور آگاہ تھا اور ہے۔

(۴۱)يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۙ	اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو! خدا کو بہت یاد کرو۔
(۴۲)وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا	اور صبح و شام اس کی تسبیح کیا کرو۔

(۴۳)هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّی عَلَیْکُمْ وَ مَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَ کَانَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَحِیْمًا	وہ وہی ہے جو تم پر درود اور رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی تمہارے لئے رحمت کا تقاضا کرتے ہیں)۔ تا کہ تاریکیوں سے نور کی طرف رہنمائی کرے وہ مومنین پر بہت ہی مہربان ہے۔
(۴۴)تَحِیَّتُهُمْ یَوْمَ یَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۚۖ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا کَرِیْمًا	ان کا تحیہ سلام ہے جس دن وہ اس سے ملاقات کریں گے اور خدا نے ان کے لئے نہایت ہی قیمتی جزاء مقرر کر رکھی ہے۔

تفسیر

خدا اور فرشتوں کا درود

گذشتہ آیات میں تبلیغ رسالت کے سلسلہ میں پیغمبر اسلام کی سخت ذمہ داریوں کے بارے میں گفتگو تھی۔ یہاں پر اس تبلیغ کے دامن کو سارے معاشرے میں وسعت دینے کے لئے مؤمنین کی کچھ ذمہ داریوں کو بیان کیا گیا ہے اور ان سب کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو خدا کو زیادہ سے زیادہ یاد کیا کرو۔

(۴۲) اور صبح وشام اس کی تسبیح کیا کرو۔

چونکہ مادی زندگی میں ان کے لئے غفلت کے عوامل بہت زیادہ ہیں اور شیاطین کے وسوسوں کے تیر ہر طرف سے چل رہے ہیں ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے ذکر کثیر کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے ذکر کثیر اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے یہ ہے کہ پورے وجود کے ساتھ خدا کی طرف توجہ ہو نہ کہ صرف زبانی۔

(۴۳) یہ آیت درحقیقت ذکر اور دائمی تسبیح کا نتیجہ اور علت غائی ہے، خدا فرماتا ہے وہ وہی تو ہے جو تم پر درود رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی تمہارے لئے رحمت کا تقاضا کرتے ہیں تا کہ تمہیں وہ جہالت، کفر اور شرک کی تاریکیوں سے ایمان، علم اور تقویٰ کے نور کی طرف رہنمائی کرے۔

کیونکہ وہ مومنین کی بابت رحیم ومہربان ہے اور اسی بناء پر ان کی ہدایت اور رہبری اس نے اپنے ذمہ لی ہے اور اپنے فرشتوں کو بھی ان کی امداد پر مامور کیا ہے۔

بہر حال یہ آیت ان مومنین کے لئے بشارت عظیم اور بڑی نوید ہے جو ہمیشہ خدا کی یاد میں رہتے ہیں۔

جی ہاں! سالکین راہ حق کے لئے یہ آیت بہت بڑی بشارت ہے اور انہیں نوید دیتی ہے کہ محبوب کی طرح سے زبردست کشش موجود ہے تا کہ بے چارے عاشق کی کوشش کسی نہ کسی نتیجہ تک پہنچ جائے۔

(۴۴) یہ خدا کی خاص رحمت ہی ہے کہ وہ مومنین کو اوہام، شہوات اور شیطانی وسوسوں کی تاریکیوں سے نکال کر یقین وایمان ان کے نور کی طرف راہنمائی کرتا ہے کیونکہ اگر اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتو خطرناک اور پیچیدہ راستہ کبھی طے نہ ہو سکے۔

اس آیت میں مومنین کے مقام اور ان کی جزاء کی عمدہ اور مختصر عبارت میں تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے خدائی فرشتوں کا تحیہ ان کے لئے جس دن (قیامت) وہ اس سے ملاقات کریں گے، سلام ہے۔

یہ ایسا سلام ہے جو عذاب اور ہر قسم کے درد و رنج اور پریشانی سے محفوظ ہے اور سکون واطمینان سے ملا ہوا۔

اس تحیہ کے بعد جو در حقیقت آغاز کار سے مربوط ہے اس کے انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے خدا نے ان کے لئے بڑا قیمتی اجر فراہم کر رکھا ہے۔

یاد خدا کے سلسلے میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک مختصر مگر جامع حدیث نقل ہوئی ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''جو شخص زیادہ یاد خدا کرے تو اسے اپنے لطف وکرم کے سائے میں بہشت بریں میں جگہ عطا فرمائے گا''۔

(۴۵) یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیۡرًا ۙ	اے پیغمبر ہم نے تجھے گواہ، خوشخبری دینے والا اور انذار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔
(۴۶) وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذۡنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیۡرًا	اور تجھے اللہ کے حکم سے اسی کی طرف دعوت دینے والا اور روشنی عطا کرنے والا چراغ دیا ہے۔
(۴۷) وَ بَشِّرِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ بِاَنَّ لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ فَضۡلًا کَبِیۡرًا	اور مومنین کو بشارت دے کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے عظیم فضل اور اجر ہے۔
(۴۸) وَ لَا تُطِعِ الۡکٰفِرِیۡنَ وَ الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ دَعۡ اَذٰىهُمۡ وَ تَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰهِ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰهِ وَکِیۡلًا	اور تو کفار ومنافقین کی اطاعت نہ کر اور نہ ہی ان کے آزار اور اذیتوں کی پرواہ کر خدا پر توکل کر اور یہی کافی ہے کہ خدا (تیرا) حامی اور مدافع ہے۔

تفسیر

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چراغ فروزاں ہیں

یہاں پر روئے سخن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہے لیکن اس کا نتیجہ مومنین کے لئے ہے اور اس طرح یہاں پر ان گزشتہ آیات کی تکمیل کرتی ہیں جن میں مومنین کی بعض ذمہ داریوں کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

ان میں پیغمبر اسلام ﷺ کے پانچ اوصاف بیان ہوئے ہیں اور دوسری دو آیات میں پانچ ذمہ داریوں اور فرائض کا تذکرہ ہے جو سب کے سب آپس میں مربوط اور ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ پہلے فرمایا گیا ہے اے پیغمبر ﷺ ہم نے آپ کو شاہد اور گواہ کے طور پر بھیجا ہے۔

آنحضرت ﷺ ایک طرف سے تو امت کے اعمال پر گواہ ہیں کیونکہ آپ ﷺ ان کے اعمال کو دیکھتے ہیں۔

دوسری طرف آپ گزشتہ انبیاء پر شاہد ہیں جو خود اپنی امت کے گواہ تھے۔

اور تیسری طرف آپ اپنے وجود مقدس اوصاف حمیدہ، اخلاق حسنہ اصلاحی پروگرام، روشن ماضی اور اعمال صالح کی وجہ سے اپنے مکتب کی حقانیت اور پروردگار کی عظمت وقدرت کے گواہ ہیں۔

پھر دوسری اور تیسری صفت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہم آپ کو بشارت دینے اور ڈرانے والا قرار دیا ہے۔

نیک لوگوں کو پروردگار عالم کے بے انتہا اجر اور ہمیشہ کی عادت وسلامتی اور قابل فخر کامیابی وکامرانی کی بشارت یعنی خوش خبری دینے والا کفار ومنافقین کو خدا کے دردناک عذاب، تمام وجودی سرمایوں کے ضیاع اور دنیا وآخرت میں بدبختی کے گڑھوں میں جا گرنے سے ڈرانے والا۔

(۴۶) یہ آیت رسول اسلام ﷺ کی چوتھی اور پانچویں صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے ہم نے آپ ﷺ کو اللہ کے حکم کے مطابق اس کی طرف دعوت دینے والا قرار دیا ہے اور روشنی عطا کرنے والا چراغ بھی۔

وہ ایسا روشن چراغ ہے جو اپنا گواہ خود آپ ہے تاریکیوں کو دور کرتا ہے اور آنکھوں اور دلوں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے جس طرح آفتاب آمد دلیل آفتاب ہوتا ہے ان کا وجود بھی ان کی حقانیت کی دلیل ہے۔

آپ کا وجود گرامی باعث سکون ہے دین وایمان کے چوروں اور معاشرے کے بے رحم ستم گر بھیڑیوں کے بھاگ جانے کا سبب ہے، دل کی تسلی کا سرمایہ اور ایمان واخلاق کی روحانی پرورش اور نشوونما کا ذریعہ ہے غرضیکہ آپ ہی کے دم قدم سے زندگی اور اس کی چهل پہل کا مزہ ہے اور آپ کی تاریخی زندگی اس امر کی زندہ شاہد ہے۔

(۴۷) زیر نظر آخری دو آیتوں میں آنحضرت ﷺ کی پانچ اہم ذمہ داریوں کو بیان کیا گیا ہے چنانچہ آپ کی پانچ صفات بیان کرنے کے بعد پہلے مرحلے پر فرمایا گیا ہے مومنین کو بشارت دیجئے کہ ان کے لئے خدا کی طرف سے فضل اور عظیم اجر ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ پیغمبر کی بشارت کا مسئلہ صرف نیک مومنین کے اعمال کے اجر وجزا تک ہی محدود نہیں بلکہ خداوند عالم ان پر اپنے فضل وکرم کی اس قدر بخشش کرے گا۔ کہ عمل اور اجر کے درمیان توازن کا معیار بالکل بدل جائے گا۔

(۴۸) قرآن اس کے بعد دوسرے اور تیسرے حکم کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کفار اور منافقین کی اطاعت نہ کرو۔

اس میں شک نہیں کہ رسول خدا ﷺ ہرگز کفار اور منافقین کی اطاعت نہیں کرتے تھے لیکن معاملہ اس قدر اہم ہے کہ تاکید تو پیغمبر کو کی جارہی ہے لیکن تنبیہ دوسروں کو کیونکہ سچے رہبروں کو رستے میں جو اہم خطرات درپیش ہوتے ہیں وہ یا تو سودے بازی ہوتی ہے اور یا پھر ہتھیار ڈال دینا ہوتے ہیں اور ان خطرات کا سرچشمہ یا تو دھمکیاں ہوتی ہیں یا پھر مختلف طریقوں سے لالچ ہوتا ہے۔

پھر چوتھے اور پانچویں حکم میں فرمایا گیا ہے ان کے آزار اور تکلیف پہنچانے کی پرواہ نہ کریں، خدا پر توکل کریں۔ اور یہی

کافی ہے کہ خدا آپ کا حامی اور دفاع کرنے والا ہے۔

آیت کا یہ حصہ واضح کرتا ہے کہ انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھکنے اور سر تسلیم خم کرنے کے لئے سخت دباؤ ڈالا اور انواع و اقسام کے آزار و تکالیف سے دوچار کر دیا اور وہ آزار کبھی تو زبان کے ذریعے زخم لگا کر اور بدزبانی کر کے اور کبھی جسمانی طور پر دکھ پہنچا کر، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اور آپ کے اعوان و انصار کا اقتصادی محاصرہ کر کے، غرضیکہ انہوں نے اذیتیں پہنچانے کے لئے کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہ کیا۔

تاریخ کہتی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدر اسلام کے مسلمانوں نے طرح طرح کی تکالیف کا پہاڑ کی طرح ڈٹ کر مقابلہ کیا اور کبھی کسی کے آگے نہیں جھکے، ننگ و عار کو تسلیم نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ اپنے مقاصد جلیلہ میں کامیاب و کامران ہو گئے۔

(۴۹) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم مومنہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرو، اور ہم بستر ہونے سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو تمہاری وجہ سے ان پر کوئی عدت نہیں ہے کہ جس کا تم حساب رکھو (بلکہ) انہیں مناسب ہدیہ دے کر شائستہ طریقے سے رخصت کر دو۔

تفسیر

طلاق کے کچھ احکام

اس سورہ (احزاب) کی آیات کو صاف طور پر مختلف حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ان میں سے بعض میں تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کیا گیا ہے اور بعض میں تمام مومنین کو۔

زیر نظر آیت ان میں سے ہے جن میں روئے سخن سب اہل ایمان کی طرف ہے۔

خدا فرماتا ہے اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، جس وقت ایمان دار عورتوں سے نکاح کرو، اور ہم بستری سے پہلے ہی انہیں طلاق دے دو تو تمہاری وجہ سے ان پر کوئی عدت نہیں ہے جس کا حساب تم مدنظر رکھو۔

یہاں پر خدا مطلقہ عورتوں کی عدت کے حکم میں ایک استثناء بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اگر دخول سے پہلے طلاق واقع ہو جائے تو پھر عدت رکھنا ضروری نہیں ہے اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے پہلے عدت کا حکم بیان ہو چکا ہے۔

اس کے بعد ان عورتوں کے احکام میں سے ایک اور حکم کو بیان کرتا ہے جن کو ہم بستری سے پہلے طلاق ہو جائے۔ اس کی طرف سورہ بقرہ میں بھی اشارہ ہو چکا ہے فرمایا گیا ہے انہیں مناسب ہدیہ کے ساتھ بہرہ مند کرو۔

اس میں شک نہیں کہ عورت کو مناسب ہدیہ دینا اس مقام پر واجب ہوتا ہے جہاں اس کے لئے مہر معین نہ ہوا ہو جیسا کہ سورہ

بقری کی آیت نمبر۲۶۳ میں آیا ہے۔

اور اس ہدیے کی مقدار کیا ہونی چاہیئے؟ قرآن مجید اسے اجمالاً بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''مناسب ہدیہ'' (بقرہ............۲۳۶)

اسی آیت میں مزید فرمایا گیا ہے: ''جو شخص استطاعت رکھتا ہے اس کی استطاعت کے مطابق جو تنگ دست ہے اس کی اپنی استطاعت کے مطابق''۔

اس آیت میں آخری حکم یہ ہے کہ ''مطلقہ عورتوں کو مناسب طریقے پر رخصت کرو دان سے اچھے انداز میں جدائی اختیار کرو''۔

(۵۰) یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَحۡلَلۡنَا لَکَ اَزۡوَاجَکَ الّٰتِیۡۤ اٰتَیۡتَ اُجُوۡرَهُنَّ وَ مَا مَلَکَتۡ یَمِیۡنُکَ مِمَّاۤ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَیۡکَ وَ بَنٰتِ عَمِّکَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِکَ وَ بَنٰتِ خَالِکَ وَ بَنٰتِ خٰلٰتِکَ الّٰتِیۡ هَاجَرۡنَ مَعَکَ ۫ وَ امۡرَاَۃً مُّؤۡمِنَۃً اِنۡ وَّهَبَتۡ نَفۡسَهَا لِلنَّبِیِّ اِنۡ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنۡ یَّسۡتَنۡکِحَهَا ٭ خَالِصَۃً لَّکَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ قَدۡ عَلِمۡنَا مَا فَرَضۡنَا عَلَیۡهِمۡ فِیۡۤ اَزۡوَاجِهِمۡ وَ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُهُمۡ لِکَیۡلَا یَکُوۡنَ عَلَیۡکَ حَرَجٌ ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا	اے پیغمبر! ہم نے آپ کی ان ازدواج کو حلال کیا ہے جن کا حق مہر آپ ادا کر چکے ہیں اور اسی طرح وہ کنیزیں جو غنیمت کے ذریعے ہم نے آپ کو بخشی ہیں اور آپ ان کے مالک ہوئے ہیں اور آپ کے چچا کی بیٹیاں، پھوپھیوں کی بیٹیاں، ماموؤں کی بیٹیاں اور خالاؤں کی بیٹیاں کہ جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے، اور جس وقت کوئی باایمان عورت خود کو پیغمبر کے لئے ہبہ کر دے (اور مہر کا تقاضا نہ کرے) اگر نبی چاہے تو اس سے بیاہ کر سکتا ہے، لیکن اس قسم کا نکاح صرف آپ کی ذات کے لئے جائز ہے نہ کہ دوسرے مومنین کے لئے ہمیں معلوم ہے کہ ان کے لئے ہم نے ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں کون سا حکم مقرر کیا ہے۔ یہ اس بناء پر کسی مشکل سے دوچار نہ ہوں، اور خدا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

تفسیر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کن عورتوں سے نکاح جائز ہے؟

گذشتہ آیات میں عورتوں کو طلاق دینے کے سلسلے میں کچھ احکام ذکر کرنے کے بعد یہاں روئے سخن نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے سات ایسے مواقع کو بیان کیا گیا ہے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے نکاح جائز ہے۔

1۔ پہلے فرمایا گیا ہے اے پیغمبر ہم نے آپ کے لئے آپ کی بیویوں کو حلال کیا ہے جن کا حق مہر آپ ادا کر چکے ہیں۔

ان بیویوں سے مراد بعد والے جملوں کے قرینے کے مطابق وہ عورتیں ہیں جن کی پیغمبر اکرم کے ساتھ کسی قسم کی رشتہ داری نہیں تھی، لیکن انہوں نے آپ سے نکاح کیا اور شاید حق مہر ادا کرنے کا مسئلہ بھی اسی بناء پر تھا، کیونکہ رسم یہ تھی کہ غیر رشتہ داروں میں شادی کے موقع پر حق مہر نقد ادا کرتے تھے علاوہ ازیں حق مہر ادا کرنے میں جلدی کرنا خصوصاً اس صورت میں جب بیوی کو اس کی ضرورت ہو بہتر ہے لیکن واجب نہیں ہے اور طرفین کی باہمی رضامندی کی صورت میں شوہر کے ذمہ سارے کا سارا یا کچھ حصے کی ادائیگی ملتوی بھی کی جاسکتی ہے۔

2۔ وہ کنیزیں جو غنائم اور انفال کے ذریعے خدا نے آپ کو بخشی ہیں۔

3۔ آپ کے چچا کی بیٹیاں پھوپھی کی بیٹیاں، ماموؤں اور خالاؤں کی بیٹیاں، جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی ہے یہ بھی آپ پر حلال ہیں۔

تو اس طرح سے تمام رشتہ داروں میں سے صرف چچازاد، پھوپھی زاد، ماموں زاد اور خالہ زاد عورتوں سے اس شرط کے ساتھ ازدواج جائز ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی ہے۔

ان چار گروہوں میں محدودیت واضح ہے، لیکن مہاجرت کی شرط اس لئے ہے کیونکہ اس زمانہ میں ہجرت ایمان کی دلیل تھی اور ہجرت نہ کرنا کفر کی۔ یا اس بناء پر ہے کہ ہجرت انہیں زیادہ اعزاز دیتی تھی اور آیت میں بھی ان عالی مقام اور صاحب فضیلت عورتوں کو بیان کرنا مقصود ہے جو آپ کی زوجیت کے لئے مناسب اور موزوں ہیں۔

4۔ جس وقت کوئی ایماندار عورت اپنے آپ کو پیغمبر کے لئے ہبہ کردے اور اپنے لئے کسی قسم کے حق مہر کا مطالبہ نہ کرے اگر پیغمبر چاہیں تو اس سے عقد کر سکتے ہیں۔

لیکن اے پیغمبر اس قسم کا نکاح صرف آپ کے لئے جائز ہے نہ کہ باقی مومنین کے لئے۔

ہم جانتے ہیں کہ ہم نے ان کے لئے ان کی بیویوں اور کنیزوں کے بارے میں کونسا حکم مقرر کیا ہے اور ان کی مصلحتوں کا کیا تقاضا ہے۔

اسی بناء پر اگر ہم نکاح سے متعلق کچھ مسائل میں ان کے لئے مواقع پر پابندی لگا دیتے ہیں تو اس کی بھی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے اور ان میں سے ہر ایک حکم اور قانون باقاعدہ حساب و کتاب کے تحت ہے۔

پھر فرمایا گیا ہے یہ اس بناء پر ہے کہ فریضہ رسالت کی ادائیگی کے سلسلے میں آپ کو کوئی تکلیف نہ ہو اور آپ اس فریضہ کی بجا آوری میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کر سکیں۔

اور خدا بخشنے والا رحیم ہے۔

آیت کا آخری جملہ واقع میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مخصوص احکام کے فلسفے کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ پیغمبر کے کچھ ایسے

مخصوص حالات ہوتے ہیں جو دوسروں کے نہیں ہوتے اور یہی فرق بعض دوسرے احکام میں بھی فرق کا سبب بن جاتا ہے۔

زیادہ واضح تعبیر میں قرآن کہتا ہے مقصد یہ تھا کہ کچھ ان احکام کے ذریعے پیغمبر کے کاندھوں سے پابندیاں اور مشکلات ہٹادی جائیں۔ یہ ایک ایسی لطیف تعبیر ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا متعدد اور مختلف قسم کی عورتوں سے شادی کرنا درحقیقت آپ کی زندگی کی اجتماعی اور سیاسی مشکلات کے ایک سلسلے کو حل کرنے کے لئے تھا۔

(۵۱) تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُؤْیْٓ اِلَیْکَ مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکَ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ تَقَرَّ اَعْیُنُهُنَّ وَ لَا یَحْزَنَّ وَ یَرْضَیْنَ بِمَآ اٰتَیْتَهُنَّ کُلُّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا	اپنی بیویوں میں سے جس کے (مقررہ وقت کو) آپ چاہیں مؤخر کر سکتے ہیں اور جسے چاہیں اپنے پاس ٹھہرا سکتے ہیں اور ان میں سے جن بعض کو آپ نے اپنے سے الگ کر دیا ہے اگر چاہیں تو اپنے پاس جگہ دے دیں، آپ پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ خدائی حکم ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے ہے اور یہ وہ غمگین نہ ہوں بلکہ جو کچھ آپ انہیں دے دیں وہ سب اس پر راضی ہوں اور خدا اس چیز کو اچھی طرح جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور خدا جاننے والا اور حلیم بھی ہے۔

شان نزول

اسی سورہ کی آیت ۲۸ اور ۲۹ کی تفسیر اور ان کی شان نزول کے بیان میں مفسرین کے بقول پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض بیویوں نے آپ سے عرض کیا کہ ہمارے نان ونفقہ اور اخراجات میں اضافہ کیجئے۔

اس کے علاوہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے اوقات کی تقسیم کے بارے میں بھی ان کے درمیان رقابت موجود تھی۔

جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام پریشانیوں اور اہم مصروفیات کے ساتھ ساتھ زبردست مشکلات سے دوچار کئے ہوئے تھی۔

اگرچہ آپ ان کے درمیان ضروری عدالت قائم رکھتے، لیکن پھر بھی وہ باتوں سے باز نہ آتی تھیں۔ لہٰذا زیرِ نظر آیت نازل ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے درمیان اپنے اوقات کی تقسیم میں پوری پوری آزادی دی گئی۔

تفسیر

ایک اور مشکل آسان ہوتی ہے

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسا عظیم خدائی رہبر جو سخت حوادث اور وسائل میں گھرا ہوا ہو۔ اور اس کے دشمن اس کے خلاف خطر

ناک داخلی اور خارجی سازشوں میں مصروف ہوں تو وہ اپنی شخصی اور خصوصی زندگی کی طرف اپنی فکر کو زیادہ مشغول نہیں رکھ سکتا۔ اسے اپنی گھریلو زندگی میں نسبتاً سکون اور آرام کا حامل ہونا چاہیئے تاکہ وہ جن مشکلات کے انبوہ میں گھرا ہوا ہے ان کا حل سکون و اطمینان سے تلاش کر سکے۔

اگر کسی انسان کی خارجی زندگی آشفتگی کا شکار ہو اور گھریلو حالات بھی توجہ اپنی طرف مبذول کئے ہوئے ہوں تو ایسے طوفانی لمحات انتہائی خطرناک ثابت ہوتے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود بعض اوقات عورتوں کے درمیان اختلاف اور ان کی معمول کی زنانہ رقابتیں رسول اللہ کے گھر میں ایک طوفان کھڑا کر دیتیں اور آپ کی فکر اور ذہن کو اپنی طرف مبذول کر لیتیں۔

یہی وہ منزل ہے، جہاں خدا اپنے پیغمبر کو ایک اور خصوصیت عطا فرماتا ہے جس سے روز روز کے جھگڑوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر کے آپ کو آسودہ خاطر اور فارغ البال کر دیا گیا۔ چنانچہ اس آیت میں ہم پڑھتے ہیں۔ اگر آپ چاہیں تو ان عورتوں میں سے ہر ایک کے وقت کو مؤخر کر کے کسی دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھیں تو ایسا کر سکتے ہیں اور جسے چاہیں اپنے پاس جگہ دے سکتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ تعداد ازواج کے سلسلے میں احکام اسلام کا حکم یہ بھی ہے کہ شوہر اپنے اوقات کو ان کے درمیان منصفانہ طور پر تقسیم کرے اور اگر ایک رات ان میں سے ایک کے ہاں ہے تو دوسری رات دوسری کے پاس رہے۔ اس سلسلے میں عورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور اس موضوع کو اسلامی فقہ میں حق قسم کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ طوفانوں اور بحرانوں سے بھرپور زندگی کے مخصوص حالات کی بناء پر مذکورہ بالا آیت کی رو سے ہر قسم کی رعایت، آیت کے ذریعے آپ سے ساقط ہو گئی تھی۔ لیکن اس اختیار کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوشش کر کے عدل و مساوات فرماتے۔

اس کے بعد قرآن کہتا ہے جس وقت ان میں سے بعض کو ایک طرف کر دیں اور پھر چاہیں کہ انہیں اپنے پاس جگہ دیں تو بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں۔

اس طرح سے نہ صرف یہ کہ ابتداء میں آپ کو اختیار رہے بلکہ اسے جاری اور برقرار رکھنے میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اختیار برقرار رہے۔

یہ خدائی حکم ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لئے ہے اور یہ کہ کبھی غمگین نہ ہوں بلکہ آپ جو کچھ انہیں دیں وہ سب اسی پر راضی ہوں۔

کیونکہ

اولاً: یہ ان سب کے لئے ایک عمومی حکم ہے اور اس میں کسی قسم کا فرق روا نہیں رکھا گیا۔

ثانیاً: یہ حکم خدا کی طرف سے ہے جو نہایت اہم مصلحتوں کی بناء پر جاری کیا گیا ہے اسی بناء پر انہیں یہ حکم خوشی خوشی قبول کر لینا چاہئے اور پریشانی کے بجائے اظہار مسرت کرنا چاہئے۔

آیت کے آخر میں اس سلسلہ کلام کو اس جملے پر ختم کیا گیا ہے جو کچھ تمہارے دلوں کے اندر ہے اسے خدا جانتا ہے اور وہ بندوں کے تمام اعمال اور مصلحتوں سے باخبر ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ حلیم بھی ہے اور بندوں کو عذاب وسزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

جی ہاں! خدا جانتا ہے کہ تم خدا کے کس حکم پر دلی طور پر راضی ہو اور کس کو ناپسند کرتے ہو؟

(۵۲) لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَ لَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۧ	اس کے بعد آپ پر کوئی اور عورت حلال نہیں ہے اور نہ ہی آپ ایک اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری بیوی کو اس جگہ لا سکتے ہیں ہر چند کہ ان کا حسن و جمال آپ کو اچھا لگے، سوائے ان عورتوں کے جو کنیز کی صورت میں آپ کے مِلک میں آجائیں۔ خدا ہر چیز کا ناظر اور نگہبان ہے۔

تفسیر

ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک اور اہم حکم

اس آیت میں ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مربوط احکام میں سے ایک اہم حکم بیان ہوا ہے خدا فرماتا ہے اس کے بعد آپ پر کوئی دوسری عورت حلال نہیں ہے اور آپ کو حق نہیں پہنچتا کہ ان بیویوں کو دوسری بیویوں سے تبدیل کر لیں اگر چہ ان کا حسن و جمال آپ کو بھلا لگے۔ سوائے ان عورتوں کے جو کنیز کی صورت میں آپ کے اختیار میں آجائیں۔ اور خدا ہر چیز پر ناظر اور نگہبان ہے۔

(۵۳)یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ اِلَّاۤ اَنْ یُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَیْرَ نٰظِرِیْنَ اِنٰىهُ ۙ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ ۫ وَ اللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ؕ ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ ؕ وَ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِیْمًا	اے ایمان لانے والو! پیغمبر کے گھروں میں داخل مت ہو مگر یہ کہ تمہیں کھانا کھانے کی اجازت دی جائے اور وہ بھی (البتہ مقررہ وقت سے سے پہلے نہ آؤ اور) کھانے کے انتظار میں نہ بیٹھو۔لیکن جب تمہیں دعوت ہوتو داخل ہو جاؤ اور جس وقت کھانا کھالو تو نکل جاؤ اور کھانا کھا لینے کے بعد بحث ومباحثہ اور باتیں کرنے کے لئے نہ بیٹھے رہو۔ یہ عمل پیغمبر کو پریشان کرتا ہے جب کہ وہ تم سے شرم کرتے ہیں لیکن خدا حق (کے بیان کرنے) سے نہیں شرماتا۔ اور جس وقت وسائل زندگی میں سے کوئی چیز (عاریتاً) رسول کی بیویوں سے طلب کرنا چاہو تو پردہ کے پیچھے سے طلب کرو۔ یہ کام تمہارے اور ان کے دلوں کو زیادہ پاک رکھتا ہے اور تم حق نہیں رکھتے کہ پیغمبر خدا کو آزار پہنچاؤ اور نہ ہی کبھی ان کے بعد ان کی بیویوں کو اپنی زوجیت میں لانا کیونکہ یہ کام خدا کے نزدیک بہت بڑی جسارت ہے۔
(۵۴)اِنْ تُبْدُوْا شَیْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا	تم کسی چیز کو ظاہر کرو یا مخفی رکھو، خدا ہر چیز سے آگاہ ہے۔

شان نزول

رسول خداصلى الله عليه وآله وسلم نے زینب بنت جحش سے ازدواج کے موقع پر دعوت ولیمہ کا اچھا خاصا بندوبست کیا۔

آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم کے خاص خادم انسؓ کہتے ہیں کہ آپ صلى الله عليه وآله وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں آپ کے اصحاب کو کھانے کی دعوت دوں، چنانچہ میں نے سب کو دعوت دی اور وہ ٹولیوں کی صورت میں آکر کھانا کھاتے اور حجرے سے باہر نکل جاتے یہاں تک کہ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اب کوئی شخص باقی نہیں رہ گیا ہے کہ جسے میں نے دعوت دی ہو اور وہ نہ آیا ہو۔ تو آپ نے فرمایا کہ بس ٹھیک ہے اب دسترخوان بڑھاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو سب لوگ اٹھ کر چلے گئے۔لیکن تین افراد اسی طرح آپ صلى الله عليه وآله وسلم کے حضور میں بیٹھے رہے اور بحث ومباحثہ اور گفتگو میں مصروف ہوگئے۔

تو زیرنظر آیت نازل ہوئی اوراس قسم کے مسائل کے سلسلے میں ضروری احکام کی تعلیم دی۔

نیز بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی ہمسائے اور کبھی دوسرے لوگ معمول کے مطابق چیزیں عاریتاً لینے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض بیویوں کے پاس آتے لیکن ازواج رسول کی قدر و منزلت کے پیش نظر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور مومنین کو حکم دیا گیا کہ جب رسول اللہ کے ہاں ان کی کسی بیوی سے کوئی چیز لینا چاہیں تو پردے کی اوٹ سے لیں ایک اور روایت میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض مخالفین نے کہا:

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیونکر ہماری بعض بیوہ عورتوں کو اپنے نکاح میں لے آئے ہیں بخدا جب اس دنیا سے ان کی آنکھیں بند ہوں گی تو ہم ان کی بیویوں سے شادی کریں گے۔

اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں سے شادی کی کلی طور پر ممانعت کر دی گئی اوراس سازش کو بھی ناکام بنادیا گیا۔

تفسیر

اس آیت میں ایک بار پھر روئے سخن مومنین کی طرف ہے اور کچھ مزید احکام خصوصاً جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاندان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاشرت کے آداب سے متعلق ہیں۔ مختصر، واضح اور صریح جملوں میں بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو پیغمبر کے گھروں میں بغیر اجازت کے ہرگز داخل نہ ہو مگر جب تمہیں کھانا کھانے کے لئے اجازت دے دی جائے اور وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ صحیح وقت پر آؤ نہ یہ کہ پہلے سے آجاؤ اور کھانے کے وقت کے انتظار میں بیٹھے رہو۔

لیکن مسلم ہے کہ یہ حکم آپ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ کسی بھی موقع پر کسی کے گھر میں بھی بغیر اجازت کے داخل نہیں ہونا چاہئے۔

علاوہ ازیں جس وقت مدعوئین کو کھانے کی دعوت ہو تو انہیں وقت شناس ہونا چاہئے اور بے موقع و محل صاحب خانہ کے لئے اسباب زحمت فراہم نہیں کرنے چاہئے۔

اس کے بعد دوسرے حکم کو پیش کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے لیکن جب تمہیں دعوت دی جائے تو اندر جاؤ اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو نکل جاؤ۔ تیسرے حکم میں فرمایا گیا ہے کھانا کھا لینے کے بعد دل لگی اور گفتگو کی مجلس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں اور کسی بھی دوسرے میزبان کے گھر میں نہ جماؤ۔

البتہ ممکن ہے کہ خود میزبان اس قسم کی مجلس خلوص و محبت کا خواہاں ہو تو ایسی صورت اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

اس کے بعد اس حکم کی علت کو یوں بیان کیا گیا ہے یہ کام پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت و آزار پہنچاتا ہے مگر وہ تم سے شرم کرتے ہیں لیکن خدا حق بیان کرنے میں رو رعایت سے کام نہیں لیتا۔

البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ایسے مواقع پر بیان کرنے میں رورعایت نہیں کرتے جو ذاتی نہیں ہوتے کیونکہ یہ اچھا نہیں لگتا کہ انسان اپنے بارے میں آپ بات کرے۔البتہ دوسروں کے بارے میں ہو تو بات کرنا بھی مناسب ہوتا ہے۔

پھر چوتھا حکم پردے کے سلسلے میں ہے ارشاد فرمایا گیا ہے جس وقت ازواج رسول سے ضروریات زندگی کی کوئی چیز طلب کرنا چاہو تو پردہ کی اوٹ میں طلب کرو۔

یہاں پر جو نکتہ قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت میں حجاب سے مراد عورتوں کا عام پردہ نہیں ہے بلکہ اس پر ایک اضافی حکم ہے جو ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ یہ کہ لوگ اس بات کے پابند تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی حرمت کے پیش نظر جب کبھی آپ کی بیویوں سے کوئی چیز لینا چاہیں تو پردے کے پیچھے سے لیا کریں اور ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پردے کے ساتھ بھی لوگوں کے سامنے نہ آیا کریں۔

البتہ یہ حکم ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختص ہے اور عام عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔یعنی وہ اسلامی حجاب کے ساتھ عام لوگوں کے سامنے آسکتی ہیں۔

اسی لئے قرآن مجید اس حکم کے بعد اس کے فلسفے کو یوں بیان کرتا ہے یہ تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے بہتر ہے۔

پانچویں حکم کو اس صورت میں بیان کیا گیا ہے کہ تم حق نہیں رکھتے کہ رسول خدا کو تکلیف پہنچاؤ۔

اگرچہ اذیت ناک اور تکلیف دہ عمل خود اسی آیت میں بیان ہو گیا ہے۔

لیکن آیت کا مفہوم ہر حالت میں عام ہے اور ہر قسم کی تکلیف اور اذیت پہنچانے سے منع کرتا ہے۔

آخر میں چھٹا اور آخری حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی ازواج کے ساتھ ان کی حرمت کے بارے میں یوں بیان ہوا ہے تم ہرگز یہ حق نہیں رکھتے کہ رسول اللہ کے بعد آپ کی بیویوں کو اپنے حلقہ ازواج میں لاؤ کیونکہ یہ کام خدا کے نزدیک بہت بڑی جسارت والا ہے۔

(۵۴) خداوند عالم اس آیت میں لوگوں کو بڑی سختی کے ساتھ خبردار کرتے ہوئے کہتا ہے اگر کسی چیز کو تم آشکار اور ظاہر کر دیا یا مخفی رکھو، خدا بہر حال ان تمام امور سے آگاہ ہے۔

یہ گمان نہ کرو کہ خدا اپنے پیغمبر کے بارے اذیت ناک اور تکلیف دہ منصوبوں سے باخبر نہیں وہ تو ان سے بھی باخبر ہے جنہوں نے دل کا حال زبان پر جاری کیا ہے اور ان سے بھی جو دل میں رکھتے تھے، غرض کہ سب کو اچھی طرح سے جانتا ہے اور وہ ہر شخص سے اس کے کام اور نیت کے مطابق سلوک کرے گا۔

(۵۵)لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَ لَآ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَ لَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَ لَا نِسَآئِهِنَّ وَ لَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَ اتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا	ازواجِ رسول پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے آباؤ اجداد، اولاد، بھائیوں بھتیجوں، بھانجوں، مسلمان عورتوں اور اپنی کنیزوں (سے بغیر حجاب ملیں)۔ اور (اے ازواجِ رسول) تقویٰ الٰہی اختیار کرو کیونکہ خدا ہر چیز سے آگاہ ہے۔

شان نزول

بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ آیہ حجاب گذشتہ آیت کے نازل ہونے کے بعد ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اولاد اور دیگر رشتہ داروں نے آپ کی خدمت اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم بھی ان کے ساتھ پردے کی اوٹ میں رہ کر بات کیا کریں؟ تو اس پر زیرِ نظر آیت نازل ہوئی اور انہیں جواب دیا کہ یہ حکم تمہارے لئے نہیں ہے۔

تفسیر

قانون حجاب سے مستثنیٰ موارد

چونکہ گزشتہ آیت میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیویوں کے حجاب کے بارے میں ایک مطلق حکم آیا تھا۔ جس سے یہ گمان پیدا ہوتا تھا کہ ان کے محرم بھی اس حکم پر عمل کرنے کے پابند ہیں اور انہیں بھی ازواج رسول سے پردے میں رہ کر ملاقات کرنا چاہئے تو اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور اس حکم کی تشریح کر دی گئی۔

خدا فرماتا ہے پیغمبر کی بیویوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے باپ، اولاد، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں، مسلمان عورتوں اور اپنے غلاموں کے ساتھ بغیر حجاب کے ملاقات کریں۔

دوسرے لفظوں میں ان کے محرم جوان چھ گروہوں پر منحصر ہیں، وہ مستثنیٰ ہیں۔

آیت کے آخری گفتگو کے لب ولہجہ کو غائب سے خطاب کی طرف تبدیل کر کے ازواج رسول کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے تقویٰ اختیار کرو، کیونکہ خدا ہر چیز سے آگاہ ہے اور کوئی چیز اس سے مخفی نہیں ہے۔

کیونکہ حجاب اور اس قسم کے امور گناہ سے محفوظ رہنے کا ذریعہ ہیں اور بس مقصود تو درحقیقت وہی تقویٰ ہے اگر وہ نہ ہو تو یہ ذرائع بھی کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔

(۵۶)اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوۡنَ عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا صَلُّوۡا عَلَیۡہِ وَ سَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا	خدا اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والوں تم بھی ان پر درود بھیجو اور سلام کرو اور ان کے فرمان پر سر تسلیم خم کرو۔
(۵۷)اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَۃِ وَ اَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا	جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں، خدا انہیں دنیا اور آخرت میں اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے اور اس نے ان کے لئے خوار کر دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔
(۵۸)وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ بِغَیۡرِ مَا اکۡتَسَبُوۡا فَقَدِ احۡتَمَلُوۡا بُہۡتَانًا وَّ اِثۡمًا مُّبِیۡنًا ﴿۵۸﴾	اور جو اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں کو بلاوجہ اذیت پہنچاتے ہیں، وہ بہتان اور واضح گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔

تفسیر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام

گذشتہ آیات میں پیغمبر اسلام کی حرمت کی حفاظت کے لئے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف اور آزار پہنچانے کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے پہلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خدا اور اس کے فرشتوں کا خصوصی تعلق اور لگاؤ بیان کیا گیا ہے پھر اسی سے متعلق مومنین کو حکم دیا گیا ہے اس کے بعد رسول اللہ کو دکھ پہنچانے والوں کے لئے دردناک عذاب اور ان کے منحوس انجام کی خبر دی گئی ہے آخر میں ان لوگوں کے عظیم گناہ کا تذکرہ کرتا ہے جو مومنین کو تہمت کے ذریعے تکلیف پہنچاتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے خدا اور فرشتے نبی پر رحمت اور درود بھیجتے ہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ اس قدر بلند و بالا ہے عالم ہستی کا آفریدگار اور حق تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اس کائنات کی تدبیر کرنے والے فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں۔ اب جبکہ ایسا ہے تو تم بھی اس وسیع پیغام سے ہم آہنگ ہو جاؤ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ان پر درود بھیجو اور انہیں سلام کرو اور ان کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔

وہ عالم آفرینش کا ایک انمول گوہر ہیں اور خدا کی مہربانی سے تمہیں میسر ہیں تو مبادا انہیں ارزاں سمجھ لو، مبادا اس کی عظمت اور مقام کو فراموش کر دو جو خدا اور اس کے فرشتوں کے نزدیک ہے۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ رسول اکرم پر صلوات بھیجنے کی کیفیت کے سلسلے میں بے شمار شیعہ اور سنی روایات میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ محمد پر صلواۃ بھیجتے وقت آل محمد کا اضافہ بھی کرو۔ اس طرح" **اللھم صل علی محمد و آل محمد**"

(۵۷) یہ آیت حقیقت میں گزشتہ آیت کے نقطہ مقابل کو بیان کرتے ہوئے کہتی ہے جو لوگ خدا اور اس کے رسول کو ایذا اور تکلیف پہنچاتے ہیں۔ خدا انہیں دنیا اور آخرت میں اپنی رحمت سے دور کر دیتا ہے اور ان کے لئے ذلیل وخوار کرنے والا عذاب تیار کئے ہوئے ہے۔

پروردگار کو ایذا پہنچانے سے مراد کفر والحاد ہے جو خدا کو غضبناک کرتا ہے۔ لیکن پیغمبر اسلام کی ایذاء کا ایک وسیع مفہوم ہے اور اس میں ہر وہ کام شامل ہے جو آپ کو ایذاء پہنچائے۔

یہاں تک کہ اس آیت کے ذیل میں وارد ہونے والی روایات سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ خاندان رسالت خصوصاً حضرت علی علیہ السلام اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دختر نیک اختر حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو تکلیف دینا بھی اسی آیت میں شامل ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فاطمہ سلام اللہ علیہا میرا ٹکڑا ہے جو چیز اسے تکلیف دیتی ہے وہ مجھے تکلیف دیتی ہے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سے ملتا جلتا فرمان حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں بھی ہے۔

(۵۸) یہ آیت مومنین کی ایذا کے بارے میں گفتگو کرتی ہے اور خدا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امر کی حد سے زیادہ اہمیت بتاتی ہے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے جو لوگ صاحب ایمان مردوں اور عورتوں کو اس کام کی وجہ سے جو انہوں نے انجام نہیں دیا آزار پہنچاتے ہیں وہ بہتان اور آشکارا گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔

کیونکہ مومن ایمان کی وجہ سے خدا اور اس کے رسول کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اسی وجہ سے یہاں پر خدا اور رسول کے بعد اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں جسے امام رضا علیہ السلام اپنے جدامجد حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں۔ اس طرح آیا ہے۔

"جو شخص مومن مرد یا مومن عورت پر بہتان باندھے، یا اس کے بارے میں کوئی ایسی بات کرے جو اس میں نہیں تو خدا اسے قیامت میں آگ کے ٹیلے پر قرار دے گا۔ اور وہ اس وقت تک وہیں رہے گا۔ جب تک اپنے کئے کی سزا نہ پالے"۔

(۵۹) یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَ بَنٰتِکَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا	اے پیغمبر اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی اوڑھنیاں اپنے اوپر ڈال لیا کریں تا کہ گھٹیا عورتوں سے الگ پہچانی جائیں اور انہیں تکلیف نہ پہنچے، اور خدا ہمیشہ غفور رحیم ہے۔

(۶۰)لَئِنۡ لَّمۡ یَنۡتَہِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَ الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ وَّ الۡمُرۡجِفُوۡنَ فِی الۡمَدِیۡنَۃِ لَنُغۡرِیَنَّکَ بِہِمۡ ثُمَّ لَا یُجَاوِرُوۡنَکَ فِیۡہَاۤ اِلَّا قَلِیۡلًا	اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور اسی طرح وہ لوگ بھی جو مدینہ میں جھوٹی خبریں اور بے بنیاد افواہیں پھیلاتے ہیں اپنی کارستانیوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے خلاف تیار کر دیں گے پھر وہ تھوڑی مدت کے سوا آپ کے نزدیک اس شہر میں نہیں رہ سکیں گے۔
(۶۱)مَّلۡعُوۡنِیۡنَ ۚ اَیۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَ قُتِّلُوۡا تَقۡتِیۡلًا	اور ہر جگہ سے دھتکارے جائیں گے اور جہاں کہیں ملیں گے گرفتار کر لئے جائیں گے اور قتل کر دئے جائیں گے۔
(۶۲)سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلُ ۚ وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا	گذشتہ اقوام میں خدا کی یہی سنت جاری رہی ہے اور آپ خدا کی سنت میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

شان نزول

اس زمانے میں مسلمان عورتیں مسجد میں جا کر رسول پاک ﷺ کے پیچھے نماز پڑھا کرتی تھیں رات کے وقت جب وہ مغرب اور عشاء کی نماز کے لئے جاتیں تو کچھ بے ہودہ اور اوباش نوجوان ان کے راستے میں بیٹھ جاتے اور اخلاق سے گری ہوئی باتیں کر کے انہیں تکلیف پہنچاتے اور ان کا راستہ روکتے اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ اچھی طرح سے پردہ کریں تا کہ واضح ہو سکے کہ یہ مسلمان عورتیں ہیں اور کوئی شخص مزاحمت کے لئے بہانہ نہ بنا سکیں۔

تفسیر

زبردست انتباہ

خداوند عالم نے گذشتہ آیات میں رسول خدا ﷺ اور مومنین کو ایذاء اور تکلیف پہنچانے کی ممانعت کے بعد یہاں پر اذیت کے ایک اور مورد کا ذکر کیا ہے اور اس سے نبٹنے کے دو طریقے بیان کئے ہیں۔

پہلے حصہ میں فرمایا گیا ہے اے پیغمبر اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں تا کہ واضح ہو جائیں اور انہیں کوئی اذیت نہ پہنچا سکے۔

مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمان عورتیں پردے کے بارے میں سہل نگاری اور بے پرواہی نہ برتیں، جیسا کہ بعض لاابالی قسم کی

عورتیں پردہ کے ہوتے ہوئے بھی بے پردہ ہوتی ہیں اوران کے جسم کے زیادہ تر حصے نمایاں ہوتے ہیں ۔ جو بے ہودہ افراد کی توجہ کا مرکز بن جاتے ہیں ۔

چونکہ اس حکم کے نازل ہونے سے بعض صاحب ایمان عورتیں گذشتہ زمانے کی بابت فکر میں پڑ گئیں ،لہٰذا آیت کے آخر میں اضافہ کیا گیا ہے خدا ہمیشہ غفور ورحیم ہے ۔

اگرتم سے اب تک اس معاملے میں کوتاہی ہوئی ہے تو چونکہ جہالت اور نادانی کی وجہ سے تھی لہٰذا خدا تمھیں بخش دے گا ۔ توبہ کرو،اوراس کی طرف لوٹ آؤ اور عفت و پاک دامنی اور حجاب کے فریضے کو اچھی طرح انجام دو ۔

(۶۰) صاحب ایمان عورتوں کو پردے کی پابندی کا حکم دینے کے بعد دوسرے مسئلے یعنی اوباش اور رذیل افراد کی تکلیف دہ کاروائیوں کو بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے اگر منافقین اور بیماری دل لوگ نیز وہ افراد بھی جو مدینہ میں جھوٹی افواہیں پھیلاتے ہیں اپنی کارستانیوں سے باز نہ آئے تو ہم بھی آپ کو ان کے خلاف اٹھائیں گے اور آپ کو ان پر مسلط کردیں گے ، پھر وہ ایک مختصر سی مدت کے علاوہ اس شہر میں آپ کے ساتھ نہیں رہ سکیں گے ۔

(۶۱) بہرحال قرآن کہتا ہے کہ اگر انہوں نے اپنے اس قبیح اور ناشائستہ کام کو جاری رکھا تو ہم ان کے خلاف ایک عمومی حملے اور شورش کا حکم صادر کردیں گے تاکہ مومنین کے ایک ہی مردانہ وار اقدام سے مدینہ کے تمام منافقین کی بیخ کنی ہوجائے اور پھر وہ کبھی اس شہر میں رہنے کے قابل نہ رہ سکیں ۔

اور جب وہ اس شہر سے نکال دیئے جائیں گے اور اسلامی حکومت کی حفاظت سے محروم ہوجائیں گے ۔ تو جہاں کہیں بھی ملیں گے دھر لئے جائیں گے اور قتل کردیئے جائیں گے ۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ وہ اس عمومی حملے کے بعد کہیں بھی امان نہیں پا سکیں گے اور انہیں ڈھونڈ کر قتل کردیا جائے گا ۔

(۶۲)اس آیت میں فرمایا گیا ہے یہ کوئی نیا حکم نہیں ہے بلکہ یہ خدا کی ہمیشہ سنت ہے جو گذشتہ اقوام میں بھی تھی ۔ کہ جس وقت کوئی تخریب کار اور مفسد ٹولہ بے شرمی کا مظاہرہ کرے اور سازشیں کرنے میں حد سے بڑھ جاتا تھا تو ان کے لئے عمومی حملے کا حکم صادر ہوجاتا تھا ۔

اور چونکہ یہ حکم ایک خدائی سنت ہے ،لہٰذا اس میں کبھی کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوسکتی ، کیونکہ ”تم خدا کی سنت کے لئے کبھی تغیر اور تبدیلی نہیں پاؤ گے“ ۔

یہ تعبیر حقیقت میں اس تنبیہ کو صحیح معنوں میں عملی جامہ پہنانے کو واضح کرتی ہے کہ وہ جان لیں کہ یہ بات قطعی اور یقینی ہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی رونما نہیں ہوسکتی ، لہٰذا انہیں چاہئے کہ یا تو اپنے شرمناک اعمال میں تبدیلی پیدا کریں ۔ یا پھر اس قسم کے دردناک انجام کے انتظار میں رہیں ۔

لیکن یوں نظر آتا ہے کہ یہ حکم باقی اسلامی احکام کی طرح کسی زبان و مکان اور اشخاص کے ساتھ اختصار نہیں رکھتا ۔

اگر واقعاً زہریلا پروپیگنڈہ اور سازش حد سے گزر جائے اور ایک تحریک کی صورت اختیار کرے اور اسلامی معاشرے کو فساد کی جڑیں کاٹنے کے لئے ایک جھنڈے تلے جمع کرلے۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ اور اس قسم کے دوسرے امور خاص کر جنہیں تبدیل نہ ہونے والی سنت کہا گیا ہے ان کا نفاذ انسان از خود نہیں کرسکتا بلکہ صرف اور صرف مسلمانوں کے ولی و سرپرست اور حاکم شریعت کی اجازت سے نافذ کیا جاسکتا ہے۔

(۶۳)یَسْئَلُکَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِیْبًا	لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اس کا علم صرف خداوندِ عالم کے پاس ہے۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ قیامت نزدیک ہی ہو۔
(۶۴)اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِیْنَ وَ اَعَدَّ لَهُمْ سَعِیْرًا ۙ	خدا نے کافروں پر لعنت کی ہے ان کے لئے جلانے والی آگ تیار کر رکھی ہے۔
(۶۵)خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ۚ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا ۚ	وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہاں ان کا نہ کوئی سرپرست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔
(۶۶)یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَاۤ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا	وہ دن جس میں ان کے چہرے تبدیل ہوجائیں گے اور وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔
(۶۷)وَ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا	اور کہیں گے! خداوندا! ہم نے اپنے بڑوں اور وڈیروں کی اطاعت کی اور انہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔
(۶۸)رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَیْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِیْرًا ۠	پروردگارا! تو انہیں دُگنا عذاب دے اور ان پر بہت بڑی لعنت فرما۔

تفسیر

قیامت کب آئے گی؟

گذشتہ آیات اشرار اور منافقین کے بارے میں گفتگو کر رہی تھیں ان آیات میں ان کے تخریبی منصوبوں کی طرف اشارہ ہوا

ہے کبھی تو وہ استہزاء اور مسخرہ پن کے طور پر اور کبھی سادہ دل لوگوں کے دلوں شکوک وشبہات پیدا کر کے یہ سوال پیش کرتے تھے کہ قیامت ان اوصاف کے ساتھ جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بیان کرتے ہیں۔ کب بر پا ہوگی؟ ارشاد ہوتا ہے ''لوگ آپ سے قیام قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔

اس کے بعد انہیں اس طرح جواب دیا گیا ہے۔ اے پیغمبر کہہ دیجئے اس بات کا علم صرف خدا کے پاس ہے اور خدا کے علاوہ دوسرا کوئی بھی اس سے آگاہ نہیں۔

خواہ وہ انبیاء مرسل ہوں یا ملک مقرب کوئی بھی یہاں باخبر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

پھر فرمایا گیا ہے۔ آپ کو کیا معلوم شاید قیامت نزدیک ہو''

(۶۴) اس کے بعد کفار کو تنبیہ اور اس کے دردناک عذاب کی نوعیت کا ایک گوشہ پیش کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ''خدا نے کافروں کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور ان کے لئے جلانے والی آگ فراہم کر رکھی ہے''۔

''وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس جلانے والی آگ میں رہیں گے اور اپنے لئے کوئی سر پرست اور مددگار نہ پائیں گے''۔

خدا ہی تو ہے جو کسی کی مدد کرتا ہے تا کہ وہ اپنے مقصد تک پہنچ جائے۔ لیکن قیامت کے دن کفار کا نہ تو کوئی ولی ہوگا اور نہ ہی کوئی نصیر۔

(۶۵) اس کے بعد قیامت میں ان کے دردناک عذاب کے ایک حصے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ''اس دن کو یاد کرو جب ان کے چہرے جہنم کی آگ کے سبب بدل جائیں گے''۔

یہ تفسیر یا تو چہرے کے رنگ کے لحاظ سے ہو کہ کبھی وہ سرخ اور نیلے ہو جائیں گے اور کبھی زرد اور پژمردہ یا آگ کے شعلوں پر ہونے کے لحاظ سے، یعنی کبھی ان کی ایک سمت آگ پر ہوگی اور کبھی دوسری سمت۔

یہ وہ مقام ہے جہاں ان کی حسرت بھری آہیں بلند ہوں گی ''اور وہ فریاد کر کے کہیں گے اے کاش ہم نے خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی ہوتی''

اگر ہم اطاعت کرتے تو اس قسم کے دردناک انجام سے دوچار نہ ہوتے۔

(۶۷) اور کہیں گے ''پروردگارا! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی اطاعت کی تھی، انہوں نے ہمیں گمراہ کیا ہے''۔

اس موقع پر یہ گمراہ جہنمی غصے میں پاگل ہو جائیں گے اور خدا سے اپنے گمراہ کرنے والوں کے لئے سخت عذاب کا مطالبہ کریں گے اور کہیں گے ''خداوندا! انہیں دو گنا عذاب دے (ایک تو ان کی اپنی گمراہی پر اور دوسرا ہمیں گمراہ کرنے پر''

''اور ان پر بہت بڑی لعنت بھیج:''۔

یقیناً وہ عذاب اور لعنت کے مستحق ہیں لیکن ''اور لعن کبیر'' کا استحقاق دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی وجہ سے رکھتے تھے۔

(۶۹)یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْاؕ وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِیْهًاؕ	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو تکلیف پہنچائی اور خدا نے موسیٰ کو اس چیز سے مبّرا فرمایا جو وہ ان کے حق میں کہتے تھے اور وہ خدا کے نزدیک آبرومند تھے۔
(۷۰) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًاۙ	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو خدا سے ڈرو اور حق بات کرو۔
(۷۱)یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْؕ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا	تاکہ خدا تمہارے اعمال کی اصلاح کرے اور تمہارے گناہوں کو بخش دے۔ اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ عظیم کامیابی سے سرفراز ہوگا۔

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ناروا تہمتیں

گذشتہ آیات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احترام اور آپ کو کسی قسم کی اذیت نہ دینے کے حکم کے فوراً بعد روئے سخن مومنین کی طرف کر کے قرآن کہتا ہے ”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی۔ لیکن خدا نے موسیٰ کو ان تمام ناروا نسبتوں سے مبرا اور پاک قرار دیا اور وہ بارگاہ خداوندی میں آبرومند اور عظیم منزلت کے مالک تھے“۔

اذیت پانے والے انبیاء میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتخاب اس بناء پر ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگوں نے جتنی تکلیف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی اتنی کسی اور نبی کو نہیں پہنچائی۔

موسیٰ علیہ السلام کو ایذا پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مختلف طریقوں سے اذیت پہنچاتے تھے، جو مدینہ کے لوگوں کی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دی گئی بعض اذیتوں کے مشابہ تھیں، افواہیں پھیلاتے، طرح طرح کے جھوٹ گھڑتے اور آپ کی ایک بیوی کی طرف ناروا نسبت جیسی اذیتیں کہ جس کی تفصیل سورہ نور کی تفسیر (تفسیر نمونہ جلد ۸ آیت ۱۱ تا ۲۰ کے ذیل) میں گزر چکی ہے۔

اس آیت سے یہ استفادہ ضرور کیا جا سکتا ہے کہ جس وقت کوئی شخص بارگاہ خداوندی میں آبرومند اور صاحب قدر و منزلت ہو تو خداوند عالم موذی لوگوں کی ناروا تہمتوں سے اس کا دفاع اور حمایت خود کرتا ہے۔

(۷۰)اعمال کی درستی کے لئے حق بات کیا کرو

جب افواہ پھیلانے والوں اور زبان سے ایذا پہنچانے والوں کے بارے میں گفتگو ہو چکی تو آیت ایک حکم صادر کرتی ہے جو درحقیقت اس عظیم معاشرتی مسئلے کا علاج ہے، چنانچہ خدا فرماتا ہے ''اے وہ لوگو! جو ایمان لے آئے ہو، خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور حق بات کہا کرو''۔

وہ قول جو حق اور واقعے کے مطابق ہو، جو محکم سدّ (بند) کی طرح باطل کی موجوں کو روک دیتا ہے۔

(۷۱) یہ آیت ''قول سدید'' اور ''حق بات'' کا نتیجہ یوں بیان کرتی ہے۔ ''خداوند عالم تقویٰ اور حق بات کی بناء پر تمہارے اعمال کی اصلاح کرتا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ، اصلاح زبان کی بنیاد اور حق بات کا سرچشمہ ہے اور حق بات اصلاح اعمال کے موثر عوامل میں سے ہے، اور اصلاح اعمال گناہوں کی بخشش کا سبب ہے کیونکہ:

'' ان الحسنات یذھبن السیئا ت''

''نیک اعمال گناہوں کو ختم کر دیتے ہیں''

آیت کے آخر میں قرآن کہتا ہے ''جو شخص خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا، وہ بہت بڑی کامیابی سے ہمکنار ہوگا۔''

کونسی کامیابی اس سے بالاتر ہوگی کہ اعمال پاک ہوں، اس کے گناہ بخشے جائیں اور بارگاہ ربّ العزت میں سرخرو اور سرفراز ہوکر پیش ہو۔

(۷۲)اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۙ	ہم نے امانت (ذمہ داری اور ولایت الٰہیہ) کو آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے۔ لیکن انسان نے (اس کا بوجھ) اپنے کندھوں پر اٹھا لیا، وہ بہت ہی ظالم اور جاہل تھا (اس نے اس مقام کی قدر و منزلت کو نہ پہچانا اور اپنے اوپر ظلم کیا)

(۷۳)لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۧ	مقصد یہ تھا کہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کی صفیں مومنین سے جُدا ہوجائیں اور خدا ان کو عذاب دے اور اپنی رحمت صاحب ِایمان مردوں اور عورتوں پر نازل کرے اور خدا ہمیشہ غفور و رحیم ہے۔

تفسیر

نوع بشر کا بہت بڑا اعزاز

سورۂ احزاب کی یہ دونوں آخری آیات ان اہم مسائل کی تکمیل کرتی ہیں جو اس سورہ میں ایمان، عمل صالح، جہاد، ایثار، عفت و پاک دامنی، ادب اور اخلاق کے سلسلے میں آئے ہیں اور یہ بھی واضح کرتی ہیں کہ انسان کس قدر ممتاز حیثیت کا مالک ہے کہ خدا کی عظیم ذمہ داری کو اٹھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

پہلے تو انسان کے تمام عالم خلقت میں اہم ترین اور عظیم ترین اعزاز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ہم نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی۔

لیکن عالم خلقت کے ان عظیم اور بڑے موجودات نے اس امانت کے بوجھ کو اٹھانے سے انکار کردیا اور اپنی ناتوانی کا اظہار کیا اور اس کام سے ڈرتے تھے۔

واضح ہے کہ ان کا انکار تکبر کی وجہ سے نہیں تھا۔ بلکہ ان کا انکار ’’اشفاق‘‘ یعنی ایسے خوف و ہراس کے ساتھ تھا، جس میں توجہ بھی تھی اور خضوع و خشوع بھی۔ لیکن اسی اثنا میں انسان جو عالم آفرینش کا عجوبہ ہے، آگے بڑھا اور اس نے اس کو اپنے کندھوں پر اٹھالیا۔

لیکن افسوس کہ اسی ابتداء ہی میں اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اپنی قدر و منزلت کو نہ پہچانا اور جو کچھ اس امانت کے اٹھانے کے لائق تھا، اسے انجام نہیں دیا۔

امانت الٰہی وہی غیر محدود صورت میں ارتقائی قابلیت ہے، جس میں ارادہ اور اختیار کی آمیزش ہوتی ہے، جس سے وہ انسانیت کے کمال اور خدا کی خاص بندگی کے مقام پر پہنچ کر ولایت الٰہیہ کو قبول کرتا ہے۔

امانت کے پیش کرنے سے مراد اشیاء کا باہمی موازنہ کرنا ہے، یعنی جب اس امانت کا ان کی استعداد سے موازنہ کیا تو انہوں نے زبان حال کے ساتھ اس عظیم امانت کو قبول کرنے سے اپنی عدم اہلیت کا اعلان کیا۔

اور اس طرح سے آسمانوں، زمینوں اور پہاڑوں نے زبان حال سے پکار کر کہا کہ اس امانت کا بوجھ اٹھانا ہمارے بس کی بات نہیں۔

یہ قبولیت کسی مقررہ قاعدہ کلیہ کے تحت یا محض تلف کی بناء پر نہیں تھی، بلکہ عالم استعداد کے مطابق ایک تکوینی قبولیت ہے۔

انسان کا ''ظلوم وجھول'' سے متصف ہونا

یہ توصیف اس بناء ہے کہ انسان بہت نسیان کا شکار ہوتا ہے اور اپنی ذات پر ظلم کرتا رہتا ہے اور آیت کی قدر و منزلت سے نا آشنا ہے، جس کام کی ابتدا ہی سے نسل آدم علیہ السلام میں قابیل کے ذریعے بنیاد پڑ چکی تھی اور قابیل کے نقش قدم پر چلنے والوں نے اسے آگے بڑھایا اور اب تک اسے جاری رکھے ہوئے ہے۔

(۷۳) یہ آیت حقیقت میں انسان کے سامنے اس امانت کو پیش کرنے کی علت ہے اور اس حقیقت کا بیان ہے کہ انسان اس عظیم خدائی امانت کا بار اٹھا لینے کے بعد تین حصوں میں بٹ گئے۔ منافق مشرک اور مومن۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے مقصد یہ ہے کہ خدا منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو ان کے کیفر کردار تک پہنچائے نیز خدا صاحب ایمان مردوں اور باایمان عورتوں پر رحمت نازل کر، خدا ہمیشہ سے غفور ورحیم ہے۔

سورۂ سباء

سورۂ سباء مکہ میں نازل ہوئی

اور اس کی ۵۴ آیات ہیں۔

سورہ سبا کے مطالب ومضامین

یہ سورہ جو قوم ''سبا'' کی سرگزشت کی مناسبت سے ''سبا'' کے نام سے موسوم ہوئی ہے مکی سورتوں میں سے ہے اور اس سورہ میں پانچ مطالب کو مدنظر رکھا گیا ہے:

(۱) مسئلہ توحید اور عالم ہستی میں خدا کی چند نشانیاں اور اس کی پاک صفات، منجملہ ان کے ''توحید ربوبیت'' اور ''الوہیت''

(۲) مسئلہ معاد جو اس سورہ میں دوسرے مسائل کی نسبت زیادہ بیان ہوا ہے۔

(۳) گزشتہ انبیاء اور خصوصاً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا مسئلہ اور اس کے بارے میں دشمنوں کی بہانہ سازیوں کا جواب اور گزشتہ انبیاء کے کچھ معجزات کا بیان۔

(۴) حضرت سلیمان علیہ السلام اور قوم سبا کی زندگی کے ایک گوشہ کے بیان کے ضمن میں خدا کی عظیم نعمتوں کے ایک حصہ اور شکر گزاروں اور کفران نعمت کرنے والوں کے انجام کا ذکر۔

(۵) غور وفکر کی دعوت، ایمان وعمل صالح کی ترغیب۔

سورہ سبا کی فضیلت

منجملہ ان کے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث میں اس طرح منقول ہوا ہے کہ:

''جو شخص سورہ سباء کو پڑھے گا قیامت میں تمام انبیاء مرسلین اس کے رفیق وہمنشین ہوں گے اور سب کے سب اس سے مصافحہ کریں گے''۔

ایک اور حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے اس طرح نقل ہوا ہے کہ:

''جو شخص ان دو سورتوں کو کہ جن کی الحمد کے ساتھ ابتداء ہوئی ہے (سورہ سبا اور فاطر) کو کسی رات میں پڑھے گا تو وہ ساری رات خدا کی حفاظت ونگرانی میں رہے گا اور اگر ان دونوں کو دن میں پڑھے گا تو (اس دن) کوئی مکروہ اور ناپسندیدہ بات اسے پیش نہیں آئے گی، اور اسے اس قدر خیر دنیا وآخرت عطا کیا جائے گا کہ اس کے دل میں کبھی اس کا گمان بھی نہ گزرا ہوگا اور نہ اس نے اس کے بارے میں کبھی سوچا ہوگا اور نہ آرزو کی ہوگی''۔

مسلمہ طور پر یہ عظیم ثواب ان لوگوں کو نہیں ملے گا کہ جو صرف ان کو زبان سے پڑھنے ہی کو کافی سمجھیں گے بلکہ یہ پڑھنا غور و فکر کرنے کے لیے ایک مقدمہ اور تمہید ہونا چاہیے کہ جو انسان کو عمل کرنے پر آمادہ وتیار کرے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے
(۱) اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ وَ لَہُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَۃِ ؕ وَ ہُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ	حمد و (ستائش) اس خدا کے لئے مخصوص ہے کہ جو ان تمام چیزوں کا مالک ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، اور آخرت میں بھی وہی حمد کے لائق ہے اور وہ حکیم اور ہر چیز سے باخبر ہے۔
(۲) یَعۡلَمُ مَا یَلِجُ فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا یَخۡرُجُ مِنۡہَا وَ مَا یَنۡزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعۡرُجُ فِیۡہَا ؕ وَ ہُوَ الرَّحِیۡمُ الۡغَفُوۡرُ	جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے وہ اسے بھی جانتا ہے، اور جو کچھ اس سے باہر نکلتا ہے۔ (اس کا علم بھی رکھتا ہے) اور (اسی طرح) جو کچھ آسمانوں سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ اس میں اوپر جاتا ہے (سب سے باخبر ہے) اور وہ مہربان اور بخشنے والا ہے۔

تفسیر

وہی ہر چیز کا مالک اور ہر چیز کا عالم ہے

قرآن مجید کی پانچ سورتیں پروردگار کی حمد سے شروع ہوتی ہیں، جن میں سے تین سورتوں میں خدا کی حمد وتعریف آسمان و زمین اور دوسرے موجودات کی خلقت کی بنا پر ہے (سورہ سبا، سورہ فاطر، اور سورہ انعام) اور ایک سورہ (سورۂ کہف) میں یہ حمد وثنا پیغمبر کے قلب پاک پر قرآن کے نزول کی بنا پر ہے جبکہ سورۂ حمد میں ایک جامع تعبیر ہے کہ جو ان تمام امور کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے ''الحمد للہ رب العلمین''۔

بہر حال سورۂ سبا کے ابتداء میں خدا کی حمد وثنا کے ساتھ گفتگو دنیا و آخرت میں اس کی مالکیت وحاکمیت کی بنا پر ہے، فرماتا ہے: حمد مخصوص ہے اس خدا کے لیے کہ جو آسمانوں اور زمین کی تمام چیزوں کا مالک ہے۔

اور آخرت میں بھی اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے۔

اسی طرح سے دونوں جہانوں کی حاکمیت و مالکیت اسی کے لیے ہے۔ ہر نعمت، ہر محبت، ہر فائدہ و برکت اور ہر موزوں و عجیب وغریب خلاقیت اسی کی ذات پاک کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور اسی بنا پر ''حمد'' کہ جس کی حقیقت، اچھے اور اختیاری کاموں پر تعریف وستائش ہے، سب کی سب اسی کی طرف لوٹتی ہیں۔

اوراگرمخلوقات میں بھی کوئی لائق حمد وستائش ہےتو وہ بھی اسی کے وجود کا پرتواوراس کے افعال وصفات کی ایک شعاع ہے۔
اس بنا پراس دنیا میں جو بھی کسی چیز کی حمد وستائش کرتا ہےتو یہ حمد وستائش آخر کار اسی کی پاک ذات کی طرف لوٹ جاتی ہے اور بقول شاعر:

یه جہاں خرم از آنم که جہاں خرم از اوست
عاشقم برہمه عالم که ہمه عالم از اوست

(میں اس جہان سے اس وجہ سے خوش ہوں کیونکہ یہ جہان اسی کی وجہ سے خوش ہے،
میں سارے عالم پراس وجہ سے عاشق ہوں کیونکہ سارا عالم اس کی طرف سے ہے)

آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے::وہ حکیم اور خبیر ہے۔

اس کی حکمت بالغہ کی بنیاد پر ہی یہ عجیب وغریب نظام جہان پر حکومت کر رہا ہےاوراس کے علم وآ گاہی کی بنیاد پر ہی ہر چیز اپنی جگہ پر برقرار ہےاور ہر موجود کوجس چیز کی ضرورت ہے وہ اس کے اختیار میں ہے۔

یہ حمد وثنا صرف انسانوں اور فرشتوں کی زبان سے ہی نہیں، بلکہ عالم ہستی کے تمام ذرات سے بھی اس کی حمد وتسبیح کا زمزمہ با ہوش کان میں پہنچ رہا ہے،کوئی موجود بھی ایسا نہیں ہے کہ جو اس کی حمد وتسبیح نہ کرتا ہے۔

(۲) یہ آیت،گزشتہ آیت میں خدا کی حکیم وخبیر کے ساتھ توصیف کی مناسبت سے پروردگار کے بے پایاں علم کے ایک گوشہ کی تشریح کر رہی ہےاوراس طرح کہتی ہے: جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے وہ اسے بھی جانتا ہےاور جو کچھ اس سے باہر نکلتا ہے وہ اس سے بھی آگاہ ہے۔

ہاں!وہ جانتا ہے بارش کے تمام قطرات اور سیلاب کی موجوں کو جو زمین کی گہرائیوں میں داخل ہوتی ہیں اور نفوذ ناپذیر طبقہ تک پہنچتی ہیں اور وہاں مجتمع ہوجاتی ہیں اور انسانوں کے لیے ذخیرہ بن جاتی ہیں۔

وہ باخبر ہے گیاہ اور سبزہ زاروں کے دانوں سے کہ جو ہوا یا حشرات الارض کی مدد سے وسیع وعریض زمین میں بکھر جاتے ہیں اور زمین کے اندر داخل ہوجاتے ہیں اور ایک دن سرسبز درخت یا ہرے بھرے گیاہ اور سبزے میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔

وہ باخبر ہے درختوں کی جڑوں سے، کہ جس وقت وہ پانی اور غذا کی تلاش میں زمین کی گہرائیوں میں چلی جاتی ہیں۔

برقی لہروں سے،مختلف گیسوں اور ہوا کے ذرات سے، کہ جو زمین کے اندر نفوذ کرتے ہیں ان جانداروں سے جو زمین کے اندر داخل ہوجاتے ہیں اوراسے زندگی بخشتے ہیں، نیز خزانوں، دفینوں اور مردہ چیزوں کے بدنوں سے،خواہ وہ انسان ہوں یا غیرانسان، کہ جو اس زمین میں دفن ہیں۔ہاں!وہ ان سب سے باخبر ہے۔

اسی طرح ان گیاہوں اور سبزوں سے کہ جو زمین سے نکلتے ہیں۔ان انسانوں سے کہ جو اس سے اٹھے (پیدا ہوئے) ہیں،ان چشموں سے جو اس سے پھوٹتے ہیں،ان گیسوں سے جو اس سے اٹھتی ہیں،ان آتش فشاں پہاڑوں سے کہ جو اس سے بھڑکتے ہیں اور ان

حشرات سے کہ جو زمین کے اندر بل رکھتے ہیں اور اپنے سر باہر نکالتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ان تمام موجودات سے، کہ جو زمین کی گہرائیوں سے باہر نکلتی ہیں، خواہ ہم ان میں سے کسی کو جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں، وہ ان تمام پر مطلع اور سب سے آگاہ ہے۔ اس کے بعد مزید فرماتا ہے: وہ ان تمام چیزوں سے کہ جو آسمان سے نازل ہوتی ہیں یا آسمان کی طرف اوپر جاتی ہیں، باخبر ہے۔

بارش کے قطروں سے، سورج کی حیات بخش شعاعوں سے، وحی اور آسمان شریعتوں کی طاقتور موجوں سے، ان فرشتوں سے جو تبلیغ رسالت یا دوسرے کاموں کی انجام دہی کے لیے زمین پر نازل ہوتے ہیں ان کبریائی شعاعوں سے کہ جو فضا کے باہر سے زمین پر نازل ہوتی ہیں ان شہابوں اور فضا میں گھومنے والے سنگریزوں سے کہ جو زمین کی طرف (آتے ہوئے فضا میں) جذب ہو جاتے ہیں وہ ان سب سے آگاہ ہے۔

نیز بندوں کے اعمال سے کہ جو آسمان کی طرف عروج کرتے ہیں۔ ان فرشتوں سے کہ جو اپنی پیغام رسانی کا فریضہ انجام دینے کے بعد آسمانوں کی طرف لوٹتے ہیں، ان شیاطین سے کہ جو باتیں چرانے کے لیے آسمانوں کی طرف جاتے ہیں۔ ان بخارات سے کہ جو سمندروں سے اٹھتے ہیں اور آسمان کی بلندی پر جا کر بادل بناتے ہیں اس آہ و فریاد سے کہ جو کسی مظلوم کے دل سے اٹھتی ہے اور آسمان کی طرف بلند ہوتی ہے، ہاں: وہ ان تمام چیزوں سے آگاہ ہے۔

آخر میں مزید کہتا ہے: وہ رحیم ہے اور غفور مہربان اور بخشنے والا۔

(۳) وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَ رَبِّىْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِى الْاَرْضِ وَ لَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۙ	کافروں نے کہا: قیامت ہرگز ہمارے پاس نہیں آئے گی، تم کہہ دو: ہاں! مجھے اپنے پروردگار کی قسم وہ ضرور تمہارے پاس آئے گی وہ خدا کہ جو غیب سے آگاہ ہے، آسمانوں اور زمین میں نہ تو ایک ذرہ کے برابر کوئی چیز اس سے مخفی رہے گی، نہ اس سے کچھ چھوٹی نہ اس سے زیادہ بڑی، مگر یہ کہ وہ کتاب مبین میں ثبت ہے۔
(۴) لِّيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ	تا کہ وہ ان لوگوں کو کہ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل انجام دیئے، جزا دے، ان کے لیے بخشش اور باعزت روزی ہے۔

(۵)وَ الَّذِیۡنَ سَعَوۡا فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ اُولٰٓئِکَ لَهُمۡ عَذَابٌ مِّنۡ رِّجۡزٍ اَلِیۡمٌ	وہ لوگ کہ جو ہماری آیات (کی تکذیب) کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اورانہوں نے یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہماری قدرت سے باہر ہیں ان کے لیے برا اور دردناک عذاب ہوگا۔

تفسیر

پروردگار کی قسم قیامت آکے رہے گی

گزشتہ آیات اس حالت کے باوجود، کہ وہ توحیداور خدا کی صفات کو بیان کرتی تھیں، وہ مسئلہ معاد کے لیے بھی زمین کو ہموار کررہی تھیں، کیونکہ جیسا کہ ہم دیکھیں گے معاد کی بحث کی مشکلات خدا کے لیے بے پایاں علم کے طریق کے سواحل نہیں ہوتیں۔

اس لیے زیر بحث آیت میں پہلے کہتا ہے: کافروں نے کہا یہ جھوٹ ہے کہ کوئی قیامت ہمیں پیش آنے والی ہے، ہرگز قیامت ہمارے پاس نہیں آئے گی۔

وہ یہ چاہتے تھے کہ وہ آزادی کے ساتھ جو کام ان کا دل چاہے کرتے رہیں اوراس امید پر کہ حساب وکتاب اور عدل و انصاف تو کچھ ہوگا ہی نہیں لہٰذا جو کام بھی ان سے ہوسکے کرلیں۔

لیکن چونکہ قیامت کے دلائل واضح وروشن ہیں، لہٰذا قرآن ایک قاطع اور دوٹوک جملہ کے ساتھ یہاں نتیجہ کی صورت میں پیغمبر سے کہتا ہے کہ:: کہہ دو کہ ہاں! میرے پروردگار کی قسم کہ قیامت تم سب کے پاس ضرور آئے گی۔

لفظ ''رب'' پر انحصار اس سبب سے ہے، کیونکہ قیامت ربوبیت کے افعال میں سے ایک فعل اور ایک شان ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ خدا انسان کا مالک ومربی تو ہو، اور انہیں ارتقائی منازل میں آگے بھی بڑھائے لیکن انہیں بیچ میں ادھورا چھوڑ دے، اور ان کے مرتے ہی تمام چیزیں ختم ہوجائیں۔

چونکہ معاد کی مخالفت کرنے والوں کے اعتراضات میں سے ایک یہ تھا کہ جب انسان کا بدن مٹی ہوجائے گا اور اس کے جزائے بند اطراف زمین میں بکھر جائیں گے، تو کون انہیں پہچان سکے گا اور کون انہیں اکھٹا کرسکے گا۔ اور نئی زندگی کی طرف پلٹا سکے گا؟ دوسری طرف کون ایسا ہے کہ جو بندوں کے تمام پنہاں وآشکار اور اندرونی و بیرونی اعمال کو محفوظ رکھ سکے اور برموقع ان کا حساب کرسکے؟ لہٰذا اس آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے کہ وہ تمام پوشیدہ امور سے باخبر ہے، اور نہ تو تمام آسمانوں میں اور نہ ہی زمین میں، ایک ذرہ کی مقدار کے برابر بھی، اس کے بے پایاں علم کے سامنے چھپا ہوا نہیں رہے گا۔

اورنہ تو کوئی چیز ذرہ سے چھوٹی، اورنہ ہی اس سے بڑی ایسی ہے، کہ جو سب کی سب کتاب مبین میں ثبت وضبط نہ ہو۔

(۴) اس کے بعد دوآیات میں قیامت کے قیام کا مقصد بیان کرتا ہے، یا دوسرے لفظوں میں منکرین کے لیے موجودہ جہاں کے بعد اس قسم کے ایک عالم کے ضروری اور لازمی ہونے کی دلیل کو بیان کرتا ہے، اور فرماتا ہے: اس سے مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل انجام دیئے ہیں۔ انہیں جزا دے۔

ہاں! ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔

اگر مومنین کو ان کے نیک عمل کی جزا نہ ملے، تو کیا اصل عدالت کہ جو خلقت کا انتہائی بنیادی اصول ہے معطل نہیں ہو جائے گی؟

(۵) چونکہ عدالت کا دوسرا حصہ گنہگاروں اور مجرموں کو سزا دینے سے متعلق ہے اس لئے اس آیت میں مزید کہتا ہے: وہ لوگ کہ جو ہماری آیات کی تکذیب اور ان کے ابطال وانکار کی کوشش میں لگے ہوئے تھے، اور یہ تصور کرتے تھے کہ وہ ہماری قدرت کے احاطہ سے باہر نکل سکتے ہیں تو ان کے لیے بدترین اور دردناک ترین عذاب ہوگا۔

(٦)وَ يَرَى الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ هُوَ الۡحَقَّ ۙ وَ يَهۡدِىۡۤ اِلٰى صِرَاطِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَمِيۡدِ	اور وہ لوگ کہ جو علم رکھتے ہیں، وہ تو اس چیز کو، کہ جو تیرے پروردگار کی طرف سے تجھ پر نازل ہوئی ہے، حق سمجھتے ہیں اور یہ کہ وہ عزیز وحمید خدا کے راستہ کی طرف ہدایت کرتی ہے۔
(٧)وَ قَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا هَلۡ نَدُلُّكُمۡ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمۡ اِذَا مُزِّقۡتُمۡ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمۡ لَفِىۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ۚ	اور کافروں نے یہ کہا کہ کیا ہم تمہیں ایسا آدمی دکھائیں کہ جو اس بات کی خبر دیتا ہے کہ جس وقت تم (مرجاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور) بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے (تو دوبارہ) نئے سرے سے پیدا کیے جاؤ گے؟
(٨)اَفۡتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمۡ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ فِى الۡعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الۡبَعِيۡدِ	کیا اس نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھا ہے؟ یا اسے کسی قسم کا جنون ہے؟ (ایسا نہیں ہے) بلکہ وہ لوگ کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ عذاب اور بہت بڑی گمراہی میں ہیں۔

کیا انہوں نے اپنے آگے اور پیچھے آسمان وزمین سے متعلق چیزوں پر نظر نہیں کی؟ اگر ہم چاہیں تو انہیں (ایک زلزلہ سے) زمین میں دھنسا دیں، یا آسمان سے (پتھر کا) کوئی ٹکڑا ان پر گرا دیں، اس میں ہر توبہ کرنے والے بندے کے لیے (خدا کی قدرت کی) واضح نشانی موجود ہے۔	(۹) اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَیْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِیْبٍ ۠

تفسیر

علماء تیری دعوت کو حق سمجھتے ہیں

گزشتہ آیات میں ایسے جاہل دل کے اندھوں کے بارے میں گفتگو تھی، کہ جو ان تمام دلائل کے باوجود، قطعی طور پر معاد کا انکار کرتے تھے، اور آیات الٰہی کو جھٹلانے اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ اسی مناسبت سے زیر بحث آیات میں ان علماء اور صاحبان فکر ونظر کے بارے میں گفتگو کرتا ہے، کہ جو آیات الٰہی کی تصدیق اور دوسروں کو انہیں قبول کرنے کا شوق دلاتے ہیں، فرماتا ہے، وہ لوگ کہ جو علم رکھتے ہیں، وہ تو اس کو کہ جو تیرے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے حق سمجھتے ہیں اور عزیز وحمید پروردگار کے راستہ کی طرف ہدایت کرنے والا جانتے ہیں۔

''الذین اوتوا العلم'' کا جملہ ہر زمانے کے علماء اور صاحبان فکر ونظر کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔

موجودہ زمانہ میں مغربی اور مشرقی علماء اور دانشمندوں کی طرف سے اسلام اور قرآن کے بارے میں مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں کہ جن میں اسلام کی عظمت اور اوپر والی آیت کی صداقت پر بہت ہی بلیغ واضح اور روشن اعتراضات نظر آتے ہیں۔

(۷) اس آیت میں قرآن دوبارہ قیامت اور معاد کے مسئلہ کی طرف پلٹتا ہے اور گزشتہ بحثوں کی ایک دوسری شکل میں تکمیل کرتے ہوئے فرماتا ہے، کافروں نے کہا کیا ہم تمہیں ایسا آدمی دکھائیں کہ جو اس بات کی خبر دیتا ہے کہ جس وقت تم سب کے سب مٹی ہو جاؤ گے اور تمہارے بدن کے ذرات ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے اور ہر ذرہ کسی گوشہ میں ٹھکانا بنا لے گا (یا شاید کسی حیوان یا کسی دوسرے انسان کے بدن کا جزو ہو جائے گا) تو تم دوبارہ ایک نئی خلقت وآفرینش میں پلٹ آؤ گے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ معاد پر ان کے انکار کے اصرار کی دو باتیں تھیں، پہلی بات یہ تھی کہ وہ یہ گمان کرتے تھے کہ وہ معاد کہ جسے پیغمبر اسلام ﷺ بیان کر رہے ہیں (معاد جسمانی) ایک ایسا مطلب ہے کہ جس کو آسانی کے ساتھ رد کیا جا سکتا ہے۔

دوسری بات یہ تھی کی معاد کا اعتقاد یا احتمالی طور پر اسے قبول کر لینا، بہر حال انسان میں مسئولیت اور ذمہ داری پیدا کرتا ہے اور اسے حق کی سوچ اور جستجو کے لیے آمادہ کرتا ہے اور یہ ایک ایسا مطلب تھا کہ جو کفر کے سرغنوں کے لیے سخت خطرناک شمار ہوتا تھا۔

(۸) تعجب کی بات تو یہ ہے کہ وہ اسی بات کو اس کے کہنے والے کی دروغ گوئی یا جنون کی دلیل قرار دیتے تھے اور وہ یہ کہتے

تھے۔کیا اس نے خدا پر جھوٹ بہتان بندھا ہے یا اسے کسی قسم کا جنون ہے۔

لیکن قرآن قطعی اور دوٹوک طریقہ سے انہیں اس طرح جواب دیتا ہے: یہ بات نہیں ہے نہ تو وہ دیوانہ ہے اور نہ ہی جھوٹا، بلکہ وہ لوگ کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ عذاب اور انتہائی گمراہی میں ہیں۔

اس سے زیادہ واضح اور آشکار گمراہی اور کیا ہوگی، کہ انسان معاد کا منکر ہو جائے۔ واقعاً اگر زندگی دنیا کی عمر کے انہیں چند دنوں میں محدود ہوتی تو موت کا تصور ہی ہر شخص کے لیے ایک وحشتناک عذاب بن جاتا، اسی وجہ سے منکرین معاد ہمیشہ ایک قسم کی جانکاہ پریشانی اور دردناک عذاب کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں، جبکہ معاد پر ایمان رکھنے والے موت کو عالم بقا کے لیے ایک دریچہ اور قفس دنیا کے ٹوٹنے اور اس قید خانے سے آزاد ہونے کا ایک وسیلہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں۔

(۹) اس کے بعد معاد کے بارے میں ایک دلیل ایسی دلیل کہ جو ہٹ دھرم غافلوں کو جھنجھوڑنے والی ہے بحث کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے کہ کیا انہوں نے اپنے آگے اور پیچھے آسمان وزمین سے متعلق چیزوں پر نظر نہیں کی؟

یہ باعظمت آسمان ان تمام ثابت وسیار ستاروں کے ساتھ اسی طرح زمین، اپنی تمام عجیب وغریب اور انواع واقسام کے زندہ موجودات وبرکات اور اس کے مواہب کے ساتھ، آفریدگار کی قدرت کی واضح ترین بولتی ہوئی دلیلیں ہیں۔

یہ وہی برہان قدرت ہے کہ جس کے ساتھ قرآن کی دوسری آیات میں منکرین معاد کے مقابلہ میں استدلال ہوا ہے، منجملہ ان کے سورہ یٰسین کے آخر آیہ ۸۲ میں اور سورہ اسراء آیہ ۹۹ اور سورہ ''ق'' کی آیہ ۶، ۷ میں بھی استدلال ہوا ہے۔

ضمنی طور پر یہ جملہ، ان متعصب دل کے اندھوں کی تہدید کے لیے، کہ جو اس بات پر مصر ہیں کہ تمام حقائق سے آنکھیں بند کر لیں، ایک مقدمہ اور تمہید ہے، لہٰذا اس کے بعد فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو زمین کو یہ حکم دے دیں کہ وہ ان کے جسم کو نگل لے ایک ایسا زلزلہ آئے کہ جس سے زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں دفن ہو جائیں۔

اور اگر ہم چاہیں تو یہ حکم دے دیں کہ آسمانی پتھروں کے ٹکڑے ان پر برسنے لگیں اور خود انہیں بھی اور ان کے گھربار اور ان کی زندگی کو بھی درہم برہم کر دیں۔

ہاں! اس بات میں خدا کی قدرت اور ہر چیز پر اس کی توانائی کی واضح اور روشن نشانی موجود ہے، لیکن (یہ نشانی) ہر اس بندے کے لیے ہے کہ جو خدا کی طرف رجوع کرے اور اس میں غور وفکر کرے۔

(۱۰) وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَهٗ وَ الطَّیۡرَ ۚ وَ اَلَنَّا لَهُ الۡحَدِیۡدَ ۙ	ہم نے داؤد کو اپنے فضل سے ایک عظیم نعمت بخشی (ہم نے پہاڑوں اور پرندوں کو حکم دیا) اے پہاڑو اور اے پرندو! تم اس کے ساتھ ہم آواز ہو جاؤ (اور اس کے ساتھ خدا کی تسبیح کہو) اور ہم نے لوہے کو اس کے لیے نرم کر دیا۔

(۱۱)اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ	(اور ہم نے انہیں حکم دیا کہ تم) کامل اور فراخ زرہیں بناؤ، اور حلقوں کو مناسب اندازے سے بناؤ، اور صالح اور نیک عمل بجالاؤ، یقیناً میں تمہارے عمل کو دیکھ رہا ہوں۔

تفسیر

داؤد علیہ السلام پر خدا کے عظیم انعامات

چونکہ گزشتہ بحث کی آخری آیت میں گفتگو عبد منیب اور توبہ کرنے والے بندے کے بارے میں تھی، اور ہم جانتے ہیں کہ یہ توصیف بعض آیات میں (سورہ ص آیہ ۲۴) داؤد پیغمبر کے لئے جس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ بیان ہوگی۔ ذکر ہوئی ہے، اس بناء پر بہتر معلوم ہوتا ہے، کہ اس عظیم پیغمبر اور ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السلام کے حالات کا ایک گوشہ نمونہ کے طور پر بیان کیا جائے اور گزشتہ بحث مکمل ہو جائے، اور ضمنی طور پر یہ بات ان تمام افراد کے لیے ایک تنبیہ ہو کہ جو خدا کی نعمتوں کو فراموش کر دیتے ہیں اور جس وقت تخت اقتدار پر بیٹھتے ہیں تو پھر وہ خدا کے بندے ہی نہیں رہتے۔

پہلی آیت میں کہتا ہے ہم نے داؤد کو اپنے فضل سے ایک نعمت بخشی تھی۔

اس اجمالی اشارہ کے بعد اس کی تفصیل شروع ہوتی ہے اور ان کے کچھ معنوی فضائل اور چند مادی فضائل اس طرح بیان کرتا ہے۔ ہم نے پہاڑوں سے کہا کہ تم داؤد کے ساتھ ہم آواز ہو جاؤ۔ اور اسی طرح اے پرندو! تم بھی اس کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملاؤ۔ اور جس وقت وہ خدا کا ذکر اور تسبیح کرے تو تم بھی زمزمہ سرائی کرو۔

ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ:

> ''داؤد دشت و بیابان کی طرف نکلے اور جس وقت آپ زبور کی تلاوت کرتے تو کوئی پہاڑ اور پتھر اور پرندہ ایسا نہ تھا کہ جو ان کے ساتھ ہم آواز نہ ہوتا ہو''۔

اس معنوی فضیلت کا ذکر کرنے کے بعد ایک مادی فضیلت کا بیان شروع کرتے ہوئے کہتا ہے اور ہم نے اس کے لیے لوہے کو نرم کر دیا۔

آیت کا ظاہر یہ ہے کہ لوہے کا داؤد کے ہاتھ میں نرم ہونا، خدا کے حکم سے اور معجزانہ صورت میں انجام پذیر ہوتا تھا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ خدا نے داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ: تم ایک اچھے آدمی ہو، مگر تم بیت المال سے اپنی روزی حاصل کرتے ہو۔ داؤد علیہ السلام چالیس دن تک روتے رہے۔

(اور خدا سے اس کے حل کی درخواست کی) تو خدا نے لوہے کو ان کے لیے نرم کر دیا اور ہر روز ایک زرہ بنا لیتے تھے............ اور اس طرح سے وہ بیت المال سے بے نیاز ہو گئے۔

(۱۱) یہ آیت داؤد کے زرہ بنانے اوراس سلسلے میں پروردگار کے بہت ہی پر معنی فرمان کی شرح ہے کہتا ہے ہم نے اس سے کہا کہ مکمل زرہیں بناؤ اوراس کے حلقوں کو اندازے کے ساتھ اور مناسب رکھو۔

درحقیقت خدا، داؤد علیہ السلام کو ایسا حکم دے رہا ہے کہ جو ساری دنیا جہان کے باایمان صنعت کاروں اور کاریگروں کے لئے ایک نمونہ ہو، یہ مصنوعات میں پختہ کاری ومضبوطی اوران کی کیفیت وکمیت میں انتہائی احتیاط برتنے کا حکم ہے، تاکہ انہیں استعمال کرنے والے اچھی طرح اورراحت وسکون کے ساتھ اس سے استفادہ کرسکیں اور کامل استحکام سے فائدہ اٹھائیں۔

آیت کے آخر میں داؤد علیہ السلام اوران کے خاندان کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ عمل صالح بجالاؤ، کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو میں اسے دیکھ رہا ہوں۔

زرہ بنانے کا مقصد آمدنی کا حصول نہیں ہے۔اصل مقصد عمل صالح ہے اور یہ چیزیں اس راہ میں ایک وسیلہ اور ذریعہ ہیں، کہ جن سے داؤد علیہ السلام بھی فائدہ اٹھاتے تھے اوران کا خاندان بھی۔

(۱۲)وَ لِسُلَیۡمٰنَ الرِّیۡحَ غُدُوُّهَا شَهۡرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهۡرٌ ۚ وَ اَسَلۡنَا لَهٗ عَیۡنَ الۡقِطۡرِ ؕ وَ مِنَ الۡجِنِّ مَنۡ یَّعۡمَلُ بَیۡنَ یَدَیۡهِ بِاِذۡنِ رَبِّهٖ ؕ وَ مَنۡ یَّزِغۡ مِنۡهُمۡ عَنۡ اَمۡرِنَا نُذِقۡهُ مِنۡ عَذَابِ السَّعِیۡرِ	اورہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کردیا تھا کہ وہ صبح کے وقت بھی ایک مہینہ کی راہ طے کیا کرتی، اور شام کے وقت بھی ایک مہینے کی راہ طے کرتی تھی، اور ہم نے ان کے لیے تابنے کا چشمہ جاری کردیا تھا، اور خدا کے حکم سے جنوں کا ایک گروہ ان کی خدمت میں کام سرانجام دیا کرتا تھا، اوران میں سے جو کوئی ہمارے حکم سے روگردانی کرتا تھا، تو ہم اسے جلانے والی آگ کا مزہ چکھاتے تھے۔
(۱۳)یَعۡمَلُوۡنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنۡ مَّحَارِیۡبَ وَ تَمَاثِیۡلَ وَ جِفَانٍ کَالۡجَوَابِ وَ قُدُوۡرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ	جو کچھ سلیمان چاہتے تھے وہ ان کے لیے بناتے رہتے تھے، عبادت خانے، تصویریں (یا مورتیاں)، کھانے کے لیے بڑے بڑے حوض جیسے برتن اور ایک جگہ جمی ہوئی دیگیں (اور ہم نے ان سے کہا) اے آل داؤد! تم (ان نعمتوں کا) شکر بجالاؤ، لیکن میرے بندوں میں سے بہت کم لوگ شکر کرنے والے ہیں۔

(۱۴)فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ؕ	لیکن جب ہم نے ان کے لیے موت کا حکم جاری کر دیا، تو کسی نے بھی اس کے مرنے کی انہیں خبر نہ دی سوائے زمین پر چلنے والی (دیمک) کے کہ جو اس کے عصا کو کھا رہی تھی، (یہاں تک کہ وہ عصا ٹوٹ گیا اور سلیمان کا جسم زمین پر آگرا) جب وہ زمین پر گرے تو اس وقت جنوں نے سمجھا کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو وہ اس ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔

تفسیر

سلیمان علیہ السلام کا جاہ وجلال اور ان کی عبرت انگیز موت

ان مواہب کی بحث کے بعد کہ جو خدا نے داؤد کو دیئے تھے، ان کے بیٹے سلیمان کا ذکر شروع کیا ہے۔ اور ان کے بارے میں تین عظیم نعمتوں کے متعلق بحث کرتا ہے، فرماتا ہے ہم نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تھا، جو صبح کے وقت بھی ایک ماہ کی راہ طے کرتی تھی اور عصر کے وقت بھی ایک ماہ کی راہ چلتی تھی۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ باپ کے لیے تو سخت اور حد سے زیادہ محکم جسم یعنی لوہے کو مسخر کرتا ہے اور بیٹے کے لیے بہت ہی لطیف موجود کو مسخر کیا ہے لیکن دونوں کام اصلاحی اور معجزہ نما ہیں۔ اور مفید ہیں۔

یہ بات کہ ہوا سلیمان علیہ السلام کی دستگاہ (اس کے تخت یا فرش کو) کس طرح چلاتی تھی، ہمارے لیے واضح نہیں ہے ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ کوئی چیز خدا کی قدرت کے مقابلہ میں مشکل اور پیچیدہ نہیں ہے۔

اس کے بعد سلیمان علیہ السلام کے لیے خدا کی دوسری نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے اور ہم نے اس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کیا۔

یہ بات صحیح طور پر ہمارے لیے واضح نہیں ہے ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ اس عظیم پیغمبر کے بارے میں خدا کے الطاف میں سے ایک یہ تھا۔ آخر میں سلیمان علیہ السلام کے لیے پروردگار کی تیسری موہبت ونعمت جنوں میں سے ایک بہت بڑے گروہ کے مسخر کیے جانے کو بیان کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے۔ اور خدا کے حکم سے جنوں کے گروہ اس کے سامنے اس کے لیے کام کیا کرتا تھا۔

اور جب ان میں سے کوئی ہمارے حکم سے سرتابی کرتا تھا تو ہم اسے جلانے والی آگ کے ساتھ سزا دیتے تھے۔

(۱۳) اس آیت میں جنوں کے اہم تولیدی کاموں کے ایک حصہ کی طرف جو وہ سلیمان کے حکم سے انجام دیتے تھے۔ اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ سلیمان جو کچھ بھی چاہتے تھے وہ ان کے لیے عبادت خانوں، تمثالوں، حوض کے مانند بڑے بڑے کھانوں کے برتنوں اور زمین پر ثابت (جمی ہوئی یا گڑی ہوئی) دیگوں سے تیار کر کے دیتے تھے۔

ان میں سے ایک حصہ تو معنوی اور عبادت کے مسائل سے مربوط تھا، اور ایک حصہ انسانوں کی جسمانی ضروریات اور ان کے عظیم لشکریوں اور کارکنوں کی جمعیت کے ساتھ تعلق رکھتا تھا۔

آیت کے آخر میں ان نعمتوں کا ذکر کرنے کے بعد داؤد کی اولاد سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے: اے آل داؤد علیہ السلام! شکرگزاری کرو۔

لیکن میرے بندوں میں سے بہت ہی تھوڑے لوگ شکر کرنے والے ہیں۔

(۱۴) یہ آیت اس حال میں کہ وہ سلیمان علیہ السلام کے بارے میں بھی، آخری گفتگو ہے خدا کے اس عظیم پیغمبر کی عجیب وغریب اور عبرت انگیز موت کے بارے میں گفتگو کر رہی ہے اور اس حقیقت کو روشن کر رہی ہے کہ اتنے باعظمت پیغمبر اور قدرت رعب اور دبدبہ رکھنے والے حکمران نے اپنی جان کس طرح آسانی کے ساتھ جان آفرین کے سپرد کر دی۔ فرماتا ہے: جب ہم نے سلیمان کے لیے موت کا حکم نافذ کر دیا تو کسی نے بھی لوگوں کو اس کی موت سے آگاہ نہ کیا مگر زمین پر رینگنے والے نے کہ جس نے اس کے عصا کو کھا لیا یہاں تک کہ اس کا عصا ٹوٹ گیا اور سلیمان کا پیکر نیچے گر پڑا۔

لہٰذا اس کے بعد مزید کہتا ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام گرے تو اس وقت جنات سمجھے کہ اگر وہ غیب سے آگاہ ہوتے تو ذلیل کرنے والے عذاب میں گرفتار نہ رہتے۔

(۱۵) لَقَدۡ كَانَ لِسَبَاٍ فِیۡ مَسۡكَنِهِمۡ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنۡ یَّمِیۡنٍ وَّ شِمَالٍ ۬ؕ كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ وَ اشۡكُرُوۡا لَهٗ ؕ بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوۡرٌ	قوم سبا کے لیے ان کی سکونت کی جگہ میں (قدرت الٰہی کی) ایک نشانی تھی، دو (عظیم اور وسیع) باغ دائیں اور بائیں (فراواں پھلوں کے ساتھ ہم نے ان سے کہا:) اپنے پروردگار کی روزی میں سے کھاؤ اور اس کا شکر بجالاؤ (تمہارے لیے) پاک و پاکیزہ شہر اور بخشنے والا (اور مہربان) پروردگار ہے۔

(۱۶)فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمۡ سَیۡلَ الۡعَرِمِ وَ بَدَّلۡنٰہُمۡ بِجَنَّتَیۡہِمۡ جَنَّتَیۡنِ ذَوَاتَیۡ اُکُلٍ خَمۡطٍ وَّ اَثۡلٍ وَّ شَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِیۡلٍ	لیکن وہ (خدا سے) روگردان ہو گئے، تو ہم نے بھی ویران کرنے والا سیلاب ان کی طرف بھیج دیا، اوران کے دو (با برکت) باغوں کو ایسے دو (گھٹیا قسم کے) باغوں کے ساتھ بدل دیا کہ جن کے پھل کڑوے تھے کچھ جھاؤ تھے، اور تھوڑے سے بیری کے درخت (باقی رہ گئے تھے)۔
(۱۷)ذٰلِکَ جَزَیۡنٰہُمۡ بِمَا کَفَرُوۡا ؕ وَ ہَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا الۡکَفُوۡرَ	یہ ہم نے ان کے کفر کی وجہ سے انہیں سزا دی تھی، اور کیا کفر ان نعمت کرنے والوں کے سوا ہم کسی اور کو ایسی سزا دیتے ہیں؟

تفسیر

ایک درخشان تمدن جو کفران نعمت کی وجہ سے برباد ہو گیا

خدا نے داؤد و سلیمان علیہما السلام کو جو اہم نعمتیں عطا کی تھیں اوران دونوں پیغمبروں نے جس طرح سے ان کا شکر ادا کیا تھا ان کا بیان کرنے کے بعد ایک اور قوم کے بارے میں کہ جوان کے نقطہ مقابل میں قرار پائی تھی گفتگو کر رہا ہے اور شاید وہ اسی زمانہ میں یا تھوڑا اسا ان کے بعد زندگی بسر کرتے تھے وہ بھی ایک ایسی قوم تھی کہ خدا نے انہیں انواع واقسام کی نعمتیں عطا فرمائی تھیں۔لیکن انہوں نے کفران نعمت کی راہ اختیار کر لی۔

اور وہ قوم سبا تھی قرآن مجید نے ان کی عبرت انگیز سرگزشت پانچ آیتوں کے ضمن میں بیان کی ہے اوران کی زندگی کے جزئیات وخصوصیات کے اہم حصہ کی طرف انہیں پانچ مختصر آیات میں اشارہ کیا ہے۔

پہلے کہتا ہے قوم سبا کے لیےان کے محل سکونت میں خدائی قدرت کی ایک نشانی تھی۔

مشہور یہ ہے کہ ''سبا'' یمن کے اعراب کے باپ کا نام ہے۔لیکن ممکن ہے کہ ابتداء میں ''سبا'' کسی شخص کا نام ہو، پھراس کے تمام بیٹے اور قوم اس نام سے موسوم ہوئے ہوں اوراس کے بعد یہ نام اس سرزمین کی طرف بھی منتقل ہو گیا ہو۔

اس کے بعد قرآن اس خدائی آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہ جو قوم سبا کے اختیار میں قرار پائی تھی۔اس طرح کہتا ہے دو بڑے باغ تھے دائیں اور بائیں طرف۔

یہ ماجرا اس طرح تھا کہ قوم سبا اس عظیم بند کے ذریعہ...... جو انہوں نے اس علاقہ کے اہم پہاڑوں کے درمیان بنایا

تھا...... اس بات پر قادر ہوگئی تھی کہ ان فرواں سیلابوں کواس بند کے پیچھے ذخیرہ کرلیں اوراس طرح سے وسیع وعریض زمینوں کو زیر کاشت لائیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے:''ہم نے ان سے کہا کہ اپنے برورد گار کی اس فراواں روزی میں سے کھاؤاوراس کا شکرادا کرو''۔

''ایک پاک وپا کیزہ شہر ہےاور پرورد گار بخشنے والا اورمہربان''۔

مادی نعمتوں کے لحاظ سے اس سرزمین پر پاک و پا کیزہ ہوائیں چلتی تھیں اورفرحت بخش نسیم رواں تھی زمین زرخیز تھی اور درخت پر بار تھے۔اور معنوی نعمت کے لحاظ سے خدا کی بخشش وغفران ان کے شامل حال تھی وہ ان کی تقصیر وکوتاہی سے صرف نظر کرتا تھا اورانہیں مشمول عذاب اوران کی سرزمین کو بلاومصیبت میں گرفتار نہیں کرتا تھا۔

لیکن ان ناشکرے لوگوں نے ان تمام نعمتوں کی قدردانی نہیں کی اورآزمائش کی کٹھالی سے صحیح وسالم باہر نہ آسکے۔

(١٦) لہٰذا زیرنظر دوسری آیت میں فرماتا ہے:وہ خدا سے روگرداں ہوگئے۔

انہوں نے خدا کی نعمتوں کی ناقدری کی عمران وآبادی اورامن وامان کو عام سی چیز خیال کیا حق تعالیٰ کی یاد سے غافل ہوگئے نعمت میں مست ہوگئے۔ یہ وہ موقع تھا کہ عذاب کا کوڑا ان کے پیکر پرآکر پڑا جیسا کہ قرآن کہتا ہے ہم نے بنیادوں کو اکھاڑ کر پھینک دینے والا وحشتناک سیلاب ان کے پاس بھیجااوران کی آباد سرزمین ایک ویرانے میں بدل گئی۔

اس کے بعدقرآن اس سرزمین کی باقی ماندہ حالت وکیفیت کی اس طرح سے توصیف کرتا ہے ہم نے ان کے دووسیع اور پر نعمت باغوں کودو بے قدرو قیمت کڑوے پھلوں والےاورجھاؤ کے بے مصرف درختوں اورتھوڑے سے بیری کے درختوں میں بدل گیا۔

اب تم اس کی مجمل داستان کو پڑھنے کے بعدخود ہی ان کی مفصل داستان کا اندازہ لگالو،کہ خودان کے اوپراوران کی آباد سرزمین پر کیا گزری؟

(١٧)اس آیت میں نتیجہ نکالتے ہوئےصراحت کےساتھ کہتا ہے کہ ہماری طرف سےان کے کفران نعمت کی سزاتھی۔

لیکن اس غرض سے کہ کہیں یہ تصور نہ کرلیا جائے کہ یہ انجام صرف اسی گروہ کے ساتھ مخصوص تھا بلکہ ان تمام لوگوں کے لیے کہ جوان ہی جیسے اعمال کے مرتکب ہوں گے اس کی عمومیت مسلم ہےاس طرح اضافہ کرتا ہے کیا ہم کفران نعمت کرنے والوں کے سوا کسی اورکواس قسم کی سزادیتے ہیں۔

(۱۸)وَ جَعَلۡنَا بَیۡنَہُمۡ وَ بَیۡنَ الۡقُرَی الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡہَا قُرًی ظَاہِرَۃً وَّ قَدَّرۡنَا فِیۡہَا السَّیۡرَ ؕ سِیۡرُوۡا فِیۡہَا لَیَالِیَ وَ اَیَّامًا اٰمِنِیۡنَ	ان کے درمیان اوران بستیوں کے درمیان کہ جنہیں ہم نے برکت دے رکھی تھی ہم نے کچھ ایسی اور آبادیاں بھی رکھی تھیں جن میں ایسے مناسب اور نزدیک فاصلے تھے (کہ ایک سے دوسری دکھائی دیتی تھی) اور ان کے درمیان چلنے پھرنے کو آسان بنادیا تھا (اور ہم نے ان سے کہا) کہ تم مکمل امن وامان کے ساتھ راتوں میں بھی اور دنوں میں بھی ان آبادیوں کے درمیان سفر کرو۔
(۱۹)فَقَالُوۡا رَبَّنَا بٰعِدۡ بَیۡنَ اَسۡفَارِنَا وَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ فَجَعَلۡنٰہُمۡ اَحَادِیۡثَ وَ مَزَّقۡنٰہُمۡ کُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ	لیکن ان ناشکرے لوگوں نے کہا: پروردگارا! ہمارے سفروں کے درمیان دوری ڈال دے اور (اس طرح) سے انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا اور ہم نے انہیں (دوسروں کے لیے) قصہ اور افسانہ بنادیا اور ہم نے ان کی جمعیت کو منتشر اور تتر بتر کردیا اس ماجرا میں ہر صابر اور شکر کرنے والے کے لیے عبرت کی کئی اور نشانیاں ہیں۔

تفسیر

قوم سبا کا عبرت انگیز انجام

ان آیات میں قرآن دوبارہ قوم سبا کی داستان کی طرف لوٹتا ہے اوران کے بارے میں مزید تشریح وتفصیل بیان کرتا ہے اور ان کی سزا اور عذاب کو بھی زیادہ شرح وبسط کے ساتھ پیش کرتا ہے اس طرح سے کہ یہ ہر سننے والے کے لیے ایک ایسا درس ہے جو بہت اہم سبق آموز اور تربیت کنندہ ہے فرماتا ہے کہ ہم نے ان کی سرزمین کو اس حد تک آباد کیا تھا کہ نہ صرف ہم نے شہروں کو غرق نعمت کیا ہوا تھا بلکہ ان کے اوران کی ان زمینوں کے درمیان کہ جنہیں ہم نے برکت دے رکھی تھی ظاہراً ایک دوسرے کو دکھائی دینے والے اور آشکار شہر اور آبادیاں قرار دیا تھا۔

درحقیقت ان کے اوران کی مبارک سرزمین کے درمیان متصل اور زنجیر کی کڑیوں کی طرح آبادیاں تھیں اوران آبادیوں کے درمیان اتنا کم فاصلہ تھا کہ وہ ہر ایک میں سے دوسری کو دیکھتے تھے اور یہ ہے "قری ظاھرۃ" واضح وآشکار آبادیوں کا معنی۔

مبارک زمینوں سے مراد ''صنعاء یا مآرب'' کی آبادیاں ہیں کہ یہ دونوں ہی یمن کے علاقہ میں واقع ہیں۔

لوگوں کا آباد ہونا ہی کافی نہیں ہوتا، بلکہ اہم اور بنیادی شرط امن وامان ہوتا ہے لہٰذا مزید کہتا ہے: ہم نے ان آبادیوں کے درمیان مناسب اور نزدیک نزدیک فاصلے رکھے۔ (تاکہ وہ آسانی اور امن وامان کے ساتھ ایک دوسری میں آجاسکیں۔

اور ہم نے ان سے کہا تم ان بستیوں کے درمیان راتوں میں اور دنوں میں پورے امن وامان کے ساتھ سفر کرو اور ان آبادیوں میں چلو پھرو۔

(۱۹) لیکن یہ ناشکرے لوگ خدا کی ان عظیم نعمتوں کے مقابلہ میں غرور وغفلت میں گرفتار ہوگئے۔ حق کے راستے سے منحرف اور خدا کے احکام کی طرف سے بے پروا ہوگئے۔ ان کے مجنونانہ تقاضوں میں سے ایک یہ تھا کہ انہوں نے خدا سے یہ مطالبہ کیا کہ ان کے سفروں کے درمیان فاصلہ ڈال دے۔ انہوں نے کہا پروردگارا! ہمارے سفروں کے درمیان فاصلہ ڈال دے تاکہ بے سہارا فقیر لوگ امراء کے دوش بدوش سفر نہ کرسکیں۔

ان کی مراد یہ تھی کہ ان آباد بستیوں کے درمیان فاصلہ ہوجائے اور کچھ خشک بیابان پیدا ہوجائیں اس کی وجہ یہ تھی کہ اغنیاء اور ثروت مند لوگ اس بات کے لیے تیار نہیں تھے کہ تھوڑی آمدنی والے لوگ بھی انہی کی طرف سفر کریں اور جہاں چاہیں بغیر کسی زاد راہ اور توشہ وسواری کے چلے جائیں گویا سفر ان کے لئے ایک اعزاز وافتخار اور ان کی قدرت وثروت کی نشانی تھا۔

بہرحال انہوں نے اپنے اس عمل سے اپنے اوپر ظلم کیا۔

ہاں! اگر وہ سوچ رہے تھے کہ وہ دوسروں پر ظلم کررہے تھے تو وہ غلطی پر تھے انہوں نے تو ایک ایسا خنجر اٹھایا ہوا تھا کہ جس سے وہ اپنے ہی سینہ کو زخمی کررہے تھے۔

کس قدر عمدہ تعبیر ہے قرآن اس جملہ کے بعد کہ جو ان کے دردناک انجام کے بارے میں بیان کیا ہے کہتا ہے ہم نے انہیں ایسی سزا دی اور ان کی زندگی کو لپیٹ کر رکھ دیا کہ انہیں ہم نے دوسروں کے لئے داستان اور افسانہ بنا دیا۔

ہاں! ان کی تمام تر بارونق زندگی اور درخشاں وسیع تمدن میں سے زبانی قصوں دلوں کی یادوں اور تاریخوں کے صفحات پر چند سطروں کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا اور ہم نے انہیں بری طرح سے حیران وپریشان کردیا۔

ان کی سرزمین ایسی ویران ہوئی کہ وہ اس بات پر مجبور ہوگئے کہ ان میں سے ہر گروہ کسی طرف کا رخ کرے ان کی پریشانی ضرب المثل بن گئی کہ جب کبھی لوگ یہ کہنا چاہتے کہ فلاں جمعیت سخت پراگندہ اور تتر بتر ہوگئی تو وہ یہ کہا کرتے تھے کہ: جب وہ قوم سبا اور ان کی نعمتوں کی طرح پراگندہ ہوگئے ہیں۔

اور آیات کے آخر میں فرماتا ہے یقیناً اس سرگزشت میں صبر اور شکر کرنے والوں کے لیے عبرت کی آیات اور نشانیاں ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے صبر واستقامت کی بناء پر ہوا وہوس کی سرکش سواری کو لگام دیتے ہیں اور گناہوں کے مقابلہ میں ڈٹے رہتے ہیں اور اپنی شکرگزاری کی وجہ سے خدا کی اطاعت کے راستہ میں آمادہ اور بیدار ہوتے ہیں اور اسی بناء پر اچھی طرح سے عبرت حاصل کرتے ہیں۔

(۲۰)وَ لَقَدۡ صَدَّقَ عَلَیۡہِمۡ اِبۡلِیۡسُ ظَنَّہٗ فَاتَّبَعُوۡہُ اِلَّا فَرِیۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	ہاں! یقیناً ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا گمان سچا پایا کہ سوائے مومنین کے ایک تھوڑے سے گروہ کے سب ہی نے اس کی پیروی کی۔
(۲۱)وَ مَا کَانَ لَہٗ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یُّؤۡمِنُ بِالۡاٰخِرَۃِ مِمَّنۡ ہُوَ مِنۡہَا فِیۡ شَکٍّ ؕ وَ رَبُّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَفِیۡظٌ ﴿۲۱﴾	اس (شیطان) کا ان کے اوپر کوئی تسلط نہیں تھا اور شیطان کو اس کے وسوسوں میں آزاد چھوڑنے کا مقصد یہ تھا کہ آخرت پر ایمان رکھنے والے اور شک میں پڑے ہوئے الگ الگ پہچانے جائیں اور تیرا پروردگار ہر چیز کا نگہبان ہے۔

تفسیر

کوئی شخص شیطانی وسوسوں کی پیروی پر مجبور نہیں ہے

ان آیات میں قوم سبا کی داستان سے کلی نتیجہ نکال کر پیش کیا گیا ہے فرماتا ہے یقیناً شیطان نے اپنے گمان کو ان کے بارے میں اوراس جماعت کے بارے میں جو ابلیس کی پیروی کرتی ہے درست پایا۔

ان سب نے ہی اس کی پیروی کی سوائے مومنین کے تھوڑے سے گروہ کے۔ یا دوسری تعبیر کے مطابق ابلیس کی وہ پیشین گوئی جو اس نے آدم علیہ السلام کے سجدے سے روگردانی کرنے اور بارگاہ خداوندی سے دھتکارے جانے کے بعد کی تھی تیری عزت کی قسم تیرے مخلص بندوں کے سوا میں ان سب کو گمراہ کروں گا اس گروہ کے بارے میں ٹھیک نکلی۔

(۲۱) اس آیت میں ابلیس کے وسوسوں اور ان لوگوں کے بارے میں کہ جو اس کے اثر ونفوذ کا شکار ہو جاتے ہیں اور جو اس کے اثر ونفوذ سے باہر رہتے ہیں دو مطالب کی طرف اشارہ کرتا ہے پہلے کہتا ہے شیطان کا ان کے اوپر کوئی تسلط اور قابو نہیں تھا اور وہ کسی کو اپنی پیروی پر مجبور نہیں کرتا۔

قرآن دوسری جگہ پر خود شیطان کی زبانی نقل کر رہا ہے کہ میرا تم پر کوئی تسلط تو نہیں تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں دعوت دی اور تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا۔ (ابراہیم۔۲۲)

لیکن یہ بات صاف طور پر ظاہر ہے کہ ہوا پرست اور بے ایمان لوگوں کی طرف سے اس کی دعوت قبول ہو جانے کے بعد وہ آرام سے نہیں بیٹھتا بلکہ اپنے غلبہ اور تسلط کی بنیادوں کو ان پر مستحکم کر لیتا ہے اس لیے آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے کہ ابلیس کو اس کے وسوسوں میں آزاد چھوڑ دینے کا مقصد یہ تھا کہ آخرت پر ایمان لانے والے اور شک میں پڑے ہوئے بے ایمان لوگ الگ الگ پہچانے جائیں۔

اورآیت کے آخر میں تمام بندوں کوتنبیہ اورخبردار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اور تیرا پروردگار ہر چیز کا محافظ اورنگہبان ہے۔تا کہ شیطان کے پیروکار یہ تصور نہ کرلیں کہ ان کے اعمال وگفتار میں سے کوئی چیز اس جہاں میں ختم ہوجائے گی یا خدا اس کوفراموش کر دے گا۔

(۲۲)قُلِ ادۡعُوا الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمۡلِكُوۡنَ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِى الۡاَرۡضِ وَ مَا لَهُمۡ فِيۡهِمَا مِنۡ شِرۡكٍ وَّ مَا لَهٗ مِنۡهُمۡ مِّنۡ ظَهِيۡرٍ	کہہ دو کہ جن کوتم خدا کے سوا (اپنا معبود) خیال کرتے ہوانہیں پکاروانہیں آسمانوں اورزمین میں ذرہ برابر بھی اختیار نہیں ہے اور نہ ہی وہ (اس کی خلقت و مالکیت میں) شریک ہیں اور نہ ہی وہ (تخلیق میں) اس کے یارومددگار تھے۔
(۲۳)وَ لَا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنۡدَهٗۤ اِلَّا لِمَنۡ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰۤى اِذَا فُزِّعَ عَنۡ قُلُوۡبِهِمۡ قَالُوۡا مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمۡ ؕ قَالُوا الۡحَقَّ ۚ وَ هُوَ الۡعَلِىُّ الۡكَبِيۡرُ	اس کے سامنے کسی کے لیے بھی کوئی شفاعت فائدہ نہ دے گی سوائے ان لوگوں کی شفاعت کے جن کوشفاعت کرنے کی اجازت دے دی جائے گی ۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے اضطراب زائل ہو جائے گا تو (مجرمین شفاعت کرنے والوں سے) کہیں گے کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم دیا ہے؟ تو وہ کہیں گے کہ حق (کا حکم دیا ہے)۔اور وہی ہے بلند مقام اور بزرگ مرتبہ والا۔
(۲۴)قُلۡ مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّاۤ اَوۡ اِيَّاكُمۡ لَعَلٰى هُدًى اَوۡ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ	کہہ دو آسمانوں اور زمین سے تمہیں کون روزی دیتا ہے کہہ دو اللہ ۔ پس ہدایت پر یا کھلی گمراہی میں ہم ہیں یا تم ؟
(۲۵)قُلۡ لَّا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّاۤ اَجۡرَمۡنَا وَ لَا نُسۡـَٔلُ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ	کہہ دو کہ تم سے ہمارے گناہوں کے بارے میں پوچھ گچھ نہ ہوگی (اسی طرح) جو عمل تم کرتے ہو اس کی باز پرس ہم سے نہ ہوگی۔

(۲۶)قُلۡ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ یَفۡتَحُ بَیۡنَنَا بِالۡحَقِّ ؕ وَ ہُوَ الۡفَتَّاحُ الۡعَلِیۡمُ	کہہ دو کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرے گا (مجرموں کو نیکو کار لوگوں سے جدا کر دے گا) اور وہی فیصلہ کرنے والا اور آگاہ ہے۔
(۲۷)قُلۡ اَرُوۡنِیَ الَّذِیۡنَ اَلۡحَقۡتُمۡ بِہٖ شُرَکَآءَ کَلَّا ؕ بَلۡ ہُوَ اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ	کہہ دو: کہ جنہیں تم نے اس کا شریک بنا کر اس کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ مجھے دکھاؤ (تو سہی) ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ وہ ہی عزیز و حکیم خدا ہے۔

تفسیر

اس سورہ کی آیات کا ایک قابل ملاحظہ حصہ مبدأ و معاد اور اعتقادات حقہ کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔ اور ان کے ملانے سے سچے معارف کا ایک مجموعہ حاصل ہو جاتا ہے۔ آیات کے اس حصہ میں واقعاً مشرکین کو محاکمہ میں کھینچ لے جاتا ہے، اور منطق سوالات کی کچل دینے والی ضربوں کے ذریعہ ان کو گھٹنوں کے بل گراتا ہے، اور بتوں کی شفاعت کے بارے میں ان کی بوسیدہ منطق کا بے بنیاد ہونا واضح و آشکار کرتا ہے۔

فرماتا ہے: ان سے کہہ دے کہ جنہیں تم خدا کے علاوہ (اپنا معبود) خیال کرتے ہو، انہیں پکارو، لیکن یہ جان لو کہ وہ ہرگز بھی تمہاری دعا اور پکار کا جواب نہیں دے سکتے اور تمہاری مشکلات کو حل نہیں کر سکتے۔

اس کے بعد اس گفتگو کی دلیل پیش کرتے ہوئے کہتا ہے اور نہ ہی ان میں کی پیدائش اور ملکیت میں کوئی حصہ اور شرکت رکھتے ہیں اور نہ ہی ان میں سے کوئی تخلیق کے کاموں میں خدا کا یار و مددگار تھا۔

واجب الوجود ایک ہی ہے اور باقی سب کے سب ممکن الوجود اور اسی کے ساتھ وابستہ ہیں کہ اگر ایک لحہ کے لیے بھی اس کے لطف و کرم کی نظر ان سے اٹھ جائے تو وہ دیار عدم کی طرف چلتے نہیں۔

(۲۳) یہاں یہ سوال فوراً ذہن میں آتا ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کے مسئلہ کا کیا بنے گا۔

اس آیت میں سوال کا جواب دیتے ہوئے اس طرح کہتا ہے: اگر خدا کی بارگاہ میں کوئی شفاعت کرنے والے موجود ہیں تو وہ اس کے اذن و فرمان سے ہے کیونکہ اس کے یہاں کوئی شفاعت فائدہ نہ دے گی سوائے ان کے جن کے لیے اس نے اذن دیا ہوگا۔

اس بناء پر بت پرستوں کا بتوں کی پرستش کے بارے میں یہ بہانہ کہ جو کہتے تھے یہ خدا کے یہاں ہماری شفاعت کرنے والے ہیں۔ (یونس۔۱۸) اس وسیلہ سے ختم ہو جاتا ہے، کیونکہ خدا نے ہرگز انہیں شفاعت کی اجازت نہیں دی ہے۔

اس کے بعد اس طرح کہتا ہے: اس دن دونوں پر اضطراب اور وحشت کا غلبہ ہوگا۔ (شفاعت کرنے والے بھی اور جن کی شفاعت کی جائے گی وہ بھی اضطراب میں ڈوبے ہوئے ہوں گے) اور وہ سب کے سب اس انتظار میں ہوں گے۔ کہ دیکھیں کہ خدا

کن لوگوں کوشفاعت کی اجازت دیتا ہے؟ اور کن لوگوں کی شفاعت کرنے کے لیے؟ اور یہ اضطراب اور پریشانی کی حالت اسی طرح جاری رہے گی۔ یہاں تک کہ خوف واضطراب ان کے دلوں سے زائل ہو اور خدا کی طرف سے یہ فرمان صادر ہو۔

یہ وہ مقام ہے کہ دونوں گروہ ایک دوسرے کی طرف رخ کریں گے اور ایک دوسرے سے پوچھیں گے (مجرم شفاعت کرنے والوں سے پوچھیں گے) اور کہیں گے کہ تمہارے پروردگار نے کیا حکم دیا ہے۔ جواب میں کہیں گے کہ خدا نے حق کو بیان کیا ہے۔

اور حق اس کے سوا کچھ نہیں، کہ شفاعت کی اجازت صرف ان کے لیے ہوگی جنہوں نے خدا سے کلی طور پر اپنا رابطہ منقطع نہیں کیا تھا، آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے: وہی ہے بلند مقام اور بزرگ مرتبہ خدا۔

(۲۴) آیت میں ایک اور طریقہ سے مشرکین کے عقائد کو باطل کرنے کے لیے آغاز کیا ہے، اور راز قیامت کے مسئلہ کو مسئلہ خالقیت کے بعد کہ جو گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا، عنوان کرتا ہے۔ تم کہدو کہ کون ہے وہ کہ تمہیں آسمانوں اور زمین سے روزی دیتا ہے اور ان کی برکات کو تمہارے اختیار میں قرار دے دیتا ہے۔

یہ بات صاف طور پر واضح وظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ پتھر اور لکڑی کے بت آسمان سے بارش برساتے ہیں، اور زمین سے گیاہ اور سبزے اگاتے ہیں، اور آسمانوں اور زمین کے منبعوں اور ذخائز کو ہمارے اختیار میں دیتے ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ بغیر اس کے کہ ان کے جواب کا انتظار کرتا، بلا فاصلہ فرماتا ہے۔ کہہ دو کہ اللہ۔

آیت کے آخر میں ایک ایسے مطلب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ کہ جو خود ایک دلیل کی بنیاد بن سکتا ہے، ایک ایسی دلیل کہ جو حقیقت بینی اور انصاف وآداب سے ملی ہوئی ہے۔ اس طرح سے کہ مخالف ہٹ دھرمی اور غرور کے مرکب سے نیچے اتر آئے اور غور وفکر کرے، کہتا ہے: یقیناً ہدایت پر، یا کھلی ہوئی گمراہی میں ہم ہیں۔ یا تم۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہمارا اور تمہارا عقیدہ جو کہ آپس میں واضح تضاد رکھتا ہے، اس بنا پر ممکن ہے کہ دونوں حق ہوں، کیونکہ نقیضین اور ضدین میں جمع ممکن نہیں ہے۔

(۲۵) اس آیت میں پھر اسی استدلال کو ایک دوسری شکل میں۔ پھر اسی منصفانہ لب ولہجہ میں کہ جو مخالف کو ہٹ دھرمی اور غرور کے مرکب سے اتار دے۔ جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے: کہہ دے کہ تم سے ہمارے گناہوں کے بارے میں باز پرس نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی ہم سے تمہارے اعمال کے بارے میں کچھ پوچھا جائے گا۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہاں پیغمبر اس بات پر مامور ہیں کہ اپنے بارے میں تو جرم کی تعبیر کرے اور اپنے مخالفین کے بارے میں ایسے کاموں سے تعبیر کرے کہ جو وہ انجام دیتے ہیں، اور اس طرح سے اس حقیقت کو واضح وروشن کرے کہ ہر شخص کو اپنے اعمال کا جوابدہ ہونا چاہیے، کیونکہ ہر انسان کے اعمال کے نتائج۔ وہ برے ہوں یا اچھے خود اسے ہی پہنچتے ہیں۔

(۲۶) درحقیقت گزشتہ دو آیات کے نتیجہ کا بیان ہے۔ کیونکہ جب انہیں اس بات سے آگاہ اور خبردار کر دیا گیا، کہ دونوں گروہوں میں سے ایک حق پر ہے۔ اور دوسرا باطل پر ہے، تو پھر اس حقیقت کو بیان کرتا ہے۔ اور اس بات کے لیے بھی خبردار کیا کہ ہم

میں سے ہرایک اپنے اپنے اعمال کے لیے جوابدہ ہے، تو پھر حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ سب کی وضع و کیفیت کی جانچ پڑتال کیسے ہوگی۔

فرماتا ہے: ان سے کہہ دے کہ ہمارا پروردگار ہم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا تا کہ ہدایت یافتہ گمراہوں سے پہچانے جائیں، اور ہرایک اپنے اعمال کے نتیجہ تک جا پہنچے۔

اگر تم یہ دیکھ رہے ہو کہ آج سب کے سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، اور ہر ایک یہی دعویٰ کرتا ہے کہ میں حق پر ہوں، اور میں ہی اہل نجات میں سے ہوں، تو یہ کیفیت ہمیشہ باقی اور برقرار نہیں رہے گی۔ اور آخر کار ان صفوں کی جدائی کا دن آن پہنچے گا، کیونکہ پروردگار کی ''ربوبیت'' کا تقاضا یہی ہے کہ اچھائی برائی سے، خالص ناخالص سے، حق، باطل سے آخر کار جدا ہو جائیں اور ہر ایک اپنے مقام پر رہے۔

اب تم غور کرو کہ تم اس دن کیا کرو گے؟ اور تم کون سی صف میں قرار پاؤ گے، کیا تم نے اس دن کے لیے پروردگار کے سوالات کا جواب تیار کرلیا ہے۔

آیت کے آخر میں اس حقیقت کو واضح و روشن کرنے کی غرض سے کہ یہ کام یقینی طور پر ہو کر رہے گا۔ مزید کہتا ہے: وہی فیصلہ کرنیوالا اور حق کو باطل سے جدا کرنے والا، آگاہ اور جاننے والا۔

یہ دونوں نام کہ جو خدا کے اسماء حسنیٰ میں سے ہیں۔ ان میں سے ایک صفوں کو الگ کرنے کے مسئلہ پر قدرت کی طرف اشارہ کرتا ہے اور دوسرا اس کے بے پایاں علم کی طرف، کیونکہ حق و باطل کی صفوں کو ایک دوسرے سے جدا کرنا ان دو کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(۲۷) آخری زیر بحث آیت میں کہ جو پیغمبرؐ کے لیے اس سلسلے کا پانچواں فرمان ہے، پھر ایک مرتبہ مسئلہ توحید کی طرف۔ کہ جس سے گفتگو کی ابتدا کی تھی۔ دوبارہ لوٹتا ہے، اور اس مسئلہ کے ساتھ بحث کو ختم کرتا ہے۔ فرماتا ہے: کہہ دے کہ جنہیں تم نے شریک کے عنوان سے خدا کے ساتھ ملحق کیا ہے۔ مجھے دکھاو تو سہی۔

لہٰذا اس جملہ کے بعد ایک ہی لفظ کے ساتھ ان تمام اوہام پر خط بطلان کھینچتے ہوئے کہتا ہے: نہیں ہرگز نہیں ہے۔ یہ قطعاً معبود ہونے کے لائق نہیں اور تمہارے ان خیالات میں کچھ بھی واقعیت نہیں ہے، انتہا ہو چکی ہے، اب تو تم بیدار ہو جاؤ، کب تک اس غلط راستے پر چلتے رہو گے۔

اور آخر میں اس بات کی تاکید اور فیصلہ کے طور پر کہتا ہے: بلکہ وہی صرف خداوند عزیز و حکیم ہے۔

اس کی عزت اور اس کے شکست ناپذیر ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے حریم الوہیت تک کسی کی رسائی نہ ہو، اور اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اس قدرت کو صحیح طور سے صرف کرے۔

(۲۸) وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا وَّ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ	ہم نے تجھے تمام لوگوں کے لئے (ثواب کی) بشارت اور (عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۲۹)وَ یَقُوۡلُوۡنَ مَتٰی ہٰذَا الۡوَعۡدُ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ	اور وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ (قیامت کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا؟
(۳۰)قُلۡ لَّکُمۡ مِّیۡعَادُ یَوۡمٍ لَّا تَسۡتَاۡخِرُوۡنَ عَنۡہُ سَاعَۃً وَّ لَا تَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ؑ	تم کہہ دو کہ یہ وعدہ اس دن (پورا) ہوگا کہ جس میں نہ ایک گھڑی تاخیر ہوگی اور نہ (ہی اس سے) آگے بڑھو گے۔

تفسیر

تم تمام جہاں والوں کے لیے مبعوث کیے گئے ہو

پہلی زیر بحث آیت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بارے میں گفتگو کرتی ہے اور اس کے بعد والی آیات معاد و قیامت کے سلسلہ میں بحث کرتی ہیں۔

پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی وسعت اور تمام انسانوں کے لیے ان کی نبوت کی عمومیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر تمام جہاں کے لوگوں کے لیے، درآنحالیکہ تم سب کو خدا کی عظیم جزاؤں کی بشارت دیتے ہو، اور عذاب الٰہی سے ڈراتے ہو۔

(۲۹) چونکہ گزشتہ آیات میں اس معنی کی طرف اشارہ ہوا تھا کہ خدا قیامت کے دن تمام لوگوں کو جمع کرنے کے بعد ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ لہٰذا اس آیت میں منکرین معاد کی طرف سے ایک سوال کو اس صورت میں نقل کرتا ہے کہ: وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو پھر یہ قیامت کا وعدہ کس زمانہ میں پورا ہوگا۔

(۳۰) لیکن قرآن ہمیشہ اس مطلب کے صریح جواب اور قیامت کے وقوع کے زمان کی تعین سے پہلو تہی کرتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ یہ ان امور میں سے ہے کہ جس کا علم خدا کے ساتھ ہی مخصوص ہے، اور اس کے علاوہ کوئی بھی اس سے آگاہ نہیں ہے۔ لہٰذا اس آیت میں اسی مطلب کو ایک دوسری عبارت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: کہہ دو کہ تمہارا وعدہ اس دن ہوگا کہ نہ ایک گھڑی اس سے تاخیر ہوگی اور نہ ہی ایک لمحہ بھر اس سے آگے بڑھو گے۔

قیام قیامت کی تاریخ کا مخفی ہونا

یہاں تک کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے، اس بنا پر ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ لوگ ایسی آزادی "جو انہیں ہمیشہ آمادہ رہنے کی حالت میں تیار رکھے" کے حامل ہوں کیونکہ اگر قیامت کی تاریخ معین ہو جائے تو اگر اس کا زمانہ دور ہوتا تو سب کے سب غفلت، غرور اور بے خبری میں جا پڑتے، اور اگر اس کا زمانہ نزدیک ہوتا، تو ممکن تھا کہ وہ آزادی عمل کو ہاتھ سے کھو بیٹھتے اور ان کے اعمال اضطراری صورت اختیار کر لیتے اور دونوں صورتوں میں انسان کے تربیتی ہدف بے نتیجہ رہ جاتے۔

(۳۱) وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَنۡ نُّؤۡمِنَ بِھٰذَا الۡقُرۡاٰنِ وَ لَا بِالَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡہِ ؕ وَ لَوۡ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوۡنَ مَوۡقُوۡفُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ ۚۖ یَرۡجِعُ بَعۡضُھُمۡ اِلٰی بَعۡضِ ۣالۡقَوۡلَ ۚ یَقُوۡلُ الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِلَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا لَوۡ لَاۤ اَنۡتُمۡ لَکُنَّا مُؤۡمِنِیۡنَ	کافروں نے کہا کہ: ہم اس قرآن پر اور جو کتابیں اس سے پہلے تھیں ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، اور اگر تو دیکھے کہ جس وقت یہ ستمگر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں (حساب وکتاب کے لیے) کھڑے ہوں گے (تو ان کی وضع وکیفیت سے تجھے تعجب ہوگا) جبکہ ان میں سے ہر ایک اپنا گناہ دوسرے کی گردن میں ڈال رہا ہوگا، مستضعفین مستکبرین سے کہہ رہے ہوں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن ہو جاتے۔
(۳۲) قَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡۤا اَنَحۡنُ صَدَدۡنٰکُمۡ عَنِ الۡھُدٰی بَعۡدَ اِذۡ جَآءَکُمۡ بَلۡ کُنۡتُمۡ مُّجۡرِمِیۡنَ	لیکن مستکبرین مستضعفین کو جواب دیں گے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روک رکھا تھا، اس کے بعد کہ وہ تمہارے پاس آئی (اور تم نے اسے اچھی طرح سے پالیا تھا)؟ بلکہ تم خود ہی مجرم تھے۔
(۳۳) وَ قَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتُضۡعِفُوۡا لِلَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا بَلۡ مَکۡرُ الَّیۡلِ وَ النَّھَارِ اِذۡ تَاۡمُرُوۡنَنَاۤ اَنۡ نَّکۡفُرَ بِاللّٰہِ وَ نَجۡعَلَ لَہٗۤ اَنۡدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَۃَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ ؕ وَ جَعَلۡنَا الۡاَغۡلٰلَ فِیۡۤ اَعۡنَاقِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ ھَلۡ یُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ	مستضعفین مستکبرین سے کہیں گے: تمہارے رات دن کے فریب دینے والے وسوسے (ہماری گمراہی کا سبب بنے) جس وقت تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم خدا کا انکار کردیں، اور اس کے شریک قرار دیں، وہ جس وقت عذاب (الٰہی) کو دیکھیں گے تو اپنی ندامت اور پشیمانی کو چھپائیں گے اور ہم کافروں کی گردن میں طوق وزنجیر ڈال دیں گے، کیا اس کے علاوہ کہ جو وہ عمل کرتے تھے کوئی اور جزا انہیں دی جائے گی؟

تفسیر

اس بحث کی مناسبت سے کہ جو گزشتہ آیات میں مسئلہ معاد پر مشرکین کی طرف سے اعتراضات کے بارے میں تھی، زیر بحث آیات میں ان کے لیے معاد کے بعض دردناک مناظر کی تصویر کشی کرتا ہے، تاکہ وہ اپنے کام کے انجام سے واقف ہو جائیں۔ پہلے کہتا ہے کہ: ہم اس قرآن پر اور جو کتابیں اس سے پہلے تھیں ہرگز بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

پہلے انبیاء کی کتب پر ایمان سے انکار شاید اس بنا پر تھا کہ قرآن اس مطلب پر تکیہ کرتا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی نشانیاں تورات وانجیل میں وضاحت کے ساتھ آئی ہیں۔ اور پیغمبر اسلام ﷺ کی نبوت کی نفی کرنے کے لیے دوسری کتب آسمانی کی بھی نفی

کرتے ہیں۔

اس کے بعد پیغمبرﷺ کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے قیامت میں ان کی وضع وکیفیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

اگر تو دیکھے کہ جب یہ ستمگر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حساب وکتاب اور دادرسی کے لئے کھڑے کئے جائیں گے (تو ان کی وضع وکیفیت سے تو حیرت میں ڈوب جائے گا) جبکہ ان میں سے ہر ایک اپنا گناہ دوسرے کی گردن میں ڈالے گا۔ اور ایک دوسرے کے خلاف جھگڑا اور لڑائی کر رہے ہوں گے۔

اس حال میں مستضعفین وہی بے خبر لوگ کہ جو آنکھ، کان، بند کئے ہوئے دوسرں کے پیچھے لگے ہوئے تھے، مستکبر ین سے۔ یعنی انہیں لوگوں سے۔ کہ جو کبر وغرور اور دوسروں پر تسلط جمانے اور انہیں شیطانی سوچ کا راستہ دکھاتے تھے، اس طرح کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے، اگر تمہارے شیطنیت آمیز فریب دینے والے وسوسے نہ ہوتے تو ہم مومنین میں سے ہوتے۔

(۳۲) لیکن مستکبر ین بھی خاموش نہیں رہیں گے، وہ جواب میں مستضعفین سے یہ کہیں گے، کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت کی راہ سے روکا تھا، جبکہ ہدایت بھی تمہارے پاس آئی تھی، اور کافی حدتک اتمام حجت بھی ہوگئی تھی، اور پیغمبروں نے بھی تمام ضروری باتیں کہہ دی تھیں۔

(۳۳) لیکن مستضعفین مستکبر ین سے کہیں گے: بلکہ تمہارے وسوسے، سازش اور شب وروز کے مکارانہ پروپگنڈے اس بات کا سبب بن گئے کہ ہم ہدایت حاصل کرنے سے باز رہیں، جس وقت تم ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم خدا کا انکار کردیں اور اس کے لیے شریک وشبیہ قرار دیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ ہم قبول کرنے میں آزاد تھے، اور قصوروار وگنہگار، لیکن عامل فساد ہونے کی بناپر تم بھی جوابدہ اور گنہگار ہو، بلکہ سنگ بنیاد تو تمہارے ہی ناپاک ہاتھوں سے رکھا گیا، خاص طور پر جبکہ تم ہمیشہ ہی اپنی قدرت وطاقت اور اقتدار کی بنا پر بات کرتے تھے۔

لہٰذا دونوں گروہ اپنے کیے پر پشیمان و پشیمان ہوں گے، مستکبر ین تو دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اور مستضعفین ان برے وسوسوں کو بلا قید وشرط قبول کرنے کی وجہ سے، لیکن جس وقت عذاب الٰہی کو دیکھیں گے تو اپنی ندامت وپشیمانی کو چھپائیں گے کہ کہیں اور زیادہ رسوا نہ ہو جائیں، اور ہم طوق وزنجیر کافروں کی گردن میں ڈال دیں گے۔

ہاں وہ دنیا میں بھی جس وقت اپنی غلطی کو محسوس کرتے تھے، اور اس پر نادم وپشیمان ہوتے تھے تو اظہار ندامت کی جرأت نہیں رکھتے تھے، اور اپنی اسی اخلاقی خصوصیت کو قیامت میں بھی استعمال کریں گے، لیکن کیا فائدہ؟

بہرحال یہ ان کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے کہ جو انہوں نے پہلے سے فراہم کیا ہے۔ کیا انہیں کوئی اور جزا سوائے ان اعمال کے کہ وہ انجام دیا کرتے تھے ملے گی۔

ہاں! یہ کفار ومجرمین کے اعمال وکردار نہیں ہوں گے، جو ان کی گردن اور ہاتھ پاؤں میں قید کی زنجیروں کی صورت میں ڈال دی جائے گی۔

(۳۴)وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا فِیۡ قَرۡیَۃٍ مِّنۡ نَّذِیۡرٍ اِلَّا قَالَ مُتۡرَفُوۡہَاۤ ۙ اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِہٖ کٰفِرُوۡنَ	ہم نے کسی شہراور بستی میں کوئی ڈرانے والا پیغمبر نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے مترفین (جو ناز ونعمت میں مست تھے) نے کہا ہم اس سے کہ جو کچھ تم دے کر بھیجے گئے ہو کافر ہیں۔
(۳۵)وَ قَالُوۡا نَحۡنُ اَکۡثَرُ اَمۡوَالًا وَّ اَوۡلَادًا ۙ وَّ مَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِیۡنَ	اور انہوں نے یہ کہا کہ ہمارے اموال اور اولاد (سب سے) زیادہ ہیں۔اور ہمیں ہرگز عذاب نہیں ہوگا۔
(۳۶)قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ٪	کہہ دے کہ میرا پروردگار جس کی چاہتا ہے روزی وسیع یا تنگ کر دیتا ہے۔لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
(۳۷)وَ مَاۤ اَمۡوَالُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ بِالَّتِیۡ تُقَرِّبُکُمۡ عِنۡدَنَا زُلۡفٰۤی اِلَّا مَنۡ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۫ فَاُولٰٓئِکَ لَہُمۡ جَزَآءُ الضِّعۡفِ بِمَا عَمِلُوۡا وَ ہُمۡ فِی الۡغُرُفٰتِ اٰمِنُوۡنَ	تمہارے مال اور اولاد ہرگز تمہیں ہمارا مقرب نہیں بناتے، سوائے ان کے بدلے میں جوانہوں نے انجام دیئے ہیں ان کے لئے ہی ان کے اعمال کی کئی گنا جزا ہے،اور وہ جنت کے بالا خانوں میں (انتہائی) امن وامان میں ہوں گے۔
(۳۸)وَ الَّذِیۡنَ یَسۡعَوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیۡنَ اُولٰٓئِکَ فِی الۡعَذَابِ مُحۡضَرُوۡنَ	اور وہ لوگ کہ جو ہماری آیات کے انکار کی کوشش کرتے رہے اور یہ خیال کرتے رہے کہ ہماری قدرت کے چنگل سے نکل کر بھاگ جائیں گے،وہ عذاب (الٰہی) میں داخل ہوں گے۔

تفسیر

مال واولاد قرب خدا کی دلیل نہیں

چونکہ گزشتہ آیات میں مستکبرین کے (لوگوں کو) اغواء کرنے کے بارے میں گفتگو تھی، زیر بحث آیات میں اس اغواگری کے ایک گوشہ کو بیان کیا جارہا ہے۔

کہتا ہے: ہم نے کسی شہر یا بستی میں کوئی ڈرانے والا پیغمبر نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کے مترفین۔ وہی لوگ جو ناز ونعمت میں مست اور مغرور ہو چکے تھے۔ نے کہا ہم اس چیز کے کہ جو تم دے کر بھیجے گئے ہو منکر و کافر ہیں،اور جسے تم خدائی پیغام کا نام دیتے ہوا سے

ہم قبول نہیں کرتے۔

نہ صرف انبیاء کے مقابلہ میں بلکہ ہر اصلاحی قدم جو کسی دانشمند، مصلح اور عالم مجاہد کی طرف سے اٹھے یہ گروہ مخالفت کے لیے سر اٹھاتا، اور مصلحین کے پروگراموں کو درہم برہم کرنے کے لیے سازشیں کرتا اور کس بھی جرم کے ارتکاب سے باز نہیں رہتا۔

(۳۵) مال واولاد قرب خدائی کی دلیل نہیں ہیں یہ آیت ان کی لچر اور پوچ منطق کی طرف۔ کہ جس سے ہر زمانہ میں اپنی بر تری کو ثابت کرنے کے لیے متوسل ہوا کرتے تھے۔ اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے کہ: اور انہوں نے یہ کہا کہ ہم سب سے زیادہ ثروت منداور سب سے زیادہ آل اولا در کھتے ہیں۔

خدا ہم سے محبت رکھتا ہے، لہٰذا اس نے ہمیں مال بھی فراواں دے رکھا ہے اور بہت سی افرادی قوت بھی، اور یہ بات ہمارے حق میں اس کے لطف وکرم کی اور اس کی بارگاہ میں ہمارے مقام اور حیثیت کی دلیل ہے۔ اور ہم (نور چشموں) کو ہر گز بھی عذاب نہیں ہوگا۔

اگر ہم اس کی بارگاہ سے دھتکارے ہوئے ہوتے، تو یہ ساری نعمتیں کیوں دیتا؟ خلاصہ یہ ہے کہ ہماری دنیا کا آباد ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ہماری آخرت بھی آباد ہوگی۔

(۳۶) یہ آیت ان کی اس گھٹیا اور عوام کو فریب دینے والی منطق کا انتہائی اعلیٰ طریقہ سے جواب دیتی ہے، اور ان کی سرکوبی کرتی ہے روئے سخن پیغمبرؐ کی طرف کرتے ہوئے کہتی ہے کہ ان سے کہہ دے کہ میرا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے روزی کو وسیع کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہے اس میں تنگی کر دیتا ہے اور یہ سب کچھ ایسی مصلحتوں کے مطابق کرتا ہے کہ جنہیں مخلوق کی آزمائش اور انسانی زندگی کے نظم ونسق کے لئے ضروری سمجھتا ہے اور یہ چیز بارگاہ خداوندی میں قدر ومنزلت اور مقام وحیثیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھتی۔

اس بناء پر وسعت رزق کو سعادت کی اور تنگ رزق کو شقادت کی دلیل ہر گز نہیں سمجھنا چاہیے لیکن اکثر لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔ البتہ بے خبر اور ناواقف اکثریت ایسی ہے۔

(۳۷) اس کے بعد مزید وضاحت کے ساتھ اس مطلب کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ہر گز ایسا نہیں ہے کہ تمہارا مال واولاد تمہیں ہمارا مقرب بنادے۔

اس بات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان زندگی کے لیے لازمی وضروری سعی وکوشش سے ہی دستبردار ہو جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ اقتصادی وسائل اور فراوان انسانی قدرت وطاقت ہر گز خدا کی بارگاہ میں انسانوں کی معنوی قدر وقیمت کا معیار نہیں ہوتا۔

اس کے بعد انسانوں کی قدر وقیمت کا اصل معیار اور جو چیز خدا کی بارگاہ میں تقرب کا سبب بنتی ہے اسے بیان کرتے ہوئے ایک استثنائے منفصل کی صورت میں کہتا ہے کہ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح انجام دیئے ان کے لیے ان کے اعمال کے مقابلہ میں کئی گنا اجر وثواب ہے اور وہ جنت کے بالاخانوں میں انتہائی امن وامان کے ساتھ زندگی بسر کریں گے۔

اس بناء پر تمام معیار ان ہی دونوں امور کی طرف لوٹتے ہیں ایمان اور عمل صالح یہ وہ مقام ہے کہ جہاں قرآن نے اپنی بے نظیر صراحت کے ذریعہ پروردگار کے قرب کے عوامل کے سلسلے میں اور انسان کی وجودی قدر و قیمت کے بارے میں تمام بے معنی اور لغو خیالات پر قلم بطلان کھینچ دیا ہے۔

(۳۸) اس آیت میں ان کے مدمقابل گروہ کی توصیف کرتے ہوئے کہتا ہے باقی رہے وہ لوگ کہ جو ہماری آیات کے انکار و ابطال کے لیے سعی و کوشش کرتے ہیں نہ تو وہ خود ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی دوسروں کو حق کی راہ میں قدم رکھنے کی اجازت دیتے ہیں اس حال میں وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہماری قدرت کے چنگل سے نکل کر بھاگ جائیں گے وہ تو قیامت کے دن دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

یہ وہی لوگ ہیں جو اپنے مال و اولاد اور افرادی قوت سے استفادہ کرتے ہوئے انبیاء کی تکذیب کرتے ہیں اور مخلوق خدا کو وسوسے میں ڈالنے میں مشغول رہتے ہیں۔

(۳۹) قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ	کہہ دو: میرا پروردگار جس کے لئے چاہتا ہے روزی کو کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ (اور محدود) کر دیتا ہے اور جو چیز تم اس کی راہ میں خرچ کرو گے وہ اس کی جگہ تمہیں اور دے دے گا اور وہ بہترین روزی دینے والا ہے۔
(۴۰) وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ	اور اس دن کو یاد کرو کہ جب خدا ان سب کو محشور کرے گا، پھر فرشتوں سے کہے گا کیا یہ تمہاری عبادت کرتے تھے۔
(۴۱) قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ	وہ کہیں گے تو منزہ اور پاک ہے تو ہی ہمارا ولی ہے نہ کہ وہ ۔بلکہ وہ تو جنات کی پرستش کیا کرتے تھے اور ان میں سے اکثر ان پر ایمان رکھتے تھے۔

(۴۲) فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ وَ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ	آج کے دن تم میں سے کوئی بھی کسی دوسرے کے لیے نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ تم اس آگ کا عذاب چکھو کہ جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے۔

تفسیر

معبودوں کی عبادت کرنے والوں سے بیزاری

دوبارہ ان لوگوں کی گفتگو کی طرف رخ کرتا ہے کہ جو اپنے اموال اور اولاد کو بارگاہ خدا میں اپنے قرب کی دلیل سمجھتے تھے اور تاکید کے طور پر کہتا ہے کہہ دے کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے روزی کو کشادہ یا محدود کر دیتا ہے کہہ دے کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتا ہے روزی کو کشادہ یا محدود کر دیتا ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے تم راہ خدا میں جو کچھ بھی خرچ کرو گے خدا اس کی جگہ اور دے دے گا اور وہ بہترین روزی دینے والا ہے۔

(۴۰) اور چونکہ یہ ظالم اور سرکش دولت مندوں کا گروہ مشرکین کے زمرہ میں داخل تھا اور وہ یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں اور وہ قیامت میں ہماری شفاعت کریں گے قرآن اس بے بنیاد دعوے کے مقابلے میں جواب دیتے ہوئے اس طرح کہتا ہے یاد کر اس دن کو جس میں خدا سب کو عبادت کرنے والوں کو بھی اور جن کی عبادت کی جاتی ہے ان کو بھی محشور کرے گا اس کے بعد فرشتوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہے گا کیا یہ تمہاری عبادت کیا کرتے تھے؟

اس کا مقصد یہ ہے کہ فرشتوں کے بیان کے ذریعہ حقائق بتائے جائیں تاکہ عبادت کرنے والوں کا یہ گروہ نادم اور شرمندہ ہو اور جان لے کہ وہ ان کے عمل سے پورے طور پر بیزار ہیں اور وہ ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جائیں۔

(۴۱) اب ہم دیکھتے ہیں کہ فرشتے پروردگار کے سوال کے جواب میں کیا کہتے ہیں وہ جامع ترین اور نہایت مؤدبانہ جواب کا انتخاب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں اے پروردگار تو ان ناروا نسبتوں سے کہ جو تیری مقدس ذات کی طرف انہوں نے دی ہیں پاک اور منزہ ہے۔

ہمارا اس گروہ سے کسی طرح کا بھی ربط و تعلق نہ تھا صرف تو ہی ہمارا ولی ہے نہ کہ وہ۔

وہ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے بلکہ وہ تو جنوں کی عبادت کرتے تھے اور ان میں سے اکثر جنات پر ایمان رکھتے تھے۔

جن سے مراد شیطان اور تمام ایسی خبیث موجودات ہیں کہ جو بت پرستوں کو اس عمل کا شوق دلاتے تھے اور اسے ان کی نظروں میں زینت دیتے تھے اس بناء پر جن کی عبادت سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کے فرمان کی اطاعت و پیروی اور ان کے وسوسوں کو قبول کرتے تھے۔

(۴۲)اس طرح سے مشرکین کی امید اس دن مکمل نا امیدی میں بدل جائے گی اور یہ حقیقت ان کے لیے واضح طور پر روشن ہو جائے گی کہ ان کے معبود ان کے کام کی چھوٹی سے چھوٹی گرہ بھی نہ کھول سکیں گے۔ بلکہ وہ ان سے متنفر و بیزار ہوں گے۔آیت میں ایک معنی خیز نتیجہ نکالتے ہوئے کہتا ہے آج کے دن تم میں سے کوئی بھی دوسرے کے لیے سود و زیاں اور نفع و نقصان کا مالک نہیں ہے۔

اس بنا پر نہ تو فرشتے ہی کہ جو ظاہراً ان کے معبود تھے ان کی کوئی شفاعت کر سکیں گے اور نہ ہی وہ خود آپس میں ایک دوسرے کی کوئی مدد انجام دے سکیں گے۔ یہ وہ منزل ہے کہ جہاں ہم ان ظاموں سے کہیں گے تم اس آگ کے عذاب کا مزہ چکھو کہ جس کی تم تکذیب کیا کرتے تھے۔

(۴۳)وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوۡا مَا ہٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیۡدُ اَنۡ یَّصُدَّکُمۡ عَمَّا کَانَ یَعۡبُدُ اٰبَآؤُکُمۡ ۚ وَ قَالُوۡا مَا ہٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡکٌ مُّفۡتَرًی ؕ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمۡ ۙ اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ	جس وقت ہماری واضح آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ فقط ایک ایسا آدمی ہے جو یہ چاہتا ہے کہ تمہیں اس سے کہ جن کی تمہارے آباؤ اجداد پرستش کیا کرتے تھے روکے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ایک بہت بڑے جھوٹ کے سوا کہ جو خدا پر باندھا گیا ہے اور کچھ نہیں ہے اور کافروں کے پاس جب حق پہنچا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو ایک کھلا ہوا جادو ہے۔
(۴۴)وَ مَاۤ اٰتَیۡنٰہُمۡ مِّنۡ کُتُبٍ یَّدۡرُسُوۡنَہَا وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡہِمۡ قَبۡلَکَ مِنۡ نَّذِیۡرٍ ؕ	ہم نے (اس سے پہلے) کتب آسمانی میں سے کوئی چیز انہیں نہیں دی کہ جسے وہ پڑھیں۔اور نہ ہی تجھ سے پہلے ہم نے کوئی (نبی یا) پیغمبر ان کے لیے نہیں بھیجا۔
(۴۵)وَ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۙ وَ مَا بَلَغُوۡا مِعۡشَارَ مَاۤ اٰتَیۡنٰہُمۡ فَکَذَّبُوۡا رُسُلِیۡ ۟ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ٪	وہ لوگ کہ جو ان سے پہلے تھے (انہوں نے بھی آیات خدا کی) تکذیب کی تھی حالانکہ یہ ان کی قدرت و طاقت کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے (ہاں) انہوں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی اب دیکھو کہ میرا عذاب (ان کے لیے) کیسا تھا۔

تفسیر

کس دلیل کے ساتھ ہماری آیات کا انکار کرتے ہیں

گزشتہ آیات میں مشرکین اور بے ایمان افراد کی وضع و کیفیت کے بارے میں گفتگو تھی زیر بحث آیات میں دوبارہ اس دنیا

میں ان کی وضع و کیفیت کو بیان کرتے ہوئے قرآن سننے کے مقابلہ میں ان کے ردعمل کو بیان کیا جارہا ہے تا کہ یہ بات واضح وروشن ہو جائے کہ قیامت میں انکاوہ براانجام دنیامیں آیات الٰہی کے مقابلہ میں اس غلط تنقید اور طرز عمل کے باعث ہوگا۔

پہلے کہتا ہے جس وقت ہماری واضح کرنے والی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ مرد تو صرف یہ چاہتا ہے کہ تمہیں اس سے کہ جس کی تمہارے بڑے عبادت کرتے تھے، باز رکھے۔

ان کا یہ پہلا ردعمل تھا کہ جو وہ اس متعصب قوم میں تعصب کے احساس کو تحریک کرنے کے لیے پیش کرتے تھے۔

اس کے بعدان کی دوسری گفتگو کو جو وہ پیغمبر کی دعوت کو باطل کرنے کے لیے پیش کرتے تھے بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن ایک بڑے جھوٹ کے سوا کہ جو خدا پر باندھا گیا ہے اور کچھ نہیں ہے۔

آخر میں تیسرا اتہام جو انہوں نے پیغمبر پر باندھا جادو کی تہمت تھی جیسا کہ زیر بحث آیت کے آخر میں بیان ہوا ہے وہ لوگ کہ جو کافر ہو گئے جس وقت حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ چیز سوائے واضح جادو کے اور کچھ نہیں۔

(۴۴) آیت قرآن اس آیت میں ان کے تمام دعووں پر خط بطلان کھینچ دیتا ہے اگر چہ بغیر کسی بیان کے بھی ان کا بطلان واضح ہے ان کے تمام فضول اور بیہودہ دعووں کا ایک ہی جملہ کے ساتھ جواب دیتے ہوئے کہتا

ہے ہم نے اس سے پہلے آسمانی کتابوں میں سے کوئی چیز انہیں نہیں دی ہے کہ جسے وہ پڑھ کر اس کی بنیاد پر تیری دعوت کا انکار کریں اور تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر بھی ہم نے ان کے لیے نہیں بھیجا۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ دعویٰ ایسا شخص کرسکتا ہے کہ جس کے پاس پہلے کوئی پیغمبر آیا ہو اور آسمانی کتاب اس کے پاس لے کر آتا ہو اور وہ نئی دعوت کے مضمون کو اس کے مخالف پاتا ہو لہٰذا اس کی تکذیب کے لیے کھڑا ہو جاتا ہے۔

لیکن وہ شخص کہ جس نے اپنی فکر پر تکیہ کرتے ہوئے کسی قسم کی آسمانی وحی کے بغیر کچھ بھی علم نہ رکھنے کے باوجود خرافات کو دل سے گھڑ لیا ہے اس قسم کا فیصلہ کرنے کا حق نہیں رکھتا۔

(۴۵) اس سرکش گروہ کو ایک مؤثر اور بلیغ بیان کے ساتھ تہدید کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے وہ لوگ کہ جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں انہوں نے بھی آیات الٰہی کی تکذیب کی تھی

درآنحالیکہ یہ لوگ قوت وقدرت کے لحاظ سے اس قوت کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے کہ جو ہم نے گزشتہ اقوام کو دی تھی۔

لیکن دیکھو ان کا انجام کیا ہوا ہاں انہوں نے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی تھی تو دیکھ لو میرا عذاب ان کے کے لیے کس طرح کا تھا۔

ان کے ویران شدہ شہر جو سرکوبی کرنے والے عذاب الٰہی کی ضربوں کے ذریعہ تباہ و برباد ہوئے تھے تمہارے نزدیک ہی اور شام کی طرف جاتے ہوئے تمہارے راستے میں پڑے ہوتے ہیں ان سے عبرت حاصل کرو اور ان ویرانوں کی زبان سے ضروری و لازمی پند ونصائح سنو اور اپنے انجام کا اس پر قیاس کرو کیونکہ نہ تو سنت الٰہی تغیر پذیر ہے اور نہ ہی تم ان سے برتر ہو۔

(۴٦)قُلۡ اِنَّمَاۤ اَعِظُكُمۡ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلّٰهِ مَثۡنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوۡا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمۡ مِّنۡ جِنَّةٍ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا نَذِيۡرٌ لَّكُمۡ بَيۡنَ يَدَىۡ عَذَابٍ شَدِيۡدٍ	(اے رسول) کہہ دو کہ میں تو تمہیں صرف ایک ہی بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم دو دو افراد (مل کر) یا اکیلے اکیلے ہی خدا کے لیے (قیام کرو اور) کھڑے ہو جاؤ اس کے بعد غور کرو اور سوچو کہ یہ تمہارا دوست اور ساتھی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی قسم کا بھی جنون نہیں رکھتا وہ تو صرف (خدا کے) سخت عذاب سے تمہیں ڈرانے والا ہے۔

تفسیر

انقلاب فکری ہر اصل انقلاب کی بنیاد ہے

اس آیت میں اور آئندہ آیات میں کہ جن میں اس سورہ کے آخری مباحث بیان ہوئی ہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک بار پھر حکم دیتا ہے کہ اب ان لوگوں کو مختلف دلائل کے ذریعہ حق کی طرف دعوت دیں اور گمراہی سے روکیں اور گزشتہ مباحث کی طرح پانچ مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے ان سے کہہ دے۔

پہلی آیت میں تمام اجتماعی اخلاقی سیاسی اقتصادی اور فرہنگی تغیرات اور تبدیلیوں کے اصل خمیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بہت ہی مختصر اور پر معنی جملوں میں کہتا ہے کہ ان سے کہہ دو کہ میں تو تمہیں صرف ایک ہی چیز کے بارے میں نصیحت کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ تم خدا کے لیے کھڑے ہو جاؤ دو دو افراد مل کر یا ایک ایک فرد اکیلے اکیلے ہیں اور پھر غور وفکر کرو۔

یعنی ہر چیز میں معنوی زندگی میں، مادی زندگی میں اہم مسائل میں اور چھوٹے سے چھوٹے مسائل میں خلاصہ یہ کہ ہر کام میں پہلے غور کرنا چاہیے لیکن سب سے زیادہ اہم ان چار سوالات کے جواب معلوم کرنے کے لیے سوچ بچار کرنا چاہیے۔

میں کہاں سے آیا ہوں میں کس لیے آیا ہوں میں کہاں جا رہا ہوں اور اب میں کہاں ہوں۔

یہ تمہاا دوست اور ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی قسم کی فکری اور جنوں نہیں رکھتا۔ بلکہ وہ تو صرف تمہیں خدا کے سخت عذاب سے ڈرانے والا ہے۔

مندرجہ بالا آیت اسی فکر اور سوچ بچار کو ہی انسانی ترقی وتکامل اور دین کی روح رواں قرار دیتی ہے۔

(۴۷)قُلۡ مَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ فَهُوَ لَكُمۡ ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدٌ	کہہ دے کہ جو اجر اور بدلہ میں نے تم سے مانگا ہے وہ خود تمہارے ہی لیے ہے میرا اجر تو صرف خدا پر ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔

(۴۸)قُلۡ اِنَّ رَبِّیۡ یَقۡذِفُ بِالۡحَقِّ ۚ عَلَّامُ الۡغُیُوۡبِ	کہہ دے کہ میرا پروردگار حق کو اپنے پیغمبروں کے دل میں ڈالتا ہے کیونکہ وہ تمام پوشیدہ اسرار سے واقف وآگاہ ہے۔
(۴۹)قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ مَا یُبۡدِئُ الۡبَاطِلُ وَ مَا یُعِیۡدُ	کہہ دے کہ حق آ گیا ہے اور باطل نہ تو کسی چیز کا آغاز ہی کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی تجدید۔
(۵۰)قُلۡ اِنۡ ضَلَلۡتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰی نَفۡسِیۡ ۚ وَ اِنِ اهۡتَدَیۡتُ فَبِمَا یُوۡحِیۡۤ اِلَیَّ رَبِّیۡ ؕ اِنَّهٗ سَمِیۡعٌ قَرِیۡبٌ	کہہ دے کہ اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو میں خود اپنی طرف سے گمراہ ہوں گا اگر ہدایت یافتہ ہو جاؤں تو وہ اس وحی کے وسیلہ سے ہے جو میرا پروردگار میری طرف کرتا ہے وہ سننے والا، نزدیک ہے۔

تفسیر

باطل سے کوئی کام نہیں ہوتا

گزشتہ آیت میں تفکر کی دعوت کے بارے میں گفتگو تھی اور پیغمبر کی طرف سے ہر قسم کے روحانی عدم تعاون کی نفی تھی ان آیات میں رسالت کے مقابلہ میں اجر اور مزدوری کے عدم مطالبہ کی گفتگو ہو رہی ہے۔

کہتا ہے: کہہ دے کہ جو اجر و پاداش میں نے تم سے مانگا ہے وہ تمہارے ہی لیے ہے۔ اور میرا اجر اور صلہ تو خدا ہی کے ذمہ ہے۔

میں نے تمہیں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے تو تم اب اچھی طرح سے سوچ لو اور اپنے وجدان سے سوال کرو کہ کونسی چیز اس بات کا سبب بنی ہے کہ میں تمہیں خدا کے سخت عذاب سے انذار کروں اور ڈراؤں اس کام سے مجھے کیا فائدہ ہوگا اور اس میں میرا کونسا مادی فائدہ ہے میں نے اصولاً تم سے کوئی اجر اور صلہ مانگا ہی نہیں ہے۔ اگر میں نے اپنی بعض باتوں میں کہ جو میں پروردگار کی طرف سے لایا ہوں تم سے یہ کہا ہے کہ میں تم سے کوئی صلہ اور اجر نہیں مانگتا سوائے اپنے اقرباء کی دوستی کے (شوریٰ......۲۳)۔

تو اس کا فائدہ بھی خود تمہاری طرف ہی لوٹتا ہے چونکہ مسئلہ امامت وولایت اور خط نبوت کے مسلسل جاری رہنے کی طرف بازگشت ہے کہ جو تمہاری ہدایت کے جاری رہنے کے لیے ضروری ہے۔

آیت کے آخر میں فرماتا ہے اور وہ ہر چیز پر شاہد و گواہ ہے۔ وہ میرے تمام اعمال اور نیتوں سے آگاہ اور باخبر ہے۔

(۴۸) پیغمبر کی حقانیت کے سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس پر توجہ کرتے ہوئے اس آیت میں کہتا ہے قرآن ایک ایسی حقیقت اور واقعیت ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جو خدا کی طرف سے پیغمبر کے دل پر القاء ہوا ہے کہہ دے کہ میرا پروردگار حق کو

ڈالتا ہے کہ جو عیبوں کا جاننے والا ہے اور تمام اسرار نہاں سے آگاہ ہے۔

مراد کتب آسمانی اور وحی الٰہی کو انبیاء اور پروردگار کے بھیجے ہوؤں کے دلوں میں ڈالنا ہے تو اس طرح یہ آیہ اس مشہور حدیث ''علم ایک نور ہے کہ جسے خدا جس دل میں چاہتا ہے اور جسے لائق دیکھتا ہے ڈال دیتا ہے'' سے مشابہت رکھتی ہے۔

(۴۹) اس کے بعد مزید تاکید کے لیے اضافہ کرتا ہے کہہ دے کہ حق آ گیا ہے اور باطل سے اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہوسکتا نہ تو وہ کوئی نیا کام انجام دے سکتا ہے اور نہ ہی پرانے پروگرام کی تجدید کرسکتا ہے۔

اور اس طرح سے حق کے مقابلہ میں اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا نہ تو کوئی جدید نقش واثر ہوگا اور نہ ہی کوئی تکراری نقش واثر ہوگا کیونکہ اس کے تمام نقوش نقش بر آب ہیں اور ٹھیک اسی بناء پر وہ نور حق کی پردہ پوشی بھی نہیں کرسکتا اور اس کے اثر کو دلوں سے کم نہیں کر سکتا۔

(۵۰) اس کے بعد اس بناء پر کہ وہ یہ واضح کردے کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے خدا کی طرف سے ہے اور ہر ہدایت خدا کی جانب سے ہے اور وحی الٰہی میں ہرگز خطا کا گزر نہیں ہے مزید کہتا ہے کہ کہہ دے کہ اگر میں گمراہ ہو جاؤں تو میں خود اپنی طرف سے گمراہ ہوں گا اور اگر میں ہدایت پاؤں تو میں اس چیز کے ذریعے سے کہ جو میرے پروردگار نے مجھے وحی کی ہے ہدایت پاؤں گا۔

یعنی میں بھی اگر اپنی حالت پر رہوں تو گمراہ ہو جاؤں گا کیونکہ باطل کے انبوہ میں سے راہ حق کو تلاش کرنا پروردگار کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے اور ہدایت کا وہ نور کہ جس میں گمراہی کا کوئی گزر نہیں ہے اس کی وحی کا نور ہے۔

بہرحال جہاں پیغمبر باوجود اپنے پورے علم و آگاہی کے خدا کی ہدایت کے بغیر کسی جگہ پر نہیں پہنچتا تو دوسروں کا معاملہ تو ظاہر اور روشن ہے آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے وہ سننے والا اور نزدیک ہے۔ کہیں یہ خیال نہ کر لینا کہ وہ ہماری اور تمہاری باتوں کو نہیں سنتا۔

(۵۱) وَ لَوْ تَرٰۤی اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَ اُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِیْبٍ ۙ	اگر تو اس وقت دیکھے جبکہ ان کی فریاد بلند ہوگی لیکن وہ (عذاب سے) بھاگ نہ سکیں گے اور وہ نزدیک کسی جگہ سے پکڑ لئے جائیں گے۔
(۵۲) وَّ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَ اَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ ۚۖ	اور وہ یہ کہیں گے کہ ہم ایمان لائے لیکن وہ دور کے فاصلے سے اس بات پر کیسے رسائی حاصل کرسکیں گے۔
(۵۳) وَّ قَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ یَقْذِفُوْنَ بِالْغَیْبِ مِنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ	(حالانکہ) وہ اس سے پہلے تو اس سے کافر ہو گئے تھے اور دور ہی دور سے عالم غیب کے بارے میں اٹکل پچو باتیں بنایا کرتے تھے۔

(۵۴)وَ حِيْلَ بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۠	آخر کار ان کے اور ان کی خواہشات (تمناؤں آرزوؤں اور چاہتوں) کے درمیان جدائی ڈال دی گئی جیسا کہ ان کے پیرو کاروں کے ساتھ اس سے پہلے کیا گیا تھا کیونکہ وہ شک وشبہ میں مبتلا تھے۔

تفسیر

اہل باطل کے لئے راہ فرار نہیں ہوگی

زیر بحث آیات میں کہ جو سورہ سبا کی آخری آیات ہیں ان مباحث کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ جو ہٹ دھرم مشرکین کے بارے میں گزشتہ آیات میں گزر چکی ہیں دوبارہ پیغمبر کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے اس گروہ کی حالت کو عذاب الٰہی کے چنگل میں گرفتاری کے وقت مجسم کرتا ہے کہ وہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہونے کے بعد کسی طرح ایمان لانے کی فکر میں پڑیں گے لیکن ان کے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہ ہوگا فرماتا ہے اگر تو اس وقت دیکھے جبکہ ان کی فریاد بلند ہوگی لیکن وہ بھاگ نہ سکیں گے اور عذاب الٰہی کے چنگل سے نکل نہ سکیں گے اور انہیں بالکل قریب سے ہی پکڑ لیں گے اور گرفتار کرلیں گے تو تو ان کی بیچارگی اور بے بسی پر تعجب کرے گا۔

یہ نالہ وزاری اور فریاد و بے تابی سب کی سب دنیا ہی میں پہنچنے والے عذاب کے ساتھ یا جان کنی کے لحہ کے ساتھ مربوط ہیں کیونکہ آخری آیات میں وہ یہ کہتا ہے کہ ان کے اور ان کی چہیتی چیزوں کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی جیسا کہ اس سے پہلے کفار کے دوسرے گروہوں کے بارے میں یہی عمل انجام پایا ہے۔

"اخذ و امن مکان قریب" کے جملہ سے مراد یہ ہے کہ یہ ستمگر اور بے ایمان لوگ نہ صرف یہ کہ وہ قدرت خدا کی حدود سے باہر نہ نکل سکیں گے بلکہ خدا انہیں ایسی جگہ سے گرفتار کرے گا کہ جو ان سے بہت ہی زیادہ قریب ہوگی۔

(۵۲) اس آیت میں ان کے عذاب الٰہی کے چنگل میں گرفتار ہونے کے وقت ان کی حالت کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے وہ کہیں گے کہ ہم اس قرآن اور اس کے لانے والے اور مبدا و معاد پر ایمان لائے۔

ہاں! موت اور عذاب استیصال کے آجانے پر بازگشت کے دروازے کلی طور پر بند ہوجاتے ہیں اور انسان اور گزشتہ غلط کاریوں کی تلافی کے درمیان ایک محکم رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے اسی بنا پر اس وقت ایمان کا اظہار کرنا ایسا ہوگا جیسا کہ یہ بات کسی دور دراز مقام سے انجام پائے جہاں ہاتھ نہ پہنچ سکتا ہو۔ اصولی طور پر اس قسم کا ایمان کہ جو اضطراری پہلو رکھتا ہو کوئی وقعت نہیں رکھتا۔

(۵۳) اس وقت جبکہ تمام چیزیں ختم ہوگئی ہیں وہ ایمان لاکر اپنی خطاؤں کی تلافی کیسے کرسکتے ہیں حالانکہ وہ اس سے پہلے

جبکہ وہ انتہائی اختیار اور ارادہ کی آزادی کے مالک تھے اس سے کافر ہو گئے تھے۔

وہ نہ صرف کافر ہی ہوئے تھے بلکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کی تعلیمات پر طرح طرح کی تہمتیں باندھتے تھے اور عالم غیب عالم ماوراطبیعت قیامت اور پیغمبر کی نبوت کے بارے میں ناروا فیصلے کیا کرتے تھے اور دور دراز مقام سے اس کی طرف ناروا نسبتیں دیتے تھے۔

(۵۴) اس کے بعد مزید کہتا ہے کہ آخر کار ان کے اور ان تمام چیزوں کے درمیان کہ جن سے وہ علاقہ وتعلق رکھتے تھے موت کے ذریعہ جدائی ڈال دی جائے جیسا کہ ان کے مانند ومشابہ گروہوں کے ساتھ اس سے پہلے عمل ہوا۔

ایک ہی دردناک لمحہ میں دیکھیں گے کہ ان کا تمام مال ودولت، تمام محلات اور مقام ومنصب اور ان کی تمام آرزوئیں اور تمنائیں ان سے جدا ہو رہی ہیں وہ لوگ کہ جو ایک ایک پیسے کے ساتھ ایک ایک درہم ودینار سے سختی کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے اور معمولی سے معمولی مادی وسائل واسباب سے بھی دل کو الگ نہیں کرتے تھے ان کا اس لمحہ میں کہ جس میں انہیں ایک ہی مرتبہ سب کو الوداع کہنا پڑے گا آنکھیں بند ہو جائیں گی اور ایک تاریک اور وحشت ناک مستقبل کی طرف قدم اٹھا رہے ہوں گے کیا حال ہوگا۔

(۵۵) آخر میں آخری زیر بحث آیت کے آخری جملہ میں کہتا ہے کہ ان سب مسائل کا سبب یہ ہے کہ وہ ہمیشہ شک وشبہ کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے لہٰذا طبعاً اس قسم کا انجام ان کے انتظار میں تھا۔

سورۂ فاطر

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۴۵ آیات ہیں

سورہ فاطر کے مضامین

یہ سورہ کہ جسے کبھی سورہ فاطر اور کبھی سورۂ ملائکہ کا نام دیتے ہیں اس کے آغاز کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ جو فاطر اور ملائکہ کے عنوان سے شروع ہوتا ہے اس سورہ کی آیات کو پانچ حصوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

1......اس سورہ کی آیات کا ایک اہم حصہ عالم ہستی میں خدا کی عظمت کی نشانیوں اور توحید کے دلائل کے سلسلہ میں گفتگو کرتا ہے۔

2......اس کا دوسرا حصہ پروردگار کی ربوبیت اس کی خلاقیت ورازقیت اور مٹی سے انسان کی خلقت اور اس کے تکامل وارتقاء سے بحث کرتا ہے۔

3......اس کا تیسرا حصہ معاد اور آخرت میں نتائج اعمال اور اس جہان میں خدا کی رحمت کی وسعت اور متکبرین کے بارے میں اس کی تخلف ناپذیر سنت سے متعلق ہے۔

4......اس کی آیات کا ایک حصہ انبیاء کی رہبری اور ہٹ دھرم اور سخت قسم کے دشمنوں کیساتھ مسلسل اور متواتر مبارزہ اور اس سلسلے میں پیغمبر اسلام کی دلداری اور تسلی کے مسئلہ کی طرف اشارہ ہے۔

5......آخری حصہ میں خدائی مواعظ اور پند ونصائح کا بیان ہے یہ بیان مختلف امور کے بارے میں ہے۔

بعض مفسرین نے اس ساری سورت کو ایک ہی حلقہ میں خلاصہ کیا ہے اور وہ خدا کی قاہریت کا مسئلہ ہے۔

سورہ فاطر کی فضیلت تلاوت

سورہ سبا کے آغاز میں موجود روایت کے علاوہ ایک حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ:

"جو شخص سورہ فاطر کو پڑھے تو قیامت کے دن جنت کے دروازوں میں سے تین دروازے اسے اپنی طرف دعوت دیں گے کہ وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے"۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ جنت کے دروازے سے وہی عقائد اور اعمال صالحہ ہیں کہ جو بہشت میں داخل ہونے کا سبب بنتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ روایت توحید، معاد اور رسالت پیغمبر کے اعتقاد کے تین دروازوں کی طرف اشارہ ہو۔

جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ قرآن عملی پروگرام ہے اور اس کی تلاوت کرنا تفکر اور ایمان کا مقدمہ اور تمہید ہے، اور وہ اس کے معنی ومفہوم پر عمل کرنے کا ذریعہ بنتا ہے، اور یہ سب اجر اور صلے بھی اسی کی بناء پر ہیں، اور انہیں شرائط کے ساتھ حقیقت بنتے ہیں۔ (غور کیجئے)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ کے نام سے شروع جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ جَاعِلِ الۡمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا اُولِیۡۤ اَجۡنِحَۃٍ مَّثۡنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ یَزِیۡدُ فِی الۡخَلۡقِ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ	حمد وثنا مخصوص اس خدا کے لیے ہے کہ جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے، وہی خدا کہ جس نے فرشتوں کو رسول قرار دیا ہے کہ جو دو دو، تین، تین اور چار چار پروں والے ہیں، وہ جتنا چاہتا ہے آفرینش میں اضافہ کر دیتا ہے، اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
(۲) مَا یَفۡتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنۡ رَّحۡمَۃٍ فَلَا مُمۡسِکَ لَہَا ۚ وَ مَا یُمۡسِکۡ ۙ فَلَا مُرۡسِلَ لَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ	خدا جس رحمت کو لوگوں پر کھول دے اسے کوئی نہیں روک سکتا، اور جس کو روک دے تو اس کے سوا کوئی شخص اس کے بھیجنے پر قدرت نہیں رکھتا، اور وہ عزیز وحکیم ہے۔
(۳) یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ ؕ ہَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰہِ یَرۡزُقُکُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۫ۖ فَاَنّٰی تُؤۡفَکُوۡنَ	اے لوگو! تم اپنے اوپر خدا کی نعمت کو یاد کرو، کیا خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے کہ جو آسمان و زمین سے تمہیں روزی دے؟ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے، اس حالت میں تم باطل کی طرف کس طرح منحرف ہوتے ہو۔

تفسیر

بند دروازوں کا کھولنے والا وہی ہے

اس سورہ کی ابتدا پروردگار کی حمد سے ہوتی ہے، اس کی حمد وثنا وسیع عالم ہستی کی خلقت وآفرینش کی بنا پر فرماتا ہے: حمد مخصوص ہے اس خدا کے ساتھ کہ جو آسمان اور زمین کا خالق ہے اور عالم ہستی کی تمام نعمات ومواہب کا سرچشمہ اسی کا وجود ذیجود ہے۔

"فاطر" "فطور" کے مادہ سے اصل میں شگافتہ کرنے کے معنی میں ہے اور چونکہ موجودات کی آفرینش ظلمت عدم کے شگافتہ ہونے اور نور ہستی کے باہر آنے کی مانند ہے اس لیے یہ تعبیر خلقت وآفرینش کے معنی میں استعمال ہوتی ہے۔

اور چونکہ اس عالم کی تدبیر اس بناء پر کہ یہ عالم عالم اسباب ہے پروردگار کی طرف سے فرشتوں کے ذمہ لگائی ہے لہٰذا بلا فاصلہ ان کی خلقت اور ان کی عظیم قدرتوں کے متعلق کہ جو پروردگار نے انہیں عطا کی ہیں گفتگو کرتا ہے وہی خدا کہ جس نے فرشتوں کو

رسول قرار دیا ہے دو دو تین تین چار چار پروں کے حامل ہیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے خدا جتنا چاہتا ہے خلقت میں اضافہ کر دیتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہاں ''رسالت'' ایک وسیع و عریض معنی میں استعمال ہوا ہے کہ جو رسالت تشریعی (یعنی انبیاء کی طرف وحی کے پیغام لانے) اور رسالت تکوینی (یعنی عالم افرینش میں مختلف فرائض کی ذمہ داری لینا) دونوں کو شامل ہے۔

۲) پروردگار کی خالقیت اور فرشتوں کی رسالت کا بیان کرنے کے بعد کہ جو فیض خدا کا واسطہ ہیں اپنی رحمت کو بیان فرمارہا ہے کہ جو تمام عالم ہستی کی بنیاد ہے فرماتا ہے کہ خدا جس رحمت کو لوگوں کے لیے کھول دے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور جسے روک لے اس کے سوا کوئی شخص اس کے بھیجنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ کیونکہ وہ ایسا قدرت والا ہے کہ جو شکست ناپذیر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ حکیم و آگاہ ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ رحمت کے تمام خزانے اس کے پاس ہیں اور جس کو وہ لائق سمجھتا ہے اس کو مشمول رحمت کر لیتا ہے۔

(۳) اس آیت میں توحید در عبادت کے مسئلہ کی طرف توحید در خالقیت و رازقیت کی اساس پر اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے اے لوگو اپنے اوپر خدا کی نعمت کو یاد کرو۔

ٹھیک طریقہ سے غور و فکر کرو کہ یہ تمام انعامات اور برکات اور زندگی کے یہ تمام وسائل و اصل پیدا کرنے والا کون ہے اور ان کا سرچشمہ کیا چیز ہے؟ کیا خدا کے سوا کوئی اور خالق آسمان و زمین سے تمہیں روزی دیتا ہے۔

اب جبکہ تم اس بات کو جانتے ہو کہ ان سب برکات کا سرچشمہ وہی ہے تو پھر جان لو کہ اس کے سوا کوئی اور معبود بھی نہیں ہے اور عبادت و پرستش صرف اسی کی ذات پاک کے لائق ہے۔ اس حالت میں تم کس طرح حق کی راہ سے باطل کی طرف منحرف ہوتے ہو اور اللہ کے بجائے بتوں کے سامنے سجدہ کرتے ہو۔

(۴) وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ۭ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ	اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو (غم نہ کرو) تم سے پہلے جو پیغمبر تھے انہیں بھی جھٹلایا گیا تھا اور تمام کام خدا ہی کی طرف لوٹتے ہیں۔
(۵) يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ	اے لوگو خدا کا وعدہ حق ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ زندگانی دنیا تمہیں مغرور کر دے اور کہیں شیطان تمہیں دھوکا دے کر خدا (کے کرم) سے مغرور نہ کر دے۔

(٦) اِنَّ الشَّیْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا یَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِیَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِیْرِ ؕ	یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تم اس کو اپنا دشمن جانو وہ تو صرف اپنے گروہ کو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ وہ جلانے والی (جہنم کی) آگ والے ہو جائیں۔
(٧) اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۬ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ۧ	جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان کے لیے عذاب شدید ہے اور جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح انجام دیئے ان کے لیے مغفرت اور اجر عظیم ہے۔

تفسیر

دنیا اور شیطان تمہیں دھوکا نہ دے

اس سورہ کی آیات کے دوسرے حصہ میں اس گفتگو کے بعد کہ جو توحید و خالقیت و رزاقیت کے سلسلہ میں تھی پہلے روئے سخن پیغمبر کی طرف اور پھر عام لوگوں کی طرف کرتے ہوئے ان کے عمل پروگرام کی گزشتہ عقیدے سے متعلق پروگرام کے بعد تشریح کرتا ہے۔

پہلے پیغمبر کو اپنی راہ پر چلنے کے لیے استقامت کا درس دیتا ہے کہ جو آپ کے لیے اہم ترین درس ہے فرماتا ہے کہ اگر وہ تیری تکذیب کریں تو غم نہ کرو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تجھ سے پہلے جو پیغمبر ہوئے ہیں ان کی بھی تکذیب کی گئی تھی۔

انہوں نے بھی اس راہ میں ثابت قدمی سے کام لیا اہم بات یہ ہے کہ تمام کام خدا ہی کی طرف لوٹتے ہیں اور وہ ہر چیز پر ناظر اور ہر کام کا حساب کتاب کرنے والا ہے۔

وہ اس راہ میں تیری زحمات و تکالیف کو ہرگز بے اعتنائی سے نہیں دیکھتا جس طرح سے کہ ان ہٹ دھرم مخالفین کے جھٹلانے کو بغیر سزا دیئے نہیں چھوڑتا۔

(۵) اس کے بعد انسانوں کے اہم ترین پروگرام کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اے لوگو خدا کا وعدہ حق ہے۔

قیامت حساب و کتاب، میزان، مجازات، کیفر، جنت، جہنم سب کے سب ایسے وعدے ہیں کہ جو خدائے قادر و حکیم کی طرف سے پورے ہونے والے ہیں اس وعدۂ حق کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیاوی زندگی تمہیں دھوکہ دے دے اور دھوکہ دینے والا شیطان کہیں تمہیں فریب نہ دے دے اور خدا کے عفو و کرم سے مغرور کر دے۔

ہاں! سرگرم کرنے والے عوامل اور اس جہان کے دل فریب ٹھاٹھ باٹھ چاہتے ہیں کہ تمہارے سارے دل کو ان سے بھر دیں اور اس عظیم خدائی وعدے سے غافل بنا دیں ان سے بچتے رہو۔

(۶) یہ آیت تمام مومنین کو ان شیطانی وسوسوں کے مسئلہ سے مربوط کہ جس کا بیان اس سے پہلی آیت میں ہوا تھا ایک تنبیہ ہے کہتا ہے کہ شیطان یقیناً تمہارا دشمن ہے تم بھی اس کو اپنا دشمن سمجھو۔اس کی دشمنی آدم علیہ السلام کی پیدائش کے پہلے دن سے ہی شروع ہو چکی تھی۔

آیت کے آخر میں مزید تاکید کے لیے کہتا ہے وہ تو صرف اپنے ہی گروہ کو اس لیے دعوت دیتا ہے تا کہ وہ جہنم کی جلانے والی آگ میں داخل کیے جائیں۔

شیطان اپنی جماعت کو آلودگی اور گناہ شہوات کی پلیدی شرک وطغیان ظلم وستم اور آخر کار جہنم کی آگ کی طرف دعوت دیتا ہے۔

(۷) اس آیت میں حزب اللہ کا انجام کار اور حزب الشیطان کی دردناک عاقبت کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ جو لوگ کافر ہو گئے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح انجام دیئے تو وہ مغفرت اور اجر عظیم کے مستحق ہیں۔

اس آیت کے مطابق کفر تو تنہا ہی عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا سبب ہے لیکن ایمان عمل کے بغیر سبب نجات نہیں ہوگا۔

(۸) اَفَمَنۡ زُيِّنَ لَهٗ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنۡ يَّشَآءُ وَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذۡهَبۡ نَفۡسُكَ عَلَيۡهِمۡ حَسَرٰتٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَصۡنَعُوۡنَ	وہ شخص کہ جس کے لیے اس کا برا عمل (اس کی نظروں میں) زینت دے دیا گیا ہے اور وہ اسے اچھا اور خوبصورت لگتا ہے۔(اس کی مانند ہے کہ جو واقع کو اسی طرح سے دیکھتا ہے کہ جس طرح سے وہ ہے) خدا جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے (لائق سمجھتا ہے) ہدایت دیتا ہے،اس بنا پر ان کے اوپر شدت تاسف کی وجہ سے اپنی جان نہ دے کیونکہ اس سے کہ جو وہ انجام دیتے ہیں باخبر ہے۔
(۹) وَ اللّٰهُ الَّذِىۡۤ اَرۡسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيۡرُ سَحَابًا فَسُقۡنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحۡيَيۡنَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ كَذٰلِكَ النُّشُوۡرُ	اور خدا ہی ہے کہ وہ جس نے ہواؤں کو بھیجا تا کہ وہ بادلوں کو حرکت میں لائیں، پس ہم ان بادلوں کو مردہ زمینوں کی طرف بھیجتے ہیں اور ان کے ذریعہ زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتے ہیں،معاد وقیامت بھی اسی طرح ہے۔

(۱۰) مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ؕ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَ مَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ	جو شخص عزت چاہتا ہے (وہ خدا سے طلب کرے) کیونکہ ساری عزت خدا ہی کے لیے ہے، پاکیزہ باتیں اس کی طرف صعود کرتی ہیں اور عمل صالح کو اوپر لے جاتی ہیں اور وہ لوگ جو برے منصوبے بناتے ہیں ان کے لیے شدید عذاب ہے، اور ان کا مکر اور فساد کی کوششیں نابود ہو جائیں گی۔

تفسیر

پاک اور صالح گفتار اور کردار خدا کی طرف لے جاتے ہیں

چونکہ گزشتہ آیات میں لوگوں کی دو گروہوں میں تقسیم ہوئی تھی، زیر بحث آیت ان دونوں گروہوں کی ایک اہم خصوصیت کو، جو واقع میں ان کے تمام پروگراموں کا سرچشمہ ہے، بیان کرتے ہوئے کہتی ہے؛ کیا وہ شخص ہے کہ جس کے عمل کی برائی اس کی نظروں میں زینت دے دی گئی ہے اور وہ اس کو ایک اچھی اور خوبصورت بات سمجھتا ہے، اس شخص کی مانند ہے کہ جو واقعات کو بعینہ اسی طرح سے جیسے کہ وہ ہیں۔ اچھے یا برے...... درک کرتا ہے؟

حقیقت میں یہ مسئلہ گمراہ اور ہٹ دھرم قوموں کی سب بدبختیوں کی کلید ہے کیونکہ ان کے تمام برے اعمال، ان کے سیاہ دل اور خواہشات نفسانی سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے ان کی نظر میں خوبصورت دکھائی دیتے ہیں۔

لیکن وہ کون ہے کہ جو بدکاروں کے برے اعمال کو ان کی نظر میں جلوہ دیتا ہے؟ اس میں شک نہیں کہ عامل اصلی تو ہوائے نفس اور شیطان ہی ہے، لیکن چونکہ یہ اثر خدا نے ان کے اعمال میں پیدا کیا ہے لہٰذا اسے خدا کی طرف بھی منسوب کیا جا سکتا ہے، کیونکہ انسان جب کسی گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو ابتداء میں وہ اپنے برے عمل سے بے چین اور پریشان ہوتے ہیں لیکن جس قدر وہ اس عمل کو دہراتے ہیں تو ان کی پریشانی میں کمی ہوتی جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ وہ بے پرواہی کے مرحلہ تک پہنچ جاتے ہیں اور اگر پھر بھی اس عمل کو دہراتے رہیں تو برائیاں ان کی نظر میں اچھائیاں ہو جاتی ہیں۔

اس کے بعد قرآن ان دونوں گروہوں کے درمیان فرق کا سبب بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے۔ خدا جس شخص کو چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے۔

واضح ہے کہ یہ مشیت الٰہی اس کی حکمت کے ساتھ ساتھ ہے۔ اور ہر شخص کو جس کا وہ لائق ہے اس کو وہی دیتا ہے۔

اسی لیے آیت کے آخر میں فرماتا ہے؛ مبادا ان کی وضع و کیفیت پر شدت تاسف اور حسرت کے زیر اثر تو اپنی جان دے بیٹھے۔

لیکن تو کیوں حسرت نہ کرے؛ اس لیے کہ خدا ان کے اعمال سے آگاہ ہے، اور وہ جس چیز کے لائق ہیں وہ چیز انہیں دے

گا۔

(۹) اس آیت میں گزشتہ مباحث کی طرف توجہ کرتے ہوئے۔ کہ جو ہدایت وضلالت اور ایمان وکفر کے سلسلے میں گزر چکی ہیں۔ مبدا ومعاد کے بارے میں مختصر اور واضح بیان کر رہا ہے، اور مبداء ومعاد کے اثبات کو ایک عمدہ دلیل میں ایک دوسرے کے قریب کرتے ہوئے فرماتا ہے: خدا وہی ہے کہ جس نے ہواؤں کو چلایا۔

''پھر ہم ان بادلوں کو مردہ اور خشک زمین کی طرف چلاتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ ہم زمین کو مردہ ہونے کے بعد زندہ کرتی ہیں''۔

ہاں! مردوں کا موت کے بعد زندہ ہونا بھی اسی طرح ہے۔

ایک جچا تلا نظام جو ہواؤں کے چلنے اور اس کے بعد بادلوں کی حرکت اور اس کے بعد بارش کے حیات بخش قطرات کے برسنے اور اس کے بعد مردہ زمینوں کے زندہ ہونے پر جاری ہے وہ خود بہترین دلیل اور عمدہ ترین گواہ ہے اس حقیقت پر کہ ایک حکیم ودانا کا دست قدرت اس کارخانے کے پیچھے برقرار ہے اور وہ اس کی تدبیر کر رہا ہے۔

(۱۰) توحید کی اس بحث کے بعد مشرکین کے ایک بہت بڑے اشتباہ اور غلطی (بتوں سے عزت کے خواستگاری) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ: جو لوگ عزت چاہتے ہیں وہ خدا سے طلب کریں کیونکہ ساری عزت خدا ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

کیونکہ یہ صرف اسی کی ذات پاک ہے کہ جو ناقابل شکست ہے لہٰذا ساری عزت اسی کے لیے ہے۔ اور جو شخص بھی عزت حاصل کرتا ہے وہ اسی کے غیر متناہی دریائے عزت کی برکت سے ہے۔

امام حسن علیہ السلام کے حالات زندگی میں ہم پڑھتے ہیں کہ اپنی زندگی کے آخری وقت میں جبکہ آپ کے ایک صحابی جنادہ بن ابی سفیان نے آپ سے وعظ ونصیحت کی درخواست کی، تو آپ نے قیمتی اور موثر نصیحتیں اس کے لیے بیان کی، ان میں سے ایک یہ تھی کہ:

''جب تو یہ چاہے کہ قبیلہ وعشرہ کے بغیر عزیز رہے، اور اقتدار سلطنتی کے بغیر ہیبت رکھے تو خدا کی معصیت کی ذلت سے نکل کر اس کی اطاعت کی عزت کی پناہ میں آجا''۔

(بحارالانوار۔ ج۔۴۴۔ص۔۱۳۹)

اس کے بعد عزت حاصل کرنے کی راہ کی اس طرح تشریح کرتا ہے۔ کہ پاکیزہ باتیں اس کی طرف صعود کرتی ہیں۔ اور وہ عمل کو اوپر لے جاتا ہے۔

''الکلم الطیب'' کی مبداء ومعاد اور دین خدا کے بارے میں صحیح اعتقادات کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔

اس کے بعد نقطۂ مقابل کو پیش کرتے ہوئے کہتا ہے: ''وہ لوگ کہ جو برے منصوبے بناتے ہیں ان کے لیے شدید عذاب ہے''۔

''اور ان کی آلودہ ونا پاک وفاسد سعی وکوشش نابود ہوجاتی ہے اور کسی مقام تک نہیں پہنچتی''۔

(۱۱)وَ اللّٰہُ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ تُرَابٍ ثُمَّ مِنۡ نُّطۡفَۃٍ ثُمَّ جَعَلَکُمۡ اَزۡوَاجًا ؕ وَ مَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰی وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِہٖ ؕ وَ مَا یُعَمَّرُ مِنۡ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا یُنۡقَصُ مِنۡ عُمُرِہٖۤ اِلَّا فِیۡ کِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیۡرٌ	خدا نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر تمہارے جوڑے بنا دیئے، کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم کے ساتھ اور کسی شخص کی عمر نہیں بڑھتی اور نہ ہی کسی کی عمر میں کمی ہوتی ہے مگر یہ کہ (علم خدا کی) کتاب میں لکھا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ خدا کے لیے آسان ہے۔
(۱۲) وَ مَا یَسۡتَوِی الۡبَحۡرٰنِ ٭ۖ ہٰذَا عَذۡبٌ فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُہٗ وَ ہٰذَا مِلۡحٌ اُجَاجٌ ؕ وَ مِنۡ کُلٍّ تَاۡکُلُوۡنَ لَحۡمًا طَرِیًّا وَّ تَسۡتَخۡرِجُوۡنَ حِلۡیَۃً تَلۡبَسُوۡنَہَا ۚ وَ تَرَی الۡفُلۡکَ فِیۡہِ مَوَاخِرَ لِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِہٖ وَ لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ	یہ دونوں دریا یکساں نہیں ہیں۔ ایک دریا کہ جس کا پانی شیریں اور پینے میں خوشگوار ہے اور ایک یہ کہ جو کھاری اور گلوگیر ہے (لیکن) تم دونوں سے ہی تر و تازہ گوشت کھاتے ہو، اور زینت کی چیزیں نکال کر پہنتے ہو، اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں ان کا سینہ چیرتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔ تاکہ فضل خدا سے فائدہ اٹھاؤ اور شاید کہ تم (اس کی نعمتوں کا) شکرادا کرو۔

تفسیر

گزشتہ آیات میں توحید، معاد اور صفات خدا کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی اس آیت میں پہلے مراحل میں انسان کی پیدائش کے متعلق اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: خدا نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر تمہارے جوڑے بنا دیئے۔

یہ بات مسلم ہے کہ انسان مٹی سے بنا ہے اس لحاظ سے بھی کہ انسانوں کے جداعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے اور اس لحاظ سے بھی کہ وہ تمام مادے کہ جو جسم انسانی کو تشکیل دیتے ہیں، یا انسان ان سے غذا ئیات ہے، یا اس کا نطفہ ان سے بنتا ہے وہ سب کے سب مٹی ہی سے نشوونما پاتے ہیں۔

اس کے بعد حیات انسانی کے چوتھے اور پانچویں مرحلے کا ذکر ہوتا ہے اور ماؤں کے حاملہ ہونے اور بچہ جننے کے بارے میں بات کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: کوئی مادہ حاملہ نہیں ہوتی اور بچہ نہیں جنتی مگر وہ خدا کے علم میں ہوتا ہے۔

بے جان مٹی کہاں اور زندہ، عقل مند، صاحب ہوش اور نو بہ نو کام کرنے والا انسان کہاں؟ بے قدر و قیمت نطفہ کہ جو متعفن پانی کے چند قطروں سے بنا ہے، کہاں؟ صاحب رشد خوبصورت مختلف حواس کا حامل اور طرح طرح کی کاریگری کا مظہر انسان کہاں؟

اس کے بعد عجیب و غریب نظام عمل کے چھٹے اور ساتویں مرحلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ عمر کے مختلف مراحل کی مختلف عوامل کے زیر اثر زیادتی اور کمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: کوئی شخص طولانی عمر نہیں پاتا اور کسی کی عمر میں کمی نہیں ہوتی مگر یہ کہ وہ خدا

کے علم کی کتاب میں ثبت ہے۔ یہ کام ایسے قوانین اور نظام کی پیروی کرتا ہے کہ جن پر اس کا علم وقدرت حکم فرامین ہے۔

آخر کار اس آیت کو اس جملے پر ختم کر دیا گیا ہے: یہ سب کچھ خدا کے لیے آسان ہے۔

اس عجیب وغریب موجود کی خلقت اور اسی طرح زوجیت، حمل، وضع حمل اور عمر کی زیادتی وکمی سے مختلف مسائل چاہے وہ قدرت کے لحاظ سے ہوں یا علم وحساب کے لحاظ سے، سب کے سب اس کے لیے سہل اور آسان ہیں۔ یہ اس دنیائے انفس میں اس کی نشانیوں کا ایک گوشہ ہے۔ یہ امور ایک طرف تو ہمیں عالم ہستی کے مبداء سے مربوط وآشنا کرتے ہیں اور دوسری طرف معاد وقیامت کے امکان پر زندہ دلائل شمار ہوتے ہیں۔

طبعی عوامل کا ایک سلسلہ عمر کی زیادتی یا کمی میں دخل رکھتا ہے کہ جن میں سے بہت سے عوامل کو نوع بشر نے اب تک پہچان لیا ہے۔ مثلاً افراط وتفریط سے بچتے ہوئے صحیح غذا کھانا، کام اور حرکت میں رہنا ہر قسم کے نشے، خطرناک عادات اور الکحل والے مشروبات سے پرہیز کرنا، ہر وقت کے ہیجانات سے دور رہنا اور قوی اور مضبوط ایمان رکھنا کہ جو انسان کی زندگی کی ناہمواریوں میں سکون بخش سکے۔

ان کے علاوہ بھی کچھ ایسے عوامل ہیں کہ روایات اسلامی میں ان کے بارے میں بہت تاکید کی گئی ہے۔ نمونے کے طور پر ذیل کی روایات پر توجہ فرمائیں:

1۔ پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: راہ خدا میں خرچ کرنا اور صلہ رحمی گھروں کو آباد اور عمر کو زیادہ کرتا ہے۔

2۔ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں نیکوکاری اور پوشیدہ طریقے سے صدقہ دینا فقر وفاقہ کو دور کرتا ہے، عمر میں زیادتی کرتا ہے۔

(۱۲) شیریں اور شور پانی والے دریا یکساں نہیں ہیں

اس آیت میں آفاق میں اس کی عظمت وقدرت کی کچھ نشانیاں ذکر کی گئی ہیں۔ دریاؤں کی خلقت اور ان کی برکات وفوائد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: دو دریا یکساں نہیں ہیں ان میں سے عمدہ، شیریں اور پینے میں خوشگوار ہے اور ان میں سے دوسرا کھاری اور گلوگیر ہے۔

اگرچہ دونوں پہلے دن تو بارش کے شیریں قطرات کی شکل میں آسمان سے زمین پر برستے تھے اور دونوں کا سرچشمہ ایک ہی تھا، لیکن اب گویا دونوں کا چہرہ مختلف ہے۔ اور مختلف فوائد کے حامل ہیں۔ اور تعجب کی بات یہ ہے کہ: تم ان دونوں اس سے تروتازہ گوشت کھاتے ہو۔

اور دونوں سے ہی پہننے کے لیے زینت کی چیزیں نکالتے ہو۔ علاوہ ازیں دونوں ہی سے مال ومتاع اور نقل وحمل کے لیے فائدہ اٹھاتے ہو، لہٰذا تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ جو ہر طرف دریاؤں کو چیرتی ہوئے آگے بڑھتی ہیں، تاکہ تم خدا کے فضل سے فائدہ اٹھاؤ، شاید اس کے شکر کا حق ادا کرو۔

(۱۳) يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۙ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ؕ	وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں۔ سورج اور چاند کو اس نے (تمہارے لیے) مسخر کردیا ہے، ان میں سے ہر ایک کو، ایک معین وقت تک اپنی حرکت جاری رکھنا ہے۔ یہ ہے تمہارا پروردگار اللہ۔ (سارے عالم کی) حاکمیت اسی کے لیے ہے۔ اور جنہیں تم اس کے علاوہ پکارتے ہو۔ وہ تو کھجور کی گٹھلی کی نازک جھلی کے برابر بھی حاکمیت (اور مالکیت) نہیں رکھتے۔
(۱۴) اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ؕ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ؕ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۧ	اگر تم انہیں پکارو گے تو وہ تمہاری آواز نہیں سنیں گے اور اگر سن بھی لیں تو تمہیں کوئی جواب نہیں دیں گے، اور قیامت کے دن تمہارے شرک (اور پرستش) کا انکار کردیں گے اور کوئی بھی تجھے خبیر (اور آگاہ خدا) کی مانند (حقائق سے) سے باخبر نہیں کرے گا۔

تفسیر

جھوٹے معبود تو تمہاری آواز تک نہیں سنیں گے

قرآن ایک مرتبہ پھر توحید کی نشانیوں اور پروردگار کی بے پایاں نعمتوں کے ایک حصے کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ انسان کے احساس تشکر کو ابھار کر اسے معبود حقیقی کی شناخت کی طرف لایا جائے اور اسے ہر قسم کے شرک اور بے ہودہ عبادتوں سے باز رکھا جائے، فرمایا گیا ہے: وہ وہی ہے کہ جو رات کو دن میں دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔

اس کے بعد سورج اور چاند کی تسخیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: اس نے سورج اور چاند کو تمہارے لیے مسخر کیا ہے۔

اس سے بڑھ کر اور تسخیر کیا ہو کہ وہ سب انسان کے فائدے میں حرکت کر رہے ہیں اور انسانی زندگی میں انواع واقسام کی برکات کا سرچشمہ ہیں لیکن یہ سورج اور چاند باوجودیکہ پورے طور پر منظم طریقے سے اپنے راستے پر چل رہے ہیں اور انسان کے اچھے خدمت گزار ہیں، تاہم جو نظام ان پر حاکم ہے۔ وہ جاودانی اور ہمیشہ کے لیے نہیں ہے۔

اس لیے قرآن تسخیر کے بارے میں بات کرنے کے بعد مزید کہتا ہے؛ ان دونوں میں سے ہر ایک ایک خاص زمانے تک کہ جو ان کے لیے معین ہوا ہے اپنی حرکت جاری رکھے گا۔

پھر توحید کی اس بحث سے نتیجہ نکالنے کے طور پر فرمایا گیا ہے: یہ ہے خدا تمہارا عظیم پروردگار۔

وہ خدا کہ جس نے نور وظلمت کے نظام اور سورج و چاند کے حساب شدہ حرکات کو تمام برکات کے ساتھ مقرر فرمایا ہے۔ عالم ہستی میں حاکمیت اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور وہ معبود کہ جنہیں تم اسے چھوڑ کر پکارتے ہو، وہ تو کھجور کی گٹھلی کے اوپر کی نازک جھلی کے برابر بھی عالم ہستی میں حق حاکمیت اور مالکیت نہیں رکھتے۔

(۱۴) اس کے بعد فرمایا: اگر تم انہیں اپنی مشکلات کے حل کے لیے پکارو تو وہ ہرگز تمہاری پکار نہیں سنتے۔ کیونکہ وہ چند پتھروں اور لکڑی کے ٹکڑوں کے علاوہ کچھ نہیں ہیں، وہ بے شعور جمادات ہی تو ہیں۔ اور بالفرض وہ تمہارے نالہ وفریاد کو سن بھی لے تو تب بھی وہ تمہاری حاجات کا جواب دینے کی توانائی نہیں رکھتے۔

یہ بات واضح ہے کہ وہ تو کھجور کی گٹھلی کی جھلی کے برابر بھی عالم ہستی میں سود وزیاں کے مالک نہیں ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ تمہاری عبادت اور شرک کا انکار کردیں گے۔

اور کہیں گے کہ خداوندا: یہ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے، بلکہ حقیقت میں یہ تو اپنے نفس کی پرستش کرتے تھے۔ آیت کے آخر میں مزید تاکید کے لیے فرمایا گیا ہے:۔ خدا کے مانند کہ جو ہر چیز سے آگاہ ہے۔ کوئی بھی تجھے باخبر نہیں کرے گا۔

اگر وہ یہ کہتا ہے کہ بت قیامت میں تمہاری پرستش کا انکار کردیں گے۔

اور کہیں گے کہ خداوندا! یہ ہماری پرستش نہیں کرتے تھے، بلکہ حقیقت میں یہ تو اپنے نفس کی پرستش کرتے تھے۔

آیت کے آخر میں مزید تاکید کے لیے فرمایا گیا ہے: خدا کے مانند کہ جو ہر چیز سے آگاہ ہے، کوئی بھی تجھے باخبر نہیں کرے گا۔

اگر وہ کہتا ہے کہ بت قیامت میں تمہاری پرستش کا انکار کردیں گے اور تم سے بیزاری اختیار کریں گے، تو اس سے تعجب نہ کرو، کیونکہ ایسی ذات اس موضوع کی خبر دے رہی ہے کہ جو تمام عالم ہستی اور اس کے ذرہ ذرہ سے آگاہ ہے۔

(۱۵) يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ	اے لوگو! تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو اور صرف اللہ ہی بے نیاز ہے اور ہر قسم کی حمد وثنا کے لائق ہے۔
(۱۶) اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ	وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور (تمہاری جگہ) ایک نئی مخلوق لے آئے۔
(۱۷) وَ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ	اور یہ امر اللہ تعالیٰ کے لیے ناممکن (اور مشکل) نہیں ہے۔

(۱۸)وَ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ؕ وَ اِنْ تَدْعُ مُثْقَلَۃٌ اِلٰی حِمْلِہَا لَا یُحْمَلْ مِنْہُ شَیْءٌ وَّ لَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی ؕ اِنَّمَا تُنْذِرُ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّہُمْ بِالْغَیْبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ؕ وَ مَنْ تَزَکّٰی فَاِنَّمَا یَتَزَکّٰی لِنَفْسِہٖ ؕ وَ اِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ	کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ اپنے کندھے پر نہیں اٹھائے گا اور اگر کوئی بھاری بوجھ والا کسی کو اپنے گناہ کا بوجھ اٹھانے کے لیے بلائے، تو وہ اس میں سے کوئی چیز اپنے کندھے پر نہیں اٹھائے گا، اگرچہ وہ ان کے نزدیکیوں میں سے ہی ہو۔تم تو صرف انہیں لوگوں کو متنبہ کر سکتے ہو کہ جو بے دیکھے بھی اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو شخص پاکیزگی (اور تقویٰ) اختیار کرے تو اس کا نتیجہ اسی کو ملے گا اور سب کی بازگشت خدا ہی کی طرف ہے۔

تفسیر

کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

گزشتہ آیات میں توحید کی دعوت تھی اور ہر قسم کے شرک اور بت پرستی کی نفی کی گی تھی ممکن ہے کہ اس سے بعض کے دل میں یہ تو ہم پیدا ہو خدا کو ہماری پرستش کی کیا ضرورت ہے۔زیر بحث آیات میں فرمایا گیا ہے اے لوگو؛ تم خدا کے محتاج ہو اور وہ ہر لحاظ سے نیاز اور حمد و ستائش کے لائق ہے۔

ہاں! حقیقی بے نیاز اور تمام عالم ہستی میں قائم بالذات ایک ہی ہے اور وہ خدا ہے، تمام انسان بلکہ تمام موجودات سر تا پا احتیاج و فقر ہیں اور اس مستقل وجود کے ساتھ وابستہ ہیں، کہ اگر ایک لحہ کے لیے بھی ان کا ربط اس سے ٹوٹ جائے تو وہ بے کار ہو کر رہ جائیں۔

یہ تو ہم ہی ہیں کہ جو اس کی عبادت اور اطاعت کے ذریعے تکامل وارتقاء کی راہ طے کرتے ہیں اور بے پایاں فیض کے مبداء سے اس کی عبادت کے سائے میں لحہ بہ لحہ زیادہ سے زیادہ نزدیک ہوتے جاتے ہیں۔اسی بنا پر وہ غنی بھی ہے اور حمید بھی یعنی بے نیاز ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر عطا والا ہے کہ ہر قسم کی حمد و ستائش کے لائق ہے۔

(۱۶) آیت میں انسانوں کی اسی احتیاج و فقر کی تاکید کے لیے ان سے فرمایا ہے: اگر وہ چاہے تو تمہیں اٹھا لے اور ایک نئی مخلوق لے آئے۔

وہ نہ تو تمہاری اطاعت کا محتاج ہے اور نہ ہی اسے تمہارے گناہوں کا خوف ہے۔

(۱۷) اس آیت میں نئے سرے سے تاکید کے طور پر فرماتا ہے: اور یہ کام خدا کے لیے ناممکن نہیں ہے۔

جی ہاں! وہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے، حکم دیتا ہے کہ ہوجا، وہ فوراً وجود میں آجاتی ہے۔

(۱۸) یہ آیت پانچ نکات کی طرف اشارہ کرتی ہے: اول یہ کہ گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ اگر خدا چاہے تو وہ تمہیں اٹھالے اور تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے یہ گفتگو ممکن ہے کہ بعض افراد کے لیے یہ سوال پیدا کرے کہ اس آیہ کے مخاطب تمام گنہگار افراد نہیں ہیں، کیونکہ ہر زمانے میں مومنین صالح موجود رہے ہیں۔ اور آج بھی ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ بھی دوسروں کے گناہوں کی سزا میں گرفتار ہوں اور وہ بھی فنا ہوجائیں؟

اسی سبب سے فرمایا گیا ہے: کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بار اپنے کندھے پر نہیں اٹھائے گا۔

یہ جملہ ایک طرف تو عدل خداوندی سے ارتباط رکھتا کہ جو ہر شخص کو اس کے عمل کے بدلے گروی شمار کرتا ہے۔ اور دوسری طرف قیامت کے دن کی شدت مجازات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

دوسرے جملے میں اسی مسئلے کو ایک دوسری شکل میں پیش کیا گیا ہے، قرآن کہتا ہے: اگر کوئی شخص بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے ہو اور وہ کسی دوسرے شخص کو اپنے گناہوں کو اٹھانے کے لیے کہے، تو وہ اس کا منفی جواب دے گا اور اس کے گناہ جواب دہی میں سے کسی چیز کو نہیں اٹھائے گا چاہے وہ اس کے قریبیوں اور رشتہ داروں میں سے ہو۔

تیسرے جملہ میں اس حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی تنبیہ صرف آمادہ دلوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: تم صرف انہی لوگوں کو ڈرا پاتے ہو جو اپنے پروردگار سے غیب اور تنہائی میں ڈرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔

انبیاء اور اولیاء کے ڈراوے اس وقت تک بے اثر رہیں گے جب تک دل میں خوف خدا نہ ہو اور انسان پنہاں و آشکار اپنے اوپر ایک مافوق قوت کی نگرانی کا احساس نہ کرے اور نماز کے ذریعے اس اندورنی احساس کو قوی نہ کرے کیونکہ نماز دل کو زندہ کرتی ہے اور ذکر خدا پر ابھارتی ہے۔

چوتھے جملے میں قرآن پھر اس حقیقت کی طرف لوٹتا ہے کہ خدا سب سے بے نیاز ہے اور مزید کہتا ہے کہ: جو شخص پاکیزگی اور تقویٰ اختیار کرے تو اس پاکیزگی کا نتیجہ خود اسی کو حاصل ہوگا۔

آخر کار پانچویں اور آخری جملے میں قرآن خبردار کرتا ہے کہ اگر نیک و بد افراد اس جہاں میں اپنے اعمال کے نتائج نہ پائیں تو کوئی اہم بات نہیں ہے کیونکہ سب کی بازگشت خدا کی طرف ہے اور آخر کار وہ سب کا حساب چکائے گا۔

(۱۹) وَ مَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ	نابینا اور بینا ہرگز برابر نہیں ہیں۔
(۲۰) وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ ۙ	اور نہ ہی ظلمتیں اور روشنی۔
(۲۱) وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ ۚ	اور نہ ہی (آرام بخش) سایہ اور گرم جلانے والی ہوا۔

(۲۲) وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ	اور مردہ اور زندہ بھی ہرگز برابر نہیں ہیں۔ خدا اپنے پیغام جس کے کان تک چاہتا ہے پہنچاتا ہے اور تم قبروں (میں سونے) والوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے۔
(۲۳) اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ	تم تو صرف ڈرانے والے ہو۔

تفسیر

نور وظلمت یکساں نہیں ہیں

ان مباحث کی مناسبت سے کہ جو ایمان وکفر کے سلسلے میں گزشتہ آیات میں بیان ہوئے تھے، زیر بحث آیات میں بیان ہوئے تھے۔ زیر بحث آیات میں چار پر کشش مثالیں مومن اور کافر کے بارے میں بیان کی گئی ہیں جن میں ایمان وکفر کے آثار نہایت واضح طور پر مجسم ہوئے گئے ہیں۔ پہلی مثال میں کافر و مومن کو نابینا کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے نابینا اور بینا ہرگز برابر نہیں ہیں۔

ایمان انسان کو کائنات شناسی، اعتقاد عمل اور تمام زندگی میں روشنی اور آگاہی بخشتا ہے لیکن کفر ظلمت اور تاریکی ہے اور اس میں نہ تو سرائے عالم ہستی کے بارے میں صحیح دانش وبینش ہے اور نہ صحیح اعتقاد اور عمل صالح کی کوئی خبر ہے۔

(۲۰) اور چونکہ چشم بینا تنہا کافی نہیں ہے لہٰذا روشنی اور نور بھی ہونا چاہیے تاکہ انسان ان دو عوامل کی مدد سے موجودات کا مشاہدہ کرسکے اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے نہ ہی تاریکیاں نور کے برابر ہیں۔

چونکہ تاریکی گمراہی کا سبب ہے اور سکون وجمود کی عامل ہے لیکن نور اور روشنی حیات وحرکت رشد ونمو اور تکامل وارتقاء کا منشاء ہے۔

۲۱) اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے (آرام بخش) سایہ گرم ہوا اور جلانے والی لو کے برابر نہیں ہے۔ مومن اپنے ایمان کے سائے میں سکون اور امن وامان سے زندگی بسر کرتا ہے لیکن کافر اپنے کفر کی وجہ سے تکلیف اور رنج میں جلتا رہتا ہے۔

(۲۲) آخری تشبیہ میں فرمایا گیا ہے اور زندہ اور مردہ ہرگز برابر نہیں ہے۔

مومنین زندہ ہیں اور سعی وکوشش، حرکت وجنبش اور رشد ونمو کے حامل ہیں۔ وہ شاخیں، پتے، پھول اور پھل رکھتے ہیں لیکن کافر خشک لکڑی کی طرح ہیں کہ جس میں نہ طراوت ہے نہ پتا، نہ پھول اور نہ کوئی سایہ اور سوائے جلانے کے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے خدا جسے چاہتا ہے سننے والا بنا دیتا ہے تاکہ وہ حق کی دعوت کو دل کے کان سے سنے اور توحید کی منادی کرنے والوں کی ندا پر لبیک کہے۔

اور تم اپنی بات ہرگز ان مردوں کے کانوں تک نہیں پہنچا سکتے جو قبروں میں سوئے ہوئے ہیں۔

تمہاری فریاد چاہے جس قدر رسا ہو اور تمہاری گفتگو جس قدر بھی دل نشین ہو اور تمہارا بیان جتنا بھی فصیح و بلیغ ہو مردے اس میں سے کسی چیز کو سمجھ نہیں سکتے اور وہ لوگ جو گناہ پر اصرار اور تعصب عناد ظلم اور فساد میں غوطہ زن ہونے کی وجہ سے اپنی روح انسانی کو کھو بیٹھے ہیں یقیناً تمہاری دعوت قبول کرنے کی استعداد نہیں رکھتے۔

(۲۳) اس بنا پر ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے پریشان اور بے تاب نہ ہو۔ تمہاری ذمہ داری تو صرف بات کو پہنچانا اور ڈرانا ہے۔ تم تو صرف ڈرانے والے ہو۔

(۲۴) اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّنَذِیۡرًا ؕ وَ اِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡهَا نَذِیۡرٌ	ہم نے تجھے حق کے ساتھ بشارت اور نذارت کے لیے بھیجا اور گذشتہ زمانوں میں ہر امت کے لیے کوئی نہ کوئی ڈرانے والا موجود رہا ہے۔
(۲۵) وَ اِنۡ یُّکَذِّبُوۡکَ فَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ۚ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالۡکِتٰبِ الۡمُنِیۡرِ	اگر وہ تیری تکذیب کرتے ہیں (تو کوئی تعجب نہیں ہے) جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کیا کرتے تھے وہ واضح دلائل، پند و نصائح کی کتب اور روشنی عطا کرنے والی آسمانی کتابیں لے کر ان کے پاس آئے (لیکن وہ ایمان نہ لائے)
(۲۶) ثُمَّ اَخَذۡتُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ٪	پھر میں نے کفار کو پکڑ لیا (اور انہیں سخت عذاب دیا) پس ان پر میرا عذاب کیسا تھا؟

تفسیر

دل کے اندھے ایمان نہ لائیں تو تعجب نہیں

گزشتہ آیات میں ہم یہاں تک پہنچے تھے کہ کچھ افراد ایسے ہیں کہ جو مردوں اور نابیناؤں کی مانند ہیں کہ جن کے دل میں انبیاء کی باتیں معمولی سا اثر بھی نہیں کرتیں اس کے بعد یہاں پیغمبر اکرم ﷺ کی اس سلسلے میں دلجوئی کے لیے تاکہ وہ غمگین اور پریشان نہ ہوں فرمایا: ہم نے تجھے حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور تنبیہ کرنے والا بنا کر بھیجا اور گزشتہ زمانے میں کوئی امت ایسی نہ تھی کہ جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

تو اپنی ندا ان کے کانوں تک پہنچا، خدائی جزاؤں کی بشارت دے اور پروردگار کے عذاب سے انہیں ڈرا چاہے وہ قبول

کریں یا دشمنی اور ہٹ دھرمی اختیار کرلیں۔

(۲۵) اس آیت میں قرآن مزید کہتا ہے اگر وہ تمہاری تکذیب کریں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور تم اس پر غمگین نہ ہو، کیونکہ جو لوگ ان سے پہلے تھے انوں نے بھی اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی جبکہ وہ واضح معجزات و دلائل، پندونصائح سے معمور کتب اور ایسی آسمانی کتب لے کر ان کے پاس آئے تھے۔ کہ جو ضیاء بخش احکام و قوانین پر مشتمل تھیں۔

(۲۶) اس آیت میں اس گروہ کے دردناک عذاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ایسا نہیں تھا کہ وہ خدائی عذاب سے محفوظ رہ جائیں اور ہمیشہ اپنی تکذیبوں کو جاری رکھیں لہٰذا اس کے بعد ہم نے کافروں کو پکڑ لیا اور انہیں سخت سزا دی۔ کسی گروہ کو طوفان نے آلیا، کسی اور کو تیز اور ویران کن آندھی نے تباہ کر دیا اور کسی جماعت کو ہم نے آسمانی چنگھاڑ، صاعقہ اور زلزلہ کے ذریعے درہم برہم کر دیا۔

اس کے بعد آخر میں تاکید اور ان کی سزا کی شدت بیان کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے ان کے لیے میرا عذاب کیسا تھا؟

یہ بالکل اسی طرح ہے کہ ایک شخص کوئی اہم کارنامہ انجام دیتا ہے اور اس کے بعد حاضرین سے سوال کرتا ہے کہ میں نے یہ کام کیسا کیا ہے؟

(۲۷) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِہٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُھَا ؕ وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُھَا وَ غَرَابِیْبُ سُوْدٌ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمان سے پانی نازل فرمایا کہ جس کے ذریعے ہم نے زمین سے گوناگوں رنگ کے پھل نکالے اور پہاڑوں میں بھی (پروردگار کے لطف سے) سفید و سرخ رنگ کے راستے پیدا ہوئے مختلف رنگوں میں اور کبھی گہرے سیاہ رنگ میں۔
(۲۸) وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُہٗ کَذٰلِکَ ؕ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ	اور انسانوں، چلنے پھرنے والے جانداروں اور چوپاؤں کے بھی مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ (ہاں) حقیقت یہی ہے کہ خدا کے بندوں میں سے صرف علماء اس سے ڈرتے ہیں خدا عزیز و غفور ہے۔

تفسیر

وجود کے درودیوار پر عجیب نقش و نگار

یہاں پر ایک بار پھر مسئلہ توحید کا تذکرہ اور بحث ہے اور کتاب تکوین کا ایک نیا صفحہ انسانوں کی نگاہوں کے سامنے ہے تا کہ ہٹ دھرم مشرکین اور سخت منکرین توحید کا ایک دندان شکن جواب پیدا ہو پہلے فرمایا ہے کیا تو نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمان سے پانی

نازل کیا اور اس کے ذریعے ہم نے مختلف رنگ کے پھل پیدا کیے۔

ہاں تم اس حقیقت کو دیکھ رہے ہو کہ ایک ہی پانی اور زمین سے کہ جن میں سے ایک بے رنگ ہے اور دوسری صرف ایک رنگ رکھتی ہے یہ سب مختلف قسم کے رنگ طرح طرح کے پھلوں خوبصورت پھولوں پتوں اور شگوفوں میں مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے ہیں۔ ''الوان''ممکن ہے کہ پھلوں کے ظاہری رنگوں کے معنی میں ہو اور ہوسکتا ہے کہ یہ ان کے ذائقے ساخت اور خواص میں اختلاف کی طرف اشارہ ہو۔

آیت کے آخر میں ان رستوں کے تنوع کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو پہاڑوں میں پائے جاتے ہیں یہ فرق مختلف راستوں کی پہچان کا سبب بنتا ہے ارشاد ہوتا ہے پہاڑوں میں بھی راستے بنائے گئے ہیں سفید و سرخ رنگ کے مختلف رنگوں کے اور کبھی گہرے سیاہ رنگ کے۔

(۲۸) بعد والی آیات میں انسانوں اور دوسرے جانداروں میں رنگوں کے اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے انسانوں جانداروں اور چوپایوں میں سے بھی مختلف رنگوں والے ہوتے ہیں۔

ہاں! سب انسان باوجود یکہ ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے ہیں مکمل طور پر مختلف قبیلوں اور رنگوں کے حامل ہیں بعض برف کی طرح سفید بعض سیاہی کے مانند سیاہ یہاں تک کہ ایک ہی نسل اور خاندان میں بھی رنگوں میں بہت اختلاف ہے ظاہری چہرے سے قطع نظر ان کے باطنی رنگ ان کے اخلاق وعادات ان کی صفات خصوصیات اور ان کی استعداد اور ذوق بالکل متنوع اور مختلف ہیں توحید کی ان نشانیوں کو بیان کرنے کے بعد آخر میں مجموعی طور پر فرمایا گیا ہے ہاں معاملہ اسی طرح ہے (۔اور چونکہ ان عظیم آیات خلقت سے بہرہ اندوز ہونا سب سے زیادہ عقلمند اور دانشمند افراد کا کام ہے اس لیے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

جی ہاں! تمام بندوں میں سے علماء ہی ہیں کہ جو خشیت کے عالی مقام پر فائز ہوتے ہیں یعنی وہ پروردگار کے مقام کی عظمت کو سمجھتے ہوئے دل میں مسئولیت کا خوف رکھتے ہیں۔خشیت کی یہ حالت انفس وآفاق کی نشانیوں میں سیر پروردگار کے علم وقدرت سے آگاہی اور مقصد آفرینش کو جاننے کا نتیجہ ہے۔

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ:

''علماء سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال ان کے قوال کے ساتھ ہم آہنگ ہوں جس شخص کی گفتار و کردار ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہ ہو وہ عالم نہیں ہے''۔

آیت کے آخر میں سابقہ بیان پر ایک مختصر دلیل کے عنوان سے فرمایا گیا ہے خدا عزیز وغفور ہے۔

اس کی بے پایاں عزت وقدرت علما کے خوف وخشیت کا سرچشمہ ہے اور اس کی غفوریت کہ جو اس کی بے انتہا رحمت کی نشانی ہے ان کی رجاء وامید کا سبب ہے اور اس طرح سے دو مقدس نام خدا کے بندوں کو خوف ورجاء کے درمیان محفوظ رکھتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ تکامل وارتقاء کی طرف مسلسل حرکت ان دو صفات سے متصف ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(۲۹) اِنَّ الَّذِیۡنَ یَتۡلُوۡنَ کِتٰبَ اللّٰہِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً یَّرۡجُوۡنَ تِجَارَۃً لَّنۡ تَبُوۡرَ ۙ	جولوگ کتاب خدا کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے پنہاں وآشکار انفاق کرتے ہیں وہ (ایسی نفع بخش) تجارت کی امید رکھتے ہیں کہ جس میں گھاٹا نہیں ہے۔
(۳۰) لِیُوَفِّیَہُمۡ اُجُوۡرَہُمۡ وَ یَزِیۡدَہُمۡ مِّنۡ فَضۡلِہٖ ؕ اِنَّہٗ غَفُوۡرٌ شَکُوۡرٌ	(وہ یہ اعمال صالح اس لئے انجام دیتے ہیں) تا کہ خدا انہیں مکمل اجر اور صلہ دے اور اپنے فضل کا ان پر اضافہ کرے کہ وہ بخشنے والا اور قدر دان ہے۔

تفسیر

پروردگار کے ساتھ نفع بخش تجارت

گزشتہ آیت میں علماء کے خوف وخشیت کے مقام کی طرف اشارہ ہوا تھا۔ اور اس آیت میں ان کے مقام امید ورجا کی طرف اشارہ کیا گیا فرماتا ہے جولوگ کتاب الہی کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے پنہاں آشکار خرچ کرتے ہیں۔ وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں کہ جس میں گھاٹا نہیں ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ یہاں تلاوت سرسری اور غور وفکر سے خالی قرأت کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس سے ایسا پڑھنا مراد ہے کہ جو غور وفکر کا سرچشمہ ہو، وہ غور وفکر کہ جو عمل صالح کا سرچشمہ بنے ایسا عمل کہ جو ایک طرف تو انسان کا خدا سے رشتہ جوڑ دے جس کا مظہر نماز ہے اور دوسری طرف اسے مخلوق کے ساتھ مربوط کردے کہ جس کا مظہر انفاق ہے۔ خرچ بھی تمام چیزوں میں سے کہ جو خدا نے انسان کو دی ہیں اپنے علم میں سے اپنے مال وثروت اور اثر ورسوخ میں سے اپنی قوی فکر ونظر میں سے اور اپنے اخلاق وتجربات میں سے خلاصہ یہ کہ تمام خدا داد نعمات میں سے یہ نفاق کبھی تو پوشیدہ طریقے سے ہوتا ہے تا کہ مکمل اخلاص کی نشانی بنے اور کبھی آشکارا اور علی الاعلان تا کہ دوسروں کے لئے تشویق کا سبب ہو اور شعائر الہی کی تعظیم بھی ہو۔

ہاں! وہ علم کہ جو اس قسم کا اثر رکھتا ہو وہ رجاء وامید کا سبب بنتا ہے۔

(۳۰) آیت سچے مومنین کے مقصد کو اس طرح بیان کرتی ہے وہ یہ اعمال صالح انجام دیتے ہیں تا کہ خدا انہیں مکمل اجر اور صلہ دے اور اپنے فضل سے اضافہ بھی کرے کہ وہ بخشنے والا اور شکور ہے۔

یہ جملہ حقیقت میں ان کے انتہائی خلوص کی طرف اشارہ ہے کہ وہ اپنے نیک اعمال میں خدائی اجر وثواب کے سوا اور کسی چیز پر نظر نہیں رکھتے۔

اور اللہ بھی عام اجر کے علاوہ کہ جو خود کبھی عمل سے سینکڑوں گنا اور کبھی ہزاروں گنا ہے اپنے فضل سے مزید اس میں اضافہ کرتا ہے اور وہ نعمتیں کہ جو کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آتیں اور اس جہان میں کوئی بھی شخص ان کا تصور نہیں کر سکتا اپنے وسیع فضل سے انہیں بخشے گا۔

(۳۱) وَ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ مِنَ الۡکِتٰبِ هُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِیۡرٌۢ بَصِیۡرٌ	ہم نے کتاب میں سے جو کچھ تجھے وحی کیا ہے وہ حق ہے اور جو کچھ گزشتہ کتب میں آیا ہے یہ اس کی تصدیق کرتی ہے خدا اپنے بندوں سے باخبر اور بینا ہے۔
(۳۲) ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا ۚ فَمِنۡهُمۡ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ ۚ وَ مِنۡهُمۡ مُّقۡتَصِدٌ ۚ وَ مِنۡهُمۡ سَابِقٌۢ بِالۡخَیۡرٰتِ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡکَبِیۡرُ ؕ	پھر ہم نے یہ کتاب آسمانی اپنے برگزیدہ بندوں میں سے ایک گروہ کو میراث میں دے دی (لیکن) ان میں سے ایک گروہ نے اپنے اوپر ظلم کیا اور ان میں سے کچھ میانہ رو تھے اور ایک جماعت اذن خدا سے نیکیوں میں سب سے (سبقت) لے گئی اور یہ ایک بہت بڑی فضیلت ہے

تفسیر

گزشتہ آیات میں پاک دل مومنین کے بارے میں گفتگو کی تھی کہ جو کتاب اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اس آیت میں اس آسمانی کتاب اور اس کی صداقت کے دلائل اور اسی طرح اس کتاب کے حقیقی حاملین کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔ اس لحاظ سے گزشتہ آیات میں توحید کے بارے میں بحث تھی اور یہاں نبوت کے متعلق گفتگو سے سلسلہ کلام کی تکمیل کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے ہم نے کتاب میں سے جو کچھ تجھے وحی کیا ہے وہ حق ہے اور جو کچھ گزشتہ کتب میں آیا ہے یہ اس کی تصدیق کرتی ہے خدا اپنے بندوں کے بارے میں آگاہ اور بینا ہے۔

"خبیر" انسان کے باطن اس کے عقائد، نیت اور روح کے معنی میں ہے اور "بصیر" اس کے ظواہر اور رونما ہونے والے جسمانی امور کے بارے میں بینا ہونے کے معنی میں ہے۔

(۳۲) میراث انبیاء کے حقیقی وارث

آیت میں اس عظیم آسمانی کتاب کے حاملین کا ذکر ہے یعنی وہ لوگ کہ جنہوں نے پیغمبر اکرم کے پاکیزہ دل پر قرآن کے نزول کے بعد اس مشعل فروزاں کو ہر زمانے میں روشن رکھا اور اس کی پاسداری کی۔ ارشاد ہوتا ہے پھر ہم نے یہ آسمانی کتاب اپنے برگزیدہ بندوں میں سے ایک گروہ کو میراث میں دے دی۔

"ارث" ایسی چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی زحمت کے بغیر ہاتھ آئے اور خدا نے بھی یہ بہت ہی عظیم کتاب اسی طرح مسلمانوں کو عطا کردی ہے۔

اس کے بعد اس سلسلے میں لوگوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان میں سے کسی گروہ نے اپنے اوپر ظلم کیا کسی نے درمیانی راہ اختیار کی اور کسی گروہ نے حکم خدا سے نیکیوں میں دوسروں سے سبقت حاصل کر لی اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔

خدا نے اس کتاب آسمانی کی پاسداری اور حفاظت اپنے پیغمبر کے بعد اس امت کے ذمہ رکھی ہے وہ امت کہ جو خدا کی برگزیدہ ہے لیکن اس امت کے درمیان مختلف طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں ان میں سے بعض اس کتاب کی پاسداری اور اس پر عمل کرنے کی عظیم ذمہ داری میں کوتاہی کرتے ہیں اور انہوں نے حقیقت میں اپنے اوپر ظلم کیا ہے دوسرے گروہ نے کافی حد تک اس ذمہ داری کو پورا کیا ہے اور کتاب پر عمل کرنے کی کوشش کی ہے اگر چہ ان سے کچھ لغزشیں اور خطائیں بھی ہوئی ہیں ایک ممتاز گروہ وہ ہے جس نے اپنی بھاری ذمہ داری کو احسن طریقے سے انجام دیا ہے اور مقابلہ کے اس عظیم میدان میں یہ لوگ سب سے بازی لے گئے ہیں اس گروہ کے پیشوا معصوم امام ہیں۔ یعنی ائمہ چہاردہ معصومین علیہم السلام ہی وہ گروہ ہے کہ جس نے اس ذمہ داری کو بااحسن انجام دیا ہے۔

(۳۳) جَنّٰتُ عَدۡنٍ یَّدۡخُلُوۡنَهَا یُحَلَّوۡنَ فِیۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّ لُؤۡلُؤًا ۚ وَ لِبَاسُهُمۡ فِیۡهَا حَرِیۡرٌ	(ان کی جزا) جنت کے ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں کہ وہ جن میں داخل ہوں گے وہاں پر انہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا اور وہاں ان کے لباس ریشم کے ہوں گے۔
(۳۴) وَ قَالُوا الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡۤ اَذۡهَبَ عَنَّا الۡحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوۡرٌ شَکُوۡرُ ۙ	وہ کہیں گے کہ حمد (اور ستائش) اس خدا کے لیے ہے کہ جس نے ہمارا غم دور کردیا۔ بے شک ہمارا پروردگار غفور وشکور ہے۔
(۳۵) الَّذِیۡۤ اَحَلَّنَا دَارَ الۡمُقَامَةِ مِنۡ فَضۡلِهٖ ۚ لَا یَمَسُّنَا فِیۡهَا نَصَبٌ وَّ لَا یَمَسُّنَا فِیۡهَا لُغُوۡبٌ	وہ خدا کہ جس نے اپنے فضل سے (ابدی) قیام کی اس جگہ پر ہمیں ٹھہرایا ہے کہ جہاں نہ تو ہمیں کوئی رنج وتکلیف پہنچے گی اور نہ ہی سستی اور تھکان ہوگی۔

تفسیر

جنت...... جہاں غم ہے نہ تھکان

جو کچھ گزشتہ آیت میں گزر چکا ہے، یہ آیات حقیقت میں اس کا ایک نتیجہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے نیکیوں میں پیش قدمی کرنے والوں کے لیے دائمی بہشت کے باغات ہیں۔ جس میں وہ سب کے سب داخل ہوں گے۔

اس کے بعد جنت کی نعمتوں کے تین حصوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں سے بعض مادی اور ظاہری پہلو رکھتے ہیں، بعض روحانی اور باطنی اور ایک حصہ ہر قسم کے مزاحم کی نفی کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے نیکیوں میں بڑھ جانے والے یہ لوگ بہشت جاودانی میں سونے کے کنگوں اور موتیوں سے آراستہ ہوں گے اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔

انہوں نے اس دنیا میں اس کے زرق و برق سے بے اعتنائی برتی تھی اور خود کو سونے اور زیورات کا اسیر نہیں بنایا تھا۔ اسی چیز کی تلافی کے طور پر انہیں دوسرے جہاں میں بہترین لباس اور زیور پہنائے گا۔

(۳۴) اس مادی نعمت کا ذکر کرنے کے بعد ایک خاص روحانی نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا؛ وہ کہیں گے کہ حمد و ستائش اس خدا کے ساتھ مخصوص ہے کہ جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔

اس کے بعد یہ بہشتی مومنین مزید کہیں گے کہ؛ ہمارا پروردگار غفور و شکور ہے۔

اپنی غفوریت کی صفت کی بناء پر اس نے لغزشوں اور گناہوں کا بھاری غم دور کر دیا ہے اور اپنی شکوریت کے ذریعے ہمیشہ ہمیشہ کی نعمتیں کہ جن کے اوپر کبھی بھی غم و اندوہ کا منحوس سایہ نہیں پڑتا ہمیں عطا کی ہیں۔

(۳۵) آخر میں آخری نعمت کا بیان ہے۔ ان کا قول نقل کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے۔ حمد و ستائش اس خدا کے لیے ہے کہ جس نے اپنے فضل سے ہمیں اس ابدی ٹھکانے میں جگہ دی کہ جس میں نہ رنج و غم ہے۔ اور نہ ہی خستگی اور تھکان۔ گویا وہاں نہ تو مشقت جسمانی کے عوامل موجود ہیں اور نہ ہی روحانی رنج و تکلیف کے اسباب کی کوئی خبر ہے۔

(۳٦) وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۚ	جو لوگ کافر ہو گئے ہیں ان کے لیے جہنم کی آگ ہے، ہرگز ان کی موت کا فرمان جاری نہیں ہوگا کہ وہ مر جائیں اور نہ ہی ان کے لیے عذاب میں کوئی تخفیف ہو سکے گی۔ اس طرح ہم ہر کفران کرنے والے کو سزا دیں گے۔
(۳۷) وَ هُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۧ	وہ دوزخ میں فریاد کریں گے، پروردگارا! ہمیں نکال، تا کہ ہم ان اعمال کے بجائے کہ جو ہم انجام دیا کرتے تھے (اب) نیک عمل بجا لائیں۔ (انہیں جواب دیا جائے گا) کیا ہم نے تمہیں اس قدر عمر نہیں دی تھی کہ انسان چاہے تو اس میں متوجہ ہو جائے اور کیا متنبہ کرنے والا تمہارے پاس نہیں آیا تھا؟ پس اب تم (اس کا مزہ) چکھو کیونکہ ظالموں کے لیے کوئی یاور و مددگار نہیں ہے۔

(۳۸) اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	بے شک خدا آسمانوں اور زمین کے غیب سے آگاہ ہے اور جو کچھ دلوں میں ہے وہ اسے بھی جانتا ہے۔

تفسیر

عام طور پر قرآن وعدوں کے ساتھ وعیداور بشارت کے ساتھ نذارت کا ذکر کرتا ہے تا کہ خوف ورجاء کے دونوں عوامل کو تقویت دے۔ یہاں بھی مادی اور روحانی دونوں سزاؤں سے متعلق گفتگو ہے۔ پہلے فرمایا گیا ہے۔: وہ لوگ کہ جنہوں نے راہ کفر اختیار کی۔ان کے لیے جہنم کی آگ ہے۔

جس طرح ان لوگوں کے لیے بہشت جاودانی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی جگہ اور ٹھہرنے کا گھر ہے اسی طرح دوزخ بھی اس گروہ کے لیے ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا مقام ہے۔اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: ان کے لیے ہرگز موت کا حکم صادر نہیں ہوگا۔کہ وہ مر جائیں اور اس رنج والم سے رہائی پائیں۔

موت تو اس قسم کے لوگوں کے لیے نجات کا ایک ذریعہ ہوگی لیکن اس جملے میں یہ دریچہ بند ہوگیا ہے۔اب ایک ہی راستہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ زندہ رہیں اور ان کی سزا میں تدریجاً تخفیف ہو یا ان میں قوت برداشت کا اضافہ ہوتا کہ اس کے نتیجہ میں درد اور تکلیف میں تخفیف ہو،اس دریچے کو بھی ایک اور جملے کے ساتھ بند کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: دوزخ کے عذاب میں سے اس کے لیے کسی چیز کی تخفیف نہیں کی جائے گی۔

آیت کے آخر میں اس وعید الٰہی کے قطعی ہونے کی تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے؛ ہر کفران کرنے والے کو ہم اسی طرح جزا دیں گے۔

ہاں! کفران کرنے والوں کی جزا آگ کے دردناک عذاب میں جلنا ہی ہے۔ایسی آگ کہ جس کو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے دنیا کی زندگی میں روشن کیا ہے۔اس کا ایندھن ان کے افکار واعمال اور ان کے وجود بنیں گے۔

(۳۷) دوزخیوں کے دنیا میں لوٹنے کی خواہش

آیت ان کے دردناک عذاب کے ایک اور حصہ کو بیان کرتی ہے اور اس سلسلے میں بعض حساس نکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے: وہ دوزخ میں فریاد کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس جگہ سے نکال۔تا کہ ہم عمل صالح بجالائیں،ان اعمال کے بجائے کہ جو ہم پہلے انجام دیتے تھے۔

ہاں وہ اپنے برے اعمال کو دیکھ کر گہری ندامت میں جا پڑیں گے۔اور دل سے فریاد کریں گے وہ ایک محال چیز کا تقاضا کریں گے یعنی اعمال صالح بجالانے کے لیے دنیا کی طرف بازگشت کرنے کا مطالبہ۔بہر حال اس تقاضے کے مقابلے میں خدا کی طرف سے انہیں ایک قاطع اور دوٹوک جواب دیا جائے گا: کیا ہم نے تمہیں بیدار اور غور وفکر کے لیے کافی عمر نہیں دی تھی۔اور کیا خدا کی

طرف سے ڈرانے والا تمہارے پاس نہیں آیا تھا۔ اب جبکہ یہ بات ہے کہ نجات کے تمام وسائل تمہیں میسر تھے اور تم نے ان سے فائدہ نہیں اٹھایا تو پھر اسی جگہ گرفتار بلا رہو۔ پس اب تم مزہ چکھو کیونکہ ستمگروں کے لیے کوئی یار و مددگار نہیں ہے۔

(۳۸) اس آیت میں کفار کے اس تقاضے کا جو وہ دوزخ میں دنیا کی طرف بازگشت کے لیے کریں گے، جواب دیا گیا ہے: خدا آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے، ایسا خدا یقیناً اس چیز سے بھی آگاہ ہے کہ جو دلوں کے اندر ہے۔

ہاں! وہ جانتا ہے کہ اگر دوزخیوں کے تقاضے کا مثبت جواب دیا جائے اور وہ دنیا کی طرف لوٹ آئیں تو وہی اعمال جاری رکھیں گے۔ علاوہ ازیں یہ آیت تمام مومنین کے لیے ایک تنبیہ ہے کہ وہ اپنی نیتوں میں اخلاص پیدا کرنے کی کوشش کریں اور خدا کے علاوہ کسی پر نظر نہ رکھیں۔

(۳۹) هُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ ؕ فَمَنْ کَفَرَ فَعَلَیْهِ کُفْرُهٗ ؕ وَ لَا یَزِیْدُ الْکٰفِرِیْنَ کُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَ لَا یَزِیْدُ الْکٰفِرِیْنَ کُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا	وہ وہی ہے کہ جس نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا۔ اب جو شخص کافر ہوگا تو اس کا نقصان خود اسی کو ہوگا اور کافروں کا کفر پروردگار کے ہاں ان کے لیے غضب کے سوا اور کسی چیز کا اضافہ نہیں کرتا اور ان کا کفر خسارے کے سوا اور کچھ نہیں بڑھاتا۔
(۴۰) قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَکَآءَکُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَیْنٰهُمْ کِتٰبًا فَهُمْ عَلٰی بَیِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ یَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا	کہو! کیا تم اپنے ان معبودوں کے بارے میں غور و فکر نہیں کرتے ہو جنہیں تم نے خدا کا شریک قرار دیا ہے؟ مجھے دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین کی کس چیز کو پیدا کیا ہے؟ کیا یہ آسمانوں (کی خلقت اور مالکیت) میں شرکت رکھتے ہیں؟ یا ہم نے انہیں کوئی ایسی (آسمانی) کتاب دی ہے کہ جس میں سے اپنے (شرک کے) لیے کوئی دلیل رکھتے ہیں؟ نہیں ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے بلکہ ظالم لوگ صرف ایک دوسرے سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔

(۴۱) اِنَّ اللّٰہَ یُمۡسِکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ اَنۡ تَزُوۡلَا ۬ۚ وَ لَئِنۡ زَالَتَاۤ اِنۡ اَمۡسَکَہُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا	خدا ہی آسمان وزمین کو روکے ہوئے ہے تاکہ وہ اپنے نظام سے منحرف نہ ہو جائیں اور اگر وہ منحرف ہو جائیں تو اس (اللہ) کے علاوہ کوئی اور انہیں نہیں روک سکتا۔ وہ حلیم وغفور ہے۔

تفسیر

ان مباحث کے بعد کہ جو گزشتہ آیات میں کفار ومشرکین کے انجام کے بارے میں تھیں زیر بحث آیات میں ایک اور طریقے سے باز پرس کی گئی ہے اور ان کے طرز عمل کے بطلان کو کچھ اور واضح دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وہ وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا۔

اسی نے عقل وشعور اور فکر وہوش دیئے ہیں۔ اسی نے ان وسائل سے استفادہ کرنے کا طریقہ بھی تو انسان کو سکھایا ہے اس کے باوجود تم اپنے ولی نعمت کو بھول گئے ہو۔

یہ جملہ تمام انسانوں کے لیے ایک تنبیہ بھی ہے کہ وہ جان لیں کہ ان کی یہ زندگی ابدی وجاودانی نہیں ہے۔ جس طرح سے یہ دوسری اقوام کے جانشین بنے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد چلے جائیں گے۔ اور دوسری قومیں ان کی جانشین ہو جائیں گی۔ اسی بناء پر ساتھ ہی یہ فرمایا گیا ہے: جو شخص کافر ہو جائے گا اس کا کفر خود اسی کے نقصان میں ہوگا۔

نیز کافروں کا کفر پروردگار کے نزدیک غضب کے سوا کسی چیز کا اضافہ نہیں کرتا۔ اور ان کا کفر خسارے کے سوا ان کے لیے کچھ بھی زیادہ نہیں کرتا۔

(۴۰) یہ آیت ایک اور دوٹوک جواب مشرکین کو دیتی ہے اور انہیں یہ بات سمجھاتی ہے کہ اگر انسان کسی کی پیروی کرتا ہے یا اس سے دل لگاتا ہے تو اسے چاہیے کہ اس کے لیے کوئی عقلی دلیل رکھتا ہو۔ یا منقولات میں سے کوئی قطعی دلیل اس کے پاس ہو۔ قرآن کہتا ہے کہ تمہارے پاس تو ان دونوں میں سے کوئی بھی دلیل موجود نہیں ہے۔ اس صورت میں تو تم صرف دھوکے اور فریب میں مبتلا ہو۔ فرمایا گیا ہے: ان سے کہہ دے! کیا تم ان جعلی معبودوں کے بارے میں غور نہیں کرتے کہ جنہیں تم نے خدا کا شریک سمجھ لیا ہے۔ مجھے دکھاؤ تو سہی کہ انہوں نے زمین میں سے کس چیز کو پیدا کیا ہے۔ یا کیا وہ آسمانوں کی خلقت میں شریک ہیں۔

اس حال میں ان کی پرستش کی کیا دلیل ہے؟ معبود ہونا خالق ہونے کی فرع ہے اور جبکہ تم جانتے ہو کہ آسمان وزمین کا خالق تو صرف خدا ہے تو اس کے سوا کوئی معبود بھی نہیں ہوگا کہ ہمیشہ خالقیت میں توحید، عبودیت میں توحید کی دلیل ہے۔

اب جبکہ ثابت ہو گیا ہے کہ کوئی عقلی دلیل تمہارے مدعا کے لئے نہیں ہے تو کیا کوئی دلیل منقول تمہارے پاس موجود ہے کیا ہم نے کوئی (آسمانی) کتاب انہیں دی ہے اور اپنے اس کام کے لیے اس میں فن کے پاس کوئی واضح دلیل ہے؟

نہیں کتاب الٰہی میں سے ان کے پاس کوئی واضح دلیل اور برہان نہیں ہے۔ پس ان کا سرمایہ مکر وفریب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ستمگر ایک دوسرے سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔

(۴۱) آسمان وزمین اس کی قدرت سے قائم ہیں

اس آیت میں آسمانوں اور زمین پر خدا کی حاکمیت کے بارے میں گفتگو ہے، حقیقت میں بناوٹی معبودوں کی عالم ہستی میں دخالت کی نفی کے بعد خالقیت و ربوبیت میں توحید کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: خدا ہی آسمان اور زمین کو روکے ہوئے تاکہ وہ اپنی راہ سے منحرف اور زائل نہ ہو جائیں۔ نہ صرف ابتدائی خلقت ہی خدا کی طرف سے ہے بلکہ ان کی نگہداری، تدبیر اور حفاظت بھی اسی کے دست قدرت میں ہے بلکہ ان میں ہر لحظہ جدید تخلیقات ہوتی رہتی ہیں اور ہر زمانے میں ایک نئی خلقت ہوتی ہے۔ اور اس مبداء فیاض سے لحہ بہ لحہ فیض ہستی انہیں پہنچتا رہتا ہے کیونکہ اگر ایک لمحے کے لیے بھی ان کا رابطہ اس عظیم مبداء سے منقطع ہو جائے تو وہ فنا کی راہ اختیار کر لیں۔

پھر تاکید کے طور پر مزید فرمایا گیا ہے: اگر وہ یہ چاہیں کہ اپنے مدار سے باہر نکل جائیں تو کوئی بھی خدا کے سوا انہیں نہیں روک سکتا۔

نہ تمہارے گھڑے ہوئے بت، نہ فرشتے اور نہ ہی ان کے علاوہ کوئی اور، کوئی بھی شخص اس کام پر قادر نہیں۔

اس آیت کے آخر میں اس بناء پر کہ گمراہ مشرکین کے سامنے توبہ کا دروازہ بند نہ کیا جائے اور ہر مرحلے میں انہیں بازگشت کا موقع میسر ہے۔ فرمایا گیا ہے: خدا ہمیشہ حلیم وغفور ہے

اپنے علم کی وجہ سے ان کی سزا میں جلدی نہیں کرتا اور اپنی غفوریت کی وجہ سے ان کی توبہ جس مرحلے میں بھی ہو اس کی شرائط کے ساتھ قبول کرتا ہے۔

(۴۲) وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ لَّيَكُوۡنُنَّ اَهۡدٰى مِنۡ اِحۡدَى الۡاُمَمِ‌ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ نَذِيۡرٌ مَّا زَادَهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ۙ	انہوں نے انتہائی تاکید کے ساتھ قسم کھائی کہ اگر کوئی خبردار کرنے والا پیغمبر ان کے پاس آئے تو وہ سب سے زیادہ ہدایت یافتہ امت ہوں گے لیکن جب ان کے پاس پیغمبر آیا تو سوائے فرار اور (حق سے) دوری کے ان میں کسی چیز کا اضافہ نہ ہوا۔

(۴۳) اِسۡتِکۡبَارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَکۡرَ السَّیِّیٴِ ؕ وَ لَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّیٴُ اِلَّا بِاَہۡلِہٖ ؕ فَہَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِیۡنَ ۚ فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا ۬ۚ وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰہِ تَحۡوِیۡلًا	یہ سب کچھ اس بناء پر تھا کہ انہوں نے زمین میں استکبار کیا اور بری سے بری چالیں چلیں لیکن یہ بری چالبازیاں صرف اپنے چلانے والوں کا دامن ہی پکڑتی ہیں۔ کیا انہیں اپنے سے پہلے لوگوں کے ساتھ برتے جانے والے طرزِ عمل سے مختلف کی توقع ہے۔ تم ہرگز خدا کے طریقے میں کوئی تبدیلی نہ دیکھو گے۔ اور ہرگز خدا کی سنت میں کوئی تغیر نہ پاؤ گے۔
(۴۴) اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ وَ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡہُمۡ قُوَّۃً ؕ وَ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعۡجِزَہٗ مِنۡ شَیۡءٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَلِیۡمًا قَدِیۡرًا	کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ جو ان سے پہلے تھے ان کے ساتھ کیا ہوا؟ (جبکہ) وہ لوگ ان سے زیادہ قوی تھے آسمان اور زمین میں سے کوئی چیز اس کے احاطۂ قدرت سے باہر نہیں جائے گی۔ وہ دانا اور توانا ہے۔

شان نزول

مشرکین عرب جس وقت یہ سنتے تھے کہ بعض گزشتہ امتوں مثلاً یہودیوں نے خدائی پیغمبروں کی تکذیب کی تھی اور انہیں شہید کر دیا تھا تو کہتے تھے کہ ہم ایسے نہیں ہیں، اگر خدا کا بھیجا ہوا پیغمبر ہمارے پاس آئے تو ہم تمام امتوں کی نسبت زیادہ ہدایت قبول کرنے والوں میں ہوں گے، لیکن وہی لوگ تھے کہ جب اسلام کا آفتاب عالم تاب ان کی سرزمین سے طلوع ہوا اور پیغمبر اسلام ﷺ سب سے عظیم کتاب لے کر ان کے پاس آئے تو نہ صرف یہ کہ انہوں نے ان کی دعوت قبول نہیں کی بلکہ جھٹلایا، طرح طرح کے مکر و فریب بھی کیے اور آپ ﷺ کے خلاف لڑے بھی۔

زیرِ نظر آیات اسی ضمن میں نازل ہوئیں اور انہیں ان کھوکھلے اور بے بنیاد دعووں پر ملامت و سرزنش کی

تفسیر

استکبار اور سازشیں............ان کی بدبختی کا سبب

گزشتہ آیات میں مشرکین اور دنیا و آخرت میں ان کے انجام کے بارے میں گفتگو تھی، زیرِ بحث آیت میں بھی وہی بحث

جاری ہے۔

یہ آیت کہتی ہے کہ: انہوں نے انتہائی تاکید کے ساتھ قسم کھائی کہ اگر کوئی خبردار کرنے والا ان کے پاس آئے تو یقیناً وہ تمام امتوں کی نسبت زیادہ ہدایت یافتہ ہوں۔

جی ہاں! وہ جس وقت تاریخ کے صفات کا مطالعہ کرتے تھے۔ تو بہت تعجب کرتے تھے اور اپنے بارے میں دعوے اور لاف زنی کیا کرتے تھے۔ لیکن جب تجربے کی کسوٹی اور امتحان کی گرم بھٹی سے گزرے، ان کی خواہش کے مطابق اللہ کی طرف سے رسول آ گیا تو انہوں نے ثابت کیا کہ وہ بھی اسی قماش کے ہیں۔ جیسا کہ قرآن اسی آیت کے آخر میں کہتا ہے: جس وقت خدا کی طرف سے خبردار کرنے والا اور ڈرانے والا ان کے پاس آیا تو فرار کرنے اور حق سے دور ہونے کے سوا ان میں کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوا۔

یہ تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے، کہ وہ پہلے بھی اپنے دعویٰ کے برخلاف حق کے طرفدار نہیں تھے۔ دین ابراہیمی کا جو حصہ ان کے پاس تھا وہ اسے محرم نہیں سمجھتے تھے۔

(۴۳) یہ آیت اسی بات کی تشریح ہے کہ جو گزشتہ آیت میں گزر چکی ہے۔ یہ آیت کہتی ہے حق سے ان سے دوری اس بنا پر تھی کہ انہوں نے زمین میں تکبر کی راہ اختیار کر رکھی تھی اور حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ ہوئے تھے۔ اور یہ اس بنا پر بھی تھا کہ انہوں نے قبیح اور بری چالوں کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا۔ لیکن یہ بری چالیں صرف چالبازوں کے ہی دامن گیر ہوتی ہیں۔ انہیں مخلوق خدا کے سامنے رسوا اور بدنام کرتی ہے اور بارگاہ خدا میں شرمسار کرتی ہے۔

درحقیقت یہ آیت کہتی ہے کہ انہوں نے صرف خدا کے عظیم پیغمبر سے دوری اختیار کرنے پر ہی قناعت نہیں کی بلکہ آپ پر ضرب لگانے کے لیے اپنی پوری طاقت سے مدد لی اور اس کا اصلی سبب اور محرک کبر و غرور اور حق کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنا تھا۔

اس آیت کے آخر میں اس مستکبر، مکار اور خیانت کار گروہ کو ایک پر معنی اور ہلا دینے والے جملے کے ساتھ تہدید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: کیا انہیں گزشتہ لوگوں کے سے انجام کے علاوہ کسی اور کی توقع ہے۔

یہ مختصر سا جملہ سرکش اقوام مثلاً قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور قوم فرعون کے برے اور منحوس انجام کی طرف اشارہ ہے ان میں سے ہر قوم بلائے عظیم میں گرفتار ہوئی۔

اس کے بعد مزید تاکید کے لیے فرمایا گیا ہے: تو سنت الٰہی میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں پائے گا اور سنت الٰہی میں تجھے کوئی تغیر نہ ملے گا۔

سنتوں کی تبدیلی اس کے بارے میں متصور ہوتی ہے کہ جو محدود آگاہی رکھتا ہے لیکن وہ پروردگار کہ جو عالم حکیم اور عادل ہے، اس کی سنت آئندہ کے لوگوں کے بارے میں بھی وہی ہے کہ جو گزشتہ لوگوں کے بارے میں تھی، اس کی سنتیں ثابت اور تغیر ناپذیر ہیں۔

(۴۴) یہ آیت، اس مشرک اور مجرم گروہ کو گزرے ہوئے لوگوں کے آثار اور ان کا انجام مشاہدہ کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

تا کہ انہوں نے جو کچھ تاریخ میں ان کے بارے میں سنا ہے، ان کے علاقوں میں جا کر اور ان کے آثار کے اندر پہنچ کر خود اپنی آنکھ سے دیکھیں تا کہ بات عین الیقین میں بدل جائے۔ فرمایا گیا ہے کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا۔ کہ جو ان سے پہلے تھے۔ اگر یہ لوگ تصور کرتے ہیں کہ یہ اس سے زیادہ طاقتور ہیں تو انتہائی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کیونکہ وہ ان سے زیادہ قوی اور طاقتور تھے۔

علاوہ ازیں انسان خواہ جتنے بھی طاقتور اور قوی ہوں ان کی طاقت خدا کی قدرت کے مقابلے میں صفر ہے کیونکہ کوئی چیز آسمان میں سے اور نہ ہی زمین میں سے اس کی قدرت کے احاطے سے نہیں نکل سکتی اور نہ ہی اسے عاجز و ناتواں کر سکتی ہے۔

وہ دانا بھی ہے اور توانا بھی۔ نہ کوئی چیز اس کی نگاہ سے مخفی رہ سکتی ہے، اور نہ ہی کوئی کام اس کی قدرت کے سامنے مشکل ہے اور نہ ہی کوئی شخص اس پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے۔

(۴۵) وَ لَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَہۡرِہَا مِنۡ دَآبَّۃٍ وَّ لٰکِنۡ یُّؤَخِّرُہُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمۡ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِعِبَادِہٖ بَصِیۡرًا ؏	اور اگر خدا لوگوں کو ان کاموں کی وجہ سے کہ جو انہوں نے انجام دیئے ہیں سزا دے تو زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا جاندار باقی نہ چھوڑے، لیکن (وہ اپنے لطف سے) انہیں ایک معین مدت تک تاخیر میں ڈالے گا۔ لیکن جب ان کی اجل آجائے گی (تو پھر خدا ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔) کیونکہ وہ اپنے بندوں کے اعمال و نیات سے آگاہ ہے۔

تفسیر

خدا کا لطف نہ ہوتا تو کوئی جاندار زمین پر باقی نہ رہتا

زیر نظر آیت سورہ فاطر کی آخری آیت ہے اس سورہ کی گزشتہ آیات میں تند و تیز بحثیں اور شدید تہدیدیں تھیں اور آخری آیت میں پروردگار کے لطف و رحمت کا بیان ہے۔ جیسے اس سورہ کا آغاز لوگوں پر اللہ کی وسیع رحمت کے ذکر سے ہوا تھا۔ اسی طرح سے اس کے آغاز و اختتام پر رحمت الٰہی کا بیان ہے۔

گزشتہ آیت بے ایمان مجرموں کو گزشتہ لوگوں کی سرنوشت کے حوالے سے تہدید کرتی ہے۔ اس لیے بہت سے لوگوں کے

سامنے یہ سوال ابھرتا ہے کہ اگر تمام سرکشوں کے بارے میں سنت الٰہی یہی ہے تو پھر مکہ کی اس مشرک اور سرکش قوم کو خدا سزا کیوں نہیں دیتا؟

اس سوال کے جواب میں فرمایا گیا ہے: اگر خدا تمام لوگوں کو ان اعمال کی بنا پر کہ جو انہوں نے انجام دیئے ہیں سزا دے (اور اصلاح، تجدید نظر اور خودسازی کے لیے انہیں کچھ بھی مہلت نہ دے) تو پھر کسی بھی جاندار کو زمین پر باقی نہ چھوڑے گا۔

ایسے پے در پے عذاب نازل ہوں اور بجلیاں، زلزلے اور طوفان ظالم گنہگاروں کی سرکوبی کریں۔ کہ زمین کسی کے لیے زندہ رہنے کی جگہ نہ رہے۔ لیکن خدا اپنے لطف وکرم سے انہیں معین زمانے تک تاخیر میں ڈالے گا اور انہیں توبہ و اصلاح کی مہلت دے گا۔

لیکن یہ حکم اور خدائی مہلت ایک حساب سے ہوتی ہے۔ یہ اس وقت تک کے لئے ہے کہ ان کی اجل آن پہنچے گی تو ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا کیونکہ خدا اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے، وہ ان کے اعمال کو بھی دیکھ رہا ہے اور ان کی نیتوں سے بھی باخبر ہے۔

سورہ یٰسٓ

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۸۳ آیات ہیں

سورہ یٰسین کے مضامین

اس سورہ میں چار حصے خصوصیت کے ساتھ نمایاں ہیں۔

۱۔سب سے پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت، قرآن مجید، اس آسمانی کتاب کے نازل کرنے کا مقصد بیان ہوا ہے۔

۲۔دوسرے حصے میں انبیاء الٰہی میں سے تین کی رسالت اور توحید کی طرف ان کی دعوت کی کیفیت اور شرک کے خلاف ان کے مسلسل اور زبردست معرکے کے بارے میں بیان ہے۔

۳۔اس سورہ کا تیسرا حصہ آیہ ۳۳ سے شروع ہوتا ہے آیہ ۴۴ تک چلتا ہے، یہ توحید کے پر کشش نکات سے معمور ہے اور عالم ہستی میں پروردگار کی نشانیوں کا فصیح و بلیغ بیان ہے۔

۴۔اس سورہ کا ایک حصہ معاد و قیامت سے مربوط مسائل، اس کے مختلف دلائل حشر و نشر کی کیفیت، قیامت کے دن سوال جواب، عالم کے اختتام اور جنت و جہنم کے بارے میں بیان پر مشتمل ہے۔اس حصے میں بہت ہی اہم اور عمیق نکتے پوشیدہ ہیں جو غافلوں اور بے خبروں کے قلب و روح کے لئے بہت اثر آفرین ہیں۔

سورہ یٰسین کی فضیلت تلاوت

متعدد احادیث کی گواہی کے مطابق یہ قرآن کی ایک نہایت اہم سورہ ہے۔اس طرح سے احادیث میں اسے قلب قرآن کہا گیا ہے۔ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔

’’ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یٰسین ہے‘‘

ایک حدیث میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی مطلب منقول ہے۔اس کے ذیل میں امام علیہ السلام مزید فرماتے ہیں۔:

’’جو شخص سورہ یٰسین کو غروب سے دن کے پہلے حصے میں پڑھے تو سارا دن محفوظ اور روزی سے بھرا رہے گا اور جو اسے رات کو سونے سے قبل پڑھے تو خدا ایک ہزار فرشتے اس پر مامور کرتا ہے جو شیطان مردود اور ہر آفت سے اس کی حفاظت کرتے ہیں‘‘۔

اس کے بعد آپ نے دیگر مہم فضیلتیں بھی بیان فرمائیں۔

یہ عظمت اس سورہ کے عظیم مضامین اور مطالب کی بنا پر ہے بیدار کرنے والے، ایمان بخشنے والے، ذمہ داریوں کا احساس دلانے والے اور تقویٰ بیدار کرنے والے مضامین کہ جب انسان ان پر غور و فکر کرتا ہے اور یہ غور و فکر اس کے اعمال میں سایہ فگن ہو جاتا ہے۔تو پھر دنیا و آخرت کی بھلائی کا سبب بن جاتا ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔
(۱)یٰسٓ ۚ	یٰسٓ۔

(۲)وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡحَکِیۡمِ ۙ	قرآن حکیم کی قسم۔
(۳)اِنَّکَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۙ	یقیناً تو (خدا کے) رسولوں میں سے ہے۔
(۴) عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ؕ	صراط مستقیم پر۔
(۵) تَنۡزِیۡلَ الۡعَزِیۡزِ الرَّحِیۡمِ ۙ	(یہ قرآن) خدائے عزیز و رحیم کی طرف سے نازل ہوا ہے۔
(۶)لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اُنۡذِرَ اٰبَآؤُهُمۡ فَهُمۡ غٰفِلُوۡنَ	تاکہ تو اس قوم کو ڈرائے کہ جن کے آباؤ اجداد کو ڈرایا نہیں گیا تھا اسی لیے وہ غافل ہیں۔
(۷) لَقَدۡ حَقَّ الۡقَوۡلُ عَلٰۤی اَکۡثَرِهِمۡ فَهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ	ان میں سے اکثر کے بارے میں (اللہ کا) فرمان حق ہو کر آ چکا ہے اسی بنا پر وہ ایمان نہیں لاتے۔
(۸) اِنَّا جَعَلۡنَا فِیۡۤ اَعۡنَاقِهِمۡ اَغۡلٰلًا فَهِیَ اِلَی الۡاَذۡقَانِ فَهُمۡ مُّقۡمَحُوۡنَ	ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں کہ جو ٹھوڑیوں تک پہنچے ہوئے ہیں اور اس لیے انہوں نے سروں کو اوپر رکھا ہے۔
(۹)وَ جَعَلۡنَا مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ سَدًّا وَّ مِنۡ خَلۡفِهِمۡ سَدًّا فَاَغۡشَیۡنٰهُمۡ فَهُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ	ہم نے ان کے سامنے ایک دیوار بنا دی ہے اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار بنا دی ہے اور ان کی آنکھوں کو ہم نے ڈھانپ دیا ہے۔ اس لیے وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔
(۱۰) وَ سَوَآءٌ عَلَیۡهِمۡ ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ	ان کے لئے یکساں ہے کہ تو انہیں ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

تفسیر

قلب قرآن کا سر آغاز

یہ سورت قرآن مجید کی دوسری ۲۸ سورتوں کی طرح حروف مقطعات کے ساتھ شروع ہوتی ہے (یا اور سین) دو حرفوں نے

پہلی آیت تشکیل دی ہے۔خصوصیت کے ساتھ سورہ یٰسین کے بارے میں ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''یٰسین رسول خداﷺ کا نام ہے اور اس پر دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا گیا ہے کہ تو مرسلین میں سے ہے اور صراط مستقیم پر ہے''۔(نور الثقلین جلد۴۔ص۔۳۷۵۔)

(۲)ان حروف مقطعات کے بعد بہت سی ان سورتوں کی طرح کہ جو حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں قرآن مجید کے بارے میں گفتگو ہے۔البتہ یہاں قرآن کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے: قرآن حکیم کی قسم۔

گویا قرآن کا زندہ وعاقل اور رہبر وپیشوا کے طور پر تعارف کرایا جارہا ہے کہ جو حکمت کے دروازے انسانوں کے سامنے کھول سکتا ہے۔البتہ خدا قسم کھانے کا محتاج نہیں ہے لیکن قرآن کی قسمیں ہمیشہ دو اہم فوائد کی حامل ہوتی ہیں۔پہلا کسی مطلب کی تاکید کے لیے اور دوسرا اس چیز کی عظمت بیان کرنے کے لیے کہ جس کی قسم کھائی جارہی ہے۔

(۳) یہ آیت اس چیز کو کہ جس کی خاطر پہلی آیت میں قسم کھائی گئی تھی بیان کرتی ہے، فرمایا گیا ہے: یقیناً تو خدا کے رسولوں میں سے ہے۔

(۴)ایسی رسالت کہ جو حقیقت اور تیرے صراط مستقیم، پر ہونے سے منسلک ہے۔

(۵) پھر مزید ارشاد ہوتا ہے: یہ وہ قرآن ہے جو خدائے عزیز ورحیم کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

اس نے اپنی عزت ورحمت کو باہم ملا دیا ہے۔جن میں سے عزت ڈراوے کی مظہر ہے اور رحمت بشارت کی مظہر ہے گویا اس نے اپنی عزت ورحمت کی بنا پر عظیم آسمانی کتاب انسانوں کو دی ہے۔

(۶) آیت نزول قرآن کے اصل مقصد کو اس طرح پیش کرتی ہے۔ہم نے تجھ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ تو اس قوم کو خبردار کرے کہ جن کے آباء واجداد کو خبردار نہیں کیا گیا۔اس بنا پر وہ غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

نزول قرآن کا مقصد یہ تھا کہ غافل اور سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کیا جائے۔

(۷)اس کے بعد قرآن کفر وشرک کے سرغنوں کے بارے میں ایک پیشگوئی کے طور پر کہتا ہے: ان میں سے اکثر کے اوپر وعدہ الٰہی حق بن کر نافذ ہو چکا ہے، پس وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان اسی صورت میں اصلاح پذیر اور قابل ہدایت ہے جبکہ اس نے برے اعمال اور اپنے پست اخلاق کے ذریعے اپنی فطرت توحیدی کو بالکل پامال نہ کر دیا ہو۔ورنہ مطلق تاریکی اس کے دل پر غالب آجائیگی اور امید کے سارے دریچے اس پر بند ہو جائیں گے۔

(۸) آیت اس اثر ناپذیر گروہ کے تعارف میں ہے ان کے پہلے تعارف میں کہتی ہے۔: ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں کہ جو ان کی ٹھوڑیوں تک آئے ہوئے ہیں اور ان کے سروں کو اوپر کیا ہوا ہے۔

ہٹ دھرم بت پرستوں کی حالت کی یہ تشبیہ کتنی عمدہ ہے کہ جو ایسے انسانوں کے ساتھ دی گئی ہے کہ جنہوں نے تقلید کا طوق

اور بیہودہ عادات ورسوم کی زنجیر وطوق کو اپنی گردن اور ہاتھ پاؤں میں باندھ لیا ہے اوران کے وہ طوق ایسے ہیں کہ انہوں نے سروں کو اوپر کررکھا ہے اور حقائق کو چکھنے سے محروم کردیا ہے وہ ایسے قیدی ہیں کہ نہ تو حرکت کر سکتے ہیں اور نہ ہی دیکھ سکتے ہیں۔

بہرحال زیر بحث آیت اس بے ایمان گروہ کے حالات دنیا کی ایک تصویر ہے اور آخرت میں ان کے حالات کا ایک بیان بھی ہے، جو اس جہاں کی کیفیت کا ایک مرقع ہے۔

(۹) اس آیت میں انہیں افراد کی ایک اور صفت بیان کی گئی ہے اوران کی اثر ناپذیری کے عوامل کی ایک بولتی ہوئی تصویر ہے۔فرمایا گیا ہے: ہم نے ایک دیوار تو ان کے سامنے بنادی ہے اور ایک دیوار ان کے پیچھے۔

وہ ان دونوں دیواروں کے درمیان اس طرح سے محصور ہوکر رہ گئے ہیں کہ نہ تو آگے جانے کے لیے ان کے پاس کوئی راستہ ہے اور نہ ہی واپس لوٹنے کے لیے۔اس حالت میں ہم نے ان کی آنکھوں کو ڈھانپ دیا ہے۔لہٰذا وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے۔

خودغرض وخودبین مستکبرین اندھے، بہرے مقلدین اور ہٹ دھرم متعصبین کی کیفیت حقائق کے سامنے ایسی ہی ہے۔

(۱۰) اسی بنا پر اس آیت میں صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے: ان کے لیے برابر ہے چاہے تو انہیں ڈرائے یا نہ ڈرائے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

تیری گفتگو چاہے جتنی بھی پرتاثیر ہو اور وحی آسمانی چاہے جس قدر بھی مؤثر ہو، جب تک دلوں کی زمین اہل اور تیار نہ ہو اثر نہ کرے گی۔

(۱۱) اِنَّمَا تُنۡذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّکۡرَ وَ خَشِیَ الرَّحۡمٰنَ بِالۡغَیۡبِ ۚ فَبَشِّرۡہُ بِمَغۡفِرَۃٍ وَّ اَجۡرٍ کَرِیۡمٍ	تو تو صرف اس شخص کو ڈرا سکتا ہے کہ جو اس خدائی نصیحت کی پیروی کرتا ہے اور خدائے رحمٰن سے پوشیدہ طور سے ڈرتا ہے۔ایسے شخص کو بخشش اور بہترین اجر وثواب کی بشارت دے دے۔
(۱۲) اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیِ الۡمَوۡتٰی وَ نَکۡتُبُ مَا قَدَّمُوۡا وَ اٰثَارَہُمۡ ؕ وقف غفران وَ کُلَّ شَیۡءٍ اَحۡصَیۡنٰہُ فِیۡۤ اِمَامٍ مُّبِیۡنٍ ۫	ہم ہی مردوں کو زندہ کرتے ہیں اور جو کچھ انہوں نے آگے بھیجا ہے اوران کے تمام آثار کو ہم لکھتے ہیں اور ہم نے ہر چیز کا واضح کتاب میں احصاء کردیا ہے۔

تفسیر

خدائی نصیحت سے فائدہ اٹھانے والے

گزشتہ آیات میں ایسے گروہ کے بارے میں گفتگو تھی کہ جو کسی طرح بھی خدائی تنبیہوں کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے اور ان کو ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے۔زیر بحث آیات میں ایک گروہ کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔یہ لوگ مذکورہ گروہ کے بالکل مدمقابل قرار

پاتے ہیں۔ایسا اس لیے کیا گیا ہے تاکہ ایک کا دوسرے سے موازنہ کر کے مسئلہ زیادہ واضح ہوجائے اور یہ ہی قرآن کا طریق کار ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: تو تو صرف اسی کو خدا سے ڈرا سکتا ہے جو اس کے ذکر کی پیروی کرے اور خداوند رحمان سے پوشیدہ طور پر اور غیب میں ڈرے۔اور جو ایسا ہے اسے مغفرت اور بہترین اجر وثواب کی بشارت دے۔

(۱۲) گزشتہ آیات میں مومنین اور انبیاء کے انداز کو قبول کرنے والوں کے اجر وثواب کا ذکر ہے۔اسی مناسبت سے آیت میں مسئلہ معاد وقیامت اور حساب و کتاب اور جزا کے لیے ثبت اعمال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ہم مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔اور ہم وہ تمام کچھ کہ جو انہوں نے آگے بھیجا ہے اور ان کے تمام آثار بھی لکھ رہے ہیں۔اسی بنا پر کوئی چیز فروگزاشت نہیں ہوگی اور ہر چیز نامہ اعمال میں روز حساب کے لئے محفوظ ہوجائے گی۔

آیت کے آخر میں مزید تاکید کے لیے اضافہ کیا گیا ہے: ہم نے تمام چیزوں کا واضح اور آشکار کتاب میں احصاء کردیا ہے۔

(۱۳) وَ اضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ	ان سے بستی والوں کی مثال بیان کیجئے کہ جس وقت خدا کے رسول ان کی طرف آئے۔
(۱۴) اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ	جبکہ ہم نے دو رسول ان کی طرف بھیجے لیکن انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی۔اس لیے ہم نے ان دونوں کی تقویت کے لیے تیسرے کو بھیجا۔ان سب نے کہا کہ ہم تمہاری طرف (اللہ کے) بھیجے ہوئے ہیں۔
(۱۵) قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَ مَآ اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَكْذِبُوْنَ	لیکن انہوں نے (جواب میں کہا) کہ تم تو ہم جیسے بشر کے سوا اور کچھ نہیں ہو اور خداوند رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم صرف جھوٹ بولتے ہو۔
(۱۶) قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ	انہوں نے کہا ہمارا پروردگار آگاہ ہے کہ ہم یقینی طور پر تمہاری طرف اس کے بھیجے ہوئے ہیں۔
(۱۷) وَ مَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ	اور ہمارے ذمہ تو واضح طور پر پہنچا دینے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

(۱۸) قَالُوْٓا اِنَّا تَطَیَّرْنَا بِکُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَ لَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ	انہوں نے کہا کہ ہم تو تمہیں اپنے لیے فال بد سمجھتے ہیں اور اگر تم ان باتوں سے ستبردار نہ ہو گے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تمہیں دردناک سزا ملے گی۔
(۱۹) قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ؕ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ	انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تو خود تمہاری طرف سے ہے، اگر تم اچھی طرح سے غور کرو، بلکہ تم حد سے گزرے ہوئے لوگ ہو۔

تفسیر

بستی والوں کی سرگزشت ایک عبرت

قبل ازیں قرآن پیغمبر اسلام ﷺ کی نبوت، سچے مومنین اور ہٹ دھرم منکرین کے بارے میں بحث گزری ہے۔ زیر بحث آیات میں اس ضمن میں گزشتہ امتوں کی کیفیت کا ایک نمونہ بیان ہو رہا ہے۔ ان آیات اور بعد والی چند آیات کے ضمن میں کہ جو مجموعی طور پر ۱۸ آیات بنتی ہیں۔ چند گزشتہ پیغمبروں کی سرگزشت بیان کی گئی ہے۔ تا کہ مشرکین مکہ کے لیے تنبیہ ہو اور پیغمبر اکرم ﷺ اور اس وقت کے تھوڑے سے مومنین کے لیے تسلی کا باعث ہو۔

بہر حال اس سورہ کے قلب میں کہ جو خود قرآن کا دل ہے اس سرگزشت کا ذکر اس زمانے کے مسلمانوں سے اس کی کامل شباہت کی بنا پر ہے۔ پہلے فرمایا گیا ہے: تم ان سے بستی والوں کی مثال بیان کرو کہ جس کے رسول ان کی طرف آئے۔

"قریة" ایک وسیع مفہوم رکھتا ہے کہ جو شہروں کے لیے بھی ہے اور دیہات کے لیے بھی۔ اگرچہ فارسی زبان میں عام طور پر صرف دیہات کے لیے بولا جاتا ہے۔ مفسرین کے درمیان مشہور ہے کہ وہ شامات کے شہروں میں سے انطاکیہ تھا۔

بہر حال اس سورہ کی آیات سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شہر کے رہنے والے بت پرست تھے اور یہ رسول انہیں توحید کی دعوت دینے اور شرک کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے ان کے پاس آئے تھے۔

(۱۴) قرآن اجمالی بیان کے بعد ان کے قصے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: وہ وقت کہ جب ہم نے دو رسولوں کو ان کی طرف بھیجا لیکن انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی، لہٰذا ہم نے ان دو کی تقویت کے لیے تیسرا رسول بھیجا، ان تینوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف خدا کے بھیجے ہوئے ہیں۔

(۱۵) اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس گمراہ قوم نے ان رسولوں کی دعوت پر کیا ردعمل ظاہر کیا؟ قرآن کہتا ہے انہوں بھی وہی

بہانہ کیا کہ جو بہت سے سرکش کافروں نے گزشتہ خدائی پیغمبروں کے جواب میں کیا تھا: انہوں نے کہا، تم تو ہم ہی جیسے بشر ہو اور خدائے رحمٰن نے کوئی چیز نازل نہیں کی ہے۔ تمہارے پاس جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اگر خدا کی طرف سے کوئی بھیجا ہوا ہی آنا تھا تو کوئی مقرب فرشتہ ہونا چاہیے تھا، نہ کہ ہم جیسا انسان اور اسی امر کو انہوں نے رسولوں کی تکذیب اور فرمان الٰہی کے نزول کے انکار کی دلیل خیال کیا۔

(۱۶) بہرحال یہ پیغمبر اس گمراہ قوم کی شدید اور سخت مخالفت کے باوجود مایوس نہ ہوئے اور انہوں نے کمزوری نہ دکھائی اور ان کے جواب میں کہا: ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ یقیناً ہم تمہاری طرف اس کے بھیجے ہوئے ہیں۔

(۱۷) اور ساتھ ہی وہ لوگوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ اگر تم نے ہماری تبلیغ کا مثبت جواب دیا تو اس کا فائدہ بھی تمہیں ہی ہوگا اور اگر تم نے ہمارا انکار کیا تو بھی ہمارا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ کیونکہ ہمارے ذمہ تو واضح و آشکار طور پر ابلاغ رسالت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔

(۱۸) لیکن یہ دل کے اندھے واضح منطق اور معجزات کے سامنے نہ صرف جھکے نہیں بلکہ انہوں نے اپنی خشونت اور سختی میں اضافہ کر دیا اور تکذیب کے مرحلے سے قدم آگے بڑھاتے ہوئے تہدید اور شدت عمل کے مرحلے میں داخل ہو گئے انہوں نے کہا: ہم تو تمہیں فال بد سمجھتے ہیں تمہارا وجود منحوس ہے اور تم ہمارے شہر کے لیے بدبختی کا سبب ہو۔ پھر اس پر بس نہیں کی بلکہ کھلی دھمکیوں کے ساتھ اپنی قبیح نیتوں کو ظاہر کیا اور کہا: اگر تم ان باتوں سے دستبردار نہ ہوئے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور ہماری طرف سے تمہیں دردناک سزا ملے گی۔

ممکن ہے کہ "عذاب الیم" کا ذکر اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ ہم تمہیں یہاں تک سنگسار کریں گے کہ وہ تمہاری موت کا سبب بن جائے۔

(۱۹) یہ وہ مقام تھا کہ خدا کے پیغمبر اپنی واضح منطق کے ساتھ ان کی فضول ہذیانی باتوں کا جواب دینے کے لیے تیار ہو گئے اور انہوں نے کہا: تمہاری بدبختی اور نحوست خود تمہاری ہی طرف سے ہے اور گر تم ٹھیک طرح سے غور کرو تو اس حقیقت سے واقف ہو جاؤ گے۔

اگر بدبختی اور منحوس حوادث تمہارے معاشرے کو گھیرے ہوئے ہیں اور برکات الٰہیہ تمہارے درمیان میں سے اٹھ گئی ہیں تو اس کا عامل اپنے اندر اپنے پست افکار اور قبیح اعمال میں تلاش کرو نہ کہ ہماری دعوت میں۔

آخر کار پروردگار کے ان بھیجے ہوئے افراد کی آخری گفتگو ان سے یہ تھی کہ تم حد سے بڑھے ہوئے اور تجاوز کرنے والے لوگ ہو۔

اگر تم توحید کا انکار کرتے ہوئے شرک کی طرف رخ کرتے ہو تو اس کی وجہ حق سے تجاوز ہے اور تمہارا معاشرہ برے انجام میں گرفتار ہوا ہے تو اس کا سبب بھی گناہ میں زیادتی اور شہوت میں آلودگی ہے۔

(۲۰)وَ جَآءَ مِنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَةِ رَجُلٌ یَّسۡعٰی قَالَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوا الۡمُرۡسَلِیۡنَ ۙ	ایک (باایمان) شخص شہر کے دور دراز مقام سے دوڑتا ہوا آیا (اور) اس نے کہا: اے میری قوم! خدا کے رسولوں کی پیروی کرو۔
(۲۱) اتَّبِعُوۡا مَنۡ لَّا یَسۡـَٔلُکُمۡ اَجۡرًا وَّ ہُمۡ مُّہۡتَدُوۡنَ	ایسے لوگوں کی پیروی کرو کہ جو تم سے کوئی اجر نہیں مانگتے اور وہ خود ہدایت یافتہ ہیں۔
(۲۲) وَ مَا لِیَ لَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ وَ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ	میں کیوں اس ہستی کی پرستش نہ کروں کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔
(۲۳) ءَاَتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَةً اِنۡ یُّرِدۡنِ الرَّحۡمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغۡنِ عَنِّیۡ شَفَاعَتُہُمۡ شَیۡئًا وَّ لَا یُنۡقِذُوۡنِ ۚ	کیا میں اسے چھوڑ کر دوسرے معبود اپنا لوں جبکہ خدائے رحمٰن چاہے کہ مجھے نقصان پہنچے تو ان کی شفاعت میرے لیے کچھ بھی فائدہ مند نہ ہو اور نہ ہی وہ مجھے (اس کے عذاب سے) نجات دلا سکیں۔
(۲۴) اِنِّیۡۤ اِذًا لَّفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ	اگر میں ایسا کروں تو پھر تو میں کھلی گمراہی میں ہوں گا۔
(۲۵) اِنِّیۡۤ اٰمَنۡتُ بِرَبِّکُمۡ فَاسۡمَعُوۡنِ ؕ	(اسی بنا پر) میں تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں، میری باتیں کان لگا کر سنو۔
(۲۶) قِیۡلَ ادۡخُلِ الۡجَنَّةَ ؕ قَالَ یٰلَیۡتَ قَوۡمِیۡ یَعۡلَمُوۡنَ ۙ	(آخرکار اسے شہید کر دیا گیا تو) اس سے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا تو اس نے کہا کہ اے کاش میری قوم کو علم ہوتا۔
(۲۷) بِمَا غَفَرَ لِیۡ رَبِّیۡ وَ جَعَلَنِیۡ مِنَ الۡمُکۡرَمِیۡنَ	کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا ہے اور مکرم و محترم لوگوں میں سے قرار دیا ہے۔

(۲۸) وَ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلٰی قَوۡمِهٖ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ مِنۡ جُنۡدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ مَا كُنَّا مُنۡزِلِيۡنَ	ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر کوئی لشکر آسمان سے نہیں بھیجا اور نہ ہی ہماری یہ سنت تھی۔
(۲۹) اِنۡ كَانَتۡ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمۡ خٰمِدُوۡنَ	صرف ایک آسمانی للکار تھی، پس اچانک سب خاموش ہو گئے۔
(۳۰) يٰحَسۡرَةً عَلَى الۡعِبَادِ ۚ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ	افسوس ہے ان بندوں پر کہ جن کی ہدایت کے لیے جو بھی پیغمبر آیا وہ اس کا مذاق اڑاتے رہے۔

تفسیر

ایک جان بکف مجاہد

زیر بحث آیات میں ان رسولوں کی جدوجہد کا ایک اور حصہ بیان کیا گیا ہے۔ اس حصے میں بتایا گیا ہے کہ ان میں سے تھوڑے سے مومنین نے بڑی شجاعت سے ان انبیاء کی حمایت کی اور وہ کافر و مشرک اور ہٹ دھرم اکثریت کے مقابلے میں کھڑے ہوئے اور جب تک جان باقی رہی انبیاءِ الٰہی کا ساتھ دیتے رہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ایک (باایمان) مرد شہر کے دور دراز مقام سے بڑی تیزی کے ساتھ بھاگتا ہوا کافر گروہ کے پاس آیا اور کہا: اے میری قوم! مرسلین خدا کی پیروی کرو۔

اس شخص کا نام اکثر مفسرین نے حبیب نجار بیان کیا ہے۔ جس وقت اسے خبر ملی کہ وسط شہر میں لوگ ان انبیاءِ الٰہی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور شاید انہیں شہید کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس نے خاموش رہنے کو جائز نہ سمجھا۔ بڑی تیزی اور جلدی کے ساتھ مرکز شہر تک پہنچا اور جو کچھ اس کے بس میں تھا حق کی حمایت اور دفاع میں فروگزاشت نہ کی۔

"رجل" کی تعبیر ناشناختہ شکل میں شاید اس نکتے کی طرف ہے کہ وہ ایک عام آدمی تھا، کوئی قدرت و شوکت نہیں رکھتا تھا اور اپنی راہ میں یکہ و تنہا تھا اس کا واقعہ اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ آغاز اسلام میں مومنین کہ جو بہت تھوڑی سی تعداد میں تھے اسے اپنے لیے نمونہ سمجھیں اور جان لیں کہ تنہا ایک مومن بھی پوری طرح ذمہ دار ہوتا ہے، اور اس کے لیے خاموش رہنا جائز نہیں ہے۔

(۲۱) آیئے اب دیکھتے ہیں کہ یہ مومن مجاہد اپنے شہر والوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کس منطق اور دلیل کو اختیار کرتا ہے۔ اس نے پہلے تو یہ دلیل اختیار کی کہ ایسے لوگوں کی پیروی کرو جو تم سے اپنی دعوت کے بدلے میں کوئی اجر طلب نہیں کرتے۔

یہ ان کی صداقت کی پہلی نشانی ہے کہ ان کی دعوت میں کسی قسم کی مادی منفعت نہیں ہے۔ وہ تم سے کوئی مال چاہتے ہیں اور نہ ہی جاہ و مقام، یہاں تک کہ وہ تو تشکر و سپاس گزاری بھی نہیں چاہتے اور نہ ہی کوئی اور صلہ۔

اور بارہا آیات قرآنی میں اس بات کا ذکر آیا ہے۔ صرف سورہ شعرا میں پانچ مرتبہ "وما اسئلکم علیه من اجرا" کی

تکرار ہے اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے: (علاوہ ازیں) یہ رسول جیسا کہ ان کی دعوت کے مطالب اور ان کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہدایت یافتہ افراد ہیں۔

(۲۲) اس کے بعد قرآن ایک اور دلیل پیش کرتا ہے اور اصل توحید کے بارے میں بات کرتا ہے کیونکہ یہی انبیاء کی دعوت کا اہم ترین نکتہ ہے۔ کہتا ہے: میں اس ہستی کی پرستش کیوں نہ کروں کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔

فطرت سلیم کہتی ہے کہ وہ ہستی پرستش کے لائق ہے کہ جو خالق و مالک ہے اور نعمات بخشنے والی ہے، نہ کہ یہ بت کہ جن سے کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔

اس کے بعد خبردار کرتا ہے کہ یاد رکھو تم سب کے سب آخرکار اکیلے ہی اس کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

یعنی نہ صرف تمہارا اس جہان کی زندگی میں اس کے ساتھ تعلق ہے بلکہ دوسرے جہاں میں بھی تمہاری ساری سرنوشت اسی کے دست قدرت میں ہوگی۔

ہاں! اسی کی طرف رخ کرو کہ دونوں جہانوں میں تمہاری سرنوشت جس کے اختیار میں ہے۔

(۲۳) اپنے تیسرے استدلال میں بتوں کی کیفیت بیان کرتا ہے اور خدا کے لیے عبودیت کے اثبات کو بتوں کی عبودیت کی نفی کے ذریعے تکمیل کرتے ہوئے کہتا ہے: کیا میں خدا کے سوا اور معبود اپنالوں جبکہ خدائے رحمٰن مجھے کچھ نقصان پہنچانا چاہے تو ان کی شفاعت مجھے معمولی سا فائدہ بھی نہ دے گی اور وہ مجھے اس کے عذاب سے نہ بچا سکیں گے۔

اس مقام پر پھر اپنے بارے میں بات کرتا ہے۔ تاکہ تحکم اور آمریت کا لہجہ نہ ہو اور دوسرے اپنا حساب خود کرلیں۔

(۲۴) اس کے بعد یہ مجاہد مومن مزید تاکید و توضیح کے لیے کہتا ہے: اگر میں اس قسم کے بتوں کی پرستش کروں اور انہیں پروردگار کا شریک قرار دوں تو میں کھلی گمراہی میں ہوں گا۔

اس سے بڑھ کر کھلی گمراہی کیا ہوگی کہ عاقل و باشعور انسان بے شعور موجودات کے سامنے گھٹنے ٹیک دے اور انہیں زمین و آسمان کے خالق کے برابر جانے؟ اس مجاہد مومن نے ان استدلال اور مؤثر و وسیع تبلیغات کے بعد ایک پرتاثیر آواز کے ساتھ سارے مجمع کے سامنے اعلان کیا لوگو جانو کہ میں ان رسولوں کی دعوت پر ایمان لایا ہوں اور میں نے ان رسولوں کی دعوت کو قبول کرلیا ہے۔ اس بناء پر میری باتوں کو سنو اور جان لو کہ میں ان رسولوں کی دعوت پر ایمان رکھتا ہوں اور تم میری بات پر عمل کرو کہ یہی تمہارے فائدہ کی بات ہے۔

(۲۶) آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اس پاک باز مومن کے جواب میں اس ہٹ دھرم قوم کا ردعمل کیا تھا؟

قرآن نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کہی لیکن بعد والی آیات کے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے شہید کردیا۔

قرآن اس حقیقت کو ایک عمدہ اور سربستہ جملہ کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: اسے کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو

جا۔ یہ بات واضح ہے کہ یہاں بہشت سے مراد برزخ والی بہشت ہے کیونکہ قرآنی آیات سے بھی اور روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہشت جاوداں مومنین کو قیامت میں نصیب ہوگی۔ اور دوزخ بھی بدکاروں کے لیے اسی طرح ہے۔ بہرحال اس شخص کی پاک روح آسمانوں کی طرف، رحمت الٰہی کے قرب اور بہشت نعیم میں طرف پرواز کر گئی اور وہاں اسے صرف یہ آرزو تھی کہ: اے کاش میری قوم جان لیتی۔

اے کاش وہ جان لیتے کہ میرے پروردگار نے مجھے اپنی بخشش اور عفو سے نوازا ہے اور مجھے مکرم لوگوں کی صف میں جگہ دی ہے۔

اے کاش ان کی آنکھ حق بین ہوتی۔ ایسی آنکھ کہ جس پر مادی دنیا کے ضخیم پردے پڑے ہوئے نہ ہوتے اور جو کچھ اس پردے کے پیچھے ہے اسے دیکھ لیتے۔ یعنی وہاں سب نعمتوں اور خدا کے اکرام والطاف کو دیکھ لیتے اور جان لیتے کہ ان کی اہانتوں کے بدلے خدا نے میرے حق میں کیا لطف فرمایا ہے: اے کاش! وہ دیکھتے اور ایمان لے آتے لیکن افسوس۔

(۲۸) ہم نے دیکھا کہ شہر انطاکیہ کے لوگوں نے خدا کے پیغمبروں کی کیسے مخالفت کی، اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان کا انجام کیا ہوا۔

قرآن اس بارے میں کہتا ہے: ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر کوئی لشکر آسمان سے نہیں بھیجا اور اصولاً ہمارا یہ طریقہ ہی نہیں ہے کہ ایسی سرکش اقوام کو نابود کرنے کے لیے ان امور سے کام لیں۔

ہم ان امور کے محتاج نہیں ہیں۔ صرف ایک اشارہ ہی کافی ہے کہ جس سے ہم ان سب کو خاموش کر دیں اور انہیں دیار عدم کی طرف بھیج دیں اور ان کی زندگی کو درہم برہم کر دیں۔

صرف ایک اشارہ ہی کافی ہے کہ ان کے حیات کے عوامل ہی ان کی موت کے عامل میں بدل جائیں اور مختصر سے وقت میں ان کی زندگی کا دفتر لپیٹ کر رکھ دیں۔

(۲۹) پھر قرآن کہتا ہے: صرف ایک آسمانی چیخ پیدا ہوئی، ایسی چیخ کہ جو ہلا دینے والی اور موت کا پیغام تھی اچانک سب پر موت کی خاموشی طاری ہوگئی۔

ایک چیخ وہ جو کچھ بھی تھی، لمحہ بھر سے زیادہ نہ تھی۔ وہ ایک ایسی آواز تھی کہ جس نے سب آوازوں کو خاموش کر دیا اور ایسی ہلا دینے والی تھی کہ جس نے تمام حرکتوں کو بے حرکت کر دیا۔

(۳۰) آخری زیر بحث آیت میں بہت ہی جامع اور مؤثر انداز میں تاریخ کے تمام سرکشوں کے دعوت انبیاء سے ٹکراؤ کا ذکر کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: افسوس ہے کہ ان بندوں پر کہ کوئی ایسا پیغمبر ان کی ہدایت کے لیے نہیں آیا جس کا انہوں نے مذاق نہ اڑایا ہو۔

وائے ان لوگوں پر جنہوں نے خدا کی رحمت کا دریچہ خود سے بند کر لیا۔

افسوس ان پر جنہوں اپنی ہدایت کے چراغ خود توڑ ڈالے۔

ہائے سعادت سے محروم وہ لوگ کہ جو نہ صرف پیغمبروں کی ندا پر کان نہیں دھرتے بلکہ ان کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔

(۳۱) اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ؕ	کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی اقوام کو (ان کے گناہوں کی بنا پر) ہلاک کیا ہے۔ وہ ہرگز ان کی طرف واپس نہیں لوٹیں گے۔
(۳۲) وَ اِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۧ	اور وہ سب کے سب قیامت کے دن ہمارے پاس حاضر ہوں گے۔

تفسیر

دائمی غفلت

گزشتہ آیت زمانہ ماضی میں دنیا کے لوگوں کے ایک بڑے حصے کی مسلسل غفلت کے بارے میں گزری ہے۔ اب اس آیت میں فرمایا گیا ہے: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے پہلی اقوام میں سے بہت سے افراد کو ان کے ظلم اور سرکشی کے سبب ہلاک کر ڈالا۔

یہ کوئی گروہ نہیں ہے کہ جس نے روئے زمین پر قدم رکھا بلکہ ان سے پہلے دوسری سرکش قومیں بھی اس جہاں میں زندگی بسر کرتی رہی ہیں۔ ان کا دردناک انجام کہ جو تاریخ کے صفحات پر ثبت ہے اور ان کے غم انگیز آثار کہ جو ان کے شہروں کے ویرانوں میں باقی رہ گئے ہیں ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں۔ کیا اتنا کچھ درس عبرت کے لیے کافی نہیں ہے؟

آیت کے آخر میں قرآن مزید کہتا ہے کہ وہ کبھی بھی ان کی طرف نہیں لوٹیں گے۔

سب سے بڑی مصیبت یہ کہ دنیا کی طرف بازگشت اور گزشتہ گناہوں اور بدبختیوں کی تلافی کا امکان باقی نہیں رہا۔ ان کے گزشتہ سفر کے تمام پل تباہ ہو چکے ہیں اور اب ان کا لوٹ کر جانا ممکن ہی نہ رہا۔

(۳۲) آیت میں قرآن مزید کہتا ہے: وہ سب کے سب بلا استثناء قیامت کے دن ہمارے پاس حاضر ہوں گے۔

یعنی اس طرح نہیں ہے کہ اگر وہ ہلاک ہو گئے اور اس جہاں میں واپس نہ پلٹ سکے تو مسئلہ ختم ہو جائے گا۔ موت حقیقت میں نہ تو ابتدائے کار ہے اور نہ ہی انتہائے کار، بلکہ وہ سب کے سب بہت جلد عرصۂ محشر میں حساب کتاب کے لیے جمع ہوں گے اور اس کے بعد دردناک عذاب الٰہی، کہ جو ایک مسلسل اور دائمی سزا ہو گی ان کی منتظر ہے۔ اور ان کے لئے تو کسی قسم کی معافی کا تصور بھی نہیں ہے۔

(۳۳) وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ ۖ اَحْيَيْنٰهَا وَ اَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ	مردہ زمین بھی ان کے لئے ایک نشانی ہے۔ ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے دانے نکالے۔ اسی میں سے وہ کھاتے ہیں۔

(۳۴) وَ جَعَلۡنَا فِیۡهَا جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ وَّ فَجَّرۡنَا فِیۡهَا مِنَ الۡعُیُوۡنِ ۙ	اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات اُگائے اور اس میں چشمے جاری کیے۔
(۳۵) لِیَاۡکُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِهٖ ۙ وَ مَا عَمِلَتۡهُ اَیۡدِیۡهِمۡ ؕ اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ	تاکہ وہ اس کے پھل کھائیں جبکہ اس کے بنانے میں ان کے ہاتھ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔کیا وہ خدا کا شکرادا نہیں کرتے؟
(۳۶) سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ وَ مِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ	منزہ ہے وہ ذات کہ جس نے زمین سے اگنے والی چیزوں کے اور خود انہی لوگوں کے اور ان چیزوں کے جنہیں یہ نہیں جانتے سب کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔

تفسیر

توحید و معاد کی کچھ نشانیاں

گذشتہ آیات میں فرستادگان الٰہی کی شرک و بت پرستی کے خلاف جدو جہد کے بارے میں گفتگو تھی۔ نیز گزشتہ آخری آیات میں مسئلہ معاد کی طرف اشارہ ہوا تھا۔اب زیر بحث آیات توحید و معاد کی نشانیوں کو یکجا بیان کرتی ہیں تاکہ یہ نشانیاں منکرین کے لیے بیداری اور مبدا و معاد پر ایمان لانے کا ذریعہ بن جائیں۔

ان آیات میں پہلے مردہ زمینوں کے زندہ کرنے اور ان برکات سے کہ جن سے انسان فائدہ اٹھاتے ہیں بحث کی گئی ہے۔فرمایا گیا ہے: مردہ زمین بھی ان کے لئے ایک نشانی ہے (مبداء معاد کی) ہم نے اسے زندہ کیا اور اس سے دانے نکالے اور اسی میں سے وہ کھاتے ہیں۔

اور تمام تر علمی ترقیوں کے باوجود ابھی تک کوئی بھی شخص ٹھیک طرح سے نہیں جانتا کہ کن عوامل کے زیر اثر پہلے دن بے جان موجودات زندہ خلیوں میں تبدیل ہوئیں۔

(۳۴) یہ آیت گزشتہ آیت کی توضیح و تشریح ہے اور مردہ زمینوں کی حیات کی کیفیت بیان کرتی ہے فرمایا گیا ہے: ہم نے زمین میں کھجوروں اور انگوروں کے باغات اُگائے ہیں اور اس میں سے چشمے نکالے ہیں۔

گزشتہ آیت میں اناج کے متلق گفتگو تھی لیکن یہاں قوت بخش اور غذائی پھلوں کے متعلق بات کی گئی ہے ان کے دو عمدہ اور کامل نمونے کھجور اور انگور ہیں کہ جن میں سے ہر ایک مکمل غذا شمار ہوتا ہے۔

(۳۵) یہ آیت ان پر بار درختوں کے مقصد خلقت کو یوں بیان کرتی ہے مقصد یہ ہے کہ وہ اس کے پھل کھائیں، حالانکہ ان کے بنانے میں ان کے ہاتھ کا کوئی عمل دخل نہیں ہے کیا وہ خدا کا شکر بجا نہیں لاتے۔

ہاں! وہ پھل کہ جو درختوں کی شاخوں پر ایک کامل غذا کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔انہیں پکانے یا دوسری کسی قسم کی تبدیلی کی معمولی سے معمولی ضرورت بھی نہیں ہوئی، وہ درختوں سے توڑتے ہیں قابل استعمال ہوتے ہیں اور یہ بات پروردگار کی انسانوں کے لئے انتہائی لطف اور عظمت کی نشاندہی کرتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ انسانوں میں حق شناسی اور شکر گزاری کی حس کو بیدار کیا جائے تا کہ وہ شکر گزاری کے ذریعے معرفت پروردگار کے مرحلے میں قدم رکھیں کیونکہ شکر منعم معرفت کردگار کا پہلا قدم ہے۔

(۳۶) آخری زیر بحث آیت پروردگار کی تسبیح وتنزیہ کے بارے میں بات کرتی ہے اور مشرکین کے شرک پر کہ جس کے بارے میں گزشتہ آیات میں گفتگو تھی خط بطلان کھینچتی ہے اور سب کو راہ توحید اور یکتا پرستی کی نشاندہی کرتے ہوئے کہتی ہے منزہ ہے وہ ذات کہ جس نے زمین سے اگنے والی چیزوں کے اور خود انہی لوگوں کے اور ان چیزوں کے جنہیں یہ نہیں جانتے سب کے جوڑے پیدا کیے ہیں۔

یہ بات واضح ہے کہ خدا اس چیز کا محتاج نہیں ہے کہ وہ خود اپنی تسبیح وتنزیہ کرے۔ بلکہ یہ تو بندوں کے لیے ایک تعلیم ہے اور تکامل وارتقاء کا سفر طے کرنے کے لیے ایک دستور العمل ہے۔

یہ آیت بھی ان آیات میں سے ایک ہے کہ جو انسانی علم کا محدود ہونا بیان کرتی ہیں اور اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اس جہان میں بہت سے حقائق ایسے ہیں کہ جو ہمارے علم ودانش سے پوشیدہ ہیں۔

(۳۷)وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ۙ	رات بھی ان کے لیے (عظمت خدا کی) ایک نشانی ہے ہم اس سے دن کو لے جاتے ہیں تو اچانک تاریکی انہیں ڈھانپ لیتی ہے
(۳۸) وَ الشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ؕ	اورسورج (بھی ایک نشانی ہے) کہ جو ہمیشہ اپنے ٹھکانے کی طرف حرکت میں ہے یہ خدائے قادر ودانا کی تقدیر ہے۔
(۳۹) وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ کَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ	اور چاند کے لیے ہم نے منزلیں قرار دی ہیں (جب وہ ان منازل کو طے کر لیتا ہے تو) آخر کار کھجور کی پرانی شاخ (زردکمان) کے مانند ہو جاتا ہے۔

(۴۰) لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ	نہ تو سورج چاند تک پہنچ سکتا ہے اور نہ ہی رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے اوران میں سے ہرا یک اپنے اپنے مدار میں تیر رہا ہے۔

تفسیر

سورج اور چاند بھی آیات الٰہی ہیں

زیر بحث آیت عالم ہستی میں عظمت خدا کی نشانیوں کے ایک اور حصے کو بیان کرتی ہے پہلے فرمایا رات بھی ان کے لئے عظمت خدا کی ایک آیات اور نشانی ہے۔

جب آفتاب کی روشنی ہر جگہ پھیلی ہوتی ہے اوراس نے تاریکی کے لشکر کو پیچھے دھکیلا ہوتا ہے اس وقت ہم دن کی روشنی کو اٹھا لیتے ہیں اوران سب کو اچانک تاریکی ڈھانپ لیتی ہے۔

اس تعبیر کے بارے میں غور خوض کرنے سے یہ نکتہ عیاں ہوجاتا ہے کہ کرہ زمین کی اصل فطرت تاریکی اور ظلمت ہے نور اور روشنی اس کی ایک عارضی صفت ہے کہ جو ایک دوسرے منبع سے اسے دی جاتی ہے اس لباس کی طرح کہ جو کسی کے بدن پر پہناتے ہیں کہ جس وقت وہ اس لباس کو اتاردے تو بدن کا فطری اور اصلی رنگ ظاہر ہوجاتا ہے۔

(۳۸) تیسری نشانی کہ جس کی طرف رات کی نشانی کے بعد اشارہ ہوا ہے نور روشنی اور سورج کی نشانی ہے قرآن کہتا ہے خورشید بھی ان کے لیے ایک نشانی ہے جو ہمیشہ اپنے ٹھکانے کی طرف حرکت میں ہے۔

یہ آیت سورج کی مسلسل اور دائمی حرکت کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے لیکن اس بارے میں کہ اس حرکت سے کیا مراد ہے؟ مفسرین نے بہت بحث کی ہے۔

جدید ترین تفسیر وہی ہے جو ماہرین نے کشف کی ہے اور وہ سورج کا، ہماری کہکشاؤں کے وسط میں، تمام نظام شمسی کے ساتھ ایک معین سمت اور دور دراز کے ستارے کی طرف کہ جسے ''دگا'' کہتے ہیں، حرکت کرتا ہے۔

بہرحال سورج کے اتنے بڑے عظیم کرے کو حرکت دینا کہ جو ہماری زمین سے بارہ لاکھ گنا بڑا ہے اور وہ بھی اس فضائے بیکراں میں پورے حساب کتاب کے ساتھ حرکت دینا، کسی کے بس میں نہیں ہے سوائے اس خدا کے کہ جس کی قدرت تمام قدرتوں سے مافوق ہے اور جس کا علم غیر متناہی ہے۔ اسی بنا پر آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے یہ خدائے قادر ودانا کی تقدیر ہے۔

اس آیہ کے سلسلے میں آخری بات یہ ہے کہ اس کی تعبیرات میں شمسی سال کے پر معنی نظام کی طرف اشارہ ہے کہ جو مختلف بروج میں سورج کے حرکت کرنے سے حاصل ہوتا ہے ایسا نظام کہ جو انسانی زندگی کو نظم وضبط اور پروگرام دیتا ہے اوراس کے مختلف پہلوؤں کو منظم کرتا ہے۔

(۳۹) لہٰذا اس آیت میں اس بحث کی تکمیل کے لیے چاند کی حرکت اور اس کی منازل کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے کہ جس سے مہینے کے دنوں کا نظام بنتا ہے فرمایا گیا ہے ہم نے چاند کے لیے منزلیں قرار دی ہیں اور جس وقت وہ ان منزلوں کو طے کر لیتا ہے تو آخر کار کھجور کی پرانی شاخ کی مانند، کمان کی صورت اور زرد رنگ اختیار کر لیتا ہے۔

منازل سے مراد وہی اٹھائیس منزلیں ہیں کہ جنہیں چاند ''محاق'' اور ''مطلق'' تاریکی سے پہلے طے کرتا ہے۔

یہ عجیب و غریب نظام انسانوں کی زندگی کو نظم وضبط بخشتا ہے اور یہ ایک طبیعی آسمانی تقویم ہے کہ جسے ہر پڑھا لکھا اور ان پڑھ نجومی پڑھ سکتا ہے۔

(۴۰) زیر بحث آیت میں سال ماہ اور شب و روز کے اس نظام کے ثبات و دوام کے بارے میں گفتگو ہے۔ پروردگار نے ان کے لئے اس طرح سے پروگرام منظّم کیا ہے کہ ان کی کیفیت میں معمولی سا اختلاف بھی پیدا نہیں ہوتا اور تاریخ بشر اسی ثبات کی بنا پر مکمل طور سے منظّم رہتی ہے۔

ہم جانتے ہیں سورج اپنا دورہ بارہ برجوں میں ایک سال میں مکمل کرتا ہے جبکہ چاند اپنی منزلوں کو ایک مہینے میں طے کرتا ہے۔

اس بنا پر چاند کا اپنے مدار میں گردش کرنا، سورج کی اپنے مدار میں گردش سے بارہ گنا زیادہ تیز ہے۔ لہٰذا فرمایا گیا ہے کہ سورج اپنی گردش میں ہرگز چاند تک نہیں پہنچتا اور وہ اپنی ایک سال حرکت کو ایک ماہ میں مکمل انجام نہیں دیتا اور سالانہ نظام درہم برہم نہیں ہوتا۔

(۴۱) وَ اٰیَةٌ لَّهُمۡ اَنَّا حَمَلۡنَا ذُرِّیَّتَهُمۡ فِی الۡفُلۡكِ الۡمَشۡحُوۡنِ ۙ	یہ بھی ان کے لیے (عظمت پروردگار کی) ایک نشانی ہے کہ ہم نے ان کی ذریت کو بھری ہوئی کشتیوں میں سوار کیا۔
(۴۲) وَ خَلَقۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ مَا یَرۡكَبُوۡنَ	اور ہم نے ان کے لیے اس جیسی دوسری سواریاں بھی پیدا کیں۔
(۴۳) وَ اِنۡ نَّشَاۡ نُغۡرِقۡهُمۡ فَلَا صَرِیۡخَ لَهُمۡ وَ لَا هُمۡ یُنۡقَذُوۡنَ ۙ	اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں، اس طرح سے کہ نہ تو کوئی ان کا فریاد رس ہو اور نہ ہی کوئی انہیں دریا سے نکال سکے۔

(۴۴) اِلَّا رَحۡمَةً مِّنَّا وَ مَتَاعًا اِلٰی حِیۡنٍ	مگر یہ کہ پھر دوبارہ ہماری رحمت ہی ان کے شامل حال ہو اور ایک معین وقت تک وہ اس زندگی سے بہرہ ور ہوں۔

تفسیر

کشتیوں کا دریاؤں میں چلنا بھی آیات الٰہی ہے

گزشتہ آیات میں سورج، چاند، رات دن اور اسی طرح زمین اور زمین کی برکات کی خلقت میں پروردگار کی نشانیوں کے بارے میں پرورگار کی نشانیوں کے بارے میں گفتگو تھی جبکہ زیر بحث آیت میں دریاؤں اور سمندروں کی نعمتوں یعنی تجارتی اور مسافر بردار کشتیوں اور جہازوں کے چلنے کے بارے میں گفتگو ہے۔

اس لئے پہلے فرمایا گیا ہے کہ یہ بھی ان کے لیے عظمت پروردگار کی ایک نشانی ہے ہم ان کی اولا دوذریت کو ان کشتیوں میں کہ جو وسائل زندگی سے پر ہیں سوار کرتے ہیں۔

کشتیوں کا چلنا کہ جو بشر کے لیے نقل وحمل کا ایک عظیم اور اہم ترین ذریعہ ہے اور ان سے جو کام لیا جاتا ہے وہ دوسرے ذرائع نقل وحمل کی نسبت ہزاروں گنا زیادہ ہے یہ نتیجہ ہے پانی کے اپنے خواص کا، ان اجسام کے مخصوص وزن کہ جن سے کشتی بنتی ہے، بادبانی کشتیوں کے لئے ہواؤں کی خاصیت کا..................اور ان کشتیوں میں کہ جو ایٹمی طاقت سے کام کرتے ہیں ایٹمی توانائی کا۔

یہ سب ایسی قوتیں اور طاقتیں ہیں کہ جنہیں خدا نے انسان کے لئے مسخر کیا ہے اور ان میں سے ہر ایک (علیحدہ علیحدہ بھی) اور مجموعی طور پر بھی آیات الٰہی میں سے ہیں۔

(۴۲) نیز اس بنا پر کہ یہ وہم نہ ہو کہ خداداد سواریاں صرف کشتیاں ہی ہیں اس کے بعد والی آیات میں قرآن مزید کہتا ہے ہم نے ان کے لئے دوسری سواریاں بھی ان کے مانند خلق کی ہیں۔

وہ سواریاں کہ جو خشکی یا ہوا اور فضا میں چلتی ہیں اور انسانوں اور ان کے ساز وسامان کو اپنے دوش پر اٹھاتی ہیں۔

(۴۳) یہ آیت اس عظیم نعمت کو زیادہ واضح کرنے کے لیے ایک حالت بیان کرتی ہے کہ جو اس نعمت کے دگر گوں ہونے سے پیدا ہوتی ہے فرمایا اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں اس طرح کہ نہ تو کوئی ان کا فریاد رس ہو اور نہ ہی کوئی ایسا آدمی کہ جو انہیں دریا سے باہر نکال سکے۔

ہم کسی عظیم لہر کو حکم دے دیں گے کہ وہ ان کی کشتی کو الٹ دے ایک بھنور کو مامور کریں گے کہ وہ انہیں نگل لے یا ایک طوفان کو حکم دے دیں گے کہ وہ انہیں ایک تنکے کی طرح اٹھا کر موجوں کے اندر پھینک دے۔ یہ ہم ہی ہیں کہ جو اس نظام کو دوام بخشتے ہیں تا کہ وہ بہرہ ور ہوں اور اگر ہم کبھی کبھی اس قسم کے حادثات بھیجتے ہیں تو یہ اس بنا پر ہے کہ وہ اس نعمت کی اہمیت کو سمجھیں کہ جس میں وہ مستغرق ہیں۔

(۴۴)اور آخر کار یہ آیت اس گفتگو کی تکمیل کے لیے مزید کہتی ہے مگر یہ کہ پھر بھی ہماری رحمت ہی ان کے شامل حال ہو اور وہ ایک معین زمانے تک اس زندگی سے فائدہ اٹھائیں۔

ہاں! وہ کسی بھی ذریعے سے نجات نہیں پاسکتے مگر یہ کہ ہماری ہی رحمت کی بادنسیم چلے اور ہمارا ہی لطف وکرم ان کی مدد کے لیے آئے۔

(۴۵)وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمُ اتَّقُوۡا مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡکُمۡ وَ مَا خَلۡفَکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ	اور جس وقت ان سے یہ کہا جائے کہ جو کچھ (عذاب الٰہی میں سے) تمہارے آگے پیچھے ہے اس سے ڈرو تاکہ رحمت الٰہی تمہارے شامل حال ہو (تو وہ پرواہ نہیں کرتے)۔
(۴۶) وَ مَا تَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِمۡ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہَا مُعۡرِضِیۡنَ	اور ان کے پروردگار کی آیات میں سے کوئی آیت نہیں آتی مگر یہ وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔
(۴۷)وَ اِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ اَنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ۙ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنُطۡعِمُ مَنۡ لَّوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ اَطۡعَمَہٗۤ ٭ۖ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ	اور جس وقت ان سے یہ کہا جائے کہ خدا نے جو تمہیں رزق دیا ہے۔ اس میں سے (خدا کی راہ میں) خرچ کرو، تو کفار مومنین سے کہتے ہیں کہ کیا ہم ایسے شخص کو کھانا کھلائیں کہ جسے خدا چاہتا تو کھلا دیتا (لہٰذا خدا نے یہی چاہا ہے کہ وہ بھوکا رہے) تم تو محض کھلی گمراہی میں ہو۔

تفسیر

جو آیات الٰہی کو نظر انداز کر دیتے ہیں

گزشتہ آیات میں، وسیع عالم ہستی سے متعلق پروردگار کی آیات کے بارے میں گفتگو تھی، اب زیر بحث آیت میں ہٹ دھرم کفار کا طرز عمل بیان کیا گیا ہے کہ جو وہ آیات الٰہی اور دعوت پیغمبر اور عذاب الٰہی سے ڈرانے کے جواب میں پیش کرتے ہیں۔

زیر نظر پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے جس وقت اس سے یہ کہا جاتا ہے کہ عذاب الٰہی میں سے جو کچھ تمہارے آگے پیچھے ہے اس سے ڈرو تاکہ رحمت الٰہی تمہارے شامل حال ہو تو وہ پہلو تہی کرتے ہیں اور روگردان ہو جاتے ہیں۔

''ما بین ایدیکم'' سے مراد دنیا کی سزائیں اور عذاب ہیں کہ جن کا ایک نمونہ گزشتہ آیات میں بیان ہوا ہے اور ''وما خلفکم'' سے مراد آخرت کے عذاب ہیں کہ جو ان کے پیچھے ہیں۔ پیچھے کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ، ابھی ان کی نوبت نہیں آئی، گویا وہ

انسان کے پیچھے چل رہے ہیں اور انجام کار کسی دن اس تک پہنچ جائیں گے اور اس کا دامن پکڑ لیں گے، اور ان عذابوں سے پرہیز کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کے عوامل مہیا نہ کیے جائیں دوسرے لفظوں میں ایسے کام نہ کیے جائیں کہ جن کی وجہ سے انسان ان عقوبتوں کے مستحق بنیں۔

(۴۶) اس آیت میں اسی مطلب پر تاکید کی گئی ہے اور دل کے ان اندھوں کی آیات الٰہی اور پیغمبروں کی تعلیمات کو نظر انداز کرنے میں ہٹ دھرمی کو واضح کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے: ان کے پروردگار کی آیات میں سے کوئی آیت ان کے پاس نہیں آتی مگر یہ کہ وہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔

نہ تو آیات انفس کا بیان ان پر مؤثر ہے اور نہ ہی آیات آفاقی کا ذکر، نہ تہدید و انداز اور نہ ہی رحمت الٰہی کی بشارت و نوید کے مانند ہیں کہ جو اپنے اطراف کی نزدیک ترین چیزوں کو بھی نہیں دیکھ سکتے یہاں تک کہ وہ تو سورج کی روشنی اور رات کی تاریکیوں میں بھی فرق نہیں کر سکتے۔

(۴۷) اس کے بعد قرآن ان کی ہٹ دھرمی اور روگردانی کی ایک اہم صورت حال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔ جس وقت ان سے یہ کہا جائے کہ خدا نے تمہیں رزق دیا ہے اس کی راہ میں خرچ کرو تو کفار مومنین سے کہتے ہیں کہ کیا ہم اسے کھانا کھلائیں کہ جسے خدا چاہتا تو سیر کر دیتا تم تو واضح گمراہی میں ہو۔

یہ وہی ایک عامیانہ منطق ہے کہ جو ہر زمانے میں خود غرض اور بخیل افراد کی طرف سے پیش ہوتی رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں، اگر فلاں شخص فقیر ہے تو ضرور اس نے کوئی ایسا کام کیا ہے جس کی وجہ سے خدا چاہتا ہے کہ وہ فقیر رہے اور اگر ہم تونگر اور مالدار ہیں تو ضرور ہم نے کوئی ایسا عمل انجام دیا ہے کہ ہم لطف خداوندی کے حامل ہو گئے ہیں۔ اس بنا پر ان کا فقر اور ہماری تونگری حکمت و مصلحت کے بغیر نہیں ہے۔

وہ اس بات سے غافل ہیں کہ یہ جہاں آزمائش و امتحان کا میدان ہے، خدا ایک کی تنگدستی کے ساتھ آزمائش کرتا ہے اور دوسرے کو غنا و تونگر سے اور بعض اوقات ایک ہی انسان کو دو زمانوں میں ان دونوں کے ساتھ امتحان کی بھٹی میں سے گزارتا ہے کہ کیا وہ فقر و فاقہ کے موقع پر امانت، قناعت طبع اور شکر گزاری کے مراتب بجالاتا ہے یا سب کو پاؤں تلے روندڈالتا ہے؟ اور تونگری کے موقع پر جو کچھ اس کے پاس ہے اسے اس کی راہ میں خرچ کرتا ہے یا نہیں؟

(۴۸) وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ (قیامت کا) وعدہ کب پورا ہوگا۔

(۴۹) مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً تَاْخُذُهُمْ وَ هُمْ يَخِصِّمُوْنَ	انہیں اس کے علاوہ اور کوئی انتظار نہیں کہ ایک عظیم (آسمانی) چیخ انہیں آ گھیرے جبکہ وہ (دنیاوی امور میں) جھگڑ رہے ہوں۔
(۵۰) فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّ لَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ ع	(وہ ایسے غافل ہوں گے کہ) وہ وصیت بھی نہ کر سکیں گے اور نہ ہی اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر جا سکیں گے۔
(۵۱) وَ نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ	(پھر دوبارہ) صور پھونکا جائے گا تو وہ یکا یک (اپنی قبروں سے نکل کر) دوڑتے اپنے پروردگار کی (عدالت کی) طرف جائیں گے۔
(۵۲) قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا ؔسکتة هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَ صَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ	وہ کہیں گے: وائے ہو ہم پر، ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے اٹھا دیا؟ (ہاں) یہ وہی چیز ہے کہ جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور (اس کے) رسولوں نے سچ کہا تھا۔
(۵۳) اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ	وہ ایک چیخ سے زیادہ نہیں ہوگی (ایک زوردار آواز بلند ہوگی) ناگہاں سب کے سب ہمارے پاس حاضر ہو جائیں گے۔

تفسیر

قیامت کی چیخ

گزشتہ آیات میں خرچ کرنے کے سلسلے میں کفار کی کمزور اور بہانہ ساز منطق کا ذکر کرنے کے بعد اب اس آیت میں قیامت کے بارے میں ان کے استہزاء سے بات شروع کی گئی ہے۔ نیز انکار معاد کے بارے میں ان کی بوسیدہ منطق کو دوٹوک جواب کے ساتھ توڑ دیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں گزشتہ آیات میں توحید کے بارے میں جو گفتگو آئی ہے معاد کی گفتگو کر کے اس سلسلہ میں، کلام کی تکمیل کی گئی ہے۔ فرمایا ہے: وہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ وعدہ جس کا تم ذکر کر رہے ہو کب پورا ہوگا۔

یہی بات کہ تم قیام قیامت کی تاریخ کا تعین نہیں کر سکتے اس امر کی دلیل ہے کہ تم اپنی گفتگو میں سچے نہیں ہو۔

(۴۹) اس آیت میں استہزاء کے طور پر کئے گئے اس سوال کا ایک محکم اور سنجیدہ جواب دیا گیا ہے، فرمایا گیا ہے: قیام قیامت اور اس جہاں کا اختتام خدا کے لئے کوئی پیچیدہ مسئلہ اور مشکل کام نہیں ہے وہ اس کے علاوہ کسی اور چیز کے منتظر نہیں ہیں کہ ایک عظیم صیحۂ آسمانی انہیں اپنی گرفت میں لے لے اور انہیں اچانک اس حالت میں گھیر لے کہ وہ دنیاوی امور کے بارے میں جھگڑ رہے ہوں۔

ایک زوردار آسمانی چیخ ہی کافی ہے کہ سب لوگوں کی روح قبض کر لے۔ ایک ہی لمحے میں ہر ایک کو اسی مکان میں اور اسی حالت میں کہ جس میں وہ ہے اچک لے۔ اور ان کی پر غوغا مادی زندگی ایک خاموش اور بے صدا دنیا میں بدل دے، وہی دنیا کہ جو ہمیشہ سے ان کا میدان جنگ بنا ہوا ہے۔

روایات اسلامی میں پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

''صیحۂ آسمانی اس طرح غفلت کی حالت میں ہوگی کہ دو آدمیوں نے کپڑے کا تھان کھولا ہوا اور وہ معاملہ کرنے میں مشغول ہوں گے۔ اس سے پہلے کہ معاملہ ختم ہو اور وہ اس کو لپیٹیں، دنیا ختم ہو جائے گی۔ کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ انہوں نے کھانے کا لقمہ پلیٹ سے اٹھایا ہوگا لیکن اس سے پہلے کہ ان کے منہ تک پہنچے صیحۂ آسمانی آن پہنچے گی اور دنیا ختم ہو جائے گی۔ کچھ لوگ حوض کی تعمیر میں مشغول ہوں گے کہ چوپایوں کو اس سے سیراب کریں، اس سے پہلے کہ چوپائے سیراب ہوں قیامت برپا ہو جائے گی''۔

بہر حال قرآن اس مختصر اور دوٹوک تعبیر کے ساتھ انہیں تنبیہ کرتا ہے کہ اول تو قیامت ناگہانی طور پر اور غفلت کی حالت میں برپا ہوگی اور دوسرے یہ کوئی ایسا پیچیدہ موضوع نہیں ہے کہ وہ اس کے امکان کے بارے میں بحث و مخاصمت کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ اس ایک ہی چیخ کے ساتھ ہر چیز ختم ہو جائے گی اور دنیا ختم ہو جائے گی۔

(۵۰) چنانچہ اس آیت میں قرآن کہتا ہے کہ یہ مسئلہ اس قدر تیز رفتار بجلی کی طرح غافلانہ ہوگا کہ انہیں وصیت کرنے تک کی بھی طاقت نہیں ہوگی انہیں اپنے گھر اور گھر والوں کی طرف واپس لوٹنے کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔

عام طور پر جب کوئی حادثہ انسان کو پیش آتا ہے تو وہ یہ احساس کرتا ہے کہ اس کی زندگی قریب الاختتام ہے لہٰذا کوشش کرتا ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہے اپنے گھر اور ٹھکانے تک جا پہنچے اور اپنے بیوی اور بچوں کے پاس چلا جائے اور پھر اپنے ادھورے پڑے ہوئے کاموں اور اپنے پسماندگان کی سرنوشت وصیت کے ذریعے کسی نہ کسی کے ذمہ لگائے اور دوسروں کو ان کے بارے میں سفارش کر جائے۔

مگر کیا یہ دنیا کے خاتمہ کی چیخ کسی کو مہلت دے گی یا بالفرض مہلت ہو بھی تو کیا کوئی زندہ بچے گا کہ وہ کسی انسان کی وصیت کو سنے؟

(۵۱)اس کے بعد دوسرے مرحلے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو موت کے بعد حیات کا مرحلہ ہے۔ارشاد ہوتا ہے:
(پھر دوبارہ) صور پھونکا جائے گا تو وہ یکا یک (اپنی) قبروں سے (نکل کر) دوڑتے ہوئے اپنے پروردگار کی (عدالت کی) طرف جائیں گے۔

مٹی اور بوسیدہ ہڈیاں حکم پروردگار سے لباس حیات زیب تن کرلیں گی اور قبر سے نکل آئیں گی اور حساب و کتاب کے لیے سب کے سب اس عجیب عدالت میں حاضر ہوجائیں گے۔جس طرح سے ایک ہی صیحہ کے ساتھ سب مرگئے تھے اسی طرح سے ایک ہی "نفخہ" (صور پھونکنے) سے سب کے سب زندہ ہو جائیں گے۔نہ ان کا مارنا خدا کے لیے کوئی مشکل کام ہے اور نہ ہی ان کا زندہ کرنا۔

(۵۲)اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے: اس وقت قیامت اور معاد کے منکر یہ کہیں گے کہ وائے ہو ہم پر ہمیں کس نے ہماری خوابگاہ سے اٹھا دیا ہے۔

یہ تو وہ چیز ہے کہ جس کا خدائے رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور اس کے رسولوں نے سچ کہا تھا۔

ہاں! یہ منظر ایسا ہی منہ بولتا اور دہشت انگیز ہوگا کہ انسان تمام باطل اور لغو مسائل کو بھول جائے گا اور حقیقتوں کے صریح اعتراف کے سوا اس کے لیے کوئی چارہ نہ ہوگا قبروں کو خوابگاہ سے تشبیہ دے گا۔اور قیامت کو نیند سے بیدار ہونا قرار دے گا۔جیسا کہ ایک مشہور حدیث میں آیا ہے:

"جس طرح سے تم سوتے ہو اسی طرح مرو گے اور جس طرح سے نیند سے بیدار ہوتے ہو اسی طرح زندہ ہو جاؤ گے"۔

(۵۳)اس کے بعد اس نفخ صور کے وقوع کی سرعت کے بارے میں وضاحت کے لیے فرمایا گیا ہے۔وہ ایک چیخ سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ایک زوردار آواز بلند ہوگی اور وہ سب کے سب ہمارے پاس حاضر ہو جائیں گے۔

اس بنا پر مردوں کے زندہ ہونے اور ان کے قبروں سے باہر نکلنے اور پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونے کے لیے زیادہ وقت اور زمانے کی ضرورت نہیں ہے۔جیسا کہ لوگوں کو مارنے کے لیے زیادہ وقت کی ضرورت نہیں تھی۔پہلی چیخ موت کی پکار ہے اور دوسری چیخ پھر سے زندگی ملنے اور پروردگار کی عدالت میں حاضر ہونے کی پکار ہے۔

(۵۴) فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَّ لَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	آج کے دن کسی پر ظلم نہیں ہوگا اور سوائے اس عمل کے کہ جو تم کیا کرتے تھے تمہیں اور کوئی جزا نہیں دی جائے گی۔

(۵۵) اِنَّ اَصۡحٰبَ الۡجَنَّۃِ الۡیَوۡمَ فِیۡ شُغُلٍ فٰکِہُوۡنَ ۚ	بہشت والے آج کے دن خدا کی نعمتوں میں مشغول و مسرور ہوں گے (اور بے آرام کرنے والی ہر فکر سے دور ہوں گے)۔
(۵۶) ہُمۡ وَ اَزۡوَاجُہُمۡ فِیۡ ظِلٰلٍ عَلَی الۡاَرَآئِکِ مُتَّکِئُوۡنَ ۚ	وہ اوراس کی بیویاں (بہشت کے محلوں اور درختوں کے) سایوں کے نیچے تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے۔
(۵۷) لَہُمۡ فِیۡہَا فَاکِہَۃٌ وَّ لَہُمۡ مَّا یَدَّعُوۡنَ ۚۖ	ان کے لئے جنت میں بہت ہی لذت بخش پھل ہیں اور جو کچھ وہ چاہیں گے انہیں میسر ہوگا۔
(۵۸) سَلٰمٌ ۟ قَوۡلًا مِّنۡ رَّبٍّ رَّحِیۡمٍ	ان کے لیے (خدائی درودو) سلام ہے یہ قول ہے مہربان پروردگار کی طرف سے۔

تفسیر

قرآن یہاں میدان حشر میں حساب وکتاب کی کیفیت کے بارے میں بحث کو سربستہ چھوڑتے ہوئے گزر جاتا ہے اور صالح مومنین اور بداعمال کے انجام کار کی وضاحت کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: آج کے دن کسی پر ظلم نہیں ہوگا۔

یہ کہ نہ تو کسی کے اجر وثواب میں کمی ہوگی اور نہ ہی کسی کی سزا میں اضافہ ہوگا۔ یہاں تک کہ ایک سوئی کی نوک کے برابر بھی کمی، زیادتی، ناانصافی اور ظلم وستم نہیں ہوگا۔

اس کے بعد ایک ایسے امر کو بیان کیا گیا ہے کہ جو حقیقت میں اس عظیم عدالت میں ظلم وستم کے نہ ہونے کی ایک واضح اور روشن دلیل ہے۔ فرمایا گیا ہے: تمہیں سوائے اس عمل کے کہ جو تم کیا کرتے تھے اور کوئی جزا نہیں دی جائے گی۔

(۵۵) اہل بہشت مادی روحانی نعمتوں سے سرشار ہوں گے

اس کے بعد مومنین کی جزا کے ایک گوشے کو بیان کیا گیا ہے سب سے پہلے سکون قلب اور راحت وآرام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: اہل بہشت اس دن خدا کی نعمتوں میں ایسے مشغول ہوں گے کہ ہر قسم کی بے آرام کرنے والی فکر سے دور ہوں گے۔

(۵۶) اس کے بعد دوسری نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: وہ اور ان کی بیویاں لذت بخش سایوں کے نیچے (خلوت گاہوں میں) تختوں کے اوپر تکیہ لگائے ہوں گے۔

"ازواج" بہشتی بیویوں یا ان مومن بیویوں کے معنی میں ہے کہ جو اس دنیا میں ان کی شریک حیات تھیں۔ "ظلال" (سائے) کی تعبیر کہ وہاں بھی ایک سورج ہوگا لیکن وہ آزار و تکلیف دینے والا سورج نہیں ہوگا۔ ہاں انہیں جنت کے دل پسند سایوں میں ایک اور ہی نشاط و سرور حاصل ہوگا۔

(۵۷) علاوہ ازیں ان کے لیے بہت ہی لذت بخش میوے اور پھل ہوں گے اور وہ جو کچھ چاہیں گے انہیں میسر ہوگا۔

اسی طرح سے آج کچھ انسان سوچ سکتا ہے وہ بھی اور جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے وہ بھی طرح طرح کی نعمتیں وہاں میسر ہیں اور خدا اپنے مہمانوں کی بہت اچھی پذیرائی کرے گا۔

(۵۸) لیکن سب نعمتوں سے زیادہ اہم وہی روحانی نعمتیں ہیں کہ جن کی طرف اس آیت میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ان کے لیے سلام اور خدائی تہنیت ہے، یہ قول ہے ان کے رحیم اور مہربان پروردگار کی طرف سے۔

اس کی یہ روح افزا و نشاط بخش اور مہر و محبت سے پُر ندا، انسان کی روح کو اس طرح سے اپنے اندر جذب کرے گی اور اسے لذت و خوشی اور روحانی سرور بخشے گی کہ کوئی نعمت اس کے برابر نہیں ہوگی۔

ہاں! محبوب کی ندا سننا ایسی ندا جو محبت بھری ہو اور لطف و کرم سے پر ہو، اہل بہشت کو سرتاپا سرور و خوشی میں غرق کردے گی کہ جس کا ایک ہی لمحہ "دنیا و ما فیھا" سے برتر ہے۔

لطف خدا کا احساس انہیں اس طرح سے مشغول کردے گا کہ وہ سوائے اس کے ہر چیز سے غافل ہو جائیں گے اور اس حالت میں جنت کی تمام نعمتوں کو فراموش کردیں گے۔

(۵۹) وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ	اے گنہگارو! آج کے دن الگ ہو جاؤ۔
(۶۰) اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ	اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی پرستش نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے؟
(۶۱) وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ	اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا کیونکہ صراط مستقیم یہی ہے۔
(۶۲) وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ	اس نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے، کیا تم سوچتے نہیں ہو؟

تفسیر

شیطان کی پرستش کیوں کرتے ہو؟

گزشتہ آیات میں اہل بہشت کے شوق انگیز اور پرافتخار انجام کا کچھ ذکر تھا۔ زیر بحث آیت میں اہل دوزخ اور شیطان کے

بندوں کے انجام کا کچھ تذکرہ ہے۔ پہلے تو یہ کہ اس دن انہیں تحقیر آمیز انداز سے خطاب کیا جائے گا۔ ان سے کہا جائے گا: اے گنہگارو؛ آج کے دن تم الگ ہو جاؤ

تمہی تو تھے کہ جو دنیا میں اپنے آپ کو مومنین کی صفوں میں رکھ کر ان کے رنگ میں سامنے آتے تھے اور ان کی حیثیت اور اعتبار سے استفادہ کرتے تھے۔ آج تم ان سے الگ ہو جاؤ اور اپنے اصلی چہرے میں ظاہر ہو جاؤ۔

(۶۰) یہ آیت قیامت کے دن خدا کی طرف سے مجرموں کے لیے معنی خیز ملامتوں اور سرزنشوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے: اے اولادآدم! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پرستش اور اطاعت نہ کرنا کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

یہ تنبیہ بارہا انبیاء کی زبان پر جاری ہوئی۔

دوسری طرف یہ پیمان عالم تکوین میں انسان سے اعطائے عقل کے حوالے سے بھی لیا گیا ہے کیونکہ عقلی دلائل وضاحت کے ساتھ اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ انسان کو کبھی ایسے کام کا حکم نہیں ماننا چاہیے جس نے پہلے ہی دن سے اس کی دشمنی پر کمر باندھ رکھی ہے۔ جس نے اسے جنت سے باہر نکلوایا ہے اور اس کی اولاد کو گمراہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہے۔

تیسری طرف تمام انسانوں کو خدا کی دی ہوئی سرشت اور فطرت توحید اور ذات الٰہی کے لیے اطاعت کے منحصر ہونے سے بھی عملی طور پر انسان سے یہ عہد لیا ہے اس طرح سے صرف ایک زبان سے نہیں بلکہ یہ خدائی تنبیہ کئی زبانوں سے ہو چکی ہے اور یہ سرشت ساز عہد قبول ہو چکا ہے۔

(۶۱) اس آیت میں مزید تاکید اور اولادآدم کی ذمہ داریوں اور فرائض کو بیان کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے کہ کیا میں نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ: میری ہی عبادت کرنا اور میری اطاعت کرنا کیونکہ سیدھا راستہ یہی ہے۔

ایک طرف تو یہ عہد لیا کہ شیطان کی اطاعت نہ کرنا کیونکہ اس نے اپنی دشمنی اور عداوت کو پہلے ہی دن سے آشکار کر دیا تھا اس کے مقابلے میں یہ عہد لیا کہ صرف اسی کی اطاعت کریں اور اس کی دلیل یہ دی گئی ہے صراط مستقیم یہی ہے۔ یہ بات حقیقت میں انسانوں کے لیے بہترین محرک ہے۔

ضمنی طور پر اس تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جہاں قیام کرنے کا مقام نہیں ہے۔ کیونکہ راستہ ایسے شخص کو دکھایا جاتا ہے کہ جو کسی گزرگاہ سے عبور کر رہا ہو اور اسے کسی منزل مقصود تک پہنچنا ہو۔

(۶۲) اس کے بعد اس دیرینہ خطرناک دشمن سے زیادہ سے زیادہ آگاہی کے لیے مزید فرمایا گیا ہے: اس نے تم میں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ شیطان اپنے پیروکاروں پر کیسی کیسی بدبختیاں لایا ہے؟

کیا تم نے گزشتہ لوگوں کی تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا تا کہ تم دیکھو اس کے بندے اور غلام کس برے اور دردناک انجام میں گرفتار ہوئے ہیں۔ پھر تم سنجیدگی کے ساتھ اس دشمن کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے۔ کہ جو بارہا اپنی عداوت دشمنی ثابت کر چکا ہے؟ پھر اس سے

دوبارہ دوستی گانٹھتے ہو۔ یہاں تک کہ اسے اپنا رہبر، ولی اور رہنما بناتے ہو۔ بقول شاعر

کجا بر سر آیم ازین عادو ننگ

که با او به صلح یم و باحق به جنگ

ہم اس عار و ننگ سے کس طرح باہر نکل سکتے ہیں، کہ اس (شیطان) سے تو ہماری صلح ہے اور حق کے خلاف جنگ ہے۔

(۶۳) هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ	یہ وہی دوزخ ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔
(۶۴) اِصۡلَوۡهَا الۡيَوۡمَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ	آج تم اس میں داخل ہو جاؤ اور اس کی آگ میں جلو اس کفر کی بنا پر کہ جو تم کیا کرتے تھے۔
(۶۵) اَلۡيَوۡمَ نَخۡتِمُ عَلٰٓى اَفۡوَاهِهِمۡ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَيۡدِيۡهِمۡ وَ تَشۡهَدُ اَرۡجُلُهُمۡ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ	آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ اور پاؤں ان کے خود کردہ کاموں کی گواہی دیں گے۔
(۶۶) وَ لَوۡ نَشَآءُ لَطَمَسۡنَا عَلٰٓى اَعۡيُنِهِمۡ فَاسۡتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰى يُبۡصِرُوۡنَ	اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھیں موند دیں پھر اگر وہ چاہیں رستہ طے کرنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جائیں تو وہ دیکھ کیسے سکیں گے؟
(۶۷) وَ لَوۡ نَشَآءُ لَمَسَخۡنٰهُمۡ عَلٰى مَكَانَتِهِمۡ فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مُضِيًّا وَّ لَا يَرۡجِعُوۡنَ	اور اگر ہم چاہیں تو انہیں ان کی جگہ پر ہی مسخ کر دیں کہ نہ تو وہ آگے کو سفر جاری رکھ سکیں اور نہ ہی پیچھے کی طرف پلٹ سکیں۔
(۶۸) وَ مَنۡ نُّعَمِّرۡهُ نُنَكِّسۡهُ فِى الۡخَلۡقِ ؕ اَفَلَا يَعۡقِلُوۡنَ	جس شخص کو ہم لمبی عمر دیتے اسے خلقت کے اعتبار سے پلٹ دیتے ہیں کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے؟

تفسیر

گزشتہ آیات میں قیامت میں مجرموں کے لیے خدا کی سرزنش کا ذکر ہے اور اس کے علاوہ ان کے بارے میں کچھ دیگر باتوں کا بیان ہے۔ زیر بحث آیت میں بھی وہی سلسلۂ کلام جاری ہے۔

ہاں! اس دن کہ جب کہ جہنم کی جلانے والی بھڑکتی ہوئی آگ مجرموں کی آنکھوں کے سامنے ہوگی۔ تو اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجرموں کو مخاطب کیا جائے گا: یہ وہی دوزخ ہے کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

(۶۴) خدا کے نبی یکے بعد دیگرے آتے رہے اور تمہیں اس دن اور اسی آگ سے ڈراتے رہے لیکن تم نے اس سب کا تمسخر اڑایا: آج اس میں داخل ہو جاؤ اس کی آگ میں جلو، کیونکہ یہ اس کفر کی جزاء ہے کہ جو تم کرتے تھے۔

(۶۵) اس کے بعد قیامت کے دن کے گواہوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ وہ گواہ کہ جو خود انسان کے جسم کا حصہ ہیں اور ان کی باتوں کے انکار کی گنجائش نہیں ہے فرمایا گیا ہے: آج ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے۔ اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں ان کاموں کی کہ جو انہوں نے انجام دیئے تھے ہمارے حضور شہادت دیں گے۔

ہاں! اس دن انسان کے اعضاء اس کی مرضی کے تابع نہیں ہوں گے، وہ اپنا حساب انسان کے پورے وجود سے جدا کر کے پروردگار کا حکم مانیں گے اور اس کے آستانہ مقدس پر سر جھکا دیں گے اور اپنی شہادت کے ذریعے حقائق آشکار کر دیں گے۔ وہ کتنی عجیب عدالت ہے کہ گواہ خود انسان کے بدن کے اعضاء ہیں وہی آلات کہ جن کے ذریعے اس نے گناہ انجام دیا تھا۔

البتہ اعضاء کی گواہی کفار اور مجرموں کے ساتھ مربوط ہے۔ اسی لیے امام باقر علیہ السلام کی ایک حدیث میں ہے:

''اعضاء جسمانی مومن کے خلاف گواہی نہیں دیں گے بلکہ اس شخص کے برخلاف گواہی دیں گے جس پر فرمان عذاب مسلم ہو چکا ہوگا۔ باقی رہا مومن تو اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں ہوگا (اور وہ خود ہی اسے پڑھے گا) جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے:

جن کا نامہ اعمال ان کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا ہے (وہ سرفرازی اور افتخار کے ساتھ) اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے اور ان پر معمولی سا ظلم بھی نہیں ہوگا''۔

(۶۶) اس آیت میں ایک عذاب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ممکن ہے کہ خدا اس مجرم گروہ کو اسی دنیا میں اس عذاب میں مبتلا کر دے، ایک ایسا عذاب کہ جو دردناک بھی ہے۔ اور وحشت انگیز بھی، ارشاد ہوتا ہے: اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھیں ملیامیٹ کر دیں۔

اس حالت میں انہیں انتہائی وحشت گھیر لے گی وہ چاہیں گے کہ جیسے پہلے کیا کرتے تھے اسی طرح ایک دوسرے پر سبقت حاصل کریں۔ لیکن وہ کس طرح سے دیکھ سکتے ہیں۔

وہ تو اپنے گھر راستہ تک بھی تلاش نہ کر پائیں گے چہ جائیکہ وہ راہ حق کو تلاش کر سکیں اور صراط مستقیم پر چل سکیں۔

(۶۸) دوسری دردناک سزا یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں ان کی اپنی جگہ پر ہی مسخ کر دیں (بے روح اور بے حس وحرکت مجسموں یا مفلوج جانوروں کی طرح) اس طرح سے کہ نہ تو وہ آگے کو سفر جاری رکھ سکیں اور نہ ہی پیچھے کی طرف مڑ سکیں۔

(۶۸) زیر بحث آخری آیت میں عقل وجسم کے ضعف و ناتوانی کے لحاظ سے، عمر کے آخر میں انسان کی حالت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تاکہ ان لوگوں کے لیے کہ جو راہ ہدایت اختیار کرنے میں آج اور کل کرتے رہتے ہیں، ایک تنبیہ ہو اور ان لوگوں کا

جواب بھی ہو کہ جو اپنی کوتاہیوں کو عمر کی کمی کے سر ڈال دیتے ہیں اور یہی بات خدا کی قدرت کی دلیل بھی ہو کہ وہ ایک قوی اور طاقتور انسان کو ایک نومولود کی ناتوانی کی طرف پلٹا سکتا ہے کچھ ایسے ہی وہ معاد پر قادر ہے اور اسی طرح مجرموں کو نابینا کرنے اور چلنے پھرنے سے باز رکھنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ فرمایا گیا ہے؛ جس شخص کو ہم طول عمر دیتے ہیں اسے خلقت کے۔ اعتبار سے پلٹ دیتے ہیں۔ کیا وہ عقل سے کام نہیں لیتے؟

سچ مچ ایسے دن آن پہنچتے ہیں کہ جو بہت ہی دردناک ہوتے ہیں اور جنکی تکلیف کی گہرائی کا بڑی مشکل سے تصور کیا جاسکتا ہے۔

(۶۹) وَ مَا عَلَّمۡنٰهُ الشِّعۡرَ وَ مَا يَنۡۢبَغِىۡ لَهٗ ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ وَّ قُرۡاٰنٌ مُّبِيۡنٌ ۙ	ہم نے ہرگز اسے شعر کی تعلیم نہیں دی اور وہ اس کے لائق بھی نہیں ہے (کہ وہ شاعر ہو)۔ یہ (کتاب آسمانی تو) صرف ذکر اور قرآن مبین ہے۔
(۷۰) لِّيُنۡذِرَ مَنۡ كَانَ حَيًّا وَّ يَحِقَّ الۡقَوۡلُ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ	مقصد یہ ہے کہ تو ان لوگوں کو ڈرائے کہ جو زندہ ہیں اور کفار پر اتمام حجت ہو جائے اور عذاب کا حکم ان کے لیے مسلم ہو جائے۔

تفسیر

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاعر نہیں بلکہ وہ زندوں کو ڈرانے والے ہیں

ہم نے بیان کیا تھا کہ اس سورہ میں اصول دین میں سے توحید، معاد اور نبوت کے بارے میں زندہ اور جامع مباحث بیان کیے گئے ہیں اور گفتگو کے مختلف حصے یکے بعد دیگرے ایک خاص انداز سے آتے چلے جاتے ہیں۔

گزشتہ آیات میں توحید و معاد کے سلسلے میں مختلف بحثیں آئی ہیں۔ زیر نظر دونوں آیات میں نبوت کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو اتہامات لگائے جاتے تھے ان میں سے جو اتہام سے زیادہ تھا اسے عنوان بنا کر انہیں دنداں شکن اور سبق آموز جواب دیا گیا ہے اور وہ ہے شعر گوئی کا الزام۔ فرمایا گیا ہے: ہم نے اسے شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ ہی اس کے لیے مناسب اور لائق ہے کہ وہ شاعر ہو۔

وہ سب لوگ دلوں میں قرآن کی تاثیر اور کشش محسوس کرتے تھے اور اس کے لفظ و معنی کی زیبائی اور فصاحت و بلاغت انکار کے قابل نہیں تھی۔ یہاں تک کہ خود مشرکین بھی قرآن کی آواز اور بیان سے اتنے متاثر ہوتے تھے کہ بعض اوقات رات کے وقت چھپ چھپ کر پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منزل کے قریب آتے تھے تا کہ رات کی تاریکی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاوت کا زمزمہ سن سکیں۔

یہی سبب تھا کہ اس عظیم تاثیر کی توجیہ اور اس آسمانی وحی سے لوگوں کو غافل رکھنے کے لیے، انہوں نے ہر جگہ پیغمبر اکرم ﷺ کی شعر گوئی کا پروپیگنڈہ کیا اور یہ باطنی طور پر قرآن انتہائی تاثیر کا ایک اعتراف تھا۔

لیکن شاعر ہونا پیغمبر کی شان کے لائق کیوں نہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے وحی کا رستہ شعر کے راستے سے بالکل مختلف ہے، کیونکہ:

۱......عام طور پر شعر کا سرچشمہ تخیلات وتصورات ہوتے ہیں جبکہ وحی کا سرچشمہ مبداءہستی ہے اور یہ حقیقتوں کے گرد گردش کرتی ہے۔

۲......شعر انسانی تغیر پذیر حالت سے وقوع میں آتا ہے اور ہمیشہ تغیر کی حالت ہوتا ہے جبکہ وحی آسمانی ثابت شدہ حقائق کو بیان کرتی ہے۔

۳......شعر کا لطف اکثر موقعوں پر مبالغہ آرائی میں ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ کہا گیا ہے کہ :"**احسن الشعر اکذبه**" (سب سے بہتر شعر وہ ہے کہ جس میں سب سے زیادہ جھوٹ ہو)۔ جبکہ وحی میں صداقت اور سچائی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

۴......ایک مفسر کے خوبصورت خیال میں شعر ان آرزوؤں کا مجموعہ ہے کہ جو زمین سے آسمان کی طرف پرواز کرتی ہیں لیکن وحی ایسے حقائق کا مجموعہ ہے جو آسمان سے زمین کی طرف نازل ہوتے ہیں اور یہ دونوں راستے ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔ البتہ ان شعراء کا حساب جدا سمجھیں کہ جو مقدس مقاصد کے لیے قدم اٹھاتے ہیں اور اپنے شعر کو غیر مطلوب عوارض سے دور رکھتے ہیں۔

قرآن پیغمبر اکرم ﷺ کے بارے میں شعر کی نفی کرتے ہوئے مزید کہتا ہے کہ؛ آیات سوائے بیداری کے وسیلہ اور آشکار قرآن کے اور کچھ نہیں ہیں۔

(۷۰) اس سے مقصد یہ ہے کہ تو ان لوگوں کو ڈرائے جو زندہ ہیں اور کافروں پر اتمام حجت ہو جائے اور حکم عذاب ان کے لیے مسلم ہو جائے

ہاں! یہ آیات ذکر ہیں اور نصیحت و بیداری کا وسیلہ ہیں۔ یہ قرآن مبین کی آیات ہیں کہ جو کسی قسم کی پردہ پوشی کے بغیر بڑی صراحت کے ساتھ حق کو بیان کرتی ہیں اور اسی بنا پر بیداری اور حیات کا موجب ہیں۔

(۷۱) اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَآ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ	کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم اپنی قدرت سے روبہ عمل لائے ہیں ان میں ہم نے ان کے لیے چوپائے پیدا کیے ہیں کہ جن کے وہ مالک ہیں؟
(۷۲) وَ ذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَ مِنْهَا يَاْكُلُوْنَ	ہم نے انہیں ان کے لیے یوں رام کر دیا ہے کہ انہی میں سے سواری کا کام بھی لیتے ہیں اور انہیں میں سے غذا بھی حاصل کرتے ہیں۔

(۷۳) وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَ مَشَارِبُ ۖ اَفَلَا يَشْكُرُونَ	نیز ان (حیوانات) میں ان کے لیے دوسرے منافع بھی ہیں اور پینے کی اچھی چیزیں ہیں، کیا وہ اس حالت میں شکر نہیں کرتے؟
(۷۴) وَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ ۖ	انہوں نے اپنے لیے خدا کے علاوہ کچھ معبود بنا لیے ہیں۔اس امید پر کہ شاید ان کی مدد کی جائے۔
(۷۵) لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ ۙ وَ هُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُونَ	لیکن وہ ان کی مدد پر قادر نہیں ہیں اور یہ آتش جہنم میں حاضر ہونے والا ان کا لشکر ہوں گے۔
(۷۶) فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَ مَا يُعْلِنُونَ	لہٰذا ان کی باتیں تمہیں غمگین نہ کریں، ہم ان تمام باتوں کو جانتے ہیں کہ جنہیں وہ پنہاں رکھتے ہیں یا ظاہر کرتے ہیں۔

تفسیر

چوپایوں کے عظیم فائدے

ان آیات میں قرآن مجید ایک بار پھر توحید کے مسئلے کی طرف لوٹتا ہے اور انسانوں کی زندگی میں عظمت خدا کی کچھ نشانیوں کا ذکر کرتا ہے۔ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ خدا ہی اپنے بندوں کی حاجات کو پورا کرتا ہے اور بت اس سلسلے میں بے بس اور ناتواں ہیں۔اس طرح ایک واضح موازنہ کرتے ہوئے راہ توحید کی حقانیت اور راہ شرک کے بطلان کو واضح کیا گیا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: کیا انہوں نے دیکھا کہ جو چیزیں ہم ایک اپنی قدرت سے روبہ عمل لائے ہیں ان میں ہم نے ان کے لیے چوپائے بھی پیدا کیے ہیں۔کہ جن کے وہ مالک ہیں۔

اس غرض سے کہ وہ ان چوپایوں سے اچھی طرح فائدہ اٹھاسکیں۔ہم نے انہیں ان کے لیے رام کر دیا ہے۔یہ طاقتور حیوانات کہ جو کبھی کبھی نادر طور پر خدا کے "ذللناھا" کے فرمان کو فراموش کرتے ہوئے عصیان وطغیان پر اتر آتے ہیں تو اس قدر خطرناک ہوجاتے ہیں کہ وسیوں افراد ان کے مقابلہ میں عاجز آجاتے ہیں لیکن عام حالات میں اونٹوں کی ایک قطار کو ایک رسی سے باندھ کر ایک چند سالہ بچے کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے تو وہ انہیں جہاں اس کا دل چاہے لے جاتا ہے یہ ان میں سے اپنے لیے سواریاں بھی فراہم کرتے ہیں اور ان سے غذا بھی حاصل کرتے ہیں۔

(۷۳) ان چوپایوں کے فائدے صرف یہی نہیں ہیں کہ بلکہ ان کے لیے ان حیوانات میں دوسرے فائدے بھی ہیں اور مشروبات بھی ہیں۔ کیا ان حالات میں بھی وہ ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتے وہ شکر کہ جو اللہ کی معرفت کا وسیلہ اور ولی نعمت کی شناخت کا ذریعہ ہے

(۷۴) اس آیت میں مشرکین کی حالت بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: انہوں نے خدا کے علاوہ اپنے لیے کچھ دوسرے معبود بنا لیے ہیں۔ اس امید پر کہ وہ ان کی مدد کریں گے (اور انہیں بتوں کی حمایت حاصل ہوگی) جبکہ وہ تو خود اپنی مدد کرنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔

کیا خیال خام اور باطل نظریہ ہے کہ ان کمزور موجودات کو جو خود اپنے دفاع پر بھی قادر نہیں ہیں زمین وآسمان کے خالق اور ان تمام نعمتوں کے بخشنے والے کے برابر قرار دے دیا جائے اور زندگی کے مشکل امور میں ان سے مدد طلب کی جائے۔

(۷۵) اس آیت میں قرآن مزید کہتا ہے: وہ اپنے عبادت گزاروں کی مدد کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ اور یہ عبادت کرنے والے قیامت کے دن ان کا لشکر ہوں گے اور سب کے سب دوزخ میں حاضر ہوں گے۔

کتنی دردناک صورت حال ہے کہ یہ پیروکار اس دن سپاہیوں کی صورت میں بتوں کے پیچھے کھڑے ہیں گے اور سب کے سب خدا کی عدالت میں حاضر ہوں گے افراد کو ان کی مرضی کے بغیر حاضر کرنا ان کی حقارت کی علامت ہوتی ہے۔ اس کے بعد سب کے سب دوزخ میں بھیج دیے جائیں گے بغیر اس کے کہ وہ اپنے لشکر کی کوئی مشکل حل کر سکیں۔

(۷۶) آخر کار اس آیت میں پیغمبر اکرم ﷺ کی تسلی اور ان مخالفتوں، فتنہ انگیزیوں اور خرافاتی اعمال افکار کے مقابلے میں ان کی روحانی تقویت کے لیے فرمایا گیا ہے: اب جبکہ ایسا ہے تو ان کی باتیں تجھے غمگین نہ کریں کہ کبھی وہ تجھے شاعر کہتے ہیں اور کبھی جادو گر اور کبھی دوسری تہمتیں باندھتے ہیں) کیونکہ جس چیز کو وہ دلوں میں مخفی رکھتے ہیں یا زبان کے ساتھ اس کا اظہار کرتے ہیں ہم وہ سب کچھ جانتے ہیں۔

نہ تو ان کی نیتیں ہم سے پوشیدہ ہیں اور نہ ہی ان کی خفیہ سازشیں اور نہ ہی ان کی آشکار تکذیبیں اور شیطنتیں۔ ہم سب کچھ جانتے ہیں اور ان کا حساب روز حساب کے لیے محفوظ رکھتے ہیں اور تجھے ہم اس جہاں میں ان کے شر سے محفوظ رکھیں گے۔

(۷۷) اَوَ لَمۡ یَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ	کیا انسان نے دیکھا نہیں (وہ جانتا نہیں) کہ ہم نے اسے ایک بے وقعت نطفے سے پیدا کیا ہے اور وہ (ایسا جری ہوگیا کہ خدا کے ساتھ) کھلم کھلا جھگڑنے لگا۔

(۷۸) وَ ضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّ نَسِیَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَ هِیَ رَمِیْمٌ	اور ہمارے لیے مثال دینے لگااوراپنی خلقت کو بھول گیااور کہنے لگا کہ جب یہ ہڈیاں بوسیدہ ہوچکی ہوں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟
(۷۹) قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْۤ اَنْشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِیْمُ ۙ	کہیے: اسے وہی زندہ کرے گا جس نے اسے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھااوروہ ہرمخلوق سے خوب آگاہ ہے۔

شان نزول

مشرکین میں سے ایک شخص جس کا نام ابیخلف یا امیہ بن خلف یا عاص بن وائل تھا بوسیدہ ہڈی کا ایک ٹکڑا تلاش کر کے لایا اور کہا کہ میں اس محکم دلیل کے ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے جھگڑا کروں گا اور معاد کے بارے میں اس کی بات کو باطل کردوں گا۔ وہ اسے لے کر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا (اور شاید اس میں سے کچھ حصہ پیس کر ریزہ ریزہ کیا اور زمین پر پھینک دیا) اور کہا کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو از سر کون نو زندہ کرسکتا ہے (اور کونسی عقل اسے مان سکتی ہے) اس کے جواب میں مذکورہ بالا آیات اور ان کے جواب میں مذکورہ بالا آیات اور ان کے بعد چار آیتیں جو مجموعی طور پر سات آیتیں بنتی ہیں۔ ان آیات میں اس کے ہم فکر لوگوں کو ایک منطقی اور دندان شکن جواب دیا گیا ہے۔

تفسیر

خلقت اول معاد پر ایک دلیل قاطع ہے

قرآن مجید کی یہ سورت مسئلہ نبوت سے شروع ہوئی اور سات ایسی منظّم آیات پر ختم ہو رہی ہے کہ جو معاد کے بارے میں قوی ترین بیانات کی حامل ہیں۔ پہلے تو انسان کو خود اس کی زندگی کے آغاز کی طرف متوجہ کیا گیا ہے جبکہ وہ ایک حقیر نطفے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ یہ بات انسان کو سوچنے پر آمادہ کرتی ہے اور کہتی ہے؛ کیا انسان نے دیکھا نہیں کہ ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے اور بڑھتے بڑھتے وہ ایسا جری، باشعور اور ذی نطق ہوا کہ خدا ہی کے ساتھ جھگڑنے کھڑا ہو گیا اور کھلم کھلا جھگڑا کرنے والا ہو گیا۔

ہاں! یہ ضعیف و ناتواں موجود اتنا قوی ہو گیا کہ اللہ کی دعوت کے مقابلے میں لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو گیا اور اس نے اپنے ماضی و مستقبل کو بالکل ہی فراموش کر دیا اور "خصیم مبین" کا واضح مصداق بن گیا۔

(۷۸) اس کی بے خبری کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے ہمارے لیے مثال دی اور اپنے خیال میں اس نے ایک دندان شکن دلیل پیدا کر لی۔ حالانکہ وہ اپنی ابتدائی خلقت کو بھول گیا اور اس نے کہہ دیا کہ ان ہڈیوں کو کون زندہ کرسکتا ہے، جبکہ یہ بوسیدہ ہو چکی ہیں۔

یہاں ضرب المثل سے مراد بیان استدلال ہے اور ایک مطلب کلی کے اثبات کے لیے مصداق کا ذکر کرنا مراد ہے۔

یہ بات جاذب نظر ہے کہ قرآن مجید نے ایک ہی مختصر سے جملہ "ونسی خلقه" اس کا جواب دے دیا۔ اگر چہ اس کے بعد مزید وضاحت اور اضافی دلائل بھی بیان کیے۔

قرآن کہتا ہے: اگر تو اپنی خلقت کو بھول نہ گیا ہوتا تو ہر گز ایسا بے ہودہ اور کمزور استدلال اختیار نہ کرتا: اے فراموش کار انسان: تو اپنے پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھ اور اپنی خلقت پر نگاہ کر، تو کس طرح سے ایک ناچیز نطفہ تھا۔ اس خالق مطلق نے ہر روز ایک نیا لباس حیات تیرے بدن پر پہنایا۔ تو تو ہمیشہ سے موت و معاد کی حالت میں ہے۔ مردہ جمادات سے تیری بنیاد پڑی پھر مردہ نباتات سے حیوان نے استفادہ کیا۔ اور مردہ حیوانات سے تیری نشو و نما ہوئی اور تو انسان ہو گیا۔ لیکن تو ایسا فراموش ہے کہ ان تمام چیزوں کو بھول کر اب پوچھتا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟

یہ ہڈیاں اگر مکمل طور پر بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو جائیں تو زیادہ سے زیادہ پھر مٹی ہو جائیں گی تو کیا تو پہلے دن مٹی نہیں تھا؟

(۷۹) لہٰذا بلا فاصلہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ اس خیرہ سر، مغرور اور فراموش کار سے کہیے کہ اسے وہی زندہ کرے گا جس نے پہلے دن اسے خلق کیا تھا۔ اگر تم یہ سوچتے ہو کہ یہ بوسیدہ ہڈیاں جب مٹی بن جاتی ہیں اور ادھر ادھر بکھر جاتی ہیں تو ان کے اجزاء کو کون پہچان سکتا ہے اور کون انہیں مختلف مقامات سے جمع کر سکتا ہے؟ تو اس کا جواب بھی واضح ہے وہ ہر مخلوق سے آگاہ ہے اور ان کی تمام خصوصیات کو جانتا ہے۔

جو ہستی اس قسم کا علم اور اس قسم کی قدرت رکھتی ہو، اس کے لیے مسئلہ معاد اور مردوں کو زندہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔

(۸۰) اِلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ	وہی ذات کہ جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی، اور تم اس کے ذریعے آگ روشن کرتے ہو۔

تفسیر

توانائیوں کی بازگشت

اسی مسئلے کی مزید تشریح و توضیح پیش کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: وہ خدا کہ جس نے تمہارے لیے سبز درخت سے آگ پیدا کی اور تم اس کے ذریعے آگ روشن کرتے ہو۔ وہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

اس مقام پر ایک گہری اور عمیق تر تفسیر موجود ہے اور ہم نے دور حاضر کے علوم کی مدد سے اس تک دسترس حاصل کی ہے۔ اور اسے ہم نے توانائیوں کی بازگشت قرار دیا ہے۔

اس کی وضاحت یہ کہ نباتات کا ایک اہم کام ہوا سے کاربن ڈائی آکسائیڈ لینا اور نباتاتی خلیے بنانا ہے یہ خلیے درختوں اور نباتات کے اجسام ہوا سے کاربن ڈائی آکسائیڈ حاصل کر کے اس کا تجزیہ کرتے ہیں ان کی آکسیجن کو آزاد چھوڑ دیتے ہیں اور کاربن کو اپنے وجود میں محفوظ کر لیتے ہیں اور اسے پانی کے ساتھ ترکیب دے کر اس سے درختوں کا جسم بناتے ہیں۔ لیکن اہم مسئلہ یہ کہ طبیعی علوم کی گواہی کے مطابق جو بھی کیمیائی ترکیب انجام پاتی ہے وہ یا تو توانائی کو جذب کر کے وجود میں آتی ہے یا اسے آزاد کرنے سے (غور

کیجئے گا)۔

اس بنا پر جس وقت درخت کاربن ڈائی آکسائیڈ حاصل کرنے کے عمل میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ اس قانون کے مطابق ایک انرجی کے وجود کے محتاج ہیں اور یہاں وہ سورج کی کچھ گرمی اور روشنی سے ایک توانائی کے طور پر استفادہ کرتے ہیں۔

اس طرح سے درختوں کا جسم بنتے وقت سورج کی توانائی کی کچھ مقدار بھی ان کے اندر جمع ہو جاتی ہے اور جس وقت ہم لکڑیوں کو جلاتے ہیں تو وہی سورج کی ذخیرہ شدہ توانائی آزاد ہو جاتی ہے کیونکہ کاربن ہوا کی آکسیجن کے ساتھ مل کر دوبارہ کاربن ڈائی آکسائیڈ بنا دیتی ہے اور آکسیجن اور ہائیڈروجن (پانی کی کچھ مقدار) آزاد ہو جاتی ہے۔

یہ جو کہتے ہیں کہ کرہ زمین کی تمام توانائیاں سورج کی توانائی طرف لوٹتی ہیں، اس کی صورت یہی ہے۔

یہ منزل وہ ءکہ جہاں ہم توانائیوں کی بازگشت تک پہنچ جاتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نور حرارت کہ جو اس فضا میں بکھر جاتی ہے اور درختوں کے پتوں اور ان لکڑیوں پر نوازش کرتی اور ان کی پرورش کرتی ہے وہ کبھی بھی نابود نہیں ہوتی بلکہ اس کا چہرہ بدل جاتا ہے اوور ہم انسانوں کی آنکھوں سے دور درختوں کے تنوں، شاخوں اور پتوں کے اندر پنہاں ہوگئی ہے اور جس وقت آگ کا شعلہ خشک لکڑی تک پہنچ جاتا ہے تو اس کی قیامت شروع ہو جاتی ہے اور سورج کی وہ تمام توانائی جو درخت میں پنہاں تھی اس لمحہ اس کا حشر نشر ہو جاتا ہے، بغیر اس کے کہ ایک شمع کی روشنی کے برابر بھی اس میں کچھ کمی ہو (غور کیجئے گا)۔

(۸۱) اَوَ لَيۡسَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يَّخۡلُقَ مِثۡلَهُمۡ ؕ بَلٰى ۚ وَ هُوَ الۡخَلّٰقُ الۡعَلِيۡمُ	کیا وہ ذات جس نے آسمانوں اور زمین کو خلق کیا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان کے مانند (خاک شدہ انسانوں) کو پیدا کر دے۔ ہاں وہ آگاہ و دانا خلاق ہے۔
(۸۲) اِنَّمَاۤ اَمۡرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيۡــًٔا اَنۡ يَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ	اس کا امر تو صرف یہ ہے کہ جس وقت وہ کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ تو اسے کہتا ہے ہو جا تو وہ (بلافاصلہ) ہو جاتی ہے۔
(۸۳) فَسُبۡحٰنَ الَّذِىۡ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّاِلَيۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۠	پس منزہ ہے وہ خدا کہ جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کی مالکیت و حاکمیت ہے اور (سب کے سب) اسی کی طرف لوٹ جائیں گے۔

تفسیر

وہ ہر چیز کا مالک و حاکم ہے

گزشتہ آیات میں خلقت اول اور سبز درخت سے آگ پیدا کرنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے معاد کے دلائل کا ذکر ہے۔

اب پہلی زیر بحث آیت میں ایک اور حوالے سے اس مسئلے کو بیان کیا گیا ہے اور وہ خدا کی بے پایاں قدرت کا بیان ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: کیا وہ ہستی کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اس تمام عظمت، عجائبات اور حیرت انگیز نظاموں کے ساتھ پیدا کیا ہے، اس بات پر قادر نہیں ہے کہ ان خاک شدہ انسانوں کے مانند نئی تخلیق کرے اور انہیں ایک نئی زندگی کی طرف لوٹا دے۔ ہاں! وہ ایسا کر سکتا ہے اور وہ آگاہ و دانا خلاق ہے۔

(۸۲) زیرِ نظر دوسری آیت اس حقیقت پر ایک تاکید ہے اور اس کے ارادہ اور قدرت کے سامنے ہر قسم کی ایجاد سہل و آسان ہے، اس کے لئے عظیم آسمانوں اور کرہ خاکی کا ایجاد کرنا اور ایک چھوٹے سے کیڑے کی ایجاد برابر و یکساں ہے، فرماتا ہے: اس کا امر یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

تمام چیزیں اس ایک اشارے اور فرمان کے ساتھ وابستہ ہیں تو جو اس قسم کی قدرت کا مالک ہو، کیا اس کے بارے میں اس بات کی گنجائش ہے کہ اس کے مردوں کو زندہ کرنے کے متعلق اس کی قدرت میں شک کیا جائے؟

ہاں! جونہی وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

"امر" "قول" اور "کن" کے الفاظ سب کے سب خلق و ایجاد کے مسئلے کی ایک توضیح ہیں۔ یہ سب کے سب ارادہ الٰہی کے بعد اشیاء کے تیزی اور سرعت کے ساتھ وجود پانے کو بیان کرتے ہیں۔

(۸۳) زیر بحث آخری آیت کہ جو سورہ یٰسین کی آخری آیت ہے مبداء و معاد کے بارے میں ایک کلی نتیجہ نکالنے کے لئے اس بحث کو ایک خوبصورت طریقے سے ختم کرتی ہے ارشاد ہوتا ہے: پس منزہ ہے وہ خدا کہ جس کے قبضۂ قدرت میں تمام چیزیں ہیں اور تم سب کے سب اسی کی طرف پلٹ کر جاؤ گے۔

معاد کے مختلف پہلوؤں پر اس وقت ہم قارئین محترم کی توجہ ذیل کی چھ بحثوں کی طرف دلانا چاہیں گے۔

1۔ معاد کا اعتقاد ایک فطری امر ہے

اگر انسان فنا کے لیے پیدا کیا گیا ہوتا تو پھر اسے فنا کا عاشق ہونا چاہیے اور موت سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ چاہے موت برمحل اور عمر کے آخری حصہ میں ہو۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ موت (بمعنی نیستی) کا خیال انسان کے لیے کسی زمانے میں بھی ہو خوش آئند نہیں رہا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ یورپ اپنی پوری قوت کے ساتھ موت سے بھاگ رہا ہے۔

مومیا کر مردوں کے جسموں کو باقی رکھنے کی کوشش کرنا اور اہرام مصر جیسے دائمی مقبرے بنانا اور آب حیات، اکسیر جوانی اور عمر

بڑھانے والی چیزوں کے پیچھے بھاگنا۔ بقا کے ساتھ انسان کے عشق کی ایک واضح دلیل ہے۔

اگر ہم فنا کے لیے پیدا ہوئے ہیں، تو بقا سے اس لگاؤ کا کیا مفہوم ہوسکتا ہے؟ اس صورت میں تو یہ ایک فضول اور بے مصرف لگاؤ ہوگا۔

یہ مت بھولیے کہ ہم حکیم و دانا خدا کے وجود کو تسلیم کر لینے کے بعد معاد کی بحث کر رہے ہیں۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس نے جو کچھ ہمارے وجود میں پیدا کیا ہے وہ کسی حساب کے ماتحت ہی ہوگا اور وہ اس عالم بقاء کے ساتھ عشق بھی کسی حساب کے ماتحت ہی ہوگا اور وہ اس عالم کے بعد کی خلقت اور جہاں آخر سے ہم آہنگی ہے۔

دوسرے لفظوں میں اگر دستگاہ خلقت نے ہمارے اندر پیاس پیدا کی ہے، تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ خارج میں پانی کا وجود ہے۔ اسی طرح جنسی خواہش اور جنس مخالف سے انسانوں میں لگاؤ موجود ہے تو یہ اس بات کی نشانی ہے کہ خارج میں جنس مخالف کا وجود ہے۔ ورنہ کسی چیز کی عدم موجودگی کی صورت میں اس کی خواہش کا ہونا حکمت آفرینش سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

دوسری طرف جب ہم تاریخ بشر کا قدیم ترین ایام سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں موت کے بعد زندگی کے بارے میں انسان کے راسخ عقیدے کی بہت سی نشانیاں ملتی ہیں۔

وہ آثار کہ جو گزشتہ انسانوں .... یہاں تک کہ تاریخ سے پہلے کے انسانوں .... کے آج ہماری دسترس میں ہیں ان سے اس اعتقاد کی شہادت ملتی ہے، خصوصاً مردوں کے دفن کرنے کا طریقہ، قبریں بنانے کی کیفیت، حتیٰ کہ مردوں کے ساتھ کچھ چیزیں دفن کرنا، اس بات کے گواہ ہیں کہ ان کے نام آگاہ وجدان میں موت کے بعد کی زندگی کا اعتقاد چھپا ہوا تھا۔ ایک مشہور ماہر نفسیات کہتا ہے:

> ''دقیق تحقیقات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ پہلے نوع بشر کے قبائل ایک قسم کے مذہب کے حامل تھے۔ کیونکہ وہ اپنے مردوں کو ایک خاص طریقے سے سپرد خاک کرتے تھے اور ان کے کام کے آلات ان کے ساتھ رکھ دیا کرتے تھے اور اس طریقے سے دوسری دنیا کے لوگوں کو اپنے عقیدے کا ثبوت مہیا کرتے تھے''۔

یہ تمام باتیں اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ یہ قومیں حیات بعد از موت کو قبول کرتی تھیں۔ اگرچہ اس کی تفسیر میں غلط راستے پر چلتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ وہ زندگی بعینہٖ اس زندگی کی طرح ہے۔

بہر حال اس قدیمی بنیادی اعتقاد کو ایک معمولی اور عام خیال یا صرف ایک رواج اور عادت کا نتیجہ نہیں سمجھا جا سکتا۔

تیسری طرف ایک اندرونی عدالت کا وجود جسے وجدان کہتے ہیں معاد کے فطری ہونے کا ایک اور گواہ ہے۔

ہر انسان نیک کام انجام دے کر اپنے وجدان کے اندر ایک سکون و اطمینان محسوس کرتا ہے ایسا سکون کہ جسے قلم بیان کرنے

سے قاصر ہے۔

اس کے برعکس انسان گناہوں، خصوصاً بڑے بڑے جرائم کرنے کے بعد پشیمانی اور بے سکونی محسوس کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ خودکشی پر تیار ہوجاتا ہے یا خود کو سزا اور سولی کے حوالے کر دیتا ہے اور اسے وجدان کے شکنجے سے رہائی کا سبب سمجھتا ہے۔

اس حالت میں انسان خود سے پوچھتا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ مجھ جیسا ایک چھوٹا سا وجود تو اس قسم کی عدالت کا حامل ہو لیکن یہ عظیم عالم اس قسم کے وجدان اور عدالت سے خالی ہو۔

اس طرح مختلف طریقوں سے مرنے کے بعد کی زندگی اور مسئلہ معاد کا فطری ہونا ہم پر واضح ہوجاتا ہے:

انسانوں کے بقاء سے عمومی عشق کے حوالے سے۔

پوری انسانی تاریخ میں اس ایمان کے وجود کے حوالے سے

اور انسان کو روح کے اندر اس کے ایک چھوٹے سے نمونے کی موجودگی کے حوالے سے۔

2۔ ایمان بالقیامت کا اثر انسانی زندگی پر

مرنے کے بعد کے عالم، انسان کے اعمال کے آثار کی بقا اور اس کے اچھے برے کاموں کی ہمیشگی کا اعتقاد انسانوں کی فکر و نظر اور اعصاب اعمال پر بہت ہی گہرا اثر ڈالتا ہے اور نیکیوں کا شوق پیدا کرنے اور برائیوں سے مبارزہ کرنے کے لیے ایک عامل موثر ہو سکتا ہے۔

فاسد و منحرف افراد کی اصلاح اور فداکار و مجاہد اور ایثار کرنے والوں کو شوق دلانے میں حیات بعد از موت پر ایمان جو اثرات ڈال سکتا ہے وہ عام عدالتوں اور سزاؤں کے اثرات سے کہیں زیادہ ہیں چونکہ قیامت و معاد کی عدالت عام عدالتوں سے بہت ہی مختلف ہے، اس عدالت میں نہ تو تجدید نظر کا کوئی وجود ہے اور نہ ہی اس کے ارکان پر زر و مال اور زور و قوت اثر ڈال سکتے ہیں۔ نہ وہاں جھوٹی باتوں سے کوئی فائدہ ہوگا اور نہ فیصلے کے لئے طویل مدت درکار ہوگی۔ جہاں فیصلے کرنے والا خود خداوند قدوس ہو وہاں عدالت میں کسی قسم کا نقص کیسے ہوسکتا ہے؟

قرآن مجید کہتا ہے:

''اس دن سے ڈرو کہ جس میں کسی شخص کو کسی دوسرے کی جگہ بدلہ نہیں دیا جائے گا۔ اور نہ ہی اس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ ہی کوئی فدیہ یا تاوان ہوگا اور نہ ہی کوئی شخص اس کی مدد کے لئے آئے گا''۔ (بقرہ۔۴۸)

اس کے علاوہ قرآن حکیم میں ہے:

''ان میں سے جو ظالم ہیں۔ اگر تمام روئے زمین بھی ان کے اختیار میں ہو اور اس دن اپنی نجات کے لئے وہ سب کچھ قربان کر ڈالیں (تو بھی ان کی نجات نہیں ہوگی) اور جس وقت وہ عذاب الٰہی کو دیکھیں گے تو اپنی پشیمانی کو چھپائیں گے۔ (کہ کہیں زیادہ رسوا نہ ہوں) اور ان کے درمیان عدالت کے ساتھ فیصلہ ہوگا اور ان پر ذرا سا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا''۔ (یونس۔۵۴)

اس کے علاوہ قرآن مجید میں یہ بھی بیان ہوا ہے:

''مقصد یہ ہے کہ خدا ہر شخص کو جو کچھ اس نے انجام دیا ہے اس کی جزا دے کیونکہ خدا سریع الحساب ہے'' (ابراہیم۔۵۱)

اس کا حساب اتنا قطعی اور تیزی کے ساتھ ہوگا کہ بعض روایات کے مطابق:

''خدا چشم زدن میں سب مخلوق کا حساب چکا دے گا! اس بناء پر قرآن مجید میں بہت سے گناہوں کا سرچشمہ روز جزاء کو بھول جانا قرار دیا گیا ہے''۔

سورہ الٓمٓ سجدہ کی آیہ ۱۴ میں ہے:

''جہنم کی آگ کا مزہ چکھو کیونکہ تم نے آج کے دن کی ملاقات کو فراموش کر دیا تھا''۔

کچھ تعبیرات سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ اگر انسان قیامت کے بارے میں کچھ گمان ہی رکھتا ہو تب بھی بہت سے غلط کاموں کو انجام دینے سے رک جائے گا جیسا کہ کم فروشوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

''کیا وہ یہ گمان نہیں کرتے کہ ایک عظیم دن وہ قبروں سے اٹھائے جائیں گے''۔ (مطففین ۴۔۵۔)

گزشتہ زمانے میں بھی اور آج بھی مجاہدین اسلام میدان جہاد میں رجز خوانی کرتے ہوئے داد شجاعت دیتے ہیں اور بہت سے لوگ اسلامی ممالک کے دفاع اور محرمین و مستضعفین کی حمایت کے لئے جو عظیم ایثار و فداکاری دکھاتے ہیں یہ سب دوسرے جاودانی گھر پر اعتقاد کا نتیجہ ہے۔ علماء کے مطالعات اور مختلف تجربات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اس قسم کے وسیع مظاہر اس عقیدے کے سوا ممکن نہیں۔

وہ مجاہد کہ جس کی منطق یہ ہو کہ:

''کہہ دو کہ اے دشمنو! تم ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہو؟ سوائے دو سعادتوں میں سے کسی ایک تک پہنچنے کے (یا تم پر کامیابی یا افتخار شہادت)''۔ (توبہ۔۵۲)

یہ مجاہد یقیناً شکست ناپذیر ہے۔

موت کا چہرہ اس جہان کے بہت سے لوگوں کیلئے وحشت انگیز ہے، یہاں تک کہ اس کے نام اور ہر اس چیز سے کہ جو اس کی داعی ہے، گریز کرتے ہیں۔لیکن موت کے بعد زندگی کا عقیدہ رکھنے والوں کے لئے نہ صرف یہ کہ وہ ناپسندیدہ نہیں ہے بلکہ ایک عظیم جہان کے لیے ایک دریچہ ہے، قفس کا ٹوٹ جانا ہے، انسانی روح کا آزاد ہونا ہے، زندان بدن کے دروازوں کا کھلنا ہے اور آزادی مطلق تک پہنچنا ہے۔

اصولی طور پر مبداء کے بعد مسئلہ معاد خداپرستوں اور مادہ پرستوں کے علم کی حد فاصل ہے کیونکہ اس مقام پر دو مختلف نظریے پائے جاتے ہیں۔

ایک نظریہ تو وہ ہے کہ موت کو جس میں فنا اور نابودئ مطلق سمجھا جاتا ہے اور اپنے پورے وجود کے ساتھ اس سے گریز کرتا ہے کیونکہ اس نظریے کے مطابق سب چیزیں اس کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہیں۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ موت ایک خلقت جدید ہے اس سے انسان ایک کشادہ تر اور روشن عالم میں قدم رکھتا ہے اس پر وسیع و عریض آسمان کے سارے درواز ے کھل جاتے ہیں۔

یہ فطری بات ہے کہ اس مکتب کے طرفدار نہ صرف یہ کہ ہدف ومقصد کی راہ میں موت وشہادت سے خوف نہیں کھاتے بلکہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے مکتب سے ہدایت حاصل کر کے انہی کی طرح کہتے ہیں

''خدا کی قسم! ابوطالب کے بیٹے کی موت سے محبت اس سے کہیں زیادہ ہے کہ جو ایک شیرخوار بچے کو اپنی ماں کے پستان سے ہوتی ہے''۔

ایسے لوگ مقصد کی راہ میں موت کا استقبال کرتے ہیں۔

اسی وجہ سے جب زمانے کے مجرم عبدالرحمٰن ابن ملجم کی تلوار کی ضرب آپ علیہ السلام کے سر مبارک پر لگی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا:

''کعبہ کے رب کی قسم! میں کامیاب ہو گیا اور مجھے راحت وسکون مل گیا''

مختصر بات یہ ہے کہ معاد قیامت پر ایمان، ڈرپوک اور بے مقصد انسان کو شجاع، بہادر اور بامقصد انسان میں تبدیل کر دیتا ہے کہ جس کی زندگی رجز خوانیوں، قربانیوں، پاکیزگی اور تقویٰ سے معمور ہو جاتی ہے۔

3۔معاد کے عقلی دلائل

قرآن مجید میں معاد کے بارے میں بہت دلیلیں بیان ہوئی ہیں اور اس سلسلے میں سینکڑوں آیات موجود ہیں ان سے قطع نظر اس امر پر واضح عقلی دلائل بھی موجود ہیں کہ جن میں سے بعض اختصار کے ساتھ بیان کئے جاتے ہیں۔

ا۔ برہان حکمت: اگر ہم اس جہان کی زندگی کو دوسرے جہان کے بغیر تصور کریں، تو یہ لغو اور بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہوگی کہ جیسے ہم جنین کی زندگی کو اس دنیا کی زندگی کے بغیر فرض کر لیں۔

اگر قانون خلقت یہی ہوتا کہ تمام جنین پیدائش کے وقت گلا گھٹ کر مر جاتے تو جنین دور کس قدر بے مفہوم ہو جاتا؟ اسی طرح اگر اس جہان کی زندگی کو دوسرے جہان کی زندگی سے الگ تصور کر لیا جائے تو اس کا وجود بھی مہمل ہو جائے گا کیونکہ کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم ستر سال یا اس سے کم وبیش اس دنیا میں مشکلات میں گھرے رہیں، ایک مدت تک خام اور بے تجربہ رہیں اور جب پختگی دور ہو تو عمر تمام ہو جائے ایک مدت تک ہم علم کے حاصل کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ اور جس وقت معلومات کے لحاظ سے ہم کسی مقام تک پہنچتے ہیں تو بڑھاپے کی برف ہمارے سروں پر بیٹھ چکی ہوتی ہے۔

آخر ہم یہ زندگی کس لئے بسر کر رہے ہیں؟ کچھ مقدار غذا کھانے، چند گز کپڑے پہننے، بار بار سونے اور بیدار ہونے اور اس تھکا دینے والے طرز عمل کو سالہا سال تک دہرانے اور جاری رکھنے کے لئے؟

کیا واقعاً یہ وسیع آسمان، یہ پھیلی ہوئی زمین اور یہ تمام آغاز وانجام، یہ تمام استاد و مربی، یہ تمام عظیم کتب خانے اور یہ تمام باریک بینیاں کہ جو ہماری اور تمام موجودات کی خلقت میں کام میں لائی گئی ہیں کھانے، پینے، پہننے اور مادی زندگی کے لئے ہیں؟

یہ وہ مقام ہے کہ جہاں پر وہ لوگ کہ جو معاد کو قبول نہیں کرتے، اس زندگی کی لغویت اور بیہودگی کا اعتراف کرتے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ خودکشی کرنے اور اس فضول اور بے معنی زندگی سے نجات کو جائز یا باعث افتخار سمجھتا ہے۔

یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ شخص جو خدا اور اس کی بے پایاں حکمت پر ایمان رکھتا ہے اس جہان کی زندگی کو۔ دوسرے جہان کی دائمی زندگی کے لئے مقدمہ سمجھے بغیر قابل توجہ شمار کرے۔

قرآن کہتا ہے:

''کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ تم فضول اور بیکار پیدا ہوئے ہو اور تم ہماری طرف پلٹ کر نہیں آؤ گے''

(مومنون ۱۱۵)

یعنی اگر خدا کی طرف بازگشت نہ ہوئی تو پھر اس جہان کی زندگی عبث اور بیہودہ ہوتی۔

ہاں! اس دنیا کی زندگی اسی صورت میں مفہوم رکھتی ہے اور خدا کی حکمت کیساتھ ہم آہنگ ہوتی ہے جب اس جہان کو دوسرے جہان کے لئے ایک کھیتی اور اس وسیع عالم کیلئے ایک گزرگاہ اور تیاری کی ایک کلاس اور دوسرے جہان کیلئے ایک یونیورسٹی اور اس گھر کے لئے ایک تجارت خانہ سمجھیں۔ جیسا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام اپنے پر معنی کلمات میں فرمایا ہے:

''یہ دنیا اس شخص کے لئے کہ جو سچائی کے ساتھ اس سے پیش آئے سچائی کی جگہ ہے اور اس شخص کے لئے ہے جو اس

سے کچھ فہم حاصل کرے عافیت کا گھر ہے اور اس شخص کے لئے کہ جو اس سے زادراہ حاصل کرے بے نیازی کا گھر ہے اور اس شخص کے لئے جو اس سے پند ونصیحت حاصل کرے وعظ ونصیحت کا گھر ہے یہ خدا کے دوستوں کی مسجد ہے، پروردگار کے فرشتوں کی جائے نماز ہے، وحی الٰہی کے نزدل کا مقام ہے اور اولیاء حق کا تجارت خانہ ہے'۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس جہان کی کیفیت کا مطالعہ خوب اچھی طرح سے اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس علم کے بعد ایک اور عالم بھی ہے۔

تم اس دنیا میں نشاۃ اولیٰ اور خود اپنی پیدائش کو دیکھ چکے ہو تو پھر تم متوجہ کیوں نہیں ہوتے کہ اس کے بعد ایک اور جہان بھی ہے؟ (واقعہ۔۶۲)

ب۔ برھان عدالت: نظام ہستی اور قوانین خلقت میں غور سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اس کی تمام چیزیں حساب شدہ اور جچی تلی ہیں۔

ہمارے بدن کی ساخت میں اس قسم کا عادلانہ نظام حکم فرما ہے کہ جب بھی کوئی معمولی سی تبدیلی یا غیر موزونیت اس میں ظاہر ہوتی ہے تو وہ بیماری یا موت کا سبب بن جاتی ہے۔ ہماے دل کی حرکت ہمارے خون کی گردش، ہماری آنکھ کے پردے، ہمارے بدن کے سیل اسی دقیق نظام میں شامل ہیں کہ جو سارے جہان پر حکومت کر رہا ہے۔ تو کیا انسان اس وسیع عالم میں ایک نامطلوب چیز ہوسکتا ہے؟

یہ ٹھیک ہے کہ خدا نے انسان کو ارادہ واختیار کی آزادی دی ہے تاکہ وہ اسے آزمائے اور وہ اس کے سائے میں ارتقائی منازل کو طے کرے لیکن اگر انسان آزادی سے غلط فائدہ اٹھائے تو پھر کیا ہوگا؟ اگر ظالم اور ستمگر لوگ، گمراہ اور گمراہ کرنے والے اس خدائی انعام سے سوئے استفادہ کرتے ہوئے گمراہی کا راستہ اختیار کئے رہیں تو پھر عدل الٰہی کا تقاضا کیا ہوگا؟

ٹھیک ہے کہ بدکاروں کے ایک گروہ کو اس دنیا میں بھی سزا مل جاتی ہے اور وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ جاتے ہیں یا کم از کم اس کا ایک حصہ بھگت لیتے ہیں لیکن مسلمہ طور پر ایسا نہیں ہوتا کہ تمام کے تمام مجرم اپنی ساری کی ساری سزا بھگت لیتے ہوں اور سب کے سب پاک اور نیک لوگ اپنے اعمال کا بدلہ پورے کا پورا اسی جہان میں پا لیتے ہوں کیا یہ بات ممکن ہے کہ یہ دونوں گروہ پروردگار کی عدالت کے پلڑے میں برابر ہو جائیں؟ قرآن مجید کے ارشاد کے مطابق:

''کیا ان لوگوں کو کہ جو قانون خدا کے پیش نظر حق وعدالت کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں ہم مجرمین کی طرح قرار دے دیں گے؟ تمہیں کیا ہوگیا ہے۔ یہ کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو؟' (قلم۔۳۵۔۳۶)

دوسری جگہ قرآن فرماتا ہے:

''کیا یہ ممکن ہے کہ ہم پرہیزگاروں کو فاجروں کے مانند قرار دے دیں؟'(ص ۲۸)

بہرحال فرمان حق کی اطاعت میں انسانوں کے درمیان تفاوت ہونا کوئی شک کی بات نہیں ہے کیونکہ اس جہان کی مکافات اور عدالت وجدان اور گناہوں کے نتائج کا کافی نہ ہونا، عدالت سے قیام کے لئے تنہا کافی نظر نہیں آتا۔ اس بناء پر بات قبول کرنی پڑے گی وہ اجرالٰہی کے اجراء کیلئے کوئی عدل عام کی عدالت ہو کہ جہاں پر سوئی کی نوک کے برابر نیک اور بدکاموں کا حساب ہو۔ ورنہ حقیقی عدالت قائم نہ ہوگی۔

لہٰذا یہ بات قبول کرلینی چاہیئے کہ عدل الٰہی کو قبول کرنا وجود معاد و قیامت کے قبول کرنے کے مترادف ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

''ہم قیامت کے دن عدل کے ترازو قائم کریں گے''(انبیاء۔۴۷)

اس کے علاوہ یہ بھی فرماتا ہے:

''قیامت کے دن ان کے درمیان عدالت کے مطابق فیصلہ ہوگا اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا''۔(یونس۔۵۴)

ج۔ برھان ھدف: مادہ پرستوں کے نظریے کے برخلاف الٰہی نظریۂ کائنات کے مطابق انسان کی خلقت میں ایک ہدف اور مقصد کارفرما ہے کہ جسے فلسفی تعبیر میں تکامل وارتقاء کہتے ہیں۔ قرآن وحدیث کی زبان میں بھی قرب خداوندی اور کبھی عبادت و بندگی کہتے ہیں۔ ارشاد رب العزت ہوتا ہے؛

''میں نے جن وانس کو پیدا نہیں کیا ہے مگر اس مقصد کے لئے کہ وہ میری عبادت کریں (اور عبادت و بندگی کے سائے میں کامل ہوں اور میرے حریم قرب کی طرف راہ پائیں)''(ذاریات ۵۶)

اگر موت ہر چیز کا اختتام ہو تو کیا یہ عظیم مقصد پورا ہوگا؟ بلاشک وشبہ اس سوال کا جواب نفی میں ہے ضروری ہے کہ اس جہان کے بعد ایک اور جہان ہو اور انسان کا سفر کمال اس میں جاری رہے اور وہ اس (جہان کی) کھیتی کی فصل وہاں کاٹے اور یہاں تک کہ جیسے ہم کہہ چکے ہیں دوسرے جہان میں بھی یہ سیر تکامل جاری رہنی چاہیے تاکہ صلہ اور آخری ہدف پورا ہوجائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مقصد خلقت کی تکمیل معاد کو قبول کیے بغیر ممکن نہیں ہے اور اگر ہم اس زندگی کو موت کے بعد والے جہان سے منقطع کرلیں تو ہر چیز معمہ کی شکل اختیار کرلے اور کئی طرح کے کیوں ہمارے سامنے کھڑے ہوں اور کسی ایک کا بھی ہمارے پاس کوئی جواب نہ رہے۔

د۔ برھان نفی اختلاف: بے شک ہمیں ان اختلافات سے۔ کہ جو اس جہان کے مختلف مکاتب و مذاہب کے درمیان موجود ہیں دکھ ہوتا ہے اور ہم سب یہی آرزو رکھتے ہیں کہ ایک دن یہ تمام اختلافات ختم ہوجائیں جبکہ تمام قرائن اس بات کی نشاندہی

کرتے ہیں کہ یہ اختلافات اس دنیا کے مزاج میں پوری طرح اتر چکے ہیں۔ یہاں تک کچھ دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کہ جو ایک عالمی حکومت قائم کرنے والے ہیں۔ان کے قیام کے بعد بھی اگرچہ بہت سے اختلافات ختم ہو جائیں گے لیکن پھر بھی کچھ مکاتب کا اختلاف کلی طور پر ختم نہیں ہوگا۔ اور قرآن کے ارشاد کے مطابق یہود و نصاریٰ قیامت تک اپنے اختلاف پر باقی رہیں گے (مائدہ۔۱۴)۔

لیکن وہ خدا کہ جو ہر چیز کو وحدت کی طرف لے جاتا ہے آخر میں اختلافات کو ختم کرے گا اور چونکہ عالم مادہ کے گہرے پردوں کی موجودگی میں یہ بات اس دنیا میں کلی طور پر امکان پذیر نہیں ہے لہٰذا ہم جانتے ہیں کہ دوسرے جہان میں کہ جو عالم بروز وظہور ہے۔ آخر کار یہ مسئلہ علمی شکل اختیار کرلے گا اور حقائق اس طرح سے روشن ہو جائیں گے کہ مکتب وعقیدہ کا اختلاف بالکل ختم ہو جائے گا۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ قرآن مجید کی متعدد آیات میں اس مسئلہ کا ذکر ہوا ہے ایک جگہ فرماتا ہے۔

''خدا ان چیزوں کے بارے میں قیامت کے دن کہ جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا''۔(بقرہ ۱۱۳)

دوسری جگہ فرماتا ہے:

''انہوں نے زوردار قسم کھا کر کہا کہ خدا ان لوگوں کو کہ جو مر جائیں گے کبھی زندہ نہیں کرے گا لیکن ایسا نہیں ہے یہ خدا کا حتمی وعدہ ہے (کہ ان سب کو زندہ کرے گا) لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔اس کا مقصد یہ ہے کہ جس چیز میں وہ اختلاف رکھتے تھے اسے ان کے لئے واضح کر دے تا کہ جو لوگ منکر ہو گئے تھے وہ یہ جان لیں کہ وہ جھوٹ بولتے تھے''(نحل۔۳۸۔۳۹)

4۔قرآن اور مسئلہ معاد

مسئلہ توحید کہ جو انبیاء کی تعلیمات میں سب سے زیادہ بنیادی مسئلہ ہے اس کے بعد معاد کا مسئلہ اپنی خصوصیات اور اپنے تربیتی و تعلیمی آثار کے ساتھ پہلے درجہ میں قرار پاتا ہے لہٰذا قرآنی مباحث میں توحید و خداشناسی کے بعد بہت سی آیات کو اس نے اپنے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔

معاد کے قرآنی مباحث کبھی تو منطقی استدلال کی صورت میں بیان ہوئے ہیں اور کبھی خطابی مباحث اور موثر اور زوردار تلقین کی صورت میں بعض اوقات تو انہیں سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کلام کا صادقانہ لب و لہجہ ایسا ہے کہ وہ استدلال کی طرح انسان کی روح اور جان کی گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں۔

منطقی استدلال میں قرآن زیادہ تر امکان معاد کے موضوع پر بات کرتا ہے کیونکہ منکرین زیادہ تر اسے محال خیال کرتے تھے۔ان کا نظریہ یہ تھا کہ معاد وہ بھی معاد جسمانی کی صورت میں............کہ جس میں بوسیدہ اور خاک شدہ اجسام کا نئی حیات کی طرف لوٹنا ضروری ہے............امکان پذیر نہیں۔

اس حصے میں قرآن مختلف طریقوں سے بات کرتا ہے اور یہ سب استدلال جس ایک جگہ جا کر ختم ہو جاتے ہیں وہ معاد کے امکان عقلی کا مسئلہ ہے۔کبھی تو وہ پہلے زندگی کو انسان کی نظر میں مجسم کرتا ہے اور ایک مختصر، منہ بولتی اور واضح عبارت میں کہتا ہے:

''جس طرح سے کہ اس نے تمہیں ابتداء میں پیدا کیا ہے اسی طرح سے تم واپس لوٹو گے''(اعراف۔۲۹)

کبھی نباتات کی زندگی اور موت اور ان کی بازگشت کی تصویر کشی کرتا ہے کہ جسے ہم ہر سال اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں اور اس کے آخر میں کہتا ہے کہ تمہاری بازگشت بھی اسی طرح ہوگی۔ارشاد ہوتا ہے:

''ہم نے آسمان سے بابرکت پانی نازل کیا اور اس کے ذریعے سرسبز باغات اگائے اور کٹے ہوئے دانے.....اور اس کے ذریعے ہم نے مردہ زمین کو زندہ کیا (تمہاری) بازگشت بھی اسی طرح ہوگی''(سورہ''ق''۔۹تا۱۱)

دوسری جگہ کہتا ہے:

''خدا ہی ہے کہ جس نے ہواؤں کو بھیجا ہے کہ وہ بادلوں کو چلائیں اور ہم نے انہیں مردہ زمین کی طرف دھکیل دیا اور اس کے ذریعے ہم نے زمین کو اس کی موت کے بعد حیات بخشی قبروں سے اٹھنا بھی اسی طرح ہے''(فاطر۔۹)

کبھی آسمانوں زمین کی خلقت میں خدا کی قدرت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

''کیا وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ خدا کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اس تخلیق نے اسے تھکا نہیں دیا، وہ مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ہاں! وہ ہر چیز پر قادر ہے''(احقاف۔۳۳)

اور کبھی توانائیوں کی بازگشت اور سبز درخت سے آگ نکلنے کو اس کی قدرت کے نمونے کے طور پر اور آگ کو پانی کے اندر قرار دینے کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔

''وہ خدا مردوں کو لباس حیات پہناتا ہے جس نے سبز درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کی''(یٰسین۔۸۰)۔

کبھی جنین کی زندگی کو انسان کی نظر میں مجسم کرتا ہے اور کہتا ہے:

''اے لوگو! اگر تم قیامت کے بارے میں شک رکھتے ہو تو یہ بات مت بھولو کہ ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر نطفہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے پھر مضغہ سے (کہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جو چبائے ہوئے گوشت کی طرح کا

ہے)اس حالت میں پہنچ کر بعض تو شکل وصورت کے حامل ہوتے ہیں اور بعض بے شکل وصورت مقصد یہ ہے کہ ہم تم پر یہ واضح کردیں (کہ ہم ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں)اس کے بعد بچے کی شکل میں تمہیں عالم دنیا میں بھیجتے ہیں''(حج۔۵)

وہ نیند کہ جوموت کی بہن ہے بلکہ کئی جہات سے خودموت ہے۔اس کے لئے اصحاب کہف کی تین سوسالہ نیند کی مثال پیش کرتا ہے۔اوران کی نینداور بیداری کے سلسلے میں ایک عمدہ اورمناسب تشریح کرنے کے بعد فرماتا ہے۔

''اس طرح سے ہم نے لوگوں کوان کی حالت کی طرف متوجہ کیا تا کہ وہ جان لیں کہ خدا کا قیامت کا وعدہ حق ہے اور قیام قیامت میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے''(کہف۔۲۱)

یہ چھ استدلال ہیں کہ جوقرآن کی آیات میں امکان معاد کے سلسلہ میں بیان ہوئے ہیں

اس کے علاوہ ابراہیم کے چار پرندوں کی داستان (بقرہ۔۲۶۰) عزیر علیہ السلام کی سرگزشت (بقرہ۔۲۵۹) بنی اسرائیل کے مقتول کا واقعہ (بقرہ۔۷۳) بھی بیان کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک ایک تاریخی نمونہ ہے یہ سب اس مسئلے کے لئے دوسرے شواہد و دلائل ہیں کہ جوقرآن نے اس سلسلے میں بیان کئے ہیں.

مختصر بات یہ ہے کہ وہ تصویر جوقرآن مجید نے معاد،اس کے مختلف پہلوؤں،مقدمات اورنتائج کی کھینچی ہے اور وہ بولتے ہوئے دلائل کہ جواس نے اس سلسلے میں بیان کئے ہیں اس قدر زندہ اوراطمینان بخش ہیں کہ جوشخص تھوڑا سا بھی بیدار وجدان رکھتا ہے وہ ان کی گہری تاثیر سے ضرور متاثر ہوگا۔

5۔معاد جسمانی

معاد جسمانی سے مراد صرف مادی نہیں ہے کہ صرف جسم دوسرے جہان میں لوٹ آئے گا بلکہ مقصد یہ ہے کہ روح اورجسم اکٹھے مبعوث ہوں گے دوسرے لفظوں میں روح کی بازگشت تو مسلم ہے بحث جسم کی بازگشت کے بارے میں ہے۔

قرآن مجید میں معاد جسمانی کے شواہد اس قدر زیادہ ہیں کہ یقینی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ وہ لوگ جو معاد کو صرف روحانی سمجھتے ہیں انہوں نے معاد والی فراواں آیات کا تھوڑا سا بھی مطالعہ نہیں کیا ہے ورنہ معاد کا جسمانی ہونا آیات قرآنی میں اس قدر واضح ہے کہ کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے یہی آیات کہ جوسورۂ یٰسین کے آخر میں بیان ہوئی ہیں اس حقیقت کو وضاحت کیساتھ بیان کرتی ہیں کیونکہ عرب کے بیابانی لوگوں کوتعجب اسی بات کا تھا کہ یہ بوسیدہ ہڈی جوان کے ہاتھ میں ہے اسے کون زندہ کرسکتا ہے۔

قرآن صراحت کے ساتھ اس کے جواب میں کہتا ہے۔کیے کہ وہی خدا اس بوسیدہ ہڈی کو زندہ کرے گا جس نے پہلی دفعہ

اسے پیدا کیا تھا معاد کے مسئلے میں مشرکین کا سارا تعجب اوران کی مخالفت اسی امر پر تھی کہ جب ہم خاک ہو جائیں گے اور ہماری خاک زمین میں مل جائے گی تو پھر دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے۔(الٓم ٓسجدہ۔ ۱۰)

وہ کہتے تھے کہ یہ شخص تم سے کیسے وعدہ کرتا ہے کہ جس وقت تم مرجاؤ گے اور خاک ہو جاؤ گے تو دوبارہ زندہ کیے جاؤ گے۔ (مومنون۔۳۵)

وہ اس امر پر اس قدر تعجب کرتے تھے کہ اس کے اظہار کو جنون یا خدا پر جھوٹ خیال کرتے تھے۔ارشاد ہوتا ہے:

''کافروں نے کہا کہ ہم تمہیں ایسا شخص دکھاتے ہیں کہ جو تمہیں یہ خبر دیتا ہے کہ جس وقت تم پوری طرح خاک ہو کر بکھر جاؤ گے تو دوبارہ زندگی پاؤ گے'' (سبا۔۷)

یہی وجہ ہے جو عام طور پر امکان معاد کے بارے میں قرآنی استدلال معاد جسمانی کے گرد ہی گھومتے ہیں اور وہ چھ بیانات کہ جو گزشتہ حصے میں گزرے ہیں۔سب کے سب اسی مدعا کے گواہ ہیں۔

اس کے علاوہ قرآن بار بار اس بات کی نشاندہی کرتا ہے جب تم قیامت میں قبروں سے نکلو گے(یٰسین ۵۱)

ابراہیم کے چاروں پرندوں کی داستان اسی طرح عزیر علیہ السلام کا واقعہ اور موت کے بعد ان کا زندہ ہونا اور بنی اسرائیل کے مقتول کا قصہ کہ جس کی طرف ہم نے گزشتہ مباحث میں اشارہ کیا ہے سب کے سب صراحت کے ساتھ معاد جسمانی کی بات کرتے ہیں۔

قرآن مجید کی مادی و روحانی نعمتوں کی جتنی بھی تعریف کی ہے سب کی سب اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ معاد جسمانی طور پر بھی ہوگا اور روحانی طور پر بھی ورنہ روحانی نعمتوں کے ساتھ ساتھ حور وقصور اور انواع واقسام کی بہشتی غذاؤں اور مادی لذائذ کے کیا معنی ہیں؟

بہر حال یہ بات ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص قرآنی منطق اور تعلیمات سے تھوڑی سی بھی آگاہی رکھتا ہو اور پھر معاد جسمانی کا انکار کرے دوسرے لفظوں میں معاد جسمانی کا انکار قرآن کی نظر میں اصل معاد کے انکار کے مساوی ہے۔

ان دلائل منقولی کے علاوہ اس بارے میں عقلی شواہد بھی موجود ہیں۔اگر ہم انہیں بیان کرنا شروع کر دیں تو گفتگو لمبی ہو جائے گی۔

6۔بہشت ودوزخ

بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد کا عالم مکمل طور پر اسی جہان کے مشابہ ہے البتہ زیادہ کامل اور زیادہ عمدہ شکل میں۔

لیکن ہمارے پاس بہت سے ایسے قرائن موجود ہیں کہ جو اس بات کی نشاندی کرتے ہیں کہ اس جہان اور اس جہان کے درمیان کیفیت وکمیت کے لحاظ سے بہت زیادہ فاصلہ ہے۔

یہاں تک کہ اگر ہم اس فاصلے کو چھوٹے سے جنین کے عالم کی اس وسیع دنیا کے درمیانی فاصلے سے تشبیہ دیں تو پھر بھی کامل موازنہ نہیں ہوگا۔

بعض روایات کی صراحت کے مطابق وہاں ایسی چیزیں ہیں کہ جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سنا ہے۔ یہاں تک کہ کسی انسان کے وہم وگمان میں بھی نہیں آئی ہوں گی۔لہٰذا قرآن مجید کہتا ہے:

''کوئی انسان نہیں جانتا ہے کہ کیسی چیزیں کہ جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب ہیں اس کے لئے پنہاں رکھی گئی ہیں''۔

(الٓمٓ سجدہ۔۱۷)

اس جہان پر حاکم اس عالم پر حاکم نظام سے مکمل طور پر مختلف ہے یہاں افراد بطور گواہ عدالت میں جاتے ہیں لیکن وہاں ہاتھ اور پاؤں یہاں تک کہ بدن کی جلد بھی گواہی دے گی۔(یٰسین۔۶۵۔فصلت۔۳۱)

بہر حال دوسرے جہان کے بارے میں جو کچھ بھی کہا جائے وہ صرف دور کی ایک بات ہے کہ جس قدر ہماری سمجھ میں آتی ہے۔اور اسی سے جنت ودوزخ اور ان کی نعمتوں اور عذابوں کی کیفیت کے بارے میں بھی جواب دیا جا سکے گا۔

ہم تو اسی قدر جانتے ہیں کہ جنت تو انواع واقسام کی خدائی نعمتوں کا مرکز ہے، چاہے وہ مادی ہوں یا روحانی اور دوزخ دونوں جہان کے شدید ترین عذابوں کا مرکز ہے۔لیکن ان دونوں کی جزئیات کے بارے میں قرآن مجید نے کچھ اشارے بیان کیے ہیں کہ جن پر ہم ایمان رکھتے ہیں لیکن ان کی تفصیلات جب تک کوئی نہ دیکھے، نہیں جانتا۔

سورۂ صافات

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی

اسکی ۱۸۲ آیات ہیں

سورہ صافات کے مطالب

مجموعی طور پر اس سورہ کے مطالب کا پانچ حصوں میں خلاصہ ہوتا ہے۔

پہلا حصہ: خدا کے فرشتوں کے مختلف گروہوں کے بارے میں بحث کی گئی ہے اور ان کے مقابلے میں سرکش شیطانوں کے گردہوں اور ان کے انجام کو بیان کیا گیا ہے۔

دوسرا حصہ: کافروں نبوت و معاد کے بارے میں ان کے انکار اور قیامت میں ان کے انجام کو بیان کیا گیا ہے اور اسی کے ساتھ مربوط قیامت میں ان کی آپس کی بحث اور گناہ کو ایک دوسرے کی گردن میں ڈالنے اور ان سب کے عذاب الٰہی میں گرفتار ہونے کا ذکر ہے۔علاوہ ازیں بہشت کی بڑی بڑی نعمتوں اور بہشتیوں کے لیے خوشیوں، لذتوں اور زیبائیوں کو بیان کیا گیا ہے۔

تیسرا حصہ: بزرگ انبیاء مثلاً حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت اسحٰق، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت الیاس حضرت لوط اور حضرت یونس علیہم السلام کی تاریخ کے ایک حصے کو مختصر اور مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے لیکن اسی میں بت شکن بہادر ہیرو ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بحث اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

چوتھا حصہ: شرک کی ایک بدترین قسم کا ذکر ہے۔یعنی جنوں اور خدا یا فرشتوں اور خدا کے درمیان رشتہ داری کا اعتقاد۔

پانچواں حصہ یہ اس سورہ کا آخری حصہ ہے چند مختصر آیات ہیں۔لشکر حق کی کفر و شرک و نفاق کے لشکر پر فتح و پیروزی کا ذکر ہے اہل شرک و نفاق کے عذاب الٰہی میں گرفتار ہونے کا تذکرہ ہے۔ان ناروا نسبتوں سے جو مشرکین ضمناً تنزیہ و تقدیس پروردگار بھی بیان کی گئی ہے۔

سورۂ صافات کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے:

''جو شخص سورۂ صافات کو پڑھے اسے تمام جنوں اور شیطانوں کی تعداد سے دس گنا نیکیاں دی جاتی ہیں اور سرکش شیطان اس سے دور رہتے ہیں اور وہ شرک سے پاک رہتا ہے اور دوہ دونوں فرشتے جو اس کی حفاظت پر مامور ہیں قیامت میں اس کے لئے گواہی دیں گے کہ یہ خدا کے رسولوں پر ایمان رکھتا تھا''۔

ایک دوسری حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے اس طرح منقول ہے:

''جو شخص سورۂ صافات ہر جمعہ کو پڑھے گا وہ ہر آفت سے محفوظ رہے گا اور دنیا کی زندگی میں ہر بلا اس سے دور رہے گی خداوند تعالیٰ اس کے رزق میں کشادگی کرے گا اور اس کے مال و اولاد اور بدن پر شیطان رجیم اور جابر دشمن کو مسلط نہیں ہونے دے گا اور اگر اس دن یا رات کو دنیا سے کوچ کر جائے تو خدا اسے شہید اٹھائے گا اور شہید کی موت دے گا۔

اور اسے بہشت میں شہداء کے درجے میں جگہ عطا فرمائے گا''۔

تلاوت کا مقصد غور وفکر کرنا ہے اس کے بعد اس پر اعتقاد رکھنا اور پھر اس پر عمل کرنا ہے اور بلا شک وشبہ جو شخص اس سورہ کی اس طریقہ سے تلاوت کرے گا وہ شیاطین کے شر سے بھی محفوظ رہے گا اور شرک سے بھی پاک ہو جائے گا وہ صحیح اور محکم اعتقاد رکھنے اور اعمال صالح بجا لانے اور انبیاء کی سرگزشت اور سابقہ اقوام کے واقعات سے نصیحت حاصل کرنے سے شہیدوں کے زمرے میں بھی قرار پائے گا۔ ضمنی طور پر بھی کہہ دیا جائے کہ اس سورہ کا نام صافات اس کی پہلی آیت کی مناسبت سے ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔
(۱) وَ الصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ	قسم ہے صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کی (جو اپنی صفوں کو منظم رکھے ہوئے ہیں)
(۲) فَالزّٰجِرٰتِ زَجۡرًا ۙ	پھر قسم ہے ان کی جو سختی کے ساتھ منع کرتے ہیں۔
(۳) فَالتّٰلِيٰتِ ذِكۡرًا ۙ	وہی کہ جو پے در پے ذکر (الٰہی) کی تلاوت کرتے ہیں۔
(۴) اِنَّ اِلٰهَكُمۡ لَوَاحِدٌ ؕ	تمہارا معبود یقیناً یکتا ہے۔
(۵) رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَيۡنَهُمَا وَ رَبُّ الۡمَشَارِقِ ؕ	وہ آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا بھی اور وہ مشرقوں کا رب ہے۔

تفسیر

وہ فرشتے جو انجام امور کے لیے آمادہ رہتے ہیں

یہ قرآن مجید کی وہ پہلی سورہ ہے جس کا آغاز قسم سے ہوتا ہے۔ اس کی پر معنی اور فکر انگیز قسمیں انسان کی فکر کو اپنے ساتھ اس جہاں کے مختلف گوشوں کی طرف کھینچ لے جاتی ہیں۔ اور حقائق قبول کرنے پر آمادہ کرتی ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ خدا سب سے بڑھ کر راست گو ہے اسے قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اگر قسم مومنین کے لیے ہو تو وہ قسم کے بغیر بھی تسلیم خم کیے ہوئے ہیں اور اگر منکرین کے لیے ہے تو وہ خدا کی قسموں پر اعتقاد ہی نہیں رکھتے۔

لیکن قرآن کی تمام آیات میں جن سے اس کے بعد ہمیں کبھی کبھی واسطہ پڑے گا، دو نکات کی طرف توجہ سے قسم کا مسئلہ واضح ہو جائے گا۔

پہلا یہ کہ قسم ہمیشہ قابل قدر اور اہم امور کے بارے میں کھائی جاتی ہے۔ اس بناء پر قرآنی قسمیں ان امور کی عظمت اور

اہمیت کی دلیل ہیں کہ جن کی قسم کھائی گئی ہے۔ دوسرا یہ کہ قسم ہمیشہ تاکید کے لیے ہوتی ہے اور اس امر کی دلیل ہوتی ہے کہ وہ امور جن کے لیے قسم کھائی جا رہی ہے ایسے ہیں کہ جن کے بارے میں تاکید شدید ہے۔ بہرحال اس سورہ کی ابتداء میں ہمیں تین نام ملتے ہیں جن کی قسم کھائی گئی ہے۔ پہلے فرماتا ہے: قسم ہے ان کی جو صف باندھے ہوئے ہیں اور جنہوں نے اپنی صفوں کو منظم کیا ہوا ہے۔

(۲) وہی جو پوری قوت کے ساتھ روکتے ہیں۔

(۳) وہ وہ ہمہ وقت ذکر الٰہی کی تلاوت کرتے رہتے ہیں۔

مشہور و معروف یہی ہے کہ یہ فرشتوں کے اوصاف ہیں۔

ایسے گروہ جو فرمان الٰہی کو انجام دینے کے لیے عالم ہستی میں صف باندھے ہوئے آمادہ تعمیل ہیں۔ فرشتوں کے ایسے گروہ جو انسانوں کو گناہ سے روکتے ہیں اور شیطانوں کے وسوسوں کو ان کے دلوں میں بے اثر کرتے ہیں یا آسمان کے بادلوں پر مامور ہیں اور انہیں ادھر ادھر دھکیلتے ہیں اور انہیں خشک سرزمینوں کی سیرابی کے لیے لے جاتے ہیں۔ اور آخر میں فرشتوں کے وہ گروہ جو آسمانی کتابوں کی آیات نزول وحی کے وقت پیغمبروں کے سامنے پڑھتے ہیں۔

(۴) آیئے اب یہ دیکھتے ہیں کہ ملائکہ اور انسانوں کی صفوں کی یہ پر معنی قسمیں کس مقصد کے لیے کھائی گئی ہیں۔ یہ آیت اس مقصد کو واضح کرتے ہوئے کہتی ہے: تمہارا معبود یقیناً یکتا ہے۔

قسم ہے ان مقدسات کی جو بیان کیے گئے ہیں، کہ تمام بت تباہ و برباد ہیں اور پروردگار کا کوئی کسی قسم کا شریک شبیہ و نظیر نہیں ہے۔

(۵) اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے: وہی جو آسمانوں کا بھی رب ہے اور زمین کا بھی، اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا بھی اور سب مشرقوں کا پروردگار ہے۔

آسمان کا سورج سال بھر میں روزانہ ایک نئے نقطے سے طلوع کرتا ہے اور ان نقاط کا ایک دوسرے سے فاصلہ اس قدر منظم اور دقیق ہے کہ ایک سیکنڈ کا ہزارواں حصہ بھی کم یا زیادہ نہیں ہوتا اور لاکھوں سال گزر چکے ہیں مگر سورج کے مشارق کا نظم وضبط اسی طرح قائم و برقرار ہے۔

دوسرے ستاروں کے طلوع و غروب میں بھی یہی نظام کارفرما ہے۔

(٦) اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡيَا بِزِيۡنَةِ اِۨلۡكَوَاكِبِ ۙ	ہم نے نچلے آسمان کو ستاروں کے ساتھ زینت بخشی۔
(٧) وَ حِفۡظًا مِّنۡ كُلِّ شَيۡطٰنٍ مَّارِدٍ ۚ	اور اس کی ہر سرکش شیطان خبیث سے حفاظت کی۔
(٨) لَا يَسَّمَّعُوۡنَ اِلَى الۡمَلَاِ الۡاَعۡلٰى وَ يُقۡذَفُوۡنَ مِنۡ كُلِّ جَانِبٍ ۖ	وہ عالم بالا کے فرشتوں کی (باتوں کو) نہیں سن سکتے (اور اگر وہ سننا چاہیں) تو ہر طرف سے تیروں کا نشانہ بنتے ہیں۔

(۹) دُحُورًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ	وہ شدت کے ساتھ پیچھے کی طرف دھکیلے جاتے ہیں اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔
(۱۰) اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ	مگر جو مختصر سے لمحے کے لیے اچٹتی سی بات سننے کے لیے آسمان کے نزدیک ہوتے ہیں۔ تو شہاب ثاقب ان کا تعاقب کرتے ہیں۔

تفسیر

شیاطین کے نفوذ سے آسمان کی حفاظت

گزشتہ آیات میں فرشتوں کی مختلف صفوں کے بارے میں گفتگو تھی، جن کی بہت بڑی ذمہ داریاں ہیں اور زیر بحث آیات میں ان کے مدمقابل یعنی شیاطین کے مختلف گروہوں اور ان کے انجام کے بارے میں گفتگو ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ مشرکین کی اس جماعت کے اعتقاد کو باطل کرنے کے لیے ایک مقدمہ ہو، جو شیاطین اور جنوں کو اپنا معبود قرار دیتے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے: ہم نے نزدیکی آسمان (نچلے آسمان) کو ستاروں سے مزین کیا ہے۔

واقعاً آسمان کے ستاروں کا منظر اس قدر خوبصورت ہے کہ ہر گز آنکھ اس کے دیکھنے سے نہیں تھکتی، بلکہ انسانی وجود سے ساری خستگی کو دور کردیتا ہے۔ اگرچہ یہ مسائل، ہمارے زمانے میں شہروں کے رہنے والوں کے لیے کچھ مفہوم نہیں رکھتے کیونکہ وہ کارخانوں کے دھوئیں میں ڈوبے رہتے ہیں اور ان پر ایک سیاہ تاریک آسمان ہوتا ہے، لیکن دیہاتوں کے رہنے والے اب بھی قرآن کے اس ارشاد کی عملی صورت یعنی آسمان کا درخشاں ستاروں سے مزین ہوتا دیکھ سکتے ہیں)۔

(۷) اس آیت میں آسمان کے شیاطین کے نفوذ سے محفوظ رہنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ہم نے اسے ہر خبیث اور خیر و نیکی سے عاری شیطان سے محفوظ رکھا ہے۔

(۸) اس کے بعد مزید فرمایا: وہ عالم بالا کے فرشتوں کی باتوں کو نہیں سن سکتے اور غیب کے اسرار ان سے نہیں معلوم کرسکتے اور اگر ایسا کرنا چاہتے ہیں تو ہر طرف سے شہاب کے تیروں کا نشانہ بنتے ہیں۔

(۹) ہاں انہیں شدت کے ساتھ پیچھے کی طرف دھکیل دیا جاتا ہے۔ اور انہیں آسمان کے منظر سے نکال دیا جاتا ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ شیاطین نہ صرف آسمان تک پہنچنے سے روک دیتے جاتے اور بھگائے جاتے ہیں بلکہ آخرکار دائمی عذاب میں بھی گرفتار ہوجاتے ہیں۔

(۱۰) آیت میں سرکشی اور جسارت کرنے والے شیطانوں کے ایک گروہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو آسمان کی بلندی کی

طرف جانے کا ارادہ کرتے ہیں، قرآن فرماتا ہے: مگر وہ جو مختصر سے لمحے کے لیے چوری چھپے اچٹتی سی بات سننے کے لیے آسمان کے نزدیک ہو جائیں تو شہاب ثاقب ان کا پیچھا کرتے ہیں۔ اور انہیں جلا دیتے ہیں۔

"خطفة" اصل میں اس شعلہ کے معنی میں ہے جو جلتی ہوئی آگ سے بلند ہوتا ہے اور وہ آتشی شعلے جو آسمان میں ایک لمبے خط کی صورت میں ابھرتے ہیں انہیں بھی شہاب کہتے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ یہ ستارے نہیں ہیں بلکہ ستاروں کے مانند پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں جو فضا میں پھیلے ہوئے ہیں یہ زمین کی کشش کی حدود میں آجاتے ہیں تو پھر زمین کی طرف دوڑتے ہیں اور زمین کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہوا کے ساتھ تیزی اور شدت سے ٹکرانے کی وجہ سے شعلہ ور ہو جاتے ہیں۔

"ثاقب" نفوذ کرنے والے اور سوراخ کرنے والے کے معنی میں ہے۔ گویا شدید نور کا اثر آنکھوں میں سوراخ کر کے انسان کی آنکھ کے اندر نفوذ کر جاتا ہے اور یہاں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ جس چیز سے ٹکراتا ہے اس میں سوراخ کر کے آگ لگا دیتا ہے۔

(۱۱) فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ	ان سے پوچھو کیا ان کی خلقت (اور معاد) زیادہ مشکل ہے یا فرشتوں اور آسمان و زمین کی خلقت؟ ہم نے انہیں چپکنے والی مٹی سے پیدا کیا ہے۔
(۱۲) بَلْ عَجِبْتَ وَ يَسْخَرُوْنَ ۠	تو ان کے انکار (معاد) سے تعجب کرتا ہے لیکن وہ تو (معاد کا) مذاق اڑاتے ہیں۔
(۱۳) وَ اِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ۠	اور جس وقت انہیں نصیحت کی جائے تو وہ ہرگز متوجہ نہیں ہوتے۔
(۱۴) وَ اِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ۠	اور جب وہ کوئی معجزہ دیکھیں تو دوسروں کو بھی ٹھٹھا کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔
(۱۵) وَ قَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۚۖ	اور کہتے ہیں یہ تو نرا کھلا جادو ہے۔

تفسیر

وہ ہرگز حق کو قبول نہیں کریں گے

یہ آیات بھی مسئلہ قیامت اور ہٹ دھرم منکرین کی مخالفت کو بیان کر رہی ہیں۔

گزشتہ بحث کے بعد اب ان آیات میں قرآن ہر چیز پر خداوند تعالٰی اور آسمان وزمین کے خالق کی قدرت کے متعلق فرماتا ہے: ان سے پوچھو کیا ان کی خلقت اور معاد زیادہ مشکل اور سخت تر ہے یا فرشتوں اور آسمانوں وزمین کی خلقت۔

ہاں ہم نے انہیں ایک معمولی سی چیز، چپکنے والی مٹی سے پیدا کیا۔

گویا مشرکین جو معاد کے منکر تھے انہوں نے گزشتہ آیات سننے کے بعد یہاں اظہار کیا کہ ہماری خلقت آسمان وزمین اور فرشتوں کی خلقت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے، انسانوں کی خلقت، وسیع زمین وآسمان اور ان فرشتوں کی خلقت کے مقابلے میں جو اِن عوالم میں ہیں کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی، کیونکہ انسان کی خلقت کا مبداء مٹھی بھر چپکنے والی مٹی سے زیادہ نہیں ہے۔

کیونکہ انسان کی خلقت کا پہلا مبداء تو مٹی ہی ہے اس کے بعد اس میں پانی ملایا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ اس نے بدبودار گارے کی صورت اختیار کی۔ اس کے بعد وہ چپکنے والا گارا بن گیا اس بیان کے ساتھ قرآن مجید کی آیات کی گوناگوں تعبیرات جمع ہو جاتی ہیں۔

(۱۲) اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے تو ان کے معاد کے بارے میں انکار سے تعجب کرتا ہے لیکن وہ تو معاد کا مذاق اڑاتے ہیں۔

تو تو اپنے پاک دل کے باعث اس مسئلے کو اتنا واضح سمجھتا ہے کہ ان کے انکار سے تعجب میں ڈوب جاتا ہے، لیکن یہ ناپاک دل اسے اس قدر محال سمجھتے ہیں کہ اس کا تمسخر اڑانے لگے ہیں۔

(۱۳) ان برائیوں کا عامل صرف لاعلمی اور جہالت نہیں ہے بلکہ ہٹ دھرمی اور عناد ہے۔ اس لیے جب انہیں یاددہانی کرائی جائے۔ معاد کے دلائل اور خدائی عذاب کی یاددہانی۔ تو وہ ہرگز متوجہ نہیں ہوتے اور اسی طرح سے اپنی راہ پر چلتے رہتے ہیں۔

(۱۴) اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ: جب وہ تیرے معجزات میں سے کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو نہ صرف خود تمسخر اڑاتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی ٹھٹھا کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔

(۱۵) اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے اور کچھ نہیں۔

(۱۶) ءَاِذَا مِتۡنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ	وہ کہتے ہیں جب ہم مر گئے اور خاک اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟
(۱۷) اَوَ اٰبَآؤُنَا الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ	یا ہمارے گزشتہ آباؤاجداد (لوٹائے جائیں گے؟
(۱۸) قُلۡ نَعَمۡ وَ اَنۡتُمۡ دٰخِرُوۡنَ ۚ	کہدو: ہاں! (تم سب زندہ کیے جاؤ گے) جبکہ تم ذلیل وخوار ہو گئے۔

(۱۹) فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ یَنْظُرُوْنَ	صرف ایک ہی عظیم آواز بلند ہوگی، پس اچانک وہ محشر کا منظر دیکھیں گے۔
(۲۰) وَ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا هٰذَا یَوْمُ الدِّیْنِ	اور کہیں گے: وائے ہو ہم پر یہ جزا کا دن ہے؟
(۲۱) هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ	ہاں! یہ وہی جدائی کا دن ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے (حق کی باطل سے جدائی کا دن)۔
(۲۲) اُحْشُرُوا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَ اَزْوَاجَهُمْ وَ مَا كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ	(اس وقت فرشتوں کو حکم دیا جائے گا) ظالموں اور ان کے ساتھیوں اور جن جن کی وہ پرستش کیا کرتے تھے۔
(۲۳) مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰی صِرَاطِ الْجَحِیْمِ	(ہاں جن کی بھی وہ) خدا کے سوا پرستش کیا کرتے تھے انہیں جمع کرو اور انہیں جہنم کے راستے پر چلتا کردو۔

تفسیر

کیا ہم اور ہمارے آباء پھر زندہ ہو جائیں گے؟

قرآن ابھی منکرین معاد کی گفتگو اور ان کو دیئے گئے جواب کو جاری رکھے ہوئے ہے پہلی آیات منکرین کا معاد کو بعید جاننا اس طرح بیان کرتی ہے کہ وہ کہتے ہیں: کیا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہوگئے تو دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟

(۱۷) اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کیا ہمارے گزشتہ آباؤ اجداد بھی اٹھائے جائیں گے؟

وہی جن کے وجود سے مٹھی بھر بوسیدہ ہڈیوں یا بکھری ہوئی مٹی کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ کون ہے ایسا جو ان بکھرے ہوئے اجزاء کو اکٹھا کر سکے اور انہیں لباس حیات پہنا سکے؟ لیکن یہ دل کے اندھے اس بات کو بھولے ہوئے ہیں

کہ پہلے دن وہ سب کے سب خاک ہی تو تھے، وہ مٹی ہی سے پیدا کئے گئے تھے اگر انہیں خدا کی قدرت میں شک ہے تو انہیں جاننا چاہیے کہ خدا نے انہیں ایک مرتبہ قدرت دکھا دی اور اگر انہیں مٹی کی قابلیت میں شک ہے تو اس کا ایک مرتبہ ثبوت مل چکا۔

(۱۸) اس کے بعد قرآن انہیں ٹھونک بجا کر جواب دیتا ہے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہتا ہے۔ انہیں کہہ دو: ہاں تم بھی اور تمہارے سارے آباؤ اجداد بھی پھر زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے، اس حالت میں کہ تم سب کے سب ذلیل و خوار اور حقیر ہو گے۔

(۱۹) کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تمہارا اور تمہارے سارے گزشتہ آباؤ اجداد کا زندہ کرنا قادر و توانا خدا کے لئے کچھ مشکل کام ہے اور کچھ بہت ہی سخت عمل ہے؟ نہیں۔ صرف ایک ہی صیحہ اور عظیم آواز خدا کے مامور کی طرف سے بلند کی جائے گی تو اچانک سب

کے سب قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور زندہ ہو جائیں گے اور خود اپنی آنکھوں سے محشر کا منظر دیکھیں گے جس کی اس دن تک تکذیب کیا کرتے تھے۔

(۲۰) اس موقع پر ان مغرور و سرکش مشرکین کی چیخ و پکار بلند ہوگی جو ان کی بدحالی اور بے چارگی کی نشانی ہے اور وہ کہیں گے: وائے ہو ہم پر، یہ تو یوم جزا ہے۔ ہاں! جس وقت ان کی نگاہیں عدالت الٰہی، اس عدالت کے گواہوں اور فیصلہ کرنے والوں اور عذاب کی نشانیوں اور علامت پر پڑیں گی تو بے اختیار نالہ و فریاد کریں گے اور اپنے پورے وجود کے ساتھ قیامت کی حقانیت کا اعتراف کرلیں گے لیکن ایسا اعتراف ان کی کسی مشکل کو حل نہیں کر سکے گا۔

(۲۱) اس موقع پر خدا یا ملائکہ کی طرف سے خطاب ہوگا: ہاں! آج وہی جدائی کا دن ہے جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔ حق کی باطل سے جدائی، بدکاروں کی صفوں کی نیکوکاروں سے علیحدگی اور پروردگار بزرگ و برتر کے فیصلہ اور عدالت کا دن۔

اس دنیا کی طبیعت و مزاج حق و باطل کی آمیزش ہے جبکہ قیامت کی طبیعت و مزاج ان دونوں کی ایک دوسرے سے جدائی ہے۔

(۲۲) اس کے بعد خدا ان فرشتوں کو جو مجرموں کو دوزخ کی طرف چلانے پر مامور ہیں حکم دے گا: ظالموں اور ان کے مانند کام کرنیوالوں اور جن کی وہ پرستش کیا کرتے تھے سب کو جمع کر دو۔

(۲۳) ہاں! جن کی وہ خدا کے سوا پرستش کیا کرتے تھے انہیں چلتا کرو اور دوزخ کا راستہ دکھاؤ۔

"صراط مستقیم" کی ہدایت کی گئی۔ لیکن انہوں نے اسے قبول نہ کیا تو آج ان کی صراط جحیم کی طرف راہنمائی ہونا چاہیے اور وہ مجبور ہیں کہ اسے قبول کریں، یہ ایک ایسی گراں بار سرزنش ہے جو ان کی روح کی گہرائیوں کو جلا دے گی۔

(۲۴) وَ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ	انہیں روکو! ان سے پوچھ گچھ ہوگی۔
(۲۵) مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ	تم ایک دوسرے سے مدد طلب کیوں نہیں کرتے؟
(۲۶) بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ	لیکن وہ تو اس دن خدا کی قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوں گے۔
(۲۷) وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ	(اور اس حالت میں) ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔
(۲۸) قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ	ایک گروہ کہے گا (گمراہ پیشواؤ) تم (ہمارے پاس) خیر خواہی اور نیکی کے بہانے سے آتے تھے۔

(۲۹) قَالُوۡا بَلۡ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ۚ	وہ (گمراہ پیشوا) جواب دیں گے: تم خود ہی اہل ایمان نہیں تھے؟
(۳۰) وَ مَا کَانَ لَنَا عَلَیۡکُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍ ۚ بَلۡ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا طٰغِیۡنَ	ہمارا تم پر کوئی اختیار نہ تھا بلکہ تم خود ہی سرکش قوم تھے۔
(۳۱) فَحَقَّ عَلَیۡنَا قَوۡلُ رَبِّنَاۤ ٭ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوۡنَ	اب خدا کا فرمان ہم سب پر مسلم ہو گیا ہے اب تو ہم سبھی اس کے عذاب کا مزہ چکھیں گے
(۳۲) فَاَغۡوَیۡنٰکُمۡ اِنَّا کُنَّا غٰوِیۡنَ	ہاں! ہم نے تمہیں گمراہ کیا ہے جیسا کہ ہم خود گمراہ تھے۔

تفسیر

دوزخ میں گمراہ پیشواؤں اور پیروکاروں کی گفتگو

جیسا کہ ہم گزشتہ آیات میں جان چکے ہیں کہ عذاب کے فرشتے ظالموں اور ان کے ہم خیالوں کو بتوں اور جھوٹے معبودوں کے ہمراہ اکٹھا چلتا کریں گے اور انہیں جہنم کی راہ پر ڈال دیں گے۔اس بات کو جاری رکھتے ہوئے قرآن کہتا ہے: اس موقع پر خطاب ہو گا، انہیں روکو ابھی ان سے پوچھ گچھ ہونا ہے۔

ہاں ان سے کس چیز کے بارے میں سوال ہوگا؟

ایک مشہور و معروف روایت میں جو سنی وشیعہ طریقہ سے منقول ہے، یہ کہا گیا ہے کہ علی علیہ السلام کی ولایت کے بارے میں سوال ہوگا۔لیکن یہ ایک روشن مصداق ہے کیونکہ اس دن ہر چیز کے بارے میں سوال ہوگا عقائد، توحید، ولایت علی علیہ السلام گفتار و کردار اور ان نعمتوں کے بارے میں جو خدا نے انسان کو عطا فرمائی ہیں۔

(۲۵) بہر حال جس وقت یہ بے بس دوزخی جہنم کی راہ پر چلتا کیے جائیں گے ان کا ہاتھ ہر طرف سے بے بس ہو جائے گا انہیں کہا جائے گا دنیا میں تو تم مشکلات کے وقت ایک دوسرے کی پناہ لیتے تھے اور دوسرے سے مدد طلب کرتے تھے اب یہاں ایک دوسرے سے مدد کیوں نہیں مانگتے۔

ہاں! تم دنیا میں جتنے سہارے اپنے لئے خیال کرتے تھے یہاں وہ سب ختم ہو گئے تم ایک دوسرے سے مدد لے سکتے ہو نہ ہی تمہارے معبود تمہاری مدد کو آ سکتے ہیں کیونکہ وہ تو خود بے بس اور گرفتار ہوں گے۔

(۲۶) اس آیت میں مزید فرمایا ہے بلکہ وہ تو اس دن خضوع و خشوع کیساتھ سر تسلیم خم کیے ہوں گے اور مخالفت تو کجا ان میں اظہار وجوہ کی بھی سکت نہ ہوگی۔

(۲۷) اس موقع پر وہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہنا شروع کر دیں گے اور ہر ایک اپنا گناہ دوسرے کی گردن میں ڈالنے کے لئے بضد ہوگا پیروی کرنے والے اپنے پیشواؤں اور سربراہوں کو قصوروار ٹھہرائیں گے۔ اور پیشوا اپنے پیروکاروں کو جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے اور وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کریں گے اور ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

(۲۸) گمراہ پیروکار اپنے گمراہ کرنے والے پیشواؤں سے کہیں گے تم شیطان صفت نصیحت، خیر خواہی اور ہمدردی کے نام پر اور ہدایت و رہنمائی کے بہانے ہمارے پاس آتے تھے۔ لیکن تمہارے کام میں مکروفریب کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

ہم تو فطرت کے تقاضے کے مطابق نیکی، پاکیزگی اور سعادت کے طالب تھے لہٰذا ہم نے تمہاری دعوت پر لبیک کہا ہمیں خبر نہ تھی کہ اس خیرخواہی کے چہرے کے پیچھے شیطان صفت چہرہ چھپا ہوا ہے، جو ہمیں بدبختی کے گڑھے میں گرادے گا ہاں ہمارے سارے کے سارے گناہ تمہاری ہی گردن پر ہیں۔ ہمارا تو حسن نیت اور پاک دلی کے سوا کوئی جذبہ نہ تھا اور تم شیطان صفت جھوٹوں کے پاس بھی مکر وفریب کے سوا کچھ نہ تھا۔

(۲۹) ہر حال ان کے پیشوا بھی خاموش نہیں رہیں گے اور جواب میں کہیں گے تم خود ہی اہل ایمان نہیں تھے۔

اگر تمہارا مزاج آمادۂ انحراف نہ ہوتا، اگر تم خود ہی شر وشیطنت کے طالب نہ ہوتے تو ہمارے پاس کہاں آتے؟ تم نے انبیاء اور نیک و پاک لوگوں کی دعوت کو قبول کیوں نہ کیا؟ ہمارے ایک ہی اشارے پر تم سر کے بل کیوں دوڑ پڑے؟ پس معلوم ہوتا ہے کہ خود تمہیں میں عیب تھا۔ جاؤ اور خود اپنے آپ کو ملامت کرو اور جو لعن طعن کرنا چاہتے ہو خود کو کرو۔

(۳۰) ہماری دلیل واضح ہے ہم کسی قسم کا تسلط تم پر نہیں رکھتے تھے اور ہم نے تم پر کوئی جبر اور زبردستی نہیں کی تھی۔

بلکہ تم خود ہی ایک سرکش اور حد سے بڑھنے والی قوم تھے اور تمہاری ستم گری کی عادت تمہاری بدبختی کا سبب بنی۔

کتنی دردناک ہے یہ بات کہ انسان یہ دیکھے کہ اس کا وہ رہبر و پیشوا جس کا وہ ایک عمر تک دل سے عقیدت مند رہا تھا، اس نے اس کی بدبختی کے اسباب فراہم کیے ہیں اس کے بعد اس طرح سے ان سے بیزاری اختیار کر رہا ہے۔ اور تمام گناہ اس کی گردن پر ڈال رہا ہے اور خود کو بالکل بری الذمہ قرار دے رہا ہے۔

حقیقت یہ کے یہ دونوں گروہ ایک جہت سے سچ کہہ رہے ہوں گے۔

(۳۱) لہٰذا ان باتوں کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور آخر کار یہ پیشوا اس حقیقت کا اعتراف کرلیں گے اور کہیں گے: اسی بنا پر ہمارے پروردگار کا فرمان ہم سب پر لاگو ہو گیا ہے اور عذاب کا حکم سبھی کے لئے صادر ہو گیا ہے اور ہم سب اس کے عذاب کا مزہ چکھیں گے۔

تم سب کے سب سرکش تھے اور سرکشوں کا انجام یہی ہے اور تم تھے بھی گمراہ اور گمراہ کرنیوالے۔

(۳۲) ہم نے تمہیں بھی گمراہ کیا ہے اور ہم تو خود گمراہ تھے ہی۔ اس بنا پر اس میں تعجب کی کون سی بات ہے کہ ہم سب کے سب ان مصیبتوں اور عذاب میں شریک رہیں۔؟

(۳۳) فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِی الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ	وہ سب کے سب (گمراہ پیشوا اور پیروکار) اس دن عذاب میں مشترک ہوں گے۔
(۳۴) اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ	ہاں! ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔
(۳۵) اِنَّهُمْ كَانُوْآ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ	وہ ایسے تھے کہ جب ان سے ''لا الله الا اللّٰہ'' کہا جاتا تھا تو وہ تکبر کیا کرتے تھے
(۳۶) وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْآ اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ	اور ہمیشہ یہی کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے خداؤں کو ایک دیوانہ شاعر کی خاطر چھوڑ دیں۔
(۳۷) بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَ صَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ	(جبکہ) ایسا نہیں ہے بلکہ وہ تو حق لے کر آیا ہے اور اس نے گذشتہ پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔
(۳۸) اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ	لیکن تم یقینی طور پر (خدا کے) دردناک عذاب کا مزہ چکھو گے۔
(۳۹) وَ مَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	اور جو اعمال تم انجام دیا کرتے تھے بدلہ تو تمھیں صرف اسی کا ملے گا۔
(۴۰) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ	پروردگار کے مخلص بندوں کے سوا (جو اس تمام عذاب اور سزا سے محفوظ رہیں گے)۔

تفسیر

گمراہ پیشواؤں اور ان کے پیروکاروں کا انجام

قیامت کے دن جہنم کے پاس گمراہ پیروکاروں اور پیشواؤں کے جھگڑا کرنے کے بیان کے بعد اب زیر بحث آیات میں دونوں گروہوں کا انجام ایک ہی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ نیز ان کی بدبختی کے عوامل کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ان میں گویا مرض کا بیان بھی ہے اور علاج کا ذکر بھی پہلے فرمایا گیا ہے وہ سب کے سب پیرو اور پیشوا، اس دن عذاب الٰہی میں مشترک ہوں گے۔

البتہ ان کا عذاب میں مشترک ہونا، دوزخ اور عذاب الٰہی میں ان کے مختلف درجات میں مانع نہیں ہے، کیونکہ یقینی طور پر ایسا شخص جو ہزار ہا انسانوں کی گمراہی اور انحراف کا سبب بنا ہے ہرگز سزا اور عذاب میں ایک عام گمراہ فرد کے برابر نہیں ہوگا۔

(۳۴) اس کے بعد مزید تاکید کیلئے قرآن فرماتا ہے: ہم مجرموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا کرتے ہیں۔

یہ ہماری ہمیشہ کی سنت ہے، وہ سنت جو قانون عدالت سے پیدا ہوئی ہے۔

(۳۵) اس کے بعد ان کی بدبختی کی اصل بنیاد کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے وہ ایسے تھے کہ جب کلمہ توحید اور **لا الٰہ الا اللّٰہ** ان سے کہا جاتا تھا تو وہ تکبر کرتے تھے۔

ہاں! ان کے تمام انحرافات کی اصل جڑ اور بنیاد، تکبر اور خود کو برتر سمجھنا، حق کو قبول نہ کرنا غلط طریقوں اور باطل کی پیروی پر اصرار اور ہٹ دھرمی کرنا اور اس کے علاوہ تمام چیزوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا تھا۔

(۳۶) جبکہ وہ اپنے اس عظیم گناہ کے لئے بدتر از گناہ عذر پیش کیا کرتے اور ہمیشہ ہی کہتے تھے۔ کیا ہم اپنے خداؤں اور بتوں کو ایک دیوانے شاعر کے لئے چھوڑ دیں؟

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس لیے شاعر کہتے تھے کہ آپ کی باتیں اس طرح دلوں پر اثر کرتی تھیں اور انسانوں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیتی تھیں کہ جیسے آپ بہترین اشعار پڑھ رہے ہوں حالانکہ آپ کی باتیں بالکل شعر نہیں تھیں اور انہیں مجنون اس لئے کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماحول کا کوئی اثر قبول نہیں کرتے تھے اور ان ہٹ دھرم متعصب لوگوں کے بیہودہ عقائد کے مقابلے میں ڈٹے ہوئے تھے یہ ایسا کام تھا جو گمراہ عوام کی نگاہ میں ایک قسم کی جنون آمیز خودکشی تھی حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عظیم افتخار یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان حالات کے سامنے نہیں جھکے۔

(۳۷) اس کے بعد قرآن ان بے بنیاد باتوں کی نفی کرنے اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت اور مقام وحی کا دفاع کرنے کے لئے مزید کہتا ہے ایسا نہیں ہے وہ تو حق لے کر آیا ہے اور اسنے گزشتہ پیغمبروں کی تصدیق کی ہے۔

ایک طرف تو اس کی گفتگو کے مطالب اور دوسری طرف اس کی انبیاء کی دعوت کے ساتھ ہم آہنگی اس کی گفتگو کی صداقت کی دلیل ہے۔

(۳۸) لیکن اے دل کے اندھے مستکبر، اور بدزبان گمراہو! تم یقینی طور پر خدا کا دردناک عذاب چکھو گے

(۳۹) لیکن کہیں یہ گمان نہ کر لینا کہ خدا بھی انتقام جو ہے اور وہ تم سے اپنے پیغمبر کا انتقام لینا چاہتا ہے ایسا نہیں ہے بلکہ جو اعمال تم انجام دیا کرتے تھے بدلہ تو تمہیں صرف اسی کا ملے گا۔

حقیقت میں وہ تمہارے اعمال ہی ہوں گے جو تمہارے سامنے مجسم ہو جائیں گے اور تمہارے ساتھ رہیں گے۔ اور تمہیں آزار پہنچاتے رہیں گے۔

(۴۰) اس آیت میں آئندہ کے مباحث کے لئے ایک مقدمہ اور تمہید ہے اس میں ایک گروہ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا گیا

ہے: پروردگار کے مخصوص بندوں کے سوا، جو اس تمام تر سزا و عذاب سے دور اور محفوظ رہیں گے۔

ہاں! صرف یہی گروہ ہے کہ جسے اس کے اعمال کی ہی جزا نہیں ملے گی بلکہ خدا اس سے اپنے فضل و کرم کے ساتھ پیش آئے گا اور وہ بے حساب اجر حاصل کریں گے۔

(۴۱) اُولٰٓئِکَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ۙ	ان (مخلص بندوں) کے لئے ایک خاص اور معین روزی ہے۔
(۴۲) فَوَاكِهُ ۚ وَ هُمْ مُّكْرَمُوْنَ ۙ	(قسم قسم کے عمدہ عمدہ) پھل اور وہ محترم ہوں گے۔
(۴۳) فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۙ	بہشت کے پرنعمت باغوں میں۔
(۴۴) عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ	تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے (بیٹھے ہوں گے)۔
(۴۵) یُطَافُ عَلَیْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِیْنٍ ۙ	ان کے گرد شراب طہور سے لبریز پیالوں کا دور ہوگا۔
(۴۶) بَیْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚصلے	وہ شراب جو سفید چمکدار اور پینے والوں کے لئے لذت بخش ہو گی۔
(۴۷) لَا فِیْهَا غَوْلٌ وَّ لَا هُمْ عَنْهَا یُنْزَفُوْنَ	وہ شراب جس میں نہ عقل کو فاسد کرنے والی کوئی چیز ہوگی اور نہ ہی وہ مست کرنے والی ہوگی
(۴۸) وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِیْنٌ ۙ	ان کی ایسی بیویاں ہوں گی جو اپنے شوہر کے سوا کسی اور سے عشق و محبت نہ کریں گی ان کی آنکھیں بڑی بڑی (اور حسین) ہوں گی۔
(۴۹) كَاَنَّهُنَّ بَیْضٌ مَّكْنُوْنٌ	گویا وہ (لطافت اور سفیدی میں) پرندے کے چھپے ہوئے انڈوں کے مانند ہیں

تفسیر

بہشت کی نعمتوں کا ایک گوشہ

گزشتہ بحث کی آخری آیت میں عباد اللہ المخلصین کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی زیر بحث آیات ان بے شمار نعمتوں

کو بیان کر رہی ہیں جو خدا ان کو عطا فرمائے گا ان نعمتوں کا سات حصوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے پہلے قرآن کہتا ہے: ''ان کے لئے معلوم ومعین روزی ہے''۔

اس جملے ''ان کے لئے معلوم ومعین روزی ہے'' سے مراد معنوی نعمتیں، روحانی لذتیں اور حق تعالٰی کی ذات پاک کے جلووں کا دیدار اور اس کے عشق کے بادۂ ظہور سے سرمست ہونا ہے۔ وہی لذت جسے دیکھے بغیر کوئی نہیں جانتا۔

(۴۲) اس کے بعد دوسری نعمتوں کا بیان شروع ہوتا ہے سب سے پہلے قرآن بہشت کی نعمتوں کا نام لیتا ہے نعمتیں بھی ایسی جو بہشتیوں کو انتہائی احترام کے ساتھ دی جائیں گی، ان کے لئے طرح طرح کے پھل ہیں۔ اور وہ مکرم ومحترم ہیں۔ معزز مہمانوں کی طرح انتہائی احترام کے ساتھ ان کی پذیرائی ہوگی۔

(۴۳) طرح طرح کے پھلوں کی نعمت اور احترام واکرام کے بیان کے بعد، ان کی رہائش گاہ کا ذکر ہوتا ہے فرمایا گیا ہے ان کے ٹھہرنے کی جگہ بہشت کے سرسبز اور پرنعمت باغات ہیں۔ جو نعمت بھی وہ چاہئیں گے وہاں موجود ہے اور جو کچھ وہ ارادہ کریں گے ان کے سامنے حاضر ہے۔

(۴۴) چونکہ انسان کے لئے عظیم ترین لذتوں میں سے ایک بے تکلف، مخلص و باصفا دوستوں کی محبت بھری محفل ہے لہٰذا چوتھے مرحلے میں اس نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے وہ تختوں کے اوپر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے اور آنکھوں سے آنکھیں ملی ہوئی ہوں گی۔

(۴۵) نعمات جنت کے ذکر کے پانچویں مرحلے میں مشروبات اور شراب طہور کی بات ہو رہی ہے فرمایا گیا ہے شراب طہور کے لبریز پیالے ان کے گرد گھوم رہے ہیں اور جب بھی وہ ارادہ کرتے ہیں پیمانے سے سیراب ہوتے ہیں اور نشاط ومعنویت کے عالم میں ڈوب جاتے ہیں۔

یہ جام کسی گوشے میں پڑے ہوئے نہیں ہوں گے کہ وہ ان میں سے ایک جام کا تقاضا کریں گے بلکہ **''یطاف علیھم''** کی تعبیر کے مطابق ان کے گرد گھمائے جا رہے ہوں گے۔

(۴۶) اس کے بعد اس شراب طہور کے برتنوں کی تعریف کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے وہ سفید چمک دار ہیں اور پینے والوں کے لئے لذت بخش ہیں۔ ایک ایسی شراب ہے جو پاک ہے اور شیطانی رنگوں سے پاک سفید وشفاف ہے

(۴۷) چونکہ شراب، پیمانہ اور اس قسم کی چیزوں کا نام ممکن ہے کچھ اور مفاہیم کو ذہنوں کی طرف دعوت دے اس لئے اس آیت میں بلا فاصلہ ایک مختصر اور واضح جملے کے ساتھ ان تمام مفاہیم کو سننے والوں کے اذہان سے ہٹاتے ہوئے قرآن کہتا ہے وہ شراب طہور نہ تو فساد عقل کا سبب ہے اور نہ ہی مستی کا موجب۔

اس میں ہوشیاری ونشاط اور لذت روحانی کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے

(۴۸) اس آیت میں آخر کار قرآن چھٹے مرحلے میں جنت کی پاک وپاکیزہ بیویوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے ان

کے پاس ایسی بیویاں ہوں گی جو اپنے شوہروں کے سوا کسی اور سے محبت نہیں کرتیں ان کے غیر کو نگاہ تک اٹھا کر نہیں دیکھتیں اور ان کی آنکھیں بڑی بڑی اور خوبصورت ہیں۔

(۴۹) آیت ان جنتی بیویوں کی ایک اور صفت کو بیان کرتے ہوئے ان کی پاکیزگی کو اس عبارت کے ساتھ بیان کرتی ہے ان کا بدن بہت زیادہ پاکیزگی، سفیدی اور صفائی میں پرندے کے ان انڈوں کی طرح ہے کہ جسے نہ انسانی ہاتھ نے چھوا ہو اور نہ ہی اس پر گرد و غبار پڑا ہو، بلکہ وہ پرندے کے پر و بال کے نیچے پوشیدہ رہے ہوں۔

اہل بہشت کے لئے جو طرح طرح کی نعمتیں گزشتہ آیات میں بیان ہوئی ہیں وہ مادی و روحانی نعمتوں کا مجموعہ ہیں۔

جنت کی نعمتوں کی اصل حقیقت دنیا والوں سے وہاں جا کر انہیں دیکھے اور حاصل کیے بغیر پوشیدہ رہے گی۔

(۵۰) فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ	(اس حال میں جبکہ وہ اپنی باتوں میں مگن ہوں گے تو) بعض لوگ دوسرے بعض لوگوں کی طرف رخ کر کے سوال کریں گے
(۵۱) قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّىْ كَانَ لِىْ قَرِيْنٌ ۙ	ان میں سے ایک کہے گا میرا ایک ساتھی تھا۔
(۵۲) يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ	جو ہمیشہ یہ کہا کرتا تھا کیا (سچ مچ) تو نے بھی اس بات کو مان لیا ہے۔
(۵۳) ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ	کہ جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو (دوبارہ) زندہ کیے جائیں گے اور ہمیں جزا و سزا دی جائے گی؟
(۵۴) قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ	(اس کے بعد) کہے گا: کیا تم اس کی کوئی خبر لا سکتے ہو؟
(۵۵) فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِىْ سَوَآءِ الْجَحِيْمِ	اس موقع پر وہ تلاش کرنے لگے گا اور ادھر ادھر نظر دوڑائے گا تو اچانک اسے جہنم کے وسط میں دیکھے گا۔
(۵۶) قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ ۙ	(اسے دیکھ کر) وہ کہے گا: خدا کی قسم کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی کہ تو مجھے بھی جہنم کی طرف کھینچ لے جائے۔

(۵۷) وَ لَوۡ لَا نِعۡمَۃُ رَبِّیۡ لَکُنۡتُ مِنَ الۡمُحۡضَرِیۡنَ	اور اگر میرے پروردگار کی نعمت اور احسان نہ ہوتا تو میں بھی تیرے ساتھ جہنم میں ہوتا۔
(۵۸) اَفَمَا نَحۡنُ بِمَیِّتِیۡنَ ۙ	کیا تو دنیا میں یہ نہیں کہا کرتا تھا کہ ہم کبھی نہیں مریں گے؟
(۵۹) اِلَّا مَوۡتَتَنَا الۡاُوۡلٰی وَ مَا نَحۡنُ بِمُعَذَّبِیۡنَ	اس پہلی (دنیوی) موت کے سوا اب اور کوئی موت ہمارے پاس نہیں آئے گی اور نہ ہی ہمیں عذاب دیا جائے گا۔
(۶۰) اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ	سچ مچ یہ تو بہت ہی بڑی کامیابی ہے
(۶۱) لِمِثۡلِ ہٰذَا فَلۡیَعۡمَلِ الۡعٰمِلُوۡنَ	ہاں! مثال کے مطابق عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہئے۔

تفسیر

جہنمی دوست کی تلاش

گزشتہ آیات میں پروردگار کے مخلص بندوں کا ذکر تھا جو جنت کی طرح طرح کی نعمتوں میں غرق ہوں گے اچانک ان میں سے بعض اپنے ماضی اور دنیا کے دوستوں کی سوچ میں پڑ جائیں گے وہی دوست جنہوں نے اپنی راہ الگ کر لی تھی اور جنت میں جن کی جگہ خالی پڑی ہوگی وہ ان کا انجام جاننے کی کوشش کریں گے۔

ہاں! اس وقت جبکہ وہ گفتگو میں محو ہوں گے بعض دوسرے بعض کی طرف رخ کر کے سوال کر رہے ہوں گے۔

(۵۱) اچانک ان میں سے ایک کو کچھ باتیں یاد آئیں گی وہ دوسروں کیطرف منہ کر کے کہے گا دنیا میں میرا ایک دوست اور ہمنشیں تھا

(۵۲) لیکن افسوس وہ انحراف کی راہ پر چل پڑا اور منکرین قیامت کے ساتھ ہو گیا۔ وہ ہمیشہ مجھ سے کہا کرتا تھا کیا سچ مچ تو نے بھی اس بات کو باور کر لیا ہے اور تو بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔

(۵۳) کہ جس وقت ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو (دوبارہ) زندہ ہوں گے اور حساب و کتاب کے کٹہرے میں کھڑے ہوں گے اور اپنے اعمال و کردار کے جواب میں ہمیں مجازات کردار کا سامنا کرنا پڑے گا میں تو ان باتوں کو باور نہیں کرتا۔

اے دوستو! کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اب وہ کہاں ہے اور کن حالات میں ہے؟ افسوس اس کی جگہ ہمارے درمیان خالی پڑی ہے۔

(۵۴) اس کے بعد وہ مزید کہے گا: اے دوستو! کیا تم ادھر ادھر نظر دوڑا کر دیکھ سکتے ہو اور اس کا پتہ لگا سکتے ہو؟

(۵۵) اس موقع پر وہ خود بھی تلاش کے لئے کھڑا ہو جائے گا اور جہنم کی طرف ایک نگاہ ڈالے گا تو اچانک اپنے دوست کو وسط جہنم میں دیکھے گا۔

(۵۶) اسے مخاطب کرتے ہوئے آواز دے کر کہے گا: خدا کی قسم کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی کہ تو مجھے بھی گرادے اور ہلاکت کی طرف کھینچ لیجائے۔

(۵۷) کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی کہ تیرے وسوسے میرے صاف دل پر اثر انداز ہو جائیں اور مجھے بھی اسی کج راستے پر ڈال دیں کہ جس پر تو چل رہا تھا اگر لطف الٰہی میرا مددگار نہ ہوتا اور میرے پروردگار کی نعمت میری نصرت کو نہ پہنچتی، تو میں بھی آج تیرے ہی ساتھ جہنم کی آگ میں موجود ہوتا۔

یہ توفیق الٰہی ہی تھی جو میری رفیق راہ بنی اور اسی کی ہدایت کے لطف وکرم کے ہاتھ نے مجھ پر نوازش کی اور میری رہبری کی۔

(۵۸) اس موقع پر وہ اپنے جہنمی دوست کی طرف رخ کرے گا اور یہ بات سرزنش کے طور پر اسے یاد دلاتے ہوئے کہے گا کیا تو ہی دنیا میں یہ نہیں کیا کرتا تھا کہ ہم بھی نہیں مریں گے

(۵۹) سوائے اس پہلی دنیاوی موت کے اور اس کے بعد نہ کوئی نئی زندگی ہوگی اور نہ ہی ہمیں عذاب دیا جائے گا۔

(۶۰) واقعاً یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہوگی کہ انسان نعمت جاوداں اور حیات ابدی میں مستغرق ہو اور انواع واقسام کے الطاف الٰہی اس کے شامل حال ہوں۔ اس سے برتر وبالا اور کس چیز کا تصور ہو سکتا ہے۔

(۶۱) اس کے بعد خداوند عظیم ایک مختصر، بیدار کن اور معنی خیز جملے پر اس بحث کو ختم کرتا ہے اس مثال کے مطابق لوگوں کو عمل کرنا چاہیے۔

کتنی خوب صورت تعبیر پیش کرتا ہے کہتا ہے سعی وکوشش کرنے والوں کو اس طرح کے مقصد کے لئے سعی وکوشش کرنی چاہیے لہٰذا روحانی نعمتوں سے معمور جنت کیلئے اور جسمانی نعمتوں سے بھری ہوئی بہشت کے لئے جس کی شراب طہور انسان کو ملکوتی نشے میں غرق کردے گی اور اس کے باصفا دوستوں کی ہم نشینی دل پر کوئی غم نہ رہنے دے گی۔

(۶۲) اَذٰلِکَ خَیۡرٌ نُّزُلًا اَمۡ شَجَرَۃُ الزَّقُّوۡمِ	کیا یہ (جنت کی جاوداں نعمتیں) بہتر ہیں یا زقوم کا درخت؟
(۶۳) اِنَّا جَعَلۡنٰہَا فِتۡنَۃً لِّلظّٰلِمِیۡنَ	ہم نے اسے ظالموں کے لئے درد ورنج کا سبب قرار دیا ہے۔
(۶۴) اِنَّہَا شَجَرَۃٌ تَخۡرُجُ فِیۡۤ اَصۡلِ الۡجَحِیۡمِ ۙ	وہ ایسا درخت ہے جو قعر جہنم سے اگتا ہے

(۶۵) طَلۡعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوۡسُ الشَّيٰطِيۡنِ	اس کا شگوفہ شیاطین کے سروں کے مانند ہے
(۶۶) فَاِنَّهُمۡ لَاٰكِلُوۡنَ مِنۡهَا فَمَالِـئُوۡنَ مِنۡهَا الۡبُطُوۡنَ ؕ	وہ (مجرم) اس میں سے کھائیں گے اور اسی سے اپنا پیٹ بھریں گے
(۶۷) ثُمَّ اِنَّ لَهُمۡ عَلَيۡهَا لَشَوۡبًا مِّنۡ حَمِيۡمٍ ۚ	پھر اس کے اوپر گرم بدبودار پانی پئیں گے۔
(۶۸) ثُمَّ اِنَّ مَرۡجِعَهُمۡ لَاِلَى الۡجَحِيۡمِ	پس ان کی بازگشت جہنم کی طرف ہے
(۶۹) اِنَّهُمۡ اَلۡفَوۡا اٰبَآءَهُمۡ ضَآلِّيۡنَ ۙ	کیونکہ انہوں نے اپنے آبا وَاجداد کو گمراہ پایا۔
(۷۰) فَهُمۡ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمۡ يُهۡرَعُوۡنَ	اس کے باوجود وہ تیزی کے ساتھ انہیں کے پیچھے دوڑتے ہیں۔

تفسیر

اہل دوزخ کے لئے کچھ جانکاہ عذاب

جنت کی قیمتی اور روح بخش نعمتوں کے بیان کے بعد زیر بحث آیات میں دوزخ کے دردناک اور غم انگیز عذابوں کو بیان کیا گیا ہے ان کی اس طرح سے تصویر کشی کی گئی ہے جو مذکورہ نعمتوں کا موازنہ کرنے میں بیدار نفوس پر گہرا اثر مرتب کرتی ہیں اور انہیں ہر قسم کی برائی اور ناپاکی سے باز رکھتی ہیں۔

پہلے فرمایا گیا ہے: کیا یہ جاودانی اور لذت بخش نعمتیں، جن کے ساتھ جنتیوں کی پذیرائی کی جائے گی بہتر ہیں یا زقوم کا نفرت انگیز درخت۔

لفظ "شجرۃ" ہمیشہ درخت کے معنی میں نہیں ہوتا۔ بعض اوقات گھاس پھونس اور پودوں کے معنی میں بھی آتا ہے اور قرائن اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہاں اس سے مراد گھاس پھونس ہی ہے۔

(۶۳) اس کے بعد قرآن اس گھاس کی بعض خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہتا ہے ہم نے اسے ظالموں کے لیے رنج اور عذاب کا موجب قرار دیا ہے۔

یہ اس بات کیطرف اشارہ ہے کہ انہوں نے جب زقوم کا نام سنا تو تمسخر اور استہزاء شروع کر دیا اور اس بنا پر وہ ان ستم گروں کی آزمائش کا ذریعہ ہو گیا۔

(۶۴) اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے وہ ایسا درخت ہے جو قعر جہنم سے اگتا ہے۔

لیکن ان ظالموں نے اپنا تمسخر اور استہزاء جاری رکھا اور یہ کہا: کیا یہ ممکن ہے کہ پودے یا کوئی درخت قعر جہنم سے اگے؟ آگ کہاں اور درخت اور گھاس کہاں؟

گویا وہ اس نکتے سے غافل تھے کہ وہ سوال جو اس جہاں آخرت کی زندگی پر لاگو ہیں وہ اس جہاں سے بہت مختلف ہیں

(۶۵)اس کے بعد قرآن مزید کہتا ہے اس کا شگوفہ شیاطین کے سروں کی طرح ہے۔

یہ تشبیہ انتہائی قباحت اور اس کے تنفر آمیز شکل کے اظہار کے لئے ہے

(۶۶) قرآن مزید کہتا ہے: یہ مغرور ظالم یقیناً یہی گھاس کھائیں گے اور اسی سے شکم پر کریں گے

یہ وہی فتنہ و عذاب ہے جس کی طرف گزشتہ آیات میں اشارہ ہوا ہے اس دوزخ کی گھاس جو بہت ہی بدبودار ہے، جس کا ذائقہ کڑوا ہے اور جس کے شیرہ سے بند میں ورم پیدا ہو جاتا ہے اور اسے کھانا بھی زیادہ مقدار میں ہو تو اندازہ کیا جائے یہ کس قدر دردناک عذاب ہے۔

(۶۷) یہ بات ظاہر ہے کہ اس ناگوار اور کڑوی غذا میں سے کھانا پیاس لگائے گا، لیکن جس وقت وہ پیاسے ہوں گے تو کیا پئیں گے؟ قرآن کہتا ہے ان دوزخیوں کے لئے اس زقوم کے بعد کھولتا ہوا، کثیف اور گندا پانی ہوگا۔

(۶۸) وہ تو دوزخیوں کی غذا ہے اور یہ ان کے پینے کی چیز، لیکن اس پذیرائی کے بعد وہ کہاں جائیں گے قرآن کہتا ہے پھر ان کی بازگشت جہنم کی طرف ہے

(۶۹) قرآن اس آیت میں دوزخیوں کی ان دردناک سزاؤں اور عذاب کے چنگل میں گرفتاری کی اصل وجہ کو دو مختصر اور پر معنی جملوں میں بیان کرتے ہوئے کہتا ہے انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کو گمراہ پایا۔

(۷۰) لیکن اس حال میں بھی وہ بے اختیار تیزی کے ساتھ انہی کے پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے اپنے بڑوں کی تقلید پر اپنے دل اور ذہن کو اس طرح سے لگا دیا ہے کہ وہ انہیں بے اختیار تیزی کے ساتھ اپنے پیچھے دوڑا رہے ہیں یہ ان کے انتہائی تعصب اور اپنے بڑوں کے خرافات کے ساتھ شیفتگی کی طرف اشارہ ہے۔

(۷۱)وَ لَقَدۡ ضَلَّ قَبۡلَهُمۡ اَكۡثَرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۙ	ان سے پہلے اکثر گزشتہ لوگ (بھی) گمراہ تھے
(۷۲) وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا فِيۡهِمۡ مُّنۡذِرِيۡنَ	ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے تھے۔
(۷۳) فَانۡظُرۡ كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ۙ	دیکھو! جنہیں ڈرایا گیا تھا ان کا انجام کیسا ہوا؟
(۷۴) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ؑ	ہمارے مخلص بندوں کے سوا۔

تفسیر

گزشتہ گمراہ اقوام

کیونکہ مجرموں اور ظالموں سے مربوط گزشتہ مسائل کسی خاص زمان و مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں لہٰذا قرآن ان کی عمومیت اور وسعت کو بیان کرتا ہے ان چند آیات میں گزشتہ بہت سی امتوں کے حالات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن سے مطلع ہونا

گزشتہ مباحث کے لئے ایک اچھی سند ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے: ان سے پہلے بہت سے گزشتہ لوگ گمراہ ہو گئے

(۷۲) اس کے بعد مزید کہتا ہے: ان کی گمراہی اس لیے نہیں تھی کہ ان کا کوئی رہبر و رہنما نہیں تھا بلکہ ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے تھے۔

ایسے پیغمبر جو انہیں شرک و کفر، ظلم و ستم اور دوسروں کی اندھی تقلید سے ڈراتے اور انہیں ان کی ذمہ داریوں سے آشنا کرتے تھے۔

(۷۳) اس کے بعد ایک مختصر اور پر معنی جملے میں فرمایا گیا ہے: اب دیکھ ڈرائے جانے والوں اور ہٹ دھرم اور گمراہ اقوام کا انجام کیا ہوا؟

(۷۴) اس آیت میں ایک استثناء کے بعد فرمایا گیا ہے: مگر خدا کے مخلص بندے۔

حقیقت میں یہ جملہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان اقوام کی عاقبت اور انجام کو دیکھو کہ ہم نے انہیں کیسے دردناک عذاب میں گرفتار کیا ہے اور ہلاک کیا ہے، سوائے صاحبان ایمان اور مخلص بندوں کے کہ جو اس ہلاکت سے بچے رہے اور نجات پا گئے۔

(۷۵) وَ لَقَدۡ نَادٰنَا نُوۡحٌ فَلَنِعۡمَ الۡمُجِيۡبُوۡنَ ؗ	نوح نے ہمیں پکارا (ہم نے اس کی دعا کو قبول کرلیا) اور ہم کیسے اچھے (دعا) قبول کرنے والے ہیں۔
(۷۶) وَ نَجَّيۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗ مِنَ الۡكَرۡبِ الۡعَظِيۡمِ ؗ	اور ہم نے اسے اور اس کے اہل خاندان کو عظیم غم سے نجات بخشی۔
(۷۷) وَ جَعَلۡنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الۡبٰقِيۡنَ ؗ	اور اس کی اولاد کو (روئے زمین پر) باقی رہنے والا قرار دیا۔
(۷۸) وَ تَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ؗ	اور ہم نے اس کا نیک نام بعد کی امتوں میں باقی رکھا۔
(۷۹) سَلٰمٌ عَلٰى نُوۡحٍ فِى الۡعٰلَمِيۡنَ	سارے جہاں کے لوگوں میں نوح پر سلام ہو۔
(۸۰) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ	ہم نیک لوگوں کو اسی طرح سے اجر دیتے ہیں
(۸۱) اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ	بے شک وہ ہمارے صاحب ایمان بندوں میں سے تھا۔

(۸۲) ثُمَّ اَغۡرَقۡنَا الۡاٰخَرِیۡنَ	پھر دوسروں (اس کے دشمنوں) کو ہم نے غرق کیا۔

تفسیر

نوح علیہ السلام کی داستان کا ایک گوشہ

یہاں سے خدا کے نو عظیم پیغمبروں کی داستان کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اس کی طرف گزشتہ آیات میں اجمالی طور پر ذکر ہوا تھا۔

سب سے پہلے شیخ الانبیاء اور پہلے اولوالعزم پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے، پہلے ان کی اس پر سوز دعا کی طرف ....جوانہوں نے اس وقت کی تھی۔ جب وہ اپنی قوم سے مایوس ہو گئے تھے..................اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

نوح نے ہمیں پکارا تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ہم کیسے اچھے قبول کرنے والے ہیں۔

یہ دعا ہے اسی دعا کی طرف اشارہ ہو جو سورہ نوح علیہ السلام (آیت۔۲۶۔۲۷) میں آئی ہے، ارشاد ہوتا ہے نوح نے کہا پروردگارا! کافروں میں سے کسی کو زمین پر نہ رہنے دے کیونکہ اگر تو انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے۔

(۷۶) لہٰذا زیر نظر دوسری آیت میں بلا فاصلہ فرمایا گیا ہے: ہم نے اسے اور اس کے خاندان کو عظیم سے نجات بخشی۔

یہ غم و اندوہ کیا تھا۔ ممکن ہے کافر و مغرور قوم کی طرف سے مذاق اڑانے اور زبانی آزار پہنچانے اور آپ کی اور آپ کے پیروکاروں کی توہین کرنے کی طرف اشارہ ہو یا اس ہٹ دھرم قوم کی طرف سے پے در پے جھٹلانے کی طرف اشارہ ہو۔

(۷۷) اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے: ہم نے نوح کی اولاد کو (زمین پر) باقی رہ جانے والا قرار دیا۔

(۷۸) اس کے علاوہ ہم نے بعد میں آنے والی امتوں میں نوح کے لئے ذکر خیر، ثنا جمیل اور نیک نام جاری رکھا۔

وہ انہیں ایک ثابت قدم، قیام کرنے والا، شجاع، بہت زیادہ صبر کرنے والا، دلسوز و مہربان پیغمبر کے عنوان سے یاد کرتے ہیں اور انہیں شیخ الانبیاء کہتے ہیں۔

(۷۹) عالمین کے لوگوں میں نوح پر سلام۔

(۸۰) اور اس غرض سے کہ یہ دوسروں کے لئے الہام بخش ہو، مزید فرمایا گیا ہے: ہم اسی قسم کی جزا نیکوکاروں کو دیتے ہیں۔

(۸۱) چونکہ وہ ہمارے صاحب ایمان بندوں میں تھا۔

درحقیقت مقام بندگی اور اسی طرح ایمان جو احسان و نیکی کے ساتھ ہو، جس کا بیان آخری دو آیات میں ہے، حضرت نوح علیہ السلام کے لئے خدا کے لطف اور اندوہ عظیم سے ان کی نجات اور ان پر خدا کے درود و سلام کی اصل وجہ تھی۔ ممکن ہے کہ اگر یہی طرز عمل دوسروں کا بھی ہو تو وہ بھی اسی رحمت اور لطف کے حق دار ہوں گے کہ جن کے نوح علیہ السلام تھے، کیونکہ پروردگار کے الطاف کا معیار تخلف ناپذیر ہے اور وہ کسی خاص شخص کے لیے نہیں ہوتا۔

(۸۲)اس آیت میں ایک مختصراور تیز جملے کے ساتھ اس ظالم شریر اور کینہ پرور قوم کا انجام بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے
: پھر ہم نے دوسروں کو غرق کردیا۔

آسمان سے بارش کا طوفان ٹوٹ پڑا اور زمین سے پانی ابلنے لگا اور سارے کا سارا کرۂ ارض تھپیڑیں مارتے ہوئے سمندر میں بدل گیا اس نے ظالموں کے محل درہم برہم کردیئے اور ان کے بے جان جسم صفحۂ آب پر باقی رہ گئے۔

(۸۳)وَ اِنَّ مِنۡ شِیۡعَتِہٖ لَاِبۡرٰہِیۡمَ ۘ وقف لازم	اورابراہیم اس (نوح) کے پیروکاروں میں سے تھا۔
(۸۴) اِذۡ جَآءَ رَبَّہٗ بِقَلۡبٍ سَلِیۡمٍ	(یادکرواس وقت کو) جبکہ وہ قلب سلیم کے ساتھ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آیا۔
(۸۵) اِذۡ قَالَ لِاَبِیۡہِ وَ قَوۡمِہٖ مَا ذَا تَعۡبُدُوۡنَ ۚ	جس وقت اس نے اپنے باپ (یعنی چچا) اور اپنی قوم سے کہا: کہ یہ کیا چیزیں ہیں جنہیں تم پوجتے ہو؟
(۸۶) اَئِفۡکًا اٰلِہَۃً دُوۡنَ اللّٰہِ تُرِیۡدُوۡنَ ؕ	کیا خدا کو چھوڑ کر ان جھوٹے معبودوں کی طرف جاتے ہو؟
(۸۷) فَمَا ظَنُّکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ	تم عالمین کے پروردگار کے بارے میں کیا گمان کرتے ہو؟
(۸۸) فَنَظَرَ نَظۡرَۃً فِی النُّجُوۡمِ ۙ	(پھر) اس نے ستاروں کی طرف ایک نگاہ ڈالی۔
(۸۹) فَقَالَ اِنِّیۡ سَقِیۡمٌ	اور کہا میں تو بیمار ہوں (تمہارے ساتھ جشن میں نہیں جاسکتا)۔
(۹۰) فَتَوَلَّوۡا عَنۡہُ مُدۡبِرِیۡنَ	انہوں نے اس سے منہ پھیرلیا۔
(۹۱) فَرَاغَ اِلٰۤی اٰلِہَتِہِمۡ فَقَالَ اَلَا تَاۡکُلُوۡنَ ۚ	وہ (ابراہیم) ان کے خداؤں کے پاس آئے اور (تمسخر کے طور پر) کہا: ان غذاؤں میں سے کھاتے کیوں نہیں ہو؟
(۹۲) مَا لَکُمۡ لَا تَنۡطِقُوۡنَ	تمہیں کیا ہوگیا ہے، تم بولتے کیوں نہیں؟
(۹۳) فَرَاغَ عَلَیۡہِمۡ ضَرۡبًۢا بِالۡیَمِیۡنِ	اس کے بعد اپنے دائیں ہاتھ سے ایک پوری توجہ کے ساتھ ان کے جسم پر ایک زوردار ضرب لگائی۔

(۹۴) فَاَقْبَلُوْٓا اِلَیْهِ یَزِفُّوْنَ	وہ (بت پرست) تیزی سے اس (ابراہیم) کے پاس آئے۔

تفسیر

ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی کا زبردست منصوبہ

حضرت نوح علیہ السلام کی بھرپور تاریخ کے کئی گوشوں کو بیان کرنے کے بعد اب بت شکنی کے ہیرو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے ایک اہم حصے کو بیان کیا گیا ہے۔ پہلے قصۂ ابراہیم علیہ السلام کو قصۂ نوح علیہ السلام کے ساتھ منسلک کیا گیا ہے: اور ابرہیم، نوح کے پیروکاروں میں سے تھا۔

وہ اسی راہ توحید وعدل اور اسی راہ تقویٰ واخلاص پر گامزن تھا جو نوح کی سنت تھی، کیونکہ انبیاء سارے کے سارے ایک ہی مکتب کے مبلغ اور ایک ہی یونیورسٹی کے استاد ہیں۔

(۸۴) اس اجمالی بیان کے بعد اس کی تفصیل پیش کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: یاد کرو اس وقت کو جبکہ ابراہیم قلب سلیم کے ساتھ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آیا۔

قلب سلیم کی عمدہ ترین تفسیر امام صادق علیہ السلام نے فرمائی ہے۔ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:

"قلب سلیم ایک ایسا دل ہوتا ہے جو خدا سے اس حالت میں ملاقات کرے کہ اس میں خدا کے سوا اور کچھ نہ ہو"

قلب سلیم کی اہمیت کے بارے میں یہی کافی ہے کہ قرآن مجید اسے روز قیامت کے لئے اکیلا ہی سرمایہ نجات شمار کرتا ہے چنانچہ سورۂ شعراء کی (آیہ ۸۸۔۸۹) میں اسی عظیم پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی یہ بیان کیا گیا ہے:۔ اس دن مال واولاد انسان کو کوئی فائدہ نہ دیں گے، البتہ جو قلب سلیم کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوگا۔

(۸۵) ہاں! ابراہیم علیہ السلام قلب سلیم، روح پاک، قوی ارادہ اور عزم راسخ کے ساتھ بت پرستوں کے خلاف جہاد کے لئے مامور ہوئے اور اپنے باپ (یعنی چچا) اور اپنی قوم سے اس کا آغاز کیا۔ جیسا

کہ قرآن کہتا ہے: یاد کرو اس وقت کو جبکہ اس نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا: یہ کیا چیز ہیں کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو۔

ایہ بات قابل افسوس نہیں ہے کہ انسان باوجود اس مقام ذاتی اور عقل وخرد کے، بے قدر وقیمت اور حقیر مٹی اور لکڑیوں کی تعظیم کرے؟ تمہاری عقل کہاں کھوگئی؟

(۸۶) اس تعبیر میں بتوں کی کھلی تحقیر موجود تھی پھر اس بات کی ایک دوسرے جملہ سے تکمیل کی اور کہا: کیا تم خدا کو چھوڑ کر جو برحق ہے جھوٹے خداؤں کے پیچھے جاتے ہو۔

(۸۷) آخر میں ایک اور تیکھے جملے کے ساتھ اپنی بات ختم کرتے ہوئے کہا: تمہارا عالمین کے پروردگار کے بارے میں کیا گمان ہے؟

روزی تم اس کی کھاتے ہو، اس کی نعمتوں نے تمہارے سارے وجود کا احاطہ کیا ہوا ہے، اس کے باوجود تم نے حقیر اور بے قدر

و قیمت موجودات کو اس کا ہم پلہ بنا دیا ہے۔

(۸۸) تواریخ و تفاسیر میں آیا ہے کہ بابل کے بت پرست ہر سال ایک مخصوص عید کے دن کچھ رسومات ادا کیا کرتے تھے۔ بت خانہ میں کھانے تیار کرتے اور وہیں انہیں دسترخوان پر چن دیتے تھے اس خیال سے کہ یہ کھانے متبرک ہو جائیں گے۔ اس کے بعد سب کے سب مل کر اکٹھے شہر سے باہر چلے جاتے تھے اور دن کے آخر میں واپس لوٹتے تھے اور عبادت کرنے اور کھانے کے لئے بت خانہ میں آجاتے تھے۔

لہٰذا جب انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو جشن میں شرکت کی دعوت دی تو اس نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی۔

(۸۹) اور کہا میں تو بیمار ہوں اور تمہارے ساتھ مراسم جشن میں نہیں جاؤں گا اور اس طرح سے اپنی طرف سے عذر خواہی کی۔

(۹۰) انہوں نے رخ پھیرا اور جلدی سے اس سے دور ہو گئے۔ اور اپنے رسم و رواج کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۹۱) اس طرح ابرہیم علیہ السلام اکیلے شہر میں رہ گئے اور بت پرست شہر خالی کر کے باہر چلے گئے، حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اپنے ادھر ادھر دیکھا شوق کی بجلی ان کی آنکھوں میں چمکی، وہ لمحات جن کا وہ ایک مدت سے انتظار کر رہے تھے آن پہنچے، انہوں نے اپنے آپ سے کہا، بتوں سے جنگ کیلئے اٹھ کھڑا ہو اور سخت ضرب ان کے پیکروں پر لگا۔ ایسی ضرب جو بت پرستوں کے سوئے ہوئے دماغوں کو ہلا کر رکھ دے اور انہیں بیدار کر دے۔

قرآن کہتا ہے: وہ ان کے خداؤں کے پاس آیا، ایک نگاہ ان پر اور کھانے کے ان برتنوں پر جو ان کے اطراف میں موجود تھے ڈالی اور تمسخر کے طور پر کہا: تم یہ کھانے کھاتے کیوں نہیں؟

(۹۲) اس کے بعد مزید کہتا ہے: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم بات کیوں نہیں کرتے؟ تم گونگے کیوں بن گئے ہو؟ تمہارا منہ کیوں بند ہے؟

(۹۳) پھر انہوں نے اپنی آستین چڑھالی، کلہاڑا ہاتھ میں اٹھایا اور پوری طاقت کے ساتھ اسے گھمایا اور بھرپور توجہ کے ساتھ ایک زبردست ضرب ان کے پیکر پر لگائی اور بڑے بت کے سوا باقی سب کو توڑ ڈالا اور تھوڑی سی دیر میں وہ آباد اور خوبصورت بت خانہ ایک وحشت ناک ویرانہ بن گیا۔

(۹۴) بت پرست شہر میں واپس لوٹے اور بت خانے کی طرف آئے، کتنا وحشت ناک اور مبہوت کن منظر تھا؟ کافی دیر تک ان کے اوسان خطا رہے انتہائی حیرانی اور پریشانی کے عالم میں اس ویرانے پر نگاہ ڈالی۔

اس کے بعد سکوت ٹوٹا اور چیخ و پکار اور نالہ و فریاد کی صدا بلند ہوئی............ کس نے کیا ہے یہ کام؟ کون تھا وہ ستمگر؟

دیر نہ گذری تھی کہ انہیں یاد آ گیا۔ اس شہر میں ایک خدا پرست جوان رہتا ہے۔ اس کا نام ابراہیم ہے۔ پھر وہ اس کی طرف چل پڑے۔ وہ بڑی تیزی سے (اور غصہ کے عالم میں) چل رہے تھے۔

(۹۵) قَالَ اَتَعۡبُدُوۡنَ مَا تَنۡحِتُوۡنَ ۙ	اس (ابراہیم) نے کہا: کیا تم ایسی چیز کی عبادت کرتے ہو جسے اپنے ہاتھ سے تراشتے ہو؟
(۹۶) وَ اللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَ مَا تَعۡمَلُوۡنَ	حالانکہ خدا نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور (ان بتوں کو بھی) جنہیں تم بناتے ہو۔
(۹۷) قَالُوا ابۡنُوۡا لَہٗ بُنۡیَانًا فَاَلۡقُوۡہُ فِی الۡجَحِیۡمِ	انہوں نے کہا: اس کے لئے ایک اونچی سی جگہ بناؤ اور اسے آگ کے جہنم میں پھینک دو۔
(۹۸) فَاَرَادُوۡا بِہٖ کَیۡدًا فَجَعَلۡنٰہُمُ الۡاَسۡفَلِیۡنَ	انہوں نے تو اس (ابراہیم) کو ختم کرنے کی تدبیر کرلی تھی لیکن ہم نے ان سب کو پست اور مغلوب کردیا۔
(۹۹) وَ قَالَ اِنِّیۡ ذَاہِبٌ اِلٰی رَبِّیۡ سَیَہۡدِیۡنِ	اور (ابراہیم سلامتی کے ساتھ نکل آئے تو) کہا: میں پروردگار کی طرف جاتا ہوں وہ میری راہنمائی کرے گا۔
(۱۰۰) رَبِّ ہَبۡ لِیۡ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ	(ابراہیم نے دعا کی) پروردگارا! مجھے صالح (اولاد) عطا فرما۔

تفسیر

مشرکین کے منصوبے خاک میں مل گئے

آخر بت شکنی کے واقعے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسی الزام میں عدالت میں لے گئے اور وہ انہیں ملزم ٹھہراتے ہوئے ان سے وضاحت چاہنے لگے۔ قرآن نے اس واقعے کی تفصیل سورۂ انبیاء میں بیان کی ہے اور یہاں اس کے صرف ایک حساس حصے کا ذکر کیا ہے اور وہ ہے بت پرستی کے باطل ہونے کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان سے آخری گفتگو۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: کیا تم اسی چیز کی پرستش کرتے ہو جسے تم اپنے ہاتھ سے تراشتے ہو۔ کیا کوئی بھی عقل مند انسان اپنی بنائی ہوئی چیز کی عبادت کرتا ہے؟

(۹۶) معبود تو وہ ہونا چاہیے جو انسان کا خالق ہو نہ وہ کہ جو خود انسان کا تراشیدہ ہو۔ اب اچھی طرح سے غور کرو اور معبود حقیقی کو تلاش کرو۔ خدا نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور ان بتوں کو بھی جنہیں تم بناتے ہو آسمان و زمین سب اسی کی مخلوق ہیں اور زمان و مکان سب اسی کے بنائے ہوئے ہیں ایسے خالق کے آستانے پر سر رکھنا چاہیے اور اس کی پرستش و عبادت کرنا چاہیے۔ یہ ایک بہت ہی قوی اور دندان شکن دلیل ہے جس کے مقابلے میں ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

(۹۷) لیکن ہم جانتے ہیں کہ جھوٹے اور سرکش لوگ کبھی بھی منطق واستدلال سے آشنا نہیں رہے لیکن چونکہ وہ اس توحیدی منطق کو اپنے مفادات کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے اس لئے طاقت، نیزے کی نوک اور آگ کی منطق کے ساتھ میدان میں آ گئے انہوں نے اپنی طاقت کا سہارا لیا اور چلا کر کہا: اس کے لئے ایک اونچی سی جگہ بناؤ اور اس کے اندر آگ روشن کرو اور اسے اس جلانے والی جہنم میں پھینک دو۔

(۹۸) یہاں قرآن اس مسئلے کے جزئیات کی طرف جو سورۂ انبیاء میں آ چکے ہیں، اشارہ نہیں کرتا۔ صرف یکجائی طور پر ایک مختصر اور عمدہ پیرائے میں اس قصے کے آخری حصے کو اس طرح بیان کرتا ہے انہوں نے ابراہیم کو ختم کرنے کے لیے ایک زبردست منصوبہ تیار کیا تھا لیکن ہم نے انہیں پست اور مغلوب کر دیا۔

(۹۹) ابراہیم علیہ السلام اس ہولناک حادثہ سے صحیح وسالم اور سربلند باہر نکل آئے اور چونکہ بابل میں آپ نے اپنی پیغام رسانی کی ذمہ داری کو ادا کر دیا تھا لہٰذا شام کی مقدس سرزمین کی طرف ہجرت کا ارادہ کیا اور کہا میں اپنے پروردگار کیطرف جاتا ہوں وہ مجھے ہدایت کرے گا۔

یہ بات واضح ہے کہ خدا کوئی مکان نہیں رکھتا۔ لیکن آلودہ اور گندے ماحول سے پاک ماحول اور انبیاء کی سرزمین کی طرف ہجرت کرنا خدا کی طرف ہجرت کرنا ہے۔

(۱۰۰) یہاں خدا سے ان کا پہلا تقاضا اور درخواست جو مذکورہ بالا آیات میں مذکور ہے، صالح اور نیک فرزند کی درخواست ہے، ایسا فرزند جوان کے رسالت کے راستے کو دوام بخشے اور ان کے ادھورے کاموں کی تکمیل کرے۔ یہ وہ منزل تھی کہ انہوں نے عرض کیا۔ پروردگارا! مجھے ایک فرزند صالح عطا فرما۔ خدا نے بھی اس دعا کو قبول کر لیا اور اسماعیل علیہ السلام اور اسحاق علیہ السلام جیسے صالح بیٹے انہیں مرحمت فرمائے۔

(۱۰۱) فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ	ہم نے اسے (ابراہیم کو) ایک بردبار اور با استقامت لڑکے کی بشارت دی۔
(۱۰۲) فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ؕ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ	جس وقت وہ (بیٹا جوان ہو گیا اور) اس کے ساتھ سعی و کوشش کے قابل ہو گیا تو اس (ابراہیم) نے کہا: بیٹا!، میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ تم دیکھو، اس میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے کہا: ابا جان! آپ کو جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل کیجئے، انشاء اللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔

(۱۰۳) فَلَمَّآ اَسۡلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ ۚ	جب دونوں آمادہ و تیار ہو گئے اور اس (ابراہیم) نے اسے پیشانی کے بل لٹایا۔
(۱۰۴) وَ نَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۙ	تو ہم نے اسے ندادی کہ اے ابراہیم!
(۱۰۵) قَدۡ صَدَّقۡتَ الرُّءۡيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ	جو حکم تجھے خواب میں دیا گیا تھا تو نے اسے پورا کر دیا، ہم اسی طرح سے نیکو کاروں کو جزا دیتے ہیں۔
(۱۰۶) اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الۡبَلٰٓؤُا الۡمُبِيۡنُ	بے شک یہ ایک کھلی آزمائش ہے
(۱۰۷) وَ فَدَيۡنٰهُ بِذِبۡحٍ عَظِيۡمٍ	ہم نے ذبح عظیم کو اس کا فدیہ بنایا۔
(۱۰۸) وَ تَرَكۡنَا عَلَيۡهِ فِى الۡاٰخِرِيۡنَ ۖ	اور اس کے نیک نام کو بعد والی امتوں میں باقی رکھا۔
(۱۰۹) سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ	ابراہیم پر سلام ہو۔
(۱۱۰) كَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُحۡسِنِيۡنَ	ہم نیکو کاروں کو اسی طرح سے بدلہ دیا کرتے ہیں۔

تفسیر

ابراہیم علیہ السلام قربان گاہ میں

یہ آیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا کی قبولیت کو بیان کررہی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔ ہم نے اسے ایک حلیم و بردبار اور باستقامت نوجوان کی بشارت دی۔ حقیقت میں اس جملے میں تین بشارتیں جمع ہیں، ایک بیٹے کی، دوسری اس کے نوجوانی کے سن تک پہنچنے کی اور تیسری اس کے رحم جیسی صفت کا حامل ہونے کی۔

(۱۰۲) آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا فرزند موعود خدائی بشارت کے مطابق پیدا ہوا اور باپ کے دل کو ٹھنڈک ملی پھر وہ فرزند بچپن کے دور کو گزار کر جوانی کے سن میں داخل ہوا۔

قرآن اس موقع پر کہتا ہے "جس وقت وہ اس کے ساتھ سعی و کوشش کے قابل ہوا۔ یعنی وہ ایسے مرحلہ میں پہنچ گیا کہ زندگی کے مختلف مسائل میں باپ کے ہمراہ سعی و کوشش کر سکے اور اس کی مدد کر سکے۔

بہرحال مفسرین کے قول کے مطابق بیٹا ۱۳ سال کا تھا کہ حضرت ابراہیم نے ایک عجیب اور حیرت انگیز خواب دیکھا یہ خواب اس عظیم الشان پیغمبر کے لیے ایک اور آزمائش شروع ہونے کو بیان کرتا تھا۔ انہوں نے خواب دیکھا کہ انہیں خدا کی طرف سے یہ حکم دیا

گیا ہے کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے قربانی کریں اور اسے ذبح کردیں۔

ابرہیم جو بارہا امتحان خداوندی کی گرم بھٹی سے سرفراز ہوکر باہر آئے تھے اس دفعہ بھی چاہیے کہ بحر عشق میں کود پڑیں اور حق تعالیٰ کے فرمان کے سامنے سر جھکا دیں لیکن ضروری ہے کہ ہر چیز سے پہلے اپنے فرزند کو اس کام کے لئے آمادہ کریں، لہٰذا اس کی طرف رخ کر کے فرمایا: میرے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کروں، اب تم دیکھو! تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟

بیٹا بھی تو ایثار پیشہ باپ کے وجود کا ایک حصہ تھا اور جس نے صبر و استقامت اور ایمان کا درس اپنی چھوٹی سی عمر میں اسی کے مکتب میں پڑھا تھا۔ اس نے خوشی سے اور خلوص دل کے ساتھ اس فرمان الٰہی کا استقبال کیا اور صراحت اور قاطعیت کے ساتھ کہا: ابا جان! جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔

میری طرف سے بالکل مطمئن رہئے انشاءاللہ آپ مجھے صابرین میں سے پائیں گے۔

باپ اور بیٹے کی یہ باتیں کس قدر معنی خیز ہیں اور کتنی باریکیاں ان میں چھپی ہوئی ہیں۔

ایک طرف تو باپ ۱۳ سالہ بیٹے کے سامنے اسے ذبح کرنے کی بات بڑی صراحت کے ساتھ کرتا ہے اور اس سے اس کی رائے معلوم کرتا ہے۔ اس کے لئے مستقل شخصیت اور ارادے کی آزادی کا قائل ہوتا ہے۔

دوسری طرف بیٹا بھی یہ چاہتا ہے کہ باپ اپنے عزم و ارادہ میں پکا اور مضبوط رہے۔

(۱۰۳) اس طرح سے باپ بھی بیٹا بھی اس عظیم آزمائش کے پہلے مرحلے کو مکمل کامیابی کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔ اس دوران کیا کیا حالات پیش آئے، قرآن نے انہیں تشریح کے ساتھ بیان نہیں کیا اور صرف اس عجیب ماجرے کے نہایت حساس پہلو ذکر کیے ہیں۔

بعض نے لکھا ہے کہ فداکار بیٹے نے اس بنا پر کہ باپ کی اس ماموریت کی انجام دہی میں مدد کرے۔ باپ سے کہا: ابا جان؛ رسی کو مضبوطی کے ساتھ باندھ دیجئے،۔ تاکہ میں فرمان خداوندی کے اجراء کے وقت ہاتھ پاؤں نہ ہلا سکوں مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس سے میرے اجر میں کمی واقع نہ ہوجائے۔

ابا جان: چھری تیز کر لیجئے اور تیزی کیساتھ میرے گلے پر چلایئے تاکہ اسے برداشت کرنا مجھ پر بھی (اور آپ پر بھی) زیادہ آسان ہوجائے۔ ابا جان میرا کرتا پہلے ہی میرے بدن سے اتار لیجئے تاکہ وہ خون آلودہ نہ ہو، کیونکہ مجھے خوف ہے کہ کہیں میری ماں اسے دیکھے تو دامن صبر اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے۔

پھر مزید کہا میرا اسلام میری ماں کو پہنچا دیجئے گا اور اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو میرا کرتا اس کے لیے لے جایئے گا جو اس کی تسلی خاطر اور تسکین کا باعث بنے گا کیونکہ وہ اس سے بیٹے کی خوشبو سونگھے گی اور جس وقت دل بے قرار ہوگا تو اسے اپنی آغوش میں لے لے گی اس طرح یہ درد دل میں تخفیف کا باعث ہوگا۔

آخر وہ حساس لمحے آن پہنچے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیٹے کے مقام تسلیم کو دیکھا، اسے اپنی آغوش میں لے لیا اور اس

گھڑی میں دونوں رونے لگے۔

قرآن مختصر اور معنی خیز عبارت میں صرف اتنی سی بات کہتا ہے۔ جب دونوں آمادہ و تیار ہو گئے اور (باپ) ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹایا۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کے چہرے کو خاک پر رکھا اور چھری کو حرکت دی اور تیزی اور طاقت کے ساتھ اسے بیٹے کے گلے پر پھیر دیا جب کہ ان کی روح ہیجان میں تھی۔

لیکن تیز دھار چھری نے بیٹے کے لطیف، نازک گلے پر معمولی سا بھی اثر نہ کیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام حیرت میں ڈوب گئے، دوبارہ چھری کو چلایا، لیکن پھر بھی وہ کارگر ثابت نہ ہوئی، ہاں خلیل تو کہتے ہیں کہ کاٹ لیکن خداوند جلیل یہ حکم دے رہا ہے۔ کہ نہ کاٹ اور چھری تو صرف اسی کی فرمانبردار ہے۔

(۱۰۴) یہ وہ منزل ہے کہ جہاں قرآن ایک مختصر اور معنی خیز جملے کے ساتھ انتظار کو ختم کرتے ہوئے کہتا ہے اس وقت ہم نے ندا دی (اور پکار کر کہا) کہ اے ابراہیم!۔

(۱۰۵) خواب میں جو حکم تمہیں دیا گیا تھا وہ تم نے پورا کر دیا۔

ہم نیکو کاروں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔ ہم ہی انہیں امتحان میں کامیابی کی توفیق دیتے ہیں اور ہم ایسا بھی نہیں ہونے دیں گے کہ ان کا فرزند دلبند ان کے ہاتھ ہی سے چلا جائے۔

(۱۰۶) اس کے بعد مزید کہتا ہے۔ بے شک یہ اہم اور آشکار امتحان ہے۔

بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا، وہ بھی نیک اور لائق بیٹا اس باپ کے لیے جس نے ایک عمر ایسے فرزند کے انتظار میں گزاری ہو سادہ اور آسان کام نہیں ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر عجیب، اس فرمان کے آگے اس جوان کی اطاعت شعاری کی انتہا۔ وہ خوشی خوشی، اطمینان قلب کے ساتھ، پروردگار کے لطف سے، اس کے ارادہ کے سامنے، سر تسلیم خم کرتے ہوئے، ذبح کے استقبال کے لیے آگے بڑھا۔

(۱۰۷) لیکن اس غرض سے کہ ابراہیم علیہ السلام کا پروگرام بھی نامکمل نہ رہ جائے اور خدا کی بارگاہ میں ان کی طرف سے قربانی بھی ہو جائے اور ابراہیم علیہ السلام کی آرزو پوری ہو جائے، خدا نے ایک بہت بڑا مینڈھا بھیج دیا تا کہ بیٹے کی جگہ اسکی قربانی کریں اور مراسم حج اور سرزمین منیٰ میں آنے والوں کے لیے اپنی سنت چھوڑ جائیں، چنانچہ قرآن کہتا ہے: ہم نے ذبح عظیم کو اس کا فدیہ قرار دیا

اس ذبح کی عظمت کی ایک نشانی یہ ہے کہ زمانے گذرنے کے ساتھ ساتھ ہر سال زیادہ وسعت پا رہی ہے۔ اس وقت ہر سال اس ذبح عظیم کی یاد میں دس لاکھ سے زیادہ جانور ذبح کیے جاتے ہیں اور اس یاد کو زندہ کیا جاتا ہے۔

(۱۰۸) خدا نے صرف اس دن کے عظیم امتحان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کامیابی کی تعریف و توصیف کی۔ بلکہ اس کی یاد کو جاودانی بنا دیا۔ اور ہم نے ان کے طرز عمل کو رہتی دنیا تک کے لیے۔ حج کی سنت کے طور پر جاودانی بنا دیا۔ وہ عظیم پیغمبروں کے باپ

تھے وہ امت اسلامی اور پیغمبر اسلام ﷺ کے باپ تھے۔

(۱۰۹) ابراہیم پر سلام (جو مخلص اور پاکباز تھا)۔

(۱۱۰) ہاں ہم اسی طرح سے نیکوکاروں کو بدلہ دیا کرتے ہیں۔

عظمت دنیا کا صلہ، تمام زمانوں میں ہمیشگی کا صلہ، خدائے بزرگ کے لائق درود وسلام کا صلہ۔ چند اہم نکات۔

ذبیح اللہ کون ہے؟

جو کچھ قرآن کی مختلف آیات کے ظاہر سے ہم آہنگ ہے وہ یہی ہے کہ ذبیح اسمعیل علیہ السلام تھے۔ منابع اسلامی میں بہت سی روایت (ایسی آئی ہیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام تھے اور اسحاق علیہ السلام نہ تھے)

(۱۱۱) اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِيۡنَ	بیشک وہ (ابراہیم) ہمارے باایمان بندوں میں سے ہے۔
(۱۱۲) وَ بَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ	ہم نے اسے صالح پیغمبر اسحاق کی بشارت دی۔
(۱۱۳) وَ بٰرَكۡنَا عَلَيۡهِ وَ عَلٰٓى اِسۡحٰقَ ؕ وَ مِنۡ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحۡسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ مُبِيۡنٌ ۚ	ہم نے اسے اور اسحاق کو برکت دی اور ان دونوں کی اولاد میں کچھ تو نیک ہیں۔ اور کچھ کھلم کھلا اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہیں۔

تفسیر

ابراہیم علیہ السلام خدا کا مومن بندہ

یہ آیت اور اس کے بعد کی دو آیات حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزندوں کے بارے میں جاری گفتگو کے اعتبار سے آخری آیات ہیں۔ پہلے فرمایا گیا ہے: وہ (ابراہیم علیہ السلام) ہمارے باایمان بندوں میں سے ہے۔

دراصل یہ جملہ ایک دلیل ہے اس چیز کی جو گزر چکی ہے۔ اس میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ اگر ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ساری ہستی وجود کو یہاں تک کہ اپنے عزیز فرزند کو بھی پورے اخلاص کے ساتھ اپنے معبود کی راہ میں قربان کر دیا، تو یہ اپنے عمیق اور طاقت ور ایمان کی وجہ سے کیا تھا۔

(۱۱۲) اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے خدا کی ایک اور نعمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ہم نے اسے اسحاق کی بشارت

دی جس کے مقدر میں تھا کہ پیغمبر ہو اور صالحین میں سے ہو۔

(۱۱۳) اس آیت میں اس برکت کے بارے میں گفتگو

ہورہی ہے جو خدا نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند اسحاق علیہ السلام کو عطا فرمائی، فرمایا گیا ہے: ہم نے اسے اور اسحاق کو برکت سے نوازا۔

عمر اور زندگی میں آئندہ کی نسلوں میں، تاریخ ومکتب میں گویا ہر ایک چیز میں برکت لیکن اس بنا پر کہ یہ توہم نہ ہو کہ یہ برکت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں نسب اور قبیلے کے طور پر ہے بلکہ یہ تو مذہب ومکتب اور ایمان کے ساتھ رابطہ رکھنے کی بنا پر ہے............آیت کے آخر میں مزید ارشاد ہوتا ہے۔: ان دونوں کی اولاد میں سے نیک بھی تھے اور ایسے افراد جنہوں نے عدم ایمان کی بنا پر اپنے اوپر ظلم کیا۔

اس طرح سے مذکورہ بالا آیت یہود ونصاریٰ کے ان لوگوں کو جو اس بات پر فخر کرتے تھے کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں جواب دیتی ہے کہ صرف رشتہ باعث افتخار نہیں ہے۔ جبکہ اس کے ساتھ فکری ومکتبی رشتہ برقرار نہ ہو۔

(۱۱۴) وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۚ	ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا۔
(۱۱۵) وَ نَجَّيْنٰهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۚ	ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑے دکھ اور مصیبت سے نجات بخشی۔
(۱۱۶) وَ نَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۚ	اور ہم نے ان کی مدد کی یہاں تک کہ وہ (اپنے دشمنوں پر) غالب آگئے۔
(۱۱۷) وَ اٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۚ	ہم نے انہیں واضح (آسمانی) کتاب عطا کی۔
(۱۱۸) وَ هَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۚ	ہم نے انہیں راہ راست کی ہدایت کی۔
(۱۱۹) وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ ۙ	اور ان کا ذکر خیر ہم نے بعد والی اقوام میں باقی رکھا۔
(۱۲۰) سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ	موسیٰ اور ہاورن پر سلام۔
(۱۲۱) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ	ہم اسی طرح سے نیکو کاروں کو جزا دیا کرتے ہیں۔

(۱۲۲) اِنَّهُمَا مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُؤۡمِنِیۡنَ	وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

تفسیر

موسیٰ و ہارون علیہما السلام پر خدا کی نعمتیں

ان آیات میں موسیٰ علیہ السلام اوران کے بھائی ہارون علیہ السلام کے بارے میں الطاف الٰہی کے ایک گوشے کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے: ہم نے موسیٰ پر اور ہارون پر احسان کیا اور انہیں اپنی نعمتوں کا مرہون منت بنایا

(۱۱۵) پہلے مرحلے میں فرمایا گیا ہے: ہم نے ان دونوں بھائیوں اوران کی قوم کو عظیم کرب سے نجات بخشی

اس سے بڑا کرب اور کیا ہوگا کہ بنی اسرائیل جابر اور خونخوار فرعونیوں کے چنگل میں گرفتار تھے؟ وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے، ان کی عورتوں کو خدمت گاری اور مردوں کو غلامی اور بیگار کے لیے زندہ رہتے تھے۔

(۱۱۶) دوسرے مرحلے میں فرمایا گیا ہے۔ ہم نے ان (موسیٰ، ہارون اور بنی اسرائیل) کی مدد کی یہاں تک کہ وہ اپنے طاقتور دشمن پر غالب آگئے

جس دن فرعونی خونخوار لشکر عظیم طاقت کے ساتھ حرکت میں آیا۔ جس کے آگے خود فرعون تھا۔ بنی اسرائیل ایک ضعیف اور ناتوان قوم تھی۔ ان کے پاس نہ جنگجو سپاہی تھے اور نہ ہی ہتھیار۔ لیکن خدا نے اپنے لطف و کرم سے ان کی مدد کی۔ فرعونیوں کو پانی کی لہروں میں غرق کر دیا۔ اوران (بنی اسرائیل) کو ڈوبنے سے بچالیا اور فرعونیوں کے محلات، مال دولت، باغات اور تمام خزانے ان کے سپرد کر دیئے۔

تیسرے مرحلے میں ان نعمتوں کی طرف جو خدا نے قید غلامی سے رہائی پانے والی اس قوم کو عنایت فرمائی، اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔: ہم نے ان دونوں کو آشکار و واضح کتاب دی

ہاں تورات کتاب مستبین یعنی واضح و روشن کرنے والی کتاب تھی اور زمانے میں بنی اسرائیل کی تمام دینی دنیاوی ضروریات کی کفیل تھی۔ جیسا کہ سورہ مائدہ کی آیہ ۴۴ میں بھی بیان ہوا ہے۔

ہم نے تورات کو نازل کیا جس میں ہدایت بھی ہے اور نور وروشنی بھی۔

(۱۱۸) چوتھے مرحلے میں پھر ایک اور روحانی نعمت۔ صراط مستقیم کی ہدایت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ہم نے ان دونوں کو راہ راست کی ہدایت کی۔ انبیاء کی راہ ہے۔ اس میں انحراف، گمراہی اور تباہی کا خطرہ موجود نہیں ہے۔

(۱۱۹) پانچویں مرحلے میں مکتب کی ہمیشگی اور نیک نامی کی بقاء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔: ہم نے ان دونوں کا ذکر خیر بعد والی اقوام میں باقی اور برقرار رکھا تا کہ وہ دو نمونوں کے عنوان سے پہچانے جائیں اور پورے جہاں کے لوگ ان کی روش اور تاریخ سے ہدایت اور راہنمائی حاصل کریں

(۱۲۰) چھٹے مرحلے میں موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام پر خدا کے سلام کا ذکر ہے، فرمایا گیا ہے موسیٰ اور ہارون پر سلام ہو۔
ایسا سلام جو دین، ایمان، اعتقاد، مکتب اور مذہب میں سلامتی کی طرف اشارہ ہے۔ ایسا سلام، جو اس جہاں اور جہاں کی سزاؤں اور عذاب سے نجات بیان کرنیوالا ہے۔

(۱۲۱) ساتویں اور آخری مرحلے میں ان کے لیے اپنی عظیم جزا کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ہم نیکوکاروں کو اسی طرح سے بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اگر انہوں نے یہ افتخارات اور اعزازات حاصل کیے ہیں تو یہ بلا وجہ نہیں تھے، وہ محسن تھے وہ مومن مخلص، فدا کار اور نیکوکار تھے اور اس قسم کے لوگوں کو ایسا ہی صلہ اور بدلہ ملنا چاہیے۔

(۱۲۲) انجام کار زیر بحث آیت میں اسی دلیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جو اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کی داستان میں آچکی ہے، ارشاد ہوتا ہے:- دونوں (موسیٰ و ہارون) ہمارے مؤمن بندوں میں سے تھے۔

یہ ایمان ہی ہے جو انسان کی روح کو اس طرح سے روشن اور قوی کر دیتا ہے کہ وہ احسان، نیکی، پاکیزگی، اور تقویٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

(۱۲۳) وَ اِنَّ اِلۡیَاسَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ؕ	اور بے شک الیاس ہمارے رسولوں میں سے تھا۔
(۱۲۴) اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ اَلَا تَتَّقُوۡنَ	اس وقت کو یاد کرو۔ جب کہ اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے ہو؟
(۱۲۵) اَتَدۡعُوۡنَ بَعۡلًا وَّ تَذَرُوۡنَ اَحۡسَنَ الۡخَالِقِیۡنَ ۙ	کیا تم بعل (بت) کو پکارتے ہو اور بہترین خالق کو چھوڑے ہوئے ہو؟
(۱۲۶) اللّٰہَ رَبَّکُمۡ وَ رَبَّ اٰبَآئِکُمُ الۡاَوَّلِیۡنَ	وہ خدا جو تمہارا بھی پروردگار ہے اور تمہارے آباؤ اجداد کا بھی پروردگار ہے۔
(۱۲۷) فَکَذَّبُوۡہُ فَاِنَّہُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ ۙ	لیکن انہوں نے اسے جھٹلایا، مگر یقینی طور پر وہ سب کے سب (خدائی عدالت میں) حاضر کیے جائینگے۔
(۱۲۸) اِلَّا عِبَادَ اللّٰہِ الۡمُخۡلَصِیۡنَ	سوائے خدا کے مخلص بندوں کے۔

(۱۲۹) وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ	ہم نے اس (الیاس) کا نیک نام بعد کی امتوں میں باقی رکھا۔
(۱۳۰) سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ	الیاسین پر سلام ہو۔
(۱۳۱) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ	ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔
(۱۳۲) اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ	وہ ہمارے مؤمن بندوں میں سے ہے۔

تفسیر

پیغمبر خدا الیاس علیہ السلام مشرکین کے مقابلے میں

گزشتہ انبیاء میں سے ایک نبی کی سرگزست بیان کی جاری ہے یہ اس سورہ میں آنے والی چوتھی سرگزشت ہے۔ یہ حضرت الیاس کی ایک مختصر سی سرگزشت ہے۔ارشاد ہوتا ہے،الیاس خدا کے رسولوں میں سے تھا۔

حضرت الیاس علیہ السلام ان کے نسب اوران کی زندگی کی خصوصیت کے بارے میں انشاء اللہ کچھ گفتگو ان آیات کے آخر میں نکات کے ضمن میں آئے گی۔

(۱۲۴) اس کے بعد اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: اس وقت کو یاد کرو جب اس نے اپنی قوم کو خبردار کیا اور کہا: کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔

(۱۲۵) اس آیت میں اس مسئلہ کے بارے میں، اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ بات کی گئی ہے: کیا تم ''بعل'' بت کو پکارتے ہو اور بہترین خالق کو چھوڑ رہے ہو۔

کہتے ہیں کہ سونے کا اتنا بڑا بت تھا کہ اس کا طول بیس ہاتھ تھا۔اس کے چار چہرے تھے اور بت کے چار سو سے زیادہ خادم تھے۔

(۱۲۶) بہرحال الیاس علیہ السلام نے اس بت پرست قوم کی سخت مذمت کی اور مزید کہا: اس خدا کو چھوڑ رہے۔ہو۔ جو تمہارا اور تمہارے گزشتہ آباؤ اجداد کا پروردگار ہے۔

تم سب کا مالک و مربی وہی تھا اور ہے جو نعمت بھی تمہارے پاس ہے وہ اسی کی طرف سے ہے اور ہر مشکل کا حل اسی کے دست قدرت سے ہوتا ہے۔اس کے علاوہ نہ تو خیر و برکت کا کوئی اور سرچشمہ موجود ہے اور نہ ہی شر و آفت کا کوئی اور دفع کرنے والا ہے۔

(۱۲۷) لیکن اس سرپھری اور خود پسند قوم نے خدا کے اس عظیم پیغمبر کے استدلالی پند و نصائح اور واضح ہدایات پر کان نہ دھرے اور اس کی تکذیب کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

خدا نے بھی ان کی سزا کو ایک مختصر سے جملے میں بیان کرتے ہوئے کہہ دیا ہے: وہ بارگاہ عدل الٰہی اور اس کی دوزخ کے اور

اپنے قبیح اور بداعمال کی سزا کا مزہ چکھیں گے۔

(۱۲۸) لیکن ظاہر ہوتا ہے کہ چھوٹا سا نیک، پاک اور مخلص گروہ حضرت الیاس علیہ السلام پر ایمان لے آیا تھا۔لہٰذا ان کا حق فراموش نہ کرتے ہوئے بلا فاصلہ فرمایا گیا ہے:مگر خدا کے مخلص بندے

(۱۲۹) اس داستان کی آخری آیات میں وہی چار مسائل جو دوسرے انبیاء (موسیٰ و ہارون علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام و نوح علیہ السلام) کے واقعات میں آئے تھے،ان کی اہمیت کے پیش نظر پھر دہرائے گئے ہیں۔ پہلے فرمایا گیا ہے،ہم نے الیاس کا نیک نام بعد والی امتوں میں جاوداں کر دیا

دوسری امتیں ان بزرگ انبیاء کی انتہائی زحمتوں کو جوانہوں نے راہ توحید کی پاسداری اور تخم ایمان کی آبیاری کیلئے اٹھائی ہیں،کبھی فراموش نہیں کریں گی اور جب تک دنیا قائم ہے ان مردان بزرگ اور خدا کاروں کا مکتب یا تحریک زندہ و جاوید رہے گی۔

(۱۳۰) دوسرے مرحلے میں قرآن مزید کہتا ہے:الیاسین پر سلام و درود ہو۔

(۱۳۱) تیسرے مرحلے میں فرمایا گیا ہے۔ہم نیکوکاروں کو اسی طرح سے بدلہ دیا کرتے ہیں۔

(۱۳۲) چوتھے مرحلے میں ان تمام باتوں کی اصل بنیاد یعنی ایمان کا ذکر ہے:یقیناً وہ (الیاس) ہمارے مومن بندوں میں سے ہے۔ایمان و عبودیت احسان کا سرچشمہ ہے اور احسان مخلصین کی صف میں شامل ہونے اور خدا کے سلام کا حقدار ہونے کا سبب ہے۔

(۱۳۳) وَ اِنَّ لُوۡطًا لَّمِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ؕ	لوط (بھی) ہمارے رسولوں میں سے تھا۔
(۱۳۴) اِذۡ نَجَّیۡنٰہُ وَ اَہۡلَہٗۤ اَجۡمَعِیۡنَ ۙ	وہ وقت یاد کرو جب ہم نے اسے اور اس کے سارے خاندان کو نجات دی۔
(۱۳۵) اِلَّا عَجُوۡزًا فِی الۡغٰبِرِیۡنَ	سوائے ایک بڑھیا کے جو اس قوم کے درمیان باقی رہ گئی۔
(۱۳۶) ثُمَّ دَمَّرۡنَا الۡاٰخَرِیۡنَ	پھر باقی لوگوں کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔
(۱۳۷) وَ اِنَّکُمۡ لَتَمُرُّوۡنَ عَلَیۡہِمۡ مُّصۡبِحِیۡنَ ۙ	اور تم ہمیشہ (ان کے شہروں کے ویرانوں کے قریب سے)۔صبح کے وقت بھی عبور کرتے ہو
(۱۳۸) وَ بِالَّیۡلِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ۠	اور رات کے وقت بھی،کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

تفسیر

اس قوم کی تباہ سرزمین تمہارے سامنے ہے

پانچویں پیغمبر جن کا اس سورہ میں اور آیات کے اس سلسلے میں نام آیا ہے وہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں قرآن کی صراحت کے مطابق وہ حضرت ابراہیم کے ہمعصر تھے ارشاد ہوتا ہے لوط ہمارے رسولوں میں سے تھا

(۱۳۴)اس اجمال کو بیان کرنے کے بعد قرآن اجمال و تفصیل کی اپنی روش کے مطابق، اس ماجرے کے ایک حصے کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے۔ وہ وقت یاد کرو جب ہم نے لوط اور اس کے سارے خاندان کو نجات دی

(۱۳۵) سوائے اس کی بڑھیا بیوی کے جو اس قوم کے درمیان باقی رہ گئی

(۱۳۶) پھر باقی لوگوں کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا۔

یہ مختصر جملے اس قوم کی عجیب تاریخ کی طرف اشارے ہیں۔ اس کی تفصیل سورۂ ہود، شعراء اور عنکبوت میں گزر چکی ہے۔

(۱۳۷) چونکہ یہ سب ذکر غافل اور مغرور لوگوں کو بیدار کرنے کے لئے ایک مقدمہ اور تمہید کے طور پر ہے لہٰذا اس گفتگو کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے تم ہمیشہ صبح کے وقت ان کے شہروں کے ویرانوں کے قریب سے گزرتے ہو۔

(۱۳۸) اور رات کو بھی وہاں سے گزرتے ہو، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

یہ تعبیر اس وجہ سے بیان ہوئی ہے کیونکہ قوم لوط کے شہر حجاز کے لوگوں کے قافلوں کو شام کی طرف راستے میں پڑتے تھے اور وہ اپنے دنوں اور راتوں کے سفر میں ان کے قریب سے گزرتے تھے۔ اگر وہ دل و جان کے کان رکھتے تو اس گنہ گار تباہ شدہ قوم کی دل خراش اور جانکاہ آواز سنتے، کیونکہ ان کے شہروں کے ویرانے اپنی زبان بے زبانی سے تمام گزرنے والوں کو درس عبرت دیتے ہیں اور ان جیسے حوادث کے جنگل میں گرفتار ہونے سے ڈراتے ہیں۔

ہاں! عبرت کے درس تو بہت ہیں لیکن عبرت حاصل کرنے والے تھوڑے ہیں

(۱۳۹)وَ اِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ؕ	اور یونس (بھی) ہمارے رسولوں میں سے تھا۔
(۱۴۰) اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۙ	وہ وقت یاد کرو جب اس نے (سامان اور لوگوں سے) بھری کشتی کی طرف فرار کیا۔
(۱۴۱) فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ ۚ	اور ان کے ساتھ قرعہ ڈالا اور (قرعہ انہیں کے نام کا نکلا اور وہ) مغلوب ہو گیا۔
(۱۴۲) فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِيْمٌ	(انہوں نے اسے دریا میں پھینک دیا) اور ایک بہت بڑی مچھلی نے اسے نگل لیا، اس حال میں کہ وہ (کشتی والوں کی نظر میں) ملامت کا مستحق تھا۔

(۱۴۳) فَلَوْ لَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۙ	اور اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا۔
(۱۴۴) لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۚ	تو قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتا۔
(۱۴۵) فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ سَقِيْمٌ ۚ	(بہرحال ہم نے اسے رہائی بخشی اور) اسے ایک خشک زمین پر جو گھاس اور سبزے سے خالی تھی پھینک دیا اس حالت میں کہ وہ بیمار تھا
(۱۴۶) وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ۚ	اور ہم نے کدو کی بیل اس کے اوپر اگا دی۔
(۱۴۷) وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ۚ	اور ہم نے اسے ایک لاکھ افراد یا اس سے زیادہ جمعیت کی طرف بھیجا۔
(۱۴۸) فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ۚ	تو وہ ایمان لے آئے اور ہم نے انہیں ایک مدت معلوم تک زندگی کی نعمات سے بہرہ مند کیا۔

تفسیر

یونس امتحان کی بھٹی میں

اس سورہ میں یہ گزشتہ انبیاء اور اقوام کی چھٹی اور آخری سرگزشت ہے۔ ان آیات میں یونس علیہ السلام اور ان کی توبہ کرنے والی قوم کی سرگزشت بیان کی گئی ہے۔

پہلے گزشتہ داستانوں کی طرح ان کے مقام رسالت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے: یونس خدا کے رسولوں میں سے تھا

یونس علیہ السلام نے بھی دیگر انبیاء کی طرح اپنی دعوت کی ابتداء توحید اور بت پرستی کے خلاف قیام سے شروع کی۔ اس کے بعد ان برائیوں کے خلاف نبرد آزمائی کی جو اس ماحول میں رائج تھے۔

لیکن وہ ان کی دعوت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔

صرف ایک چھوٹا سا گروہ جو شاید دو افراد (ایک عابد اور ایک عالم) پر مشتمل تھا ان پر ایمان لایا۔

حضرت یونس نے اس قدر تبلیغ کی کہ ان سے تقریباً مایوس ہو گئے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ عابد کے کہنے پر (اور گمراہ قوم کی کیفیت اور حالات کو دیکھتے ہوئے) آپ نے پختہ ارادہ کر لیا کہ ان کے خلاف بدعا کریں یہ پروگرام پورا ہو گیا اور حضرت یونس علیہ السلام نے ان پر نفرین کی اور انہیں بددعا دی۔ جو آپ پر وحی آئی کہ فلاں وقت عذاب الٰہی نازل ہوگا۔ جب عذاب کے وعدے کا وقت قریب آیا تو حضرت یونس علیہ السلام اس عابد کیساتھ اس قوم کے درمیان سے باہر چلے گئے ایسی حالت میں کہ آپ نہایت غصے میں تھے یہاں تک کہ دریا کے کنارے پر پہنچ گئے وہاں لوگوں اور سامان سے بھری ایک کشتی دیکھی۔ آپ نے ان سے خواہش کی کہ مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلیں۔

(۱۴۰) اسی وقعے کی طرف قرآن بعد والی آیات میں اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔ اس وقت کو یاد کرو جب اس نے وزن اور لوگوں سے بھری ہوئی کشتی کی طرف فرار کیا۔

(۱۴۱) بہر حال یونس کشتی پر سوار ہو گئے روایات کے مطابق ایک بڑی مچھلی نے کشتی کی راہ روک لی اور منہ کھول دیا گویا وہ کچھ کھانے کو مانگ رہی ہو۔ کشتی میں بیٹھنے والوں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی گنہ گار ہمارے درمیان ہے (کہ جسے اس مچھلی کا لقمہ بننا چاہیے اور قرعہ اندازی سے کام لینے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں ہے) اس موقع پر انہوں نے قرعہ ڈالا تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام نام نکل آیا۔

قرآن زیر بحث آیات میں ایک مختصر سے جملے کے ذریعے اس ماجرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے یونس علیہ السلام نے ان کے ساتھ قرعہ ڈالا اور مغلوب ہو گیا۔

(۱۴۲) بہر حال قرآن کہتا ہے کہ ایک بہت بڑی مچھلی نے اسے نگل لیا جب کہ وہ مستحق ملامت تھا۔

یہ بات مسلم ہے کہ یہ ملامت و سرزنش کسی کبیرہ یا صغیرہ گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے نہ تھی بلکہ اس کا سبب صرف ترک اولیٰ تھا جو ان سے سرزد ہوا اور وہ تھا اپنی قوم کو چھوڑ جانے اور ان سے ہجرت کرنے میں جلدی کرنا۔

ایک روایت میں آیا ہے:۔

''خدا نے اس مچھلی کی طرف وحی کی کہ اس کی کوئی ہڈی نہ توڑنا اور اس کے کسی جوڑ کو نہ کاٹنا''۔

(۱۴۳) یونس ہی جلد اصل قضیے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ علیہ السلام نے پوری توجہ کے ساتھ بارگاہ خداوندی کی طرف رخ کیا

اور اپنے ترک اولیٰ پر استغفار کی اور اس کی مقدس بارگاہ سے عفو کا تقاضا کیا۔

اس مقام پر ایک نہایت پر معانی اور معروف ذکر حضرت یونسؑ کی زبانی نقل ہوا ہے جو سورہ انبیاء کی آیہ ۸۷ میں آیا ہے اور اہل عرفان کے درمیان ذکر یونسیہ کے نام سے مشہور ہے۔

''اس نے تہہ بہ تہہ تاریکیوں میں پکارا کہ: تیرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، تو پاک ومنزہ ہے میں ہی ظالموں میں سے تھا''۔

اب دیکھیں زیر بحث آیات اس سلسلے میں کیا کہتی ہیں، ایک مختصر سے جملے میں فرمایا گیا ہے: اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا۔۔۔

(۱۴۴) تو یقیناً وہ قیامت کے دن تک مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتا۔

اور یہ وقتی قید خانہ دائمی زندان میں بدل جاتا اور وہ دائمی زندان اس کے لیے قبرستان میں بدل جاتا۔

(۱۴۵) پھر جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ہم نے اسے ایک خشک اور درخت اور سبزے سے خالی سرزمین میں پھینک دیا، اس حالت میں کہ وہ بیمار تھا۔

وہ بہت بڑی مچھلی خشک وبے گیا ساحل کے نزدیک آئی اور حکم خدا سے اس لقمے کو جو اس سے زائد تھا باہر پھینک دیا۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ اس عجیب وغریب زندان نے یونسؑ کے جسم کی سلامتی کو درہم برہم کر دیا تھا۔ لہٰذا وہ بیمار وناتواں اس زنداں سے آزاد ہوئے۔

(۱۴۶) پھر لطف الٰہی ان کے شامل حال ہوا، کیونکہ ان کا بدن بیمار اور خستہ حال تھا اور ان کا جسم کمزور وناتواں تھا۔ ساحل کی دھوپ انہیں تکلیف پہنچاتی تھی۔ لہٰذا ان کے لیے نرم وگداز اور لطیف قسم کے لباس کی ضرورت تھی تاکہ ان کے بدن کو اس کے نیچے آرام حاصل ہو۔ اس مقام پر قرآن کہتا ہے۔ ہم نے ایک کدو کی بیل اس کے اوپر اگا دی تاکہ وہ اس کے چوڑے اور مرطوب پتوں کے نیچے آرام کرے۔

(۱۴۷) اب ہم حضرت یونسؑ کا ذکر چھوڑتے ہیں اور ان کی قوم کا حال بیان کرتے ہیں۔

جب حضرت یونسؑ نے غیض وغضب کی حالت میں اپنی قوم کو چھوڑ دیا اور خدا کے غضب کے آثار بھی اس پر ظاہر ہو گئے، تو وہ لوگ شدت کے ساتھ لرز اٹھے۔ اب انہیں ہوش آیا۔ ایک عالم کہ جوان کے درمیان رہتا تھا وہ اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس کی رہبری اور ہدایت سے توبہ پر آمادہ ہو گئے۔

اس موقع پر عذاب کے پردے ہٹ گئے اور وہ حادثہ پہاڑوں پر جا گرا۔ اور توبہ کرنے والے اہل ایمان نے لطف الٰہی کے

باعث نجات پائی۔

حضرت یونس علیہ السلام اس ماجرے کے بعد اپنی قوم کے پاس آئے تا کہ دیکھیں کہ عذاب سے ان پر کیا گزری؟

جب وہ آئے تو بہت متعجب ہوئے کہ گویا دنیا بدل گئی۔ وہ تو ان کی ہجرت کے وقت سب کے سب بت پرست تھے لیکن اب وہ سب کے سب خدا پرست موحد بن گئے ہیں۔

قرآن اس موقع پر کہتا ہے: ہم نے اسے ایک لاکھ یا اس سے کچھ زیادہ افراد کی طرف بھیجا۔

(۱۴۸) وہ ایمان لے آئے اور ہم نے انہیں ایک معین مدت تک دنیاوی نعمتوں اور زندگی سے بہرہ مند کیا۔

البتہ ان کا اجمالی ایمان اور توبہ تو پہلے ہو چکی تھی لیکن خدا اور اس کے پیغمبر حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی تعلیمات و احکام پر تفصیلی ایمان اس وقت صورت پذیر ہوا جب جناب یونس علیہ السلام ان کے درمیان پلٹ کر آئے۔

چھوٹی سی داستان بہت سے سبق

ہم جانتے ہیں کہ قرآن مجید میں ان قصوں کا بیان تربیتی مقاصد کے لیے ہے کیونکہ قرآن کوئی قصے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ انسان سازی اور تربیت کی کتاب ہے۔

اس عجیب داستان سے بہت سے پند و نصائح حاصل کیے جا سکتے ہیں۔

(الف) یہ واقعہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ایک گنہ گار اور مستحق عذاب قوم، کس طرح سے آخری لمحات میں اپنی تاریخ کا راستہ بدل سکتی ہے اور خدا کی رحمت و محبت بھری آغوش کی طرف پلٹ کر نجات پا سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ موقع ہاتھ سے نکلنے سے پہلے متوجہ ہو جائے۔ اور اگر ہو سکے تو کسی عالم کو اپنی رہبری کے لیے منتخب کرے۔ تا کہ وہ ان کی صحیح راہنمائی کر سکے۔

(ب) یہ ماجرا اس بات کی بھی نشاندہی کرتا ہے کہ خدا پر ایمان اور گناہ سے توبہ آثار و برکات کے علاوہ، دنیا کی ظاہری نعمتوں کا رخ بھی انسان کی طرف موڑ دیتی ہے، آبادی بڑھاتی ہے طول عمر اور زندگی کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کا سبب بنتی ہے۔ اس مطلب کی نظیر حضرت نوح علیہ السلام کی داستان میں بھی آئی ہے۔ اس کی تفصیل و تشریح انشاءاللہ سورہ نوح کی تفسیر میں بیان کی جائے گی۔

(ج) خدا کی قدرت اس قدر وسیع و عریض ہے کہ اس کے سامنے کوئی بھی چیز مشکل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک انسان کو ایک عظیم اور وحشت ناک جانور کے منہ اور پیٹ میں سالم و محفوظ رکھ سکتا ہے اور سالم ہی باہر نکال سکتا ہے۔

(۱۴۹) فَاسۡتَفۡتِہِمۡ اَلِرَبِّکَ الۡبَنٰتُ وَ لَہُمُ الۡبَنُوۡنَ ۙ	ان سے پوچھ! کیا تیرے پروردگار کے لیے تو لڑکیاں ہیں اور ان کے لیے لڑکے؟
(۱۵۰) اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِکَۃَ اِنَاثًا وَّ ہُمۡ شٰہِدُوۡنَ	کیا ہم نے فرشتوں کو لڑکیوں کی صورت میں پیدا کیا ہے اور وہ (اس بات کو) مشاہدہ کر رہے تھے؟
(۱۵۱) اَلَاۤ اِنَّہُمۡ مِّنۡ اِفۡکِہِمۡ لَیَقُوۡلُوۡنَ ۙ	جان لو کہ وہ اپنی بڑی گستاخی سے یہ بات کہتے ہیں۔
(۱۵۲) وَلَدَ اللّٰہُ ۙ وَ اِنَّہُمۡ لَکٰذِبُوۡنَ	کہ خدا صاحب اولاد ہے، لیکن یقیناً وہ قطعی جھوٹ بولتے ہیں۔
(۱۵۳) اَصۡطَفَی الۡبَنَاتِ عَلَی الۡبَنِیۡنَ	کیا اس (اللہ) نے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی ہے؟
(۱۵۴) مَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ	تمہیں کیا ہو گیا، تم یہ کیسا فیصلہ کر رہے ہو (کچھ سمجھتے بھی ہو کہ یہ کیا کہہ رہے ہو)؟
(۱۵۵) اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ۚ	کیا تم متوجہ نہیں ہوتے؟
(۱۵۶) اَمۡ لَکُمۡ سُلۡطٰنٌ مُّبِیۡنٌ ۙ	کیا تمہارے پاس اس بارے میں کوئی واضح دلیل ہے؟
(۱۵۷) فَاۡتُوۡا بِکِتٰبِکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ	اگر تم سچ کہتے ہو تو اپنی کتاب (اور دلیل) لے آؤ۔
(۱۵۸) وَ جَعَلُوۡا بَیۡنَہٗ وَ بَیۡنَ الۡجِنَّۃِ نَسَبًا ؕ وَ لَقَدۡ عَلِمَتِ الۡجِنَّۃُ اِنَّہُمۡ لَمُحۡضَرُوۡنَ ۙ	اور وہ اس کے اور جنوں کے درمیان (رشتہ داری اور) نسبت کے قائل ہو گئے ہیں، حالانکہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ یہ بت پرست عدالت الٰہی میں حاضر کئے جائیں گے۔
(۱۵۹) سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ۙ	خدا اس توصیف سے جو وہ کرتے ہیں، منزہ ہے۔

(۱۶۰) اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ	مگر (وہ توصیف جو) خدا کے مخلص بندے (کرتے ہیں)۔

تفسیر

قبیح تہمتیں

گزشتہ انبیاء کی چھ داستانوں اوران میں سے ہرایک میں جو اصلاحی و تربیتی درس پوشیدہ تھا، اسے ذکر کرنے کے بعد موضوع سخن تبدیل کرتے ہوئے ایک اور مطلب شروع کیا جارہا ہے کہ جو مشرکین عرب کے ساتھ شدید ارتباط رکھتا ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ مشرکین عرب کی ایک جماعت انحطاط فکری اور کسی قسم کا علم و دانش نہ ہونے کی بنا پر خدا کو اپنے جیسا قیاس کرتے تھے اوراس کے لیے اولا دو بیوی کے بھی قائل تھے۔

پہلے فرماتا ہے: ان سے پوچھ، کیا تیرے پروردگار کی تو بیٹیاں ہیں اوران کے بیٹے ہیں۔

بلاشک لڑکے اورلڑکیاں انسانی نکتہ نظر سے اور خدا کی بارگاہ میں قدر قیمت کے لحاظ سے، یکساں اور برابر ہیں، دونوں کی شخصیت کا معیار پاکیزگی اورتقویٰ ہے۔

(۱۵۰) اس کے بعداس مسئلے کی حسی دلیل پیش کی گئی ہے۔ پھر استفہام انکاری کی صورت میں قرآن کہتا ہے: کیا ہم نے فرشتوں کولڑکیوں کی صورت میں پیدا کیا ہےاور وہ اس کے شاہد و ناظر تھے؟

بلاشک وشبہ اس سلسلے میں ان کا جواب منفی تھا۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی خلقت ملائکہ کے وقت اپنے حضور وشہود کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا۔

(۱۵۱) باردیگر دلیل عقلی کے جوان کے مسلمات ذہنی سے لی گئی ہے کی طرف رجوع کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے، جان لو کہ وہ اپنی اس قبیح اور بہت بڑی تہمت کے ساتھ کہتے ہیں۔

(۱۵۲) خدا صاحب اولاد ہے (جبکہ) وہ قطعاً جھوٹے ہیں۔

(۱۵۳) اس مقام پر خداوند عالم پھرانہیں سرزش کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: کیا اس نے بیٹوں کو بیٹیوں پر ترجیح دی ہے؟

(۱۵۴) تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ یہ کیسے فیصلے کررہے ہو۔؟ کچھ سمجھتے بھی ہو کہ کیا کہہ رہے ہو؟

(۱۵۵) کیا ابھی اس بات کا وقت نہیں آیا کہ تم ان مہمل، فضول اور قبیح ورسوا کن خرافات سے دستبردار ہو جاؤ؟ کیا تم متوجہ نہیں ہوتے؟

یہ باتیں اس قدر باطل اور بے بنیاد ہیں کہ اگر انسان تھوڑی سی بھی عقل اور سمجھ بوجھ رکھتا ہو اور اس بارے میں غور کرے تو ان کے باطل ہونے کا ادراک کرے گا۔

(۱۵۶) ایک حسی اور ایک عقلی دلیل کے ساتھ ان کے بیہودہ اور خرافاتی دعوے کو باطل کرنے کے بعد قرآن تیسری دلیل پیش کرتا ہے جو منقولات سے متعلق ہے۔ کہتا ہے: اگر اس قسم کی کوئی بات جو تم کہتے ہو صحیح ہوتی تو اس کا کوئی اثر و نشان گزشتہ کتابوں میں ہونا چاہیے کیا تمہارے پاس اس سلسلے میں کوئی واضح دلیل موجود ہے؟

(۱۵۷) اگر تمہارے پاس کوئی ایسی دلیل موجود ہے تو اپنی کتاب لے آؤ۔ اگر تم سچ کہتے ہو۔ کس کتاب میں؟ کس تحریر میں ؟ اور کس وحی آسمانی میں اس قسم کی چیز آئی ہے اور کس پیغمبر پر نازل ہوئی ہے؟

(۱۵۸) اس آیت میں مشرکین عرب کی خرافات میں سے ایک اور بے ہودگی بیان کی گئی ہے اور وہ نسبت ہے جو وہ خدا اور جن کے درمیان سمجھتے تھے۔ اس موقع پر گفتگو خطاب کی صورت سے نکل کر غائب کی صورت میں آگئی ہے۔ گویا وہ اس قدر بے قیمت ہیں کہ آمنے سامنے بیٹھ کر بات کرنے کے قابل بھی نہیں ہیں۔ فرمایا گیا ہے: وہ اس کے درمیان رشتہ داری اور نسبت کے قائل ہو گئے تھے۔

بہرحال قرآن مجید اس بے ہودہ اور خرافاتی عقیدے کا شدت کے ساتھ انکار کرتا ہے اور کہتا ہے: وہ جن اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ بے ہودہ بت پرست خدا کی عدالت میں حساب و کتاب اور عذاب و سزا کے لئے ضرور حاضر ہوں گے۔

(۱۵۹) اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: خدا اس تعریف، توصیف سے جو یہ (جاہل، گمراہ) گروہ کرتا ہے، پاک و منزہ ہے۔

(۱۶۰) اس توصیف کے سوا جو خدا کے مخلص بندے (از روئے آگاہی و معرفت اس کے بارے میں کرتے ہیں) کوئی توصیف اس مقدس ذات کے لئے شایان نہیں ہے۔

وہ بندے ہر قسم کے شرک، ہوائے نفس۔ جہالت اور گمراہی سے مبرا ہیں اور خدا کی اس کے سوا جس کی اس نے خود اجازت دی ہے توصیف نہیں کرتے۔

ہاں! پیغمبر اکرم ﷺ کے ارشادات، حضرت علی علیہ السلام کے نہج البلاغہ کے خطبات اور صحیفہ سجادیہ میں امام سجاد علیہ السلام کی پرمغز دعاؤں کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ان بندگان خدا کی توصیفوں سے خدا کو پہچاننا چاہیے۔

(۱۶۱) فَاِنَّكُمْ وَ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ	لہٰذا تم اور جن کی تم پرستش کرتے ہو۔
(۱۶۲) مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ۙ	ہرگز کسی کو (اس سے) دھوکا نہیں دے سکتے۔
(۱۶۳) اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ	مگر وہ، جو خود ہی یہ چاہتے ہیں کہ جہنم کی آگ میں جلیں۔
(۱۶۴) وَ مَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ۙ	اور ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک معلوم مقام ہے۔
(۱۶۵) وَّ اِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ۚ	اور ہم سب کے سب (خدا کے حکم کی اطاعت کے لیے) صف باندھے کھڑے ہیں۔
(۱۶۶) وَ اِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ	اور ہم سب کے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں۔
(۱۶۷) وَ اِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ۙ	اور وہ تو ہمیشہ یہی کہتے تھے۔
(۱۶۸) لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ	اگر پہلے لوگوں کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہمارے پاس ہوتی۔
(۱۶۹) لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ	تو ہم خدا کے مخلص بندوں میں سے ہوتے۔
(۱۷۰) فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ	(لیکن جس وقت یہ عظیم آسمانی کتاب ان کے لیے نازل ہوئی) تو وہ اس سے کافر ہو گئے، لیکن عنقریب وہ اپنے عمل کا نتیجہ دیکھ لیں گے۔

تفسیر

جھوٹے دعوے

گزشتہ آیات میں مشرکین کے مختلف معبودوں کے بارے میں گفتگو تھی، زیر بحث آیات میں بھی وہی مسئلہ جاری ہے اور اس سلسلے میں چند آیات میں ایک ایک مطلب بیان ہو رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ تم بت پرستوں کے وسوسے کا نیک اور پاک لوگوں کے دلوں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ صرف آلودہ دل اور

تمہاری برائی کی طرف مائل ہونے والی دوزخی روحیں ہی ان وسوسوں کو قبول کرتی ہیں۔فرمایا گیا ہے: تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو.....................۔

(۱۶۲) تم ہرگز کسی کو (اس سے) فریب نہیں دے سکتے، اور فتنہ وفساد کے ذریعے خدا سے منحرف نہیں کر سکتے۔

(۱۶۳) مگر وہی جو خود یہ چاہتے ہیں کہ جہنم کی آگ میں جلیں۔

(۱۶۴) یہ (سابقہ) تین آیات جو بت پرستوں کی فتنہ جوئی اور گمراہ کن حرکتوں کے مقابلہ میں انسانوں کے مسئلہ اختیار کو واضح کرتی ہیں۔ان کے بعد تین آیات میں فرشتوں کے بلند وبالا مقام کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔وہی فرشتے جنہیں بت پرست خدا کی بیٹیاں خیال کرتے ہیں۔اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ گفتگو کو خود انہی کی زبان سے بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: ہم ہر ایک کا ایک معلوم مقام ہے۔

(۱۶۵) اور ہم سب فرمان خدا کی اطاعت کے لیے صف بستہ کھڑے ہیں اور اس کے حکم کی تعمیل کے لیے تیار رہتے ہیں۔

(۱۶۶) اور ہم سب کے سب اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کو ان چیزوں سے جو اس کی پاک ذات کے لائق نہیں ہیں، منزہ شمار کرتے ہیں۔

ہاں: ہم تو وہ بندے ہیں جو دل و جان کو ہتھیلی پر رکھے ہوئے ہیں۔ ہماری آنکھیں اور کان اس کے فرمان پر لگے ہوئے ہیں۔ہم کہاں اور خدا کا بیٹا ہونا کہاں؟ حقیقت میں یہ تین آیات فرشتوں کی صفات کے تین حصوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

پہلا یہ کہ ان میں سے ہر ایک، ایک مرتبہ ومنزلت رکھتا ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتا۔

دوسرا یہ کہ فرشتے عرصۂ آفرینش میں اور وسیع عالم ہستی میں اوامر خداوندی کے اجراء کے سلسلے میں ہمیشہ فرمان خدا کی اطاعت کے لیے آمادہ وتیار رہتے ہیں۔

تیسرا یہ کہ وہ ہمیشہ خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کو اس چیز سے جو اس کے مقام کے لائق نہیں ہے، منزہ شمار کرتے ہیں۔

(۱۶۷) اس کے بعد زیر بحث آخری چار آیتوں میں اسی بت پرستی سے مربوط اور کچھ دوسرے مطالب کے لیے ان مشرکین کے ایک عذر لنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن جواب دیتا ہے اور فرماتا ہے: وہ ہمیشہ کہتے تھے۔

(۱۶۸) اگر ہمارے پاس پہلے لوگوں کی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہوتی.....................۔

(۱۶۹) تو ہم خدا کے مخلص بندوں میں سے ہوتے۔

ان سب مخلص بندوں اور جنہیں خدا نے خالص کیا ہے، ان کے بارے میں گفتگو نہ کر۔نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام

جیسے بزرگ پیغمبروں کو ہمارے سامنے پیش نہ کر۔ اگر ہمارے اوپر بھی لطف خدا ہوتا اور ہم پر بھی کوئی آسمانی کتاب نازل ہوئی ہوتی، تو ہم بھی ان ہی مخلص بندوں کے زمرے میں ہوتے۔

(۱۷۰) یہ آیت کہتی ہے کہ ان کی یہ آرزو بھی اب عملی جامہ پہن چکی ہے اور خدا کی عظیم ترین آسمانی کتاب قرآن مجید ان کے لیے نازل ہوئی ہے، لیکن یہ غلط دعوے کرنے والے جھوٹے اس سے کافر ہوگئے ہیں اور اس کی مخالفت انکار اور دشمنی پر تل گئے ہیں۔ لیکن وہ جلد ہی اپنے کام کا نتیجہ جان لیں گے۔

(۱۷۱) وَ لَقَدۡ سَبَقَتۡ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۚۖ	ہمارے مرسل بندوں کے لیے ہمارا قطعی وعدہ پہلے سے مسلم ہو چکا ہے۔
(۱۷۲) اِنَّهُمۡ لَهُمُ الۡمَنۡصُوۡرُوۡنَ ۖ	کہ ان کی مدد کی جائے گی۔
(۱۷۳) وَ اِنَّ جُنۡدَنَا لَهُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ	اور ہمارا لشکر (تمام میدانوں میں) کامیاب ہوگا۔
(۱۷۴) فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ۙ	ان سے ایک معین وقت تک منہ پھیر لے (جب تک جہاد کا فرمان صادر نہیں ہوتا)۔
(۱۷۵) وَ اَبۡصِرۡهُمۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ	اور ان کی حالت کی طرف دیکھ۔ لیکن وہ عنقریب (اپنے کیے کا نتیجہ) دیکھ لیں گے۔
(۱۷۶) اَفَبِعَذَابِنَا يَسۡتَعۡجِلُوۡنَ	کیا وہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں؟
(۱۷۷) فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمۡ فَسَآءَ صَبَاحُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ	لیکن جب ہمارا عذاب ان کے گھروں کے صحن میں نازل ہوگا تو (ان لوگوں کے لیے) جنہیں ڈرایا گیا ہے، وہ بری صبح ہوگی۔

تفسیر

اللہ کا گروہ کامیاب ہے

عظیم انبیاء کی جدو جہد اور بے ایمان مشرکین کی کارشکنیوں کے سلسلے میں ان گوناگوں مباحث کے بعد، جو اس سورہ کی

آیات میں بیان ہوئی ہیں۔اب جبکہ ہم اس سورہ کی آخری آیات کے قریب ہور ہے ہیں تو اس سے مربوط اہم ترین مسئلہ بیان کیا جا رہا ہے۔اور خاتمہ بالخیر کواعلیٰ ترین صورت میں پیش کیا جار ہا ہے،اور وہ خدا کے لشکر کی شیطان اور دشمنان حق کے لشکر پر مکمل فتح کی خبر ہے۔تا کہ وہ تھوڑے سے مومنین جوان آیات کے نزول کے وقت مکہ میں دشمنان اسلام کی سختی اور دباؤ کا شکار تھے اور اسی طرح ہر عصر اور ہر زمانہ کے تمام محروم مومنین، خدا کے اس عظیم وعدے سے مطمئن ہو جائیں اور یاس ونا امیدی کا گرد وغبار اپنے قلب وروح سے دھوڈالیں اور باطل کے لشکر کے ساتھ مقابلہ جاری رکھنے کے لیے آمادہ رہیں۔

ارشاد ہوتا ہے: ہمارے مرسل بندوں کے ساتھ ہمارا قطعی وعدہ پہلے سے مسلم ہو چکا ہے۔

(۱۷۲) کہ ان کی مدد ونصرت کی جائیگی۔

(۱۷۳) اور ہمارے لشکر تمام میدانوں میں کامیاب ہوں گے۔

کتنی صریح اور منہ بولتی عبارت ہے اور کتنا روح پرور اور امید بخش وعدہ ہے۔

(۱۷۴) اس کے بعد ان آیات کو جاری رکھے ہوئے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کی دلجوئی اور کامیابی کی تاکید کے لئے بھی اور بے خبر مشرکین کی تنبیہ وتہدید کے لیے بھی فرمایا گیا ہے: ان سے منہ پھیر لے، اور انہیں ایک معین وقت تک کے لیے ان کی حالت پر چھوڑ دے۔

(۱۷۵) اس کے اس جملے کی ایک دوسری تہدید کے ساتھ تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ان کی حالت کی طرف دیکھ (ان کی ہٹ دھرمیاں، ان کے جھوٹ، ان کی خرافات اور سرکشیاں کتنی بے کار اور فضول ہیں) لیکن وہ جلدی ہی اپنے کار بد کا انجام دیکھ لیں گے۔

وہ بہت جلد اسی دنیا میں تیری اور مومنین کی کامیابی اور اپنی ذلت آمیز شکست اور دوسرے جہاں میں خدا کا عذاب دیکھیں گے۔

(۱۷۶) اور چونکہ یہ بے شرم سرکش یہی کہتے رہتے تھے، کہ عذاب الٰہی کا وہ وعدہ کیا ہوا۔اور اگر تو سچ کہتا ہے تو پھر دیر کیوں کر رہا ہے؟ تو قرآن تہدید آمیز لہجے میں ان کے جواب میں کہتا ہے: کیا یہ ہمارے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں کبھی کہتے ہیں (یہ وعدہ الٰہی کب پورا ہوگا) (یہ کامیابی کب حاصل ہوگی)۔

(۱۷۷) لیکن جب ہمارا عذاب ان کے گھر کے صحن میں اترے گا اور ان کے دن تیرہ تاریک ہو جائیں گے تو اس دن انہیں سمجھ آئے گی کہ جنہیں ڈرایا گیا تھا ان کی صبح کتنی بری اور خطرناک ہے۔

یہ تعبیراس لیے ہے تاکہ نزول عذاب کوان کی زندگی کے اندر مجسم کر دیا جائے اوران کے آرام وسکون کے مرکز کے وحشت واضطراب کے مرکز میں بدل جانے کی نشان وہی کر دی جائے۔

(۱۷۸) وَ تَوَلَّ عَنۡهُمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ ۙ	ایک معین وقت تک ان سے منہ پھیر لے۔
(۱۷۹) وَ اَبۡصِرۡ فَسَوۡفَ يُبۡصِرُوۡنَ	اور ان کے کام کی حالت کو دیکھ، وہ بھی جلد ہی (اپنے اعمال کا نتیجہ) دیکھ لیں گے۔
(۱۸۰) سُبۡحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الۡعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۚ	پاک ذات ہے تیرے پروردگار کی! وہ پروردگار جو عزت وقدرت والا جو پاک ومنزہ ہے ان توصیفوں سے جو وہ کرتے ہیں۔
(۱۸۱) وَ سَلٰمٌ عَلَى الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۚ	اور سلام ہو تمام رسولوں پر۔
(۱۸۲) وَ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۚ	اور حمد وستائش مخصوص ہے اس اللہ کے لیے جو عالمین کا پروردگار ہے۔

تفسیر

کفار کا اعتناء نہ کر

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس سورہ کی آخری آیات پیغمبر اکرم ﷺ اور مومنین کی دلجوئی کے لیے ایک وسیلہ وذریعہ ہیں اور ہٹ دھرم کفار کے لیے ایک تہدید ہیں۔

زیر بحث آیت تاکید کے لیے دہرائی گئی ہے تہدید آمیز لہجے میں فرمایا گیا ہے، ان سے منہ پھیر لے اور انہیں ایک مدت معین تک ان کی حالت پر چھوڑ دے۔

(۱۷۹) ان کی ہٹ دھرمی، انحراف اور تکذیب وانکار کو دیکھ، وہ بھی جلدی ہی اپنے کام کے نتیجہ کو دیکھ لیں گے۔

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یہ تکرار تاکید کے لیے ہے تاکہ وہ یہ بات جان لیں کہ یہ ایک قطعی مسئلہ ہے کہ وہ جلدی اپنی سزا،

شکست اور ناکامی کو دیکھ لیں گے اور اپنے اعمال کے تلخ نتائج میں گرفتار ہوں گے اور مومنین کی کامیابی قطعی اور مسلم ہے۔

(۱۸۰) اسکے بعد سورہ کو خداوند تعالیٰ پیغمبروں اور عالمین کے بارے میں تین پر معنی جملوں کے ساتھ ختم کیا گیا ہے۔

فرمایا گیا ہے: تیرا پروردگار، پروردگار عزت وقدرت ان بے بنیاد توصیفوں سے جو جاہل ومشرک لوگ کرتے ہیں، پاک و منزہ ہے۔

کبھی فرشتوں کو اس کی بیٹیاں کہتے ہیں، کبھی اس کے اور جنوں کے درمیان رشتہ داری جوڑتے ہیں اور کبھی پتھروں اور لکڑی جیسی بے قدر وقیمت موجودات کو اس کا ہم پلہ قرار دیتے ہیں۔

(۱۸۱) دوسرے جملے میں اللہ تعالیٰ تمام پیغمبروں کے لیے اپنے بے پایاں لطف وکرم کا اظہار فرماتے ہوئے کہتا ہے، تمام رسولوں پر سلام ہو۔

وہ سلام جو قیامت کے دن ہر قسم کے عذاب وسزا سے سلامتی وعافیت کی نشانی ہے، وہ سلام جو شکستوں کے مقابلہ میں امان اور دشمنوں پر کامیابی کی دلیل ہے۔

(۱۸۲) اور بالآخر گفتگو کے آخری جملے کو حمد الٰہی پر ختم کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: حمد وستائش مخصوص ہے اس خدا کے لیے جو عالمین کا پروردگار ہے۔

آخری تین آیات ہوسکتا ہے اس سورہ کے تمام دلائل پر ایک اجمالی نظر اور اشارہ ہو۔ کیونکہ اس سورہ کا اہم حصہ توحید اور شرک کی مختلف اقسام سے مقابلہ کے سلسلہ میں تھا اور پہلی آیت سب مشرکین کی تمام توصیفوں سے خدا کی تسبیح تنزیہ کررہی ہے۔

اس سورہ کا دوسرا حصہ سات عظیم پیغمبروں کے حالات کے کچھ گوشوں کا بیان تھا، دوسری آیہ انہیں کی طرف اشارہ ہے۔

اور آخر میں تیسرا حصہ خدا کی نعمتوں، خصوصاً بہشت کی طرح طرح کی نعمتوں اور خدا کے لشکروں کی کفر کے لشکر پر کامیابی کے بارے میں تھا۔ لہٰذا آخر میں خدا کی حمد وستائش ان تمام چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔

متعدد روایات میں یہ آیا ہے۔

''جو شخص یہ چاہتا ہے کہ قیامت کے دن اس کو اجر بڑے اور کامل پیمانہ سے دیا جائے گا تو وہ جس مجلس میں بھی بیٹھے اس کی آخری گفتگو یہ ہونی چاہیے۔

سورہ صٓ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۸۸ آیات ہیں۔

سورہ ''ص'' کے مضامین

یہ سورہ حقیقت میں سورہ صافات کے مضامین ہی کا تسلسل اور تتمہ ہے اور اس کے مطالب کی بندش سورہ صافات کی جملہ بندی سے بہت زیادہ مشابہ ہے۔

اس سورہ کے مطالب و مضامین کا پانچ حصوں میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے:

پہلا حصہ: اس میں مسئلہ توحید کے لیے اور شرک کے خلاف جدوجہد کا ذکر ہے اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے اور ان دونوں امور کے مقابلے میں مشرک دشمنوں کی سختی اور ہٹ دھرمی سے متعلق گفتگو ہے۔

دوسرا حصہ: اس میں خدا کے نو پیغمبروں کی تاریخ کے کچھ گوشوں کو منعکس کیا گیا ہے۔ خصوصیت سے حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں زیادہ گفتگو ہے۔

تیسرا حصہ: اس میں قیامت میں سرکش کفار کی سرنوشت اور دوزخ میں ان کے آپس میں ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے کے بارے میں گفتگو ہے اور مشرکین اور بے ایمان افراد کو اس بات کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ ان کا انجام کیا ہوگا؟

چوتھا حصہ: اس میں انسان کی خلقت، اس کے بلند مقام اور آدم کے لیے ملائکہ کے سجدے کے بارے میں گفتگو ہے۔

پانچواں حصہ: اس میں تمام ہٹ دھرم دشمنوں کے لیے ایک تہدید ہے۔ اور پیغمبر اسلام کے لیے تسلی خاطر ہے۔ نیز اس میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دعوت میں کسی سے کسی قسم کی اجرت اور مزدوری طلب نہیں کرتے، اور کسی کے لیے کوئی درد و رنج نہیں چاہتے۔

اس سورہ کی تلاوت کی فضیلت

یہ سورہ جو اپنی ابتداء کی وجہ سے سورہ ''ص'' کے نام سے موسوم ہے۔ پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی فضیلت کے بارے میں ایک روایت میں آیا ہے:

''جو شخص سورہ ''ص'' پڑھے گا، ہر اس پہاڑ کے مطابق کہ جو خدا نے داؤد علیہ السلام کے لیے مسخر کیا تھا اسے نیکی عطا کرے گا اور صغیرہ و کبیرہ گناہ سے آلودہ ہونے اور اس پر اصرار کرنے سے اسے محفوظ رکھے گا''۔

اور ایک حدیث میں امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے:

''جو شخص سورہ ''ص'' شب جمعہ میں پڑھے گا (خدا کی طرف سے) خیر دنیا و آخرت میں سے اس قدر اسے دیا جائے گا کہ پیغمبران مرسل اور مقرب فرشتوں کے سوا اور کسی کو نہیں دیا جائے گا اور خدا اسے اور ان تمام افراد کو جو اس کے گھر والوں میں سے اس سے تعلق رکھتے تھے، جنت میں داخل کرے گا۔ یہاں تک کہ اس خدمت گار کو بھی جو اس کی خدمت کرتا تھا''۔

اس سے مراد وہ تلاوت ہے جو فکر انگیز ہو۔ایسی فکر جو عمل پر ابھارے اور سورہ کے مضامین و مطالب کو انسان کی زندگی میں عملی شکل دے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔
(۱)صٓ وَ الۡقُرۡاٰنِ ذِی الذِّکۡرِ ؕ	صٓ۔قسم ہے اس قرآن کی جس میں ذکر ہے (کہ یہ کتاب خدائی معجزہ ہے)۔
(۲) بَلِ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ عِزَّۃٍ وَّ شِقَاقٍ	لیکن کافر غرور اور اختلاف میں گرفتار ہیں۔
(۳) کَمۡ اَہۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِہِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ فَنَادَوۡا وَّ لَاتَ حِیۡنَ مَنَاصٍ	ہم نے اس سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا ہے وہ (لوگ) نزولِ عذاب کے وقت داد و فریاد کرتے تھے۔لیکن نجات کا وقت گزر چکا تھا۔

شان نزول

ایک روایت میں امام باقر علیہ السلام سے نقل ہے۔

ابو جہل اور قریش کی ایک جماعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو طالب کے پاس آئی اور کہا: تمہارے بھتیجے نے ہمیں بہت تکلیف پہنچائی ہے اور ہمارے خداؤں کو بھی ناراض کیا ہے۔اسے بلاؤ اور حکم دو کہ وہ ہمارے خداؤں کو کچھ نہ کہا کریں تاکہ ہم بھی اس کے خدا کو برا نہ کہیں۔

جناب ابو طالب نے کسی کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجا پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں داخل ہوئے۔

حضرت ابو طالب نے ان کی باتیں بیان کیں۔پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

کیا یہ اس بات کے لیے تیار ہیں کہ ایک جملے میں مجھ سے موافقت کریں اور اس کے سایے میں تمام عرب سبقت حاصل کر لیں اور ان پر حکومت کریں۔

ابو جہل کہنے لگا ہاں ہم موافق ہیں۔آپ کی مراد کون سا جملہ ہے؟ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

(تقولون لا الٰہ الا اللہ) تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے (اور ان بتوں کو جو تمہاری بدبختی، ننگ و عار اور پس ماندگی کا سبب ہیں اور دور پھینک دو اور خود کو ذاتِ خدا کے ساتھ خالص کر لو۔)

جس وقت حاضرین نے یہ جملہ سنا تو اتنے وحشت زدہ ہوئے کہ انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں، اور تیزی کے ساتھ بھاگ کھڑے ہوئے۔اور وہ کہتے جاتے تھے، ایسی بات تو ہم نے اب تک نہیں سنی تھی، یہ تو ایک جھوٹ ہے۔

اس موقع پر سورہ ''ص'' کے آغاز کی آیات نازل ہوئیں۔

تفسیر

تمہاری نجات کا وقت گزر چکا ہے

اس سورہ کی پہلی آیت میں پھر ایک مرتبہ حروف مقطعات میں سے ایک حرف ''ص'' سے ہمارا سامنا ہے اور یہاں بھی وہی گزشتہ باتیں پیش آئیں گی۔

مفسرین کی ایک جماعت نے یہاں خصوصیت کے ساتھ ''ص'' کو ''اسمائے الٰہی'' یا دوسری باتوں کے لئے ایک اختصاری علامت قرار دیا ہے۔ کیونکہ بہت سے ''اسمائے الٰہی'' ''ص'' سے شروع ہوتے ہیں۔ مثلاً صادق، صمد، صانع یا یہ صدق اللہ کے جملہ کی طرف اشارہ ہے جسے ایک ہی حرف میں بطور خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے: قسم ہے اس قرآن کی جو ذکر کا حامل ہے کہ تو حق پر ہے اور یہ کتاب خدائی معجزہ ہے۔

''ذکر'' کا معنی ہے یاد آوری اور صفحہ دل سے غفلت کے زنگ کو دور کرنا خدا کی یاد، اس کی نعمتوں کی یاد، قیامت کی عظیم عدالت کی یاد، اور خلقت انسان کے مقصد کی یاد۔

(۲) میں فرمایا گیا ہے: اگر تو یہ دیکھتا ہے کہ وہ ان ضیاء بخش آیات اور بیدار کرنے والے قرآن کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ کلام حق پر کوئی پردہ پڑا ہوا ہے۔ بلکہ یہ کفار تکبر وغرور میں گرفتار ہیں۔

(۳) اس کے بعد قرآن ان غافل مغروروں کو بیدار کرنے کے لیے ان کا ہاتھ پکڑ کر بشر کی گزشتہ تاریخ کی طرف لے جاتا ہے اور مغرور و متکبر اور ہٹ دھرم قوم کا انجام انہیں دکھاتا ہے کہ شاید وہ عبرت حاصل کرلیں۔ کہتا ہے: ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ایسی تھیں جنہیں ہم نے پیغمبروں کو جھٹلانے، آیات الٰہی کا انکار کرنے اور ظلم و گناہ کی بنا پر) ہلاک کر دیا۔

اور نزول عذاب کے وقت ان کی فریاد بلند ہوئی لیکن کیا فائدہ؟ کیونکہ اب دیر ہو چکی تھی، اور نجات کا وقت گزر چکا تھا۔

وہ دن جس کے لیے خدا کے پیغمبروں اور اولیاء حق نے انہیں وعظ و نصیحت کی تھی اور ان کے اعمال کے برے انجام سے انہیں ڈرایا تھا، نہ صرف یہ کہ وہ سننے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے تھے بلکہ مومنین کا مذاق اڑاتے، انہیں آزار پہنچاتے، یہاں تک کہ انہیں قتل بھی کر دیتے تھے۔ مہلت ہاتھ سے نکل گئی اور واپسی کے راستے تباہ ہو گئے اور عذاب استیصال ان کی نابودی کے لیے نازل ہو گیا۔ کیونکہ توبہ و بازگشت کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے لہٰذا ان کی فریادیں کسی جگہ تک نہ پہنچیں۔

(۴) وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۚصلے	وہ تعجب کرنے لگے کہ ان میں سے ایک ڈرانے والا پیغمبر کیسے آ گیا! اور کافروں نے کہا: یہ تو جھوٹا جادوگر ہے۔

(۵) اَجَعَلَ الۡاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ عُجَابٌ	کیا اس نے اتنے خداؤں کے بجائے ایک ہی خدا قرار دے لیا ہے؟ یہ تو واقعاً ایک عجیب چیز ہے۔
(۶) وَ انۡطَلَقَ الۡمَلَاُ مِنۡهُمۡ اَنِ امۡشُوۡا وَ اصۡبِرُوۡا عَلٰۤی اٰلِهَتِکُمۡ ۚۖ اِنَّ هٰذَا لَشَیۡءٌ یُّرَادُ ۚۖ	ان کے سردار باہر آئے اور کہا: جاؤ اور اپنے خداؤں کے ساتھ مضبوطی سے جم جاؤ۔ یہ تو ہمیں بدبختی کی طرف کھینچ لے جانا چاہتے ہیں۔
(۷) مَا سَمِعۡنَا بِهٰذَا فِی الۡمِلَّةِ الۡاٰخِرَةِ ۚۖ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا اخۡتِلَاقٌ ۚۖ	ہم نے ہرگز ایسی کوئی چیز اپنے آباؤ اجداد سے نہیں سنی ہے، یہ تو بس جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔

شان نزول

اس آیت اور اس کے بعد کی تین آیات کی شان نزول یہ بیان کی گئی ہے کہ جس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دعوت کو آشکار فرمایا تو قریش کے سردار حضرت ابوطالب کے پاس آئے اور کہا: اے ابوطالب آپ کا بھتیجا ہمیں بے عقل کہتا ہے اور ہمارے خداؤں کو برا کہتا ہے۔ اس نے ہمارے جوانوں کو خراب کر دیا ہے اور ہماری اجتماعیت میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ اگر یہ کام مال کی کمی کی وجہ سے کر رہا ہے تو ہم اس کے لیے اس قدر مال اکھٹا کر دیتے ہیں کہ وہ قریش میں سب سے زیادہ مال دار بن جائے۔ یہاں تک کہ ہم اسے اپنا سردار و حاکم بنانے کے لیے بھی تیار ہیں۔

ابوطالب علیہ السلام نے یہ پیغام پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچایا۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اگر وہ میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تو بھی میں اس کی طرف مائل نہیں ہوں گا۔ لیکن (ان تمام وعدوں کے بجائے) ایک جملہ میں میری موافقت کریں تو وہ اس کے سایے میں عرب پر بھی حکومت کریں گے۔ اور غیر عرب بھی ان کے دین میں داخل ہو جائیں گے اور وہ جنت کے بادشاہ بن جائیں گے۔

ابوطالب نے یہ پیغام انہیں پہنچایا تو انہوں نے کہا:

اس کے لیے تو ہم ایک جملے کی بجائے دس جملے قبول کرنے کو تیار ہیں۔ تم کون سا جملہ کہلوانا چاہتے ہو؟

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:

تم یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور میں خدا کا رسول ہوں۔

(وہ اس گفتگو سے نہایت وحشت زدہ ہو گئے اور) انہوں نے کہا:

کیا ہم ۳۶۰ خداؤں کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کو مان لیں، یہ کتنی عجیب بات ہے؟ (وہ بھی ایسا خدا جو دکھائی نہیں

دیتا)۔

اس موقع پر مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں۔

تفسیر

کیا بہت سے خداؤں کے بجائے ایک خدا کو مان لیں؟

مغرور و سرکش لوگ نہ تو کوئی اثر قبول کرتے ہیں اور نہ ہی اپنے مؤقف سے ہٹتے ہیں۔جس چیز کو انہوں نے اپنے محدود اور ناقص افکار کے ذریعے اپنا لیا ہے۔اس کے سوا کسی چیز کو صحیح نہیں سمجھتے۔

لہٰذا جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں توحید کا پرچم بلند کیا اور چھوٹے بڑے سارے بتوں کے خلاف کہ جن کی تعدا د ۳۶۰ تھی، قیام کیا تو کبھی تو وہ اس بات پر تعجب کرتے کہ انہیں کے درمیان سے ایک انذار کرنے والا پیغمبر کیوں معبوث کیا گیا؟

ان کا تعجب اس بات پر تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہی میں سے ایک فرد ہیں۔

وہ اس عظیم امتیاز کو پیغمبر کی دعوت میں ایک تاریک نقطہ خیال کرتے تھے اور اس پر تعجب کرتے تھے۔کبھی اس مرحلے سے بھی آگے بڑھ جاتے، یہاں تک کہ کافروں نے کہا: یہ تو ایک جھوٹا جادوگر ہے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جادو کی نسبت دینا اس وجہ سے تھا کیونکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اور افکار میں غیر معمولی نفوذ کا مشاہدہ کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جھوٹ کی نسبت اس بنا پر دیتے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ماحول میں مسلمہ شمار ہونے والی بے ہودہ رسوم اور پست افکار کے خلاف قیام کیا تھا۔اور اس کے خلاف بات کرتے تھے اور خدا کی طرف سے رسالت کا دعویٰ رکھتے تھے۔

(۵) جس وقت پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی توحیدی دعوت کو آشکار کیا تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہتے تھے: آؤ: ان کی باتیں سنو: کیا اس نے ان سب خداؤں کے بجائے ایک ہی خدا قرار دے لیا ہے؟ واقعاً یہ تو ایک عجیب بات ہے۔

ہاں: بعض اوقات غرور، خودخواہی، مطلق العنانی اور ماحول کی خرابی انسان کی عقل اور قوت فیصلہ کو اتنا بدل دیتی ہے کہ وہ واضح و روشن حقیقتوں پر تعجب کرنے لگتا ہے، جبکہ وہ خرافات اور بے ہودہ خیالات کی سختی کے ساتھ پابندی کرتا ہے۔

(۶) ان کے سردار جب حضرت ابو طالب کی طرف رجوع کرنے اور ان کی وساطت سے مایوس ہو گئے تو ان کے پاس سے آ گئے اور کہا: جاؤ اور اپنے خداؤں کے ساتھ مضبوطی سے جم جاؤ، اور استقامت اور پائداری سے کام لو کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کو تباہی اور بربادی کی طرف کھینچ لے جائے اور بتوں کی طرف پشت کرنے کی وجہ سے خدا کی نعمتوں کو ہم سے منقطع کرادے اور وہ خود ہم پر حکومت کرے۔

بت پرستوں کے سردار یہ چاہتے تھے کہ اس گفتگو کے ذریعے اپنے پیروکاروں کے تزلزل ایمان اور جذبے کو تقویت پہنچائیں اور زیادہ سے زیادہ ان کے اعتقادات کو بدلنے سے روکیں، لیکن کتنی فضول کوشش تھی؟

(۷) اس کے بعد لوگوں کو غافل رکھنے یا اپنے آپ کو قانع کرنے کے لیے انہوں نے کہا: ہم نے تو ایسی چیز اپنے آباؤ اجداد میں کبھی نہیں سنی۔ یہ تو نرا جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔

اگر توحید اور بتوں کی نفی کا دعویٰ کوئی حقیقت رکھتا ہوتا تو ہمارے آباؤ اجداد کو اپنی عظمت کی وجہ سے اسے درک کر لینا چاہیے تھا۔ اور ہمیں بھی ان سے سنے ہوئے ہونا چاہیے تھا۔ لیکن یہ ایک جھوٹی بات ہے جس کا سابق میں کوئی نشان نہیں ملتا۔

(۸) ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ؕ بَلْ هُمْ فِىْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِىْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ؕ	کیا ہم سب میں سے صرف اس (محمدؐ) پر قرآن نازل ہوا ہے؟ وہ درحقیقت میری اصل وحی کے بارے میں ہی شک کررہے ہیں، بلکہ انہوں نے ابھی تک عذاب الٰہی نہی چکھا۔
(۹) اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۚ	کیا تیرے قادر اور عطا کرنے والے پروردگار کی رحمت کے خزانے ان کے پاس ہیں؟
(۱۰) اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۟ فَلْيَرْتَقُوْا فِى الْاَسْبَابِ	یا یہ بات ہے کہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، (اُن کی) ملکیت ان ہی کے لیے ہے۔ (اگر ایسا ہے) تو آسمان پر چڑھ جائیں (اور نزول کو روک دیں)۔
(۱۱) جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ الْاَحْزَابِ	ہاں! یہ شکست خوردہ احزاب کا ایک چھوٹا سا لشکر ہیں۔

تفسیر

یہ چھوٹا سا شکست خوردہ گروہ

مشرکین مکہ نے جب اپنے ناجائز مفادات خطرے میں دیکھے اور کینہ وحسد کی آگ ان کے دل میں بھڑکنے لگی تو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کے سلسلے میں خود کو قانع کرنے اور لوگوں کو غافل رکھنے کے لیے طرح طرح کی کمزور دلیلوں کا سہارا لینے لگے۔

منجملہ ان کے تعجب اور انکار کے طور پر کہتے: کیا ہم سب میں سے صرف محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر قرآن نازل ہوا ہے؟

کیا ان تمام بڑے بوڑھوں اور سن رسیدہ لوگوں اور ان تمام مالدار، ثروت مند سردار میں سے کوئی نہ مل سکا کہ خدا اپنا قرآن اس پر نازل کرتا، سوائے تہی دست اور یتیم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے؟

قرآن فرماتا ہے کہ ان کا مسئلہ کچھ یہ ہے کہ وہ حقیقت میں میری اصل وحی اور میرے ذکر میں شک رکھتے ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر اعتراض کرنا تو بہانے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور ان کا یہ شک کسی مسئلے میں اس بنا پر نہیں ہے کہ قرآن مجید میں کوئی ابہام ہے بلکہ اس کا سرچشمہ ہوا و ہوس، حب دنیا اور حسد و کینہ ہے۔

اور آخر میں انہیں اس جملہ کے ساتھ تہدید کی گئی ہے: انہوں نے ابھی تک عذاب الٰہی کو نہیں چکھا جو اس طرح سے دلیری کے ساتھ خدا کے بھیجے ہوئے کے سامنے اکڑے ہوئے ہیں۔ اور ان فضول باتوں کے ساتھ وحی الٰہی کے مقابلے میں جنگ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔

(۹) اس کے بعد ان کے جواب میں مزید فرمایا گیا ہے: واقعاً کیا تیرے قادر اور بخشنے والے پروردگار کی رحمت کے خزانے انہی کے پاس ہیں۔ کہ جس کسی کو وہ چاہیں نبوت کا پروانہ دے دیں۔

(۱۰) اس آیت میں اسی مطلب کو ایک دوسرے طریقے سے بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ کیا آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، کی ملکیت و حاکمیت ان کے لیے ہے؟ اگر ایسا ہے تو آسمانوں پر چڑھ جائیں اور وحی الٰہی کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک قلب پر نازل ہونے سے روک دیں۔

یہ گفتگو حقیقت میں گزشتہ بحث کی تکمیل کرتی ہے۔ وہاں پر یہ کہا گیا ہے کہ پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں نہیں ہیں کہ تمہاری ہوس آلود خواہشات جس شخص کے ساتھ ہم آہنگ ہیں اسے بخش دو اب فرمایا گیا ہے کہ اب جب کہ یہ خزانے ہاتھ میں نہیں ہیں وہ صرف خدا کے ہاتھ میں ہیں، تو صرف ایک ہی راہ ہے جو تمہارے لیے کھلی ہے اور وہ یہ ہے کہ تم آسمانوں پر چڑھ جاؤ اور وحی کو نازل ہونے سے روک دو۔ اور تم خود جانتے ہو کہ تم اس کام سے بھی بالکل عاجز ہو۔

(۱۱) اس آیت میں ان کم عقل مغروروں سے تحقیر کے طور پر ارشاد ہوتا ہے: یہ شکست خوردہ احزاب کا ایک چھوٹا لشکر ہیں۔

اس وقت مسلمانوں کی کامیابی کی کوئی نشانی نظر نہیں آئی تھی، اس وقت بدر، احزاب اور حنین کی کامیابیاں سامنے نہیں آئیں تھیں۔ لیکن قرآن قاطعیت اور دوٹوک فیصلے کے طور پر کہہ رہا ہے کہ یہ سخت دشمن ایک چھوٹا سا ایسا لشکر ہیں جو شکست سے دوچار ہو کر رہے گا۔

آج بھی قرآن دنیا کے سارے مسلمانوں کو جو ہر طرف سے متجاوز اور ظالم کے محاصرے میں ہیں، یہی بشارت دے رہا ہے کہ اگر وہ بھی پہلے مسلمانوں کی طرح خدا کے عہد و پیمان پر ڈٹ جائیں تو خدا بھی جنود احزاب کے بارے میں اپنے وعدے کو پورا کرے گا۔

(۱۲) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ ذُو الْاَوْتَادِ ۙ	ان سے پہلے قوم نوح و عاد اور صاحبِ اقتدار فرعون نے (ہمارے انبیاء کی) تکذیب کی۔

(۱۳) وَ ثَمُوۡدُ وَ قَوۡمُ لُوۡطٍ وَّ اَصۡحٰبُ الۡئَیۡکَۃِ ؕ اُولٰٓئِکَ الۡاَحۡزَابُ	نیز ثمود، قوم لوط اور اصحاب الایکہ (قوم شعیب) یہ وہ جماعتیں تھیں (کہ جو انبیاء کی تکذیب کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں)۔
(۱۴) اِنۡ کُلٌّ اِلَّا کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ؑ	ان جماعتوں میں سے ہر ایک نے رسولوں کی تکذیب کی اوران کے لیے عذاب الٰہی روبہ عمل آیا۔
(۱۵) وَ مَا یَنۡظُرُ ہٰۤؤُلَآءِ اِلَّا صَیۡحَۃً وَّاحِدَۃً مَّا لَہَا مِنۡ فَوَاقٍ	ان لوگوں کو اس کے علاوہ کوئی توقع نہ تھی کہ ایک آسمانی چیخ نازل ہو۔ ایسی چیخ کہ جس کے باعث لوٹنے کو کائی راستہ نہ رہے (اور وہ سب کو نابود کردے)
(۱۶) وَ قَالُوۡا رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا قِطَّنَا قَبۡلَ یَوۡمِ الۡحِسَابِ	انہوں نے (سرکشی کی بنا پر) کہا: پروردگار! اپنے عذاب میں سے روز حساب سے پہلے ہی ہمارا حصہ جتنی جلدی ہوسکے ہمیں دے دے۔

تفسیر

صرف ایک آسمانی صیحہ ان کا کام تمام کردے گا

گزشتہ آیات میں سے آخری میں مشرکین کی شکست کی خبر دی گئی تھی۔ اس میں انہیں احزاب میں سے چھوٹا سا مغلوب لشکر قرار دیا گیا ہے۔ اب زیر بحث آیات میں چند ایسے گروہوں کا ذکر ہے جو انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتے تھے اوران میں ان کے برے انجام کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ان سے پہلے قوم نوح وعاد اور صاحب اقتدار فرعون نے اللہ کی آیات اوراس کے رسولوں کو جھٹلایا۔

(۱۳) اسی طرح قوم ثمود، قوم لوط اور اصحاب ایکہ قوم شعیب بھی ایسے گروہ تھے جو اللہ کے رسولوں کی تکذیب کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

جی ہاں! یہ چھ گروہ زمانہ جاہلیت کی جماعتوں اور بت پرستوں کے تھے۔ انہوں نے اپنے عظیم انبیاء کے خلاف قیام کیا۔ لیکن ان کا انجام عذاب الٰہی انہیں دامن گیر ہوا۔

(۱۴) ان میں سے ہر گروہ نے اللہ کے رسولوں کی تکذیب کی اور اللہ کا عذاب ان کے لیے روبہ عمل آ گیا۔

تاریخ نشاندہی کرتی ہے کہ کس طرح ان میں سے ہر گروہ گرفتار بلا ہوا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے شہر ویرانوں اور کھنڈروں میں تبدیل ہوگئے اوراس شہر کے باسی بے روح جسم ہوگئے۔

(۱۵) آیا مشرکین مکہ جو کام انجام دیتے ہیں ان کے ہوتے ہوئے کیا انکا ان لوگوں سے بہتر انجام ہوسکتا ہے جبکہ ان کے

اعمال بھی ویسے ہی ہیں اور اللہ کی سنت بھی وہی ہے۔

اس میں قرآن ایک قاطع اور تہدید آمیز انداز میں کہتا ہے: یہ لوگ ان اعمال کے ہوتے ہوئے اس کے سوا کوئی توقع نہیں رکھ سکتے کہ ایک آسمانی صیحہ آ پہنچے، ایسا صیحہ کہ پھر لوٹنے کی گنجائش نہ رہے۔

ممکن ہے یہ صیحہ ویسی ہی ہو جیسی گزشتہ اقوام پر نازل ہوتی رہی۔ یعنی وحشت ناک صاعقہ یا زبردست آواز کے ساتھ زمین پر آنے والا زلزلہ ہو کہ جس کے ذریعے ان کی زندگی درہم برہم ہو کر رہ گئی۔

نیز ممکن ہے یہ اس دنیا کے اختتام پر جو عظیم صیحہ ہوگی اس کی طرف اشارہ ہو کہ جس کے لیے پہلا صور پھونکے جانے کی تعبیر استعمال ہوتی ہے۔

(۱۶) اس آیت میں کافروں اور منکروں کی کچھ اور باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جو وہ تمسخر کے طور پر کرتے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے: انہوں نے کہا پروردگارا: روز حساب سے پہلے ہی اپنے عذاب میں سے ہمارا حصہ جتنی جلدی ہو سکے ہمیں دے دے

یہ دل کے اندھے مغرور اسی طرح غرور میں بدمست تھے حتیٰ کہ عذاب الٰہی اور اس کی عدالت کا مذاق اڑاتے تھے۔

(۱۷) اِصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ اذۡکُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَیۡدِ ۚ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ	(اے رسول) وہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کر اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کر کہ جو صاحب اقتدار بھی تھا اور بہت زیادہ توبہ کرنے والا بھی۔
(۱۸) اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَہٗ یُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِشۡرَاقِ ۙ	ہم نے پہاڑ اس کے لیے مسخر کر دیئے کہ جو صبح و شام اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے۔
(۱۹) وَ الطَّیۡرَ مَحۡشُوۡرَۃً ؕ کُلٌّ لَّہٗۤ اَوَّابٌ	تمام پرندے بھی ہم نے اس کے لیے مسخر کر دیئے اور یہ سب اس کی طرف بازگشت کرنے والے ہیں۔
(۲۰) وَ شَدَدۡنَا مُلۡکَہٗ وَ اٰتَیۡنٰہُ الۡحِکۡمَۃَ وَ فَصۡلَ الۡخِطَابِ	اور اس کی حکومت کو ہم نے استحکام بخشا اسے ہم نے علم عطا کیا اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا بھی۔

تفسیر

داؤد علیہ السلام کی زندگی سے درس حاصل کریں

گزشتہ آیات میں مشرکین اور بت پرستوں کی زیادتیوں کا ذکر تھا۔ نیز ان ناروا تہمتوں کا بیان تھا جن کی نسبت وہ پیغمبر

اسلام ﷺ کی طرف دیا کرتے تھے۔اس کے بعد اب قرآن رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے زمانے کے مؤمنین کی دل جوئی کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کی داستان بیان کر رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے: جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر اختیار کر اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کر کہ جو با اقتدار بھی تھا اور بہت زیادہ توبہ کرنے والا بھی۔

ان کی جسمانی طاقت کا یہ عالم تھا کہ جب بنی اسرائیل کا ایک ظالم حکمران جالوت میدان جنگ میں آپ علیہ السلام کے مدمقابل آیا تو آپ علیہ السلام نے آلہ سنگ اندازی سے اس قوت سے پتھر پھینکا کہ جالوت گھوڑے کی پشت سے زمین پر آ رہا اور اپنے خون میں لوٹنے لگا۔

دوسری طرف آپ علیہ السلام کے سیاسی اقتدار کا یہ حال تھا کہ ایک طاقتور حکومت آپ علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی اور آپ علیہ السلام پوری طاقت سے دشمنوں کے مقابلے میں کھڑے ہوتے تھے۔علماء نے یہاں تک کہا ہے کہ آپ علیہ السلام کے محراب عبادت کے چاروں طرف ہزار افراد شام سے صبح تک تیار کھڑے رہتے تھے۔

نعمتوں کے لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ السلام کو طرح طرح کی ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کر رکھی تھیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام ایک ایسی شخصیت تھے کہ جنگ میں، عبادت میں، علم میں اور حکومت میں بہت قوی تھے اور انہیں فرواں نعمتیں حاصل تھیں۔

(۱۸) قرآن مجید اجمال کے بعد تفصیل کی اپنی خاص روش کے مطابق اب حضرت داؤد علیہ السلام پر نعمات الٰہی کی کچھ تفصیل بیان کرتا ہے ارشاد ہوتا ہے: ہم نے اس کے لیے پہاڑ مسخر کر دیئے، اس طرح سے کہ صبح و شام وہ اس کے ساتھ تسبیح خدا کرتے تھے۔

(۱۹) نہ صرف پہاڑ بلکہ سب پرندے بھی اس کے لیے مسخر کر دیئے تا کہ ہمیشہ اس کے ہمراہ اللہ کی تسبیح کریں۔

یہ سب پرندے اور پہاڑ حکم داؤد علیہ السلام کے مطیع تھے، اس کے ساتھ ہم آواز تھے اور اس کی طرف بازگشت کرنے والے تھے

یہ تسبیح ظاہری آواز کے ساتھ ساتھ ایک طرح کے ادراک و شعور کے ہمراہ تھی کہ جو ذرات عالم کے باطن میں ہے۔
اس نظریے کے مطابق تمام موجودات عالم ایک قسم کی عقل اور شعور کے حامل ہیں اور جب یہ موجودات اس عظیم پیغمبر کی مناجات کے وقت دل انگیز آواز سنتے تھے تو ان کے ساتھ ہم آواز ہو جاتے اور یوں سب باہم مل کر تسبیح کرتے۔

(۲۰) اس آیت میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر جاری ہے۔ارشاد ہوتا ہے: ہم نے اس کے نظام حکومت کو استحکام بخشا۔

اس طرح سے کہ وہ ہر باغی و سرکش دشمن کا حساب چکاتے۔اس کے علاوہ ہم نے اسے علم و حکمت عطا کی۔

حضرت داؤد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی آخری عظیم نعمت کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ہم نے اسے علم قضاوت اور صحیح و عادلانہ فیصلہ کرنے کا علم عطا کیا۔

احتمالاً اس سے یہ مراد ہو سکتا ہے کہ اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو قوم منطق عطا فرمائی ہو کہ جو بلند فکر اور گہری فکر کی ترجمان تھی۔ لہٰذا نہ صرف یہ کہ فیصلہ کرتے ہوئے بلکہ ہر مقام پر آپ علیہ السلام کی بات آخری اور حتمی ہوتی تھی۔

(۲۱) وَ هَلْ اَتٰىكَ نَبَؤُا الْخَصْمِ ۘ اِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ۙ	کیا تجھ تک شکایت کرنے والوں کی داستان پہنچی ہے کہ جو (داؤد کے) محراب سے اوپر گئے تھے؟
(۲۲) اِذْ دَخَلُوْا عَلٰى دَاوٗدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوْا لَا تَخَفْ ۚ خَصْمٰنِ بَغٰى بَعْضُنَا عَلٰى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَ لَا تُشْطِطْ وَ اهْدِنَآ اِلٰى سَوَآءِ الصِّرَاطِ	جس وقت (بغیر کسی اطلاع کے) وہ اس کے پاس آ پہنچے اور وہ انہیں دیکھ کر گھبرا گیا تو انہوں نے کہا: ڈرو نہیں ہم دونوں شکایت لے کر آئے ہیں کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ اب تو ہمارے درمیان حق فیصلہ کر دے اور کوئی زیادتی نہ ہونے دے اور راہ راست کی طرف ہماری ہدایت کر۔
(۲۳) اِنَّ هٰذَآ اَخِيْ ۫ لَهٗ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ نَعْجَةً وَّلِيَ نَعْجَةٌ وَّاحِدَةٌ ۫ فَقَالَ اَكْفِلْنِيْهَا وَ عَزَّنِيْ فِي الْخِطَابِ	یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں اور میرے پاس ایک سے زیادہ نہیں ہے لیکن اس کا اصرار ہے کہ وہ (ایک) بھی مجھے دے ڈال اور گفتگو میں مجھے دباتا ہے۔
(۲۴) قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ اِلٰى نِعَاجِهٖ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَلِيْلٌ مَّا هُمْ ؕ وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ ۩ السجدة	(داؤد نے) کہا: تیری ایک بھیڑ کا تقاضا کر کے اپنی بھیڑوں میں اضافہ کرنے کے لیے اس نے مسلماً تجھ پر ظلم کیا ہے اور بہت سے دوست ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں سوائے ان کے کہ جو ایمان لائے ہیں اور نیک اعمال انجام دیتے ہیں مگر ان کی تعداد تھوڑی ہے۔ داؤد نے خیال کیا کہ ہم نے اسے (اس واقعہ سے) آزمایا ہے۔ پس اس نے اپنے خدا سے بخشش چاہی اور سجدے میں گر پڑا اور اس نے توبہ کی۔

(۲۵) فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِکَ ؕ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰی وَ حُسْنَ مَاٰبٍ	ہم نے اس کا یہ کام بخش دیا اور وہ ہمارے ہاں مقام بلند اور نیک انجام کا حامل ہے۔

تفسیر

حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک بڑی آزمائش

گزشتہ آیات میں حضرت داؤد علیہ السلام کی خاص صفات بیان کی گئی تھیں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا ذکر تھا۔اس کے بعد اب دادرسی اور قضاوت کے سلسلے میں حضرت داؤد علیہ السلام کو پیش آنے والے ایک واقعے کا تذکرہ ہے۔

پہلے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: کیا داؤد کی دیوار محراب سے اوپر جانے والے شکایت کنندگان کا واقعہ تجھ تک پہنچا ہے۔

(۲۲) بہر حال حضرت داؤد علیہ السلام کے اردگرد اگرچہ بہت سے مخالفین موجود تھے۔تاہم دو آدمی ایک جھگڑے کے سلسلے میں عام راستے سے ہٹ کر محراب اور دیوار قصر سے اوپر آئے اور اچانک آپ کے سامنے آدھمکے۔جیسا کہ قرآن حکیم اس گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے: وہ اچانک داؤد کے سامنے آنکلے (بغیر کسی اطلاع کے اور بغیر کسی اجازت کے) لہٰذا ان پر نظر پڑی تو داؤد وحشت زدہ ہوئے اور گھبرائے کیونکہ انہیں خیال ہوا کہ ہوسکتا ہے ان لوگوں کا ان کے بارے میں غلط ارادہ ہو۔

لیکن انہوں نے بہت جلد آپ کی پریشانی دور کرتے ہوئے کہا ڈریں نہیں، ہم دونوں ایک شکایت لے کر آپ کے پاس آئے ہیں۔ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے اور ہم آپ کے پاس دادرسی کے لئے آئے ہیں۔

اب آپ ہمارے بارے میں حق کیساتھ فیصلہ کریں اور ظلم روا نہ رکھیں اور راہ راست کی طرف ہماری ہدایت کریں

(۲۳) اس مقام پر حضرت داؤد کی پریشانی اور وحشت کم ہوگئی لیکن شاید ایک سوال ان کے ذہن میں ابھی باقی تھا، بہت اچھا، تمہارا کوئی غلط ارادہ نہیں ہے تم صرف اسی کے پاس شکایت لے کر آئے ہو لیکن اس خلاف معمول راستے سے آنے کا مقصد؟

لیکن انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو زیادہ موقع نہ دیا۔ایک نے شکایت کرنے میں پہل کی، کہنے لگا۔یہ میرا بھائی ہے اس کے پاس ننانوے بھیڑیں ہیں اور میرے پاس ایک سے زیادہ نہیں، لیکن یہ اصرار کرتا ہے کہ یہ ایک بھی مجھے دے دے، گفتگو میں یہ مجھ پر بھاری ہے اور مجھ سے زیادہ باتونی ہے۔

(۲۴) آیات قرآنی سے ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد نے دوسرے فریق کی بات سنے بغیر شکایت کرنے والے سے کہا: اپنی بھیڑوں میں تیری بھیڑ کا اضافہ کرنے کے لئے اس نے تقاضا کرکے ظلم روا رکھا ہے۔

لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں بہت سے دوست اور ایک دوسرے سے تعلق رکھنے والے ایک دوسرے پر ظلم کرتے ہیں۔سوائے ان کے کہ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے ہیں۔لیکن وہ بہت تھوڑے ہیں۔

جی ہاں! معاشرت اور دوستی میں دوسروں کے حق کا لحاظ رکھنے والے اور اپنے دوستوں پر ذرہ بھر بھی زیادتی نہ کرنے والے

افراد بہت کم ہیں۔اپنے دوستوں اور جاننے والوں کا حق پورے عدل وانصاف سے وہی ادا کر سکتے ہیں جو ایمان اور عمل صالح سے خوب بہرہ مند ہیں۔

بہر حال یوں لگتا ہے کہ طرفین یہ بات سن کر مطمئن ہو گئے اور حضرت داؤدؑ کے ہاں سے چلے گئے، لیکن داؤدؑ سوچ میں پڑ گئے۔انہوں نے فیصلہ تو عقل کی بنیاد پر کیا تھا کیونکہ اگر فریق ثانی کو مدعی کا دعویٰ قبول نہ ہوتا تو یقیناً وہ اعتراض کرتا۔اس کا سکوت اس امر کے لئے بہترین دلیل تھا کہ معاملہ وہی ہے جو شکایت کرنے والے نے پیش کیا ہے لیکن ان سب امور کے باوجود پشیمان ہوئے اور داؤدؑ نے گمان کیا کہ اس واقعے کے ذریعے ہم نے اس کا امتحان لیا ہے۔

اس نے استغفار کی، اپنے رب سے طلب بخشش کی، سجدے میں گر گیا اور توبہ کی

"راکعا" اس آیت میں یا تو اس بنا پر ہے کہ رکوع بھی لغت میں سجدے کے معنی میں آیا ہے یا پھر اس لیے کہ رکوع سجدے کے لئے مقدمہ ہے۔

(۲۵) بہر حال اللہ نے ان پر اپنا لطف وکرم کیا اور اس ترک اولیٰ میں ان کی لغزش کو معاف کر دیا۔جیسا کہ اس آیت میں قرآن کہتا ہے ہم نے اس کے عمل کو بخش دیا۔

اور وہ ہمارے نزدیک عالی مقام اور نیک مستقبل کا حامل ہے۔

(۲۶) يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلۡنٰکَ خَلِيۡفَةً فِی الۡاَرۡضِ فَاحۡکُمۡ بَيۡنَ النَّاسِ بِالۡحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعِ الۡهَوٰی فَيُضِلَّکَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَضِلُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌۢ بِمَا نَسُوۡا يَوۡمَ الۡحِسَابِ ؑ	اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں (اپنا) خلیفہ (اور نمائندہ) قرار دیا ہے لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کر اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کر کیونکہ یہ تجھے راہ حق سے بھٹکا دے گی، جو لوگ راہ خدا سے منحرف ہو جائیں، روز حساب کو فراموش کرنے کی بنا پر ان کے لیے شدید عذاب ہے۔
(۲۷) وَ مَا خَلَقۡنَا السَّمَآءَ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَيۡنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِکَ ظَنُّ الَّذِيۡنَ کَفَرُوۡا ۚ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ کَفَرُوۡا مِنَ النَّارِ ؕ	ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اسے فضول پیدا نہیں کیا، یہ کافروں کا گمان ہے وائے ہے کافروں کے لئے، (جہنم کی) آگ سے۔
(۲۸) اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالۡمُفۡسِدِيۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۫ اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِيۡنَ کَالۡفُجَّارِ	جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے عمل صالح انجام دیئے ہیں، کیا ہم انہیں زمین میں فساد برپا کرنے والوں کی طرح قرار دے دیں یا پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح قرار دے لیں؟

(۲۹) كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوۡۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ	یہ بابرکت کتاب ہے کہ جو ہم نے تجھ پر نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور اہل فکر ونظر متوجہ ہوں۔

تفسیر

عدل کرو اور ہوائے نفس سے بچو

گزشتہ واقعہ بیان کرنے کے بعد اب آخر میں حضرت داؤدؑ سے خطاب فرماتے ہوئے ان کے بلند کردار کا ذکر کیا جارہا ہے اور ساتھ ساتھ ان کی سنگین ذمہ داریوں کا ذکر دوٹوک انداز میں اور معنی خیز عبارت کے ساتھ کیا جارہا ہے ارشاد ہوتا ہے: اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں (اپنا) خلیفہ (اور نمائندہ) قرار دیا ہے۔ لہٰذا لوگوں کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کر اور ہوائے نفس کی پیروی نہ کر کیونکہ وہ تجھے راہ خدا سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے راستے سے منحرف ہو جائیں ان کے لیے روز حساب کو فراموش کرنیکی وجہ سے شدید عذاب ہے۔

اس آیت میں حضرت داؤد کے بلند مرتبے کا ذکر ہے اور ان کے اہم منصب کی بات کی گئی ہے۔ اس آیت کا مضمون نشاندہی کرتا ہے کہ زوجہ ''اوریا'' کے ساتھ ان کی شادی کے لوگوں نے جھوٹے افسانے تراشے ہیں وہ کس قدر بے بنیاد ہیں۔

یہ آیت نشاندی کرتی ہے کہ زمین میں حکومت کا منشاء ومصدر حکومت الٰہی ہونا چاہیے اور جو حکومت اس راستے کے علاوہ ہو وہ ظالمانہ اور غاصبانہ حکومت ہے۔

(۲۷) حضرت داؤدؑ کی زندگی اور زمین میں ان کے لیے خلافت الٰہی کا ذکر کرنے کے بعد جہاں ہستی کے باہدف و با مقصد ہونے کا ذکر آیا ہے تاکہ زمین پر حکومت کی جہت واضح ہو جائے کہ اس تمام ہستی نظام ہستی کا ایک حصہ ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: آسمان وزمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اسے ہم نے باطل اور فضول پیدا نہیں کیا۔ یہ تو کافروں کا گمان ہے، افسوس کافروں پر آتش دوزخ سے۔

اہم ترین مسئلہ کہ جو تمام حقوق کا سرچشمہ ہے وہ خلقت کا باہدف و بامقصد ہونا ہے۔ جب ہم نے تخلیق کائنات کے بارے میں اپنے عقیدے میں یہ بات قبول کر لی کہ یہ عالم وعید خداوند بزرگ نے فضول پیدا نہیں کیا تو فوراً ہمیں اس کے ہدف کی تلاش ہوتی ہے۔ اس ہدف کو مختصر الفاظ میں تکامل تعلیم اور تربیت کے معنی خیز الفاظ میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ اس سے نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ حکومتوں کو بھی اسی راستے پر گامزن ہونا چاہیے۔ انہیں تعلیم وتربیت کی بنیادیں مضبوط کرنا چاہئیں اور انہیں انسانوں کے روحانی کمال کا ذریعہ ہونا چاہیے۔

(۲۸) اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے: کیا ممکن ہے کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک کام انجام دیئے ہیں، انہیں ہم ان جیسا قرار دیدیں کہ جو زمین میں فساد برپا کرنے والے ہیں۔ اور کیا ممکن ہے کہ ہم پرہیزگاروں کو فاجروں کی طرح

قرار دیں۔

نہ تخلیق بے ہدف ممکن ہے اور نہ نیک اور بد میں مساوات ممکن ہے کیونکہ نیک لوگ اہداف تخلیق کے مطابق قدم اٹھاتے ہیں اور مقصد کی طرف پیش قدمی کرتے ہیں جب کہ برے لوگ مخالف سمت پر گامزن ہیں۔

(۲۹) آیت میں ایسے مطلب کی طرف اشارہ ہے کہ جو درحقیقت حد کائنات کو پورا کرتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: یہ بابرکت کتاب ہے کہ جو ہم نے تجھ پر نازل کی ہے تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں غور وفکر کریں اور صاحبان عقل متوجہ ہوں۔

(۳۰) وَ وَهَبۡنَا لِدَاوٗدَ سُلَيۡمٰنَ ؕ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ؕ	ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا۔ کیا ہی اچھا بندہ تھا کیونکہ وہ ہمیشہ اللہ کی طرف بازگشت کرتا تھا۔ (اور اس کی یاد میں رہتا تھا)۔
(۳۱) اِذۡ عُرِضَ عَلَيۡهِ بِالۡعَشِىِّ الصّٰفِنٰتُ الۡجِيَادُ ۙ	وہ وقت یاد کر جب وقت عصر انہوں نے چابک اور تیز رفتار گھوڑے اس (سلیمان) کے سامنے پیش کئے۔
(۳۲) فَقَالَ اِنِّىۡۤ اَحۡبَبۡتُ حُبَّ الۡخَيۡرِ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّىۡ ۚ حَتّٰى تَوَارَتۡ بِالۡحِجَابِ ۟ وقفة	تو اس نے کہا: ان گھوڑوں کو اپنے رب کی خاطر پسند کرتا ہوں یہاں تک کہ وہ اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔
(۳۳) رُدُّوۡهَا عَلَىَّ ؕ فَطَفِقَ مَسۡحًۢا بِالسُّوۡقِ وَ الۡاَعۡنَاقِ	(سلیمان نے کہا) انہیں دوبارہ لاؤ اور پھر اس نے ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرا۔

تفسیر

سلیمان علیہ السلام اپنی فوجی طاقت کا مظاہرہ دیکھتے ہیں

ان آیات میں بھی حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں گفتگو جاری ہے۔ پہلی آیت میں انہیں سلیمان جیسا کہ باشرف بیٹا عطا فرمانے کی خبر دی گئی ہے۔ کہ جو ان کی حکومت ورسالت کو باقی وجاری رکھنے والے تھے۔ ارشاد ہوتا ہے: ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا، کیا ہی اچھا بندہ تھا کیونکہ وہ ہمیشہ دامن خدا کی طرف اور آغوش حق کی طرف لوٹتا تھا۔

یہ تعبیر حضرت سلیمان علیہ السلام کے عظیم مرتبے کی ترجمان ہے۔ شاید یہ ان بے بنیاد اور قبیح تہمتوں کی تردید کے لیے ہے کہ جو زوجہ ''اوریا'' سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تولد کے بارے میں تحریف شدہ تورات میں آئی ہیں۔ اور نزول قرآن کے زمانے میں وہ تہمتیں اسی طرح عام تھیں۔

(۳۱) اس آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ اس کے متعلق مختلف تفسیر بیان کی گئی ہیں۔ بعض

جاہل اور بے خبر لوگوں کی طرف سے بھی ہیں۔

قرآن کہتا ہے۔:وہ وقت یاد کر جب وقت عصر چابک اور تیز رفتار گھوڑے اس (سلیمانؑ) کے حضور پیش کیے گئے

(۳۲) اس موقع پر یہ واضح کرنے کے لیے کہ طاقتور گھوڑوں سے ان کا لگاؤ دنیا پرستی کی وجہ سے نہیں۔ جناب سلیمانؑ نے کہا: ان گھوڑوں کو میں اپنے رب کی یاد اور اس کے حکم کی بنا پر پسند کرتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ ان سے دشمنوں کے خلاف جہاد میں کام لوں۔

سلیمانؑ کہ جو دشمن کے خلاف جہاد کے لیے آمادہ ان تیز رفتار گھوڑوں کا معائنہ کر رہے تھے بہت خوش ہوئے۔ آپؑ انہیں یوں دیکھ رہے تھے کہ نظریں ان پر جم کر رہ گئیں یہاں تک کہ وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

(۳۳) یہ منظر نہایت دلکش اور عمدہ تھا اور حضرت سلیمانؑ جیسے عظیم فرماں روا کے لیے نشاط انگیز تھا۔ آپ نے حکم دیا ان گھوڑوں کو واپس میرے پاس لاؤ۔

جب مامورین نے اس حکم کی اطاعت کی اور گھوڑوں کو واپس لائے تو سلیمانؑ نے خود ذاتی طور پر ان پر نوازش کی اور ان کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تھپتھپایا اور ہاتھ پھیرا۔

یوں آپ نے ان کی پرورش کرنے والوں کی بھی تشویق اور قدردانی کی۔ معمول ہے کہ جب کسی سواری کی قدردانی کی جاتی ہے تو اس کے سر، چہرے، گردن یا اس کی ٹانگ پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے اور یہ دلچسپی اور پسندیدگی کے اظہار کا اہم ذریعہ ہے کہ جس سے انسان اپنے بلند مقاصد میں مدد لیتا ہے لہٰذا حضرت سلیمانؑ جیسے عظیم نبی کا ایسا کرنا کوئی تعجب انگیز نہیں۔

(۳۴) وَ لَقَدۡ فَتَنَّا سُلَیۡمٰنَ وَ اَلۡقَیۡنَا عَلٰی کُرۡسِیِّہٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ	ہم نے سلیمان کا امتحان لیا اور ایک دھڑ ان کے تحت پر پھینک دیا پھر اس نے بارگاہ خدا کی طرف رجوع کیا۔
(۳۵) قَالَ رَبِّ اغۡفِرۡ لِیۡ وَ ہَبۡ لِیۡ مُلۡکًا لَّا یَنۡۢبَغِیۡ لِاَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِیۡ ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَہَّابُ	اس نے کہا: پروردگار: مجھے بخش دے اور مجھے ایسی حکومت عطا کر کہ جو میرے بعد کسی کے شایاں نہ ہو، کیونکہ تو بڑا عطا کرنے والا ہے۔
(۳۶) فَسَخَّرۡنَا لَہُ الرِّیۡحَ تَجۡرِیۡ بِاَمۡرِہٖ رُخَآءً حَیۡثُ اَصَابَ ۙ	ہم نے اس کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا تاکہ وہ اس کے حکم کے مطابق آرام کے ساتھ چلے اور جہاں چاہے جائے۔
(۳۷) وَ الشَّیٰطِیۡنَ کُلَّ بَنَّآءٍ وَّ غَوَّاصٍ ۙ	اور شیطانوں کو بھی ہم نے اس کے لیے مسخر کر دیا اور ان میں ہر معمار اور غوطہ خور کو۔

(۳۸) وَّ اٰخَرِیۡنَ مُقَرَّنِیۡنَ فِی الۡاَصۡفَادِ	(اور شیطانوں میں سے) ایک اور گروہ کو بھی جو (اس کے اختیار میں تھے اور) زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔
(۳۹) هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامۡنُنۡ اَوۡ اَمۡسِکۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ	(اور ہم نے سلیمان سے کہا) یہ ہماری عطا ہے جسے بھی تو چاہتا ہے (اور مصلحت دیکھتا ہے) اسے بخش دے اور جسے تو چاہتا ہے روک لے۔ اور تیرے لئے کوئی حساب نہیں ہے۔
(۴۰) وَ اِنَّ لَهٗ عِنۡدَنَا لَزُلۡفٰی وَ حُسۡنَ مَاٰبٍ ؑ	اور اس (سلیمان) کے لیے ہمارے پاس بلند مقام اور نیک انجام ہے۔

تفسیر

سلیمانؑ کا سخت امتحان اور وسیع حکومت

یہ آیات حضرت سلیمانؑ کی زندگی کے واقعات کا کچھ حصہ بیان کرتی ہیں۔ ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ انسان قدرت کے جس بلند پائے تک بھی جا پہنچے اس کے پاس کچھ بھی خود اس کی طرف سے نہیں ہوتا اور جو کچھ بھی ہو خدا کی طرف سے ہے۔ یہ وہ بات ہے کہ اگر اس کی طرف توجہ ہو تو غرور و غفلت کے پردے انسان کے سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔

ان آیات کا پہلا حصہ ایک آزمائش کے بارے میں ہے اللہ نے حضرت سلیمان کو آزمایا۔ اس میں ایک ترک اولیٰ پیش آیا۔ اس کے بعد جناب سلیمان نے بارگاہ خداوندی کا رخ کیا اور اس ترک اولیٰ پر توبہ کی۔

قرآن کہتا ہے ہم نے سلیمان کا امتحان لیا اور اس کی کرسی پر ایک دھڑ ڈال دیا، پھر اس نے بارگاہ خداوندی کی طرف رجوع کیا اور اس کی طرف لوٹا۔

سلیمانؑ کی آرزو تھی کہ انہیں باشرف اور شجاع اولاد نصیب ہو جو ملک کا نظام چلانے اور خاص طور پر دشمنوں کے خلاف جہاد میں ان کی مدد کرے۔ حضرت سلیمانؑ کی متعدد بیویاں تھیں۔ انہوں نے دل میں ارادہ کیا کہ میں ان سے ہم بستر ہوتا ہوں تاکہ مجھے متعدد بیٹے نصیب ہوں کہ جو میرے مقاصد میں میری مدد کریں۔ لیکن اس مقام پر ان سے غفلت ہوئی اور آپ نے انشاء اللہ نہ کہا کہ جو انسان کے ہر حالت میں اللہ پر تکیہ کا غماز ہے لہٰذا اس زمانے میں ان کی بیویوں سے کوئی اولاد نہ ہوئی سوائے ایک ناقص الخلقت بچے کے۔ وہ بے جان دھڑ کے مانند تھا کہ جو لاکران کے تخت پر ڈال دیا گیا۔

سلیمان سخت پریشان اور فکر مند ہوئے کہ انہوں نے ایک لمحے کے لیے اللہ سے غفلت کیوں کی اور کیوں اپنی طاقت پر بھروسہ کیا اس لیے انہوں نے توبہ کی اور بارگاہ الٰہی کی طرف رجوع کیا۔

(۳۵)اس آیت میں حضرت سلیمانؑ کی توبہ کا مسئلہ گزشتہ آیت کی نسبت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ارشاد ہوتا ہے اس نے کہا پروردگار مجھے بخش دے۔اور مجھے ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی کے شایان شان نہ ہو کیونکہ تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔

حضرت سلیمانؑ اللہ تعالیٰ سے اس قسم کی حکومت چاہتے تھے جس میں خاص معجزات ہوں اور وہ ان کی حکومت کو باقی حکومتوں سے ممتاز کریں کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہر نبی کا ایک خاص معجزہ تھا۔

یہ چیز انبیاء کے لئے کوئی نقص شمار نہیں ہوتی کہ وہ اپنے لئے کسی مخصوص معجزے کا تقاضا کریں۔

(۳۶)اس آیت میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اللہ نے سلیمان کی درخواست قبول کر لی اور انہیں خصوصی اختیارات اور عظیم نعمات والی حکومت عطا کی ان امتیازات و نعمات کا پانچ حصوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

پہلی نعمت ہواؤں کا ایک رہوار اور سواری کی طرح تابع ہونا۔جیسا کہ فرمایا گیا ہے ہم نے ہوا کو اس کے تابع کر دیا تا کہ اس کے حکم کے مطابق آرام سے چلے اور جہاں کا وہ ارادہ کرے جا سکے۔

وہ کیسا اسرار آمیز وسیلہ تھا اس خصوصیات کے بارے میں جواب ہمارے سامنے واضح نہیں ہے ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ یہ ایک معجزہ تھا کہ جیسے معجزے نبی کے اختیار میں دیے جاتے تھے۔

(۳۷)دوسری نعمت اللہ تعالیٰ نے جناب سلیمانؑ کو یہ عطا کی تھی کہ سرکش موجودات ان کے لئے مسخر کر دیے گئے تھے اور ان کے اختیار میں دے گئے تھے تا کہ آپ ان سے مثبت کام لے سکیں۔جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔اور ہم نے شیطانوں کو اس کے لیے مسخر کر دیا اور ان میں سے ہر معمار اور غواص کو اس کا تابع فرمان بنا دیا۔تا کہ ان میں سے کچھ خشکی میں اس کے کہنے کے مطابق تعمیرات کریں اور کچھ دریا میں غوّاصی اور غوطہ زنی کے کام آئیں۔

اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے مثبت کاموں کے لیے موجود قوت ان کے اختیار میں دے دی۔شیطان کہ جن کے مزاج ہی میں سرکشی ہے وہ ان کے لیے اس طرح سے مسخر ہو گئے ان سے تعمیری اور اصلاحی کام لیا جانے لگا اور گراں بہا منابع سے استفادہ کے لیے وہ استعمال ہونے لگے۔

(۳۸)تیسری نعمت اللہ نے حضرت سلیمانؑ کو یہ عنایت کی تھی کہ انہوں نے تخریب کار اور فسادی قوتوں پر قابو پا رکھا تھا، کیونکہ بہرحال بعض شیطان ایسے بھی تھے کہ جن سے ایک مفید اور اصلاحی قوت کے طور پر کام نہیں لیا جا سکتا تھا اور اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا کہ وہ قید و بند میں رہیں تا کہ معاشرہ ان کی مزاحمت سے پیدا ہونے والے شر سے محفوظ رہے۔جیسا کہ اس آیت میں قرآن کہتا ہے:اور شیطانوں کا ایک اور گروہ اس کے قابو میں زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔

(۳۹)چوتھی نعمت اللہ تعالیٰ نے جناب سلیمان کو یہ دی تھی کہ انہیں بہت سے اختیارات دے رکھے تھے کہ جن کی وجہ سے کسی کو کچھ عطا کرنے اور یا نہ کرنے میں وہ صاحب اختیار تھے۔جیسا کہ یہ آیت کہتی ہے ہم نے اس سے کہا۔یہ ہماری عطاء و بخشش ہے

جسے تو (مصلحت کے مطابق) چاہتا ہے عطا کر اور جس سے تو (مصلحت کے مطابق) روکنا چاہتا ہے روک لے تجھ پر کوئی حساب نہیں ہے۔

(۴۰) پانچویں نعمت جو اللہ نے حضرت سلیمانؑ کو دی وہ ان کا روحانی مقام تھا کہ جو اللہ نے ان کی اہلیت وقابلیت کی بنا پر انہیں مرحمت فرمایا تھا۔ جیسا کہ زیر بحث آخری آیت میں فرمایا گیا ہے اس کے لئے ہمارے پاس بلند مقام اور نیک انجام ہے۔

یہ جملہ درحقیقت ان لوگوں کا جواب ہے جنہوں نے اس عظیم نبی کے مقام مقدس پر طرح طرح کی ناروا اور بیہودہ تہمتیں لگانے میں موجودہ تورات کی پیروی کی۔

اس آیت میں قرآن حضرت سلیمانؑ کو تمام تہمتوں سے مبرا قرار دے رہا ہے اور خدا کے ہاں ان کے معزز مقام کی خبر دے رہا ہے یہاں تک کہ ''حسن مآب'' کہہ کر انجام بخیر کی خبر بھی دی گئی ہے ہوسکتا ہے یہ تورات میں آنے والی اس ناروا نسبت کی نفی ہو کہ حضرت سلیمانؑ نے بت پرستوں میں شادی کی تھی جس وجہ سے ان کا میلان بت پرستی کی طرف ہو گیا تھا۔ موجودہ تورات یہاں تک کہتی ہے کہ انہوں نے بت خانہ بنایا تھا، لیکن قرآن ''حسن ماٰب'' کہہ کر ان تمام اوہام وخرافات پر خط بطلان کھینچ رہا ہے۔

ایک اہم نکتہ

ایک طاقتور حکومت فراواں مادی وسائل اور وسیع اقتصادی وسائل وخوشحالی اور درخشاں تمدن ان سب کی موجودگی روحانی مقامات اور الٰہی وانسانی اقدار کے منافی نہیں ہے جیسا کہ زیر بحث آیات میں حضرت سلیمانؑ کے پاس موجود تمام مادی نعمات کے ذکر کے بعد آخر میں بارگاہ الٰہی میں ان کے بلند مقام اور نیک انجام کا ذکر کرتی ہیں۔

(۴۱) وَاذۡكُرۡ عَبۡدَنَآ اَيُّوۡبَ ۘ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىۡ مَسَّنِىَ الشَّيۡطٰنُ بِنُصۡبٍ وَّ عَذَابٍ ؕ	ہمارے بندے ایوب کو یاد کر، جبکہ اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے رنج اور اذیت دی ہے۔
(۴۲) اُرۡكُضۡ بِرِجۡلِكَ ۚ هٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّ شَرَابٌ	(ہم نے اس سے کہا) اپنے پاؤں سے زمین پر ٹھوکر مار، یہ ٹھنڈے پانی کا چشمہ نہانے اور پینے کے لیے ہے۔
(۴۳) وَ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اَهۡلَهٗ وَ مِثۡلَهُمۡ مَّعَهُمۡ رَحۡمَةً مِّنَّا وَ ذِكۡرٰى لِاُولِى الۡاَلۡبَابِ	اور ہم نے اسے اس کا خاندان عطا کیا اور ان کی طرح اور بھی ان کے ساتھ قرار دیئے تا کہ ہماری طرف سے رحمت ہو اور صاحبان فکر کے لیے ایک نصیحت ہے۔

(۴۴) وَ خُذۡ بِیَدِکَ ضِغۡثًا فَاضۡرِبۡ بِّہٖ وَ لَا تَحۡنَثۡ ؕ اِنَّا وَجَدۡنٰہُ صَابِرًا ؕ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّہٗۤ اَوَّابٌ	(اور ہم نے اس سے کہا) مٹھی بھر گندم کی (یا اس جیسی) سینکیں لے اور اسے (اپنی بیوی کو) مار اور اپنی قسم نہ توڑ، ہم نے اسے صابر پایا، کیا اچھا بندہ تھا کہ خدا کی طرف بہت رجوع کرنے والا تھا۔

تفسیر

حضرت ایوب علیہ السلام کی حیران کن زندگی اور ان کا صبر

ایوب علیہ السلام تیسرے نبی ہیں کہ جن کی زندگی کا کچھ حصہ اس سورہ میں بیان کیا گیا ہے اور ہمارے عظیم نبی پر فرض کیا گیا ہے کہ ان کی سرگزشت کو یاد رکھیں اور اسے مسلمانوں کے سامنے بیان کریں تا کہ وہ طاقت فرسا مشکلات سے ہراساں نہ ہوں اور اللہ کے لطف و رحمت سے کبھی بھی مایوس نہ ہوں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا نام اور ان کی زندگی کا ذکر قرآن کریم کی کئی ایک سورتوں میں آیا ہے جس سے ان کا مقام نبوت ثابت اور واضح ہوتا ہے برخلاف موجودہ تورات کے کہ جو انہیں انبیاء کے زمرے میں شمار نہیں کرتی بلکہ انہیں ایک نیک اور صالح انسان سمجھتی ہے کہ جنکی بہت سی اولاد تھی اور جو صاحب مال شخص تھے۔ پہلے ارشاد ہوتا ہے ہمارے بندے ایوب کو یاد کر کہ جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا اور عرض کی شیطان نے مجھے بہت تکلیف اور اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔

اولاً: بارگاہ الٰہی میں حضرت ایوب علیہ السلام کا بلند مقام "عبدنا" (ہمارا بندہ) سے معلوم ہوتا ہے۔

ثانیاً اشارتاً حضرت ایوب علیہ السلام کی شدید اور طاقت فرسا تکلیف اور فراواں مصیبت کا ذکر ہے۔

کسی شخص نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا: وہ مصیبت جو حضرت ایوب علیہ السلام کو دامن گیر ہوئی، کس بنا پر تھی۔

امام علیہ السلام نے اس سوال کا تفصیلی جواب دیا جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے

اس بنا پر کہ ساری دنیا پر ایوب کا خلوص واضح ہو جائے اور انہیں عالمین کے لئے نمونہ قرار دیا جائے تا کہ لوگ نعمت اور مصیبت ہر دو عالم میں شاکر و صابر رہیں اللہ نے شیطان کو اجازت دی کہ وہ حضرت ایوب علیہ السلام کی دنیا پر قبضہ کر لے یہ شیطان نے اللہ سے خواہش کی ایوب کا فراواں مال و دولت، ان کی کھیتیاں، بھیڑ بکریاں اور آل اولاد سب ختم ہو جائے۔ آفتیں اور مصیبتیں آئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا لیکن نہ صرف یہ کہ ایوب کے شکر میں کمی نہیں آئی بلکہ اس میں اور اضافہ ہو گیا۔ خدا سے شیطان نے خواہش کی کہ اب اسے ایوب علیہ السلام کے بدن پر بھی مسلط کر دے اور وہ اس طرح بیمار ہو جائیں کہ ان کا بدن شدت درد کی لپیٹ میں آ جائے اور وہ بیماری کے بستر کا اسیر ہو جائے لیکن اس چیز نے بھی ان کے مقام شکر میں کمی نہ کی۔

پھر ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ جس نے ایوب علیہ السلام کا دل توڑ دیا اور ان کی روح کو سخت مجروح کیا۔ وہ یہ کہ بنی اسرائیل کے

راہیوں کی ایک جماعت انہیں دیکھنے آئی اور انہوں نے کہا کہ تو نے کون سا گناہ کیا ہے جس کی وجہ سے اس دردناک عذاب میں مبتلا ہے؟

ایوب علیہ السلام نے پھر بھی صبر کا دامن نہ چھوڑا اور شکر کے شفاف وشیریں پانی کو کفران سے آلودہ نہ کیا، صرف بارگاہ خدا کی طرف رخ کیا اور مذکورہ جملہ عرض کیا اور چونکہ آپ اللہ کے امتحانوں سے خوب عہدہ برآ ہوئے لہٰذا اللہ نے اپنے اس شاکر وصابر بندے پر پھر بھی اپنی رحمت کے دروازے کھول دیئے اور کھوئی ہوئی نعمتیں یکے بعد دیگرے پہلے سے بھی زیادہ عطا کیں تا کہ سب لوگ صبر وشکر کا نیک انجام دیکھ لیں۔

(۴۲) انجام کار حضرت ایوب علیہ السلام آزمائش الٰہی کی اس گرم بھٹی سے صحیح وسالم باہر نکل آئے اور پھر رحمت خدا کا آغاز ہوا۔ انہیں حکم دیا گیا۔ اپنا پاؤں زمین پر مارو تو پانی کا چشمہ ابل پڑے گا کہ جو تیرے نہانے کے لیے ٹھنڈا بھی ہوگا اور تیرے پینے کے لیے عمدہ بھی۔

بہر حال ٹھنڈا ہونے کے لحاظ سے پانی کی تعریف شاید اس طرف اشارہ ہو کہ ٹھنڈے پانی سے نہانا بدن کی صحت وسلامتی کے لیے خصوصی تاثیر رکھتا ہے جیسا کہ موجودہ طب میں بھی ثابت ہو گیا ہے۔

(۴۳) پہلی اور اہم ترین خدائی نعمت صحت تھی، جب وہ ایوب علیہ السلام کی طرف لوٹ آئی تو دوسری نعمتوں کے لوٹنے کی نوبت آئی، اس سلسلے میں قرآن کہتا ہے: ہم نے اسے اس کے گھر والے بخش دیئے۔ اوران کے ساتھ ان کے مانند بھی قرار دیئے۔

تا کہ ہماری طرف سے رحمت ہو اور صاحبان فکر ونظر کے لیے نصیحت بھی۔

(۴۴) اب صرف ایک مشکل ایوب علیہ السلام کے لیے باقی تھی وہ تھی، وہ قسم جو انہوں نے اپنی بیوی کے بارے میں کھائی تھی اور وہ یہ تھی کہ انہوں نے ان سے کوئی خلاف مرضی کام دیکھا تھا لہٰذا انہوں نے اس بیماری کی حالت میں قسم کھائی کہ جس وقت ان میں طاقت پیدا ہو گی تو وہ اسے ایک سو یا اس سے کچھ کم کوڑے ماریں گے، لیکن صحت یابی کے بعد وہ چاہتے تھے کہ اس کی خدمات اور وفاداریوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اسے معاف کر دیں لیکن قسم اور خدا کے نام کا مسئلہ درمیان میں تھا۔ خدا نے ان کے لیے حل ایک حل دے دیا۔ جیسا کہ قرآن کہتا ہے کہ اس سے فرمایا گیا ہے۔ گندم کی شاخوں (یا اس قسم کی کسی چیز) کی ایک مٹھی بھر لو اور اس کے ساتھ مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔

آخری جملے میں جو اس داستان کی ابتداء وانتہا کو نچوڑ ہے، فرمایا گیا ہے: ہم نے اسے صابر وشکیبا پایا، ایوب کتنا اچھا بندہ تھا جو ہماری طرف بہت زیادہ بازگشت کرنے

والا تھا۔

شدت اور سختی کے بعد فرخ وکشائش اہم ترین نکتہ ہے جو اس داستان میں چھپا ہوا ہے، جب امواج مشکلات وبال ہر طرف سے انسان کو دباتی ہیں تو اسے نہ صرف مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسے رحمت الٰہی کے دروازے کھلنے کی نشانی اور ایک تمہید سمجھنا چاہیے۔

جیسا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جب سختیاں اپنی بلندی کو پہنچ جاتی ہیں تو فرخ وکشائش نزدیک ہو جاتی ہے، اور جس وقت بلا ومصیبت کے حلقے زیادہ تنگ ہو جاتے ہیں تو راحت وآسودگی آن پہنچتی ہے''۔

(۴۵) وَ اذۡکُرۡ عِبٰدَنَاۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اِسۡحٰقَ وَ یَعۡقُوۡبَ اُولِی الۡاَیۡدِیۡ وَ الۡاَبۡصَارِ	اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو کہ جو (طاقت ور) ہاتھوں والے اور (بینا) آنکھوں والے تھے۔
(۴۶) اِنَّاۤ اَخۡلَصۡنٰہُمۡ بِخَالِصَۃٍ ذِکۡرَی الدَّارِ ۚ	ہم نے انہیں خاص خلوص کے ساتھ خالص کیا تھا وہ آخرت کی یاد آوری تھی۔
(۴۷) وَ اِنَّہُمۡ عِنۡدَنَا لَمِنَ الۡمُصۡطَفَیۡنَ الۡاَخۡیَارِ ؕ	اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور نیک افراد میں سے ہیں۔
(۴۸) وَاذۡکُرۡ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ الۡیَسَعَ وَذَا الۡکِفۡلِ ؕ وَ کُلٌّ مِّنَ الۡاَخۡیَارِ ؕ	اور اسماعیل، الیسع اور ذاالکفل کو بھی یاد کرو، وہ سب نیک لوگوں میں سے ہیں۔

تفسیر

چھ عظیم پیغمبر

گزشتہ آیات کی روشنی میں۔ خدا کے عظیم ترین پیغمبروں میں سے چھ دیگر پیغمبروں کا نام ذکر کیا جا رہا ہے۔ نیز ان کی وہ عمدہ صفات جو تمام انسانوں کے لیے نمونہ اور اُسوہ بن سکتی ہیں۔ اختصار کے ساتھ بیان کی جاری ہیں۔

پہلے تو روئے سخن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے: یاد کر ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو۔

خدا کی بندگی یعنی اس کے ساتھ مطلق وابستگی، یعنی اس کے ارادے کے سامنے اپنا کوئی ارادہ نہ رکھنا۔ اور ہر حالت میں اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا۔ خدا کی بندگی یعنی اس کے غیر سے بے نیازی اور ماسوی اللہ سے بے اعتنائی اور صرف اسی کے لطف وکرم پر نظر رکھنا، یہی انسان کے ارتقاء کی بلندی اور اس کا برترین شرف وافتخار ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: وہ طاقت ور ہاتھوں والے اور بینا آنکھوں کے مالک تھے۔

خدا نے ان پیغمبروں کی یہ توصیف کی ہے کہ کاموں کو انجام دینے کے لیے ان کے پاس درک اور پہچان کی کافی طاقت اور

قوی بصارت موجود تھی۔

یہ تمام راہ حق کے راہ رؤں کے لیے ایک نمونہ ہے کہ وہ مقام عبودیت اور خدا کی بندگی کے بعد، ان دو تیز دھار ہتھیاروں سے مسلح ہوں۔

ہم نے جو کچھ بیان کیا ہے اس سے اچھی طرح واضح ہو گیا ہے کہ یہاں ہاتھ اور آنکھ سے مراد دو مخصوص اعضاء نہیں ہیں۔ بلکہ یہ دو صفات علم اور طاقت کے لیے کنایہ ہیں۔

(۴۶) ان کی چوتھی صفت کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ہم نے انہیں خاص قسم کے خلوص کے ساتھ خالص کیا ہے۔ اور وہ تھی دار آخرت کی یاد آوری۔

وہ اس جلد ختم ہو جانے والی زندگی کے علاوہ بے پایاں نعمتوں سے معمور ایک جاودانی گھر کو دیکھتے تھے اور ہمیشہ اس کے لیے سعی و کوشش کرتے رہتے تھے۔

(۴۷) ان کی پانچویں اور چھٹی صفت اس آیت میں آئی ہے، فرمایا گیا ہے: وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور نیک افراد میں سے ہیں۔

ان کا ایمان اور عمل صالح اس بات کا سبب بنا کہ خدا انہیں اپنے بندوں میں چن لے اور منصب نبوت و رسالت کے ساتھ صاحب افتخار اور معزز بنائے۔

(۴۸) مذکورہ تین پیغمبروں کے اہم مقام کی طرف اشارہ کرنے کے بعد دیگر تین انبیاء کی باری آتی ہے، فرمایا گیا ہے؛ اور یاد کرو اسماعیل، الیسع اور ذاالکفل کو، جو سب کے سب اخیار اور نیک لوگوں میں سے تھے۔

ان میں سے ہر ایک صبر و استقامت اور فرمان خدا کی اطاعت میں ایک اسوہ اور نمونہ تھا خصوصاً اسماعیل علیہ السلام جو اپنی جان کو اس کی راہ میں فدا کرنے تیار ہو گئے اور اسی بنا پر ان کا نام ذبیح اللہ ہو گیا۔ ان کی زندگی کی طرف توجہ کرنا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے لیے تقویت بخش ہے۔ ایسے عظیم مردان خدا کی زندگی کا مطالعہ انسانوں کی زندگی میں راہنمائی کرتا ہے اور ان میں تقویٰ فداکاری اور ایثار قربانی کی روح زندہ کرتا ہے اور سخت مشکلات میں انہیں ثابت قدم رکھتا ہے۔

ان تینوں پیغمبروں میں سے حضرت اسماعیل علیہ السلام سب سے زیادہ مشہور اور زیادہ جانے پہچانے ہیں لیکن الیسع جن کا نام صرف دو مرتبہ قرآن میں آیا ہے، (یہاں اور سورۂ انعام کی آیہ ۸۶ میں) کے بارے میں قرآن کی تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ وہ بھی خدا کے بزرگ پیغمبروں میں سے تھے۔

باقی رہے ذاالکفل تو مشہور یہی ہے کہ وہ پیغمبروں میں سے تھے اور ان کے نام کا سورۂ انبیاء کی آیہ ۸۵ میں پیغمبروں کے ناموں کے ساتھ اسماعیل علیہ السلام اور ادریس علیہ السلام کے بعد ذکر اس معنی پر گواہ ہے۔

(۴۹) هٰذَا ذِكْرٌ ؕ وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۙ	یہ تو ایک یاد آوری ہے اور پرہیز گاروں کے لئے اچھا مقام ہے
(۵۰) جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۚ	بہشت کے جاودانی باغات جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ہیں۔
(۵۱) مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ	وہ اس میں تختوں پر تکیہ کیے ہوئے (بیٹھے ہوں گے) اور انواع واقسام کے پھل اور طرح طرح کے مشروبات ان کی رسائی میں ہوں گے۔
(۵۲) وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ	اور ان کے پاس ایسی بیویاں ہوں گی جو اپنے شوہروں کی طرف ہی دیکھتی رہتی ہیں اور وہ سب کی سب ہم عمر ہوں گی۔
(۵۳) هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ	یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے قیامت کے دن کے لئے وعدہ کیا جاتا ہے (ناقابل شکن وعدہ)
(۵۴) اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۚۖ	یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

تفسیر

پرہیز گاروں کے لیے وعدہ

یہاں سے اس سورہ کی آیات کا دوسرا حصہ شروع ہو رہا ہے اس میں پرہیز گاروں کا سرکش باغیوں کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے قیامت میں دونوں گروہوں کے انجام کی وضاحت کی گئی ہے پہلے تو گزشتہ انبیاء کی سرگزشت اور ان کی زندگی کے اصلاحی و تربیتی نکات کے بارے میں کلی طور پر فرمایا گیا ہے یہ ایک تذکرہ اور یاد آوری ہے۔

ہاں! ان کی پرشکوہ تاریخ کے نشیب وفراز کو بیان کرنے کا مقصد داستان سرائی نہیں بلکہ ذکر و تذکر تھا

اصل مقصد ان مسلمانوں میں فکر ونظر کو بیدار کرنا، معرفت وآ گاہی کی سطح بلند کرنا اور استقامت و پامردی کی قوت وطاقت کا اضافہ کرنا ہے۔

اس کے بعد اس امر کو انفرادی اور انبیاء کی زندگی سے نکال کر کلی شکل دی گئی ہے متقین کی سرنوشت کو عمومی طور پر محل بحث قرار

دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے: پرہیزگاروں کے لیے اچھا مقام اور جائے بازگشت ہے۔

(۵۰) اس مختصر سے سربستہ جملے کے بعد جوان کے حال کی خوبی اور اچھائی کی اجمالی طور پر تصویر کشی کرتا ہے اجمال سے تفصیل کی قرآنی روش سے استفادہ کرتے ہوئے اس کی تشریح و تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ان کی بازگشت اس جنت کے جاودانی باغات کی طرف ہے جس کے دروازے ان کے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔

''مفتحة لهم الا بواب' کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بہشتیوں کے لیے دروازے کھولنے تک کی بھی زحمت نہیں ہوگی، گویا بہشت ان کے انتظار میں ہے اور جس وقت اس کی نگاہ ان پر پڑے گی تو آغوش پھیلا دے گی اور انہیں اندر آنے کی دعوت دے گی۔

(۵۱) اس کے بعد بہشتیوں کے خصوصی احترام اور ان کے آرام وسکون کو اس صورت میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کی حالت یہ ہوگی کہ وہ اس میں تختوں پر تکیہ لگائے (بیٹھے) ہوں گے اور انواع واقسام کے فراواں پھل اور مشروبات ان کی رسائی میں ہوں گے جس وقت وہ طلب کریں گے فوراً ان کے پاس پہنچ جائیں گے۔

(۵۲) اس کے بعد بہشت کی پاکیزہ بیویوں کے بارے میں بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے بہشتیوں کے پاس ایسی بیویاں ہوں گی کہ جن کی آنکھیں فقط اپنے شوہروں پر جمی ہوں گی وہ سب کی سب جوان اور اپنے شوہروں کی ہم عمر وہم سن ہوں گی

(۵۳) آیت میں بہشت کی ان تمام ساتوں کی ساتوں مذکورہ نعمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ وہ چیز ہے جس کا تم سے روز حساب کے لیے وعدہ کیا جارہا ہے۔ ناقابل شکن اور نشاط انگیز وعدہ، خداوند عظیم کی طرف سے وعدہ۔

(۵۴) ان نعمات کے جاودانی اور ابدی ہونے کی تاکید کے طور پر مزید ارشاد ہوتا ہے یہ ہمارا رزق اور ہماری دی ہوئی روزی ہے یہ ایک ایسی عطا ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی اور اس کے لیے فنا کا تصور ہی نہیں ہے۔

اس بنا پر زوال ونابودی کا غم جو ایک منحوس سائے کی طرح اس جہان کی نعمتوں پر پڑا ہے وہاں موجود نہیں۔

(۵۵) هٰذَا ؕ وَ اِنَّ لِلطّٰغِیۡنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۙ	یہ (تو پرہیزگاروں کا اجر ہے) اور طغیان گروں کے لیے بد ترین جائے بازگشت ہے
(۵۶) جَهَنَّمَ ۚ یَصۡلَوۡنَهَا ۚ فَبِئۡسَ الۡمِهَادُ	دوزخ ہے جس میں وہ داخل ہوں گے اور کیا ہی برا بستر ہے؟
(۵۷) هٰذَا ۙ فَلۡیَذُوۡقُوۡهُ حَمِیۡمٌ وَّ غَسَّاقٌ ۙ	یہ حمیم وغساق (جلانے والے اور سیاہ رنگ کے مشروبات) ہیں جن کا مزہ چکھنا ہوگا۔

(۵۸) وَّ اٰخَرُ مِنۡ شَكۡلِهٖۤ اَزۡوَاجٌ ؕ	اور ان کے علاوہ ان کے لیے ان کی ہم شکل دوسری سزائیں ہوں گی۔
(۵۹) هٰذَا فَوۡجٌ مُّقۡتَحِمٌ مَّعَكُمۡ ۚ لَا مَرۡحَبًۢا بِهِمۡ ؕ اِنَّهُمۡ صَالُوا النَّارِ	(ان سے کہا جائے گا) یہ وہ فوج ہے جو تمہارے ساتھ جہنم میں داخل ہوگی (یہ وہی گمراہ سردار ہیں) ان کے لیے مرحبا اور خوش آمدید نہیں ہے وہ سب کے سب آگ میں جلیں گے۔
(۶۰) قَالُوۡا بَلۡ اَنۡتُمۡ ۖ لَا مَرۡحَبًۢا بِكُمۡ ؕ اَنۡتُمۡ قَدَّمۡتُمُوۡهُ لَنَا ۚ فَبِئۡسَ الۡقَرَارُ	وہ (اپنے سرداروں سے) کہیں گے بلکہ خوش آمدید تمہارے لیے نہ ہو کیونکہ تم نے یہ عذاب ہمارے لیے فراہم کیا ہے، یہ کتنا برا ٹھکانا ہے؟
(۶۱) قَالُوۡا رَبَّنَا مَنۡ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدۡهُ عَذَابًا ضِعۡفًا فِى النَّارِ	اس کے بعد وہ کہیں گے: پروردگارا! جس نے یہ عذاب ہمارے لیے فراہم کیا ہے اس کے لیے آگ میں کئی گنا عذاب کا اضافہ فرما۔

تفسیر

سرکشوں کی سزا

پرہیزگاروں کے لیے سات نعمتوں اور بے بہا عنایات کو شمار کرنے کے بعد خدا کے سرکشوں اور طاغیوں کی منحوس سرنوشت اور مختلف سزاؤں کو شمار کیا گیا ہے۔ پہلے ارشاد ہوتا ہے: جو کچھ اب تک بیان کیا گیا ہے وہ تو متقیوں کی جزا ہے اور طغیان گروں کے لیے بدترین جائے بازگشت ہے۔

(۵۶) اس کے بعد اجمال کی تفصیل کے انداز سے سربستہ جملے کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ منحوس جائے بازگشت اور برا ٹھکانا وہی دوزخ ہے جس میں وہ داخل ہوں گے اور اس کی آگ میں جلیں گے اور کیا ہی برا بستر ہے جہنم کی آگ۔

بستر چونکہ آرام کرنے کی جگہ ہوتا ہے اس لیے اسے ہر لحاظ سے مناسب حال اور نرم ہونا چاہیے لیکن کیا حال ہوگا ان لوگوں کا جن کا بستر جہنم کی آگ ہوگی؟

(۵۷) اس کے بعد ان کے لیے دوسرے عذاب بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ "حمیم" و "غساق" مشروب ہے جسے انہیں چکھنا ہوگا۔

"حمیم"، گرم اور جلا ڈالنے والے پانی کے معنی میں ہے جو دوزخیوں کے مشروبات میں سے ایک ہے "غساق" سے مراد وہ قطرات ہیں جو دوزخیوں کی جلد سے (اوران کے بدن کے زخموں سے) باہر آئیں گے۔

(۵۸) پھر ان کے دوسری قسم کے دردناک عذابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے اوران کے علاوہ انہی کی ہم شکل دوسری سزائیں بھی ان کے لیے ہیں۔

(۵۹) اس کے بعد ان کی آخری سزا بیان کی گئی ہے اور وہ ہے برے ہم نشین اور یہ بھی ایک طرح کی سرزنش ہے ارشاد ہوتا ہے: جس وقت گمراہ سردار وارد جہنم ہوں گے اور اپنی آنکھ سے دیکھیں گے کہ ان کے پیروکاروں کو بھی دوزخ کی طرف لایا جارہا ہے تو ایک دوسرے سے کہیں گے: یہ وہ فوج ہے جو تمہارے ساتھ دوزخ میں داخل ہوگی۔ ان کے لیے خوش آمدید نہیں ہے۔ وہ سب کے سب آگ میں جلیں گے

(۶۰) بہر حال یہ آواز پیروکاروں کے کانوں تک پہنچے گی اور وہ سرداران ضلالت کے ناخوش آمدید کہنے سے سخت ناراض ہوں گے ان کی طرف رخ کر کے وہ کہیں گے بلکہ تمہارے لیے مرحبا نہ ہو کیونکہ تمہی نے ہمارے لیے اس دردناک عذاب کی راہ ہموار کی تھی اور ہمارے لیے اسے فراہم کیا تھا کیا ہی برا ٹھکانا ہے جہنم۔

اس تعبیر سے پیروکاروں کا مقصد یہ ہے کہ وہ اس سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جو کچھ ہوا ہے اس میں یہ خوبی تو ہے کہ تم سرداران ضلالت بھی اس امر میں ہمارے ساتھ شریک ہو اور یہ چیز ہماری دلی تسلی کا باعث ہے۔

(۶۱) لیکن اس کے باوجود پیروکار صرف اسی بات پر راضی نہیں ہوں گے چونکہ وہ گمراہی کے سرداروں کو جو اس جرم کے اصلی عامل تھے اپنے سے زیادہ مستحق جانتے ہیں لہٰذا بارگاہ خداوندی کی طرف رخ کر کے کہیں گے پروردگارا جس شخص نے ہمارے لیے یہ عذاب فراہم کیا ہے جہنم کی آگ میں اس کے لیے کئی گنا اضافہ فرما۔

ایک عذاب خود ان کی اپنی گمراہی کی بنا پر اور ایک عذاب ہمیں گمراہ کرنے کی وجہ سے ہے۔

ہاں یہ ہے انجام ان لوگوں کا جنہوں نے آپس میں دوستی کا عہد و پیمان باندھا اور راہ انحراف وضلالت میں بیعت کی جس وقت وہ اپنے اعمال کے برے نتائج دیکھیں گے تو ایک دوسرے کے خلاف دشمنی اور نفرین کا اظہار کریں گے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ان آیات میں پرہیزگاروں کی نعمتوں کا ذکر طغیان گروں کی سزاؤں اور عذابوں سے زیادہ تنوع رکھتا ہے (پہلے حصے میں سات نعمتوں اور دوسرے حصے میں پانچ عذابوں کی طرف اشارہ ہوا ہے) اور یہ شاید خدا کی رحمت کے اس کے غضب پر سبقت کرنے اور زیادہ ہونے کی بنا پر ہے۔

(۶۲) وَ قَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰی رِجَالًا کُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ	وہ کہیں گے ہم ان لوگوں کو جنہیں ہم اشرار میں شمار کرتے تھے (یہاں جہنم کی آگ میں) کیوں نہیں دیکھتے؟

(۶۳) اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ	کیا ہم نے ان کے ساتھ تمسخر کیا تھا یا (وہ اس قدر حقیر تھے کہ) آنکھیں انہیں دیکھتی ہی نہیں؟
(۶۴) اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ	بیشک یہ بات حق اور ایک واقعیت ہے کہ دوزخی مخاصمانہ باتیں کریں گے۔

تفسیر

اصحاب دوزخ کی دشمنی

یہ آیت دوزخیوں کی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے ان کی ایک گفتگو بیان کرتی ہے۔

قرآن کہتا ہے۔ ضلالت کے سردار جب دوزخ میں اپنے اطراف میں دیکھیں گے تو دیکھیں گے کہ ہم ان لوگوں کو جنہیں ہم اشرار میں شمار کرتے تھے یہاں کیوں نہیں دیکھتے۔

ہاں! ابوجہل اور ابولہب جیسے افراد جب یہ دیکھیں گے کہ دوزخ میں عمار یاسر، خباب، صہیب اور بلال جیسے افراد کا کوئی نام و نشان نہیں ہے، تو وہ اپنے دل میں سوچیں گے اور ایک دوسرے سے سوال کریں گے کہ یہ لوگ کہاں چلے گئے؟

(۶۳) کیا ہم نے ان کا مذاق اڑایا تھا یا وہ اس قدر حقیر تھے کہ ہماری آنکھیں انہیں نہیں دیکھتیں۔

ہاں! ہم ان عظیم المرتبہ انسانوں کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور اشرار ہونے کا لیبل ان پر لگاتے تھے اور بعض اوقات تو ہم انہیں اس سے بھی پست تر سمجھتے تھے انہیں ایسے حقیر اور ذلیل جانتے تھے جو بالکل آنکھوں میں جچتے ہی نہیں تھے لیکن اب معلوم ہوا کہ وہ تو مقربان بارگاہ خدا تھے اور اس وقت بہشت بریں ان کا مسکن ہے۔

یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ حقائق کا اور ایک نہ کرنے کے عوامل میں سے ایک مسائل کو سنجیدگی کے ساتھ نہ لینا اور حقائق کا مذاق اڑانا ہے ہمیشہ سنجیدہ ارادے کے ساتھ سائل کی تحقیق کرنا چاہیے کہ حقیقت واضح اور روشن ہو جائے۔

(۶۴) اس کے بعد دوزخیوں کے درمیان جو باتیں ہوں گی انہیں خلاصے کے طور پر اور جو کچھ گزر چکا ہے اس پر تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے بے شک یہ بات حق اور ایک حقیقت ہے کہ دوزخی مخاصمانہ گفتگو کریں گے۔

دوزخی اس جہان میں بھی دشمنی اور نزاع میں گرفتار ہیں اور پرخاش، تنازع اور جدال کی روح ان پر حاکم ہے، اور ہر روز کسی نہ کسی سے دست و گریباں اور گلوگیر ہوتے رہتے ہیں، اور قیامت میں جو چھپی ہوئی چیزوں کے ظاہر ہو جانے کا دن ہے جو کچھ ان کے اندر ہوگا وہ ظاہر ہو جائے گا اور جہنم میں ایک دوسرے کی جان کے درپے ہو جائیں گے، کل کے دوست آج کے دشمن ہو جائیں گے اور

کل کے مرید آج کے مخالف ہو جائیں گے صرف ایمان وتوحید کا راستہ اس جہان میں بھی اور اس جہان میں بھی وحدت و پاکیزگی کا راستہ ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ بہشتی تو تختوں پر تکیہ لگائے ہوئے دوستانہ گفتگو میں مشغول ہوں گے............جیسا کہ قرآن کی مختلف آیات میں بیان ہوا ہے............جب کہ دوزخی جنگ وجدال میں مشغول ہوں گے جبکہ وہ تو خود ایک نعمت اور عظیم انعام ہے اور یہ ایک دردناک عذاب ہے۔

(۶۵) قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۚ	کہہ دو میں تو صرف ایک ڈرانے والا ہوں اور خدائے یگانہ وقہار کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔
(۶۶) رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ	آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، کا پروردگار عزیز وغفار ہے
(۶۷) قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۙ	کہہ دو! یہ ایک بہت بڑی خبر ہے
(۶۸) اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ	کہ جس سے تم روگردان ہو۔
(۶۹) مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ	مجھے ملائے اعلیٰ (اور عالم بالا کے فرشتوں) کے بارے میں۔ جبکہ وہ (آدم کی خلقت کے بارے میں) جھگڑ رہے تھے کچھ خبر نہیں ہے
(۷۰) اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ	مجھے تو صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ میں ایک واضح ڈرانے والا ہوں۔

تفسیر

میں ایک نذیر ہوں

چونکہ تمام گزشتہ بحث مشرکین، سرکشوں اور ظالموں کے لیے انذار وتہدید کا پہلو رکھتی تھی۔ زیر بحث آیات میں اسی مسئلے کو جاری رکھتے ہوئے قرآن کہتا ہے کہہ دے کہ میں تو صرف ایک انذار کنندہ (ڈرانے والا) ہوں۔

یہ ٹھیک ہے کہ پیغمبر بشارت دینے والا بھی ہوتا ہے اور قرآن مجید کی آیات دونوں معانی پر ناطق ہیں لیکن چونکہ

بشارت تو مؤمنین کے لیے ہوتی ہے اور ''انذار'' مشرکین ومفسدین کے لئے اور یہاں روئے سخن دوسرے گروہ کی طرف ہے لہٰذا صرف انذار کا ذکر ہوا ہے اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے کوئی معبود خداوند یگانہ وقہار کے علاوہ نہیں۔

اس کے قہر کا ذکر بھی اسی بنا پر ہے تاکہ کوئی اس کے لطف وکرم سے مغرور نہ ہوجائے اور خود کو اس کے قہر سے مامون نہ سمجھ لے اور کفر و گناہ کے گرداب میں غوطہ زن نہ ہوجائے۔

(۶۶) اور بلا فاصلہ پروردگار کی توحید الوہیت وعبودیت کی دلیل کے طور پر مزید فرمایا گیا ہے۔ وہی تو ہے جو آسمانوں زمین اوران دونوں کے درمیان کی ہر چیز کا پروردگار ہے۔ وہی خدا جو عزیز وغفار ہے۔

درحقیقت اس آیہ میں خدا کی صفات میں سے تین اوصاف کو بیان کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک ایک مقصد کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔

پہلا مسئلہ تمام عالم ہستی کے لیے اس کی ربوبیت کا مسئلہ ہے وہ اس سارے جہان کا مالک ہے ایسا مالک جو ان کی تدبیر وتربیت کرتا ہے ایسی ہستی ہی عبادت کے لائق ہے نہ کہ وہ بت جن کے پاس سوئی کی نوک کے برابر بھی اپنا کچھ نہیں۔

دوسرا مسئلہ اس کی عزت کا مسئلہ ہے۔

تیسری صفت مقام غفاریت ہے اس کی الوہیت کی ایک اور دلیل ہے کیونکہ صرف وہی ہستی پرستش وعبادت کے لائق ہے جو ربوبیت کے علاوہ سزا دینے پر بھی قدرت رکھتا ہو اور سزا دینے پر قدرت کے علاوہ اس کی رحمت ومغفرت کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہوں۔

(۶۷) اس کے بعد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاب ہے اور ایک مختصر مگر ہلا دینے والے انداز میں فرمایا گیا ہے: کہہ دے کہ یہ ایک بہت بڑی خبر ہے۔

(۶۸) کہ جس سے تم منہ پھیرے ہوئے ہو۔

(۶۹) اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں انسان کے مرتبے کی اس حد تک بلندی کا ذکر ہے کہ فرشتوں نے اس کے سامنے سجدہ کیا۔ تمہید کے طور پر فرمایا گیا ہے: مجھے ملاء اعلیٰ اور عالم بالا کے فرشتوں کے بارے میں کچھ خبر نہیں (جب کہ وہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔

(۷۰) میری آگاہی صرف وحی کے ذریعے سے ہے اور مجھے تو صرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ میں ایک واضح انداز کنندہ ہوں۔ اگرچہ فرشتے پروردگار کے ساتھ کوئی جھگڑا اور نزاع نہیں کر رہے تھے، صرف اتنی سی بات تھی کہ جب خدا نے ان سے یہ کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانا چاہتا ہوں تو انہوں نے باتیں شروع کر دیں۔ اور عرض کیا: کیا تو ایسے کو بنانا چاہتا ہے جو فساد وخونریزی کریگا۔ انہیں باتوں پر مخاصمہ کا اطلاق ہوا ہے، جو ایک مجازی اطلاق ہے۔

(۷۱) اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ	(اس وقت کو یاد کر) جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا؛ میں گیلی مٹی سے ایک بشر پیدا کروں گا۔
(۷۲) فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ	جس وقت میں اسے درست اور منظّم کرلوں اور اپنی روح میں سے اس میں پھونک دوں تو تم سب کے سب اس کے لیے سجدہ کرنا۔
(۷۳) فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۙ	پس اس وقت تمام فرشتوں نے تو سجدہ کیا۔
(۷۴) اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ اِسْتَکْبَرَ وَ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ	مگر ابلیس نے (سجدہ نہ کیا اس نے) تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔
(۷۵) قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا مَنَعَکَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسْتَکْبَرْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ	اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس نے (اس مخلوق کو) سجدہ کرنے سے روکا، جسے میں نے اپنی قدرت سے خلق کیا ہے؟ کیا تو نے تکبر کیا ہے یا تو ''عالین'' میں سے تھا؟
(۷۶) قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ	اس نے کہا: میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے گیلی مٹی سے۔
(۷۷) قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ۚۖ	فرمایا: آسمانوں (اور ملائکہ کی صفوں) سے نکل جا تو میرا راندہ درگاہ ہے۔
(۷۸) وَ اِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیْۤ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ	اور یقیناً تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت ہوگی۔

(۷۹) قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِیۡۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ	(ابلیس) کہنے لگا: میرے پرور دگار: مجھے اس دن تک کی مہلت دے دے، جس دن انسان قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔
(۸۰) قَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الۡمُنۡظَرِیۡنَ ۙ	فرمایا: تجھے مہلت دے دی گئی ہے۔
(۸۱) اِلٰی یَوۡمِ الۡوَقۡتِ الۡمَعۡلُوۡمِ	لیکن ایک معین دن تک کے لیے۔
(۸۲) قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغۡوِیَنَّھُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۙ	اس نے کہا: تیری عزت کی قسم؛ میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔
(۸۳) اِلَّا عِبَادَکَ مِنۡھُمُ الۡمُخۡلَصِیۡنَ	سوائے تیرے ان بندوں کے جوان میں سے تیرے مخلص ہوں گے۔

تفسیر

تکبر کیا اور راندہ درگاہ ہو گیا

ان آیات میں ملائے اعلیٰ کے بارے میں اور ابلیس کی گفتگو سے متعلق ہے۔

زیر نظر پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے: اس وقت کو یاد کر جب تیرے پرور دگار نے فرشتوں سے کہا: میں گیلی مٹی سے ایک بشر پیدا کروں گا۔

(۷۲) لیکن اس بنا پر کہ یہ تصور نہ ہو کہ انسانی وجود کا صرف وہی خاکی پہلو ہے۔اس آیت میں فرمایا گیا ہے: اور جس وقت میں اسے منظّم کرلوں اور درست بنالوں اور روح میں سے (باشرف اور ممتاز روح جسے میں نے خلق کیا ہے)۔اس میں پھونک دوں تو تم سب کے سب اس کے لیے سجدہ میں گر پڑنا۔

(۷۳) اس طرح انسان کی خلقت مکمل ہوگئی اور خدا کی خاص روح اور سیاہ گیلی مٹی آپس میں مل گئے اور ایک عجیب وغریب بالکل نیا وجود پیدا ہو گیا کہ جس کی بلندی وپستی دونوں بے انتہا ہیں اور انتہائی زیادہ استعداد رکھنے والا وجود جو خلیفہ اللہ ہونے کے لائق

ہو عرصۂ وجود میں وارد ہو۔اور اس وقت بغیر کسی استثناء کے تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔

(۷۴) لیکن صرف اس جس نے سجدہ نہیں کیا ابلیس تھا، اس نے تکبر کیا اور سرکشی کی اور اسی بنا پر اپنے باعظمت مقام سے نیچے گر گیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔

ہاں! انسان کے لیے بدترین بلائے جان بھی یہی کبر وغرور ہے جو جہالت کے تاریک پردے اس کی چشم بینا پر ڈال دیتا ہے اور اسے حقائق کے ادراک سے محروم کردیتا ہے، اسے سرکشی پر ابھارتا ہے اور مومنین کی صف سے نکال دیتا ہے کہ جو خدا کے مطیع بندوں کی صف ہے اور اسے کافروں کی صف میں پہنچا دیتا ہے کہ جو باغیوں اور سرکشوں کی صف ہے۔

(۷۵) خدا نے ابلیس سے مؤاخذہ کیا اور باز پرس کی ،فرمایا: اے ابلیس! اس مخلوق کو سجدہ کرنے سے تمہیں کس نے روکا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا تھا۔

یہ بات ظاہر ہے کہ "یَدَیَّ" (دونوں ہاتھ) کی تعبیر پر قدرت کے معنی کے لیے کنایہ ہے۔

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے: کیا تو نے تکبر کیا، یا اس سے بالاتر تھا کہ تجھے سجدے کا حکم دیا جائے۔

بلا شک وشبہ کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس کی قدر ومنزلت اس سے بالاتر ہے کہ وہ خدا کے لیے سجدہ کرے (یا خدا کے حکم سے آدم کے لیے سجدہ کرے۔

(۷۶) البتہ انتہائی تعجب کی بات ہے کہ ابلیس نے دوسری شق کو انتخاب کیا اور وہ یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ وہ اس سے برتر ہے کہ اسے اس قسم کا حکم دیا جائے۔ لہٰذا انتہائی جسارت کے ساتھ فرمان خدا کی مخالفت کرنے کے لیے دلیلیں دینے لگا اور کہا: میں اس (آدم علیہ السلام) سے بہتر ہوں، کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اور اس کو گیلی مٹی سے۔

وہ اپنی اس گفتگو سے چاہتا تھا کہ خدا کی حکمت کی بھی نفی کرے اور اس کے امر کو بھی (نعوذ باللہ) بے ماخذ و بے مدرک شمار کرے۔ کہ ابلیس یہ سمجھتا تھا جو آگ سے پیدا کیا گیا ہے وہ اس سے برتر و افضل ہے جسے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، کیونکہ آگ مٹی سے افضل و برتر ہے اور اشرف و افضل موجود کو ہرگز یہ حکم نہیں دینا چاہیے کہ وہ غیر اشرف کے سامنے سجدہ کرے۔

ابلیس کا اشتباہ اور غلطی ان دو آخری پہلوؤں میں تھی۔

کیونکہ اول تو آدم صرف مٹی سے پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی عظمت اس روح الٰہی کی وجہ سے تھی جو ان میں پھونکی گئی تھی۔ ورنہ مٹی کہاں اور یہ سارے افتخار، استعداد اور تکامل کہاں؟

دوسرے مٹی نہ صرف یہ کہ آگ سے کم تر نہیں ہے بلکہ اس سے کئی درجے برتر ہے، کیونکہ ساری زندگی اور منابع حیات مٹی سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ تمام تر نباتات، پھول، پھل اور تمام زندہ موجودات مٹی ہی سے وجود پاتے ہیں۔ جبکہ آگ اپنی پوری اہمیت

کے باوجود اسے زندگی میں حاصل ہے ہرگز اس مرتبے کو نہیں پہنچ سکتی، اور وہ صرف مٹی کے منابع سے استفادہ کرنے کا ایک آلہ ہے۔

(۷۷) یہ موقع تھا جبکہ اس پلید وجود کو ملا اعلیٰ اور عالم بالا کے فرشتوں کی صفوں سے نکال دیا جانا چاہیے تھا۔لہٰذا خدا نے اسے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: آسمان بریں سے فرشتوں کی صفوں سے نکل جا۔ کیونکہ تو میرا راندہ درگاہ ہے۔

یہ تو پاکیزہ اور مقرب لوگوں کی جگہ ہے، یہ آلودہ سرکش اور تاریک دلوں کی جگہ نہیں ہے۔

(۷۸)اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے؛ یقیناً میری لعنت قیامت کے دن تک تجھ پر پڑتی رہیگی اور تو ہمیشہ میری رحمت سے دور رہے گا۔

(۷۹)اہم بات یہ ہے کہ جس وقت انسان اپنے اعمال بد کا برا نتیجہ دیکھے تو بیدار ہو جائے اور اس کی تلافی کی فکر کرے، لیکن اس سے بڑھ کر اور کوئی چیز خطرناک نہیں ہے کہ وہ اس طرح سے غرور اور ہٹ دھرمی کے گھوڑے پر سوار ہو اور ہلاکت کے گڑھے کی طرف چلتا ہی جائے، اور یہی وہ بدبختی تھی جس نے ابلیس کا دامن پکڑ لیا۔

یہ وہ مقام تھا جہاں حسد کینہ میں بدل گیا، ایسا کینہ جو سخت اور جڑیں پیدا کر لینے والا تھا، جیسا کہ قرآن کہتا ہے: اس نے کہا؛ میرے پروردگار؛ مجھے قیامت کے دن تک جب انسان قبروں سے اٹھائے جائیں گے، مہلت دے۔ ایسی مہلت درکار ہے جس میں آدم کی اولاد سے انتقام لوں اور سب کو گمراہی کی طرف کھینچ کر لے جاؤں۔

حقیقت میں وہ یہ چاہتا تھا کہ آخری حد تک ممکن وقت تک آدم کی اولاد کو گمراہ کرتا رہے اور چونکہ قیامت کا دن ذمہ داری کے ختم ہونے کا دن ہے اور اس کے بعد وسوسہ اور اغوا کا کوئی مفہوم ہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں وہ یہ بھی چاہتا تھا کہ اس درخواست کے ذریعے موت کو اپنے آپ سے دور کر دے اور قیامت تک زندہ رہے، اگرچہ سارے دنیا سے چل بسیں۔

(۸۰) یہاں مشیت الٰہی نے ان دلائل و وجوہ کی بنا پر اقتضاء کیا (جن کی طرف ہم بعد میں اشارہ کریں گے) کہ ابلیس کی یہ خواہش پوری ہو جائے۔ لیکن مطلق طور پر نہیں بلکہ مشروط صورت میں جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے؛ فرمایا، تجھے مہلت دی گئی

(۸۱) لیکن قیامت کے دن اور مخلوق کے مبعوث ہونے اور قبروں سے اٹھنے کے دن تک نہیں بلکہ ایک معین دن اور زمانے تک کے لیے۔

اس تعبیر سے مراد اس جہاں کا اختتام ہے کیونکہ اس دن تمام زندہ موجودات مرجائیں گے اور صرف خدا کی ذات باقی رہ جائے گی۔ جیسا کہ سورہ قصص کی آیہ......۸۸ میں بیان ہوا ہے۔

(۸۲) یہ وہ منزل تھی جہاں ابلیس نے اپنے دل میں چھپی ہوئی بات کو ظاہر کر دیا اور عمر جاودانی کا تقاضا کرنے کے لئے

اپنے اصلی مقصد کی نشاندہی کردی اور کہا: تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔

''عزت'' کی قسم اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ وہ اپنے عزم وارادہ میں انتہائی ثبات واستقامت رکھتا تھا اور رکھتا ہے اور آخری سانس تک وہ اپنی بات پر اڑا ہوا ہے۔

(۸۳) لیکن وہ اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ خدا کے خاص بندوں کا ایک گروہ اس کے اثر ونفوذ سے باہر رہے گا اور اس کے وسوے میں نہیں آئے گا، لہٰذا مجبوراً انہیں اپنی اوپر والی گفتگو سے مستثنیٰ کرتے ہوئے کہتا ہے مگر ان میں سے جو تیرے مخلص بندے ہوں گے۔

وہی لوگ جو تیری معرفت وبندگی کی راہ میں اخلاص اور صدق وصفا سے قدم بڑھائیں گے جنہیں تو نے بھی قبول کرلیا ہے اور انہیں خالص کیا ہے اور انہیں اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔

البتہ یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ خدا نے اس کی زندگی کو برقرار رکھنے کی درخواست کو قبول کیوں کیا اور فوراً ہی اسے نابود کیوں نہ کردیا؟

اس کا جواب وہی ہے جو سطور بالا میں بیان کیا گیا ہے اور دوسرے لفظوں میں:

''عالم دنیا آزمائش اور امتحان کا میدان ہے (ایسی آزمائش جو انسانوں کی پرورش اور تکامل کا ذریعہ ہے)۔ اور ہم جانتے ہیں کہ آزمائش سخت ترین دشمنوں، طوفانوں اور بحرانوں سے مقابلے کے بغیر ممکن نہیں''۔

البتہ شیطان نہ بھی ہوتا تو بھی ہوائے نفس اور نفسانی وسوسے انسان کو آزمائش کی کٹھائی میں ڈالتے، لیکن شیطان کے ہونے سے آزمائش کا تنور زیادہ گرم ہوگیا، کیونکہ شیطان ایک بیرونی عامل ہے اور ہوائے نفس عامل اندرونی ہے۔

(۸۴) قَالَ فَالۡحَقُّ ۫ وَ الۡحَقَّ اَقُوۡلُ ۚ	(اللہ نے) فرمایا: حق کی قسم: میں ہی حق کہتا ہوں۔
(۸۵) لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡکَ وَ مِمَّنۡ تَبِعَکَ مِنۡهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ	میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھردوں گا۔
(۸۶) قُلۡ مَاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡهِ مِنۡ اَجۡرٍ وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُتَکَلِّفِیۡنَ	(اے پیغمبر!) کہہ دو: میں تم سے کوئی کسی قسم کا اجر طلب نہیں کرتا اور میں متکلفین میں سے نہیں ہوں۔

(۸۷) اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ	یہ (قرآن) تمام عالمین کے لیے تذکر (اور یاد دہانی) کا ذریعہ ہے۔
(۸۸) وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۧ	اور تم اس کی خبر ایک مدت کے بعد ضرور سن لوگے۔

تفسیر

ابلیس کے بارے میں آخری بات

یہ آیات جو سورۂ ص کی آخری آیات ہیں، حقیقت میں اس سورہ کے سارے مضامین کا خلاصہ اور ان تمام مختلف بحثوں کا نتیجہ ہیں جو اس سورہ میں بیان ہوئی ہیں۔

پہلے تو ابلیس کے جواب میں جس نے یہ دھمکی دی تھی کہ وہ مخلصین کے سوا سب انسانوں کو گمراہ کر کے رکھ دے گا۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے: حق کی قسم؛ اور میں حق ہی کہتا ہوں۔

(۸۵) کہ میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھردوں گا۔

بہر حال یہ دونوں جملے بہت سی تاکیدات پر مشتمل ہیں۔ تاکہ کسی کو معمولی سا بھی شک وشبہ اس بارے میں نہ ہونے پائے کہ شیطان اور اس کے پیروکاروں کے لیے کوئی راہ نجات نہیں ہے اور ان کا اس راہ پر چلتے رہنا انہیں ہلاکت کے گھر تک پہنچادے گا۔

(۸۶) اس کے بعد اس گفتگو کے آخر میں چار اہم مطالب کی طرف مختصر اور واضح عبارتوں کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔ پہلے مرحلے میں فرمایا گیا ہے: کہہ دے کہ میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔

اس طرح سے بہانہ جوئی کرنیوالوں کے بہانوں کو ختم کر دیا ہے اور واضح کر دیا ہے کہ میں تو صرف تمہاری نجات اور سعادت کا خواہاں ہوں، نہ تو کوئی مادی اجر تم سے چاہتا ہوں اور نہ ہی معنوی، نہ قدردانی، نہ شکرگزاری، نہ مقام ومنزلت، اور نہ حکومت، کیونکہ میرا اجر تو خدا کے ذمہ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید کی دوسری آیات۔ مثلاً سورہ سبا کی آیہ ۴۷۔ میں اس کی تصریح ہوئی ہے: **ان اجری الا علی اللہ**۔

یہ بات خود پیغمبر اکرم ﷺ کی صداقت کی ایک دلیل ہے کیونکہ جھوٹے مدعی مختلف قسم کے لالچ کے نئے دعوے کرتے ہیں اور ان کا لالچ ان کی کئی باتوں سے بہر صورت واضح و آشکار ہوجاتا ہے۔

دوسرے مرحلے میں فرمایا گیا ہے: میں متکلفین میں سے نہیں ہوں بلکہ میری باتیں دلیل ومنطق کے ساتھ ہوتی ہیں اور کسی قسم

کا تکلف ان میں نہیں ہے۔ میری عبارتیں واضح اور میری باتیں ہر قسم کے ابہام اور پیچیدگی سے خالی ہیں

(۸۷) تیسرے مرحلے میں اس عظیم دعوت اور آسمانی کتاب کے نزول کا اصلی ہدف بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: یہ قرآن سارے جہاں والوں کے لیے صرف نصیحت، یاد دہانی اور بیداری کا ذریعہ ہے۔

ہاں! اہم بات یہ ہے کہ لوگ غفلت سے باہر نکلیں اور غور و فکر کریں۔

(۸۸) چوتھے اور آخری مرحلے میں مخالفین کو مختصر اور معنی خیز عبارتوں کے ساتھ تہدید کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے؛ تم اس کی خبر ایک مدت کے بعد سن لوگے۔

ممکن ہے تم ان باتوں کو سنجیدگی کے ساتھ قبول نہ کرو، اور ان کے پاس سے بے اعتنائی کے ساتھ گزر جاؤ، لیکن بہت جلد میری گفتگو کی صداقت واضح ہو جائے گی۔ اس جہاں میں بھی اسلام و کفر کی جنگ میں، اجتمائی اور فکری نفوذ کے مقام پر اور خدائی عذاب کے موقع پر اور دوسرے جہاں میں بھی خدا کا دردناک عذاب دیکھ لوگے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ اپنے موقع پر اپنی آنکھ سے مشاہدہ کر لوگے۔ مختصر یہ کہ خدائی تازیانہ آمادہ ہے اور بہت جلد مستکبرین اور ظالموں پر برسے گا۔

سورۂ زمر

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۷۵ آیتیں ہیں

سورۂ زمر کے مطالب ومضامین

یہ سورہ چند اہم حصوں پر مشتمل ہے۔

(1)وہ چیز جواس سورہ میں سب سے زیادہ دکھائی دیتی ہے وہ توحید خالص کے مسئلہ کی طرف دعوت ہے۔اس کے تمام پہلوؤں اور جہتوں کے بارے میں نصیحت اوراس سلسلے میں اس کی تعبیرات اس قدر موثر ہیں کہ وہ انسان کے دل کو اخلاص کی طرف کھینچتی اور جذب کرتی ہیں۔

(2)دوسرا اہم مسئلہ عظیم عدالت الٰہی اور معاد کا مسئلہ ہے۔ثواب وجزا' بہشت کے بلند مقامات اور دوزخ کی آگ کے سائبانوں کا مسئلہ بھی اس میں مذکور ہے اور قیامت کے دن کے خوف و وحشت' اعمال کے نتائج کے واضح اور آشکار ہونے اور اس عظیم منظر میں خود اعمال کے ظاہر ہوجانے کا معاملہ بھی موجود ہے۔یہ مسائل جو معاد کے محور کے گرد گھومتے ہیں توحید کے مسائل کے ساتھ اس طرح ملے ہوئے ہیں گویا ایک ہی کپڑے کا تانا بانا ہیں۔

(3)اس سورہ کا تیسرا حصہ جواس کے صرف تھوڑے سے حصہ پر مشتمل ہے قرآن مجید کی اہمیت ہے۔

(4)چوتھا حصہ جواس سے بھی مختصر تر ہے گزشتہ اقوام کی سرگزشت اور آیات حق کی تکذیب کرنے والوں کے لئے خدا کا دردناک عذاب بیان کرتا ہے۔

(5)اس سورہ کا آخری حصہ خدا کی طرف بازگشت کے دروازوں کے کھلا ہونے اور توبہ کا مسئلہ ہے۔یہ سورہ ''سورہ زمر'' کے نام سے مشہور ہے اور یہ نام اس سورہ کی آیہ ۷۱ اور ۷۳ سے لیا گیا ہے

سورہ زمر کی فضیلت تلاوت

ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔

''جو شخص سورہ زمر کی تلاوت کرے خدا (اپنی رحمت سے) اس کی امید منقطع نہیں کرے گا اور ان لوگوں کا اجر اسے عطا کرے گا جو خدا سے ڈرتے ہیں''۔

ایک اور حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے اس طرح نقل ہوا ہے۔

''جو شخص سورہ زمر کی تلاوت کرے گا خدا اسے دنیا وآخرت کا شرف عطا کرے گا اور مال وقبیلہ کے بغیر بھی اسے قدرت وعزت بخشے گا۔اس طرح سے کہ جو شخص بھی اسے دیکھے گا اس سے ہیبت کھائے گا اور اس کا بدن آتش دوزخ پر حرام کردے گا''۔

ان فضیلتوں کا اس سورہ کے مضامین کے ساتھ موازنہ سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ یہ اجر وثواب ان لوگوں کے لئے ہے جو تلاوت کو غور وفکر کے لئے اور غور وفکر کو ایمان وعمل صالح کے لئے وسیلہ قرار دیتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ	یہ کتاب خداوند عزیز وحکیم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔
(۲) اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ فَاعۡبُدِ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ؕ	ہم نے اس کتاب کو حق کے ساتھ تجھ پر نازل کیا ہے۔ پس تم خدا کی عبادت کرو اور اپنے دین کو اس کے لئے خالص کرلو۔
(۳) اَلَا لِلّٰہِ الدِّیۡنُ الۡخَالِصُ ؕ وَ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءَ ۘ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ بَیۡنَہُمۡ فِیۡ مَا ہُمۡ فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ ۬ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَہۡدِیۡ مَنۡ ہُوَ کٰذِبٌ کَفَّارٌ	آ گاہ ہو کہ دین خالص اللہ ہی کے لئے ہے اور وہ لوگ کے جنہوں نے خدا کے علاوہ اپنے اولیاء قرار دے لئے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ہم ان کی پرستش نہیں کرتے مگر صرف اس لئے کہ یہ ہمیں خدا سے نزدیک کردیں گے جس چیز میں وہ اختلاف کرتے تھے خدا قیامت کے دن ان کے درمیان اس کا فیصلہ کردے گا' خدا اس شخص کو کبھی بھی ہدایت نہیں کرے گا جو جھوٹا اور کفران کرنے والا ہے

تفسیر

دین کو شرک سے پاک کرو

یہ سورہ قرآن مجید کے نزول سے متعلق دو آیات سے شروع ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک آیت میں تو نزول قرآن کے مبداء یعنی خدا کی پاک ذات کے متعلق بیان ہے اور دوسری آیت میں قرآن کے مطالب ومقاصد کے بارے میں گفتگو ہے۔ پہلے فرمایا گیا ہے: یہ کتاب خداوند عزیز وحکیم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

(۲) اس کے بعد اس آسمانی کتاب کے مطالب ومقصد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے، ہم نے اس کتاب کو حق کے ساتھ تجھ پر نازل کیا ہے۔

اس میں حق کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور تو حق کے سوا اور کوئی مطلب اس سے مشاہدہ نہیں کرے گا۔ اسی وجہ سے حق طلب لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں اور وادی حقیقت کے پیاسے اس کے مطالب کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔

نیز اس کے نازل کرنے کا مقصد چونکہ انسانوں کو خالص دین پہنچانا ہے اس لئے آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے: اب جبکہ یہ بات ہے تو پھر خدا کی پرستش کر اس حال میں کہ اپنے دین کو اسی کے لئے خالص کرلے۔

دین انسان کی روحانی اور مادی حیات کے مجموعہ کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔لہٰذا خدا کے خالص بندوں کو چاہئے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام حالات کو اس کے لئے خالص بنائیں۔

(۳)اس آیت میں دوبارہ مسئلہ اخلاص کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: آگاہ رہو کے دین خالص اللہ کے لئے مخصوص ہے۔

اس عبارت میں دو معنی کی گنجائش ہے۔ پہلا یہ کہ: جسے خدا قبول کرتا ہے وہ صرف دین خالص ہے اور صرف اس کے فرمان کے سامنے بلا کسی شرط کے سر تسلیم خم کرنا ہے اور ہر قسم کا شرک وریا اور قوانین خداوندی کو ان کے غیر سے ساتھ ملانا مردود و مسترد ہے۔

دوسرا یہ کہ: خالص دین و آئین صرف خدا سے ہی لینا چاہئے کیونکہ جو کچھ انسانوں کے افکار کا ساختہ و پرداختہ ہے وہ نارسا و خطاو اشتباہ کی آمیزش رکھتا ہے۔

یہ آیت حقیقت میں گذشتہ آیت کی دلیل بیان کر رہی ہے۔ وہاں قرآن کہتا ہے: کہ خدا کی اخلاص کے ساتھ عبادت کر اور یہاں اضافہ کرتا ہے: جان لے کے خدا تو صرف خالص عمل کو ہی قبول کرتا ہے۔

اس کے بعد مشرکین جو اخلاص کی راہ چھوڑ کر شرک کی بے راہ روی میں سرگرداں تھے کی کمزور اور فضول منطق کو باطل کرتے ہوئے اس طرح فرمایا گیا ہے: وہ لوگ جنہوں نے خدا کے سوا دوسروں کو اپنے اولیاء بنا لیا ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ ہم ان کی پرستش نہیں کرتے مگر صرف اس لئے کہ یہ ہمیں خدا سے نزدیک کر دیں خدا قیامت کے دن جس چیز میں وہ اختلاف کرتے ہیں ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا اور وہاں ان کے اعمال وافکار کی خرابی اور تباہی سب پر ظاہر ہو جائے گی۔

"والذین اتخدو امن دونہ اولیاء ما نعبد ھم الا لیقر بونا الی اللہ زلفٰی ان اللہ یحکم بینھم فیما ھم فیہ یختلفون"

یہ آیت حقیقت میں مشرکین کے لئے ایک قاطع اور دوٹوک تہدید ہے کہ قیامت کے دن جو اختلافات کے برطرف ہونے اور حقائق کے ظاہر و آشکار ہونے کا دن ہے۔ خدا ان کے درمیان فیصلہ کرے گا اور ان کو ان کے اعمال کی سزا دے گا۔ علاوہ ازیں وہ میدان حشر میں سب کے سامنے ذلیل ورسوا بھی ہوں گے۔

قرآن مجید خصوصیت کے ساتھ اس نکتہ پر تاکید کرتا ہے کہ انسان بغیر کسی واسطہ کے خدا کے ساتھ تعلق پیدا کر سکتا ہے۔

نہ وہ ہم سے دور ہے اور نہ ہم اس سے دور ہیں کہ واسطے کی ضرورت پڑے۔ وہ دوسرے ہر شخص کی نسبت ہم سے زیادہ نزدیک ہے وہ ہر جگہ موجود و حاضر ہے اور ہمارے دل کے اندر اس کی جگہ ہے۔

اسی بناء پر واسطوں کی پرستش چاہے وہ فرشتے یا جن ہوں یا ان کی مانند دوسری مخلوق اور چاہے پتھر اور لکڑیوں کے بتوں کی پرستش ہو ایک بے بنیاد و جھوٹا عمل ہے۔ علاوہ ازیں پروردگار کی نعمتوں کا کفران بھی ہے کیونکہ نعمت کا بخشنے والا پرستش کا حقدار ہے نہ کہ یہ بے جان سراپا نیاز و احتیاج وموجودات۔

اس لئے آیت کے آخر میں قرآن کہتا ہے: خدا ایسے شخص کو جو جھوٹا اور کفران کرنے والا ہو کبھی ہدایت نہیں کرتا۔
کیونکہ اس نے ہدایت کے سب دروازوں کے بند ہونے کی بنیاد فراہم کر دی ہے۔

(۴) لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ	اگر (بفرض محال) خدا کسی کو اپنی اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا وہ منزہ ہے (اس سے کہ کوئی اس کی اولاد ہو) وہ اللہ واحد وقہار ہے۔
(۵) خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَ يُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ	اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا وہ رات کو دن پر لپیٹ دیتا ہے اور دن کو رات پر اور سورج اور چاند کو اس نے اپنے فرمان کا مسخر بنا لیا ہے ان میں سے ہر ایک مدت معین تک اپنی حرکت کو جاری رکھے ہوئے ہے آگاہ رہو کہ وہ قادر اور بخشنے والا ہے۔

تفسیر

وہ ہر چیز پر حاکم ہے، اسے اولاد کی کیا ضرورت ہے؟

مشرکین بتوں کو خدا کے نزدیک واسطہ اور شفیع سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ اپنے بعض معبود مثلاً فرشتوں کے بارے میں ایک اور عقیدہ بھی رکھتے تھے کہ وہ انہیں خدا کی بیٹیاں خیال کرتے تھے۔ پہلی زیر بحث آیت اس قبیح خیال کا جواب دیتے ہوئے کہتی ہے: اگر خدا کسی کو اپنی اولاد بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا منتخب کر لیتا۔

وہ اس سے پاک و منزہ ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو وہ اللہ واحد وقہار ہے۔

آیت اس مطلب کو بیان کرنا چاہتی ہے کہ اولاد ضروری طور پر مدد و روحانی تسکین کے لئے ہوتی ہے۔ بفرض محال اگر خدا کو اس قسم کی احتیاج ہوتی تو اس کے لئے اولاد کا ہونا ضروری نہیں تھا بلکہ اپنی باشرف مخلوق میں سے کچھ لوگوں کو منتخب کر لیتا جو اس مقصد کو پورا کرتے اولاد کا انتخاب کیوں کرتا؟

لیکن وہ چونکہ واحد و یگانہ اور ہر چیز پر قاہر و غالب ہے اور ازلی و عبدی ہے نہ وہ کسی کی مدد کا محتاج ہے اور نہ ہی کسی وحشت کا اس کے لئے کوئی تصور ہے جو کسی چیز سے روحانی تسکین حاصل ہونے کی وجہ سے برطرف ہو اور نہ ہی وہ نسل کے جاری رہنے کا محتاج ہے۔ اس بناء پر وہ اولاد رکھنے سے منزہ ہے چاہے وہ حقیقی اولاد ہو یا اپنائی و انتخاب کی ہوئی۔

(۵) پھراس حقیقت کوثابت کرنے کے لئے کہ خدامخلوقات سے کوئی احتیاج نہیں رکھتا اور ساتھ ہی توحیداوراس کی عظمت کی نشانیوں کو بیان کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے: خدانے تمام آسمانوں اورزمین کوحق سے ساتھ پیدا کیا ہے۔

ان کا حق ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ ایک عظیم مقصد درمیان میں تھا کہ وہ موجودات کے ارتقاء کے سوا............جن کے آگےآگےانسان ہیں اور پھر قیامت پراختتام ہے.........کچھ اور چیز نہیں ہے۔

اس عظیم آفرینش کے بیان کے بعد ایک عجیب وغریب تدبیر اور جچے تلے تغیرات کے بعد اور پر حاکم عجیب نظام کے ایک گوشے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: وہ رات کودن پر اور دن کورات پر لپیٹ دیتا ہے

ایک نکتہ جو اس قرآنی تاویل میں پوشیدہ ہے یہ ہے کہ زمین کروی (گول) شکل کی ہےاوراپنے گردحرکت کرتی ہےاوراس گردش کے زیر اثر رات کی سیاہ نوار اور دن کی سفید نوار ہمیشہ اس کے گرد چکر لگاتی ہے گویا ایک طرف سے سفید نوار سیاہ پر اور دوسری طرف سے سیاہ نوار سفید پرلپیٹی جارہی ہے۔

بہرحال قرآن مجید نوروظلمت اوررات دن پیدا ہونے کے بارے میں مختلف تاویلیں پیش کرتا ہے جن میں سے ہرایک کسی ایک نکتہ کی طرف اشارہ کرتی ہے اوراس کی طرف ایک خاص زاویہ سے دیکھتی ہے۔

اس کے بعد اس جہاں کی تدبیر ونظم کے ایک گوشہ کو بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: اس نے سورج وچاند کواپنے فرمان کا مسخر قرار دیا ہے کہ ان میں سے ہرایک معین مدت تک اپنی حرکت کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

وہ حرکت جو خورشید کا نورخود اپنے گرد کرتی ہے یا اسی حرکت میں کہ جس نے وہ سارے نظام شمسی کے ساتھ کہکشاں کے ایک خاص نکتے کی طرف بڑھ رہا ہے' معمولی سے معمولی بدنظمی بھی دکھائی نہیں دیتی اور نہ ہی چاند کی اپنی حرکت میں جو وہ زمین کے گرد کرتا ہے یا خوداپنے گرد گھومتا ہے (کوئی بدنظمی ہوتی ہے) بلکہ سب کے سب اس کے مطیع فرمان ہیں۔اس کے (آفرینش کے قوانین کے) مسخر ہیں اوراپنی عمر کے اختتام تک اپنی یہی کیفیت جاری رکھے ہوئے ہیں۔

آیت کے آخر میں مشرکین کو............بازگشت اور لطف وعنایت کی راہ کھلا رکھنے کے ساتھ ساتھ............تہدید کے طور پر فرمایا گیا ہے: جان لوکہ وہ عزیز وغفار ہے۔

اس کی بے انتہا عزت وقدرت کی بناء پرکوئی گناہ گار اور مشرک اس کے عذاب کے پنجہ سے بھاگ کرنہیں نکل سکتا اور وہ اپنی غفاریت کے تقاضے سے توبہ کرنے والوں کے عیوب اور گناہوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اورانہیں اپنی رحمت کے سائے تلے لے لیتا ہے۔

(٦) خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ؕ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ	اس نے تمہیں ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے اور اسکی بیوی کو اس (کی باقی ماندہ گیلی مٹی) سے پیدا کیا اور تمہارے لئے آٹھ جوڑے چوپایوں میں سے نازل کئے وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تاریکیوں کے اندر ایک کے بعد دوسری خلقت عطا کرتا ہے۔ یہ ہے تمہارا پروردگار خدا (عالم ہستی کی) حکومت اسی کے لئے ہے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ پھر تم (اس حال میں) راہ حق سے کس طرح منحرف ہوتے ہو؟
(٧) اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۫ وَ لَا يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَ اِنْ تَشْكُرُوْا يَرْضَهُ لَكُمْ ؕ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	اگر تم کفران کرو گے تو خدا تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے کبھی بھی کفران کو پسند نہیں کرتا اور اگر تم اس کا شکر ادا کرو گے تو وہ اسے تمہارے لئے پسند کرتا ہے اور کوئی گنہ گار کسی دوسرے کا گناہ اپنے کاندھوں پر نہیں اٹھائے گا۔ اس کے بعد تم سب کی واپسی تمہارے پروردگار کی طرف ہے اور جو کچھ تم انجام دیا کرتے تھے وہ اس سے تمہیں آگاہ کرے گا کیونکہ جو کچھ (تمہارے) سینوں میں ہے وہ اس سے آگاہ ہے۔

تفسیر

سب کی ایک ہی نفس سے پیدائش

ان آیات میں پھر آفرینش الٰہی کی عظمت کی نشانیوں کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے اور انسانوں کے لئے اس کی طرح طرح کی نعمتوں کا حصہ بیان کیا جا رہا ہے۔

پہلے انسان کی خلقت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: خدا نے تم سب کو ایک ہی شخص سے پیدا کیا ہے پھر اس کی بیوی کو اس سے پیدا کیا۔

تمام انسانوں کی ایک ہی نفس سے خلقت دراصل ہمارے پہلے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ تمام انسان خلقت کے تنوع، مختلف اخلاق و عادات اور مختلف استعداد اور ذوق کے ساتھ ایک ہی جڑ کی طرف لوٹتے ہیں کہ جو "آدم"

ہے۔

"ثم جعل منھا زوجھا" دراصل اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خدا نے پہلے آدمؑ کو خلق کیا پھر اس کے بعد اس کی بیوی کو اس کی باقی ماندہ مٹی سے پیدا کیا۔

یہ نکتہ بھی یاد دہانی کے قابل ہے کہ آدم کی بیوی کی خلقت خود آدم کے وجود کے اجزاء سے نہیں ہوئی بلکہ اس کی بچی ہوئی گیلی مٹی سے ہوئی تھی۔ جیسا کہ روایات میں اس کی تصریح موجود ہے۔

اس کے بعد چوپایوں کی خلقت کا ذکر ہے کہ جو انسانوں کی زندگی کے اہم وسائل میں سے ہیں۔ چوپائے ایک طرف تو دودھ اور گوشت کے لئے کام آتے ہیں۔ دوسری طرف ان کے چمڑے اور بالوں سے لباس اور زندگی کی دوسری ضروریات تیار کی جاتی ہیں۔ نیز سواری اور حمل ونقل کے لئے انسان ان سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: تمہارے لئے چوپایوں کے آٹھ جوڑے نازل کئے۔

آٹھ جوڑوں سے مراد گوسفند، بکری، اونٹ اور گائے کے نر اور مادہ ہیں۔

اس کے بعد آفرینش الٰہی کے مختلف طریقوں میں سے ایک اور طریقے کو بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے جنین کی خلقت کے مختلف مراحل ارشاد ہوتا ہے: وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تاریکیوں کے پردے میں ایک کے بعد دوسری خلقت اور ایک کے بعد دوسری آفرینش عطا کرتا ہے۔

"ظلمات ثلاث" (تین تاریکیوں) کی تعبیر، شکم مادر کی تاریکی، رحم کی تاریکی اور مشیمہ (وہ مخصوص تھیلی جس میں جنین ہوتا ہے) کی تاریکی ہے جو حقیقت میں تین ضخیم اور دبیز پردے ہیں جو جنین کے اوپر لپٹے ہوئے ہیں۔

سید الشہداامام حسینؑ کی ایک مشہور دعائے عرفہ ہے جو درس توحید کا ایک کامل وعالی دورہ ہے۔ اس میں آپؑ خدا کی نعمتوں اور اس کی قدرتوں کو شمار کرتے وقت اس کی بارگاہ میں اس طرح عرض کرتے ہیں:

> "میری خلقت وآفرینش کی ابتداء منی کے ناچیز قطرات سے قرار دی گئی۔ پھر مجھے تین تاریکیوں کے اندر گوشت، پوست اور خون کے درمیان ساکت کر دیا۔ میری خلقت کو تو نے آشکار نہیں کیا اور اس پوشیدہ جگہ کو میری خلقت کو مختلف مراحل میں جاری رکھا اور میری زندگی کے امور میں سے کسی ایک کو بھی میرے سپرد نہیں کیا پھر مجھے کامل اور سالم دنیا میں منتقل کر دیا"۔

تین توحیدی حلقوں انسانوں کی خلقت، چوپایوں کی پیدائش اور جنین کی مختلف حالتوں اور مرحلوں کے بارے میں بیان کرنے کے بعد آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: یہ ہے تمہارا پروردگار خدا، تمام عالم ہستی کی حکومت اسی کے لئے ہے، اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ پھر (ایسے میں) تم راہ حق سے کس طرح منحرف ہوتے ہو

گویا انسان کو توحید کے ان عظیم آثار کے مشاہدے کے بعد پروردگار کے مقام شہود تک پہنچا دیا ہے۔ اس کے بعد اپنی

مقدس ذات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: یہ ہے تمہارا خدا' معبود و پروردگار'

(۷) پروردگار کی ان عظیم نعمتوں کے ذکر کے بعد اس آیت میں شکر و کفران کے حوالے سے اس کے مختلف پہلوؤں کو مورد مطالعہ قرار دیا گیا ہے۔ پہلے ارشاد ہوتا ہے: تمہارے شکران اور کفر کا نتیجہ تمہاری ہی طرف لوٹتا ہے اور اگر تم کفران کرو گے تو خدا تم سے بے نیاز ہے (اور اسی طرح اگر تم اس کی نعمت کا شکر بجالاؤ گے تو اسے اس کی بھی احتیاج نہیں ہے)۔

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے: پروردگار کی یہ بے نیازی اور غنا اس سے مانع نہیں ہے کہ تمہیں شکر کا ذمہ دار قرار دے اور کفران سے روک دے۔ چونکہ فریضہ خود ایک لطف اور ایک دوسری نعمت ہے۔ ہاں: وہ اپنے بندوں سے ہرگز کفران نعمت پسند نہیں کرتا اور اگر اس کا شکر بجالاؤ تو وہ یہ تمہارے لئے پسند کرتا ہے۔

ان دو مطالب کو بیان کرنے کے بعد اس سلسلے کا تیسرا مسئلہ پیش کیا گیا ہے اور وہ ہے ہر شخص کی اس کے اپنے عمل پر باز پرس۔ کیونکہ ذمہ داری اور تکلیف کا مسئلہ اس مطلب کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ لہٰذا فرمایا گیا ہے: کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ اپنے کندھے پر نہیں اٹھائے گا۔

اور چونکہ ذمہ داری جزاء و سزا کے بغیر کوئی معنی نہیں رکھتی۔ لہٰذا چوتھے مرحلے میں معاد کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: پھر تم سب کی واپسی تمہارے پروردگار کی طرف ہوگی اور وہ تمہیں ان چیزوں سے آگاہ کرے گا جنہیں تم انجام دیا کرتے تھے۔

اور چونکہ محاسبہ اور جزاء کا مسئلہ پوشیدہ بھیدوں سے آگاہی کے بغیر ممکن نہیں ہے لہٰذا آیت کو اس جملے پر ختم کیا گیا ہے۔

وہ ان تمام باتوں سے آگاہ ہے جو سینوں میں چھپی ہوئی ہیں اور جو کچھ سینوں پر حکم فرما ہے

اس طرح سے ذمہ داری اور اس کی خصوصیات اور اسی طرح انسانوں کی مسئولیت اور جزاء و سزا کا فلسفہ مجموعی طور پر مختصر جملوں میں ایک نظم و ترتیب کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

(۸) وَ اِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيۡبًا اِلَيۡهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعۡمَةً مِّنۡهُ نَسِىَ مَا كَانَ يَدۡعُوۡۤا اِلَيۡهِ مِنۡ قَبۡلُ وَ جَعَلَ لِلّٰهِ اَنۡدَادًا لِّيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ قُلۡ تَمَتَّعۡ بِكُفۡرِكَ قَلِيۡلًا ۖ اِنَّكَ مِنۡ اَصۡحٰبِ النَّارِ	جس وقت انسان کو کوئی ضرر پہنچتا ہے تو پھر تو وہ اپنے پروردگار کو پکارتا ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے لیکن جب وہ (اللہ) اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کرے تو وہ اس بات کو جس کے لئے وہ پہلے خدا کو پکارتا تھا بھول جاتا ہے اور خدا کے لئے شریک و امثال قرار دینے لگتا ہے تاکہ لوگوں کو اس کی راہ سے منحرف کر دے۔ کہہ دے کے چند دن کے لئے اپنے کفر سے فائدہ اٹھالے کیونکہ آخر تو اصحاب جہنم میں سے ہے۔

(۹)اَمَّنۡ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيۡلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحۡذَرُ الۡاٰخِرَةَ وَ يَرۡجُوۡا رَحۡمَةَ رَبِّهٖ ؕ قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۧ	(کیا ایسے شخص کی کوئی قدر و قیمت ہے) یا اس شخص کی جو رات کی گھڑیوں میں عبادت میں مشغول رہتا ہے اور سجدہ و قیام کی حالت میں رہتا ہے' آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار کی رحمت کا امیدوار ہے۔ کہہ دے کیا علم والے اور بے علم برابر ہیں؟ صرف صاحبان عقل وفہم ہی اس بات کو سمجھتے ہیں۔

تفسیر

گذشتہ آیات میں توحید استدلالی اور آفاق وانفس میں عظمت خدا کی نشانیوں کے حوالے سے معرفت پروردگار کے متعلق گفتگو تھی۔ زیر بحث آیات میں پہلے توحید فطری کی بات کی گئی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ انسان عقل وخرد اور نظام آفرینش کے مطالعہ سے جو کچھ درک کرتا ہے وہ فطری طور پر اس کی روح کی گہرائیوں میں موجود ہے۔ مشکلات وحوادث کے طوفانوں میں یہ توحید فطری خود کو ظاہر کردیتی ہے۔ لیکن فراموش کار انسان طوفان حوادث گزر جانے کے بعد دوبارہ غفلت وغرور میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

فرمایا گیا ہے: جس وقت انسان کو کوئی نقصان پہنچتا ہے (تو نور توحید اس کے دل میں جگمگا اٹھتا ہے اور وہ) اپنے پروردگار کو پکارتا ہے۔ اس حال میں وہ اسی کی طرف رجوع کرتا ہے اور اپنے گناہ غفلت پر پشیمان ہوتا ہے۔

لیکن جب خدا اپنی طرف سے کوئی نعمت اسے عطا کرتا ہے تو وہ گذشتہ ابتلا اور مشکلات کو بھول جاتا ہے جن کی وجہ سے لطف الٰہی کے دامن سے وابستہ ہوا۔

وہ خدا کے لئے شریک اور شبیہ بنا لیتے ہیں اور ان کی پرستش کرنے لگتے ہیں تاکہ اپنی گمراہی کے علاوہ لوگوں کو بھی راہ خدا سے منحرف کردیں۔

یہاں انسان سے مراد عام انسان اور انبیاء کی تعلیمات کے سائے میں تربیت نہ پانے والے انسان ہیں۔ ورنہ مردان حق کے ہاتھوں تربیت پانے والے انسان خود ان کی طرح سراء' وضواء' میں تکالیف وراحت میں اور ناکامیوں اور کامیابیوں میں ہمیشہ اس کی یاد میں رہتے ہیں اور اس کے دامن لطف سے وابستہ رہتے ہیں۔

آیت کے آخر میں ایسے انسان کو صریح' قاطع اور زوردار تحریک کے ساتھ مخاطب کرنے کے لئے قرآن کہتا ہے: اس سے کہہ دے: تو اپنے کفر اور کفران سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالے چند دن اور غفلت اور غرور میں بسر کرلے لیکن یہ جان لے کہ آخر کار کو اصحاب دوزخ سے ہے۔

کیا اس قسم کے کوتاہ فکر گمراہ اور گمراہ کرنے والے انسان کا انجام اس کے علاوہ بھی کچھ ہوسکتا ہے؟

(۹) کیا جاہل اور عالم برابر ہیں؟

آیت میں موازنہ کیا جارہا ہے اور یہ مختلف مسائل سمجھانے میں قرآن کی جانی پہچانی روش ہے۔ارشاد ہوتا ہے: کیا ایسا شخص قدر و قیمت والا ہے یا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں پروردگار کی عبادت وسجدہ و قیام میں مشغول رہتا ہے اس کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتا ہے۔عذاب آخرت سے ڈرتا ہے اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہے۔

کہاں وہ مشرک وفراموش کار' متلون مزاج' گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا انسان اور کہاں یہ بیدار' نورانی اور باصفا دل والا انسان۔ جوخوف ورجاء کے ساتھ اسے پکار رہا ہوتا ہے۔

رات کی ساعت اور گھڑی کا ذکر اس بناء پر ہے کہ اس وقت حضور قلب زیادہ اور ریا سے آلودگی دیگر اوقات کی نسبت بہت کم ہوتی ہے۔

آیت کے آخر میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: کہہ دے کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہوتے ہیں۔

نہیں: وہ یکساں نہیں ہیں۔صرف صاحبان فکر ونظر ہی ان سے متوجہ ہوتے ہیں۔

اگر چہ مذکورہ سوال ایک وسیع سوال ہے لیکن اسی مسئلہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔یعنی وہ لوگ جو یہ جانتے ہیں کہ یہ ہٹ دھرم اور دل کے اندھے مشرک' ان پاک وروشن ضمیر و مخلص مومنین کے برابر نہیں ہیں۔کیا وہ ان افراد کے مساوی ہیں جو اس واضح وروشن حقیقت سے آگاہ نہیں ہیں؟

بہر حال یہ جملہ اسلام سے اساسی اور بنیادی شعاروں میں سے ہے جاہلوں کے مقابلے میں علم اور علماء کے مقام کی عظمت کو واضح کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں گروہ نہ تو بارگاہ خدا میں یکساں ہیں اور نہ ہی آگاہ مخلوق کی نظر میں' نہ دنیا میں ایک صف میں کھڑے ہوسکتے ہیں اور نہ ہی آخرت میں' نہ ظاہر میں یکساں ہیں اور نہ ہی باطن میں۔

اس آیت میں اور قرآن کی دوسری آیات میں علم کا معنی چند ایک اصطلاحات یا اشیاء کے درمیان مادی روابط اور اصطلاح کے مطابق مروجہ علوم نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے مراد ایک خاص معرفت اور آگاہی ہے جو انسان کو قنوت یعنی پروردگار کی اطاعت' اس کی عدالت کا خوف اور اس کی رحمت کی امید کی طرف دعوت دیتی ہے۔یہ ہے علم کی حقیقت اور مروجہ علوم بھی اگر اس قسم کی معرفت کے لئے کارآمد ہوں تو علم ہیں اور اگر غرور وغفلت اور ظلم وفساد فی الارض کا سبب بنے اور ان سے مذکورہ کیفیت اور خاص حالت حاصل نہ ہو تو پھر وہ خیل وخال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔

(۱۰)قُلۡ یٰعِبَادِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ ؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا فِیۡ ہٰذِہِ الدُّنۡیَا حَسَنَۃٌ ؕ وَ اَرۡضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ ؕ اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوۡنَ اَجۡرَہُمۡ بِغَیۡرِ حِسَابٍ	کہہ دے : اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو : اپنے پروردگار (کی مخالفت) سے پرہیز کرو جن لوگوں نے اس دنیا میں نیکی کی ہے ان کے لئے اچھا اجر ہے اور خدا کی زمین وسیع ہے ۔یقیناً صبر کرنے والے اپنا اجر بے حساب حاصل کریں گے۔
(۱۱)قُلۡ اِنِّیۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰہَ مُخۡلِصًا لَّہُ الدِّیۡنَ ۙ	کہہ دے : مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں خدا ہی کی عبادت کروں اس حال میں کہ اپنے دین کو اسی کے لئے خالص رکھوں ۔
(۱۲)وَ اُمِرۡتُ لِاَنۡ اَکُوۡنَ اَوَّلَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ	اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں ہی سب سے پہلا مسلمان بنوں ۔
(۱۳)قُلۡ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ	کہہ دے :اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو میں قیامت کے عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۔
(۱۴)قُلِ اللّٰہَ اَعۡبُدُ مُخۡلِصًا لَّہٗ دِیۡنِیۡ ۙ	کہہ دے : میں تو صرف خدا کی عبادت کرتا ہوں ٗاس حال میں کہ میں اپنے دین کو اس کے لئے خالص رکھتا ہوں ۔
(۱۵)فَاعۡبُدُوۡا مَا شِئۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡخٰسِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَہۡلِیۡہِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اَلَا ذٰلِکَ ہُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِیۡنُ	تم اس کے بجائے جس کی چاہو پرستش کرو۔ کہہ دے : قیامت کے دن واقعی خسارے میں وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے خود اپنا اور اپنے وابستگان کا سرمایا وجود گنوا دیا ہے۔ آگاہ رہو کہ یہی واضح خسارہ ہے۔

(١٦)لَهُمۡ مِّنۡ فَوۡقِهِمۡ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِکَ یُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ یٰعِبَادِ فَاتَّقُوۡنِ	ان کے لئے ان کے سر کے اوپر کی طرف بھی آگ کا سائبان ہوگا اوران کے پاؤں کے نیچے سے بھی۔ یہ وہ چیز ہے جس سے خدا اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔اے میرے بندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔

تفسیر

مخلص بندوں کا طرز حیات

گزشتہ آیات میں مغرور مشرکین اور فرمان خدا کے مطیع مومنین کا فرق نیز علماء و جہلاء کے درمیان موازنہ کیا گیا تھا۔اب زیر بحث آیات میں سچے اور مخلص بندوں کے طرز حیات میں سے سات دستوروں کا ذکر چند آیات میں سمو دیا گیا ہے اوران میں سے ہرآیہ قل سے شروع ہوتی ہے۔

پہلے تقویٰ کا ذکر ہے۔پیغمبر اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے: کہہ دے: اے میرے مومن بندو: اپنے پروردگار سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو۔

ہاں تقویٰ یعنی خود کو گناہ سے بچانا اور حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مسئولیت اور ذمہ داری کا احساس ہے۔یہ خدا کے مومن بندوں کا پہلا کام ہے۔تقویٰ جہنم کی آگ سے بچاؤ کے لئے ایک ڈھال ہے اور انحراف سے باز رکھنے کا ایک عامل ہے۔تقویٰ بازار قیامت کا سب سے بڑا سرمایا ہے اور پروردگار کی بارگاہ میں انسان کے مرتبہ ومقام کا معیار ہے۔

دوسرے حکم میں اس دنیا میں احسان اور نیکوکاری کا ذکر ہے کیونکہ یہ دنیا دار عمل ہے۔اس کے لئے احسان کا نتیجہ بیان کرکے لوگوں کو اس کی تشویش دلائی گئی ہے فرمایا گیا ہے: ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اس دنیا میں کوئی نیکی کی ہے بہت بڑا اجر وثواب ہے۔

ہاں اس دنیا میں دوستوں اور بیگانوں کے ساتھ گفتار میں، عمل میں، طرز فکر ونظر میں نیکوکاری کا نتیجہ دونوں جہان میں مطلق طور پر اجر کی صورت میں حاصل ہوتا ہے کیونکہ نیکی کا نتیجہ نیکی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

حقیقت میں تقویٰ تو ایک باز رکھنے والا عامل ہے اور احسان ونیکی حرکت پیدا کرنے والا عامل ہے، جو مجموعی طور سے ترک گناہ اور فرائض ومستحبات کی انجام دہی دونوں پر مشتمل ہے۔

تیسرا حکم شرک وکفر اور گناہ سے آلودہ مراکز ومقامات سے ہجرت کرنے کی تشویش ہے۔فرمایا گیا ہے: خدا کی زمین وسیع ہے۔

درحقیقت یہ ان کمزور ارادے والے بہانہ جو افراد کے لئے جواب ہے جو کہتے تھے کہ ہم مشرکین کی حکومت کے تسلط کی وجہ سے اپنے خدا کی طرف سے عائد کردہ فرائض کی انجام دہی پر قادر نہیں ہیں۔قرآن کہتا ہے: خدا کی سرزمین مکہ میں ہی محدود نہیں ہے مکہ

نہ ہوا تو مدینہ سہی دنیا وسیع ہے اپنے آپ کو حرکت دو اور شرک و کفر و خفقان والے مرکز سے نقل مکانی کر جاؤ۔

یہ چیز اس بات کی اچھی طرح سے نشاندہی کرتی ہے کہ ماحول کا دباؤ اور گھٹن' ایسے مقام پر جہاں سے ہجرت کرنا ممکن ہو۔ بارگاہ خداوندی میں عذر نہیں بن سکتا۔ چونکہ ہجرت سے عام طور پر زندگی کے مختلف پہلوؤں میں بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں' اس لئے چوتھا حکم صبر و استقامت کا اس صورت میں بیان کیا گیا ہے: صبر کرنے والے اور استقامت دکھانے والے اپنا اجر و ثواب بے حساب حاصل کریں گے۔

"بغیر حساب" کی تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ استقامت دکھانے والے صابر لوگ بارگاہ خداوندی سے برترین اور افضل ترین اجر پائیں گے اور کسی بھی عمل کی صبر و استقامت کے برابر اہمیت نہیں ہے۔

(۱۱) پانچویں حکم میں اخلاص کے بارے میں شرک کے ہر شائبہ سے پاک اور خالص توحید کے متعلق گفتگو ہے لیکن یہاں گفتگو کا لب ولہجہ بدل جاتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے: میں تو اس بات پر مامور ہوں کہ خدا ہی کی عبادت کروں اس حال میں کہ میں اپنے دین کو اس کے لئے خالص کئے رکھوں۔

(۱۲) اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: اور میں اس بات پر مامور ہوں کہ میں پہلا مسلمان بنوں۔

یہاں پر چھٹا حکم یعنی اسلام اور فرمان خدا کے سامنے پوری طرح سر تسلیم خم کرنے میں سبقت کرنے کے بارے میں ہے۔

(۱۳) ساتواں اور آخری حکم قیامت کے دن خدا کی سزا سے متعلق ہے۔ یہ بھی اسی لب ولہجہ میں بیان ہوا ہے۔ فرمایا گیا ہے: کہہ دے: اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو قیامت کے عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

یہ اس لئے ہے تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ پیغمبر بھی بندگان خدا میں سے ہیں' وہ بھی خالص طور سے عبادت کرنے پر مامور ہیں' وہ بھی خدا کے عذاب و سزا سے ڈرتے ہیں اور یہ بات خود ان کی عظمت اور حقانیت کی ایک واضح و روشن نشانی ہے۔

(۱۴) زیر بحث آیات میں سات احکام (تقویٰ' احسان' ہجرت' صبر' اخلاص' تسلیم اور خوف) کے ذکر کے بعد مسئلہ اخلاص چونکہ خصوصیت کے ساتھ شرک کے مختلف اسباب و عوامل کے مقابلے میں ایک خصوصیت رکھتا ہے لہٰذا تاکید کے لئے اسے دوبارہ بیان کیا گیا ہے اور اسی لب ولہجہ میں فرمایا گیا ہے: کہہ دے: میں تو خدا ہی کی عبادت کرتا ہوں اس حال میں کہ اپنے دین کو اس کے لئے خالص رکھتا ہوں۔

(۱۵) لیکن تم اس کے علاوہ جس کی چاہو پرستش کرتے رہو۔ اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: کہہ دے: یہ نقصان اٹھانے والوں کا راستہ ہے کیونکہ حقیقی زیاں کار وہی تو ہیں جو اپنی عمر اور وجود کا سرمایہ یہاں تک کہ اپنے وابستگان کو بھی قیامت کے دن ہاتھ سے گنوا بیٹھیں گے۔

نہ تو انہوں نے اپنے وجود سے ہی کچھ فائدہ اٹھایا ہے اور نہ ہی سرمایہ عمر سے کچھ حاصل کیا ہے' نہ ان کا خاندان اور اولاد ان

کی نجات کا ذریعہ بنتے ہیں اور نہ ہی بارگاہ حق میں ان کی آبرو اور شفاعت کا سبب ہوئے ہیں۔آگاہ رہو کہ واضح خسارہ یہی ہے.

(۱۶) آخری زیر بحث آیت میں ان کے ایک اور واضح خسارے اور نقصان کا ذکر اس انداز سے کیا گیا ہے: ان کے لئے ان کے سروں کے اوپر آگ کے سائبان ہے اوران کے پاؤں کے نیچے بھی آگ کے سائبان ہیں۔

اس طرح سے وہ ہر طرف سے آگ کے شعلوں میں گھرے ہوئے ہیں۔اس سے بالاتر اور کون سا خسارہ ہوگا اور اس سے بڑھ کر اور دردناک عذاب اور کیا ہوگا؟

یہ درحقیقت دنیا کے حالات کا مجسم ہے کہ جہالت وکفر وظلم میں ان کے تمام وجود کو گھیر رکھا تھا اور ہر طرف سے انہیں ڈھانپ لیا تھا۔اس کے بعد تاکید اور عبرت کے لئے مزید فرمایا گیا ہے: یہی تو وہ چیز ہے کہ جس سے خدا اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جب ایسا ہے تو اے میرے بندوں: میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔

اس آیت میں ''عباد'' (بندے) کی تعبیر اور اسکی خدا کی طرف اضافت اور وہ بھی تکرار کے ساتھ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر خدا عذاب کی کوئی تہدید کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لطف ورحمت کی بناء پر ہے تاکہ بندگان حق اس قسم کے برے انجام میں گرفتار نہ ہوں۔

(۱۷) وَ الَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَ اَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ	جن لوگوں نے طاغوت کی عبادت سے اجتناب کیا اور خدا کی طرف لوٹے بشارت اور خوشخبری انہی لوگوں کے لئے ہے اس بناء پر میرے ان بندوں کو بشارت دے دو۔
(۱۸) الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ	وہ لوگ جو باتوں کو (غور سے) سنتے ہیں اور ان میں سے بہترین کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن کی خدا نے ہدایت کی ہے اور یہی عقلمند ہیں۔
(۱۹) اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِى النَّارِ ۚ	کیا تو اس شخص کو جس کے لئے عذاب کا حکم قطعی ہو چکا ہے رہائی بخش سکتا ہے؟ کیا تو اس شخص کو جو آگ کے اندر ہے پکڑ کر باہر لے آسکے گا؟

(۲۰)لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَعْدَ اللّٰهِ ۭ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ	لیکن وہ لوگ جنہوں نے خدا کا تقویٰ اختیار کیا ہے ان کے لئے تو بہشت میں بالا خانے ہیں جن کے اوپر پھر بالا خانے بنے ہوئے ہیں اور ان کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ یہ خدا کا وعدہ ہے اور خدا اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

تفسیر

خدا کے حقیقی بندے

قرآن نے پھران آیات میں موازنے کی روش سے فائدہ اٹھایا ہے اوران متعصب اورہٹ دھرم مشرکین کے مقابلے میں جن کی سرنوشت جہنم کی آگ کے سوااور کچھ نہیں ہے۔ پروردگار کے خاص اورحقیقت کے متلاشی بندوں کے متعلق گفتگو شروع کی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ان لوگوں کے لئے جنہوں نے طاغوت“ کی عبادت سے اجتناب کیا ہے اور خدا کی طرف بازگشت کی بشارت اور خوشخبری ہے۔

طاغوت سے اجتناب یعنی ہرقسم کے شرک‘ بت پرستی‘ ہوس پرستی اورشیطان سے دوری نیز حکام جوروظلم کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کرنے والوں کے سامنے سرتسلیم خم نہ کرنے کواپنے اندرسموئے ہوئے ہیں اور”انا بوا الی اللّٰہ“ تقویٰ پرہیزگاری اورایمان کا جامع ہے۔یقیناًاس کے افراد ہی بشارت کے اہل ہیں۔

پھران خاص بندوں کے تعارف کے لئے قرآن کہتا ہے: میرے خاص بندوں کے بشارت دے دے۔

(۱۸)وہ لوگ جو بات (غور سے) سنتے ہیں اوراس میں سے جو بات زیادہ اچھی ہوتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں۔

وہ ایسے لوگ ہیں جن کی خدانے ہدایت کی ہے اوروہی عقل وخرد رکھنے والے ہیں۔

یہ دوآیات جواسلامی شعار کی صورت میں سامنے آئی ہیں مسلمانوں کی حریت فکر اور مختلف مسائل میں (اچھی سے اچھی بات کو)انتخاب کرنے کی خوب نشاندہی کرتی ہیں۔

(۱۹) چونکہ پیغمبر خدا ﷺ گمراہوں اورمشرکین کو ہدایت کرنے سے بہت لگاؤ رکھتے تھے اوران لوگوں کے انحراف سے انہیں بہت تکلیف ہوتی تھی جوحقیقت کو سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔لہٰذااس آیت میں اس حقیقت کو بیان کرکے ان کی دلجوئی کی گئی ہے کہ یہ عالم آزادی اورامتحان کا عالم ہے اورایک گروہ آخرکار جہنم کی آگ میں جلے گا۔ارشاد ہوتا ہے: کیا تو ایسے لوگوں کو جن کے لئے خدا کا فرمان عذاب قطعی اور حتمی ہو چکا ہے نجات دلاسکتا ہے؟ کیا تو ایسے شخص کو جوآگ کے اندر ہے پکڑکر باہر نکال سکتا ہے؟

یہ بات صاف طور پرظاہر ہے کہ اس گروہ کے بارے میں فرمان عذاب کا قطعی ہونا اجباری پہلو نہیں رکھتا بلکہ یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جن کے وہ مرتکب ہوئے ہیں۔

(۲۰) لیکن اپنے رسول کے دل کو خوش کرنے اور مومنین کو پرامید رکھنے کے لئے آخری آیت میں اللہ تعالی اس طرح فرماتا ہے: لیکن وہ لوگ جو خدا کا تقویٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لئے جنت میں بالا خانے ہیں جن کے اوپر پھر بالا خانے بنے ہوئے ہیں۔

اگر دوزخی آگ کے پردوں کے اندر ٹھہرے ہوئے ہیں اور گزشتہ آیات کی تعبیر کے مطابق ''**لھم من فوقھم ظلل من النار ومن تحتھم ظلل**'' تو بہشتیوں کے لئے ایسے بالا خانے ہیں جو دوسرے بالا خانوں کے اوپر ہیں اور ایسے قصر ومحلات ہیں جو دوسرے محلات کے اوپر بنے ہوئے ہیں کیونکہ پھولوں پانی اور نہروں اور باغوں کے منظر کو بالا خانہ کے اوپر سے دیکھنا زیادہ لذت بخش اور زیادہ دل پذیر ہوتا ہے بہشت کے لئے حسین اور خوبصورت بالا خانے ان نہروں کے ساتھ جو ان کے نیچے بہ رہی ہیں سجائے گئے ہیں اسی لئے آیت کے آخر میں ہے: ان کے نیچے دوامی نہریں جاری ہیں۔

ہاں! یہ خدائی وعدہ ہے اور خدا اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا''۔

(۲۱) اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۟	کیا تو نے نہیں دیکھا کے خدا نے آسمان سے پانی نازل کیا اور اسے چشموں کی صورت میں زمین میں داخل کیا پھر اس سے ذریعی پیداوار نکالتا ہے جو مختلف رنگ کی ہوتی ہے پھر یہ خشک ہو جاتی ہے اس طرح سے کہ تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد اور بے رو ہے وہ ایسے درہم و برہم کر دیتا ہے اور ریزہ ریزہ بنا دیتا ہے۔ اس ماجرے میں صاحبان عقل کے لئے ایک نصیحت ہے۔
(۲۲) اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ	کیا وہ شخص جس کا سینہ خدا نے اسلام کے لئے کشادہ کر دیا ہے اور وہ نور الٰہی کے مرکب پر سوار ہے (ان کی طرح ہے جن کے دل میں نور ہدایت داخل نہیں ہوا) وائے ہے ان کے لئے جو ذکر خدا کے مقابلے میں سخت دل رکھتے ہیں وہ واضح گمراہی میں ہیں۔

تفسیر

وہ لوگ جو نور کے مرکب پر سوار ہوں گے

قرآن ان آیات میں دوبارہ توحید و معاد کے دلائل پیش کرتا ہے اور ان مباحث کی تکمیل کرتا ہے جو گذشتہ آیات میں کفر و ایمان کے سلسلے میں بیان ہوئے۔ روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کرتے ہوئے تمام مومنین کے لئے ایک نمونے کے طور پر فرماتا

ہے: کیا تو نے دیکھا نہیں کہ خدا نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر اسے چشموں کی صورت میں زمین میں داخل کیا۔

بارش کے حیات بخش قطرے آسمان سے برستے ہیں۔ زمین کی نفوس پذیر تہ انہیں زمین کے اندر قبول کر لیتی ہے اور جب وہ نفوس ناپذیر تہہ تک پہنچ جاتے ہیں تو وہاں رک جاتے ہیں اور زمین انہیں ذخیرہ کر لیتی ہے اور اس کے بعد چشموں' نالوں اور کنوؤں کی صورت میں باہر بھیجتی ہے۔ اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: پھر خدا اس کے ذریعے نباتات کو نکالتا ہے جو مختلف رنگ کے ہوتے ہیں۔

ان کی انواع بھی مختلف ہیں۔ جیسے گندم' جو' چاول اور مکئی اور ان کی کیفیتیں بھی مختلف ہیں اور ان کا ظاہری رنگ بھی بعض گہرے سبز رنگ کے' بعض ہلکے سبز رنگ کے' بعض کے پتے چوڑے اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور بعض کے پتلے وغیرہ وغیرہ۔

اس کے بعد ان نباتات کی حیات کے کچھ اور مراحل پیش کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے:

اس کے بعد یہ زراعت خشک ہو جاتی ہے اس طرح سے کہ تو اسے زرد اور بے روح دیکھتا ہے۔

تیز ہوا ہر طرف سے چلتی ہے اور جو پودا کمزور ہو چکا ہوتا ہے اسے اس کی جگہ سے اکھاڑ دیتی ہے۔ پھر خدا اسے درہم برہم کر کے ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔

ہاں: اس واقعے میں صاحبان فکر ونظر کے لئے نصیحت و یاد آوری ہے۔

اس عظیم منظر میں پروردگار کی ربوبیت اور عالم ہستی کے باعظمت اور بچے تلے نظام کے سلسلے میں ایک امر توجہ طلب اور تذکر ہے اور زندگی کے ختم ہونے کے بارے میں بھی ایک تذکر ہے اور اس کے بعد قیامت اور مردوں کے نئے سرے سے زندہ ہونے کے سلسلہ میں بھی یاد آوری ہے۔

(۲۲) توحید و معاد کے اس درس کے بعد مومن و کاذب کے درمیان ایک موازنہ پیش کیا گیا ہے تاکہ اس حقیقت کو پیش کیا جائے کہ قرآن اور وحی آسمانی بھی بارش کے قطروں کی طرح ہے جو دلوں کی سرزمین پر نازل ہوتی ہے جس طرح صرف آمادہ اور اہل زمین ہی بارش کے حیات بخش قطرات سے فائدہ اٹھاتی ہے اسی طرح سے آیات الٰہی سے بھی صرف وہی دل بہرہ مند ہوتے ہیں جو اس کے سایہ لطف میں خودسازی کے لئے آمادہ اور تیار ہوتے ہیں فرمایا گیا ہے: کیا وہ شخص جس کے سینے کو خدا نے اسلام قبول کرنے کے لئے کشادہ کر دیا ہے اور وہ نور الٰہی کے مرکب پر سوار ہے ان بے نور سنگ دلوں کی طرح ہے جن کے دلوں میں خدا کی ہدایت نہیں پہنچی۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: وائے ہے ان پر جو سخت اور نفوس نہ پذیر دل رکھتے ہیں اور جن میں ذکر خدا کچھ بھی اثر نہیں کرتا۔

نہ سودمند نصیحتیں ان پر اثر کرتی ہیں' نہ انداز و بشارت' نہ قرآن کی ہلا دینے والی آیات انہیں حرکت میں لاتی ہیں۔

ہاں! یہ لوگ ضلال مبین اور واضح گمراہی میں ہیں۔

ان دلوں کو "قلوب قاسیہ" (سخت دل) کہا جاتا ہے کہ جو نور حق و ہدایت کے لئے کوئی رغبت اور جھکاؤ نہیں رکھتے۔ نرم اور رام نہیں ہوتے اور نور ہدایت ان میں نفوس نہیں کرتا' فارسی میں اسے سنگدل سے تعبیر کرتے ہیں۔

ایک روایت پیغمبر اسلام ﷺ سے منقول ہے کہ شرح صدر کی نشانی ہمیشہ کے گھر کی طرف توجہ، غرور کے گھر سے علیحدگی اور موت کے استقبال کے لئے اس کے نزول سے پہلے آمادہ ہونا ہے۔

(۲۳)اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَ قُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَ مَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ	خدا نے بہترین بات نازل کی ہے ایسی کتاب جس کی آیات (لطافت اور زیبائی اور مضمون کی گہرائی کے لحاظ سے) ایک دوسرے سے مشابہ ہیں بار بار (اشتیاق انگیز انداز سے) دہرائی جانے والی جس کی آیات سن کر وہ لوگ لرزہ براندام ہو جاتے ہیں جو اپنے پروردگار کے سامنے خشوع کرنے والے ہیں۔ پھر ان کا ظاہر و باطن نرم اور ذکر خدا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے ہدایت اس کے ساتھ کر دیتا ہے اور جسے خدا گمراہ کر دے اس کے لئے کوئی راہنما نہیں ہے۔
(۲۴)اَفَمَنۡ يَّتَّقِىۡ بِوَجۡهِهٖ سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ وَ قِيۡلَ لِلظّٰلِمِيۡنَ ذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ	کیا وہ شخص اپنے چہرے اور ذات سے (خدا کے) دردناک عذاب کو قیامت کے دن ٹال دے (اس شخص کے مانند ہو سکتا ہے جس تک ہرگز جہنم کی آگ پہنچ ہی نہ سکے) اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اب اس کا مزا چکھو۔
(۲۵)كَذَّبَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَاَتٰٮهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ	جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی ہماری آیات کو جھٹلایا تھا تو ان پر عذاب الٰہی ایسی جگہ سے آیا جہاں کا وہ کوئی خیال ہی نہ رکھتے تھے۔

(۲۶)فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ	خدا نے انہیں اس دنیا کی زندگی میں بھی ذلت وخواری کا مزہ چکھایا اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی بڑا ہے اگر وہ جانتے۔

شان نزول

بعض مفسرین نے عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا ہے کہ ایک دن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت نے جو ملالت قلبی پیدا کر چکی تھی۔عرض کیا: اے رسول خدا: کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ کوئی ایسی ہدایت کی بات ہمارے لئے بیان کرتے جس سے ہمارے دلوں سے ملالت اور رنجیدگی کا زنگ اتر جاتا؟ اس موقع پر ان آیات میں سے پہلی آیت نازل ہوئی اور اس میں قرآن کا احسن الحدیث'' کے عنوان سے تعرف کروایا گیا۔

تفسیر

گذشتہ آیات میں ان بندگان خدا کے بارے میں گفتگو تھی جو تمام باتیں سنتے ہیں اور ان میں سے بہترین کا انتخاب کرتے ہیں اور ایسے کشادہ سینوں اور شرح صدر کے بارے میں گفتگو ہوئی تھی جو کلام حق قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔

اب زیر بحث آیات میں اسی مناسبت سے قرآن کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے تا کہ گذشتہ مباحث کی تکمیل کرتے ہوئے توحید ومعاد کے حلقوں کے ساتھ نبوت کے دلائل کے حلقہ کا بھی اضافہ ہو جائے ارشاد ہوتا ہے: خدا نے بہترین حدیث اور بہت اچھی گفتگو بھیجی ہے۔

اس کے بعد قرآن کے تین امتیازات بیان کرتے ہوئے اس آسمانی کتاب کی یوں توصیف کی گئی ہیں: یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات ہم آہنگ اور ہم صدا ہیں اور لطافت اور زیبائی اور بیان کی گہرائی کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔

''متشابھاً'' سے یہاں ایسا کلام ہے جس سے مختلف حصے ایک دوسرے کے ساتھ ہم رنگ اور ہم آہنگ ہیں ان کے درمیان کسی قسم کا تضاد اور اختلاف نہیں ہے ایسا نہیں کہ اس کی آیتیں کچھ اچھی اور کچھ بری ہوں یہ انسانی باتوں کی طرح نہیں ہے کہ جن میں جس قدر بھی غور کیا جائے اور جوں جوں وہ وسیع ہوتی جاتی ہیں ان میں خواہ ناخواہ اختلافات تناقضات اور تضادات پیدا ہو جاتے ہیں۔بعض تو خوبصورتی' زیبائی اور عمدگی کی بلندیوں پر ہوتے ہیں اور بعض بالکل عام اور معمولی سی۔معروف بزرگ مصنفین ومعلفین کے آثار خواہ وہ نظم کی صورت میں ہوں یا نثر کی صورت میں ان کا مطالعہ اس امر پر گواہ ہے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے کہ اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ (اس کے بیانات) مکرر'' ہیں۔

ممکن ہے یہ تعبیر مختلف داستانوں' سرگزشتوں' پند ونصائح کو بار بار دہرانے کی طرف اشارہ ہو لیکن یہ ایسا تکرار ہے کہ جس سے ہرگز کوئی بدمزگی اور ملال پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے اور شوق پیدا ہوتا ہے اور خوشی محسوس ہوتی ہے اور یہ بات فصاحت کے اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔

اس توصیف کے بعد اس بحث میں قرآن کی ایک اور خصوصیت یعنی انتہائی گہرائی کا ذکر یوں کیا گیا ہے: اس قرآن کی آیات سن کر پروردگار کے آگے خشوع کرنے والوں کے جسم لرز اٹھتے ہیں (اوران کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں) اس کے بعد ان کا بدن اوران کا دل ان کا اندر اوران کا باہر خدا کا ذکر قبول کرنے کے لئے آمادہ ہوجاتا ہے اور سکون اور اطمینان پالیتا ہے۔

اہل دلوں پر آیات قرآنی کی عجیب وغریب تاثیر کی کتنی عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے۔ پہلے اس میں خوف وڈر پیدا کرتی ہیں ایسا خوف جو بیداری اور حرکت کے آغاز کا سبب بنے اور ایسا ڈر جو انسان کو اس کی مختلف ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرے۔

اس کے بعد کے مرحلے میں اسے نرمی کی حالت اور حق بات قبول کرنے کی استعداد عطا فرمادیتا ہے اور اس کے بعد اسے سکون وآرام حاصل ہوجاتا ہے۔

یہ اوصاف بیان کرنے کے بعد آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: اس کتاب میں خدا کی ہدایت ہے وہ جسے چاہتا ہے اس کے ساتھ ہدایت کرتا ہے۔

یہ درست ہے کہ قرآن سب کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے لیکن صرف حق طلب، حقیقت کے جویا اور پرہیزگار اس کے نور ہدایت سے فائدہ اٹھائیں گے اور جنہوں نے اپنے دل کے دریچے جان بوجھ کر اس کے سامنے بند کر لئے ہیں اور تعصب اور ہٹ دھرمی کی تاریکی ان کی روح پر چھائی ہوئی ہے وہ نا صرف یہ کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ عناد و دشمنی کی وجہ سے ان کی ذلات و گمراہی میں اور اضافہ ہوجاتا ہے۔ اس لئے اس گفتگو کے بعد فرمایا گیا ہے: اور جس شخص کو خدا گمراہ کردے اس کے لئے کوئی ہادی اور راہنما نہیں ہوگا۔

وہ گمراہی جس کی بنیادیں خود اس کے اپنے ہاتھ کے ساتھ رکھی ہوئی ہیں اور اس کی بنیادیں اس کے غلط اعمال کی وجہ سے مضبوط ہوئی ہیں اور اسی بناء پر یہ بات انسانوں کے اصول اختیار اور آزادی ارادہ کے ہرگز منافی نہیں ہے۔

(۲۴) اس آیت میں ظالموں اور مجرموں کا مومنین کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہے، جن کی کیفیت پہلے بیان ہوچکی ہے تاکہ اس سے حقائق بہتر طور سے واضح ہوجائیں۔ فرمایا گیا ہے: کیا وہ شخص جو اپنے چہرے سے خدا کے دردناک عذاب کو دور کر لیتا ہے، اس شخص کی طرح ہے جو اس دن انتہائی امن وامان کے ساتھ بسر کرے گا اور ہرگز جہنم کی آگ اس تک نہ پہنچے گی۔

دوزخی ظالموں کی حالت اس دن کچھ اس طرح کی ہوگی کہ انہیں اپنے چہرے کے ساتھ ہی اپنا دفاع کرنا پڑے گا کیونکہ ان کے ہاتھ پاؤں تو زنجیر میں جکڑے ہوئے ہوں گے۔

آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے: اس دن ظالموں سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم کیا کرتے تھے اب اس کا مزہ چکھو۔

ہاں: عذاب کے فرشتے ان سے یہ دردناک حقیقت بیان کریں گے کہ یہ تمہارے ہی اعمال ہیں جو تمہارے سامنے آئے ہیں اور تمہیں تکلیف دے رہے ہیں۔

(۲۵) اب تک جو کچھ بیان ہوا ہے وہ قیامت میں ان کے لئے دردناک عذاب کی طرف ایک اشارہ تھا۔ بعد والی آیت ان کے لئے دنیاوی عذاب کی بات کرتی ہے تا کہ کہیں وہ یہ تصور نہ کرنے لگیں کہ وہ اس دنیاوی زندگی میں تو امان ہی میں رہیں گے۔

ارشاد ہوتا ہے: وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی ہماری آیات کو جھٹلایا تھا تو عذاب الٰہی ایسی جگہ سے ان پر نازل ہوا جہاں کا انہیں گمان بھی نہیں تھا۔

(۲۶) اس آیت میں اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ ان کے لئے دنیاوی عذاب صرف جسمانی پہلو ہی نہیں رکھتا تھا بلکہ نفسانی وروحانی عذاب بھی تھا' فرمایا گیا ہے: خدا نے انہیں اس دنیاوی زندگی میں بھی ذلت وخواری کا مزا چکھایا۔

ہاں! اگر انسان کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے لیکن وہ آبرومندانہ اور سربلندی کے ساتھ جان دے دے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ ذلت وخواری کے ساتھ جان دے اور بے آبروئی اور رسوائی کے ساتھ عذاب کے چنگل میں گرفتار ہو جائے۔ لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود آخرت کا عذاب زیادہ سخت زیادہ شدید اور زیادہ دردناک ہے' اگر وہ جانتے۔

لفظ ''اکبر'' (زیادہ بڑا) عذاب کی شدت اور سختی کے لئے کنایہ ہے۔

(۲۷) وَ لَقَدۡ ضَرَبۡنَا لِلنَّاسِ فِیۡ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ کُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ	ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال پیش کی ہے' شاید وہ متوجہ ہوں۔
(۲۸) قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا غَیۡرَ ذِیۡ عِوَجٍ لَّعَلَّہُمۡ یَتَّقُوۡنَ	یہ قرآن فصیح (عربی) اور ہر قسم کی کجی اور نادرستی سے خالی ہے' شاید وہ پرہیزگاری اختیار کریں۔
(۲۹) ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیۡہِ شُرَکَآءُ مُتَشٰکِسُوۡنَ وَ رَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ ہَلۡ یَسۡتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ	خدا نے ایک مثال بیان کی ہے: ایک شخص جو کئی شرکاء کی ملکیت ہے جو ہمیشہ اس کے بارے میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں اور ایک شخص ایسا ہے جو صرف ایک ہی شخص کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے' کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ حمد خدا کے لئے مخصوص ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے
(۳۰) اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّہُمۡ مَّیِّتُوۡنَ	اے پیغمبر آپ بھی اس دنیا سے چلے جائیں گے اور وہ بھی ضرور مر جائیں گے۔

(۳۱)ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ	پھرتم قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس جھگڑو گے۔

تفسیر

قرآن میں کوئی کجی نہیں

ان آیات میں قرآن مجید اوراس کی خصوصیات کے بارے میں اسی طرح سے بحث جاری ہےاور یہ گذشتہ مباحث کا تسلسل ہیں۔پہلے قرآن کی جامعیت کے سلسلہ میں اس طرح گفتگو ہے: ہم نے لوگوں کے لئے اس قرآن میں ہرقسم کی مثال پیش کی ہے۔

گذشتہ ستم گروں اور سرکشوں کا دردناک انجام' گناہ کے ہولناک نتائج مختلف پند ونصائح' اسرار خلقت' نظام آفرینش اور محکم قوانین واحکام کے بارے میں۔خلاصہ یہ کہ انسانوں کی ہدایت کے لئے جو کچھ ضروری ہےہم نے مثالوں کے پیرائے میں بیان کر دیا ہے۔شاید وہ متوجہ ہوجائیں اورراہ خطا سے صراط مستقیم کی طرف لوٹ آئیں۔

(۲۸)اس کے بعد قرآن کی ایک دوسری توصیف ذکر کی گئی ہے: یہ قرآن فصیح ہےاور ہرقسم کی کجی وانحراف اور تناقض وتضاد سے خالی ہے۔

بہرحال ان تمام اوصاف کے ہوتے ہوئے قرآن کے نزول کا مقصد یہ تھا کہ شاید وہ پرہیزگاری اختیار کریں۔

(۲۹)اس کے بعد قرآن ایک مثال پیش کرتا ہےاور موحد ومشرک کے انجام کی ایک فصیح اور خوبصورت مثال کے ذریعے اس طرح تصویرکشی کرتا ہے: خدا نے ایک مثال بیان کی ہے کہ ایک تو ایسا آدمی ہے جو ایسے شرکاء کا غلام ہے جو ہمیشہ اس کے بارے میں جھگڑتے رہتے ہیں۔

ایک ایسا غلام ہے جس کے کئی مالک ہیں۔ان میں سے ہرایک اسے کوئی کام کرنے کا حکم دیتا ہے۔اس سے بھی بدتر بات یہ ہے کہ اس کی زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک اسے دوسرے کے حوالے کردیتا ہےاور دوسرا اسے پہلے کی طرف پلٹا دیتا ہے لہٰذا اس لحاظ سے بھی وہ محروم' بے چارہ' بےنوا اور سرگرداں ہے۔پھرایک اور شخص ہے جو ایک ہی شخص کے سامنے سرتسلیم خم کئے ہوئے ہے۔

اس کا راستہ اور پروگرام مشخص ہے۔اس کے اوپر جسے اختیار ہے وہ معلوم ہے۔نہ شب کو تردد میں گرفتار ہے' نہ کوئی تضاد ہے نہ تناقض' سکون قلب اور آرام روح کے ساتھ قدم اٹھاتا ہے کیا یہ دونوں یکساں ہیں۔

''مشرک'' اور ''موحد'' کا یہی حال ہے' مشرکین طرح طرح کے تضادات میں غوطہ زن ہیں ہرروز ایک معبود کے ساتھ دل باندھتے ہیں۔

لیکن موحدین کا دل خدا کے عشق کا گرویدہ ہے۔انہوں نے ساری کائنات میں سے اسی کو انتخاب کیا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے حمد و سپاس خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔

لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے اور ان واضح دلائل کے باوجود حب دنیا اور سرکش مادی خواہشات کی خاطر حقیقت کی راہ اختیار نہیں کرتے۔

(۳۰) گذشتہ آیات میں توحید و شرک کے بارے میں بحث تھی اس کے بعد اب قیامت کے میدان میں توحید و شرک کے نتائج کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

بات موت کے مسئلہ سے شروع کی گئی ہے جو قیامت کا دروازہ ہے اور سب انسانوں کے لئے موت کے قانون کی عمومیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: تو بھی مرجائے گا اور وہ بھی سب کے سب مرجائیں گے۔

ہاں! موت ایسے مسائل میں سے ہے جن میں سب لوگ یکساں ہیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موت کے منتظر رہتے تھے اور وہ اس بات پر خوش تھے کہ آخر کار وہ مرجائیں گے تو قرآن اس آیت میں انہیں جواب دیتا ہے کہ اگر پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مرجائے گا تو کیا تم زندہ رہو گے؟

(۳۱) اس کے بعد قرآن بحث کو قیامت کی عدالت میں لے گیا ہے اور میدان حشر میں، بندوں کے جھگڑوں کی تصویر کشی کرتا ہے اور فرماتا ہے: پھر تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کے پاس جھگڑنے کے لئے کھڑے ہوگے۔

بعد والی آیات بتاتی ہیں کہ یہ مخاصمت ایک طرف سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین اور دوسری طرف سے مشرکین اور مکذبین کے درمیان ہوگی۔

(۳۲) فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ	اس سے زیادہ ظالم اور کون ہوسکتا ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے اور جو سچی بات اس کے پاس آئے اس کی تکذیب کرے۔ کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں ہے؟
(۳۳) وَ الَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَ صَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ	لیکن وہ شخص جو سچی بات لے کر آئے اور وہ شخص جو اس کی تصدیق کرے، وہی تو پرہیز گار لوگ ہیں۔
(۳۴) لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۚۖ	وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے پروردگار کے پاس ان کے لئے موجود ہیں اور نیکوکاروں کی جگہ یہی ہے۔

(۳۵)لِیُکَفِّرَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ اَسۡوَاَ الَّذِیۡ عَمِلُوۡا وَ یَجۡزِیَہُمۡ اَجۡرَہُمۡ بِاَحۡسَنِ الَّذِیۡ کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ	تا کہ خداوہ بدترین اعمال جوانہوں نے انجام دیئے ہیں' بخش دے اور انہیں ان بہترین اعمال پر جو وہ انجام دیا کرتے تھے' اجروثواب عطا کرے۔

تفسیر

جو کلام خدا کی تصدیق کرتے ہیں

گزشتہ آیات میں میدان قیامت میں لوگوں کے حاضر ہونے اوراس عظیم عدالت میں ان کے جھگڑے کے بارے میں گفتگو تھی۔ان آیات میں بھی وہی بحث جاری ہے اورلوگوں کودوگروہوں مکذبین' اورمصدیقین میں تقسیم کررہی ہیں۔

پہلاگروہ دوصفات کا حامل ہے' جیسا کہ قرآن فرماتا ہے:

اس سے زیادہ ستمگراورکون ہوگا جوخدا پرجھوٹ باندھےاور سچی اورحق بات جواس کے پاس آئے اس کی تکذیب کرے۔

بے ایمان اورمشرک لوگ خدا پر بہت ہی زیادہ جھوٹ باندھا کرتے تھے۔کبھی فرشتوں کوخدا کی بیٹیاں کہتے تھے کبھی عیسیٰ کو اس کا بیٹا کہتے تھے۔کبھی بتوں کواس کی بارگاہ میں شفیع قرار دیتے تھے اورکبھی حلال وحرام کے سلسلے میں جھوٹے احکام گھڑ لیا کرتے تھے اوراس کی طرف منسوب کردیا کرتے تھے اوراسی قسم کی دوسری باتیں۔

باقی رہی وہ سچی بات جوان کے پاس آئی اورانہوں نے اس کی تکذیب کی وہ وہی آسمانی وحی قرآن مجید ہے۔

آیت کے آخر میں ایک مختصر سے جملہ میں اس قسم کے افراد کی سزااس طرح بیان کی گئی ہے: کیا جہنم کافروں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے؟

جب ''جہنم'' کا نام لیا جاتا ہے تو باقی دردناک عذاب کا بھی اس میں خلاصہ بیان ہوجاتا ہے۔

(۳۳) دوسرے گروہ کے بارے میں بھی دواوصاف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: اور جوشخص سچی اورحق بات لے کر آئے اوروہ شخص جواس کی تصدیق کرے' وہی تو واقعی پرہیزگار ہیں۔

گویا یہ گفتگوایسے لوگوں کے بارے میں ہے جوصدق اور سچائی کے لانے والے بھی ہیں اوراس پرعمل کرنے والے بھی۔یہ ان لوگوں کی بات ہے جنہوں نے مکتب وحی اور پروردگار کی حق بات کوسارے عالم میں نشر کیا ہے اورخوداس پرایمان رکھتے ہیں' چاہے وہ انبیاء ومرسلین ہوں یا آئمہ معصومین علیہم السلام یاان کے مکتب کوبیان کرنے والے۔

(۳۴) میں ایسے لوگوں کے لئے تین عظیم اجر بیان کئے گئے ہیں' پہلے ارشاد ہوتا ہے: وہ جو کچھ بھی چاہیں گے ان کے پروردگار کے پاس ان کے لئے موجود ہے اورنیکوکاروں کی یہی تو جزا ہے۔

اس آیت کے مفہوم کی وسعت اس قدر ہے کہ تمام روحانی اور مادی نعمتیں اس میں شامل ہیں وہ سب کچھ ہمارے تصوراور

وہم وگمان میں سما سکے یا نہ سما سکے۔

(۳۵) ان کی دوسری اور تیسری جزاء اس صورت میں بیان کی گئی ہے: وہ چاہتے ہیں کہ خدا ان کے ان بدترین اعمال کو جو انہوں نے انجام دئے ہیں بخش دے اور ان کی تلافی کر دے' انہیں ان کے ان بہترین اعمال کا جو انہوں نے انجام دئے ہیں اجر عطا کرے۔

کتنی عمدہ تعبیر ہے؟ ایک طرف تو وہ یہ تقاضہ رکھتے ہیں کہ ان کے بدترین اعمال لطف الٰہی کے سائے میں چھپا دیئے جائیں اور توبہ کے پانی سے یہ داغ ان کے دامن سے دھل جائیں اور دوسری طرف سے ان کا یہ تقاضہ ہے کہ خدا ان کے بہترین اعمال کو اجر و پاداش کا معیار قرار دے اور ان کے تمام اعمال کو اسی حساب سے قبول کر لے۔

خداوند تعالیٰ نے بھی ان کی درخواست کو اسی تعبیر کے ساتھ قبول کر لیا ہے جیسا کہ ان آیات میں بیان کیا گیا ہے یعنی وہ بدترین کو بخش دے گا اور بہترین کو اجر و پاداش کا معیار قرار دے گا۔

(۳۶) اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ ؕ وَ یُخَوِّفُوۡنَکَ بِالَّذِیۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖ ؕ وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ ہَادٍ ۚ	کیا خدا اپنے بندے (کی نجات اور حفاظت) کے لئے کافی نہیں ہے لیکن وہ تجھے اس کے غیر سے ڈراتے ہیں اور جس کو خدا گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔
(۳۷) وَ مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ مُّضِلٍّ ؕ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِعَزِیۡزٍ ذِی انۡتِقَامٍ	اور جس کو خدا ہدایت کرے اس کے لئے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں ہے۔ کیا خدا قادر اور صاحب انتقام نہیں ہے؟

شان نزول

بہت سے مفسرین نے نقل کیا ہے کہ مکہ کے بت پرست پیغمبر اکرم کو بتوں کے غیض وغضب سے ڈراتے تھے اور کہتے تھے کہ ان کی بدگوئی نہ کرو اور ان کے برخلاف اقدام نہ کرو کیونکہ وہ تمہیں دیوانہ کر دینگے اور تکلیف واذیت پہنچائیں گے (اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور انہیں جواب دیا گیا)

تفسیر

خدا کافی ہے

ان تہدیدوں کے بعد جو خدا نے گذشتہ آیات میں مشرکین کے لے بیان کی گئی ہیں اور ان وعدوں کے بعد جو اس نے رسول اکرمؐ سے کئے ہیں' پہلی زیر بحث آیت میں کفار کی دھمکیوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: کیا خدا اپنے بندے کی دشمنوں سے نجات اور حفاظت کے لئے کافی نہیں ہے لیکن وہ تجھے اس کے غیر سے ڈراتے ہیں۔

وہ خدا جس کی قدرت تمام قدرتوں سے برتر ہے اور جو اپنے بندوں کی حاجات اور مشکلات سے اچھی طرح واقف ہے اور ان کے لئے انتہائی لطف اور مہربانی رکھتا ہے' کیسے ممکن ہے کہ اپنے ایمان دار بندوں کو حوادث کے طوفان اور دشمنوں کی موج عداوت کے مقابلے میں اکیلا چھوڑ دے' جبکہ وہ اپنے بندے کا پشت بان ہے۔

اگر تیغ عالم بجنبد ز جای

نبرد رگی چوں نخواہد خدا ی

اگر زمانے کی تلوار اپنی جگہ سے حرکت کرے تو جب تک خدا نہ چاہے وہ رگ گردن نہیں کاٹ سکتی اور جس وقت وہ چاہے کہ کسی کی مدد کرے تو:

ہزار دشمنم ارمی کنند قصد ہلاك

گرم تو دوستی از دشمنان ندارم باك

اگر میرا دشمن ہزار مرتبہ میری ہلاکت کا ارادہ کرے' اگر تو میرا دوست ہے تو پھر مجھے دشمنوں کا کوئی خوف نہیں ہے۔

چہ جائیکہ یہ بت جو بے قدر و قیمت اور بے خاصیت چیزیں ہیں۔

یہ آیت راہ حق پر چلنے والے تمام سچے مومنین کے لئے ایک نوید ہے۔خصوصاً ایسے ماحول اور معاشرے میں جہاں وہ اقلیت میں ہیں اور انہیں ہر طرف سے دھمکیاں ملتی رہتی ہیں۔

اس آیت کے آخر میں اور بعد والی آیت میں ہدایت و گمراہی کے بارے میں گفتگو ہے اور لوگوں کو دو گروہوں گمراہ اور ہدایت یافتہ میں تقسیم کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہے تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ تمام بندے اس کی بارگاہ کے نیاز مند اور محتاج ہیں اور عالم ہستی میں کوئی چیز اس کے چاہے بغیر نہیں ہوتی' فرمایا گیا ہے: جسے خدا گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔

(۳۷) اور جسے خدا ہدایت کرے کوئی شخص اسے گمراہ نہیں کر سکتا۔

یہ بات ظاہر ہے کہ نہ وہ گمراہی بلا وجہ ہے اور نہ ہی یہ ہدایت بغیر کسی حساب کتاب کے ہے بلکہ ان میں سے ہر ایک خود انسان کی خواہش اور اس کی سعی اور کوشش کا ایک تسلسل ہے۔

کتنے بے خبر ہیں وہ لوگ جو اس قسم کی آیات کا قرآن کی دوسری آیات سے رابطہ منقطع کر کے انہیں مکتب جبر کا گواہ بناتے ہیں' گویا وہ یہ بات نہیں جانتے کہ آیات قرآنی ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔

بلکہ اسی زیر بحث آیت کے ذیل میں اس معنی پر ایک واضح شاہد موجود ہے' کیونکہ فرمایا گیا ہے: کیا خدا قادر اور صاحب انتقام نہیں ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ خدا کی طرف سے انتقام ان غلط اعمال کے مقابلے میں سزا وعذاب کے معنی میں ہے جوانجام دیئے گئے ہیں یہ امر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس کا گمراہ کرنا سزا کا پہلو رکھتا ہے اور وہ خود انسانوں کے اعمال کا ردعمل ہے نیز طبعی وفطری طور پر اس کی ہدایت بھی اجر و پاداش کا پہلو رکھتی ہے اور خالص و پاک اعمال اور اللہ کی راہ میں مجاہدین کا عکس العمل ہے۔

ہدایت اور ضلالت خدا کی طرف سے ہے

لغت میں ہدایت کے معنی دلالت و رہنمائی ہے جو دقیق طور پر اور لطف کے ساتھ ہو۔

اسے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ایک "ارأة الطریق" (راستہ دکھانا) اور "ایصال به مطلوب" دوسرے لفظوں ہدایت تشریعی اور ہدایت تکوینی۔

اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ بعض اوقات انسان ایسے شخص کو پوری دقت اور لطف وعنایت کے ساتھ راستہ دکھاتا ہے، جو اس کا طالب ہے، لیکن راستہ طے کرنا اور مقصود تک پہنچنا خود اس کے ذمہ ہوتا ہے۔

لیکن کبھی طالبان مقصد کا ہاتھ پکڑ کر راستہ دکھانے کے علاوہ اسے مقصد تک بھی پہنچا دیا جاتا ہے۔

البتہ اس کا متضاد "اضلال" ہے۔

آیات قرآنی پر ایک اجمالی نگاہ ہی اچھی طرح سے واضح کر دیتی ہے کہ قرآن ہدایت وضلالت کو خدا کا فعل شمار کرتا ہے اور دونوں کی اپنی طرف نسبت دیتا ہے۔

ان آیات کے سطحی مطالعہ اور ان کے عمیق اور گہرے معنی کا ادراک نہ کرنے کے باعث ایک گروہ ان کی تفسیر کرنے میں گمراہ ہو گیا اور راہ ہدایت سے انحراف کر بیٹھا۔

دقیق ترین تفسیر جو ہدایت وضلالت کی تمام آیات سے ہم آہنگ ہے اور ان سب کا مفہوم اچھی طرح سے واضح کرتی ہے بغیر اس کے کہ اس میں کوئی معمولی سا اختلاف بھی ظاہر پایا جائے یہ ہے کہ ہم کہیں کہ:

ہدایت تشریعی راستہ دکھانے کے معنی میں جنبۂ عمومی رکھتی ہے اور کسی قسم کی قید وشرط اس میں نہیں ہے۔ جیسا کہ سورہ دہر کی آیہ ۳ میں بیان ہوا ہے کہ:

"ہم نے انسان کو راستہ دکھا دیا ہے اب چاہے وہ شکر گزاری کرے یا کفران وناشکری کرے"۔

نیز سورہ الشوریٰ کی آیہ ۵۲ میں یہ بیان ہوا ہے کہ:

"تو تمام انسانوں کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے"۔

یہ بات واضح ہے کہ نبی کی دعوت خدا کی دعوت کی مظہر ہے کیونکہ اس کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ خدا کی طرف سے ہے۔ اور منحرفین اور مشرکین کی ایک جماعت کے بارے میں سورہ نجم کی آیہ ۲۳ میں ہے:

"خدائی ہدایت پروردگار کی طرف سے ان کے پاس آئی"۔

لیکن ہدایت تکوینی جس کا معنی ہے ایصال بہ مطلوب اور بندوں کا ہاتھ پکڑ کر راستے کے تمام پیچ وخم سے گزار کر لے جانا اور ان کی حفاظت کرنا' ساحل نجات تک پہنچانے تک ۔ یہ بہت سی دوسری آیات کا موضوع بحث ہے۔ یہ ہدایت ہرگز غیر مشروط نہیں ہے یہ ہدایت ایسے گروہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کے اوصاف قرآن میں بیان ہوئے ہیں اور گمراہ کرنا جو اس کا الٹ ہے وہ بھی ایک ایسے گروہ کے ساتھ مخصوص ہے کہ جن کے اوصاف بیان ہو چکے ہیں۔

قرآن مجید ایک جگہ ضلالت کا سرچشمہ فسق اور اطاعت وفرمان الٰہی سے خروج کو شمار کرتا ہے۔(بقرہ......۲۶)۔

ایک اور جگہ ظلم کا ذکر ہے اور اسے ضلالت کے لئے میدان ہموار کرنے والے کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔(بقرہ۔۲۵۸)۔

دوسری جگہ کفر کا گمراہی کے لئے زمین ہموار کرنے والے کے عنوان سے ذکر کیا گیا ہے۔(بقرہ......۲۶۴)۔

ایک دوسری جگہ آیا ہے: کہ اسراف اور دروغ گوئی گمراہی کے عامل ہیں۔(مومن......۲۸)۔

نتیجہ کلام یہ ہے کہ قرآن خدائی ضلالت کو ایسے افراد کے ساتھ مخصوص شمار کرتا ہے جو ان اوصاف کے حامل ہیں: کفر'ظلم' فسق' دروغ' اسراف اور کفران۔

کیا وہ لوگ جو ان اوصاف کے حامل ہیں وہ ضلالت وگمراہی کے لائق نہیں ہیں؟

یہ بات تو ہوئی مسئلہ ضلالت وگمراہی کے سلسلے میں' باقی رہا ہدایت کے سلسلے میں تو اس کے لئے بھی قرآن میں کئی شرائط و اوصاف بیان ہوئے ہیں' جو اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کے وہ بھی علت وسبب کے بغیر نہیں ہے اور حکمت الٰہی کے برخلاف نہیں ہے۔

ایک جگہ فرمان خدا کی پیروی اور اس کی خوشنودی کے حصول کو ہدایت الٰہی کے لئے راہ ہموار کرنے والا شمار کیا گیا ہے۔(مائدہ......۱۶)

دوسری جگہ توبہ وانابت کو استحقاق ہدایت کا عامل شمار کیا گیا ہے(رعد......۲۷)۔

ایک دوسری آیت میں جہاد وہ بھی مخلصانہ جہاد' جو خدا کی راہ میں ہو' ہدایت کے اصلی شرط کے طور پر ذکر ہوا ہے۔(عنکبوت......۶۹)۔

ایک دوسری آیت میں راہ ہدایت کی کچھ مقدار کو طے کر لینا' لطف خدا سے اس راستے کے جاری رہنے کی ایک شرط کے عنوان سے ذکر ہوا ہے۔(سورہ محمد......۱۷)۔

نتیجہ یہ ہے کہ جب تک بندوں کی طرف سے توبہ وانابت نہ ہو' جب تک وہ اس کے فرمان کے پیرو نہ بنیں' جب تک جہاد اور سعی وکوشش نہ کریں اور جب تک راہ حق میں پہلا قدم نہ اٹھائیں لطف الٰہی ان کے شامل حال نہیں ہوتا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں مطلوب تک نہیں پہنچاتا۔

جوان اوصاف کے حامل ہیں کیا ایسے افراد کے لئے ہدایت کا حصول بے سبب ہے یا کیا یہ ہدایت کے جبری ہونے کی دلیل شمار ہوگی؟

آپ دیکھ رہے ہیں کہ قرآن کی آیات اس سلسلے میں بہت واضح اور منہ بولتی ہیں۔ البتہ وہ لوگ جو آیات ہدایت وضلالت کی صحیح طور سے جمع بندی نہ کر سکے یا انہوں نے جمع کرنا نہ چاہا وہ اس قسم کی خطرناک غلطی میں گرفتار ہوگئے ہیں اور بقول شاعر:

چوں ندید ند حقیقت، رہ افسانہ زدند

(چونکہ حقیقت کو نہ دیکھ پائے لہٰذا افسانے کی راہ اختیار کرلی)

یہ کہنا چاہئے کہ اس ''ضلالت'' کے لئے زمین انہوں نے خود ہموار کی ہے۔

بہرحال مشیت الٰہی کہ ہدایت وضلالت کی مذکورہ آیات ہرگز بے دلیل اور حکمت ومصلحت سے خالی مشیت کے معنی میں نہیں ہیں، بلکہ ہر موقع ومحل پر اس کی خاص شرائط ہیں جو اسے خدا کے حکیم ہونے کے ساتھ ہم آہنگ کرتی ہیں۔

(۳۸)وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلۡ اَفَرَءَيۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ اَرَادَنِیَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلۡ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖۤ اَوۡ اَرَادَنِیۡ بِرَحۡمَةٍ هَلۡ هُنَّ مُمۡسِكٰتُ رَحۡمَتِهٖ ؕ قُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰهُ ؕ عَلَيۡهِ يَتَوَكَّلُ الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ	اور اگر تو ان سے پوچھے کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یقیناً وہ یہی کہیں گے کہ خدا نے۔ کہہ دو: کیا تم نے کبھی ان معبودوں کے بارے میں سوچا ہے جنہیں تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو۔ کہ اگر خدا کوئی ضرر میرے لئے چاہے تو کیا وہ اس کے ضرر کو برطرف کر سکتے ہیں یا وہ میرے لئے کسی رحمت کا ارادہ کرے تو کیا ان میں اس کی رحمت کو روک لینے کی طاقت ہے؟ کہہ دے خدا میرے لئے کافی ہے اور تمام توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا چاہئے۔
(۳۹)قُلۡ يٰقَوۡمِ اعۡمَلُوۡا عَلٰى مَكَانَتِكُمۡ اِنِّىۡ عَامِلٌ ۚ فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ	کہہ دے: اے میری قوم: جو کچھ تمہارے بس میں ہے اسے کر گزرو میں تو اپنی ذمہ داری پوری کروں گا لیکن بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائے گا...... کہ

(۴۰)مَنۡ یَّاۡتِیۡہِ عَذَابٌ یُّخۡزِیۡہِ وَ یَحِلُّ عَلَیۡہِ عَذَابٌ مُّقِیۡمٌ	دنیا کا ذلیل و خوار کرنے والا عذاب کس کے لئے آتا ہے‘اور اس کے بعد (آخرت کا) جاودانی عذاب اس پر وارد ہوتا ہے۔

تفسیر

تمہارے معبود کوئی مشکل حل کرسکتے ہیں؟

گزشتہ آیات میں مشرکین کے انحرافی عقائد اوران کے برے نتائج کے بارے میں گفتگو تھی۔اب زیر بحث آیات میں توحید کے دلائل سے متعلق گفتگو کی گئی ہے تاکہ گزشتہ بحث کودلیل سے مکمل کیا جائے۔

پہلے فرمایا گیا ہے:اگر توان سے سوال کرے کہ آسمانوں اورزمین کوکس نے پیدا کیا ہے تو یقیناً وہ یہی کہیں گے کہ خدا نے۔

کیونکہ کوئی وجدان اورعقل اس بات کوقبول نہیں کرتی کہ یہ وسیع وعریض جہان‘اتنی عظمت و بزرگی کے ساتھ کسی زمینی موجود کی مخلوق ہو‘چہ جائیکہ بے روح اور بے عقل وشعور بتوں کی مخلوق ہو۔اس طرح سے قرآن انہیں عقل کے فیصلے اوروجدان وفطرت کے حکم کی طرف لے جاتا ہے تاکہ توحید کی پہلی بنیاد کوکہ جوآسمان وزمین کی خالقیت ہے‘ان کے دلوں میں محکم کرے۔

بعدوالے مرحلے میں انسان کے سودوزیان اوراس کے نفع ونقصان میں تاثیر کوبیان کرتا ہے تاکہ یہ ثابت کرے کہ بت اس سلسلے میں کچھ اثرنہیں رکھتے‘مزید کہتا ہے:ان سے کہہ دے:خدا کے علاوہ جن معبودوں کوتم پکارتے ہوکیا تم نے کبھی ان کے متعلق سوچا ہے کہ اگر خدا میرے لئے کسی نقصان کا ارادہ کرے‘تو کیا وہ اسے برطرف کرسکتے ہیں یا اگر میرے لئے کسی رحمت کا ارادہ کرے تو کیا ان میں اس کی رحمت کوروک لینے کی طاقت ہے۔

اب جبکہ نہ ان کے لئے خالقیت ثابت ہے اور نہ ہی وہ سودوزیان کی کوئی قدرت رکھتے ہیں‘توان کی پرستش کیا معنی رکھتی ہے؟

یہ وہ منزل ہے جہاں ایک کلی اورآخری نتیجے کے طور پرقرآن کہتا ہے: کہہ دے خدا میرے لئے کافی ہے اورسب توکل کرنے والوں کواسی پرتوکل کرنا چاہیئے۔

یہ بات کہ مشرکین آسمان وزمین کی خالقیت کوخدا کے ساتھ مخصوص سمجھتے تھے بارہا قرآن کی آیات میں بیان ہوئی ہے۔

یہ چیز اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ یہ بات ان کے نزدیک بالکل مسلمہ تھی اور یہ بات خودشرک کے بطلان پرایک بہترین سند ہے کیونکہ عالم ہستی کی توحید خالقیت و مالکیت وربوبیت بذات خودتوحید عبودیت پر بہترین دلیل ہے اوراس کا نتیجہ خدا کی پاک ذات پرتوکل اوراس کے غیر سے آنکھیں پھیر لینا ہے۔

(۳۹)آیت میں ان لوگوں کوجوعقل ووجدان کی منطق کے سامنے سرتسلیم خم نہیں کرتے‘ایک موثر تہدید الٰہی کے ساتھ

مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ان سے کہہ دے: اے میری قوم: تم اپنی جگہ پر رہو اور تم میں جتنی طاقت' قوت اور توانائی ہے وہ انجام دے لو میں بھی اپنی ذمہ داری پوری کروں گا' لیکن تم بہت جلد حقیقت جان لوگے۔

(۴۰) تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں ذلیل و خوار کرنے والا عذاب کس شخص کے پاس آئے گا اور وہ اس سے رسوا ہو جائے گا اور اس کے بعد آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب اس پر وارد ہوگا۔

اس طرح سے ان کے ساتھ آخری بات کی گئی ہے کہ یا تو عقل و خرد کی منطق کے سامنے سر تسلیم خم کرلو اور وجدان کی آواز پر کان دھرو یا دردناک عذابوں کے انتظار میں رہو' ایک دنیا کا عذاب جو خواری و رسوائی کا باعث ہے اور دوسرا آخرت کا عذاب جو جاودانی اور دائمی ہے اور یہ وہی عذاب ہیں جنہیں تم نے خود اپنے ہاتھ سے فراہم کیا ہے اور یہ ایسی آگ ہے جس کا ایندھن تم نے خود جمع کیا ہے اور اسے خود تم نے بھڑکایا ہے۔

(۴۱) اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالۡحَقِّ‌ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰى فَلِنَفۡسِهٖ‌ۚ وَمَنۡ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيۡهَا‌ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِوَكِيۡلٍ‌ ۝	ہم نے اس آسمانی کتاب کو لوگوں کے لیۓ حق کے ساتھ تم پر نازل کیا ہے۔ جو شخص ہدایت قبول کرے تو یہ خود اسی کے فائدے میں ہے' اور جو شخص گمراہی اختیار کرے تو وہ صرف اسی کے لئے نقصان دہ ہوگی اور تو انہیں ہدایت پر مجبور کرنے کے لئے مامور نہیں ہے۔
(۴۲) اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الۡاَنۡفُسَ حِيۡنَ مَوۡتِهَا وَالَّتِىۡ لَمۡ تَمُتۡ فِىۡ مَنَامِهَا‌ۚ فَيُمۡسِكُ الَّتِىۡ قَضٰى عَلَيۡهَا الۡمَوۡتَ وَيُرۡسِلُ الۡاُخۡرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ	خدا ارواح کو موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور جن کی موت نہیں آتی انہیں نیند کے وقت پکڑ لیتا ہے۔ پھر ان لوگوں کی ارواح کو جن کی موت کا حکم صادر ہو چکا ہے' انہیں تو رہنے دیتا ہے اور دوسری ارواح کو (جنہیں ابھی زندہ رہنا ہوتا ہے) واپس لوٹا دیتا ہے جو ایک مدت معین تک رہیں گی' اس چیز میں جو غور و فکر کرنے والوں کے لئے واضح نشانیاں ہیں۔
(۴۳) اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ‌ؕ قُلۡ اَوَلَوۡ كَانُوۡا لَا يَمۡلِكُوۡنَ شَيۡـئًا وَّلَا يَعۡقِلُوۡنَ	کیا انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو شفیع بنا لیا ہے کہہ دے کہ چاہے وہ کسی چیز پر اختیار ہی نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی کوئی بات سمجھتے ہوں۔

کہہ دے کہ (کیا ان سے شفاعت طلب کرتے ہو) چاہے وہ کسی چیز پر اختیار ہی نہ رکھتے ہوں اور نہ ہی کوئی بات سمجھتے ہوں۔ تمام شفاعت اللہ ہی کے لئے ہے' کیونکہ آسمانوں اور زمین کی حاکمیت اسی کے لئے ہے اور پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔	(۴۴) قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ

تفسیر

موت اور نیند کے وقت ارواح قبض ہو جاتی ہیں

دلائل توحید کے ذکر اور مشرکین وموحدین کا انجام بیان کرنے کے بعد زیر بحث آیت میں اس حقیقت کی وضاحت کی گئی ہے کہ حق کو قبول کرنے اور نہ کرنے کا سود وزیان خود تمہارے ہی لئے ہے' اگر اللہ کا نبی اس سلسلے میں اصرار کرتا ہے تو یہ اس بناء پر نہیں ہے کہ اسے اس سے کوئی فائدہ ہوگا بلکہ یہ تو صرف فریضہ الٰہی کی انجام دہی ہے۔ فرمایا گیا ہے: ہم نے اس آسمانی کتاب کو حق کے ساتھ تم لوگوں کے لئے نازل کیا ہے۔

جو شخص ہدایت قبول کرے گا خود اسی کے فائدے میں ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرے گا تو اس کا نقصان بھی اسی کو ہوگا۔

تو حق کو ان کے دلوں میں جبراً داخل کرنے پر مامور نہیں ہے تیری ذمہ داری تو صرف ابلاغ وانذار ہے۔

(۴۲) اس کے بعد یہ واضح کرنے کے لئے کہ انسانوں کی ہر چیز' جن میں ان کی موت وحیات بھی ہے' خدا ہی کے ہاتھ میں ہے' فرمایا گیا ہے: خدا ارواح کو موت کے وقت قبض کر لیتا ہے۔

اور ان ارواح کو جن کی موت نہیں آئی ہوتی نیند میں پکڑ لیتا ہے۔

اس طرح سے ''نیند'' موت کی بہن ہے اور اس کی ایک کمزور شکل ہے' مزید فرمایا گیا ہے: کہ ان کی ارواح کو جن کی موت کا حکم صادر کر چکا ہے روک لیتا ہے (اس طرح سے کہ وہ ہرگز نیند سے بیدار نہیں ہوتے) اور جن کی حیات کے برقرار رہنے کا فرمان دے چکا ہے ان کی ارواح انہیں بدنوں کی طرف لوٹا دیتا ہے جو ایک معین مدت تک رہیں گی۔

ہاں اس مسئلے میں ان لوگوں کے لئے جو غور وفکر کرتے ہیں واضح آیات اور نشانیاں ہیں۔

(۴۳) گزشتہ آیت میں انسان کے وجود پر اللہ کی حاکمیت اور موت وحیات اور خواب وبیداری کے نظام کے ذریعے اس کی تدبیر مسلم ہو چکی ہے۔ لہٰذا اس آیت میں مسئلہ شفاعت میں مشرکین کے انحراف کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ ان پر ثابت کیا جائے کہ شفاعت کا مالک وہی ہے جو موت وحیات کا مالک ہے نہ کہ بے شعور بت۔ فرمایا گیا ہے: انہوں نے خدا کے علاوہ شفیع بنا لئے ہیں۔

ہم جانتے ہیں کہ بتوں کی عبادت کے بارے میں بت پرستوں کے مشہور بہانوں میں سے ایک یہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے:

ہم توان کی اس لئے پرستش کرتے ہیں تا کہ وہ اللہ کے ہاں ہمارے شفیع ہوں۔

بہرحال شفاعت اولاً فہم وشعور کے ادراک کی فرع ہے اور ثانیاً قدرت' مالکیت اور حاکمیت کی فرع ہے لہٰذا آیت کے آخر میں ان کے جواب میں فرمایا گیا ہے: ان سے کہہ دے کہ کیا ان سے شفاعت طلب کرتے ہو چاہے وہ کسی بھی چیز کے مالک نہ ہوں' یہاں تک کے کچھ ادراک وشعور بھی نہ رکھتے ہوں۔

اگر تم فرشتوں اور ارواح مقدسہ کو اپنے شفیع سمجھتے ہو تو وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں رکھتے' ان کے پاس جو کچھ ہے خدا کی طرف سے ہے اور اگر پتھر اور لکڑی کے بتوں سے شفاعت طلب کرتے ہو تو وہ عدم مالکیت کے علاوہ بے عقل و بے شعور بھی ہیں۔

(۴۴) اس لئے اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے: کہہ دے: کہ تمام شفاعت خدا ہی کے لئے ہے۔

کیونکہ آسمانوں اور زمین کی مالکیت وحاکمیت اسی کے لئے ہے اور پھر تم سب کے سب اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

اور اس طرح سے قرآن انہیں کلی طور پر غیر مسلح کر دیتا ہے' چونکہ وہ توحید جو سارے عالم پر حاکم ہے وہ کہتی ہے کہ شفاعت بھی پروردگار کے اذن وحکم کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(۴۵) وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ	جس وقت خدا کو وحدت سے ساتھ یاد کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے متنفر ہو جاتے ہیں لیکن جب دوسرے معبودوں کا ذکر ہوتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔
(۴۶) قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ	کہہ دے خداوندا تو ہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور پنہاں و آشکار بھیدوں کا جاننے والا ہے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کے لئے جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے' فیصلہ کرے گا۔
(۴۷) وَ لَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ	اگر ستمگران تمام چیزوں کے مالک ہو جائیں جو روئے زمین پر ہیں اور اتنا ہی ان کے پاس اور بھی ہو تو وہ روز قیامت کے عذاب سے رہائی حاصل کرنے کے لئے ان سب کو قربان کرنے پر تیار ہو جائیں گے اور خدا کی طرف سے ان کے لئے ایسے امور ظاہر ہوں گے جن کا وہ گمان بھی نہیں کرتے تھے۔

(۴۸)وَ بَدَا لَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوۡا وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡن	اس دن وہ برے اعمال جنہیں وہ انجام دیا کرتے تھےان کے لئے ظاہر ہو جائیں گےاور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی انہیں آ کر گھیر لے گی۔

تفسیر

وہ لوگ جو خدا کے نام سے گھبراتے ہیں

ان آیات میں پھر توحید اور شرک کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے پہلی زیر بحث آیت میں مشرکین اور معاد کے منکرین کا توحید کے مقابلے میں ایک انتہائی قبیح اور برا چہرہ دکھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے: جس وقت خدائے یگانہ و یکتا کا نام لیا جائے تو ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے متنفر ہو جاتے ہیں لیکن جب دوسرے معبودوں کے بارے میں کوئی گفتگو ہوتی ہے تو سرور میں ڈوب جاتے ہیں۔

کبھی انسان برائیوں کا اس طرح سے عادی ہو جاتا ہےاور پاکیزگیوں اور نیکیوں سے ایسا بیگانہ ہو جاتا ہے کہ حق کا نام سننے سے ناراحت اور متنفر ہوتا ہےاور باطل کے ذکر سے مسرور اور خوش ہوتا ہے۔

ان کے مدمقابل وہ مومن ہیں جو خداوند یگانہ کا نام سن کر اس کے مقدس نام کی طرف اس طرح کھنچتے اور جذب ہوتے ہیں کہ وہ اپنی ہر چیز اس کی راہ میں نثار کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

(۴۶) جب گفتگو یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ یہ ہٹ دھرم لوگ اور مغرور جاہل خداوند یگانہ کا نام تک بھی سننے سے متنفر و بیزار ہیں تو اللہ اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ ان سے منہ پھیر لے اور اپنی پروردگار کی بارگاہ کی طرف رخ کر لے اس سے ایسے لب ولہجہ کے ساتھ گفتگو کر جو اس کے عشق سے سرشار اور گہرے ایمان کا ترجمان ہے اور اس کی بارگاہ میں اس گروہ کی شکایت کرتا کہ اپنے دل کو بھی جو غم زدہ ہے آرام وسکون دے سکے اور اس طریقے سے سوئے ہوئے غافل انسانوں کی ارواح کو بھی ہلا سکے۔ فرمایا گیا ہے: کہہ دے خداوندا: اے وہ کہ جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور پنہاں اور آشکار بھیدوں سے آگاہ ہے تو ہی اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کے لئے جن میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے فیصلہ کرے گا۔

ہاں! قیامت کے دن یہ ہٹ دھرم گمراہ اپنی غلطی کو سمجھ لیں گے اور وہاں فکر ونظر کی تلافی ہو جائے گی لیکن انہیں کیا فائدہ؟

(۴۷) اس آیت میں فرمایا گیا ہے: اگر ظالم ان تمام چیزوں کے مالک ہو جائیں جو روئے زمین پر ہیں اور اتنا ہی ان کے پاس اور بھی ہو تو وہ یوم قیامت کے عذاب سے رہائی حاصل کرنے کے لئے ان سب کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے (لیکن ایسی بات ممکن نہیں ہے)۔

اس کے بعد مزید ارشاد ہوتا ہے: خدا کی طرف سے ان کے لئے ایسے امور ظاہر ہوں گے جن کا وہ کبھی گمان بھی نہیں کرتے تھے۔

اور وہ ایسے عذابوں کو اپنی آنکھ سے دیکھیں گے جو ہرگز ان کے وہم وگمان میں بھی نہ ہوں گے۔

(۴۸) یہ آیت اس مطلب کی توضیح یا تکمیل ہے جو پہلی آیت میں گزر چکا ہے۔ فرمایا گیا ہے: اس دن وہ برے اعمال جنہیں انہوں نے انجام دیا ہے ان کے لئے ظاہر ہو جائیں گے۔

اور جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے وہی انہیں آ کر گھیر لے گی۔

(۴۹) فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ	جب انسان کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو ہمیں (اپنی مشکل کے حل کے لئے) پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اسے کوئی نعمت دے دیتے ہیں تو کہتا ہے کہ: یہ نعمت تو مجھے میرے علم کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے بلکہ یہ تو ان کی آزمائش کا ذریعہ ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔
(۵۰) قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	یہی بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے تھے، لیکن جو کچھ انہوں نے کمایا تھا وہ ان کے کچھ کام نہ آیا۔
(۵۱) فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَ مَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ	بس ان کے برے اعمال ان کے آگے آئے اور (اہل مکہ) کہ ان ظالموں کا گروہ بھی اپنے کئے ہوئے برے اعمال میں بہت جلد گرفتار ہو جائے گا اور وہ ہرگز عذاب الٰہی کے چنگل سے نہیں نکل سکیں گے۔
(۵۲) اَوَ لَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ	کیا انہیں معلوم نہیں ہے کہ خدا جس شخص کے لئے چاہے روزی وسیع یا تنگ کر دیتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں آیات اور نشانیاں ہیں۔

تفسیر

سختیوں میں یاد خدا لیکن............

یہاں پھر موضوع سخن بے ایمان اور ظالم لوگ ہیں اور ان کے قبیح چہروں میں سے ایک اور چہرہ دکھایا جا رہا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے: جب انسان کو کوئی ضرر یا نقصان پہنچتا ہے (اور کوئی درد ورنج وفقر پہنچتا ہے) تو اپنی مشکل کے حل کے لئے

مجھے پکارتا ہے۔

لیکن وہ بھی وقتی طور پر۔ جس وقت ہم اسے اپنی طرف سے کوئی نعمت عطا کر دیتے ہیں اور اس کا درد و رنج دور کر دیتے ہیں تو وہ ہمارے لطف وعطاء کو بھلا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ نعمت تو میں نے خود حاصل کی ہے اور یہ میری لیاقت (اور کام جاننے) کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔

یہ بے خبر غافل کچھ بھی تو نہیں سوچتے کہ وہ علم و دانش بھی تو خدا ہی کی طرف سے ایک نعمت ہے۔

اس کے بعد قرآن ان خودغرض اور کم ظرف لوگوں کے جواب میں، جو نعمت حاصل ہوتے ہی بہت جلد خود کو بھول جاتے ہیں اس طرح کہتا ہے: بلکہ یہ نعمت تو ان کی آزمائش کا ایک ذریعہ ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ سب حوادث ظاہر ہونے اور اس کے بعد بڑی بڑی نعمتیں پالینے سے جو کچھ ان کے اندر ہے اسے ظاہر کر دیں۔

(۵۰) اس آیت میں مزید فرمایا گیا ہے: یہ بات ان لوگوں نے بھی کہی تھی جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں (وہ بھی یہی دعوی کیا کرتے تھے) کہ ہماری نعمتیں ہمارے علم ولیاقت کی پیداوار ہیں) لیکن جو کچھ انہوں نے حاصل کیا تھا وہ ان کے کچھ کام نہ آیا

ہاں! قارون جیسے مغرور افراد اپنے اموال کو اپنی لیاقت وقابلیت کی پیداوار سمجھتے تھے اور ان پر جو خدا کی نعمتیں تھیں وہ بھلا چکے تھے انہوں نے مبداءِ اصلی سے غافل ہو کر صرف ظاہری اسباب پر نظریں جمالی تھیں۔

(۵۱) ان کے برے اعمال انہیں دامن گیر ہو گئے۔

ان میں سے سب عذاب الٰہی کی کسی ایک قسم طوفان، سیلاب، زلزلہ یا صیحہ آسمانی میں گرفتار ہو گئے اور تباہ و برباد ہو گئے۔ مزید فرمایا گیا ہے: یہ انجام انہیں میں منحصر نہیں تھا بلکہ یہ ظالمین ومشرکین بھی بہت جلد اپنے برے اعمال میں گرفتار ہوں گے اور ہرگز عذاب الٰہی کے چنگل سے بھاگ کر نہیں نکل سکتے۔

بلکہ یہ بات تو ان سے بھی اوپر جاتی ہے اور ہر دور میں خدا سے بے خبر اور مغرور ستم گر اس میں شامل ہیں۔

(۵۲) جو کہتے تھے کہ ہماری نعمتیں خود ہماری آگاہی اور توانائی کی وجہ سے ہیں، قرآن ان سے کہتا ہے کہ گزرے ہوئے لوگوں کی تاریخ پڑھو اور دیکھو کہ یہی بات دوسرے لوگوں نے ہی کہی تھی اور وہ کیسے کیسے مصائب اور عذاب میں گرفتار ہوئے، یہ ایک تاریخی جواب ہے۔ اس کے بعد والی آیت میں ایک عقلی جواب دیتے ہوئے قرآن کہتا ہے: کیا وہ نہیں جانتے کہ خدا جس کے لئے چاہتا ہے روزی کشادہ یا تنگ کر دیتا ہے۔

کتنے بہت سے ایسے اہل اور لائق افراد ہیں جو زندگی میں محروم اور گوشہ نشین ہیں اور کتنے ایسے کمزور وناتواں افراد ہیں جو ہر لحاظ سے بہرہ مند ہیں، اگر ساری کی ساری مادی کامیابیاں خود افراد کی اپنی سعی وکوشش اور لیاقت وقابلیت کی بناء پر انہیں حاصل ہوتیں تو پھر ہمیں یہ منظر نظر نہ آتے۔

لہذا آیت کے آخر میں مزید فرمایا گیا ہے: اس میں ان لوگوں کے لئے' جو ایمان لائے ہیں آیات ونشانیاں ہیں۔

خدا کی پاک ذات کے لئے نشانیاں' جیسا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''میں نے خدا کو پختہ اور مسمّم ارادوں کے ٹوٹ جانے اور مشکلات کی گرہیں کھلنے اور ارادوں کے درہم برہم ہونے سے پہچانا ہے''۔

یہ انسان کے ضعف وناتوانی کی نشانیاں ہیں تاکہ وہ اپنے آپ کو گم نہ کر بیٹھے اور غرور وخود بینی میں گرفتار نہ ہو جائے۔

(۵۳) قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ	کہہ دے: اے میرے بندو: جنھوں نے اپنے اوپر ظلم و اسراف کیا ہے: خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوجانا' کیونکہ خدا سارے گناہوں کو بخش دے گا۔ بیشک وہ غفور ورحیم ہے۔
(۵۴) وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ	ااور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں رجوع کرو اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرلو اس سے پہلے کہ عذاب تمہاری طرف آئے اور پھر کسی کی طرف سے تمہاری مدد نہ ہو۔
(۵۵) وَ اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۙ	اور ان بہترین احکام کی جو تمہارے پروردگار سے تم پر نازل ہوئے ہیں پیروی کرو اس سے پہلے کہ (خدائی) عذاب اچانک تمہاری طرف آجائے جبکہ تمہیں اس کی کوئی خبر بھی نہ ہو۔

تفسیر

خدا تمام گناہوں کو بخش دے گا

گذشتہ آیات میں مشرکین اور ظالمین کے بارے میں بار بار تحریریں آئی ہیں' ان کے بعد اب ان آیات میں تمام گنہ گاروں کو امید دلائی جارہی ہے اور ان کے لئے بازگشت کا راستہ کھولا جارہا ہے' کیونکہ ان تمام امور کا حدف اصلی تربیت وہدایت ہے نہ کہ انتقام جوئی اور خشونت وسختی۔ انتہائی لطف اور محبت بھرے انداز میں' سب کے لئے اپنی آغوش رحمت کھولے ہوئے اور ان کے لئے عفوو مہربانی کا فرمان صادر کرتے ہوئے اللہ تعالی فرماتا ہے: ان سے کہہ دے: اے میرے وہ بندوں جنہوں نے اپنے اوپر اسراف اور ظلم کیا ہے خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہوجانا' کیونکہ خدا تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ بے شک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کے الفاظ میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت قرآن کی آیات میں گناہ گاروں کے لئے سب سے زیادہ

امید بخش ہے اور اس کی وسعت اس حد تک ہے کہ ایک روایت کے مطابق امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا کہ سارے قرآن میں کوئی آیت اس سے زیادہ وسیع نہیں ہے۔

غفران ورحمت اس بات کے ساتھ مشروط ہیں کہ وہ گناہ کے ارتکاب کے بعد ہوش میں آئیں' اپنا راستہ بدل لیں' درگاہ خداوندی کی طرف رجوع کریں' اس کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کرلیں اور عمل کے ساتھ اس توبہ وانابت میں اپنی صداقت کی نشاندہی کریں۔

(۵۴) آیت میں تمام مجرموں اور گناہ گاروں کو رحمت الٰہی کے اس بے کراں دریا میں ورود کی راہ دکھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے: اپنے پروردگار کی طرف لوٹ آؤ۔

اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرلو' اس کا فرمان دل وجان کے ساتھ سنو اور اسے قبول کرو اس سے پہلے کہ عذاب الٰہی تمہیں دامن گیر ہو جائے اور پھر کوئی تمہاری مدد نہ کرسکے۔

(۵۵) ان دو مراحل (مرحلہ انابت اور اسلام) کو طے کرلینے کے بعد تیسرے مرحلے کے بارے میں جو مرحلہء عمل ہے گفتگو کرتے ہوئے مزید فرمایا گیا ہے: ان بہترین احکام کی جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں پیروی کرو' اس سے پہلے یہ عذاب الٰہی اچانک تمہارے پاس آجائے اور تمہیں اس کی خبر بھی نہ ہو۔

اس طرح سے رحمت خدا تک پہنچنے کی راہ تین قدموں سے زیادہ نہیں ہے۔

پہلا قدم............توبہ اور گناہ پر پشیمانی اور خدا کی طرف رخ۔

دوسرا قدم............ایمان اور خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم۔

تیسرا قدم............عمل صالح۔

(۵۶) اَنۡ تَقُوۡلَ نَفۡسٌ یّٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُّ فِیۡ جَنۡۢبِ اللّٰہِ وَ اِنۡ کُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِیۡنَ ۙ	(یہ احکام اس بناء پر ہیں کہ) مبادہ کوئی شخص قیامت کے دن کہے: افسوس ہے مجھ پر ان کوتاہیوں کی بناء پر جو میں نے فرمان خدا کی اطاعت میں کی ہیں اور (اس کی آیات کا) میں نے مذاق اور تمسخر اڑایا ہے۔
(۵۷) اَوۡ تَقُوۡلَ لَوۡ اَنَّ اللّٰہَ ہَدٰىنِیۡ لَکُنۡتُ مِنَ الۡمُتَّقِیۡنَ ۙ	اور مبادہ وہ کہے کہ اگر خدا میری ہدایت کرتا تو میں پرہیز گاروں میں سے ہوتا۔

(۵۸)اَوۡ تَقُوۡلَ حِیۡنَ تَرَی الۡعَذَابَ لَوۡ اَنَّ لِیۡ کَرَّۃً فَاَکُوۡنَ مِنَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ	یا جس وقت وہ عذاب کو دیکھے تو کہے کہ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ میں دوبارہ (دنیا کی طرف) پلٹ جاؤں' تاکہ نیکوکاروں میں سے ہوجاؤں؟
(۵۹)بَلٰی قَدۡ جَآءَتۡکَ اٰیٰتِیۡ فَکَذَّبۡتَ بِهَا وَ اسۡتَکۡبَرۡتَ وَ کُنۡتَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ	ہاں: میری آیات تیرے پاس آئی تھیں' لیکن تو نے ان کی تکذیب کی اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے تھا۔

تفسیر

اس دن پشیمانی فضول ہے

گذشتہ آیات میں توبہ اور گذشتہ اعمال کی تلافی اور اصلاح کے لئے ایک تاکیدی حکم آیا تھا۔ زیر بحث آیات اس کے بعد آئی ہیں' پہلے فرمایا گیا ہے: یہ حکم اس لئے دیئے گئے تھے کہ مبادہ کوئی قیامت کے دن کہے کہ افسوس ہے میرے لئے ان کوتاہیوں کی وجہ سے جو میں نے فرمان خدا کی اطاعت میں کی ہیں اور اس کی آیات و رسولوں کا میں نے مزاق اڑایا تھا۔

ہاں! جس وقت انسان عرصہ محشر میں وارد ہوگا اور کوتاہیوں' چشم پوشیوں' غلط کاریوں اور اہم باتوں کو مذاق سمجھنے کے نتائج کو اپنی آنکھ کے سامنے دیکھے گا تو وہ ''واحسرتا'' کہہ کر فریاد بلند کرے گا ایک بھاری غم گہری ندامت کے ساتھ اس کے دل پر سایہ فگن ہوگا اور وہ اپنی اس اندرونی حالت کو زبان پر جاری کرتے ہوئے مذکورہ جملوں کی صورت میں بیان کرے گا۔

(۵۷) اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: اور مبادا وہ یہ کہے کہ اگر خدا مجھے ہدایت کرتا تو میں پرہیزگاروں میں سے ہوتا۔

یہ بات گویا وہ اس وقت کہے گا جب اسے میزان حساب کے پاس لائیں گے وہ ایک گروہ کو دیکھے گا جو نیکیوں سے بھرے دامن کے ساتھ جنت کی طرف جا رہے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی یہ آرزو کرے گا کہ ان کی صف میں ہو اور ان کے ساتھ خدائی نعمتوں کی طرف جائے۔

(۵۸) مزید ارشاد ہوتا ہے: اور مبادا جس وقت وہ عذاب الٰہی کو دیکھے تو کہے: کیا یہ ہوسکتا ہے کہ مجھے دوبارہ دنیا کی طرف پلٹا دیں تاکہ میں نیکوکاروں میں سے ہوجاؤں؟

یہ اس وقت کی بات ہے جب اسے جہنم کی طرف لے جائیں گے اور اس کی آنکھ جلا دینے والی آگ اور اس کے دردناک عذاب کے منظر پر پڑے گی' اس کے دل سے ایک آہ نکلے گی اور وہ آرزو کرے گا اے کاش: اسے اجازت دے دی جاتی کہ وہ دنیا کی طرف پلٹ جائے۔

(۵۹) قرآن اس تینوں طرح کی گفتگو کے مقابلے میں صرف دوسری گفتگو کا اس طرح جواب دیتا ہے: ہاں: میری آیات

تیرے پاس آئیں اور تو نے اس کی تکذیب کی اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے تھا۔

یعنی تو جو یہ کہتا ہے کہ اگر خدائی ہدایت اگر میرے پاس آئی ہوتی تو میں بھی پرہیزگاروں میں سے ہوتا تو وہ ہدایت الٰہی کیا ہے؟ وہ ان آسمانی کتابوں، خدا کے رسولوں اور آفاق و انفس میں حق کی نشانیوں کے سوا اور تو کچھ نہیں ہے۔

تو نے ان سب آیات کو دیکھا بھی ہے اور سنا بھی ہے، ان کے بارے میں تیرا ردعمل کیا تھا؟ تکذیب، تکبر اور کفر۔

ان تینوں اعمال میں سے تکبر تو اصلی جڑ ہے، اس کے بعد آیات الٰہی کی تکذیب ہے اور اس کا نتیجہ "کفر و بے ایمانی" ہے۔

(۶۰)وَ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ تَرَی الَّذِیۡنَ کَذَبُوۡا عَلَی اللّٰہِ وُجُوۡہُہُمۡ مُّسۡوَدَّۃٌ ؕ اَلَیۡسَ فِیۡ جَہَنَّمَ مَثۡوًی لِّلۡمُتَکَبِّرِیۡنَ	اور جنہوں نے خدا پر جھوٹ باندھا تھا قیامت کے دن تو دیکھے گا کہ ان کے منہ کالے ہیں، کیا جہنم میں متکبرین کے لئے کوئی جگہ نہیں؟
(۶۱)وَ یُنَجِّی اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا بِمَفَازَتِہِمۡ ۫ لَا یَمَسُّہُمُ السُّوۡٓءُ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ	اور خدا ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا تھا کامیابی کے ساتھ نجات دے گا۔ انہیں کوئی بھی برائی لاحق نہ ہوگی اور نہ وہ ہرگز غمگین ہوں گے۔
(۶۲)اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیۡءٍ ۫ وَّ ہُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ	خدا ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی ہر چیز کا محافظ و نگران ہے۔
(۶۳)لَہٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿	آسمان اور زمین کی چابیاں اسی کی ملکیت ہیں اور جن لوگوں نے خدا کی آیات کا انکار کیا وہی تو خسارے میں ہیں۔
(۶۴)قُلۡ اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ تَاۡمُرُوۡٓنِّیۡۤ اَعۡبُدُ اَیُّہَا الۡجٰہِلُوۡنَ	کہہ دے: اے جاہلو: کیا تم مجھے غیر اللہ کی عبادت کا حکم دیتے ہو؟

تفسیر

ہر چیز کا خالق و محافظ خدا ہے

گذشتہ آیات میں ان متکبر اور جھوٹے مشرکین کے بارے میں گفتگو تھی جو قیامت کے دن اپنے کئے پر پشیمان ہوں گے اور اس جہاں کی طرف واپسی کا تقاضہ کریں گے۔ ایسا تقاضہ جو لا حاصل اور ناقابل قبول ہے۔ اب زیر بحث آیات میں اسی گفتگو کو

جاری رکھتے ہوئے فرمایا گیا ہے: جنہوں نے خدا پر جھوٹ باندھا تھا قیامت کے دن تو دیکھے گا کہ ان کے منہ کالے ہیں۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے کیا جہنم میں مستکبرین کے لئے کوئی جگہ نہیں؟

(۶۱) اس گروہ کے مدمقابل یعنی پرہیزگاروں کے اور قیامت میں ان کی سعادت کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے' فرمایا گیا ہے: خدا ان لوگوں کو جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا نجات دے گا اور انہیں کامیاب کرے گا۔

اس کے بعد اس فلاح و کامیابی کی ان دو مختصر اور پرمعنی جملوں کے ساتھ وضاحت کی گئی ہے: کوئی برائی ان تک نہ پہنچے گی اور کوئی غم انہیں نہیں ہوگا۔

وہ ایسے عالم میں زندگی بسر کریں گے جہاں صرف سوائے نیکی اور پاکیزگی اور وجد و سرور کے کوئی چیز نہ ہوگی۔ حقیقت میں اس مختصر سی تعبیر نے خدا کی تمام نعمتوں کو اپنے اندر جمع کر لیا ہے۔

(۶۲) ایک بار پھر مسئلہ توحید کی جانب اور شرک کے خلاف مقابلے کی طرف لوٹتی ہے اور مشرکین کے ساتھ جو گفتگو ہو رہی تھی اسی کو جاری رکھے ہوئے ہے۔ فرمایا گیا ہے: خدا ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی تمام چیزوں کا محافظ اور ان پر ناظر و نگران ہے۔

پہلا جملہ ''توحید خالقیت'' کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا جملہ ''توحید ربوبیت'' کی طرف اشارہ ہے۔

توحید خالقیت کا مسئلہ تو ایسی چیز ہے کہ مشرکین تک بھی عام طور پر اس کے معترف تھے۔ جیسا کہ اسی سورہ کی آیہ ۳۸ میں بیان ہوا ہے۔

''اگر تو مشرکین سے پوچھے کہ آسمان و زمین کس نے پیدا کئے تو وہ کہیں گے: اللہ نے''۔

لیکن انہوں نے توحید ربوبیت میں انحراف کیا تھا' وہ اپنے کاموں کا محافظ' نگہبان اور مدبر بتوں کو ہی سمجھتے تھے اور مشکلات میں انہی سے پناہ لیتے تھے۔

(۶۳) خدا کی توحید مالکیت کے ذکر کے ساتھ گذشتہ آیت کی توحیدی بحث کی تکمیل کرتی ہے اور کہتی ہے: آسمانوں اور زمین کی چابیاں اسی کے لئے ہیں۔

''مقالید'' اکثر ارباب لغت کے قول کے مطابق ''مقلید'' کی جمع ہے (اگرچہ زمخشری نے یہ کہا ہے کہ ہر کلمہ اپنی جنس سے کوئی مفرد نہیں رکھتا) اور ''مقلید'' و ''اقلید'' دونوں چابی کے معانی میں ہیں اور لسان العرب اور بعض دوسروں کے مطابق اس کی اصل فارسی کے لفظ ''کلید'' سے لی گئی ہے اور عربی میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس بناء پر ''**مقالید السماوات والارض**'' کا معانی آسمانوں اور زمین کی چابیاں ہی ہے۔

یہ تعبیر عام طور پر کسی چیز کی مالکیت اور اس پر تسلط کے لئے کنایہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم کہتے ہیں اس کام کی چابی فلاں کے ہاتھ میں ہے۔ اسی بناء پر قرآن اس جملہ کے بعد بلا فاصلہ اس طرح نتیجہ نکالتا ہے' جنہوں نے آیات خدا سے کفر کیا ہے وہ زیاں کار ہیں۔

کیونکہ انہوں نے تمام خیرات و برکات کے منبع اصلی اور سرچشمہ حقیقی کو چھوڑ دیا ہے اور بے راہ رو ہو کر سرگرداں ہو گئے ہیں۔ جس ذات کے ہاتھ میں آسمان و زمین کی تمام چابیاں ہیں اس سے روگردانی کر کے ناتواں موجودات کے پیچھے لگ گئے ہیں، جن سے مطلق طور پر کوئی بھی کام نہیں ہو سکتا۔

(۶۴) توحید کی شاخوں کے بارے میں گذشتہ آیات میں جو کچھ بیان ہوا ہے، اس سے مجموعی طور پر بخوبی یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے، کہ توحید در عبادت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ یہاں تک کہ ایک فہمیدہ اور عقلمند انسان اپنے آپ کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ بتوں کے سامنے سجدہ کرے۔ اس لئے اس کے بعد ایک قاطع اور سخت لب و لہجہ میں فرمایا گیا ہے کہہ دے: اے جاہلو: کیا تم مجھے یہ حکم دیتے ہو کہ میں غیر خدا کی عبادت کروں۔

یہ گفتگو خاص طور پر اس بات کی طرف توجہ کرنے سے ایک بہت عمیق مفہوم پیدا کرتی ہے کہ کفار و مشرکین بعض اوقات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ کو یہ دعوت دیتے تھے کہ آپ ان کے خداؤں کا احترام اور پرستش کریں یا کم از کم بتوں کی عیب جوئی اور ان پر تنقید کرنے سے پرہیز کریں۔ گویا یہ آیت صراحت کے ساتھ اعلان کرتی ہے کہ مسئلہ شرک اور نفی شرک کوئی ایسی بات نہیں ہے، جس پر کوئی معاملہ سودے بازی یا سمجھوتہ کیا جا سکے۔ شرک تو چاہے جس صورت میں بھی ہو اسے نابود کر دینا چاہئے اور اسے صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہئے۔

(۶۵) وَ لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ	تمام گزشتہ انبیاء کی طرف بھی اور تیری طرف بھی یہی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے سارے اعمال نابود ہو جائیں گے اور تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا۔
(۶۶) بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ	بلکہ صرف خدا ہی کی عبادت کر اور شکر گزاروں میں سے ہو جا۔
(۶۷) وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ	انہوں نے خدا کو اس کے شایان شان طریقے سے نہیں پہچانا حالانکہ قیامت کے دن ساری زمین اسی کے قبضہ قدرت میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے، اس کی ذات ان کے شرک سے منزہ اور پاک اور بلند و بالا ہے۔

تفسیر

مشرک ہو جانے پر سب اعمال برباد

ان آیات میں اسی طرح شرک و توحید سے مربوط مسائل ہی بیان ہو رہے ہیں جن کے متعلق گزشتہ آیات میں بھی گفتگو تھی۔ پہلی آیت میں شرک کے نقصان کو دوٹوک انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: تجھ سے پہلے کے تمام انبیاء کی طرف بھی اور

تیری طرف بھی یہی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو یقیناً تیرے تمام اعمال حبط و نابود ہو جائیں گے اور تو زیان کاروں میں سے ہو جائے گا۔

اس طرح سے شرک کے دو خطرناک نتائج ہوتے ہیں۔ یہاں تک کے خدا کے پیغمبروں کے لئے بھی اگر بفرض محال وہ مشرک ہو جائیں تو یہی نتائج ہوں گے۔ پہلا مسئلہ تو "**حبط اعمال**" کا ہے اور دوسرا مسئلہ زندگی کے خسارہ و زیاں میں گرفتار ہونے کا۔

"**حبط اعمال**" کا معنی شرک کی وجہ سے عمل کے آثار اور اجر کا محو ہو جانا ہے کیونکہ اعمال قبول ہونے کی شرط، اصول توحید کا اعتقاد ہے اور اس کے بغیر کوئی عمل بھی قابل قبول نہیں ہوتا۔

باقی رہا ان کا زیان کار ہونا تو وہ اس بناء پر ہے کہ انہوں نے اپنا عظیم ترین سرمایا یعنی عقل و خرد اور قیمتی عمر، دنیا کی تجارت کی اس عظیم بازار میں گنوا دی ہے اور حسرت و اندوہ کے سوا انہوں نے کوئی چیز نہ خریدی۔

(٦٦) مزید تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے: بلکہ صرف خدا ہی کی عبادت کر اور شکر گزاروں میں سے ہو جا۔

یعنی صرف اللہ کی ذات پاک ہی کو منحصر طور پر تیرا معبود ہونا چاہئے۔

(٦٧) آیت میں نفی شرک کے لئے ایک اور بات کی گئی ہے اور ان کے انحراف کی اصلی جڑ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: انہوں نے خدا کو اس کے شایان شان طریقے سے نہیں پہچانا اور اسی بناء پر اس کے مقدس نام کو اتنا نیچے لے آئے ہیں کہ اسے بتوں کے ہم پلہ بنا دیا۔

ہاں! شرک کا سرچشمہ خدا کے بارے میں صحیح معرفت نہ ہونا ہے، جو شخص یہ جانتا ہو کہ:

اولاً............وہ ہر لحاظ سے بے پایاں اور غیر محدود وجود ہے۔

ثانیاً تمام موجودات کی خلقت و پیدائش اسی کی طرف سے ہے، یہاں تک کہ اپنی بقاء کے لئے بھی اسی کے فیض و جود کے محتاج ہیں۔

ثالثاً عالم ہستی کی تدبیر اور تمام مشکلات کا حل اور تمام تر رزق اسی کی دست قدرت میں ہے یہاں تک کہ اگر کسی کی شفاعت بھی ہوگی تو اسی کے اذن و فرمان سے ہوگی تو پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ انسان اس کے علاوہ کسی اور کی طرف رخ کرے۔

اصلاً ان صفات کے ساتھ کسی وجود کے لئے دوگانگی محال ہے، کیونکہ تمام جہات سے دو غیر محدود وجودوں کا ہونا محال ہے اور عقلاً ممکن نہیں ہے (غور کیجئے گا)

اس کے بعد اس کی عظمت و قدرت کے بیان کے لئے دو عمدہ کنایوں سے استفادہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: قیامت کے دن تمام زمین اسی کے قبضہ میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔

جو شخص طومار کو لپیٹ کر دائیں ہاتھ میں لئے ہوئے ہو وہ اس پر کامل ترین تسلط رکھتا ہے۔ خصوصاً "یمین" (دایاں ہاتھ)

اس بناء پر کہا گیا ہے کیونکہ اکثر لوگ اہم کام دائیں ہاتھ سے ہی انجام دیتے ہیں اور اس میں زیادہ قوت کا احساس کرتے ہیں۔

مختصر بات یہ ہے کہ یہ سب تشبیہات وتعبیرات دوسرے جہان میں عالم ہستی پر پروردگار کے متعلق تسلط کے لئے کنایہ ہیں' تا کہ سب لوگ یہ بات جان لیں کہ عالم قیامت میں کلید نجات اور حل مشکلات خدا کے دست قدرت میں ہیں تا کہ شفاعت وغیرہ کے بہانے سے بتوں اور دوسرے معبودوں کی طرف نہ جائیں۔

کیا اس دنیا میں زمین وآسمان اسی صورت میں اس کے قبضہ قدرت میں نہیں ہیں اگر ایسا ہے تو پھر قرآن آخرت کی بات کیوں کر رہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس دن خدا کی قدرت ہر زمانہ کی نسبت زیادہ آشکار ہوگی اور اصلی ظہور کے مرحلے میں پہنچی ہوئی ہوگی اور سب کے سب واضح وآشکار طور پر جان لیں گے کہ ہر چیز اسی کی ہے اور اسی کے اختیار اور قبضے میں ہے۔

بہرحال ان بیانات کے بعد آیت کے آخر میں ایک مختصر اور واضح نتیجہ اخذ کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے: اس کی ذات ان کے شرک سے منزہ اور پاک ہے اور بلند وبالا ہے۔

اگر انسان اپنے افکار کے چھوٹے سے پیمانوں کے ساتھ اس کی پاک ذات کے بارے میں فیصلہ کرتا تو ہرگز شرک وبت پرستی نہ کرتا۔

(٦٨)وَ نُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰہُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِیْهِ اُخْرٰی فَاِذَا هُمْ قِیَامٌ یَّنْظُرُوْنَ	اور صور پھونکا جائے گا تو وہ سب کے سب مرجائیں گے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان کے جنہیں خدا چاہے گا' پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو وہ سب کے سب اچانک (زندہ ہوکر) اٹھ کھڑے ہوں گے اور (حساب وجزاء کے) انتظار میں ہوں گے۔

تفسیر

صور پھونکا جانا اور سب کی موت وحیات

گذشتہ آیتوں میں قیامت کے بارے میں گفتگو تھی۔ زیر بحث آیت میں اسی مسئلہ کو بہت سی خصوصیات کے ساتھ بیان کیا جارہا ہے۔ پہلے دنیا کے اختتام کی بات کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: اور صور پھونکا جائے گا تو وہ سب کے سب مرجائیں گے۔ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے ان کے جنہیں خدا چاہے گا۔

پھر صور پھونکا جائے گا تو اچانک سب کے سب اٹھ کھڑے ہوں گے اور وہ اپنے حساب وجزاء اور انجام کے انتظار میں ہونگے۔

اس آیت سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی انتہا اور قیامت کے آغاز میں دو حادثہ ناگہانی اور اچانک رونما ہوں گے۔ پہلے حادثہ میں سب زندہ موجودات فوراً مر جائیں گے اور دوسرے حادثات میں جو کچھ وقفہ کے بعد صورت پذیر ہوگا' تمام انسان اچانک زندہ ہو کر کھڑے ہو جائیں گے اور حساب وکتاب کا انتظار کریں گے۔

(۶۹)وَ اَشۡرَقَتِ الۡاَرۡضُ بِنُوۡرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الۡكِتٰبُ وَجِایۡٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡحَقِّ وَ هُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ	اور (اس دن) زمین اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہو جائے گی اور اعمال نامہ سامنے رکھ دیئے جائیں گے اور پیغمبروں اور گواہوں کو حاضر کیا جائے گا اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ ہوگا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔
(۷۰)وَ وُفِّیَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ وَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَا یَفۡعَلُوۡنَ ؏	اور ہر شخص کو جو کچھ اس نے انجام دیا ہے' بے کم وکاست (پورا پورا ثواب وعتاب) دیا جائے گا اور جو عمل وہ انجام دیا کرتے تھے اس کے بارے میں وہ سب سے زیادہ آگاہ ہے۔

تفسیر

جب زمین پروردگار کے نور سے روشن ہو جائے گی

ان آیات میں قیامت سے مربوط وہ گفتگو جو گذشتہ آیات میں شروع ہوئی تھی اسی طرح جاری ہے۔

ان دونوں آیات میں سات جملے ہیں جن میں سے ہر ایک معاد کے سلسلے میں ایک مطلب کو بیان کرتا ہے اس طرح سے کہ ہر ایک دوسرے مطلب کی تکمیل کرتا ہے یا اس کی دلیل بیان کرتا ہے اور ان میں ایک خاص نظم پایا جاتا ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے اس دن زمین اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہو جائے گی۔

اس ''اشراق'' اور نور الٰہی کی روشنی سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں مختلف تفسیریں بیان کی گئی ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل تین تفسیریں زیادہ اہم ہیں۔

(1) ایک جماعت کہتی ہے کہ نور رب سے مراد حق وعدالت ہے کہ خدا اس دن صفحۂ زمین کو اس کے ساتھ منور کر دے گا۔

(2) مفسر علی قدر مولف المیز ان کہتے ہیں:

''زمین کے نور پروردگار سے روشن ہونے سے مراد جو روز قیامت کی خصوصیات میں سے ہے' وہی کشف غطاء' پردوں اور حجابوں کا ہٹ جانا' حقائق اشیاء' خیر وشر' اطاعت وعصیاں اور حق وباطل میں سے انسانوں کے اعمال کا ظاہر ہو جانا ہے''۔

اس کے بعد اس معنی پر سورہ ''ق'' کی آیہ ۲۲ سے استدلال کرتے ہیں۔

''تو اس بارے میں غفلت میں تھا۔ ہم نے تیری آنکھ کے سامنے سے پردہ ہٹا دیا اور آج تیری آنکھ اچھی طرح سے دیکھ لے گی''۔

یہ ٹھیک ہے کہ یہ اشراق اس دن ہر چیز کے بارے میں ہوگا لیکن ان سب میں سے خصوصیت کے ساتھ زمین ہی کا ذکر اس بناء پر ہے کہ اصلی حدف ومقصد اس دن روئے زمین کے لوگوں کی حالت بیان کرنا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ آیت قیامت کے دن کے ساتھ مربوط ہے اور اگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بعض روایات اہل بیت میں حضرت مہدی کے قیام سے اس کی تفسیر ہوئی ہے تو یہ حقیقت میں ایک قسم کی تطبیق وتشبیہ ہے اور اس معنی پر تاکید ہے کہ حضرت مہدی علیہ السلام کے وقت دنیا صحن قیامت کا ایک نمونہ ہو جائے گی اور اس امام برحق اور جانشین پیغمبر اور نمائندہ پروردگار کے ذریعے روئے زمین میں عدل وداد اس حد تک حکم فرما ہو جائے گا۔

اس آیت کے دوسرے جملے میں نامۂ اعمال کے بارے میں گفتگو ہے' قرآن کہتا ہے: اس دن اعمال نامے آگے رکھ دیئے جائیں گے اور وہ انہیں دیکھیں گے۔

اور بعد والے جملے میں گواہوں کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے اور قرآن مزید کہتا ہے: اس دن پیغمبروں اور گواہوں کو حاضر کریں گے۔

پیغمبروں کو اس لئے حاضر کیا جائے گا تا کہ وہ مجرمین کو اپنے فریضہ رسالت کی ادائیگی کے بارے میں بتائیں۔ جیسا کہ سورہ اعراف کی آیہ ۶ میں بیان ہوا ہے:

''ہم رسولوں سے قطعی طور پر سوال کریں گے''۔

اور ''گواہوں'' کو اس بناء پر حاضر کیا جائے گا تا کہ وہ عدالت میں گواہی دیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ خدا ہر چیز سے آگاہ ہے لیکن مراتب عدالت کی تاکید کے لئے گواہوں کی حاضری ضروری ہے

چوتھا جملہ کہتا ہے: ان کے درمیان حق کیساتھ فیصلہ ہوگا۔

پانچویں جملے میں مزید فرمایا گیا ہے: اور ان پر ظلم نہیں ہوگا۔

یہ بات ظاہر وواضح ہے کہ جس وقت حاکم خدا ہو اور زمین اسکی عدالت کے حکم سے روشن ہو جائے اور نامہ اعمال جو صحیح طور پر تفصیل کے ساتھ انسان کے اعمال بیان کر رہا ہو پیش کر دیا گیا ہو اور پیغمبر اور سارے گواہان عدالت حاضر ہوں تو حق کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں ہوگا۔ اور اس قسم کی عدالت میں ظلم وبیدادگری کا کوئی مفہوم ہی نہیں ہے۔

(۷۰) چھٹا جملہ اس بات کی تکمیل کرتا ہے اور کہتا ہے: ہر شخص کو جو عمل اس نے انجام دیا ہے' بے کم وکاست پورا پورا دیا جائے گا۔

ان کے اعمال کا بدلا، صلہ، جزاء و پاداش نہیں بلکہ خود ان کے اعمال ہی ان کے حوالے کر دیئے جائیں گے۔

کون ہے جو عدالت کے اس نظام کو دقیقاً اجرا کر سکتا ہو؟ وہی ذات کہ جس کا علم ہر چیز پر احاطہ رکھتا ہے لہٰذا ساتویں اور آخری جملہ میں فرمایا گیا ہے اور جو عمل وہ انجام دیا کرتے تھے وہ اس کے بارے میں سب سے زیادہ آگاہ ہے۔

یہاں تک کہ شہود و گواہوں کی بھی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ تمام شہود و گواہوں سے زیادہ علم رکھتا ہے لیکن اس کے لطف و عدالت کا تقاضہ یہی ہے کہ گواہوں کو حاضر کرے۔

(۷۱)وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَ يُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا بَلٰى وَ لٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ	اور وہ لوگ جو کافر ہو گئے گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے جس وقت وہ جہنم کی طرف آئیں گے تو اس کے دروازے کھل جائیں گے اور دوزخ کے نگہبان ان سے کہیں گے کیا تم ہی میں سے تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے کہ وہ تمہارے رب کی آیتیں تم پر پڑھتے اور اس دن کی ملاقات سے تمہیں ڈراتے۔ وہ کہیں گے: ہاں! لیکن عذاب الٰہی کا فرمان کافروں کے لئے مسلم ہو چکا ہے۔
(۷۲)قِيْلَ ادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ	ان سے کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ کے لئے اس میں رہو۔ متکبروں کا ٹھکانہ کتنی بری جگہ ہے؟

تفسیر

گروہ در گروہ جہنم میں داخل ہوں گے

ان آیات میں بھی اسی طرح سے معاد کی بحث جاری ہے، گذشتہ آیات میں مومنین اور کفار کی جزاء و سزا کے سلسلے میں جو کچھ اجمالی صورت میں بیان ہوا تھا وہ اب تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا رہا ہے۔ دوزخیوں کے بارے میں بات شروع کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: وہ لوگ جو کافر ہو گئے تھے، گروہ در گروہ جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔

اس کے بعد مزید فرمایا گیا ہے: یہ کام لگا تار جاری رہے گا یہاں تک کہ وہ دوزخ تک پہنچ جائیں گے۔اس موقع پر دوزخ کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور دوزخ کے نگہبان ملامت کے طور پر انہیں کہیں گے کہ کیا تمہیں میں سے تمہارے پاس پیغمبر نہیں آئے تھے جو تمہارے پروردگار کی آیات تمہارے لئے پڑھیں اور اس دن کی ملاقات سے تمہیں ڈرائیں

اس تعبیر سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کے دروازے ان کے ورود سے پہلے بند ہوں گے' بالکل زندانوں کے دروازوں کی طرح جب وہ ان کے قریب جائیں گے تو وہ اچانک ان کے سامنے کھل جائیں گے اور یہ ناگہانی مشاہدہ انہیں اور بھی زیادہ وحشت زدہ کردے گا لیکن سب سے پہلے انہیں جہنم کے خازنوں کی ملامت کا سامنا کرنا پڑے گا وہ ان سے کہیں گے کہ ہدایت کے تمام اسباب تمہارے لئے فراہم تھے۔

اس کے باوجود یہ بدبختی تمہیں کس طرح دامن گیر ہوگئی۔

بہرحال وہ انہیں ایک مختصر اور دردآمیز جملہ کے ساتھ جواب دیتے ہوئے کہیں گے: ہاں: خدا کے پیغمبر بھی آئے تھے اور آیات الٰہی بھی ہمارے سامنے پڑھی گئیں تھیں اور انہوں نے کافی انذار کیا لیکن کافروں کے لئے عذاب الٰہی کا فرمان مسلم ہوگیا اور اس کا عذاب ہمیں دامن گیر ہوگیا۔

اس طرح سے وہ اس بات کا اعتراف کرلیں گے کہ انہوں نے تکذیب انبیاء اور آیات الٰہی کے انکار کی راہ اختیار کرلی تھی اور طبعی طور پر ان کی اس سے بہتر سرنوشت نہیں ہوسکتی تھی۔

(۷۲) یہ مختصر سی گفتگو جہنم کے دروازے پر ختم ہوجائے گی اور ان سے کہا جائے گا کہ جہنم کے دروازوں میں سے داخل ہوجاؤ اور ہمیشہ کے لئے اس میں رہو' متکبروں کے رہنے کا ٹھکانا کتنی بری جگہ ہے۔

جیسا کہ ہم نے پہلے بھی اشارہ کیا ہے۔ممکن ہے جہنم کے دروازے ایسے دروازوں کے معنی میں ہوں جو انسانوں کے اعمال کے مطابق بنتے ہیں اور ہر گروہ کو اس کے عمل کی مناسبت سے جہنم میں لے جائیں گے۔جیسا کہ بہشت کے دروازے بھی اسی طرح کے ہیں۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ فرشتے انسان کے تمام اوصاف رذیلہ میں سے جو اسے دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں۔تکبر کا ذکر کریں گے' یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کفر وانحراف اور گناہ کا اصلی اور بڑا سرچشمہ زیادہ کبر وغرور اور حق کے سامنے عدم تسلیم ہی ہے۔

اسی بناء پر ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام اور امام باقر علیہ السلام سے منقول ہوا ہے۔

''جس شخص کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا''۔

(۷۳)وَ سِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَ فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ	اور وہ لوگ جنہوں نے تقوائے الٰہی اختیار کیا وہ گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے۔ جب وہ اس کے قریب پہنچیں گے تو جنت کے دروازے کھل جائیں گے اور اس کے نگہبان کہیں گے تم پر سلام ہو، یہ نعمتیں تمہیں بھلی ہوں، تم جنت میں داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو۔
(۷۴)وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَ اَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ	وہ کہیں گے: حمد وستائش اس خدا کے لئے مخصوص ہے جس نے ہمارے ساتھ اپنے وعدہ کی وفا کی اور بہشت کی زمین ہماری میراث قرار دے دی کہ ہم جس جگہ چاہیں اپنی منزل بنا لیں۔ عمل کرنے والوں کی جزاء کتنی اچھی ہے۔
(۷۵)وَ تَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۧ	(اس دن) فرشتوں کو دیکھے گا کہ وہ عرش خدا کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے ہیں (اور اس کی حمد وثناء کر رہے ہیں) اور بندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ ہوگا اور (آخرکار) کہا جائے گا: حمد عالمین کے پروردگار کے لئے مخصوص ہے۔

تفسیر

گروہ در گروہ جنت میں ورود

یہ آیات جو سورہ زمر کی آخری آیات ہیں، اسی طرح سے معاد سے مربوط مباحث کو جاری رکھے ہوئے ہیں اور چونکہ گزشتہ آیات میں تمام کافروں کے جہنم کے ورود کی کیفیت کے بارے میں گفتگو تھی، لہٰذا یہاں پرہیزگار مومنین کے جنت میں ورود کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے تاکہ تقابل سے مسائل زیادہ واضح اور آشکار ہو جائیں۔

پہلے فرمایا گیا ہے: جنہوں نے تقوائے الٰہی اختیار کیا، انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔

لفظ ''زمر'' جو چھوٹے سے گروہ کے معنی میں ہے' اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ بہشتی بھی مختلف گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف جائیں گے اور اس سے ان کے روحانی مقامات و مراتب کی نشاندہی ہوتی ہے۔

یہاں تک کہ وہ جنت میں پہنچ جائیں گے' اس حال میں کہ اس کے دروازے ان کے لئے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں گے اور اس وقت جنت کے خازن اور نگہبان' رحمت کے فرشتے ان سے کہیں گے: تم پر سلام ہو' یہ نعمتیں تمہیں بھلی ہوں' جنت میں داخل ہو جاؤ اور ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ دوزخیوں کے بارے میں تو قرآن یہ کہتا ہے کہ جس وقت وہ دوزخ کے قریب پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھل جائیں گے لیکن بہشتیوں کے بارے میں کہتا ہے کہ اس کے دروازے پہلے سے کھلے ہوئے ہوں گے اور یہ ایک خاص احترام و اکرام کی طرف اشارہ ہے۔

گزشتہ آیات میں دوزخیوں کے بارے میں تو یہ بیان ہوا تھا کہ عذاب کے فرشتوں کی ان سے پہلی گفتگو سخت ملامت و سرزنش ہوگی۔ کہ وہ اسباب ہدایت رکھنے کے باوجود انہیں یہ روز بد کیوں دیکھنا پڑا ہے؟

لیکن بہشتیوں کے لئے پہلی گفتگو سلام و درود اور احترام و اکرام ہے اور پھر بہشت جاوداں کی طرف ورود کی دعوت ہے۔

(۷۴) اس آیت میں چار مختصر اور معنی خیز جملے جو بہشتیوں کی انتہائی خوشنودی اور دلی مسرت کی ترجمانی کرتے ہیں۔ انہی کی زبانی نقل ہوئے ہیں: وہ کہیں گے: حمد و ستائش خدا ہی کے لئے مخصوص ہے جس نے ہمارے بارے میں اپنے وعدے کی وفا کی۔

بعد والے جملے میں مزید فرمایا گیا ہے: (کہ وہ کہیں گے اور جنت کی زمین کو ہماری میراث قرار دے دیا ہے اور اسے ہمیں بخش دیا۔

یہاں زمین سے مراد جنت کی زمین ہے اور وارث'' کی تعبیر اس بناء پر ہے کہ یہ ساری نعمتیں انہیں تھوڑی سی زحمت کی وجہ سے دے دی گئی ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ میراث ایک ایسی چیز ہے جس کے لئے انسان عام طور پر کوئی زحمت نہیں اٹھاتا اور یا یہ اس لحاظ سے ہے کہ ہر انسان کے لئے ایک مکان تو جنت میں ہے اور ایک جگہ جہنم میں ہے۔ جب وہ اپنے اعمال کی وجہ سے دوزخی ہو جاتا ہے تو اس کا جنت والا مکان دوسروں کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ بہشتی ہو جائے تو اس کا دوزخی مکان دوسروں کے لئے رہ جاتا ہے۔

تیسرے جملے میں پروردگار کی وسیع جنت سے استفادہ کرنے میں اپنی مکمل آزادی کو اس طرح سے بیان کرتے ہیں: ہم جنت میں جس جگہ چاہیں قیام کریں اور ٹھہریں۔

آخری جملے میں ہے: عمل کرنے والوں کے لئے پروردگار کے حکم سے کیسا اچھا اجر و ثواب ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ وسیع نعمتیں ''بہا'' (قیمت) کے ساتھ دی جاتی ہیں ''بہانہ'' کے ساتھ نہیں دی جاتیں۔

ایمان اور عمل صالح لازمی اور ضروری ہے تاکہ اس کی وجہ سے اس قسم کا حق اور لیاقت واہلیت پیدا ہوجائے۔

(۷۵) آخر کار آخری زیر بحث آیت ہے جو سورہ زمر کی آیت ہے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: تو اس دن فرشتوں کو دیکھے گا کہ وہ عرش خدا کے گرد حلقہ کئے ہوئے طواف کر رہے ہیں۔ اور اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بجالا رہے ہیں۔

عرش خدا کے گرد فرشتوں کی وضع وکیفیت کے طرف اشارہ یا تو اس بناء پر ہے کہ اوامر الٰہی کے اجراء کے لئے ان کی آمادگی کو بیان کیا جائے۔

لہٰذا اس کے بعد فرمایا گیا ہے اس دن بندوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ ہوگا۔

اور چونکہ یہ امور' پروردگار کی ربوبیت کی نشانیاں اور ہر قسم کی حمد وستائش کے لئے اس کی ذات پاک کی لیاقت کے دلائل ہیں لہٰذا آخری جملے میں فرمایا گیا ہے: اس دن کہا جائے گا' حمد وسپاس عالمین کے پروردگار کے لئے مخصوص ہیں۔

کیا اس بات کے کہنے والے فرشتے ہیں؟ یا بہشتی اور پرہیزگار؟ یا وہ سب کے سب؟ آخری معنی زیادہ مناسب نظر آتا ہے کیونکہ خدا کی حمد وسپاس تمام صاحبان عقل وفکر اور تمام خاصان خدا اور مقربان بارگاہ الٰہی کا طرز عمل ہے۔

سورۂ مومن

(غافر)

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی کل ۸۵ آیات ہیں

سورہ مومن کے مندرجات

سورہ مومن ''حوامیم'' (یعنی حٰم سے شروع ہونے والی سورتوں) میں سے سب سے پہلی سورت ہے۔

اس سورت کے مندرجات کو چھ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلے حصے میں سورت کے آغاز کے ساتھ ہی خدا کی ذات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور کچھ اسماء حسنٰی کا ذکر ہے خاص کر ان اسماء کا جو دلوں میں امید اور خوف کو وجود میں لاتے ہیں۔

دوسرے حصے میں ظالم و جابر کافروں کو اسی دنیا میں عذاب کی دھمکی دی گئی ہے کہ وہ ایسے ہی عذاب میں گرفتار ہوں گے جیسے ان سے پہلی سرکش قومیں گرفتار ہوئی تھیں۔ اسی طرح قیامت کے عذاب اور اس کی خصوصیات اور تفصیلات کا بیان ہے۔

تیسرے حصے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ بیان کرتے ہوئے بات مومن آل فرعون کی داستان تک جا پہنچتی ہے اور اس سورت کا ایک اچھا خاصا حصہ اس باہوش زیرک اور شجاع انسان کی اہل فرعون کے ساتھ مفصل گفتگو پر مشتمل ہے۔

چوتھے حصے میں ایک بار پھر قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے تاکہ سوئے ہوئے دل بیدار ہو جائیں۔

پانچویں حصے میں انسانی زندگی کے حوالے سے توحید اور شرک جیسے اہم مسئلے کو بیان کیا گیا ہے اور توحید کی علامات و اثبات اور شرک کے بطلان پر کچھ دلائل قائم کئے گئے ہیں۔

چھٹے حصے میں جو کہ اس سورت کا آخری حصہ ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر و شکیبائی پر کار بند رہنے کی دعوت کے ساتھ ساتھ اس سورت کے دوسرے حصوں کا ایک خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

سورہ مومن کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''(ساتوں) حٰم سورتیں قرآن کا تاج ہیں''۔

ایک اور حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

''حٰم سورتیں قرآن مجید کے خوشبودار پھول ہیں۔ پس حمد خدا بجالاؤ اور انہیں حفظ کر کے اور ان کی تلاوت کر کے خدا کا شکر بجالاؤ اور جو شخص نیند سے بیدار ہونے کے بعد حٰم سورتوں کی تلاوت کرے تو (قیامت کے دن) اس کے منہ سے نہایت ہی دل انگیز خوشبو نکلے گی جو مشک و عنبر سے کئی گنا بہتر ہوگی۔ اور خداوند عالم ان سورتوں کی تلاوت کرنے والوں پر بھی رحمت کرتا ہے اور ان کے ہمسایوں، دوستوں، واقف کاروں اور ان کے نزدیک و دور کے دوستوں کو بھی اپنی رحمت میں شامل کر دیتا ہے۔ قیامت کے دن عرش و کرسی اور خدا کے مقرب فرشتے بھی ان کے لئے استغفار کریں گے''۔

واضح سی بات ہے کہ اس قدر عظیم فضائل کا تعلق اس کے اہم مضامین اور مندرجات سے ہے کہ جو جب بھی انسان کی

اعتقادی اور عملی زندگی میں نظر آنے لگ جائیں تو وہ کسی شک وشبہ کے بغیر ان عظیم فضائل کا مستحق ہوگا اور اگر ان روایات میں تلاوت کی بات ہوئی ہے تو اس سے ایسی تلاوت مراد ہے جو ایمان اور عمل کا مقدمہ ثابت ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) حٰمٓ	حٰم۔
(۲) تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ	یہ ایسی کتاب ہے جو قادر اور دانا خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔
(۳) غَافِرِ الذَّنۡۢبِ وَ قَابِلِ التَّوۡبِ شَدِیۡدِ الۡعِقَابِ ذِی الطَّوۡلِ ؕ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ	جو گناہوں کو بخشنے والا' توبہ قبول کرنے والا' سخت عذاب دینے والا اور بہت زیادہ نعمتوں کا مالک ہے۔ اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے' (تم سب کی) بازگشت اسی کی طرف ہے۔

تفسیر

اس سورت کا آغاز بھی حروف مقطعات سے ہوتا ہے اور یہاں پر کچھ نئے حروف دکھائی دیتے ہیں اور وہ ہیں ''حاء'' اور ''میم''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث میں ان حروف کی ''حمید'' اور ''مجید'' سے تفسیر کی گئی ہے۔

بعض مفسرین نے ''ح'' سے خدا کے یہ نام مراد لئے ہیں۔ ''حمید'' ''حلیم'' اور ''حنان'' وغیرہ اور ''م'' سے ''ملک'' ''مالک'' اور ''مجید'' وغیرہ جیسے نام مراد لئے ہیں۔

یہ احتمال بھی ہے کہ ''ح'' خدا کی حاکمیت اور ''م'' خدا کی مالکیت کی طرف اشارہ ہو۔

(۲) امید افزا صفات خدا

جس طرح کے قرآن مجید کا طریقہ کار رہے کہ حروف مقطعہ کے بعد قرآن کی عظمت بیان کرتا ہے اسی طرح بعد والی آیت میں بھی عظمت قرآن کا تذکرہ ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ کتاب اپنی اس قدر عظمت ورفعت کے باوجود انہی عام حروف الف باء سے مرکب ہے۔ اس قدر عظیم عمارت اس قدر معمولی سے مصالح سے معرض وجود میں لائی گئی ہے' جو بذات خود اس کے معجزہ ہونے کی دلیل ہے۔

چنانچہ فرمایا گیا ہے: یہ ایسی کتاب ہے جو قادر اور دانا خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

اس کی عزت اور قدرت اس بات کا موجب ہے کہ کوئی ایک بھی اس کی برابری نہیں کرسکتا اور اس کا علم اس بات کا باعث

ہے کہ اس کے تمام مضامین ومندرجات کمال کے اعلیٰ درجہ پر فائز ہیں اور وہ ارتقاء وتکامل کی راہ میں تمام انسانی ضروریات کو اچھی طرح جانتا ہے۔

(۳) اس آیت میں خداوند عالم کی پانچ ایسی عظیم صفات کا تذکرہ ہے جن میں سے کچھ تو امید افزاء اور کچھ خوف آفرین ہیں۔فرمایا گیا ہے:

وہ ایسا خدا ہے جو گناہوں کو معاف کرتا ہے، توبہ قبول کرتا ہے، اس کی سزا سخت ہے، اس کی نعمتیں فراواں ہیں۔ایسا خدا ہے جس کے علاوہ کوئی اور معبود نہیں۔

تم سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔

جی ہاں! جو ذات بھی ان اوصاف کی مالک ہے وہی عبادت کے لائق اور سزا اور جزاء دینے کی حقدار ہے۔

(۴) مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ	صرف وہی لوگ ہماری آیات کے بارے میں مجادلہ کرتے ہیں جو (عناد اور دشمنی کی وجہ سے) کافر ہو چکے ہیں۔تمہیں ان کی شہروں میں آمدورفت اور ظاہری شان وشوکت دھوکے میں نہ ڈال دے۔
(۵) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۠ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَ جٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ	ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور ان کے بعد میں آنے والی اقوام نے (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلایا اور ہر امت نے سازش کی کہ اپنے پیغمبر کو پکڑے (اور اسے تکلیف دے) اور انہوں نے حق کو مٹانے کے لئے مجادلۂ باطل کیا' لیکن میں نے انہیں پکڑ لیا (اور سخت سزا دی پس دیکھئے کہ خدا کا عذاب کیسا تھا؟)
(۶) وَ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ	اسی طرح تمہارے پروردگار کا فرمان ان لوگوں کے لئے کہ جو کافر ہو چکے ہیں یقینی ہو چکا ہے کہ وہ سب کے سب جہنمی ہیں۔

تفسیر

خدا کا اٹل قانون

خداوند عالم کی طرف سے نزول قرآن کے ذکر اور خدا کی ان صفات کے بیان کے بعد جو خوف اور امید کا سبب بنتی ہیں' ایسے لوگوں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے جنہوں نے ان آیات الٰہی کے مقابلے کی ٹھان لی تھی اور مختصر سے جملوں میں ان کا انجام بھی واضح کر دیا

گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے: خدا کی آیات کے بارے میں صرف وہی لوگ مجادلہ کرتے ہیں جو عناد اور دشمنی کی وجہ سے کافر ہو چکے ہیں۔

یہ ٹھیک ہے کہ ان لوگوں کے پاس بسا اوقات طاقت، اقتدار اور افرادی قوت بھی ہوتی ہے لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی شہروں میں آمد ورفت اور قدرت نمائی تمہیں دھوکے میں ڈال دے۔

مذکورہ بالا آیت کا اصل مقصد پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابتدائے اسلام کے غریب مسلمانوں کو یہ بتانا ہے کہ کہیں وہ کافروں کے مادی و مالی وسائل اور سیاسی اور اجتماعی طاقت کو ان کی حقانیت اور حقیقی قوت کی دلیل نہ سمجھ لیں ان جیسے بہت سے افراد دنیا میں گزرے ہیں اور تاریخ بتاتی ہے کہ جب ان پر عذاب الٰہی نازل ہوا تو وہ کس قدر عاجز اور بے بس نظر آئے اور موسم خزاں کے پژمردہ پتوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گر پڑے۔

(۵) لہٰذا اس آیت میں بعض سابق سرکش اور گمراہ قوموں کے انجام کو مختصر لیکن جامع انداز میں بیان فرمایا گیا ہے: ان سے پہلے نوح کی قوم نے اور ان کے بعد آنے والی قوموں نے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا۔

جی ہاں! یہ وہ ''احزاب'' تھے جنہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنے اپنے دور کے انبیاء کو جھٹلایا کیونکہ ان انبیاء کی دعوت ان لوگوں کے ناجائز مفادات اور خواہشات نفسانی کے خلاف تھی۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے صرف جھٹلانے پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ ان میں سے ہر امت نے سازش تیار کی کہ اپنے نبی کو پکڑیں، انہیں تکلیف پہنچائیں، قید خانے میں ڈال دیں یا قتل کر ڈالیں۔

انہوں نے پھر اس پر بھی بس نہیں کی بلکہ حق کو مٹانے کے لئے باطل باتوں کا سہارا لیا اور لوگوں کو گمراہ کرنے پر ڈٹے رہے۔

لیکن یہ چیزیں ہمیشہ کے لئے برقرار نہ رہیں اور مناسب موقع پر میں نے انہیں پکڑ لیا اور سخت سزا دی، دیکھئے: عذاب الٰہی کیسا تھا؟

تمہارے سفر کے دوران میں ان کے شہروں کے کھنڈرات تمہیں نظر آتے ہیں۔ ان کا برا اور تاریک انجام تاریخ کے صفحات اور صاحبان دل کے سینوں میں محفوظ ہے دیکھو اور عبرت حاصل کرو۔

(۶) اسی سلسلے کی آخری آیت میں اس دنیا میں عذاب سے دوچار ہونے کے علاوہ دوسرے جہان میں بھی ان کے عذاب میں مبتلا ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: تمہارے پروردگار کا اس قسم کا فرمان ان لوگوں کے لئے مسلم ہو چکا ہے جو کافر ہو چکے ہیں کہ وہ اہل جہنم ہیں۔

آیت کا معنی بڑا ہی وسیع ہے جو ہر قوم کے ضدی مزاج اور ہٹ دھرم کافروں کے شامل حال ہے اور جیسا کہ بعض مفسرین کا خیال ہے یہ صرف کفار ہی سے مخصوص نہیں۔

ظاہری بات ہے کہ ان لوگوں کے بارے میں پروردگار عالم کے عذاب کا مسلم ہونا ان کے مسلسل گناہ اور بار بار کی خلاف ورزیوں کی وجہ سے ہے جو وہ اپنی مرضی کے مطابق انجام دیا کرتے تھے۔

(۷)اَلَّذِیۡنَ یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ وَ مَنۡ حَوۡلَہٗ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ وَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ وَ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ رَبَّنَا وَسِعۡتَ کُلَّ شَیۡءٍ رَّحۡمَۃً وَّ عِلۡمًا فَاغۡفِرۡ لِلَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اتَّبَعُوۡا سَبِیۡلَکَ وَقِہِمۡ عَذَابَ الۡجَحِیۡمِ	جوفرشتے عرش کواٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو اس کے اردگرد (طواف کررہے) ہیں وہ خدا کی تسبیح اور حمد بجالاتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں۔(اور کہتے ہیں) پروردگارا: تیری رحمت اور علم سب چیزوں پر حاوی ہیں۔تو ان لوگوں کی مغفرت فرما جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے اور تو انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔
(۸)رَبَّنَا وَ اَدۡخِلۡہُمۡ جَنّٰتِ عَدۡنِ ۣالَّتِیۡ وَعَدۡتَّہُمۡ وَ مَنۡ صَلَحَ مِنۡ اٰبَآئِہِمۡ وَ اَزۡوَاجِہِمۡ وَ ذُرِّیّٰتِہِمۡ ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۙ	(وہ عرض کرتے ہیں) پروردگارا: تو انہیں بہشت بریں کے باغوں میں داخل فرما جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا تھا اور اسی طرح ان کے نیک آباء واجداد، ازواج اور اولاد سے کیونکہ تو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی۔
(۹)وَقِہِمُ السَّیِّاٰتِ ؕ وَ مَنۡ تَقِ السَّیِّاٰتِ یَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمۡتَہٗ ؕ وَ ذٰلِکَ ہُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ ٪	اور انہیں برائیوں سے بچا' جسے تو نے برائیوں سے بچالیا اسے اپنی رحمت میں شامل فرمالیا اور یہی تو عظیم کامیابی ہے۔

تفسیر

حاملان عرش ہمیشہ مومنین کے لئے دعاگو ہیں

گزشتہ آیات کے تیور بتا رہے ہیں کہ یہ اس وقت نازل ہوئی تھیں جب مسلمان اقلیت میں تھے اور محرومی کی زندگی بسر کر رہے تھے اور ان کے دشمن طاقت' تسلط اور وافر وسائل کے لحاظ سے عروج پر تھے۔

ان آیات کے بعد زیر نظر آیات درحقیقت اس لئے نازل ہوئیں تا کہ سچے مومنین کو اس بات کی خوشخبری سنائیں کہ وہ ہرگز تنہا نہیں ہیں اور نہ ہی وہ خود کو تنہا محسوس کریں۔

فرمایا گیا ہے: جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ فرشتے جو عرش کے اردگرد رہتے ہیں خدا کی تسبیح اور حمد بجالاتے ہیں'

اسی پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

وہ اپنی باتوں میں کہتے ہیں: پروردگارا: تیری رحمت اور تیرا علم سب چیزوں پر حاوی ہے (تو اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہے اور ان کی بابت رحیم بھی ہے) خداوندا: ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیری راہ کو اختیار کیا انہیں جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

یہ گفتگو مومنین کو اس بات کی طرف متوجہ کر رہی ہے کہ صرف تم ہی عبادت خدا اور اس کی حمد وتسبیح بجا نہیں لاتے، تم سے پہلے خدا کے مقرب ترین فرشتے یعنی حاملان عرش اور اس کا طواف کرنے والے فرشتے اس کی حمد وتسبیح بجالا رہے ہیں۔

ساتھ ہی کفار کو بھی تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ اس کے نزدیک ایک جیسی بات ہے کیونکہ اسے کسی کے ایمان کی ضرورت نہیں۔

ساتھ ہی مومنین کو یہ خبر بھی دی جا رہی ہے کہ تم اس دنیا میں اکیلے نہیں ہو............اگر چہ بظاہر اس ماحول میں تم اقلیت میں ہو............کائنات کی طاقتورترین غیبی طاقتیں اور حاملین عرش تمہارے حامی اور دعا گو ہیں۔

(۸) مومنین کے بارے میں حاملین عرش کی دعاؤں کا سلسلہ اس آیت میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے: خداوندا: جس بہشت بریں کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اس میں انہیں داخل فرما۔

اور اسی طرح ان کے نیک آباء واجداد ازواج اور اولاد کو بھی۔

کیونکہ تو ہر چیز پر غالب ہے اور ہر چیز سے باخبر ہے۔

ان آیات میں جس وعدہ کی طرف اشارہ ہوا ہے اس سے مراد وہی وعدہ ہے جو خدا نے اپنے نبیوں کے ذریعے لوگوں سے کیا ہے۔

مومنین کی دو حصوں میں تقسیم سے اس حقیقت کا پتا چلتا ہے کہ کچھ مومنین کا شمار تو صفحہ اول میں ہوتا ہے اور یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو فرامین الہی کے بجالانے میں پوری کوشش کرتے ہیں اور کچھ کا شمار اس صف میں نہیں ہوتا اور یہ وہ لوگ ہیں جو پہلے گروہ کی طرف نسبت رکھتے ہیں اور اس کی کسی حد تک پیروی کی وجہ سے فرشتوں کی دعاؤں میں شامل ہیں۔

(۹) پھر یہ فرشتے مومنین کے بارے میں اپنی چوتھی دعا میں کہتے ہیں تو انہیں برائیوں سے محفوظ رکھ کیونکہ جنہیں تو اس دن کی برائیوں سے محفوظ رکھے گا وہی تیری رحمت میں شامل ہوں گے۔

آخر کار وہ اپنی دعا اس جملہ پر ختم کرتے ہیں: اور یہ ہے عظیم کامیابی۔

اس سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہوسکتی ہے کہ انسان کے گناہ بخش دیئے جائیں، عذاب اور برائیاں اس سے دور کر دی جائیں، وہ رحمت الہی میں شامل ہو جائے، بہشت بریں میں داخل ہو جائے اور اس کے تعلق دار اور قریبی رشتہ دار بھی اس سے جا ملیں۔

(۱۰)اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُنَادَوۡنَ لَمَقۡتُ اللّٰهِ اَكۡبَرُ مِنۡ مَّقۡتِكُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ اِذۡ تُدۡعَوۡنَ اِلَى الۡاِيۡمَانِ فَتَكۡفُرُوۡنَ	جولوگ کافر ہو چکے ہیں انہیں بروز قیامت آواز دی جائے گی کہ تمہارے بارے میں تمہاری اپنی عداوت اور غصے کی نسبت خداوند عالم کی عداوت اور غصہ زیادہ ہے۔ کیونکہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے، لیکن تم انکار کرتے تھے۔
(۱۱)قَالُوۡا رَبَّنَاۤ اَمَتَّنَا اثۡنَتَيۡنِ وَ اَحۡيَيۡتَنَا اثۡنَتَيۡنِ فَاعۡتَرَفۡنَا بِذُنُوۡبِنَا فَهَلۡ اِلٰى خُرُوۡجٍ مِّنۡ سَبِيۡلٍ	وہ کہیں گے: پروردگارا: تو نے ہمیں دوبار مارااوردومرتبہ زندہ کیا ہے، اب ہم نے اپنے گناہوں کا اعتراف کرلیا ہے۔ آیا (دوزخ سے) نکلنے کا کوئی راستہ موجود ہے؟
(۱۲)ذٰلِكُمۡ بِاَنَّهٗۤ اِذَا دُعِىَ اللّٰهُ وَحۡدَهٗ كَفَرۡتُمۡ‌ۚ وَ اِنۡ يُّشۡرَكۡ بِهٖ تُؤۡمِنُوۡا‌ ؕ فَالۡحُكۡمُ لِلّٰهِ الۡعَلِىِّ الۡكَبِيۡرِ	یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ جب اکیلے خدا کو پکارا جاتا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جاتا تو تم اس پر ایمان لے آتے تھے۔ اب فیصلہ خدا کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے جو بلند مرتبہ اور بزرگ ہے (اور وہ تمہیں اپنی حکمت کے مطابق سزا دے گا)۔

تفسیر

گناہوں کا اعتراف لیکن کب؟

گزشتہ آیات میں مومنین کے رحمت الٰہی میں شامل ہونے کی بات ہورہی تھی۔ زیرنظر آیات میں بے ایمان لوگوں پر غضب الٰہی کی گفتگو ہورہی ہے تاکہ دونوں فریقوں کا تقابل کرکے گفتگو کو مزید واضح کردیا جائے۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے: جولوگ کافر ہو چکے ہیں انہیں بروز قیامت آواز دی جائے گی کہ تمہارے بارے میں تمہاری اپنی عداوت اور غصے کی نسبت خداوند عالم کی عداوت اور غصہ زیادہ ہے کیونکہ تم ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے لیکن تم کفر کا رستہ اختیار کرتے تھے۔

ان کفار کو یہ آواز کون دے گا؟ ظاہر ہے کہ ان کو لعنت ملامت، سرزنش اور رسوا کرنے کے لئے عذاب کے فرشتے ہی ایسی آوازیں دیں گے جبکہ رحمت کے فرشتے ہمیشہ مومن اور صالح لوگوں کی عزت واحترام کے لئے کمربستہ نظر آئیں گے۔

اپنے بارے میں کافر لوگوں کی عداوت اور غصے سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنے بارے میں بہت بڑی دشمنی کا ارتکاب

کیا ہے کیونکہ وہ منادیان توحید اور پیامبران الٰہی کی باتوں کو ٹھکراتے اور جھٹلاتے رہے ہدایت الٰہی کے چراغوں سے منہ ہی نہیں پھیرا انہیں گل بھی کرتے رہے تو کیا انسان کی اپنی ذات کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور دشمنی ہوسکتی ہے کہ خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہوئے اور چند روزہ مادی مفاد کے لئے سعادت ابدی کی راہیں ہمیشہ کے لئے اپنے لئے بند کردے اور دائمی عذاب کے دروازے اپنے لئے کھول دے؟

(۱۱) بہرصورت، حالات خواہ کیسے ہی ہوں گناہ گار لوگ قیامت کی صورت حال اور اپنے بارے میں غضب الٰہی کو مشاہدہ کرنے کے بعد ایک لمبے خواب غفلت سے بیدار ہوجائیں گے اور اس کے لئے چارہ کار کی فکر میں لگ جائیں گے اور کہیں گے پروردگارا: تونے ہمیں دومرتبہ مارا اور دومرتبہ زندہ کیا ہے اور ہم نے موت وحیات کے ان مراحل میں بہت کچھ سیکھ لیا ہے اب ہم گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں آیا (دوزخ سے) باہر جانے (اور دنیا میں واپس جا کر ان گناہوں کی تلافی کرنے) کا کوئی راستہ ہے؟

جی ہاں: اب غفلت کے پردے آنکھوں سے ہٹیں گے اور انسان کی حقیقت بین نگاہیں کھلیں گی لہٰذا اعتراف گناہ کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں ہوگا۔

دوبارہ مارنے سے مراد ایک موت تو زندگی کے خاتمہ پر ہے اور دوسری موت برزخ کے اختتام پر۔ اور دوبارہ جلانے سے مراد ایک تو برزخ میں جلانا ہے اور دوسرے بروز قیامت۔

اس طرح ہماری ایک جسمانی حیات ہے اور ایک برزخی حیات۔ ہم اپنی حیات جسمانی کے خاتمے پر مرجائیں گے اور دوسرے اس دنیا کے خاتمے پر برزخی زندگی کو الوداع کہیں گے۔ ان دونوں موتوں کے بعد ہمیں دو زندگیاں ملیں گی۔ ایک برزخی زندگی اور ایک روز قیامت کی زندگی۔

(۱۲) بہرحال یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں کہ کافروں کی یہ درخواست ہرگز قابل قبول نہیں ہوگی کہ انہیں دوزخ سے نکال کر دنیا میں بھیج دیا جائے تاکہ وہ اپنے گمان کے مطابق اپنے تاریک ماضی کا ازالہ کرسکیں اور اس کا ناقابل قبول ہونا اس حد تک واضح ہے کہ ان آیات میں اس کی بات تک نہیں کی گئی۔ صرف بعد کی آیت میں ایک بات ہوئی ہے جو ایک دلیل کا عنوان رکھتی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: یہ اس لئے ہے کہ جب خدا کی وحدانیت کی طرف دعوت دی جاتی تھی تو تم انکار کا راستہ اختیار کرتے ہوئے کفر کیا کرتے تھے لیکن جب کسی کو اس کا شریک بنایا جاتا تو تم اسے تسلیم کرلیتے تھے اور اس پر ایمان لے آتے تھے۔

جہاں پر بھی توحید، طہارت، تقویٰ اور فرمان حق کی بات ہوتی تو تم اپنا منہ پھیر لیتے اور جہاں پر کفر، نفاق، شرک اور پلیدی کی بات ہوتی تو تم نہال نہال ہوجاتے لہٰذا تمہارا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا۔

آیت کے آخر میں ان تاریک دل مشرکین کو ہمیشہ کے لئے مایوس کرنے کے لئے ارشاد ہوتا ہے: فیصلے کا کلی اختیار خداوند برتر و بزرگ کے ہاتھ میں ہے۔

فیصلے کی اس سند کا مالک، قاضی، دادخواہ اور دادرس صرف خداوند علی واعلیٰ ہے اور چونکہ وہ علی (بلند مرتبہ) اور کبیر (صاحب

عظمت و بزرگی) ہے لہذا نہ تو کسی سے مغلوب ہوتا ہے' نہ کسی کی سفارش اس پر اثر کرتی ہے۔ لہذا اس کے فیصلے سے روگردانی کوئی بھی نہیں کرسکتا۔

(۱۳) هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُنَزِّلُ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ؕ وَ مَا یَتَذَکَّرُ اِلَّا مَنْ یُّنِیْبُ	وہ (خداتو) وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور تمہارے لئے آسمان سے قیمتی رزق نازل کرتا ہے۔
(۱۴) فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَ لَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ	(صرف) وہی لوگ ان حقائق کو یاد رکھتے ہیں جو خدا کی طرف لوٹ جائیں گے۔ (صرف) خدا کو پکارو اور اپنے دین کو اسی کے لئے خالص کرو خواہ یہ بات کافروں کو ناگوار گزرے۔
(۱۵) رَفِیْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ ۙ	وہ (نیک بندوں کے) درجات بلند کرتا ہے' عرش کا مالک ہے' اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے فرمان کے ذریعے روح القاء کرتا ہے تاکہ ملاقات کے دن سے لوگوں کو ڈرائے۔

تفسیر

صرف خدا کو پکارو اگرچہ کافروں کو ناپسند ہو

یہ آیات درحقیقت خداوند متعال کی توحید ربوبیت اور اس سے شرک نیز بت پرستی کی نفی پر دلائل ہیں۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے: وہ (خداتو) وہی ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔

آفاق اور انفس میں موجود وہی نشانیاں جن سے ساری کائنات بھری پڑی ہے' ایسے عجیب وغریب نقوش جو عالم وجود کے در و دیوار پر نمایاں ہیں' ایسے واضح نقوش جنہیں دیکھ کر اگر کوئی تیری ذات کے متعلق نہ سوچے تو وہ خود نقش بر دیوار ہے۔

پھر ان آیات میں سے ایک نشانی کے متعلق فرمایا گیا ہے: وہ تمہارے لئے آسمان سے قیمتی رزق نازل کرتا ہے۔

بارش کے حیات بخش قطرے' آفتاب کا نور جو تمام موجودات کو زندہ کرتا ہے' اور ہوا جو تمام حیوانات اور نباتات کا سرمایۂ حیات ہے۔ یہ سب آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: اس قدر عظیم کائنات میں اتنی بڑی اور لاتعداد نشانیوں کے باوجود ان کی نابینا آنکھیں اور پردوں میں ڈھکے ہوئے دل کچھ بھی نہیں دیکھ پاتے صرف وہی لوگ ان حقائق کو یاد رکھتے ہیں جو خدا کی طرف لوٹیں اور اپنے قلب و

روح کو گناہوں سے پاک۔

(۱۴) آیت میں یوں نتیجہ نکالا گیا ہے: اب جبکہ صورت حال یہ ہے تو تم خدا کو پکارو اور اپنے دین کو خدا کے لئے خالص کرو۔

اب اٹھ کھڑے ہو اور ایمان کا بسولا لے کر مشرکین کے بتوں پر ٹوٹ پڑو اور سب کو اپنی فکر' ثقافت اور معاشرے سے باہر نکال پھینکو۔ البتہ تمہارا یہ کام ہٹ دھرم اور متعصب کفار کی تکلیف کا باعث ضرور بنے گا لیکن تمہیں اس بات کی پرواہ نہیں کرنا چاہئے تم اپنے دین کو خالص کئے رکھو خواہ یہ کافروں کو ناگوار بھی گزرے۔

(۱۵) یہ آیت خداوند عالم کو چند اوصاف سے متصف کرتی ہے اور کہتی ہے: وہ درجات بلند کرنے والا ہے۔

بے شک وہ علم کے لحاظ سے بھی بلند مرتبہ ہے اور قدرت کے لحاظ سے بھی' اس کے کمال و جمال کے تمام اوصاف اس قدر بلند ہیں کہ انسانی عقل و دانش کا بلند پرواز ہما بھی اس کے بلند مرتبے تک نہیں پہنچ سکتا۔

پھر فرمایا گیا ہے: وہ عرش کا مالک ہے۔

ساری کائنات اس کی قدرت اور حکومت کے تابع ہے۔

تیسری تعریف بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: خداوند عالم ہی اپنے فرمان کے مطابق اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے روح القاء کرتا ہے۔

یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ گزشتہ آیات میں بارش کے نزول اور جسمانی رزق کی بات ہو رہی تھی اور یہاں پر نزول وحی اور روحانی رزق کی بات ہو رہی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام پر روح القدس نازل کرنے کا کیا مقصد ہے؟ اور اس پر نشیب و فراز' طویل اور پر مشقت سفر میں ان کا مقصد اور ہدف کیا ہے؟

اسی سلسلے کی آیت کے آخری جملے میں اس سوال کا جواب دیتے ہوئے خود قرآن فرماتا ہے: مقصد یہ ہے کہ وہ لوگوں کو ملاقات کے دن سے ڈرائیں۔

جس دن بندے اپنے پروردگار سے شہود باطنی کے ذریعے ملاقات کریں گے۔

جس دن گزشتہ اور آئندہ زمانے کے لوگ آپس میں ملاقات کریں گے۔

جس دن حق اور باطل کے پیشوا اپنے پیروکاروں سے ملاقات کریں گے۔

جس دن مستضعفین اور متکبرین باہم ملاقات کریں گے۔

جس دن انسان اور فرشتے ملاقات کریں گے۔

خلاصہ یہ کہ جس دن انسان اپنے اعمال' گفتار اور کردار سمیت' اللہ کی بارگاہ عدل کی ملاقات کرے گا۔

(١٦)يَوْمَ هُمْ بَارِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۗ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۗ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ	(ملاقات کا دن) وہ دن ہے جب سب لوگ ظاہر ہو جائیں گے اور ان میں سے کسی کی کوئی چیز خدا پر مخفی نہیں رہے گی' آج کے دن کس کی حکومت ہے؟ خداوند یکتا وقہار کی۔
(١٧)اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ	جس شخص نے جو بھی عمل انجام دیئے ہیں آج کے دن ان کی جزا پائے گا' آج کے دن کچھ بھی ظلم نہیں ہوگا' خداوند عالم جلد حساب کرنے والا ہے۔

تفسیر

خدا سے ملاقات کا دن

زیر نظر آیات اور بعد میں آنے والی چند دوسری آیات "یوم التلاق" کی تشریح اور تفسیر میں' جو قیامت کے ناموں میں سے ایک نام ہے اور گزشتہ چند آیات میں اس کی طرف اشارہ ہو چکا ہے۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے: ملاقات کا دن ایسا دن ہے جس میں سب لوگ ظاہر ہو جائیں گے۔ ایسا دن ہے جس میں سب حجاب اور پردے ہٹ جائیں گے۔

اس دن کی دوسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: لوگوں کی کوئی چیز بھی خدا پر مخفی نہیں ہوگی۔

اس دنیا میں بھی اور آج بھی کوئی چیز اس قادر مطلق پر مخفی نہیں ہے۔

اس دن تمام چیزیں کے مکمل طور پر اور اچھی طرح ظاہر ہونے پر دلالت کرتی ہے جس دن عام لوگوں سے کوئی چیز مخفی نہیں رہے گی خدا کے بارے میں تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اس دن کی تیسری خصوصیت' پروردگار عالم کی حاکمیت مطلقہ ہے' جس طرح اسی آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے:

اس دن کہا جائے گا کہ اس دن کی حکومت اور ملکیت کس کے پاس ہے۔

تو اس کے جواب میں کہیں گے: صرف خداوند قہار کی ملکیت ہے۔

یہ سوال اور جواب کسی خاص فرد کی طرف سے نہیں ہوں گے۔ بلکہ یہ ایک ایسا سوال ہے جو بغیر کسی استثناء کے خالق ومخلوق' فرشتہ وانسان' مومن وکافر' وجود کے تمام ذرات اور کائنات کے در ودیوار کی طرف سے کیا جائے گا۔ اور ہر ایک زبان حال سے اس کا جواب دے گا۔ یعنی جہاں جہاں دیکھو گے وہاں وہاں پر اس کی حاکمیت وحکومت کے آثار نمایاں اور اس کی قہارت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی۔ جس ذرہ کی آواز سنو گے وہی لمن الملک کہہ رہا ہوگا اور اس کا جواب بھی خود دے رہا ہوگا۔

(١٧) اس دن کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ سزا اور جزاء کا دن ہوگا۔ جیسا کہ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے آج کے دن ہر

شخص اپنے کیئے کی سزا یا جزاء پائے گا۔

جی ہاں! خداوند عالم کا علمی احاطہ، حاکمیت، مالکیت اور قہاریت اس عظیم اور خوف ورجاء پر مبنی حقیقت پر واضح دلیل ہیں۔

پانچویں خصوصیت وہی ہے جو بعد کے جملے میں ذکر کی گئی ہے: آج کے دن کسی پر بھی ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ظلم کیونکر ممکن ہو جبکہ ظلم یا تو جہالت کی وجہ سے سرزد ہوتا ہے اور خداوند عالم کا علم ہر چیز پر محیط ہے یا پھر عاجزی کی بناء پر ہوتا ہے اور خداوند عالم ہر چیز پر قاہر، حاکم اور مالک ہے۔

چھٹی اور آخری خصوصیت بندوں کے اعمال کا جلد محاسبہ ہے۔ جیسا کہ آیت کے اختتام پر فرمایا گیا ہے: خداوند سریع الحساب ہے۔

وہاں پر حساب و کتاب کی رفتار اس حد تک تیز ہوگی جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے:

''خداوند عالم اپنی تمام مخلوق کا حساب ایک پلک جھپکنے کی دیر میں کرلے گا''۔

(۱۸)وَ اَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّ لَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ؕ	انہیں اس دن سے ڈرائیے جو قریب ہے کہ جب سخت خوف کی وجہ سے دل حلق تک پہنچ جائیں گے اور ان کا تمام وجود غم و اندوہ سے بھر جائے گا۔ ظالموں کا نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی ایسا شفاعت کرنے والا کہ جس کی شفاعت مانی جائے۔
(۱۹)يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَ مَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ	وہ ان آنکھوں کو بھی جانتا ہے جو خیانت کرتی ہیں اور جو کچھ دل میں چھپاتے ہیں ان سے بھی باخبر ہے۔
(۲۰)وَ اللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَىْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ؑ	اور اللہ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور خدا کے علاوہ وہ جن معبودوں کو پکارتے ہیں کچھ بھی فیصلہ نہیں کرسکتے۔ خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

تفسیر

جب جان لبوں تک پہنچے گی

یہ آیات بھی حسب سابق اوصاف قیامت کے سلسلے کی کڑی ہیں۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے: انہیں اس دن سے ڈرائیے جو قریب ہے۔

اگر ہم غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ کل دنیاوی عمر قیامت کی عمر کے مقابلے میں ایک زود گزر لمحے سے زیادہ نہیں ہے اور چونکہ اس کی حتمی تاریخ خدا نے انبیاء ومرسلین تک کو نہیں بتائی لہٰذا ہمیشہ اس کے استقبال کے لئے آمادہ رہنا چاہئے۔

دوسری صفت یہ ہے کہ: اس روز زبردست خوف وہراس کی وجہ سے دل حلق تک پہنچ جائیں گے

اس کی تیسری صفت کے بارے میں قرآن کہتا ہے: ان کا تمام وجود غم واندوہ سے بھرا ہوگا لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کر سکیں گے۔

اگر انسان کسی وقت غم واندوہ کا شکار ہو جائے لیکن وہ فریاد کر سکتا ہو تو ممکن ہے کہ اس کا کچھ غم ہلکا ہو جائے اور اس کے دل کو کچھ آرام آ جائے لیکن افسوس کے وہاں پر تو چلانے اور فریاد کرنے کی بھی اجازت نہیں ہوگی۔ وہاں پر تو تمام مخفی رازوں کے ظاہر ہو جانے، حق کی عدالت میں پیش ہونے، عدالت پروردگار میں حاضری دینے اور مخلوق خدا کے موجود ہونے کے مسائل ہوں گے پھر چیخ وپکار کیا فائدہ پہنچائے گی؟

چوتھی صفت یہ ہے کہ: ظالموں کا کوئی دوست نہیں۔

وہ یار اور مکار دوست جو اقتدار کے زمانے میں اس کے دستر خوان کی مکھی بنے اس کے گرد منڈلاتے رہتے تھے۔

پانچویں صفت کے بارے میں فرمایا گیا ہے: اور نہ ہی کوئی ایسا شفاعت کرنے والا ہے کہ جس کی شفاعت قبول کی جائے۔

کیونکہ انبیاء اور اولیاء جیسے سچے شفاعت کرنے والوں کی شفاعت بھی خداوند عالم کے حکم پر منحصر ہوگی۔ اس طرح سے بت پرستوں کے اس گمان پر بھی خط تنسیخ پھر جاتا ہے کہ بت ان کی شفاعت کریں گے

(۱۹) چھٹے مرحلے پر قیامت کی کیفیت کے ضمن میں خدا کا ایک وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: خدا خیانت سے دیکھنے والی آنکھوں کو جانتا ہے اور جو کچھ سینوں میں پوشیدہ ہے اس سے بھی باخبر ہے۔

جی ہاں! جو خدا آنکھ کی مخفی حرکتوں اور سینے کے اندرونی رازوں سے آگاہ ہے وہی اس دن اپنی مخلوق کے بارے میں عدل وانصاف کرے گا۔

(۲۰) قیامت کی ساتویں صفت جو چھٹی صفت کی طرح خدا کی صفت کے طور پر بیان ہوئی ہے قرآن کے الفاظ میں: خدا حق پر مبنی فیصلہ کرے گا۔

اور وہ اس کے علاوہ جن معبودوں کو پکارتے ہیں ان میں سے کوئی بھی فیصلہ نہیں کر سکتا۔

جی ہاں! اس دن فیصلے کا اختیار صرف اور صرف خدا کے پاس ہوگا اور وہ بھی حق سچ کے علاوہ کوئی فیصلہ نہیں کرے گا۔

آخر میں گزشتہ آیات پر تاکید کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: خدا سننے اور دیکھنے والا ہے بلکہ یہ دیکھنا اور سننا اپنے صحیح معنی کے

لحاظ سے، یعنی تمام سنی جانے والی اور تمام دیکھی جانے والی چیزیں ہمہ وقت اس کے حضور ہر وقت موجود رہتی ہیں اور یہ اسی کی ذات پاک سے مخصوص ہے اور یہ چیز اس بات کی تاکید ہے کہ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے اور حق کا فیصلہ بھی اسی کے ساتھ خاص ہے کیونکہ جب تک کوئی سمیع و بصیر مطلق نہ ہو وہ حق پر مبنی فیصلہ نہیں کرسکتا۔

(۲۱)اَوَ لَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ کَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ کَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَ مَا کَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ	کیا انہوں نے روئے زمین کی سیر نہیں کی تاکہ وہ دیکھتے جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا کیا انجام ہوا؟ وہ قدرت و طاقت اور زمین میں آثار کے لحاظ سے ان سے بہت زیادہ تھے۔ لیکن خدا نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا اور انہیں (عذاب) خدا سے بچانے والا کوئی نہیں تھا۔
(۲۲)ذٰلِکَ بِاَنَّهُمْ کَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَکَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ	یہ اس وجہ سے تھا کہ اس کے رسول ان کے پاس ہمیشہ واضح دلائل لے کر آتے رہے لیکن وہ سب کا انکار کرتے رہے لہٰذا خداوند عالم نے انہیں اپنی گرفت میں لے لیا (اور انہیں سزا دی) کیونکہ وہ قوی اور شدید العقاب ہے۔

تفسیر

ظالموں کا دردناک انجام دیکھو

چونکہ قرآن مجید کا بہت سی آیات میں طریقہ کار یہی رہا ہے کہ حساس اور اصولی و کلی قاعدوں کو ذکر کرنے کے بعد انہیں جزئی اور محسوس مسائل کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ زیر نظر آیات کی بھی یہی کیفیت ہے جن میں مبداء و معاد، اعمال کی سخت جانچ پڑتال اور سرکشی اور گناہ کے خطرناک نتائج کے ذکر کے بعد لوگوں کو گزشتہ امتوں کے حالات منجملہ فرعون اور فرعونیوں کے حالات کا مطالعہ کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے: آیا انہوں نے روئے زمین کی سیر نہیں کی تاکہ وہ ان لوگوں کا انجام دیکھتے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں کہ کیا ہو۔

یہ کوئی مرتب کردہ تاریخ نہیں ہے جس کے اصل اور صحیح ہونے میں کسی قسم کا شک کیا جا سکے، یہ تو ایک زندہ تاریخ ہے جو اپنی زبان بے زبانی سے پکار رہی ہے۔ اور واقعی تاریخ کو بے کم و کاست بیان کر رہی ہے۔

پھر فرمایا گیا ہے: وہ ایسے لوگ تھے جو زمین میں اہم آثار کے اعتبار سے ان سے زیادہ طاقتور تھے۔

وہ اس قدر طاقتور حکومتوں، عظیم لشکروں اور روشن مادی تمدن کے مالک تھے کہ مشرکین مکہ کی زندگی تو ان کے نزدیک ایک بازیچۂ اطفال سے زیادہ اہمیت کی حامل نہیں ہے۔

اور آیت کے آخر میں ان سرکش قوموں کا انجام ایک مختصر سے جملے میں یوں بیان کیا گیا ہے: خدا نے انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا اور کوئی نہ تھا کہ ان کا دفاع کرتا اور انہیں عذاب الٰہی سے بچاتا۔

نہ تو افرادی قوت کی کثرت انہیں عذاب الٰہی سے بچا سکی اور نہ ہی طاقت، شان وشوکت اور بے حساب مال ودولت۔

(۲۲) جو چیز پہلے اجمالی طور بیان کی گئی ہے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: خدا کی یہ دردناک سزا اس لئے تھی کیونکہ ان کے رسول دلائل لے کر ان کے پاس آتے رہتے تھے اور وہ سب کا انکار کر دیا کرتے تھے۔

ایسا نہیں تھا کہ وہ غافل یا بے خبر تھے یا ان سے سرزد ہونے والے گناہ اتمام حجت نہ کرنے کی وجہ سے تھے، ان کے پاس پیغمبر بھی مسلسل آیا کرتے تھے جیسا کہ "کانت تأتیھم" کی تعبیر سے استفادہ ہوتا ہے) لیکن ان سب کے باوجود انہوں نے احکام الٰہی کے آگے سر تسلیم خم نہیں کیا۔

ایسے ہی موقع پر خدا نے ان کی گرفت کی۔

کیونکہ وہ طاقتور اور سخت عذاب دینے والا ہے۔

رحمت کے موقع پر "ارحم الراحمین" اور غضب کے مقام پر "اشد المعاقبین" ہے۔

(۲۳) وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ	ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور روشن دلیل کے ساتھ بھیجا۔
(۲۴) اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ قَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ	فرعون، ہامان اور قارون کی طرف، لیکن انہوں نے کہا وہ تو بہت جھوٹا جادوگر ہے۔
(۲۵) فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَ اسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَ مَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ	جب ہماری طرف سے ان کے پاس حق آ پہنچا تو انہوں نے کہا: جو موسیٰ پر ایمان لا چکے ہیں ان کے لڑکوں کو قتل کر دو اور (قید وخدمت گاری کے لئے) ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دو۔ لیکن کافروں کی چالیں گمراہی میں ہونے کے علاوہ اور کچھ نہیں (اور نقش بر آب ہوتی ہیں)۔

(۲۶)وَ قَالَ فِرۡعَوۡنُ ذَرُوۡنِیۡۤ اَقۡتُلۡ مُوۡسٰی وَ لۡیَدۡعُ رَبَّہٗ ۚ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اَنۡ یُّبَدِّلَ دِیۡنَکُمۡ اَوۡ اَنۡ یُّظۡہِرَ فِی الۡاَرۡضِ الۡفَسَادَ	اورفرعون نے کہا: مجھے چھوڑ دو: تاکہ میں موسیٰ کوقتل کر دوں اور وہ اپنے پروردگار کو بلائے (تاکہ وہ اسے نجات دلائے) میں تو اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہ تمہارے دین کوتبدیل نہ کرڈالے یازمین میں فساد برپانہ کرے۔
(۲۷)وَ قَالَ مُوۡسٰۤی اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ مِّنۡ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤۡمِنُ بِیَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿۲۷﴾	موسیٰ نے کہا میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں ہراس متکبر سے جوروز حساب پر ایمان نہیں لاتا۔

تفسیر

قتل موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ

گزشتہ آیات میں سابقہ قوموں کے دردناک انجام کی طرف اشارہ تھااس کے فوراً بعدان آیات میں ان داستانوں میں سے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون، ہامان اورقارون کی داستان بیان کی گئی ہے۔

(۲۴) سب سے پہلے فرمایا گیاہے: ہم نے موسیٰ کواپنی آیات اورسلطان مبین دے کربھیجا فرعون، ہامان اورقارون کی طرف، لیکن انہوں نے کہاوہ تو بڑاجھوٹا جادوگر ہے۔

آیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی طرف اشارہ ہے اور ”سلطان مبین“ کامعنی قوی منطق اور دندان شکن دلائل ہیں، جوموسیٰ علیہ السلام کوفرعون کے مقابلے کے لئے عطا ہوئے تھے۔ اس طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام مامور تھے کہ ظالم اور جابر حکام کے ظلم وستم، غدار سیاستدانوں کی شیطنت اورمستکبر دولت مندوں کی سرکشی کا خاتمہ کرکے معاشرے کی بنیاد سیاسی، ثقافتی اوراقتصادی عدل وانصاف پر رکھیں۔

(۲۵) یہ آیت ان کے چند ایک شیطانی منصوبوں کو بیان کرتے ہوئے کہتی ہے: جب ہماری طرف سے حق ان کی جانب آیا تو بجائے اس کے کہ وہ اس کوغنیمت سمجھتے اس کے ساتھ مقابلہ کی ٹھان لی اورکہا کہ جولوگ موسیٰ پر ایمان لے آئے ہیں ان کے لڑکوں کوقتل کردواور کنیزی اورخدمت کے لئے ان کی عورتوں کوزندہ رہنے دو۔

اس تعبیر سے پتہ چلتا ہے کہ لڑکوں کے مارڈالنے اورلڑکیوں کوزندہ رکھنے کا سلسلہ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے کے

دور میں ہی نہیں تھا بلکہ آپ کے قیام اور دوران نبوت میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

بہر حال یہ شیطانی حکومتوں کا ایک ناپاک اور دائمی منصوبہ ہوتا ہے کہ فعال اور متحرک افرادی قوت کو تباہ و برباد کردیں اور غیر فعال افراد کو اپنے مقاصد کے لئے زندہ رکھیں۔

قرآن مجید آیت کے آخر میں فرماتا ہے: کافروں کے منصوبے ضلالت اور گمراہی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں۔ یہ ان کے ایسے تیر ہیں جو وہ جہالت اور گمراہی میں چلاتے ہیں اور پتھر پر جا لگتے ہیں۔

انہیں اس بات کا قطعاً وہم وگمان نہیں ہوتا کہ ان پر کوئی مصیبت بھی آن پڑے گی، یہ تو مشیت الٰہی ہوتی ہے کہ آخرکار حق کی طاقت باطل کی قوتوں پر غالب آکر رہتی ہے۔

(۲۶) ایک صرف موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کے درمیان باہمی نزاع، اور دوسری طرف فرعون اور اس کے ہم نواؤں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کافی حد تک بڑھ گیا۔

قرآن کہتا ہے: فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو تاکہ میں موسیٰ کو قتل کر ڈالوں اور وہ اپنے پروردگار کو بلائے تاکہ وہ اسے اس سے نجات دے۔

اس سے یہ بات سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ اس کے اکثر یا کم از کم کچھ مشیر موسیٰ کے قتل کے مخالف تھے وہ یہ دلیل پیش کرتے تھے کہ چونکہ موسیٰ کے کام معجزانہ اور غیر معمولی ہیں لہٰذا ہوسکتا ہے کہ وہ ہمارے لئے بددعا کردے تو اس کا خدا ہم پر عذاب نازل کردے لیکن کبر وغرور کے نشے میں بدمست فرعون کہنے لگا: میں تو اسے ضرور قتل کروں گا جو ہوگا سو دیکھا جائے گا۔

فرعون نے حضرت موسیٰ کے قتل کے منصوبے کی توجیہ کرتے ہوئے اپنے درباریوں کے سامنے اس کی دو دلیلیں بیان کیں۔

ایک کا تعلق دینی اور روحانی پہلو سے تھا اور دوسری کا دنیاوی اور مادی سے۔ وہ کہنے لگا: مجھے اس بات کا خوف ہے کہ وہ تمہارے دین کو تبدیل کردے گا اور تمہارے باپ دادا کے دین کو دگرگوں کردے گا۔

یا یہ کہ زمین میں فساد اور خرابی کردے گا۔

اگر میں آج خاموش ہو جاؤں اور کچھ عرصے بعد موسیٰ سے مقابلہ کرنے کے لئے اقدام کروں تو اس دوران میں وہ اپنے بہت سے دوست اور ہمدرد پیدا کرلے گا جس کی وجہ سے زبردست لڑائی چھڑ جائے گی جو ملکی سطح پر خونریزی، گڑبڑ اور بے چینی کا سبب بن جائے گی۔ اسی لئے مصلحت اسی میں ہے کہ جتنا جلدی ہوسکے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔

(۲۷) اب دیکھنا یہ ہے کہ اس گفتگو سے موسیٰ علیہ السلام نے کس ردعمل کا اظہار کیا جو اس مجلس میں تشریف فرما بھی تھے، قرآن کہتا ہے: موسیٰ نے کہا: میں اپنے پروردگار اور تمہارے پروردگار کی ہر اس متکبر سے پناہ مانگتا ہوں جو روز حساب پر ایمان نہیں لاتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس گفتگو سے ثابت ہوتا ہے کہ جن لوگوں میں مندرجہ ذیل دو صفات پائی جائیں وہ نہایت ہی خطرناک افراد ہیں۔ ایک تکبر اور دوسرے قیامت پر ایمان نہ رکھنا اور اس قسم کے افراد سے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے۔

(۲۸)وَ قَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَ اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَ اِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ	آل فرعون میں سے ایک مومن شخص نے کہ جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا کہا: آیا تم ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، جبکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے واضح دلائل بھی لا چکا ہے، اگر وہ جھوٹا ہے تو جھوٹ خود اس کا دامن پکڑے گا اور اگر سچا ہے تو (کم از کم) تمہیں جن بعض عذابوں کی وعید دیتا ہے وہ تم تک پہنچ جائیں گے۔ خداوند اس شخص کو ہدایت نہیں کرتا جو اسراف کرنے والا ہوتا ہے اور جو بہت ہی جھوٹا ہوتا ہے۔
(۲۹)يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَ مَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ	اے میری قوم: آج حکومت تمہارے پاس ہے اور تم اس سرزمین میں کامیاب بھی ہو۔ اگر عذاب الٰہی ہمارے پاس آ بھی گیا تو پھر کون ہماری مدد کرے گا؟ فرعون نے کہا: میں اس کے سوا تمہیں اور کچھ نہیں دکھا سکتا جس کا میں اعتقاد رکھتا ہوں اور حق و کامیابی کی راہ کے علاوہ تمہیں کسی اور چیز کی دعوت نہیں دیتا۔

تفسیر

آیا کسی کو خدا کی طرف بلانے پر بھی قتل کرتے ہیں؟

یہاں سے موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی تاریخ کا ایک اور اہم کردار شروع ہوتا ہے جو قرآن مجید کی صرف اس سورہ میں بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے مومن آل فرعون جو فرعون کے قریبیوں میں سے تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت توحید قبول کر چکا تھا لیکن اپنے اس ایمان کو ظاہر نہیں کرتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ فرعون کے غیظ و غضب سے موسیٰ علیہ السلام کی جان کو خطرہ پیدا ہو گیا ہے تو مردانہ وار آگے بڑھا اور اپنی دل نشین اور موثر گفتگو سے قتل کی اس سازش کو ناکام بنا دیا۔

اس سلسلے کی سب سے پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے: آل فرعون میں سے ایک شخص نے جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا کہا: آیا کسی شخص کو صرف اس بناء پر قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟۔

حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے معجزات اور واضح دلائل اپنے ساتھ لایا ہے۔

آیا تم اس کے عصا اور ید بیضاء جیسے معجزات کا انکار کر سکتے ہو؟ کیا تم نے اپنی آنکھوں سے اس کے جادوگروں پر غالب آجانے کا مشاہدہ نہیں کیا؟ یہاں تک کہ جادوگروں نے اس کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیئے اور ہماری پرواہ تک نہ کی اور نہ ہی ہماری دھمکیوں کو خاطر میں لائے اور موسیٰ علیہ السلام کے خدا پر ایمان لا کر اپنا سر اس کے آگے جھکا دیا ذرا سچ بتاؤ کیا ایسے شخص کو جادوگر کہا جا سکتا ہے؟ خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو جلد بازی سے کام نہ لو اور اپنے اس کام کے انجام کو بھی اچھی طرح سوچ لو تا کہ بعد میں پشیمان نہ ہونا پڑے۔

ان سب سے قطع نظر یہ دو حال سے خالی نہیں اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ خود ہی اسکے دامن گیر ہوگا اور اگر سچا ہے تو کم از کم جس عذاب سے تمہیں ڈرایا گیا ہے وہ کچھ نہ کچھ تو تمہارے پاس پہنچ ہی جائے گا۔

پھر مزید کہا اللہ تعالی اسراف کرنے والوں اور جھوٹے کی ہدایت نہیں فرماتا۔

اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام تجاوز و اسراف و دروغ کو اختیار کرتے تو یقیناً اللہ تعالی کی ہدایت حاصل نہ کرتے اور اگر تم بھی ایسے ہی ہو گئے تو اس کی ہدایت سے محروم ہو جاؤ گے۔

(۲۹) مومن آل فرعون نے اس پر ہی اکتفاء نہیں کی بلکہ اپنی گفتگو کو جاری رکھا' دوستی اور خیر خواہی کے انداز میں ان سے یوں گویا ہوا: اے میری قوم: آج مصر کی طویل و عریض سر زمین پر تمہاری حکومت ہے اور تم ہر لحاظ سے غالب اور کامیاب ہو اس قدر بے انداز نعمتوں کا کفران نہ کرو اگر خدائی عذاب ہم تک پہنچ گیا تو پھر ہماری کون مدد کرے گا۔

ظاہراً اس کی یہ باتیں فرعون کے ساتھیوں کے لئے غیر موثر ثابت نہیں ہوئیں انہیں نرم بھی بنا دیا اور ان کے غصے کو بھی ٹھنڈا کر دیا۔

لیکن فرعون نے کہا: بات وہی ہے جو میں نے کہہ دی ہے جس چیز کا میں معتقد ہوں اسی کا تمہیں بھی حکم دیتا ہوں میں اس بات کا معتقد ہوں کہ ہر حالت میں موسیٰ کو قتل کر دینا چاہئے۔ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔

اور جان لو کہ میں تمہیں حق اور کامیابی کے رستے کے علاوہ اور کسی بات کی دعوت نہیں دیتا۔

پوری تاریخ میں تمام جابروں اور طاغوتوں کی یہی صورت حال رہی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی رائے ہی کو صائب اور برحق سمجھتے ہیں۔

(۳۰) وَ قَالَ الَّذِیۡۤ اٰمَنَ یٰقَوۡمِ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ مِّثۡلَ یَوۡمِ الۡاَحۡزَابِ ۙ	اس باایمان شخص نے کہا: اے میری قوم: مجھے تمہارے بارے میں گزشتہ اقوام کے (عذاب کے) دن کی طرح کا خوف ہے۔

(۳۱)مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ وَ مَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ	میں قوم نوح' عادؑ ثمود اور ان کے بعد والے لوگوں کی (شرک' کفر اور سرکشی جیسی) عادت سے ڈرتا ہوں۔ اور خدا بندوں پر ظلم نہیں چاہتا۔
(۳۲)وَ يٰقَوْمِ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۙ	اے میری قوم: مجھے تمہارے لئے اس دن سے خوف ہے جس دن لوگ ایک دوسرے کو بلائیں گے۔
(۳۳)يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ	جس دن تم منہ پھیر کر بھاگ رہے ہو گے لیکن خدا کے عذاب سے تمہیں کوئی چیز نہیں بچا سکے گی اور جسے خدا (اسکے اعمال کی وجہ سے) گمراہ کردے اسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔

تفسیر

میں تمہیں خبردار کرتا ہوں

اس دور میں مصر کے لوگ ایک حد تک متمدن اور پڑھے لکھے تھے۔ انہوں نے قوم نوح' عاد اور ثمود جیسی گزشتہ اقوام کے بارے میں مورخین کی باتیں بھی سن رکھی تھیں۔ اتفاق سے ان اقوام کے علاقوں کا اس علاقے سے زیادہ فاصلہ بھی نہیں تھا یہ لوگ ان کے دردناک انجام سے بھی کم وبیش واقفیت رکھتے تھے۔

لہٰذا مومن آل فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے قتل کے منصوبے کی مخالفت کی اس نے دیکھا کہ فرعون کو زبردست اصرار ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے قتل سے باز نہیں آئے گا اس مرد مومن نے پھر بھی ہمت نہ ہاری اور نہ ہی ہارنی چاہیے تھی۔ لہٰذا اب کے اس نے یہ تدبیر سوچی کہ اس سرکش قوم کو گزشتہ اقوام کی تاریخ اور انجام کی طرف متوجہ کرے کہ شاید اس طرح سے یہ لوگ بیدار ہوں اور اپنے فیصلے پر نظر ثانی کریں قرآن کے مطابق اس نے اپنی بات یوں شروع کی اس باایمان شخص نے کہا اے میری قوم مجھے تمہارے بارے میں گزشتہ اقوام کے عذاب کے دن کی طرح کا خوف ہے۔

پھر اس بات کی تشریح کرتے ہوئے کہا میں قوم نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد آنے والوں کی سی بُری عادت سے ڈرتا ہوں۔

آیا تمہارے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ تمہارے کردار وافعال ان سے مختلف ہیں؟ آخر ان لوگوں کا کیا قصور تھا کہ وہ اس طرح کے بھیانک مستقبل سے دوچار ہوئے کیا اس کے سوا کچھ اور تھا کہ انہوں نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی دعوت کے خلاف قیام کیا، ان کی تکذیب کی بلکہ انہیں قتل کر ڈالا۔

لیکن یادرکھو جو مصیبت بھی تم پر نازل ہوگی خود تمہارے کیئے کی سزا ہوگی کیونکہ خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔

پھر کہتا ہے اے میری قوم میں تمہارے لیے اس دن سے ڈرتا ہوں جس دن لوگ ایک دوسرے کو پکاریں گے۔

"التناد" کا معنی ایک دوسرے کو پکارنے کا دن ہے۔

اس دنیا میں بھی "یوم التناد" بہت ہیں جس دن خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے جس دن معاشرہ اپنے گناہوں اور غلطیوں کی وجہ سے چاروں طرف سے مشکلات میں پھنس جاتا ہے، جس دن بحران اور حوادث سب کو اپنے شکنجوں میں جکڑ لیتے ہیں تو لوگ ادھر ادھر بھاگ کر پناہ تلاش کرتے ہیں لیکن انہیں کہیں بھی پناہ نہیں ملتی اور ہر شخص چیخ و پکار کر رہا ہوتا ہے وہی دن "یوم التناد" ہوتا ہے

(۳۳) یہ آیت "یوم التناد" کی تفسیر بیان کر رہی ہے جس دن تم منہ پھیر کر بھاگ رہے ہو گے لیکن خدا کے عذاب سے تمہیں کوئی چیز نہیں بچا سکے گی۔

اور جسے خدا اس کے اعمال کی وجہ سے گمراہ کر دے اسے کوئی بھی ہدایت کرنے والا نہیں ہے۔

وہ لوگ اس دنیا میں راہ ہدایت سے گمراہ ہو جاتے ہیں جہل و ضلالت کے پردوں میں چلے جاتے ہیں لہٰذا آخرت میں بہشت اور خدا کی نعمتوں کے رستے بھول جاتے ہیں۔

(۳۴) وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۚۖ	اس سے پہلے یوسف تمہارے پاس روشن دلائل لے کر آئے لیکن تم نے اس کی لائی ہوئی چیزوں میں اسی طرح شک کیا یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے دھار گئے تم نے کہا کہ اس کے بعد خدا قطعاً کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا، خدا اسی طرح ہر اسراف کرنے والے اور شک کرنے والے کو گمراہ کرتا ہے۔
(۳۵) اِلَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ	جو لوگ خدا کی آیات کے بارے میں مجادلہ کرتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو، ان کا یہ کام خدا کے اور ان کے شدید غضب کا موجب ہے جو ایمان لائے ہیں۔ اسی طرح خدا ہر متکبر جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

تفسیر

جابر حکمران صحیح فہم سے محروم ہیں

ان آیات میں مومن آل فرعون کی گفتگو کا سلسلہ جاری ہے۔

گزشتہ، موجودہ اور آئندہ آیات پر اس کی سرسری نگاہ ڈالنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مومن آل فرعون نے فرعون اور اس

کے ساتھیوں کے سیاہ اور تاریک دل میں اثر کرنے اور ان سے تکبر اور کفر کا زنگ دور کرنے کے لئے اپنی گفتگو کو پانچ مرحلوں میں بیان کیا ہے۔

پہلے مرحلے میں اس نے ذو معنی اور احتیاط پر مبنی گفتگو کی اور کافر اور سرکش قوم کا احتمال نقصان سے بچنے کی دعوت دی۔

دوسرے مرحلے میں انہیں گزشتہ اقوام کے حالات اور انجام کے بارے میں غور اور مطالعے کی دعوت دی اور انہیں اس قسم کے انجام سے بچنے کی دعوت دی۔

تیسرے مرحلے میں موجودہ آیات میں ان کی کچھ اپنی تاریخ انہیں یاد دلائی جس کا ان سے زیادہ فاصلہ بھی نہیں گزرا تھا اور یہ تھا حضرت یوسف علیہ السلام کی بنوت کا مسئلہ جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جدامجد تھے کہتا ہے:

اس سے پہلے یوسف تمہاری ہدایت کے لئے واضح اور روشن دلائل لے کر آئے۔

لیکن تم نے اسی طرح ان کی دعوت میں بھی شک کیا۔

اس وجہ سے نہیں کہ ان کی دعوت میں کسی قسم کی پیچیدگی تھی یا ان کی آیات و دلائل ناکافی تھے بلکہ صرف اپنی انا پر قائم رہتے ہوئے تم نے ہٹ دھرمی سے کام لیا۔

پھر ہر قسم کی ذمہ داری اور فرائض کی انجام دہی سے جان چھڑانے، اپنی انا کو قائم رکھنے اور خواہشات نفسانی کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے جب یوسف علیہ السلام اس دنیا سے چلے گئے تو تم نے کہنا شروع کر دیا کہ ان کے بعد خدا ہرگز کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجے گا۔

تمہاری اس غلط روش کی وجہ سے ہدایت الٰہی تمہارے شامل حال نہ ہوسکی، جی ہاں اسی طرح خدا ہر اسراف کرنے والے اور شک کرنے اور وسوسہ ڈالنے والے کو گمراہ کرتا ہے۔

تم نے ایک طرف تو اسراف اور خدائی حدود سے تجاوز کرنے کا راستہ اختیار کیا اور دوسری طرف ہر چیز میں شک و شبہ اور وسواس سے کام لیا۔ تمہارے دونوں کام اس بات کا سبب بن گئے کہ خداوند عالم اپنے لطف و کرم کی نگاہ تم سے پھیر لے اور تمہیں ضلالت و گمراہی میں چھوڑ دے۔

(۳۵) یہ آیت "مسرف مرتاب" کی تشریح کرتے ہوئے کہتی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی ایسی دلیل کے جو اُن کے پاس آئی ہو خدا کی آیات میں مجادلہ کرتے ہیں۔

اپنی گفتگو میں کوئی عقلی اور نقلی واضح دلیل رکھے بغیر خدا کی آیات بینات کا مقابلہ کرتے ہیں اور اٹکل پچوؤں، بے بنیاد وسوسوں اور مختلف حیلے بہانوں سے اپنی مخالفت کو جاری رکھتے ہیں۔

یہ کتنی بری بات ہے کہ حق کے مقابلے میں اس قسم کے بے بنیاد جدال خدا کے اور ان لوگوں کے عظیم غضب کا سبب بنتے ہیں جو ایمان لا چکے ہیں۔

کیونکہ جدال باطل اور خدا کی آیات کے مقابلے میں بغیر کسی دلیل و منطق کے محاذ آرائی ایک تو مجادلہ کرنے والوں کی گمراہی

کا سبب بنتی ہے اور دوسرے عوام الناس کی بے راہروی اور ضلالت کی یہ روش معاشرے میں نور حق کو خاموش اور حکومت باطل کی بنیادوں کو مستحکم کرتی ہے۔ اور آخر میں ان کے حق کے آگے نہ جھکنے کی وجہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا خدا اسی طرح ہر متکبر جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

(۳٦)وَ قَالَ فِرۡعَوۡنُ یٰهَامٰنُ ابۡنِ لِیۡ صَرۡحًا لَّعَلِّیۡۤ اَبۡلُغُ الۡاَسۡبَابَ ۙ	اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت تیار کر کہ شاید میں ذرائع تک پہنچ سکوں۔
(۳۷)اَسۡبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤی اِلٰهِ مُوۡسٰی وَ اِنِّیۡ لَاَظُنُّهٗ کَاذِبًا ؕ وَ کَذٰلِکَ زُیِّنَ لِفِرۡعَوۡنَ سُوۡٓءُ عَمَلِهٖ وَ صُدَّ عَنِ السَّبِیۡلِ ؕ وَ مَا کَیۡدُ فِرۡعَوۡنَ اِلَّا فِیۡ تَبَابٍ ﴿۳۷﴾	آسمانوں (چڑھنے) کے ذرائع، تاکہ میں موسیٰ کے خدا سے باخبر ہوسکوں، ہر چند کہ میں گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔ اس طرح سے فرعون کے برے اعمال اس کی نظر میں مزین کر دیئے گئے اور وہ راہ حق سے روک دیا گیا اور فرعون (اور فرعون جیسوں) کی سازش کا انجام تباہی کے سوا اور کچھ نہیں۔

تفسیر

فرعون کا خدا سے مقابلہ کا اہتمام کرنا

اگرچہ مومن آل فرعون کی باتوں نے فرعون کے دل پر اس قدر اثر کیا کہ وہ موسیٰ کے قتل سے تو باز آ گیا لیکن پھر بھی غرور کی چوٹی سے نیچے نہ اترا

فرعون نے کہا: اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت تیار کرو تاکہ میں اسباب وذرائع تک پہنچ سکوں۔

ایسے اسباب وذرائع جو مجھے آسمانوں تک لے جائیں تاکہ میں موسیٰ کے خدا سے باخبر ہوسکوں ہر چند کہ میں گمان کرتا ہوں کہ وہ جھوٹا ہے۔

جی ہاں اس قسم کے برے اعمال فرعون کی نظر میں مزین کر دیے گئے تھے اور انہوں نے اسے راہ حق سے روک دیا تھا۔

لیکن فرعون کی سازش اور چالوں کا انجام نقصان اور تباہی کے سوا کچھ نہیں۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے ان چند مقاصد کے پیش نظر ایسا اقدام کیا:

1......وہ چاہتا تھا کہ لوگوں کی فکر کو مصروف رکھے۔ موسیٰ کی نبوت اور بنی اسرائیل کے قیام کے مسئلے سے ان کی توجہ ہٹانے کے لئے اس نے یہ منصوبہ تیار کیا۔

2......وہ چاہتا تھا کہ اس طرح سے زحمت کش اور مزدور طبقے کی جزوی مادی اور اقتصادی امداد کرے اور عارضی طور پر ہی

سبھی بیکار لوگوں کے لئے کام مہیا کرے تا کہ تھوڑا سا اس کے مظالم کو فراموش کردیں اور اس کے خزانے کی لوگوں کو زیادہ سے زیادہ احتیاج محسوس ہو۔

3...... پروگرام یہ تھا کہ جب عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے، تو اس پر چڑھ کر آسمان کی طرف نگاہ کرے اور شاید چلہ کمان میں رکھ کر تیر چلاتے اور پھر واپس لوٹ آتے تو لوگوں کو احمق بنانے کے لئے کہے کہ موسیٰ کا خدا جو کچھ بھی تھا آج اس کا خاتمہ ہو گیا ہے اب ہر شخص بالکل مطمئن ہو کر اپنے اپنے کام میں مصروف ہو جائے۔

(۳۸)وَ قَالَ الَّذِیۡۤ اٰمَنَ یٰقَوۡمِ اتَّبِعُوۡنِ اَهۡدِكُمۡ سَبِیۡلَ الرَّشَادِ ۚ	(قوم فرعون سے) جو شخص ایمان لا چکا تھا، اس نے کہا اے میری قوم تم میری پیروی کرو تا کہ میں تمہیں صحیح راستے کی ہدایت کروں
(۳۹)یٰقَوۡمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الۡحَیٰوةُ الدُّنۡیَا مَتَاعٌ ۫ وَّ اِنَّ الۡاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الۡقَرَارِ	اے میری قوم یہ دنیاوی زندگی تو بس جلد ختم ہونے والی متاع ہے اور آخرت ہی دائمی آرام کا گھر ہے۔
(۴۰)مَنۡ عَمِلَ سَیِّئَةً فَلَا یُجۡزٰۤی اِلَّا مِثۡلَهَا ۚ وَ مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی وَ هُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ یُرۡزَقُوۡنَ فِیۡهَا بِغَیۡرِ حِسَابٍ	جو شخص برے کام انجام دے گا اس جیسی سزا کے علاوہ اسے کچھ نہیں ملے گا اور جو شخص نیک عمل بجالائے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت جب کہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور انہیں بے حساب رزق ملے گا۔

تفسیر

تم میری پیروی کرو

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ مومن آل فرعون نے اپنی گفتگو کو چند مرحلوں میں بیان کیا ہے اور یہ آیات اس کی گفتگو کو چوتھا مرحلہ ہے جس میں اس نے اپنے موضوع کو ایک اور طریقے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور وہ ہے انہیں دنیاوی زندگی کی ناپائیداری اور حشر ونشر کے مسئلے کی طرف متوجہ کرنا اور ان کی طرف توجہ کسی قسم کے شک وشبہ کے بغیر انسانوں کی تربیت میں گہرا اثر رکھتی ہے قرآن کہتا ہے جو شخص ایمان لا چکا تھا اس نے پکار کر کہا اے میری قوم میری پیروی کرو تا کہ میں تمہیں راہ حق کی راہنمائی کروں۔

(۳۹) پھر اس نے کہا اے میری قوم اس دنیا سے دل نہ لگاؤ کیونکہ یہ چند روزہ زندگی جلد ختم ہو جانے والی متاع ہے اور آخرت ہی تمہارے آرام کا ابدی ٹھکانا ہے۔

ممکن ہے کہ ہم لوگ فریب کے ذریعے کامیاب ہو بھی جائیں حق کو پس پشت بھی ڈال دیں، ہزاروں ظلم کا ارتکاب کربھی ڈالیں بے گناہوں کے خون سے اپنے دامن کو آلودہ بھی کرلیں لیکن آخر کتنے دنوں تک؟ اس دنیا میں ہماری زندگی ہے کتنی؟

(۴۰) پھر اس دنیا کے فانی اور آخرت کے باقی ہونے کی ہی بات نہیں اس سے بھی اہم مسئلہ حساب وکتاب اور سزا و جزا کا ہے جو شخص برے کام انجام دے گا اس کے مطابق اسے سزا دی جائے گی اور جو نیک اعمال بجالائے گا خواہ ہو مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو وہ بہشت میں داخل ہوگا اور اسے بے حدوحساب رزق وروزی دی جائے گی۔

بغیر حساب وہ اپنی اس جچی تلی گفتگو میں ایک طرف تو خداوند عالم کے عدل وانصاف کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ وہ مجرموں کو صرف ان کے جرم کے مطابق سزا دے گا۔

دوسری طرف اس کے بے انتہاء فضل کی طرف اشارہ کررہا ہے کہ مومنین کو ان کے ایک نیک عمل کے بدلے میں بے حد وحساب جزاعطا فرمائے گا،

ساتھ ہی وہ اپنی گفتگو میں ایمان اور عمل صالح کے لازم ملزوم ہونے کی یاددہانی کروارہا ہے۔

اور یہ بھی بتارہا ہے کہ انسانی اقدار کے لحاظ سے اللہ کی بارگاہ میں مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

بہرحال وہ اپنی اس مختصر سی گفتگو کے ذریعے یہ حقیقت بیان کررہا ہے کہ اگرچہ اس دنیا کی متاع ناچیز اور ناپائیدار ہے لیکن اس میں اس قدر صلاحیت ضرور پائی جاتی ہے کہ وہ بے حدوحساب جزا تک پہنچنے کا وسیلہ بن سکتی ہے اور اس معاملے سے زیادہ منافع بخش اور کیا معاملہ ہوسکتا ہے۔

(۴۱)وَ يٰقَوۡمِ مَا لِيۡۤ اَدۡعُوۡكُمۡ اِلَى النَّجٰوةِ وَ تَدۡعُوۡنَنِيۡۤ اِلَى النَّارِ ؕ	اے میری قوم کیا وجہ ہے کہ تمہیں نجات کی طرف دعوت دیتا ہوں لیکن تم مجھے آگ کے طرف بلاتے ہو؟
(۴۲)تَدۡعُوۡنَنِيۡ لِاَكۡفُرَ بِاللّٰهِ وَ اُشۡرِكَ بِهٖ مَا لَيۡسَ لِيۡ بِهٖ عِلۡمٌ ۫ وَّ اَنَا اَدۡعُوۡكُمۡ اِلَى الۡعَزِيۡزِ الۡغَفَّارِ	تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں خدا واحد کا منکر ہوجاؤں اور جس کا مجھے علم نہیں اس کا شریک ٹھہراؤں۔ حالانکہ میں تو تمہیں خداوند عزیز وغفار کی طرف بلاتا ہوں۔
(۴۳)لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدۡعُوۡنَنِيۡۤ اِلَيۡهِ لَيۡسَ لَهٗ دَعۡوَةٌ فِي الدُّنۡيَا وَ لَا فِي الۡاٰخِرَةِ وَ اَنَّ مَرَدَّنَاۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَنَّ الۡمُسۡرِفِيۡنَ هُمۡ اَصۡحٰبُ النَّارِ	جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اس کی دنیا وآخرت میں قطعاً کوئی دعوت (اور حکومت) نہیں اور قیامت کے دن ہم انکی بازگشت صرف اور صرف خدا کی طرف ہوگی اور مسرف لوگ تو ہیں ہی جہنمی۔

(۴۴)فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ؕ وَ اُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ	جو میں کہہ رہا ہوں بہت جلد تم اسے سمجھ لوگے میں اپنا سارا کام خدا کے سپرد کرتا ہوں وہ اپنے بندوں کے بارے میں اچھی طرح سمجھتا ہے۔
(۴۵)فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَ حَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ۚ	خدا نے اسے ان لوگوں کی بری چالوں سے بچالیا اور آل فرعون پر سخت عذاب نازل ہوا۔
(۴۶)اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا ۚ وَ یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ	ان کا عذاب، آگ ہے کہ ہر صبح شام جس کے پاس وہ پیش کئے جاتے ہیں اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو حکم ملے گا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں بھیج دو۔

تفسیر

آخری بات

پانچویں اور آخری مرحلے پر مؤمن آل فرعون نے تمام حجاب الٹ دیئے اور اس سے زیادہ اپنے ایمان کو نہ چھپا سکا۔ وہ جو کچھ کہنا چاہتا تھا کہہ چکا اور فرعون والوں نے بھی..........جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا..........اس کے بارے میں بڑا خطرناک فیصلہ کیا۔

قرآئن بتاتے ہیں اس خودغرض، مغرور اور ضدی مزاج قوم نے اس بہادر اور باایمان شخص کی باتوں کو سن کر خاموشی اختیار نہیں کر لی بلکہ اس کے برعکس شرک کے فوائد بیان کئے اور اسے بت پرستی کی دعوت دی۔

اسی لیے تو اس نے پکار کر کہا: اے قوم! آخر کیا وجہ ہے کہ میں تو تمہیں نجات کی طرف دعوت دوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاؤ۔

میں تمہاری سعادت کا طالب ہوں اور تم میرے بدبختی کے خواہاں میں تمہیں شاہراہ ہدایت پر لانا چاہتا ہوں اور تم مجھے صحیح راہ سے بھی ہٹانا چاہتے ہو۔

(۴۲) تو کیا تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ خدائے واحد کا کافر ہو جاؤں اور اس کے لئے وہ شریک قرار دوں جس کا مجھے علم تک نہیں حالانکہ میں تمہیں خداوند عزیز وغفار کی طرف دعوت دیتا ہوں۔

''عزیز'' اور ''غفار'' کی تعبیر جہاں ایک طرف خوف وامید کے عظیم مبداء کی طرف اشارہ ہے وہاں دوسری طرف بتوں اور فرعونوں کی الوہیت کی نفی کی طرف بھی اشارہ ہے جن میں نہ تو عزت کی بو پائی جاتی ہے اور نہ ہی عفو و درگزشت کی۔

(۴۳) مزید کہتا ہے اور جن چیزوں کی طرف تم مجھے بلاتے ہو ان کی یقیناً نہ تو دنیا میں کوئی دعوت ہے اور نہ ہی آخرت میں ان بتوں نے نہ تو کبھی دنیا میں لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے ہیں تاکہ وہ لوگوں کو ان کی طرف بلائیں اور نہ ہی آخرت میں کسی چیز پر ان کی حکومت ہوگی۔

ان کے رسول ہیں اور نہ ان کے پاس عدالت کا کوئی محکمہ ہے۔ المختصر نہ تو کسی کی مشکل کو دور کر سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو مشکل میں ڈال سکتے ہیں۔

اسی لئے تمہیں اچھی طرح سے جان لینا چاہیے کہ بروز قیامت ہماری بازگشت صرف اور صرف خدا ہی کی طرف ہوگی۔

اسی نے تو انسانوں کی ہدایت کے لئے اپنے رسول بھیجے ہیں اور وہی ہے جو انسانوں کو ان کے اعمال کی وجہ سے جزا اور سزا دے گا۔

اور یہ بات بھی تمہیں جان لینی چاہیے کہ اسراف کرنے والے اور حد سے بڑھ جانے والے جہنمی ہیں۔

(۴۴) اپنی آخری گفتگو میں بڑی معنی خیز دھمکی کے ساتھ کہا جلد تمہیں اس چیز کا پتہ چل جائے گا جس کے متعلق میں آج کہہ رہا ہوں جب غیظ و غضب الٰہی کی آگ تمہیں اس جہان اور اس جہان میں آ لے گی پھر تم میری باتوں کی تصدیق کروگے۔

لیکن افسوس کہ اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ اگر یہ عذاب آخرت میں ہو تو اس وقت واپسی کے تمام دروازے بند ہو چکے ہوں گے اور اگر دنیا میں وہ تو توبہ کے تمام دروازے بند ہو چکے ہوں گے۔

پھر اس نے کہا اور میں اپنے تمام کام خداوند یکتا کے سپرد کرتا ہوں جو اپنے بندوں کے حالات سے اچھی طرح آگاہ ہے۔

اسی لئے نہ تو میں تمہاری دھمکیوں سے ڈرتا ہوں نہ مجھے تمہاری کثرت اور طاقت کا خوف ہے اور نہ ہی میری تنہائی مجھے وحشت میں ڈال سکتی ہے۔

(۴۵) خداوند عالم نے بھی اپنے اس مومن اور مجاہد بندے کو تنہا نہیں چھوڑا جیسا کہ بعد کی آیت میں ہے خدا نے بھی اسے ان کی ناپاک چالوں اور سازشوں سے بچا لیا۔

اس نے آل فرعون پر سخت عذاب نازل کیا۔

(۴۶) اور فرمایا گیا ہے ان کے لئے دردناک عذاب وہی آگ ہے جس پر وہ ہر صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں۔

اور جس دن قیامت برپا ہوگی تو حکم دیا جائے گا کہ آل فرعون کو سخت ترین عذاب میں داخل کر دو۔

(۴۷) وَ اِذۡ یَتَحَآجُّوۡنَ فِی النَّارِ فَیَقُوۡلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡۤا اِنَّا کُنَّا لَکُمۡ تَبَعًا فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّغۡنُوۡنَ عَنَّا نَصِیۡبًا مِّنَ النَّارِ	اس وقت کا سوچیں جب لوگ دوزخ کی آگ میں ایک دوسرے کے خلاف احتجاج کریں گے ضعفاء مستکبرین سے کہیں گے: ہم تمہارے پیروکار تھے تو کیا (آج) تم ہماری آگ کا کچھ حصہ اپنے لئے قبول کروگے؟

(۴۸)قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ	مستکبرین کہیں گے: ہم تو خود سب اسی میں ہیں خدا نے اپنے بندوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا ہے۔
(۴۹)وَ قَالَ الَّذِيْنَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ	اور جو لوگ آگ میں ہیں وہ خازنین جہنم سے کہیں گے کہ تم اپنے خدا سے دعا کرو کہ ایک دن کے لئے ہم سے عذاب اٹھالے تو وہ کہیں گے آیا تمہارے پیغمبر تمہارے پاس واضح دلائل لے کر نہیں آئے تھے؟
(۵۰)قَالُوْٓا اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِيْكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰى ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَ مَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۧ	تو وہ جواب میں کہیں گے آئے تھے تو پھر وہ کہیں گے پس جو چاہو دعا کرتے رہو لیکن کافروں کی دعا کی گمراہی میں بھٹکنے کے سوا کوئی منزل نہیں۔

تفسیر

دوزخ میں ضعفاء اور مستکبرین کا باہمی احتجاج

چونکہ مومن آل فرعون نے فرعون والوں کی توجہ قیامت اور دوزخ کے عذاب کی طرف مبذول کروائی تھی لہٰذا زیرِنظر آیات اسی سلسلے میں رشتہ سخن کو آگے بڑھاتی ہیں اور دوزخ کی آگ کے درمیان میں جہنمیوں کی غصے بھری باتوں کا ذکر کرتی ہیں۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے اس وقت کا سوچیں جب لوگ آتش جہنم میں ایک دوسرے کے خلاف احتجاج اور گفتگو کریں گے، ضعفاء متکبرین سے کہیں گے ہم تمہارے پیروکار تھے تو کیا آج تم ہماری آگ کا کچھ حصہ اپنے لئے قبول کرو گے۔

''ضعفاء'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے پاس نہ تو کافی حد تک علم تھا اور نہ وہ حریت فکر کے مالک تھے بلکہ اندھا دھند کفر کے سرغنوں کی پیروی کیا کرتے تھے جنہیں قرآن نے متکبرین کے عنوان سے یاد کیا ہے۔

جب ان کی تمام امیدیں ہر جگہ سے منقطع ہو جائیں گی تو وہ خازنین جہنم کی طرف اپنا دامن پھیلائیں گے اور قرآن کے الفاظ میں وہ خازنین جہنم سے کہیں گے کہ تم اپنے خدا سے دعا کرو کہ ایک دن کے لئے ہم سے عذاب اٹھالے

وہ جانتے ہوں گے کہ عذاب الٰہی برطرف ہونے والی چیز نہیں ان کی یہی درخواست ہوگی کہ صرف ایک دن کے لئے ان سے عذاب اٹھا لیا جائے ان کے لئے ایک ہی دن کی رعایت ہو جائے تو کافی ہے کہ اس دن اطمینان کا سانس لے لیں اور تھوڑی دیر کے لئے تازہ دم ہو جائیں۔

(۵۰) لیکن جہنم کے داروغے کہیں گے آیا تمہارے پیغمبر تمہارے پاس روشن دلیلیں لے کر نہیں آئے تھے آیا تمہارے لئے کافی اتمام حجت نہیں ہوئی۔

تو وہ جواب میں کہیں گے جی ہاں آتے تھے۔

تو پھر جہنم کے داروغے کہیں گے اب جو چاہو دعا مانگتے رہو لیکن یاد رکھو کہ کافروں کی دعا کسی مقصد تک نہیں پہنچ پائے گی بلکہ رستے میں ضائع اور ناپید ہو جائے گی۔

تم خود اس بات کا اعتراف کر رہے ہو کہ اللہ کے رسول تمہارے پاس روشن دلائل لے کر آئے تھے لیکن تم نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کی اور کافر ہو گئے لہٰذا جو بھی دعا کرو گے بے سود ہو گی۔

(۵۱) اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فِی الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا وَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡاَشۡہَادُ ۙ	یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو ایمان لائے، دنیاوی زندگی میں بھی اور جس دن گواہان اٹھ کھڑے ہوں گے۔
(۵۲) یَوۡمَ لَا یَنۡفَعُ الظّٰلِمِیۡنَ مَعۡذِرَتُہُمۡ وَ لَہُمُ اللَّعۡنَۃُ وَ لَہُمۡ سُوۡٓءُ الدَّارِ	جس دن ظالموں کی عذر خواہی انہیں کوئی فائدہ نہیں بخشے گی اور ان کے لئے خدا کی لعنت اور انہی کے لئے برا گھر اور ٹھکانا ہے۔
(۵۳) وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡہُدٰی وَ اَوۡرَثۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡکِتٰبَ ۙ	ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا فرمائی اور بنی اسرائیل کو کتاب تورات کا وارث قرار دیا۔
(۵۴) ہُدًی وَّ ذِکۡرٰی لِاُولِی الۡاَلۡبَابِ	ایسی کتاب جو صاحبان عقل کے لئے ہدایت اور یاد آوری کا سبب تھی۔
(۵۵) فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ وَ سَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ بِالۡعَشِیِّ وَ الۡاِبۡکَارِ	صبر اور شکیبائی اختیار کرو کیونکہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہوں پر استغفار کرو اور اپنے پروردگار کی حمد اور تسبیح صبح شام بجالاؤ۔

تفسیر

مومنین کا مددگار کون؟

چونکہ گزشتہ آیات میں جہنمیوں کے باہمی احتجاج اور گفتگو کا تذکرہ تھا کہ وہ وہاں پر نہ تو ایک دوسرے کی مدد کر سکیں گے اور نہ ہی کوئی دوسرا ان کی مدد کو آئے گا۔ پھر ان سے قبل کی آیات میں مومن آل فرعون جیسے مرد مجاہد اور بطل حریت کی داستان اور اسے خدا کی

حمایت حاصل ہونے کا ذکر تھا،لہٰذا زیرِتفسیر آیات میں ایک قاعدہ کلیہ کے تحت دنیاوآخرت میں انبیاء اور مومنین کی نصرت کا بیان ہے۔

ارشادفرمایا گیا ہے یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اوران لوگوں کی دنیاوی زندگی میں بھی اور جس دن تمام گواہ اٹھ کھڑے ہوں گے اس دن بھی مدد کریں گے۔

ایسی بے دریغ حمایت جس کی مختلف طرح سے تاکید کی گئی ہے ایسی حمایت جوغیر مشروط ہوگی اسی لئے تو اس کے پیچھے پیچھے مختلف کامیابیاں بھی ہیں یعنی دلائل وگفتگو میں کامیابی،جنگوں میں کامیابی،مخالفین پر عذاب بھیج کر انہیں نیست ونابود کر دینے کی صورت میں کامیابی اورغیبی امداد بھیج کر دل کوتقویت پہنچانے اورروح کوطاقتور بنانے کی صورت میں کامیابی۔

"اشھاد" سے مرادفرشتے،انبیاءاورمومنین کے اعمال کے گواہ ہیں۔

(۵۲)لیکن اس دن رسوائی اور بدبختی کافروں اور ظالموں کا حصہ ہوگی جیسا کہ بعد کی آیت میں فرمایا گیا ہے جس دن کہ ظالموں کوعذرخواہی کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی بلکہ خدا کی لعنت ان کے لئے مخصوص ہوگی اور بُرا گھر اور ٹھکانا بھی انہی کے لئے ہوگا۔

(۵۳)پھرقرآن مجید انبیاء کی امداد اور حمایت الٰہی کے زیرسایہ ان کی دشمنوں پر کامیابی کا ایک نمونہ پیش کرتے ہوئے کہتا ہے ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا کی اور بنی اسرائیل کوآسمانی کتاب تورات کا وارث بنایا۔

جو ہدایت خداوندعالم نے جناب موسیٰ کوعطا فرمائی اس کے وسیع معانی ہیں جس میں مقام نبوت اور وحی بھی شامل ہے اور تورات جیسی آسمانی کتاب بھی نیز وہ ہدایت بھی اس میں شامل ہے جوانجام فرائض کے لئے انہیں عطا ہوئی اور وہ معجزات بھی جوان کے اختیار میں تھے۔

یہ آسمانی کتاب صاحبان عقل کے لئے ہدایت کا سبب تھی۔

"ھدایت"اور"ذکریٰ" کا فرق یہ ہے کہ "ھدایت"کام کے اوائل میں ہوتی ہے اور "تذکر"ان مسائل کے سلسلے میں یادآوری کے طور پر استعمال ہوتا ہے جنہیں پہلے انسان نے سن رکھا ہو اوراس پر ایمان بھی لے آیا ہو لیکن اس وقت انہیں فراموش کر چکا ہو دوسرے لفظوں میں آسمانی کتابیں ہدایت کی آغاز کنندہ بھی ہیں اوراسے جاری رکھنے والی بھی۔

لیکن ہدایت کے دونوں مراحل میں خواہ وہ اوائل کار میں ہو خواہ پہلے سے جاری ہو فائدہ صرف "اولو الالباب" یعنی صاحبان فکروعقل ہی اٹھا سکتے ہیں نہ کہ عقل وخرد سے عاری ہٹ دھرم متعصب اورآنکھوں اورکانوں سے کام نہ لینے والے۔

اسی سلسلے کی آخری آیت میں تین اہم احکام پیغمبر اسلام ﷺ کے نام جاری فرمائے گئے ہیں جو درحقیقت عمومی اور ہر ایک کے لئے ہیں اگرچہ ان کے لئے خطاب صرف آنحضرت ﷺ کی ذات کو کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے صبر اختیار کر کیونکہ خدا کا وعدہ بالکل سچا ہے۔

دشمنوں کے عناد وہٹ دھرمی کے مقابلے میں صبر کر۔

کچھ نادان دوستوں کی نادانی سستی سہل انگاری اور دل آزاری کے مقابلے میں صبر کر۔

خواہشات نفسانی اور سرکش ہوس اور غیظ وغضب کے موقع پر صبر۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدر اسلام کے مومنین کو جو کامیابیاں بھی نصیب ہوئی ہیں وہ اسی صبر واستقامت کا نتیجہ تھیں، آج بھی کثیر تعداد میں دشمنوں اور لاتعداد مشکلات میں کامیابی اس کے بغیر ناممکن ہے۔

دوسرے حکم میں فرمایا گیا ہے اور اپنے گناہوں پر استغفار کر۔

یہ یقینی بات ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہونے کی بناء پر کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے لیکن جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ قرآن مجید میں اس قسم کی تعبیریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کے بارے میں ان کے لیے بیان ہوئی ہیں جو کسی نسبت کی وجہ سے ہیں۔

ایک لحظہ کی غفلت بلکہ ایک اولیٰ چیز کا ترک بھی ان کے لیے مناسب نہیں ہوتا اور ان کے عالی مرتبے اور بلند معرفت کی وجہ سے انہیں ایسی باتوں سے منزہ ومبرا ہونا چاہئے اور اگر کبھی ان سے سرزد ہو جائیں تو وہ ان پر استغفار کرتے ہیں۔

اس سلسلے کے آخری حکم میں فرمایا گیا ہے اپنے رب کی تسبیح اور حمد پر عصر اور صبح بجالایئے۔

(۵۶)اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ	جو لوگ آیات خدا کے بارے میں ایسی دلیل کے بغیر جو ان کے پاس آئی ہو جھگڑا کرتے ہیں ان کے دلوں میں تو صرف تکبر (اور غرور) ہے اور وہ ہرگز اپنے مقصد تک نہیں پہنچیں گے۔ لہٰذا اپنے خدا کی پناہ مانگ کیونکہ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔
(۵۷)لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ	آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسانوں کی تخلیق سے زیادہ اہم ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
(۵۸)وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ لَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ	نابینا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہیں اسی طرح وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل صالح بجالائے بدعملوں کے برابر نہیں ہیں لیکن تم بہت کم متوجہ ہوتے ہو۔

(۵۹)اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيۡبَ فِيۡهَا وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ	روز قیامت یقیناً آ کر رہے گا، اس میں تو کچھ بھی شک نہیں ہے مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

تفسیر

اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہیں

گزشتہ آیات میں خداوند عالم اپنے پیغمبر کو مخالفین کی ناہنجار باتوں اور ان کے ناپاک منصوبوں کے مقابلے میں صبر و شکیبائی کی دعوت دے رہا تھا۔ زیر نظر آیات میں کفار و مشرکین کے حق کے مقابلے میں جھگڑے اور ستیزہ جوئی کے اسباب پر روشنی ڈال رہا ہے۔

سب سے پہلی آیت میں کہتا ہے جو لوگ خدا کی آیات کے بارے میں ایسی دلیل و منطق کے بغیر جھگڑا کرتے ہیں جو ان کے پاس خدا کی طرف سے آئی ہو۔ ان کے سینوں میں تکبر کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اس طرح سے یہ آیت اس حقیقت پر زندہ گواہ ہے کہ مجادلہ کا اصل منبع اور مرکز تکبر، غرور اور خود پسندی ہے۔

پھر فرمایا گیا ہے وہ کبھی اپنے مقصود کو نہیں پاسکیں گے۔

ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خود کو ہی سب کچھ سمجھیں، دوسروں پر اپنی بڑائی جتائیں اور شیخی بگھاریں اور لوگوں پر حکومت کریں لیکن ذلت و رسوائی اور محکوم ہونے کے علاوہ انہیں اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکے گا۔

آیت کے آخر میں خدا اپنے رسول کو حکم دے رہا ہے کہ ایسے مغرور، خود خواہ اور بے منطق لوگوں کے شر سے خدا کی پناہ طلب کریں۔ فرمایا گیا ہے اب جبکہ صورت حال یہ ہے تو خدا کی پناہ مانگ کیونکہ وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

وہ ان کی بے بنیاد باتوں کو بھی سنتا ہے اور ان کی سازشوں، چالوں اور برے اعمال کو بھی دیکھتا ہے۔

(۵۷) پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ کفار کا مجادلہ اور انسان کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے بارے میں بھی تھا لہٰذا بعد کی آیت میں نہایت ہی واضح طور پر معاد کے اس مسئلے کو بیان کیا جارہا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی تخلیق انسانوں کی خلقت سے زیادہ اہم اور بالاتر ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

جو ذات ان عظیم کروں اور وسیع کہکشانوں کو اس عظمت کے ساتھ پیدا کرنے میں اور پھر انہیں صحیح نظام کے تحت چلانے کی قدرت رکھتی ہے وہ مردوں کے دوبارہ زندہ کرنے سے کیونکر عاجز اور ناتواں ہوسکتی ہے۔

بہر حال اس آیت میں باطل مجادلہ کا ایک اور عامل پیش کیا گیا ہے جو جہالت ہے جبکہ اس سے پہلی آیات میں تکبر کی بات ہو

رہی تھی، چونکہ ان باتوں کا آپس میں قریبی رابطہ ہے لہٰذا انہیں یکے بعد دیگرے بیان کیا گیا ہے کیونکہ کبر وغرور کا سرچشمہ جہالت اور خود سے اور اپنے علم سے عدم آگاہی ہے۔

(۵۸) اس آیت میں ایک واضح تقابل کے ذریعے ان جاہل متکبرین کی کیفیت اور صاحبان علم مومنین کی کیفیت کو جدا کر کے بیان کیا گیا ہے فرمایا گیا ہے اندھا اور آنکھوں والا ہرگز برابر نہیں ہوتے۔

اسی طرح جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے عمل صالح انجام دیئے وہ بدکاروں کے برابر نہیں ہیں۔

لیکن تم اپنی خودخواہی، تکبر اور جہالت کی بناء پر بہت کم توجہ کرتے ہو۔

اندھوں سے مراد وہ بے خبر اور ناآگاہ لوگ ہیں جن کی آنکھوں پر کبر وغرور کے پردے پڑے ہوئے ہیں اور وہ انہیں فہم حقائق کی اجازت نہیں دیتے اور آنکھ والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو نور علم اور منطقی استدلال کے پرتو ہیں، حق کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ تو کیا یہ دونوں فریق آپس میں برابر ہیں؟

(۵۹) اسی سلسلے کی آخری آیت میں دوٹوک انداز میں بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ قیام قیامت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے ساعت (قیامت) یقیناً آکر رہے گی اس میں تو شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

(۶۰) وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ۧ	تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو تاکہ میں تمہاری دعا کو قبول کروں جو لوگ میری عبادت سے متکبرانہ سرتابی کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں جائیں گے۔
(۶۱) اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ	خدا تو وہ ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی ہے تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن کی روشنی عطا کرنے والا قرار دیا۔ خدا لوگوں کے بارے میں صاحب فضل وکرم ہے ہر چند کہ اکثر لوگ شکرگزار نہیں
(۶۲) ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ	یہ ہے تمہارا پروردگار اللہ جو سب چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں تو اس صورت میں تم راہ حق سے کیونکر منحرف ہوتے ہو۔

(۶۳) کَذٰلِکَ یُؤْفَکُ الَّذِیْنَ کَانُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ یَجْحَدُوْنَ	جولوگ آیات خدا کا انکار کیا کرتے ہیں اسی طرح راہ حق سے منحرف ہوجاتے ہیں۔

تفسیر

مجھے پکارو

گزشتہ آیات میں بے ایمان، متکبر اور مغرور لوگوں کے بارے میں کچھ تہدید کا ذکر تھا ان آیات میں پروردگار اپنے لطف و کرم کے ساتھ توبہ کرنے والوں کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول رہا ہے۔ پہلے فرمایا گیا ہے تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ مجھے پکارو تا کہ میں تمہاری دعا کو قبول کروں۔

''دعا'' بذات خود ایک قسم کی عبادت ہے کیونکہ آیت میں اس کے لیے یہ لفظ آیا ہے۔ اسی آیت میں ان لوگوں کو سخت متنبہ کیا گیا ہے جو دعا نہیں کرتے فرمایا گیا ہے جو لوگ میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ بہت جلد ذلت وخواری کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک روایت میں ہے۔

''خدا کے نزدیک کچھ مقامات ایسے ہیں جن تک دعا اور درخواست کے بغیر رسائی ناممکن ہے اگر کوئی بندہ دعا کرنے سے اپنا منہ بند کرے اور اس سے کسی چیز کی درخواست نہ کرے تو اسے کچھ نہیں ملے گا۔ لہٰذا خدا سے مانگو تا کہ تمہیں ملے کیونکہ جو دروازہ بھی اصرار کے ساتھ کھٹکھٹایا جائے آخر کار کھول دیا جاتا ہے''۔

(۶۱) چونکہ دعا اور خدا سے درخواست اس کی معرفت کی ایک شاخ ہے لہٰذا اس آیت میں ان حقائق کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے جو انسان کی سطح معرفت کو بالا کردیتے ہیں اور اجابت دعا کی شرائط میں سے ایک شرط کو بیان کیا جارہا ہے جس سے قبولیت دعا کی امید کو تقویت ملتی ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے:

خدا تو وہ ہے جس نے رات تمہارے لیے پیدا کی تا کہ تم اس میں آرام کرو۔

کیونکہ ایک تو رات کی تاریکی اس بات کا موجب بنتی ہے کہ انسان کو مجبوراً اپنے دن کے کاموں کو بند کرنا پڑتا ہے دوسرے خود یہی تاریکی بدن، روح اور اعصاب کے آرام کا سبب بنتی ہے جبکہ روشنی تحرک اور فعالیت کا ذریعہ ہے۔

اسی لیے فوراً اسی آیت میں فرمایا گیا ہے اور دن کو روشنی عطا کرنے والا بنایا ہے۔

تا کہ انسان کے حیاتیاتی ماحول کو روشن کرکے اسے سرگرمی کے لیے آمادہ کرے۔

پھر اضافہ کیا گیا ہے خدا لوگوں کے بارے میں صاحب فضل وکرم ہے ہر چند کہ اکثر لوگ شکر گزاری نہیں کرتے۔

لیکن اگر انسان کی بینا آنکھیں اور دانا قلب ہوں جو خداوند عالم کے ہر جگہ بچھے خوان نعمت کو اور اس کی بے حساب باران

رحمت کو ملاحظہ کریں جو ہر جگہ پہنچ چکی ہے تو زبان سے بیساختہ خدا کی حمد وشکر بجالائے اور اپنے آپ کو خدا کی عظمت ورحمت کے سامنے حقیر وپست اور اس کی رحمت کا مرہون سمجھے۔

(۶۲) یہ آیت پروردگار کی توحید ربوبیت سے شروع ہوکر اس کی توحید خالقیت وربوبیت پر ختم ہوجاتی ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے جس نے تمہیں یہ تمام نعمتیں عنایت فرمائی ہیں وہی خدا ہے جو تمہارا مالک اور مربی ہے۔

وہی خدا ہے جو ہر چیز کا خالق ہے۔

اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

درحقیقت خدا کی بے انتہا نعمتیں اس کے رب اور مدبر ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور ہر چیز کا خالق ہونا اس کی ربوبیت میں وحدانیت کی ایک اور دلیل ہے۔ ہر ہر لمحے اس کی ذات کا فیض کائنات کی ہر ایک چیز تک پہنچ رہا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے تو ایسی صورت میں تم کس طرح راہ حق سے منحرف ہوسکتے ہو۔

اور کیوں خداوند وحدہ لاشریک کو چھوڑ کر بتوں کی عبادت بجالاتے ہو؟

(۶۳) زیر تفسیر آیات کے سلسلہ کی آخری آیت گزشتہ مطالب کی وضاحت اور تاکید کی صورت میں ہے ارشاد ہوتا ہے جو لوگ خدا کی آیات کا انکار کرتے ہیں اسی طرح حق کے رستے سے منحرف ہوجاتے ہیں۔

(۶۴) اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَکُمۡ فَاَحۡسَنَ صُوَرَکُمۡ وَ رَزَقَکُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ؕ ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ ۚۖ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ	خدا وہ ہے کہ جس نے تمہارے لئے زمین کو امن واطمینان کی جگہ بنایا ہے اور آسمانوں کو تمہارے سروں پر چھت کے مانند اور تمہاری صورتیں بنائیں تو خوب اچھی صورتیں بنائیں اور کھانے کو تمہیں پاکیزہ چیزیں عطا کیں یہ ہے خدا تمہارا پروردگار، بابرکت ہے وہ خدا جو تمام عالمین کا پروردگار ہے۔
(۶۵) ہُوَ الۡحَیُّ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ فَادۡعُوۡہُ مُخۡلِصِیۡنَ لَہُ الدِّیۡنَ ؕ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ	وہی صحیح معنوں میں زندہ ہے اس کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ پس تم اسے ہی پکارو اور اپنے دین کو اسی کے لیے خالص کرو، تعریف مخصوص ہے خدا کے لیے جو تمام عالمین کا پروردگار ہے۔

(۶۶)قُلۡ اِنِّیۡ نُهِیۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِیَ الۡبَیِّنٰتُ مِنۡ رَّبِّیۡ وَ اُمِرۡتُ اَنۡ اُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ	کہہ دے کہ مجھے اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ میں ان معبودوں کی پرستش کروں جنہیں تم خدا کے علاوہ پکارتے ہو جبکہ میرے پاس پروردگار کی طرف سے کئی نشانیاں آچکی ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں صرف عالمین کے رب کے حضور سر جھکاؤں۔

تفسیر

یہ ہے تمہارا رب

ان آیات میں بھی گزشتہ آیات کی طرح اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں کا ذکر ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ بندوں کے شامل حال ہیں تاکہ ایک تو ان بندوں کو بیشتر آگاہی سے بہرہ مند کریں اور دوسرے ان کے دل میں اُمید کا اضافہ کریں تاکہ اس طرح سے وہ دعا کرنے کے اہل ہوکر قبولیت کی نعمت سے مالا مال ہو جائیں۔

فرمایا گیا ہے خدا تو وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو آرام اور اطمینان کی جگہ بنایا ہے۔

انسان کی روح وجسم سے بالکل ہم آہنگ، مختلف چیزوں کے نکالنے کا مرکز، ضرورت کی تمام چیزوں پر مشتمل وسیع وعریض، مفت اور مباح۔

پھر فرمایا گیا ہے اور آسمان کو چھت اور گنبد کے مانند تمہارے سر پر قرار دیا ہے۔

یہاں پر آسمان سے زیادہ تر مراد وہی وسیع معنوں میں فضاء ہے جس نے چاروں طرف سے زمین کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور ایک خیمے کے مانند تمام کرۂ ارضی کو گھیرا ہوا ہے۔

خدا کا یہ عظیم خیمہ سورج کی روشنی کی شدت کم کر دیتا ہے اگر یہ سائبان نہ ہوتا تو سورج کی اور دوسری فضائی شعائیں روئے زمین پر کسی بھی چیز کو زندہ باقی نہ رہنے دیتیں۔ یہی وجہ ہے کہ فضانورد مجبور ہیں کہ ان شعاعوں سے بچنے کے لیے ہمیشہ مخصوص لباس میں رہیں جو ایک تو سنگین ہوتا ہے اور دوسرے گراں قیمت ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ سائبان ان آسمانی پتھروں کو بھی زمین پر گرنے سے روکتا ہے جو ہمیشہ کرۂ ارضی کی طرف کھینچ آتے ہیں کیونکہ یہی پتھر جب پہلی بار آسمان سے ٹکراتے ہیں تو بڑی تیزی میں ہوتے ہیں اور نہایت زور سے آکر ٹکراتے ہیں تو جل کر بھسم ہو جاتے ہیں اور ان کی راکھ آہستہ آہستہ زمین پر بیٹھتی رہتی ہے۔

اس کے بعد ''آفاقی آیات'' سے ''انفسی آیات'' کو بیان فرماتے ہوئے کہتا ہے وہ خدا تو وہی ہے جس نے تمہاری صورتیں بنائی ہیں اور تمہاری کیا خوبصورت تصویریں بنائی ہیں۔ قامت میانہ اور سیدھی، صورت زیبا اور دلکش جسے نہایت ہی نظم کے ساتھ مرتب

کیا گیا ہے جسے پہلی نظر دیکھتے ہی دوسرے موجودات اور حیوانات سے نمایاں فرق معلوم ہوتا ہے۔ اس کی یہی فزیکل ساخت اس کے لیے اس بات کا سبب بنتا ہے کہ وہ مختلف کاموں کو سرانجام دے اور نفیس یا بھاری ایجاد کرے اور مختلف اعضاء کی بنا پر آرام سے زندگی بسر کرے اور زندگی کی دوسری سہولیات سے فائدہ اٹھائے۔

آخر میں اس سلسلے کی چوتھی اور آخری نعمت کو بیان کرتے ہوئے پاک و پاکیزہ روزی کا ذکر کیا گیا ہے اس نے تمہیں طیبات پر مبنی روزی عطا کی ہے۔

''طیبات'' کا ایک وسیع مفہوم ہے جس میں ہر پاک و پاکیزہ چیز شامل ہے خواہ خوارک ہو یا لباس، زن وشوہر ہو یا مکان اور سواری، حتیٰ کہ پاکیزہ اور شستہ گفتگو بھی اس میں آجاتی ہے۔

ان چار عظیم نعمتوں کے بیان کے بعد کہ جن میں سے نصف کا تعلق زمین و آسمان سے ہے اور آدھی کا تعلق خود انسان سے ہے فرمایا گیا ہے یہ ہے خدا تمہارا پروردگار۔

اور چونکہ حقیقت امر اسی طرح ہے لہٰذا تمام جہانوں کا پروردگار جاوید و بابرکت ہے۔

(٦٥) اس آیت میں توحید عبودیت کے مسئلے کو ایک اور انداز میں پیش کر رہی ہے اور وہ ہے حقیقی معنوں میں حیات کا ذات خداوند عالم میں انحصار، چنانچہ فرمایا گیا ہے وہی حقیقی معنوں میں زندہ ہے۔

کیونکہ اسکی حیات اسکی عین ذات ہے کسی اور چیز کی اسے ضرورت نہیں ہے ایسی زندگی ہے جس تک موت کی رسائی نہیں بلکہ وہ زندگی، جاوید ہے یہ صرف خداوند متعال کی ذات سے خاص ہے کائنات کے دوسرے تمام موجودات ایسی زندگی کی حامل نہیں ہیں بلکہ ان کی زندگی سے ساتھ موت ملی ہوئی ہے اور یہ عارضی اور محدود زندگی بھی اسی کی پاک ذات سے حاصل کرتے ہیں۔

ظاہری بات ہے اس کی عبادت کی جانی چاہیئے جو زندہ ہے اور حیات مطلق کا مالک ہے اسی لیے تو فوراً ہی فرمایا گیا ہے اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے۔

جب حقیقت حال یہی ہے تو پھر تم بھی اسی کو پکارو اپنے دین کو اسی کے لیے خالص کرو۔

جو اس کے علاوہ ہیں انہیں ایک طرف ہٹا دو کہ سب فنا ہو جائیں گے۔

آیت کو اس جملے پر ختم کیا گیا ہے تمام تعریفیں اسی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں جو رب عالمین ہے۔

درحقیقت یہ جملہ خدا کے ان بندوں کے لیے ایک درس ہے جو گذشتہ آیات میں مذکور اور خود اپنی ذات میں موجود نعمتوں خاص کر زندگی کی نعمت کی وجہ سے اس کی حمد وستائش اور شکر و سپاس بجالاتے ہیں۔

(٦٦) اسی سلسلے کی آخری آیت میں توحید سے متعلق گفتگو کو سمیٹتے ہوئے مشرکین اور بت پرستوں کو مایوس کرنے کے لیے روئے سخن پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہہ دے کہ مجھے اس بات سے روک دیا گیا ہے کہ خدا کے علاوہ جن جن کو تم بلاتے ہو میں ان کی عبادت کروں کیونکہ میرے پاس پروردگار کی طرف سے بینات اور روشن دلائل آچکے ہیں۔

نہ صرف غیر اللہ کی عبادت سے روکا گیا ہوں بلکہ مجھے حکم دیا گا ہے کہ میں صرف اور صرف عالمین کے پرودگار کے آگے سر تسلیم خم کروں۔

غور کیجئے فرمایا گیا ہے مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے مجھے اس بات سے روکا گیا ہے یعنی جب مجھے ایسا حکم دیا گیا ہے یا روکا گیا ہے تو اپنا حساب تم خود ہی کرلو۔ یہ ایسی تعبیر ہے جوان کی سرکشی کو چیلنج کئے بغیران کے ضمیر کو جھنجھوڑ رہی ہے۔

(٦٧)هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُیُوْخًا ۚ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی مِنْ قَبْلُ وَ لِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا مُّسَمًّی وَّ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ	وہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے پھر جمے ہوئے خون سے پھر تم کو بچے کی صورت میں باہر بھیجتا ہے پھر تم کمال قوت کے مرحلے تک پہنچ جاتے ہو۔اس کے بعد تم بوڑھے ہو جاتے ہو جب کہ تم میں سے کچھ لوگ اس مرحلے تک پہنچنے سے پہلے مرجاتے ہیں مقصد یہ ہے کہ تم اپنی زندگی کی مقررہ مدت تک پہنچ جاؤ اور شاید عقل سے کام لو۔
(٦٨)هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۠	وہ وہی ہے خدا ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور جب کسی امر کا ارادہ کرتا ہے تو بس اسے سے یہی کہہ دیتا ہے کہ ہو جا،تو وہ فوراً ہو جاتا ہے۔

تفسیر

تخلیق انسانی کے سات مرحلے

توحید سے متعلق آیات کو جاری رکھتے ہوئے ایک بار پھر کچھ انفسی آیات کو بیان کرتے ہوئے تخلیق انسانی کے مختلف مراحل کا ذکر فرمایا جارہا ہے پہلے پہل انسان کی مٹی سے تخلیق کا تذکرہ ہے پھر شکم مادر میں رہنے کی مدت کا ذکر، اس کے بعد مرتے دم تک دنیاوی زندگی کا دورانیہ، غرض اس طرح کے سات مراحل کو بیان کیا جارہا ہے تا کہ ایک طرف تو اس کی قدرت اور ربوبیت کی عظمت واضح ہوجائے اور دوسری طرف اس کی اپنے بندوں پر عطاو بخشش اور نعمتوں کی عظمت کا اظہار ہو جائے۔

چنانچہ فرمایا گیا ہے وہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے، پھر جمے ہوئے خون کے مانند چیز سے پھر تم کو بچے کی صورت میں شکم مادر سے باہر بھیجتا ہے۔ پھر تم اپنی طاقت وتوانائی اور کمال کے مراحلے کو پہنچتے ہو، اس کے بعد تم بڑھاپے کے مرحلہ کو پہنچ جاتے ہو، ہر چند کہ تم میں سے کچھ لوگ اس مرحلے تک پہنچنے سے پہلے ہی مرجاتے ہیں اور مقصد یہ ہے کہ تم اپنی زندگی کی مقررہ مدت تک پہنچ جاؤ اور شاید عقل سے کام لو۔

اس لحاظ سے تخلیق کا پہلا مرحلہ مٹی ہے جو ہمارے جدامجد اور پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی جانب اشارہ ہے یا پھر تمام انسانوں کی خاک سے تخلیق کی طرف اشارہ ہے کیونکہ وہ تمام غذائی مواد جو انسانی وجود بلکہ اس کے نطفے تک کو تشکیل دیتا ہے خواہ وہ مواد حیوانی ہو یا نباتی سب کی بنیاد مٹی ہی ہے۔

دوسرا مرحلہ، نطفے کا ہے جس کا تعلق جناب آدم اور ان کی بیوی جناب حوا کے علاوہ باقی تمام انسانوں سے ہے۔

تیسرا مرحلہ وہ ہے جس میں نطفہ ارتقاء کی منزل کو پہنچ جاتا ہے اور ایک بڑی حد تک نشو ونما پا کر جمے ہوئے خون کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

اس کے بعد "مضغه" (خون کے لوتھڑے) کا پھر اعضاء کے ظاہر ہونے کا مرحلہ ہے پھر حس وحرکت کا مرحلہ ہے البتہ قرآن مجید میں اس مقام پر ان تین مراحل کا تذکرہ نہیں ہے اگر چہ دوسری کئی آیات میں ان کی طرف اشارات ملتے ہیں۔

اس جگہ پر چوتھا مرحلہ "تولد جنین" کا بتایا گیا ہے اور پانچواں مرحلہ جسمانی طاقت کے کمال کا مرحلہ ہے جسے بعض لوگ تیس سال کی عمر بتاتے ہیں جس میں زیادہ سے زیادہ جسمانی نشو ونما ہو چکی ہوتی ہے۔ بعض لوگ اسے اس سے زیادہ اور کچھ لوگ اس سے کم عرصہ بتاتے ہیں۔ البتہ ممکن ہے کہ مختلف افراد میں یہ مراحل مختلف ہوں۔ قرآن نے اسے بلوغ اشد سے تعبیر کیا ہے۔

اس کے بعد پیچھے کی طرف لوٹنے اور توانائیوں کے آہستہ آہستہ ختم ہو جانے کا مرحلہ شروع ہو کر بڑھاپے کے دوران تک جا پہنچتا ہے جو کہ چھٹا مرحلہ ہے۔

آخر کار عمر کے خاتمے کا مرحلہ ہے جو آخری مرحلہ ہے اور جو اس سرائے فانی سے اس عالم جاودانی کی طرف منتقل ہونے کا وقت ہے۔

آیا ان تمام منظم اور با قاعدہ تبدیلیوں کے باوجود کائنات کے مبدا کی قدرت وعظمت اور اس کے الطاف واحسانات ہیں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

(٦٨) اسی سلسلے کی آخری آیت میں خداوند عالم کے اہم مظاہر یعنی موت اور حیات کی بات ہو رہی ہے دو ایسی مخلوقات کہ انسان کی تمام علمی ترقی کے باوجود ابھی تک ایک معمہ بنی ہوئی ہیں چنانچہ فرمایا گیا ہے خدا تو وہ ہے جو زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔

یہ بات بھی بڑی دلچسپ ہے کہ کائنات کی چھوٹی سے چھوٹی مخلوق سے لے کر غول پیکر حیوانات تک اور بحر اوقیانوس کی تاریک اور ظلمانی گہرائیوں سے لے آسمان کی بلندیوں پر پرواز کرنے والے پرندوں تک، سمندروں کی موجوں کے درمیان مائیکر وسکوپ کے بغیر دکھائی نہ دینے والے باریک ترین نباتات سے لے بیسیوں گز لمبے درختوں تک کی اپنی مخصوص زندگی اور اپنے مخصوص حالات ہوتے ہیں اسی لحاظ سے ان کی موت بھی مختلف ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ زندگی کے مختلف روپ کائنات اور عالم خلقت کے نہایت ہی تعجب انگیز روپ ہوتے ہیں۔

بات بھی قابل توجہ ہے کہ ان اہم اور پیچیدہ مسائل میں سے کوئی بھی مسئلہ اس کی قدرت کاملہ کے سامنے مشکل اور پیچیدہ نہیں

ہے بلکہ اس کے ایک ارادے اور فرمان کا منتظر ہے۔

لہٰذا آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے وہ جب بھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو صرف اس سے یہی کہہ دیتا ہے کہ ہو جا، تو وہ فوراً ہی ہو جاتی ہے۔

(۶۹)اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِ اللّٰہِ ؕ اَنّٰی یُصۡرَفُوۡنَ ۚۛ	آیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہماری آیات میں مجادلہ کرتے ہیں کس طرح راہ حق سے بھٹک جاتے ہیں۔
(۷۰)الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِالۡکِتٰبِ وَ بِمَاۤ اَرۡسَلۡنَا بِہٖ رُسُلَنَا ۛ۟ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ۙ	جنہوں نے (آسمانی) کتاب اور جو کچھ ہم نے اپنے رسولوں پر نازل کیا ان سب کو جھٹلایا، لیکن بہت جلد (اپنے کیے کا نتیجہ) جان لیں گے۔
(۷۱)اِذِ الۡاَغۡلٰلُ فِیۡۤ اَعۡنَاقِہِمۡ وَ السَّلٰسِلُ ؕ یُسۡحَبُوۡنَ ۙ	جب طوق اور زنجیر ان کی گردنوں میں ہوں گے اور انہیں کشاں کشاں لے جایا جائے گا۔
(۷۲)فِی الۡحَمِیۡمِ ۬ۙ ثُمَّ فِی النَّارِ یُسۡجَرُوۡنَ ۚ	اور وہ کھولتے ہوئے پانی میں ڈالے جائیں گے اور پھر جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے۔
(۷۳)ثُمَّ قِیۡلَ لَہُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تُشۡرِکُوۡنَ ۙ	پھر ان سے کہا جائے گا کہاں ہیں وہ جن کو تم خدا کا شریک ٹھہراتے تھے؟
(۷۴)مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ ؕ قَالُوۡا ضَلُّوۡا عَنَّا بَلۡ لَّمۡ نَکُنۡ نَّدۡعُوۡا مِنۡ قَبۡلُ شَیۡئًا ؕ کَذٰلِکَ یُضِلُّ اللّٰہُ الۡکٰفِرِیۡنَ	وہی معبود کہ جن کی تم خدا کے علاوہ عبادت کیا کرتے تھے؟ تو وہ کہیں گے وہ تو سب ہماری آنکھوں سے اوجھل اور گم ہو گئے ہیں بلکہ ہم تو اس سے پہلے کبھی بھی کسی چیز کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ ایسے ہی خدا کافروں کو سرگرداں کر دیتا ہے۔
(۷۵)ذٰلِکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ تَفۡرَحُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ بِمَا کُنۡتُمۡ تَمۡرَحُوۡنَ ۚ	یہ اس لئے ہے کہ تم زمین میں ناحق خوشی منایا کرتے تھے اور غرور و مستی کی وجہ سے نہال ہوا کرتے تھے۔

(۷۶)اُدۡخُلُوۡۤا اَبۡوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ۚ فَبِئۡسَ مَثۡوَی الۡمُتَکَبِّرِیۡنَ	اب جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ اور اس میں ہمیشہ رہو اور متکبرین کے لئے کیا ہی برا ٹھکانا ہے۔

تفسیر

مغرور دشمنوں کا انجام

ان آیات میں پھر ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو آیات الٰہی کے بارے میں مجادلہ کرتے ہیں اور نبوت کے دلائل اور انبیاء کی دعوت کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کرتے۔ ان آیات میں ان افراد کے انجام کی واضح طور پر منظر کشی کی گئی ہے۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے آیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو آیات الٰہی میں مجادلہ کرتے ہیں کہ وہ کس طرح راہ حق سے پھر جاتے ہیں۔

یہ مجادلہ، جدل اور عناد پر مبنی گفتگو، یہ اندھی تقلید اور بے بنیاد تعصاب اس بات کا سبب بن جاتے ہیں کہ وہ صراط مستقیم سے بھٹک کر بے رہ روی کا شکار ہو جائیں۔ کیونکہ حقائق صرف اس وقت واضح ہوتے ہیں جب انسان کے اندر تلاش حق کی روح زندہ ہو۔

(۷۰) پھر ان کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آسمانی کتاب اور اس چیز کو جھٹلایا جو ہم نے اپنے رسولوں پر نازل کی۔

بہر حال آیت کے آخر میں انہیں ان الفاظ میں تنبیہ کی گئی ہے وہ بہت جلد اپنے غلط اعمال کے انجام سے باخبر ہو جائیں گے۔

(۷۱) جب ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیر ڈال کر انہیں کشاں کشاں جہنم میں لے جایا جائے گا۔

(۷۲) پہلے وہ کھولتے پانی میں اور پھر جہنم میں جلائے جائیں گے۔

(۷۳) اس جسمانی عذاب کے علاوہ انہیں روحانی عذاب کے طور پر بھی دردناک سزا دی جائے گی، ان کی سزاؤں میں سے ایک وہی ہے جس کے بارے میں آیت میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے پھر انہیں کہا جائے گا کہاں ہیں وہ جن کو تم خدا کا شریک ٹھہرایا کرتے تھے۔

(۷۴) وہی معبود کہ جن کی تم خدا کے علاوہ عبادت کیا کرتے تھے۔

تا کہ وہ تمہاری شفاعت کریں اور آتش جہنم کی دردناک سزا اور متلاطم موجوں سے تمہیں نجات دلائیں۔ کیا تم بار ہا یہی نہیں کہا کرتے تھے کہ ہم ان کی اس لئے عبادت کرتے ہیں تا کہ وہ ہمارے شفیع بنیں تو کہاں گئی ان کی شفاعت؟

لیکن وہ نہایت شرمندگی اور رسوائی کی وجہ سے سر جھکا کر جواب میں کہیں گے وہ تو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں اور

نیست ونابود اور یوں ہلاک ہو چکے ہیں کہ اب ان کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔

پھر جب وہ دیکھیں گے کہ بتوں کی عبودیت کا اعتراف تو ان کی پیشانی کا داغ ثابت ہو رہا ہے لہذا انکار پر تُل جائیں گے اور کہیں گے: اس سے پہلے تو ہم بالکل کسی چیز کی عبادت ہی نہیں کیا کرتے تھے۔

جنہیں ہم حقیقت سمجھتے تھے اوہام اور خیالات کے سوا کچھ نہیں تھے ہماری زندگی کے صحرا میں ان کی حیثیت سراب کی سی تھی۔

جنہیں ہم پانی سمجھتے تھے لیکن آج معلوم ہوا کہ وہ تو اسم بے مسمیٰ اور الفاظ بے معنی ومفہوم تھے جن کی عبادت ضلالت وگمراہی اور فضولیات کے علاوہ کچھ نہیں تھی بنابریں وہ ایک ناقابل تردید حقیقت کا اعتراف کریں گے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے اس طرح خدا کافروں کو بھٹکا دیتا ہے۔

ان کا کفر اور ہٹ دھرمی ان کے قلب وفکر پر پردے کا کام دے گی لہذا حق کے سیدھے رستے کو چھوڑ کر بے راہروی کا شکار ہو جاتے ہیں لہذا بروز قیامت بھی بہشت کے رستے سے بھٹک کر دوزخ کی راہ اختیار کریں گے جی ہاں اس طرح خدا کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔

(۷۵) یہ آیت اس گروہ کی اس قدر مصیبتوں اور عذاب میں گرفتار ہونے کی وجوہات بیان کر رہی ہے کہتی ہے تمہیں یہ عذاب اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ تم زمین میں ناحق خوشیاں مناتے تھے اور غرور اور خواہشات نفسانی کی لذتوں میں مگن رہتے تھے۔

انبیاء کی مخالفت کر کے مومنین کو شہید کر کے اور غریبوں مسکینوں کو مشکلات ومصائب میں ڈال کر مزے لیتے تھے گناہوں کا ارتکاب اور دین شکنی کر کے فخر ومباہات کرتے تھے اب ان ناجائز خوشیوں، غرور، غفلت اور مستی وشہوات کا کفارہ تم ان طوق اور زنجیروں میں جکڑ کر اور آگ کے بھڑکتے شعلوں میں جل کر ادا کرو۔

(۷۶) ایسے موقع پر ان سے کہا جائیگا جہنم کے دروازوں سے داخل ہو جاؤ اور اس میں ہمیشہ رہو۔

''اور متکبرین کے لئے کیا ہی برا ٹھکانا ہے''

یہ جملہ اس بات کی ایک اور تاکید ہے کہ ان کی بدبختیوں کا اصلی مرکز تکبر اور غرور ہے۔

(۷۷) فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ	صبر کر کہ خدا کا وعدہ حق ہے جن سزاؤں کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے ان میں سے کچھ سزائیں انہیں تیری زندگی میں تجھے دکھا دیں یا تجھے اس سے پہلے اس دنیا سے اٹھالیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ ان سب کو ہماری طرف لوٹ آنا ہے۔

(۷۸)وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلًا مِّنۡ قَبۡلِکَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَصَصۡنَا عَلَیۡکَ وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ لَّمۡ نَقۡصُصۡ عَلَیۡکَ ؕ وَ مَا کَانَ لِرَسُوۡلٍ اَنۡ یَّاۡتِیَ بِاٰیَۃٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ قُضِیَ بِالۡحَقِّ وَ خَسِرَ هُنَالِکَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ۠	ہم نے تجھ سے پہلے بھی رسول بھیجے ہیں، ان میں سے کچھ کے حالات تجھ سے بیان کئے ہیں اور کچھ کے بیان نہیں کئے کسی رسول کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ حکم خدا کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے اور جب ان کے عذاب کے لئے خدا کا فرمان صادر ہوگا تو ان کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور اس وقت اہل باطل خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔

تفسیر

تلقین صبر

گزشتہ آیات میں کفار کے روڑے اٹکانے ،تکبر اور غرور کا اظہار کرنے اور آیات الٰہی کو جھٹلانے کا ذکر تھا۔ زیر نظر دو آیات میں پیغمبر اسلام ﷺ کی دلجوئی اور انہیں ان مشکلات کے مقابلے میں صبر و شکیبائی اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے اب جبکہ صورت حال یہ ہے تو تو صبر کر کیونکہ خدا کا وعدہ برحق ہے۔

آپ سے فتح و کامرانی کا جو وعدہ کیا گیا تھا وہ بھی اور مغرور مستکبرین اور جھٹلانے والوں سے جس دردناک عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بھی دونوں برحق ہیں اور یقیناً ظہور پذیر ہو کر رہیں گے اس لئے کہ حق کے دشمن یہ نہ سمجھ لیں کہ ان کی سزا میں تاخیر ہوگئی ہے لہٰذا وہ عذاب الٰہی سے بچ جائیں گے اس لئے فرمایا گیا ہے ہم نے ان سے جس عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے تجھے اس دنیا سے اٹھا لیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ بہر حال ہماری طرف لوٹ کر آئیں گے اور ہم ان سے کئے ہوئے اپنے وعدے پر عمل درآمد کریں گے۔

آپ کا کام صرف یہی ہے کہ آپ ان لوگوں کو واضح طور پر تبلیغ کریں اور ان پر اتمام حجت کریں تا کہ آپ کی تبلیغ کی برکت سے بیدار دل روشن ہو جائیں اور مخالفین کیلئے کسی عذر اور بہانے کی گنجائش باقی نہ رہ جائے آپ کو اپنے فریضے کی ادائیگی کے علاوہ کسی اور چیز سے سروکار نہیں ہونا چاہیے۔

(۷۸) پھر آنحضرت ﷺ کی مزید تسلی اور دلجوئی کی خاطر گزشتہ انبیاء کے حالات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی آپ جیسی مشکلات میں پھنسے ہوئے تھے لیکن انہوں نے اپنے کام کو جاری رکھا اور ساحل کامرانی سے ہمکنار ہوئے ارشاد ہوتا ہے، ہم نے تجھ سے پہلے بھی رسولوں کو بھیجا ہے ان میں سے بعض پیغمبروں کا ذکر تو قرآن میں تجھ سے کر دیا ہے اور بعض کا نہیں کیا۔

ان میں سے ہر ایک اس قسم کے حالات اور طاقت فرسا مشکلات سے دوچار رہا ہے ان کا سامنا کثیر تعداد میں ضدی مزاج

متکبر اور مغرور لوگوں سے تھا۔ آخر کار حق کو کامیابی حاصل ہوئی اور ظالم و مجرم لوگ مغلوب ہوئے۔

چونکہ مشرک اور ہٹ دھرم اور ضدی مزاج کافر ہر روز خدا کے انبیاء سے اپنے من پسند معجزے کا تقاضا کیا کرتے تھے اور آنحضرت کے زمانے کے مشرکین نے بھی اسی طرز عمل کو اپنایا تھا لہٰذا اسی کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے کسی پیغمبر کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ وہ حکم خدا کے بغیر کوئی معجزہ لے آئے۔

چونکہ اصولی طور پر تمام معجزات خدا کے اختیار میں ہیں اور کفار کی خاطر انہیں بازیچہ اطفال نہیں بنایا جا سکتا۔

پھر سنجیدہ انداز میں لیکن تنبیہ کی صورت میں ان لوگوں کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ جو یہ کہتے تھے اگر سچ مچ آپ ہمیں عذاب الٰہی کی دھمکی دے رہے ہیں تو پھر وہ کیوں ہم پر نازل نہیں ہوتا؟ ارشاد ہوتا ہے جب ان ضدی مزاج منکرین کیلئے عذاب الٰہی کا فرمان جاری ہوگا تو ان کے درمیان حق کے مطابق فیصلہ کیا جائے اور اس وقت باطل کے پیروکار نقصان اٹھائیں گے۔

اس وقت توبہ کے دروازے بند ہو جائیں گے تب باطل کے پیروکاروں کو پتہ چلے گا کہ وہ تو اپنا سب کچھ گنوا چکے ہیں اور کچھ بھی حاصل نہیں کر پائے۔

(۷۹) اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَنۡعَامَ لِتَرۡکَبُوۡا مِنۡہَا وَ مِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ۫	خدا وہ ہے جس نے تمہارے لیے چوپائے بنائے تاکہ کچھ پر سواری کرو اور کچھ سے غذا حاصل کرو۔
(۸۰) وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَنَافِعُ وَ لِتَبۡلُغُوۡا عَلَیۡہَا حَاجَۃً فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ وَ عَلَیۡہَا وَ عَلَی الۡفُلۡکِ تُحۡمَلُوۡنَ ؕ	اور اس کے علاوہ بھی ان میں تمارے بہت سے فائدے ہیں تاکہ ان کے ذریعے تم اس مقصد تک پہنچ سکو جو دل میں رکھتے ہو اور تم ان پر اور کشتیوں پر سوار ہو۔
(۸۱) وَ یُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِہٖ ٭ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُنۡکِرُوۡنَ	وہ ہمیشہ تمہیں اپنی آیات دکھاتا رہتا ہے کہ تم اس کی کون کون سی آیات کا انکار کرو گے؟

تفسیر

چوپاؤں کے مختلف فوائد

ان آیات میں ایک بار پھر قدرت خدا اور انسان کے بارے میں اس کی وسیع نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان نعمتوں کے ایک حصے کو مفصل طور پر بیان کیا گیا تاکہ ایک تو لوگ اس کی عظمت سے خوب آشنا ہو جائیں اور دوسرے ان میں احساس تشکر اُجاگر ہو جو معرفت الٰہی کا ایک ذریعہ ہے۔

ارشاد فرمایا گیا ہے خدا تو وہ ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے بنائے ہیں تاکہ ان پر سواری کرو اور ان سے غذا حاصل

کرو۔

کچھ جانور تو وہ ہیں جو صرف خوراک کا کام دیتے ہیں جیسے بھیڑ بکریاں اور کچھ وہ ہیں جو سواری کا کام بھی دیتے ہیں اور خوراک کا بھی جیسے اونٹ کہ جو سواری کے لحاظ سے خشک اور جلتے ہوئے صحراؤں کا جہاز بھی ہے اور لوگوں کی غذا کا ذریعہ بھی۔

(۸۰) اس کے علاوہ ان جانوروں سے اور بھی کئی خاطر خواہ فوائد حاصل کیے جاتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا اور اس کے علاوہ تمہارے لئے اور بھی کئی فوائد ہیں۔

تم ان کے دودھ اون، چمڑے اور دوسرے اجزاء سے استفادہ کرتے ہو حتیٰ کہ ان کے فضلے تک کو زراعت کے کام میں لاتے ہو۔

پھر فرمایا گیا ہے ان کی تخلیق کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تم ان پر سوار ہو کر دل خواہ مقاصد تک جا پہنچو۔

"حاجة فی صدورکم" کے جملے سے تفریح، ہجرت سیر و سیاحت مقابلہ بازی بلکہ شان و شوکت اور ٹھاٹھ باٹھ جیسے ذاتی اور شخصی فوائد مراد ہیں۔

چونکہ مسافرت کے ان تمام وسائل کا خشکی سے تعلق ہوتا ہے لہٰذا آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے ان چوپاؤں اور کشتیوں پر سوار ہوتے ہیں۔

بحری جہازوں اور کشتیوں میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ اپنے تمام بوجھ اور ثقل کے باوجود پانی پر تیرتی رہتی ہیں۔ اور ہواؤں کو ایسے مقررہ رخ پر چلایا کہ ہمیشہ ان سے کسی نہ کسی معین راستے کیلئے استفادہ کر کے مقصد کی طرف جایا جا سکتا ہے۔

اسی سلسلے کی آخری آیت میں تاکید کے طور پر اور ہر ایک سے اقرار حاصل کرنے کیلئے فرمایا گیا ہے۔ خدا ہمیشہ اپنی نشانیاں تم کو دکھلاتا ہے تم ہی بتاؤ کہ خدا کی کس کس آیات کا انکار کرو گے؟

کیا تم آفاق میں اس کی آیات کا انکار کرو گے یا انفس میں؟ سچ مچ جب کہ اس کی آیات اور نشانیاں ہر ایک کیلئے واضح ہیں تو پھر کئی لوگ انکار کا راستہ کیوں اپناتے ہیں؟

(۸۲) اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ کَانُوۡۤا اَکۡثَرَ مِنۡہُمۡ وَ اَشَدَّ قُوَّۃً وَّ اٰثَارًا فِی الۡاَرۡضِ فَمَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ	کیا انہوں نے زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھا تا کہ انہیں معلوم ہوتا کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا؟ وہی کہ جو افرادی قوت کے لحاظ سے بھی ان سے زیادہ تھے اور زمین میں ان کے طاقت اور آثار بھی بہت تھے جو کچھ وہ کماتے تھے وہ انہیں عذاب الٰہی سے بے نیاز نہ کر سکا۔

(۸۳)فَلَمَّا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَهُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡن	جب ان کے رسول واضح دلائل لے کران کے پاس آئے تو وہ اپنی موجود معلومات میں ہی مگن رہے اور وہ اس کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتے تھے لیکن جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہی ان پر نازل ہوا۔
(۸۴)فَلَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحۡدَهٗ وَ كَفَرۡنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشۡرِكِيۡنَ	انہوں نے جب ہمارے عذاب کی سختی کو دیکھا تو کہنے لگے اب ہم خدا واحد پر ایمان لے آئے ہیں۔ اور جن معبودوں کو ہم اس کا شریک ٹھہراتے تھے ان کا انکار کیا۔
(۸۵)فَلَمۡ يَكُ يَنۡفَعُهُمۡ اِيۡمَانُهُمۡ لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِىۡ قَدۡ خَلَتۡ فِىۡ عِبَادِهٖ ۚ وَ خَسِرَ هُنَالِكَ الۡكٰفِرُوۡنَ ؑ	لیکن ہمارا عذاب دیکھنے کے ان کا ایمان انہیں فائدہ نہ پہنچا سکا خدا کی سنت اس کے گزشتہ بندوں میں یہی رہی ہے اور اس وقت کافر لوگوں نے نقصان اٹھایا ہے۔

تفسیر

عذاب کے موقع پر ایمان لانا فضول ہے

یہ آیات جو سورہ مومن کی آخری آیات ہیں درحقیقت تمام سورت کا خلاصہ اور گزشتہ تمام گفتگو کا نچوڑ ہیں کیونکہ آفاق و انفس پر مشتمل اس قدر آیات کے بیان معاد اور قیامت کی عظیم عدالت کے بارے میں اس قدر لطیف و دلنشین مواعظ و گفتگو کے بعد ضدی مزاج منکروں اور متکبر کافروں کو زبردست لیکن استدلال پر مشتمل تنبیہ کرتے ہوئے ان کے انجام کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

سب پہلے فرمایا گیا ہے آیا انہوں نے روئے زمین کی سیر نہیں کی تا کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کا کیا انجام ہوا؟

وہی لوگ جو افرادی قوت کے لحاظ سے بھی اور زمین میں اپنی طاقت اور آثار کے لحاظ سے بھی ان سے زیادہ تھے۔

ان کی افرادی قوت ان کی قبروں سے اور ان کی طاقت اور آثار کی فروانی روئے زمین پر چھوڑی ہوئی ان کی یادگاروں سے سمجھی جا سکتی ہے۔

" اٰثار فی الارض " کی تعبیر سے ممکن ہے کہ ان کی زراعت کی ترقی کی طرف اشارہ ہو............جیسا کہ ہم اسی سورت کی اکیسویں آیت کی تفسیر میں جو اس سے ملتی جلتی ہے بیان کر چکے ہیں (نیز جیسا کہ سورہ روم کی آیت ۹ میں بھی گزر چکا ہے)۔ یا پھر گزشتہ اقوام کی پہاڑوں کے اندر یا صحراؤں کے سینے پر موجود عمارتوں کی طرف اشارہ ہو (جیسا کہ سورہ شعراء کی آیات ۱۲۸ اور ۱۲۹ میں بیان

ہو چکا ہے)۔

لیکن اس کے باوجود جو کچھ بھی انہوں نے کمایا وہ طوفان بلا اور عذاب الٰہی کے موقع پر انہیں بے نیاز نہ کر سکا اور نجات نہ دلا سکا۔ بلکہ یہ تمام طاقتیں پلک جھپکنے میں نیست و نابود ہو گئیں۔

(۸۳) اس آیت میں ان لوگوں کے انبیاء اور ان کے واضح و روشن معجزات کے ساتھ سلوک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جب ان کے رسول ان کے پاس معجزات اور روشن دلائل لے کر آئے تو انہوں نے ان سے روگردانی کی اور صرف انہی معلومات پر خوش رہے جو ان کے پاس پہلے سے تھیں ان کے علاوہ باقی سب کو کچھ نہ سمجھا۔

یہی امر اس بات کا سبب ہوا کہ وہ خدا کی جس دھمکی اور عذاب کا مذاق اڑایا کرتے تھے وہی ان پر نازل ہو کر رہا۔

بشری علوم خواہ وہ عقلی عقائد ہوں یا واہیات شکوک وشبہات کہ جنہیں وہ علم سمجھتے تھے کے بل بوتے پر وہ ایسے علوم کی نفی کیا کرتے تھے اور ان کا مذاق اڑایا کرتے تھے کہ جس کا ماخذ اور سرچشمہ وحی الٰہی ہوتا تھا اور اپنی ان محدود اور مختصر سی معلومات پر نازاں اور مسرور تھے اور خود کو انبیاء سے بالکل بے نیاز سمجھتے تھے۔

(۸۴) لیکن قرآن مجید نے اس خود خواہی، غرور اور تکبر کے نتیجے کو زیر نظر آخری دو آیات میں یوں بیان کیا ہے جب انہوں نے ہمارے عذاب کی شدت کو دیکھا جو ان کے نیست و نابود کرنے کے لئے نازل ہو چکا تھا اور ان کی نابودی کے لئے اپنے پروردگار کا آخری حکم لے کر آ گیا تھا، تو وہ اپنے کئے پر پشیمان ہو گئے اور اپنے آپ کو زرہ و ناچیز و ناتواں سمجھنے لگے تو بارگاہ حق کی طرف متوجہ ہو گئے اور چلا کر کہا اب ہم خدائے واحد پر ایمان لے آئے ہیں اور جن معبودوں کو ہم اس کا شریک ٹھہراتے تھے ان سے پھر چکے ہیں۔

(۸۵) لیکن جب انہوں نے ہمارے عذاب کا مشاہدہ کر لیا تو ان کا ایمان ان کے لئے سودمند ثابت نہ ہوا۔

یہ حکم کچھ خاص افراد یا اقوام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ایسا ہے جب کہ خود قرآن اسی آیت کے ضمن میں کہتا ہے:

یہ ایک خدائی طریقہ کار ہے جو اس کے گزشتہ بندوں میں بھی نافذ العمل رہا ہے

آخر میں زیر تفسیر آیات میں سے آخری آیت کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کیا گیا ہے جب خدائی عذاب نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا تو کافروں کا خسارہ اور نقصان ظاہر ہو گیا۔

اب انہیں پتہ چلا کہ ان کے پاس تو صرف غرور اور تکبر کا مٹھی بھر سرمایہ تھا جسے وہ آب حیات سمجھتے تھے وہ تو سراب نکلا، اپنے تمام سرمایہ وجودی کو دنیا کی اس بے راہروی میں گنوا چکے ہیں جس کا نتیجہ گناہ اور خدا کے دردناک عذاب کے سوا اور کچھ نہیں نکلا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان اور خسارہ ہوگا؟

تو اس طرح سے سورہ مومن اپنے اختتام کو پہنچی، جس کا آغاز مغرور کفار کے حالات سے ہوا تھا اور اختتام ان کے دردناک انجام پر۔

سورہ حٰمٓ سجدہ

(فصلت)

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۵۴ آیات ہیں

سورہ حٰمٓ سجدہ کے مندرجات

اس سورت کے مندرجات کومندرجہ ذیل چند حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔قرآن مجید کی طرف توجہ اوراس کے بارے میں تفصیل سے گفتگو

۲۔تخلیق زمین وآسمان خصوصاً گیس کی شکل کے مادہ دخان سے کائنات کی آفرینش کا آغاز اور کرہ زمین، پہاڑوں نباتات اورحیوانات کی پیدائش کے مراحل کی طرف توجہ دی گئی ہے۔

۳۔قوم عاد وثمود سمیت گزشتہ مغرور اور سرکش اقوام کے حالات زندگی اوران کے دردناک انجام اورحضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان کی طرف بھی اشارہ ہے

۴۔مشرکین اورکفار کوڈرایا گیا ہے خاص کر قیامت کے بارے میں لرزادینے والی آیات انسان کے اعضاء حتیٰ کہ بدن کی کھال کی گواہی کا ذکر بھی ہے اور جب وہ عذاب الٰہی کے سامنے پیش ہوں گے تو خدا ان کو زبردست طور پر جھڑکے گا۔

۵۔معاد اور قیامت کے کچھ دلائل اوراس کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔

۶۔سورت کو پروردگار عالم کی آفاقی اورانفسی آیات کے بارے میں دلچسپ لیکن مختصر گفتگو اور معاد کے مسئلے پر ختم کردیا گیا ہے۔

سورہ حم کی تلاوت کی فضیلت

اسلام کے عظیم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے

''جوشخص حم سجدہ کی تلاوت کرے اسے ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں عطا کی جائیں گی''۔

ایک اورحدیث میں ہے:

''کوئی رات بھی ایسی نہیں ہوئی تھی جس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سورہ تبارک اور سورہ حم سجدہ پڑھ کر نہ سوتے ہوں''۔

اس سورت کوسورہ فصلت بھی کہتے ہیں اور وہ اس لئے کہ اس کی تیسری آیت میں یہ لفظ آیا ہے اور یہ سورت حم سجدہ سے اس لئے موسوم ہے کہ حم سے اس کا آغاز ہوا ہے اوراس کی ۳۷ویں آیت میں سجدہ کا حکم ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) حٰمٓ ۚ	حم
(۲) تَنۡزِيۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۚ	یہ کتاب ہے جو خداوند رحمان اوررحیم کی جانب سے نازل ہوئی ہے۔

(۳) كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ	یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات نے ہر مطلب اپنے مناسب مقام پر بیان کیا ہے اور فصیح ہے ان لوگوں کے لئے جو آگاہ ہیں۔
(۴) بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ	یہ قرآن وہ ہے کہ جو خوشخبری دینے والا بھی ہے اور ڈرانے والا بھی لیکن ان میں سے اکثر نے منہ پھیر لیا ہے لہٰذا اب وہ کچھ نہیں سنتے۔
(۵) وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَ فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ	انہوں نے کہا تیری دعوت کے بارے میں ہمارے دل پردوں میں لپٹے ہیں اور ہمارے کان بہرے ہیں ہمارے اور تیرے درمیان پردہ حائل ہے اور جب صورت حال یہ ہے تو تو اپنا کام کر ہم اپنا کام کرتے ہیں۔

تفسیر

قرآن کی عظمت

اسلامی روایات میں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ مشرکین کے بتوں کی مذمت کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کے سامنے قرآن پڑھا کرتے تھے تاکہ وہ توحید کی راہ پر آجائیں لیکن وہ کہتے تھے کہ یہ خدا کی آیات نہیں بلکہ محمد کے اشعار ہیں بعض کہتے تھے کہ یہ ''کہانت'' ہے ''کہانت'' غیب کی ان باتوں کو کہتے تھے جن کا کچھ لوگ دعویٰ کرتے تھے کہ جنات کی مدد سے انہیں معلوم ہوتی ہیں بعض کہتے تھے کہ یہ اس کے دلچسپ خطبے ہیں جن کا نام اس نے قرآن رکھ لیا ہے ولید بن مغیرہ قریش کے مشہور افراد میں سے تھا اور عرب اپنے اختلافات اسی سے حل کرایا کرتے تھے کہ جناب کی مدد سے انہیں معلوم ہوئی ہیں بعض کہتے تھے کہ یہ اس کے دلچسپ خطبے ہیں جن کا نام اس نے قرآن رکھ لیا ہے۔

ایک دن ابوجہل نے ولید سے پوچھا: اے ابوعبدالشمس (ولید کی کنیت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) یہ جو کچھ کہتا ہے آیا جادو ہے ''کہانت'' ہے یا خطبہ؟

ولید: پہلے مجھے اس کی باتیں سننے دو پھر بتاؤں گا کہ کیا ہے۔

چنانچہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت حجر اسماعیل کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ولید نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنے کچھ اشعار تو مجھے سناؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شعر نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے جسے وہ اپنے انبیاء اور رسل پر نازل کرتا ہے۔

اس نے کہا: جو کچھ بھی ہے پڑھو۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے سورہ حم سجدہ کی تلاوت شروع کی۔ جب اسی سورت کی ۱۳ ویں آیت "**فان اعرضوا فقل انذر تکم صاعقة مثل صاعقة عاد و ثمود**" پر پہنچے تو ولید یہ سن کر لرزہ براندام ہوگیا اور اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے گھر کی طرف چل دیا پھر قریش کے پاس نہیں گیا۔

اس روایت سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ اس سورت کی آیات کس قدر پرکشش اور لرزا دینے والی ہیں۔ حتیٰ کہ عرب کے متعصب دور اندیش شخص پر ان کا اس قدر اثر ہوا۔

اب ہم آیات کی تفسیر کی طرف آتے ہیں۔

اس سورت کے آغاز میں ایک بار پھر ہم حروف مقطعات کی تلاوت کر رہے ہیں (حٰم) قرآنی سورتوں کے آغاز میں یہاں پر دوسری بار سامنے آ رہا ہے۔ حروف مقطعات کے بارے میں ہم بارہا تفصیل سے گفتگو کر چکے ہیں یہاں پر اسے دہرانے کی ضرورت نہیں ہے البتہ یہاں پر صرف اتنا بتا دینا کافی ہے۔ کہ بعض مفسرین اس حم کو سورت کا نام دیتے ہیں اور بعض کے نزدیک حرف "ح" "**حمید**" اور حرف "م" "**مجید**" کی طرف اشارہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عظیم ناموں میں سے ہیں۔

(۲) پھر قرآن پاک کی عظمت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔: یہ وہ کتاب ہے جو خداوند رحمان و رحیم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

اس خدا کی رحمت عامہ اور رحمت خاصہ ہاتھ میں ہاتھ دے کر ان آیات کے نزول کا سبب بنیں۔

(۳) قرآن کے بارے میں مندرجہ بالا اجمالی بیان کے بعد اب اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے اور اس آسمانی کتاب کی پانچ صفات کا بیان ہے۔

یہ پانچ ایسی صفات ہیں جو قرآن مجید کے اصلی چہرہ کی تصویر کشی کرتی ہیں اور اس کی ایک منہ بولتی تصویر ہیں۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے: یہ ایسی کتاب ہے جس کی تمام آیات روشن ہیں اور جس کا ہر مطلب اپنے مقام پر بیان ہوا ہے اور انسان کی تمام ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔

ایسی کتاب ہے جو فصیح بھی ہے اور منہ بولتی بھی۔

ایسے لوگوں کے لیے جو صاحبان علم اور جویائے حقیقت ہیں۔

(۴) قرآن جو کہ بشیر و نذیر ہے اُمید بخش اور خوف آور ہے۔ نیک لوگوں کو خوشخبری دیتا ہے۔ اور بدکاروں کو ڈراتا ہے۔

لیکن ان میں سے اکثر نے روگردانی کر لی ہے لہذا وہ کچھ بھی نہیں سنتے اس طرح سے اس آسمانی کتاب کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے۔ اس میں انسانی ضروریات کے مختلف مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن افسوس کہ ہٹ دھرم متعصب افراد کے پاس سننے والے کان نہیں ہیں گویا وہ بہرے ہیں اور کچھ نہیں سن پاتے۔

(۵) اور پھر یہ کہ ان دل کے اندھوں کا ردعمل یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ ان کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ حضور

اکرم ﷺ کو دعوت اور تبلیغ سے محروم کر دیں اور یہ ثابت کریں کہ آپ ﷺ کی دعوت کو سننے والا کان اس دھرتی میں کہیں نہیں ہے لہذا آپ ﷺ کی اس قسم کی کوشش بے فائدہ ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔ انہوں نے کہا تیری دعوت کے بارے میں ہمارے دل پردوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ ہمارے کان بہرے ہیں اور ہمارے اور تیرے درمیان پردہ حائل ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو تجھے ہم سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے، تو اپنا کام کر ہم اپنے عقائد اور مذہب کے مطابق عمل کریں گے۔

یہ بے شرمی، بے حیائی، ڈھٹائی اور بے وقوفی کی انتہا ہوگی کہ انسان اپنے تمام وجود کے ساتھ حق اس قدر گریز پا ہو۔

(۶) قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ	کہہ دے میں تمہاری طرح کا انسان ہی ہوں جبکہ اس حقیقت کی مجھ پر وحی ہوتی ہے۔ کہ تمہارا معبود صرف ایک خدا ہے، پس تم اپنی تمام تر توجہ اسی کی طرف کرلو اور اسی سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور مشرکین کے لیے عذاب ہے۔
(۷) الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ	وہی جو زکوۃ بھی ادا نہیں کرتے اور آخرت کے انکاری ہیں۔
(۸) اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۧ	لیکن جو لوگ ایمان لے آئے اور جنہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ان کے لیے دائمی جزا ہے۔

تفسیر

مشرکین، کون ہیں؟

حسب سابق یہ آیات بھی مشرکین اور کفار کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں اور درحقیقت ان کے اس کلام کا جواب ہیں جو اس سے پہلی آیات میں ذکر ہوا ہے ان میں پیغمبر اسلام ﷺ کی دعوت کے سلسلے میں پیدا ہونے والے ہر طرح کے شک وشبہ کو دور کیا جا رہا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ کہہ دے میں تو صرف تمہاری طرح کا انسان ہوں، اور یہ حقیقت مجھ پر ہمیشہ وحی ہوتی رہتی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک اللہ ہے۔

میرا یہ دعویٰ نہیں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ہی انسان کے علاوہ کسی اور نسل سے ہونے کا مدعی ہوں، نہ خدا ہوں نہ خدا کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں فرق صرف یہ ہے کہ فرمان توحید ہمیشہ مجھ پر وحی کی صورت میں آتا رہتا ہے۔

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرماتے ہیں: اب جبکہ صورت حال یہ ہے تو تم اپنی تمام تر توجہات ایسے معبود یکتا کی طرف مرکوز کردو اور شرک و گناہ سے توبہ و استغفار کرو۔

پھر انہیں خطرے سے خبردار کرتے ہوئے فرمایا: اور مشرکین کے لیے خرابی ہے

(۷) یہ آیت مشرکین کا تعارف کرواتے ہوئے اس سلسلے میں ایک جملہ پیش کرتی ہے۔ جو صرف انہی آیات پر منحصر ہے ارشاد ہوتا ہے کہ وہی جو زکوۃ ادا نہیں کرتے اور آخرت کے منکر ہیں۔

"لایوتون الزکوۃ" سے مراد راہ خدا میں خرچ نہ کرنا ہے جو ان کے خدا پر ایمان نہ لانے کی علامت ہے اسی لیے اس کا ذکر معاد پر ایمان نہ لانے کے ساتھ ساتھ کیا گیا ہے یا پھر اس سے مراد زکوٰۃ کی عدم ادائیگی اس کے وجوب کے انکار کے ساتھ ہے۔

ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔

''اللہ نے امراء کے مالوں میں غرباء کے لئے فریضہ مقرر کر دیا ہے کہ جسے ادا کئے بغیر وہ لائق تعریف نہیں ہو سکتے اور وہ ہے زکوٰۃ کہ جس کے ذریعے وہ اپنے خون کی حفاظت بھی کرتے ہیں اور مسلمان بھی کہلاتے ہیں''۔

۸۔ اسی سلسلے کی آخری آیت میں ایسے لوگوں کا تعارف کروایا جارہا ہے۔ جو ان بخیل اور بے ایمان مشرکین کے برعکس صفات کے مالک ہیں۔ اور انکی جزا کا ذکر کیا جارہا ہے کہ جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے اعمال صالح انجام دیئے ان کے لیے دائمی اور منقطع نہ ہونے والا اجر ہے۔

(۹) قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۚ	کہہ دے کہ کیا تم اس ذات کا کفر کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں خلق فرمایا اور اس کے لئے نظیر اور مثل بناتے ہو؟ وہ تو سب جہانوں کا پروردگار ہے۔
(۱۰) وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِیْهَا وَ قَدَّرَ فِیْهَآ اَقْوَاتَهَا فِیْٓ اَرْبَعَةِ اَیَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِیْنَ	اس نے زمین میں پہاڑ بنائے پھر اس میں برکت عطا کی اور اس میں مختلف غذائی مواد رکھا یہ سب کچھ چار دنوں میں تھا، ضرورت مندوں کی ضرورت کے عین مطابق۔
(۱۱) ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ وَ هِیَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَیْنَا طَآئِعِیْنَ	پھر آسمان کی تخلیق کا ارادہ فرمایا جب کہ وہ دھوئیں کی صورت میں تھا، پس اسے اور زمین کو حکم دیا کہ وجود میں آؤ اور صورت اختیار کرو خواہ خوشی سے خواہ مجبور ہو کر، تو انہوں نے کہا ہم اطاعت کرتے ہوئے آتے ہیں۔

(۱۲)فَقَضٰهُنَّ سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ وَ اَوۡحٰی فِیۡ کُلِّ سَمَآءٍ اَمۡرَهَا ؕ وَ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِمَصَابِیۡحَ ٭ۖ وَ حِفۡظًا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ	اس وقت انہیں سات آسمانوں کی صورت میں دونوں میں پیدا کیا اور وہ جو کچھ چاہتا تھا ہر آسمان میں بنایا اور ہم نے نچلے آسمان کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا اور شہابوں کے ذریعہ شیطانوں کو باتیں چرانے سے روک کر انہیں محفوظ فرمایا یہ ہے زبردست صاحب علم خدا کی تقدیر۔

تفسیر

آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے دور نئے

مندرجہ بالا آیات میں زمین وآسمان کی تخلیق اور موجوادت عالم کے آغاز خلقت کے بارے میں خداوند عالم کی نعمت علم اور قدرت کی آفاقی آیات اور نشانیوں کا ذکر ہے خداوند عالم اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دے رہا ہے کہ کفار ومشرکین ومخاطب کر کے ان سے سوال کریں کہ آیا وہ اس خداوند بزرگ و برتر کا کیونکر انکار کر سکتے ہیں جو اتنے وسیع وعریض جہانوں کا مبدا ہستی ہے؟ تا کہ اس طرح سے ان کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر اور عقل اور ہوش وحواس کو بیدار کر کے انہیں خود ہی فیصلہ کرنے کی دعوت دی جائے۔

ارشاد فرمایا گیا ہے کہہ دے آیا تم اس ذات کا کفر کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کیا۔

اور کیا اس کے لئے نظیر اور مثل قرار دیتے ہو۔

کتنی بڑی غلطی اور کس قدر بے بنیاد گفتگو؟

وہ تو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

آیا جو ذات اب ان جہانوں کو چلا رہی ہے وہ اس زمین وآسمان کی خالق نہیں ہو سکتی؟

(۱۰) اس آیت میں پہاڑوں کی تخلیق، زمین کے معدنیات اور اس کی برکتوں اور غذائی مواد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس نے زمین میں پہاڑ بنائے اس میں برکتیں اور فائدے رکھے ہیں اور اس کے اندر مختلف غذائی مواد بھی رکھا ہے یہ سب کچھ چار دونوں میں تھا۔

یہ غذائی مواد ضرورت مندوں اور مانگنے والوں کی ضرورت کے عین مطابق ہے۔

"بارک فیھا" سے زمین کے اندرونی معاون اور وسائل اور بیرونی چیزوں، درختوں، نہروں اور پانی کے چشموں کی طرف اشارہ ہے۔ جو زمین کی تمام زندہ مخلوق کے لئے برکت اور استفادے کا ذریعہ ہیں۔

(۱۱) زمین کی پیدائش اور اس کے ارتقائی مراحل سے متعلق گفتگو کے بعد آسمانوں کی تخلیق سے متعلق گفتگو کی گئی ہے ارشاد فرمایا گیا ہے پھر آسمان کی تخلیق کا ارادہ فرمایا جبکہ وہ دھواں تھا، اس قت زمین اور آسمان سے فرمایا وجود میں آؤ اور صورت اختیار کرو، خواہ

ازروئے اطاعت یا پھر مجبوراً۔

انہوں نے کہا ہم ازروئے اطاعت وجود میں آئیں گے۔

(۱۲) اس وقت خدا نے انہیں سات آسمانوں کی صورت میں دو دنوں میں پیدا کیا اور مکمل کر دیا۔

''اور ہر آسمان میں جو کچھ چاہا فرمان دیا'' اور ان میں مختلف مخلوقات اور موجودات کو پیدا کیا اور انہیں نظم وضبط عطا کیا۔

اور نچلے آسمان کو ستاروں کے چراغوں سے زینت بخشی اور شہابوں کے ذریعے ان کی حفاظت کی تاکہ شیطان باتیں نہ چرا سکیں۔

جی ہاں یہ ہے خداوند قادر وعلیم کی تقدیر۔

چند اہم نکات

۱......''**ھی دخان**'' کا معنی ہے کہ آسمان، اوائل میں دھوئیں کی صورت میں تھے یہ بتاتا ہے کہ آسمانوں کی تخلیق کا آغاز گیسوں کے بڑے بڑے مجموعوں سے ہوا۔ اور یہ آغاز آفرینش کے بارے میں سائنس کی تازہ ترین تحقیقات سے پورے طور ر ہم آہنگ ہے۔

۲......خدا نے آسمان اور زمین سے فرمایا: وجود میں آؤ۔ اس معنی میں نہیں ہے کہ بات کو لفظوں سے ادا کیا گیا ہو بلکہ خدا کا قول تخلیق کے لئے فرمان تکوینی اور اس کا ارادہ ہی ہے اور ''طوعاً او کرھاً'' کی تعبیر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آسمان و زمین کے صورت اختیار کرنے کے بارے میں خدا کا قطعی ارادہ تھا اور انہیں ہر حالت میں ایک مطلوب صورت اختیار کرنا ہی تھی چاہے وہ یہ بات چاہتے یا نہ چاہتے۔

۳......''**فقضا ھن سبع سماوات فی یومین**'' (انہیں سات آسمانوں کی صورت میں دو دنوں میں پیدا کیا) یہ جملہ آسمانوں کی تخلیق کے سلسلے میں دو دورانیوں کی طرف اشارہ ہے جس کا ہر دورانیہ کروڑوں سال پر مشتمل ہے اور ہر دور اپنے لحاظ سے کئی اور ادوار میں تقسیم ہو جاتا ہے ممکن ہے یہ دونوں دورانیے تہ درتہ گیسوں سے مائع اور پگھلی ہوء صورت میں تبدیل ہونے اور پگھلی ہوئی صورت سے ٹھوس صورت میں تبدیل ہونے کے دورانیے ہوں۔

۴......''**سبع**'' (سات) کا عدد ممکن ہے یہاں پر تکثیر کے معنی میں ہو یعنی ہم نے بہت سے آسمانوں کی صحیح تعداد صرف سات ہے اور یہ جو کواکب اور ستارے ثوابت اور سیارے ہمیں نظر آتے ہیں آیت کے بعد کے حصے کی گواہی کے مطابق اسی آسمان اول کا جزو ہیں اس طرح سے عالم آفرینش سات عظیم مجموعوں سے تشکیل پایا ہے جن میں سے صرف ایک مجموعہ انسانی نگاہوں کے سامنے ہے۔

۵......''**وزینا اسماء الدنیا بمصابیح و حفظا**'' (اور ہم نے نچلے آسمان کو ستاروں کے چراغوں سے زینت

بخشی اوراس میں شہاب پیدا کئے جو آسمان کو شیاطین سے بچائے ہوئے ہیں) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام ستارے آسمان اول کی زینت میں نہ صرف آسمان کی زینت ہیں بلکہ تاریک راتوں میں صحراؤں میں سفر کرنے والوں کے لئے چراغ بھی ہیں جو اپنی روشنی کے ذریعے ان کی راہنمائی بھی کرتے ہیں اور راستے کی جہت اور سمت کا بھی تعین کرتے ہیں۔

(۱۳)فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُکُمۡ صٰعِقَةً مِّثۡلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ؕ	اگر وہ منہ پھیر لیں تو پھر کہہ دے کہ تمہیں ویسی بجلی سے ڈراتا ہوں جیسی عاد وثمود پر گری۔
(۱۴)اِذۡ جَآءَتۡهُمُ الرُّسُلُ مِنۡۢ بَیۡنِ اَیۡدِیۡهِمۡ وَ مِنۡ خَلۡفِهِمۡ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنۡزَلَ مَلٰٓئِکَةً فَاِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ کٰفِرُوۡنَ	جس وقت کہ ان کے رسول ان کے آگے پیچھے اور ہر طرف سے ان کے پاس آئے اور انہیں خدائے یگانہ کی پرستش کی دعوت دی تو انہوں نے کہا اگر ہمارا خدا چاہتا تو فرشتوں کو نازل کردیتا لہٰذا جو کچھ تم لے کر آتے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔
(۱۵)فَاَمَّا عَادٌ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ وَ قَالُوۡا مَنۡ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیۡ خَلَقَهُمۡ هُوَ اَشَدُّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَ کَانُوۡا بِاٰیٰتِنَا یَجۡحَدُوۡنَ	قوم عاد نے زمین میں ناحق تکبر کیا اور کہا ہم سے بڑھ کر کون طاقتور ہے؟ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ انہیں پیدا کرنے والا خدا ان سے زیادہ قوی ہے وہ اپنے اس گمان کی وجہ سے ہمیشہ ہماری آیات کا انکار کرتے تھے۔
(۱۶)فَاَرۡسَلۡنَا عَلَیۡهِمۡ رِیۡحًا صَرۡصَرًا فِیۡۤ اَیَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِیۡقَهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ؕ وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَخۡزٰی وَ هُمۡ لَا یُنۡصَرُوۡنَ	آخرکار ہم نے ان پر نحوست کے دنوں میں زبردست ہولناک سرد اور سخت ہواؤں کے جھگڑے بھیجے تاکہ انہیں دنیاوی زندگی میں ہی ذلیل وخوار کرنے والا عذاب چکھائیں۔ اور آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ رسواکن ہوگا اور کہیں سے بھی ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

تفسیر

عاد وثمود کے سے صاعقہ سے ڈرو

گزشتہ آیات میں توحید اور معرفت الٰہی کے بارے میں مؤثر گفتگو ہوچکی ہے اب ان آیات میں ان ہٹ دھرم اور ضدی

مزاج مخالفین کو زبردست تنبیہ کی جارہی ہے جوان تمام واضح اور روشن دلائل اور آیات کو دیکھنے کے باوجود صاف انکار کردیتے ہیں۔ان آیات میں انہیں خبردار کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اگر ان تمام واضح اور روشن دلائل کے باوجود روگردانی کریں تو انہیں کہہ دے کہ میں تمہیں ویسی ہی بجلی سے ڈراتا ہوں جیسی بجلی عاد وثمود پر پڑی تھی۔

اس بات سے ڈرو کہ ہولناک آگ لگا دینے والی تباہ کن بجلیاں تم پر آسمان سے ٹوٹ پڑیں اور تمہاری شرمناک زندگی کا خاتمہ کردیں۔

(۱۴) مزید فرمایا گیا ہے اس وقت کو یاد کرو جب اللہ کے رسول ان کے آگے، پیچھے غرض ہر طرف سے ان کے پاس آئے اور انہیں خدائے واحد کی طرف دعوت دی۔

یعنی خدا کے رسولوں نے ہدایت اور تبلیغ کے تمام وسائل سے استفادہ کیا اور ہر ممکن کوشش کی کہ ان سیاہ دلوں کو کسی نہ کسی طرح اپنی بات منوا سکیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اللہ کے ان انبیاء کی عظیم کوششوں کا ان لوگوں نے کیا صلہ دیا اور انہیں کیا جواب دیا؟

خدا فرماتا ہے اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتے نازل کردیتا تا کہ اس کی دعوت ہم تک پہنچائیں نہ کہ ہمارے جیسے انسان۔

اب جبکہ صورت حال یہ ہے تو ہم یقیناً ان چیزوں کو نہیں مانتے جنہیں لے کر تم نازل ہوئے ہو اور انہیں بالکل خدا کی طرف سے نہیں سمجھتے۔

(۱۵) قرآن مجید اپنی روش کے مطابق قوم عاد وثمود کے بارے میں اجمالی ذکر کے بعد تفصیل سے گفتگو کرتے ہوئے فرماتا ہے قوم عاد نے بہر صورت زمین میں تکبر کیا اور ہر تکبر ناحق ہوتا ہے حتیٰ کہ یہ بھی کہہ دیا کہ ہم سے بڑھ کر کون طاقتور ہوسکتا ہے؟

لیکن قرآن مجید اس دعوے کے جواب میں کہتا ہے وہ یہ نہیں جانتے کہ جس خدا نے انہیں پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ طاقتور ہے۔

وہ صرف انہی کا خالق نہیں بلکہ زمین وآسمان کا بھی خالق ہے۔

اور آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے وہ اپنی بے بنیاد سوچ اور فکر کی وجہ سے ہمیشہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہتے تھے۔

(۱۶) جی ہاں! بے بضاعت اور کم ظرف انسان جب تھوڑی سی بھی طاقت اپنے اندر محسوس کرتا ہے تو سرکشی پر اتر آتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات اپنی جہالت کی بناء پر خدا کے ساتھ بھی محاذ آرائی پر اتر آتا ہے لیکن خداوند عالم نہایت سادگی کے ساتھ ایک ہی اشارے سے ان کی زندگی کے اسباب کو ان کی موت کے اسباب میں تبدیل کردیتا ہے جیسا کہ قوم عاد کے اسی ماجرا میں بعد کی آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔آخر کار تند وتیز، گرجدار، ہولناک، سرد اور سخت ہوا کو نحس اور غبار آلود ایام میں ان پر بھیجا تا کہ ان کو رسوا کرنے والا عذاب اسی دنیوی زندگی میں چکھائیں۔

یہ عجیب تیز وتند آندھی قرآن کے الفاظ میں انہیں زمین سے یوں اٹھاتی اور دوبارہ زمین پر دے مارتی جس طرح کھجور کے

درخت کو تنے سے اکھاڑ کر پھر زمین پر مارا جائے۔

یہ تیز تند آندھی ان پر سات راتیں اور آٹھ دن متواتر چلتی رہی اور اس نے اس مغرور سرکش اور خود پرست قوم کی زندگی اجیرن کردی اور پھر اس کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا اور پرشکوہ محلات وقصور کے چند کھنڈروں اور خوشحال زندگی اور مال ودولت کے نشان کے علاوہ اور کچھ نہیں چھوڑا۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے یہ تو دنیاوی عذاب ہے لیکن آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ رسوا کن ہوگا۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ کوئی بھی شخص ان کی مدد کو نہیں پہنچے گا، اور کہیں سے بھی ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔

(۱۷)وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۚ	رہے ثمود تو انہیں ہم نے ہدایت کی مگر انہوں نے نابینائی کو ہدایت پر ترجیح دی، اسی لئے ذلیل وخوار کرنے والے عذاب صاعقہ نے ان کے اعمال کی بنا پر ان کو آلیا۔
(۱۸)وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۧ	اور جو لوگ ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کیا ہم نے انہیں نجات بخشی۔

تفسیر

سرکش قوم ثمود کا انجام

گزشتہ آیات میں قوم عاد کے بارے میں ایک تفصیلی گفتگو تھی۔ زیر نظر دو آیات میں قوم ثمود کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے ارشاد ہوتا ہے رہے ثمود تو ہم نے انہیں ہدایت کی اپنے پیغمبر صالح کو واضح دلائل دے کر ان کی طرف بھیجا مگر انہوں نے نابینائی اور گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دی۔

اسی لئے رسوا کن عذاب، صاعقہ نے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

(۱۸) لیکن چونکہ تھوڑے سے لوگ سہی کچھ افراد حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان تو ضرور لائے تھے لہٰذا ممکن ہے کہ کچھ لوگ یہاں پر سوال کریں کہ اس مختصر سے گروہ کا اس وحشتناک عذاب کے موقع پر کیا بنا؟ آیا وہ بھی دوسروں کی آگ میں جل کر راکھ ہو گئے؟ تو قرآن مجید بعد کی آیت میں ارشاد فرماتا ہے جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے تقویٰ اختیار کیا ہم نے انہیں نجات عطا فرمائی۔

ان لوگوں کو تو ان کے ایمان اور تقویٰ کی وجہ سے نجات دی اور اس سرکش گروہ کو ان کے کفر اور بداعمالیوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کردیا۔

(۱۹)وَ یَوۡمَ یُحۡشَرُ اَعۡدَآءُ اللّٰہِ اِلَی النَّارِ فَہُمۡ یُوۡزَعُوۡنَ	وہ دن کہ جب دشمنان خدا کو اکٹھا کر کے دوزخ کی طرف لے جائیں گے اور اگلی صفوں کو روک لیں گے تا کہ پچھلی صفیں ان سے آملیں۔
(۲۰)حَتّٰۤی اِذَا مَا جَآءُوۡہَا شَہِدَ عَلَیۡہِمۡ سَمۡعُہُمۡ وَ اَبۡصَارُہُمۡ وَ جُلُوۡدُہُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ	جب وہ اس تک پہنچ جائیں گے تو ان کے کان، آنکھیں اور بدن کی جلد ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔
(۲۱)وَ قَالُوۡا لِجُلُوۡدِہِمۡ لِمَ شَہِدۡتُّمۡ عَلَیۡنَا ؕ قَالُوۡۤا اَنۡطَقَنَا اللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡطَقَ کُلَّ شَیۡءٍ وَّ ہُوَ خَلَقَکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ وَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ	وہ اپنے بدن کی جلد سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ تو وہ جواب دے گی جس خدا نے تمام موجودات کو بولنے کی طاقت دی ہے اس نے ہم سے بھی بلوایا ہے۔اسی نے پہلے تمہیں پیدا کیا اور تمہاری بازگشت اسی کی طرف ہوگی۔
(۲۲)وَ مَا کُنۡتُمۡ تَسۡتَتِرُوۡنَ اَنۡ یَّشۡہَدَ عَلَیۡکُمۡ سَمۡعُکُمۡ وَ لَاۤ اَبۡصَارُکُمۡ وَ لَا جُلُوۡدُکُمۡ وَ لٰکِنۡ ظَنَنۡتُمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَا یَعۡلَمُ کَثِیۡرًا مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ	اگر تم چھپ کر گناہوں کا ارتکاب کیا کرتے تھے اس لئے نہیں کہ تم کو کانوں آنکھوں اور بدن کی جلد کی گواہی کا خوف تھا بلکہ تم سمجھتے تھے کہ تمہارے بہت سے اپنے اعمال کہ جنہیں تم انجام دیتے ہو اللہ نہیں جانتا۔
(۲۳)وَ ذٰلِکُمۡ ظَنُّکُمُ الَّذِیۡ ظَنَنۡتُمۡ بِرَبِّکُمۡ اَرۡدٰىکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ	جی ہاں! پروردگار کے بارے میں تمہارا یہ بُرا گمان تھا اور یہی بدگمانی تمہاری ہلاکت کا سبب بن گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گئے ہو۔

تفسیر

روز قیامت کا ایک منظر

گزشتہ آیات میں مغرور کفار اور ظالم مجرموں کی دنیاوی سزا کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔لیکن ان آیات میں ان کی آخرت کی سزا کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔سب سے پہلے فرمایا گیا ہے: اور اس دن کا سوچئے جب خدا کے دشمنوں کو اکٹھا کر کے جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔

اوران کی صفوں کو باہم پیوستہ رکھنے کے لئے اگلی کوروکے رکھیں گے تاکہ بعد والی صفیں ان سے آملیں اور سب اکٹھے جہنم میں بھیجے جائیں۔

(۲۰) جب وہ اس تک پہنچ جائیں گے توان کے کان، آنکھیں، اور بدن کی جلدان کے اعمال کی گواہی دے گی۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی جسم کے اعضاء اپنی اپنی باری پران اعمال کی گواہی دیں گے جنہیں انہوں نے انجام دیا تھا۔

کیسے عجیب گواہ ہوں گے یہ کہ جوخود انسان کے بدن کے اپنے اعضاء ہوں گے اوران کی گواہی بھی کسی صورت میں مسترد نہیں کی جائے گی۔کیونکہ وہ ہرجگہ پرحاضروناظر رہے ہیں اورحکم خدا کے مطابق گفتگو کریں گے۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ”حتّٰی اذا ما جاءوھا“ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی اعضاء کی شہادت دوزخ کی عدالت میں ہوگی۔

بہرحال وہ بڑی رسوائی کادن ہوگا جس دن انسان کا تمام وجود بولنے لگے گا اوراس کے تمام راز فاش کرکے رکھ دے گا۔اس سے تمام گناہگار عجیب غریب وحشت کا شکار ہوجائیں گے اس وقت اپنے بدن کی کھال کی طرف منہ کرکے کہیں گے:تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی ہے۔

ہم نے سالہا سال تک تمہاری دیکھ بھال کی تمہیں سردی اورگرمی سے بچاتے رہے تمہیں نہلاتے دھوتے تھے ہم نے تمہاری خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھانہیں رکھی،تم نے یہ کیا کیا؟

تووہ جواب دے گی۔جس خدانے تمام موجودات کو بولنے کی طاقت عطا کی ہے اس نے ہم سے بھی بلوایا ہے۔

خداوند عالم نے اس دن اوراس عظیم عدالت میں راز فاش کرنے کا فریضہ ہمارے ذمہ لگایا ہے اار اس کے فرمان کی اطاعت کے سواہمارے پاس اورکوئی چارہ کاربھی نہیں۔

وہ اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہیں گے وہ خداتووہ ہے جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیااورتم سب کی بازگشت بھی اسی کی طرف ہے۔

(۲۲)اورپھرکہیں گے اگرتم چھپ کرگناہ کرتے تھے تواس لئے نہیں کہ تمہیں اپنے کانوں، آنکھوں،اورجلدکی اپنے خلاف گواہی کا خطرہ تھا،تمہیں تواس بات کا بالکل خیال بھی نہیں تھا کہ یہ بھی کسی دن بولنے پرآجائیں گے اورتمہارے خلاف گواہی دیں گے۔

بلکہ تمہارے مخفی کام اس لئے تھے کہ تم گمان کرتے تھے کہ تمہارے بہت سے کاموں کوجوتم انجام دیتے ہوخدانہیں جانتا۔

تم اس بات سے غافل تھے کہ خداہرجگہ پرتمہارے اعمال کا شاہدوناظر ہےاورتمہارے اندرونی اور بیرونی رازوں کواچھی طرح جانتا ہے ساتھ ہی اس کے محکمہ نگرانی کے کارندے بھی ہرجگہ تمہارے ساتھ ہیں،آیاتم سرے سے اپنی آنکھوں،کانوں، بلکہ جلد بدن کے بغیرکوئی کام انجام دے سکتے ہو؟

(۲۳) تمہارا یہ غلط گمان تھا جو تم نے اپنے پروردگار کے بارے میں کیا تھا اور یہی چیز تمہاری تباہی کا سبب بنی اور انجام کار تم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو گئے۔

مندرجہ بالا آیات سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ خدا کی ذات کے بارے میں بدگمانی اس حد تک خطرناک ہے کہ بعض اوقات انسان کی ہلاکت اور ابدی عذاب کا سبب بن جاتی ہے۔

اس کے بالکل برعکس خداوند تبارک وتعالیٰ کی ذات کے ساتھ حسن ظن دنیا اور آخرت میں نجات کا سبب بن جاتا ہے۔

(۲۴) فَاِنْ یَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ وَ اِنْ یَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِیْنَ	اگر وہ صبر کریں یا نہ کریں جہنم ہر حالت میں ان کا ٹھکانا ہوگی اور اگر معافی کی درخواست کریں گے تو بھی انہیں معافی نہیں دی جائے گی۔
(۲۵) وَ قَیَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَیَّنُوْا لَهُمْ مَّا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۚ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ ۠	اور ہم نے ان کے لئے بُری سیرت والے ہم نشین مقرر کئے ہیں جو کہ برائیوں کو ان کے سامنے سے اور ان کے پس پشت ان کی نظر میں خوبصورت بنا کر پیش کرتے ہیں اور خدا کا فرمان ان کے بارے میں برحق ثابت ہوا اور وہ جن و انس کی گمراہ اقوام کے سے انجام سے دوچار ہوئے جو ان سے پہلے گزر چکی تھیں اور یقیناً وہ خسارہ اٹھانے والے تھے۔

تفسیر

برے ساتھی

گزشتہ آیات میں "اعداء اللّٰہ" (دشمنان خدا) کے انجام کا ذکر تھا، اور مندرجہ بالا دونوں آیات میں دنیا اور آخرت میں ان کی دردناک سزا کا ذکر موجود ہے

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے وہ صبر کریں یا نہ کریں۔ آتش جہنم ان کا ٹھکانا ہے اور اس سے ان کا چھٹکارا ناممکن ہے۔

پھر اسی مطلب کی تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے اگر وہ خدا سے معافی کی درخواست بھی کریں، قبول نہیں ہوگی اور انہیں معافی نہیں ملے گی۔

(۲۵) اس کے بعد ان کے دردناک دنیاوی عذاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ہم نے بداندیش اور بُری سیرت کے لوگوں کو ان کا ساتھی اور ہم نشین مقرر کیا ہے جو ہر چیز کو ان کی نگاہوں میں مزین کر چکے ہیں انہوں نے برائیوں کو اچھائیوں کی

صورت میں اور بدصورتی کو خوبصورتی کے رنگ میں پیش کیا ہے۔

یہ معنی نہایت واضح صورت میں سورۂ زخرف کی ۳۶ ویں اور ۳۷ ویں آیات میں آیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

''جو لوگ ذکر خدا سے منہ موڑتے ہیں ہم بھی ان کے لئے شیطان مقرر کر دیتے ہیں جو ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور یہ شیاطین انہیں راہ حق سے روکتے رہتے ہیں۔ جب کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہدایت یافتہ ہیں''۔

پھر فرمایا گیا ہے اس افسوسناک صورت حال کے پیش نظر عذاب کے بارے میں خدا کا فرمان برحق ثابت ہوا اور وہ اپنے سے پہلے جن وانس کی اقوام کے سے انجام سے دوچار ہوئے

آیت کو ان الفاظ پر ختم کیا گیا ہے:

''یقیناً وہ نقصان اٹھانے والے تھے''۔

(۲۶) وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ	اور کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور اس کی تلاوت کے وقت شور مچایا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔
(۲۷) فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ	ہم یقیناً کافروں کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اور انہیں ان کے انجام دیئے ہوئے بدترین اعمال کی سزا دیں گے۔
(۲۸) ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ	دشمنان خدا کی سزا آگ ہے اور وہ ان کی جاودانی سزا ہے یہ سزا انہیں ہماری آیات کے انکار کے بدلے میں ہے۔
(۲۹) وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ	کافروں نے کہا خداوندا جن وانس میں سے جن لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا ہے وہ ہمیں دکھلا تا کہ ہم انہیں اپنے پاؤں کے نیچے رکھیں اور انہیں روند ڈالیں تا کہ وہ پست ترین لوگوں میں سے ہوں۔

تفسیر

کفار کا شور مچا کر لوگوں تک آواز قرآن پہنچنے سے روکنے کی کوشش کرنا

گزشتہ آیات میں قوم عاد وثمود جیسی بعض اقوام نیز بدسیرت دوستوں اور جو حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے والے ہم نشینوں کے سلسلے میں گفتگو ہو رہی تھی زیر نظر آیات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور کے مشرکین کی بداندیشی اور انحراف کا کچھ ذکر کیا جا رہا ہے۔

اسی چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے اور کافروں نے کہا اس قرآن کو نہ سنو اور اس کی تلاوت کے وقت شور مچاؤ تا کہ تم غالب آجاؤ۔

حق وحقانیت کا مقابلہ کرنے کی یہ ایک خطرناک قدیم روش ہے جو آج بھی پہلے سے زیادہ وسیع اور خطرناک صورت میں جاری وساری ہے تا کہ اس طرح سے لوگوں کے اذہان کو منحرف کیا جا سکے، حق وعدالت کے علمبرداروں کی آواز کو دبایا جا سکے اور ماحول کو اس حد تک شور وشرابے سے معمور کر دیں کہ کوئی بھی شخص ان کی آواز نہ سن سکے۔

کبھی ڈھول بجا کر، تالیاں پیٹ کر اور سیٹیاں بجا کر،

کبھی بے ہودہ اور جھوٹی داستانیں بیان کر کے،

اور کبھی عشق ومحبت اور خواہشات نفسانی کے افسانے پیش کر کے اس کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے۔

بلکہ بعض اوقات تو معاملہ اس سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے اور اخلاق باختگی کے مراکز قائم کر کے لچر اور بے ہودہ فلمیں دکھا کر سرگرم رکھنے والا بے مقصد بلکہ ہیجان انگیز اور گمراہ کن لٹریچر شائع کر کے، جھوٹی سیاست بازی اور اشتعال انگیزی قائم کر کے غرض جو چیز بھی لوگوں کے اذہان کو راہ حق سے منحرف کر دے اسے اختیار کیا جاتا ہے۔

(۲۷) یہ آیت اس قبیل کے لوگوں کے لئے سخت عذاب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے ہم یقینی طور پر کافروں کو اور ان کی اگلی صفوں میں موجود ان افراد کو جو لوگوں کو آیات الٰہی سننے سے روکتے تھے سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

ہوسکتا ہے انہیں یہ عذاب دنیا میں اسلام کی فاتح افواج کے ہاتھوں قتل ہونے یا قید ہونے کی صورت میں ملے یا آخرت میں ملے یا دونوں جہانوں میں ملے۔

اور ہم انہیں ان کے بدترین اعمال کی سزا دیں گے۔

کفر وشرک آیات الٰہی کے انکار اور لوگوں کو حق بات سننے سے روک دینے سے بڑھ کر بھی کوئی بدعمل ہوسکتا ہے؟

(۲۸) پھر مزید زور دے کر قرآن کہتا ہے یہ خدا کے دشمنوں کی سزا ہے جہنم کی بھسم کر دینے والی آگ۔

اور آگ کا یہ عذاب نہ تو عارضی ہوگا اور نہ ہی جلد ختم ہونے والا بلکہ ان کے لئے اس آگ میں ہمیشہ کا ٹھکانا ہوگا۔

جی ہاں وہ اس آگ میں اس لئے دردناک عذاب سے دوچار ہوں گے کہ وہ ہماری آیات کا انکار کیا کرتے تھے۔

(۲۹) جب انسان کسی مصیبت میں گھر جاتا ہے خاص کر جب کسی خطرناک، سخت اور سنگین مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے اصل محرکات اور اس کا باعث بننے والوں کی تلاش شروع کر دیتا ہے تا کہ ان تک پہنچ کر ان سے اپنا انتقام لے اس کا دل چاہتا ہے کہ اگر اس کے بس میں ہو تو انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اسی لئے زیر نظر آیت میں دوزخ میں کفار کی اسی حالت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے پروردگارا! جن وانس میں سے جن لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا ہے تو ہمیں دکھلا تا کہ ہم انہیں روند ڈالیں اور پامال کر دیں اور وہ ذلیل ترین لوگوں میں سے ہو جائیں۔

وہ لوگ ہمیں کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتوں پر کان نہ دھرو۔

(۳۰)اِنَّ الَّذِيۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَبۡشِرُوۡا بِالۡجَنَّةِ الَّتِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ	جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے پھراس پر ڈٹ گئے، توان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ نہ تو ڈرو اور نہ ہی غم کرو اور تمہیں اس بہشت کی خوشخبری ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔
(۳۱)نَحۡنُ اَوۡلِيٰٓـؤُكُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ فِى الۡاٰخِرَةِ‌ ۚ وَ لَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِىۡۤ اَنۡفُسُكُمۡ وَ لَكُمۡ فِيۡهَا مَا تَدَّعُوۡنَ ؕ	ہم تمہاری اس دنیاوی زندگی میں بھی تمہارے یارومددگار ہیں اور آخرت میں بھی اور تمہارے لیے بہشت میں وہ سب کچھ فراہم ہے جو تم چاہو گے، اور جو کچھ تم طلب کرو گے تمہیں دیا جائے گا،
(۳۲)نُزُلًا مِّنۡ غَفُوۡرٍ رَّحِيۡمٍ ‏	یہ سب کچھ تمہارے غفور ورحیم اللہ کی طرف سے تمہاری خاطر تواضع کے لیے ہے۔

تفسیر

با استقامت مومنین پر فرشتوں کا نزول

ہم جانتے ہیں کہ مطالب سمجھانے اور واضح کرنے کے لیے قرآن مجید کا طریقہ کار یہ ہے کہ دو متضاد چیزوں کو تقابل کے طور پر ایک دوسرے کے سامنے لا کھڑا کرتا ہے، تاکہ ان کا باہمی موازنہ کیا جائے اور ان کی اچھی طرح سے شناخت ہو جائے۔

اور چونکہ گزشتہ آیات میں ضدی مزاج اور ہٹ دھرم منکرین کا تذکرہ تھا جو اپنے کفر پر ڈٹے ہوئے تھے اور خداوند عالم بھی انہیں دردناک عذاب اور مختلف سزاؤں کی وعید دے رہا تھا، لہٰذا ان آیات میں ان مومنین کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے جو اپنے ایمان میں پکے اور مستقل مزاج ہیں، اور خداوند عالم بھی انہیں سات قسم کی نعمتوں اور جزاؤں سے نوازنے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ اپنے اس کہے پر ڈٹ جاتے ہیں اور ان میں ذرہ بھر لغزش پیدا نہیں ہوتی اور جو اس کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے اس کا وہ اپنے گفتار و کردار کے ذریعے اظہار کرتے ہیں تو اللہ کے فرشتے ان پر نازل ہوتے ہیں کہ نہ تو ڈرو اور نہ ہی غم کرو۔ یعنی نہ مستقبل کے خوفناک واقعات سے ڈرو اور نہ گذشتہ گناہوں کا غم دل میں رکھو۔

دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو عشق الٰہی کا دم تو بھرتے ہیں لیکن میدان عمل میں ثابت قدم دکھائی نہیں دیتے۔ وہ ایسے سست اور ناتواں ہوتے ہیں جب انہیں خواہشات نفسانی کے طوفانوں کا مقابلہ کرنا پڑ جاتا ہے تو ایمان کو بھی خیر باد کہہ دیتے ہیں اور

میدان عمل میں بھی مشرک بن جاتے ہیں۔اور جب اپنے مفادات کو خطرات میں گھرا دیکھتے ہیں تو برائے نام ایمان کو بھی ضائع کر دیتے ہیں۔

البتہ یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ استقامت عمل صالح کی طرح ایمان کے درخت کا پھل ہے۔کیونکہ جب ایمان کافی حد تک کسی میں راسخ ہو جاتا ہے تو پھر اسے استقامت کی دعوت دیتا ہے جس طرح کہ راہ حق میں استقامت اور پائیداری ایمان کی گہرائی میں اضافہ کرتی ہے اسی طرح ایمان بھی استقامت کی تقویت کا باعث ہوتا ہے۔اور دونوں ایک دوسرے پر اثر انداز ہو تے ہیں۔

ایک روایت میں اسلام کے عظیم الشان پیغمبر ﷺ سے مروی ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا۔

مجھے کوئی ایسا حکم دیجیئے جسے میں مضبوطی سے تھامے رکھوں اور دنیا وآخرت میں نجات پا جاؤں؟

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قل ربی الله ثمہ استقمہ (تم کہو میرا پروردگار اللہ ہے،اور پھر اس پر مضبوطی سے قائم رہو۔)

پہلی اور دوسری خوشخبری کے بعد جو کہ خوف اور حزن کو دل میں راہ نہ دینا ہے۔تیسرے مرحلے پر ارشاد ہوتا ہے۔تمہیں اس بہشت کی خوشخبری ہو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

(۳۱) چوتھی خوشخبری یہ ہے کہ ہم تمہارے دنیاوی زندگی میں بھی یار و مددگار ہیں اور آخرت میں بھی ہم تمہیں کہیں بھی اکیلا نہیں چھوڑیں گے،نیکیوں میں تمہاری امداد کریں گے اور لغزشوں سے تمہیں بچائیں گے حتیٰ کہ تم بہشت میں پہنچ جاؤ گے۔

پانچویں بشارت کے سلسلے میں کہتے ہیں تمہارے لیے بہشت میں غیر مشروط طور پر وہ سب کچھ مہیا ہے جو کچھ تمہارا جی چاہے گا۔

چھٹی خوشخبری یہ ہے کہ نہ صرف مادی نعمتیں تمہاری حسب منشاء تمہیں ملیں گی بلکہ جو روحانی نعمتیں مانگو گے وہ بھی تمہیں ملیں گی۔

(۳۲) آخر میں ساتویں اور آخری نعمت کی خوشخبری انہیں یہ ملے گی کہ چونکہ تم جاودانی بہشت میں خدا کے مہمان ہو گے اور یہ سب نعمتیں تمہاری خاطر تواضع کے طور پر تمہیں عطا ہوں گی جس طرح کسی معزز مہمان کی کسی معزز میزبان کی طرف سے خاطر تواضع کی جاتی ہے لہٰذا یہ سب غفور و رحیم اللہ کی طرف سے میزبانی کے طور پر ہوگا۔

(۳۳)وَ مَنۡ اَحۡسَنُ قَوۡلًا مِّمَّنۡ دَعَاۤ اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ	کس کا قول اس شخص سے بہتر ہوسکتا ہے کہ جو خدا کی طرف بلاتا ہے، نیک عمل بجالاتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔

(۳۴)وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ	نیکی اور بدی کبھی برابر نہیں ہوسکتیں، برائی کو اچھائی کے ذریعے دور کر، تاکہ تیرے زبردست دشمن بھی تیرے سچے اور پکے دوست بن جائیں۔
(۳۵)وَ مَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ج وَ مَا یُلَقّٰهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ	لیکن اس مرحلہ تک وہی لوگ پہنچ سکیں گے جو صبر و استقامت کے حامل ہیں اور وہی لوگ پہنچ پائیں گے جو ایمان اور تقویٰ سے خوب بہرہ مند ہیں۔
(۳۶)وَ اِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ	اور جب بھی شیطانی وسوسے تیرا رخ کریں تو تُو خدا کی پناہ طلب کر کیونکہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

تفسیر

برائی کو اچھائی کے ذریعے دور کیجئے

گزشتہ آیات میں ان افراد کی بات ہو رہی تھی جو لوگوں کو قرآنی آیات سننے سے روکتے تھے۔

لیکن ان آیات میں اس کے بالکل برعکس ان لوگوں کا تذکرہ ہے جن کی گفتگو بہترین ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ کس کی گفتگو اس شخص سے بہتر ہوسکتی ہے جو خدا کی طرف دعوت دے اور نیک اعمال بجالائے اور کہے کہ میں مسلمانوں سے ہوں اور مکمل طور اسلام کو قبول کر چکا ہوں۔

یہ آیت بڑی صراحت کے ساتھ ان لوگوں کو بہترین گفتگو کرنے والا بتا رہی ہے جن میں یہ تین صفات پائی جاتی ہوں۔

(الف) خدا کی طرف دعوت۔

(ب) عمل صالح کی ادائیگی اور

(ج) حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا۔

(۳۴) خدا کی طرف دعوت دینے اور خدا کی طرف بلانے والوں کے اوصاف کو بیان کرنے کے بعد اس دعوت کی روش کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے نیکی اور بدی برابر نہیں ہیں۔

جبکہ مخالفین حق کے پاس بدگوئی، جھوٹ، مذاق، مسخرہ پن اور انواع و اقسام کے مظالم کے علاوہ اور کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ اور ان کے مقابلے میں تمہارا ہتھیار پاکیزگی، تقویٰ، قول برحق اور محبت و نرمی ہونا چاہئے۔

اگرچہ ''حسنة'' اور ''سیئة'' کا مفہوم وسیع ہے اور ہر قسم کی نیکیاں، خوبیاں، اچھائیاں اور برکتیں۔ ''حسنة'' کے مفہوم

میں آتی ہیں اوراسی طرح ہرقسم کی لغزشیں، برائیاں گمراہیاں اورعذاب ''سیئة'' کے مفہوم میں ہیں لیکن زیر نظر آیت میں ''حسنة'' اور ''سیئة'' سے وہی مراد ہے جو تبلیغی طریقہ کار سے متعلق ہے۔

پھراس بات کی تکمیل کے طور پر فرمایا گیاہے، بہتر طریقہ کار کے ذریعے برائی کا جواب دے اوراسے دور کر۔

حق کے ذریعے باطل کو دفع کرو، حلم اور حسن خلق کے ذریعے جہالت اور بدمزاجی کا، اور عفوودرگزر سے ان کی سختیوں کا جواب دو۔ یادرکھو کبھی بھی برائی کا برائی سے اور بدی کا بدی سے جواب نہ دو، کیونکہ یہ منتقم مزاج لوگوں کا طریقہ کار ہوتا ہے۔ جس سے گمراہ، سرکش اور ضدی مزاج افراد کی سختی میں اوراضافہ ہوجاتا ہے۔

آیت کے آخر میں اس منصوبے کے عمیق فلسفے کو ایک مختصر سے جملے میں بیان فرماتے ہوئے کہا گیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سخت سے سخت دشمن بھی سچے اور پکے دوست بن جائیں گے۔

(۳۵) اور چونکہ مخالفین سے اس قسم کا رویہ کوئی آسان کام نہیں ہوتا اور ایسے مقام تک پہنچنا گہری اخلاقی خودسازی کا مرہون منت ہوتا ہے۔ لہٰذا بعد کی آیت میں دشمنوں سے اس قسم کے رویے اور طریقہ کار کی اخلاقی بنیادوں کو قرآن مختصر اور بامعنی عبارت میں ارشاد فرماتا ہے۔ اس خصلت کو صابر اور صاحبان استقامت لوگوں کے سوا کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

اوراس عظیم خلق وخصلت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا سوائے ان لوگوں کے جو ایمان، تقویٰ اور اخلاق کے عظیم حصہ سے بہرہ مند ہیں۔

جی ہاں! انسان کو مدتوں خودسازی کرنا چاہیئے تاکہ وہ اپنے غیظ وغضب اور غصے پر قابو پاسکے۔ ایمان اور تقویٰ کے پرتو میں اس کی روح کو اس قدر وسیع اور قوی ہونا چاہئے کہ آسانی کے ساتھ دشمن کی اذیتوں اور تکلیفوں سے متاثر نہ ہوپائے۔

(۳۶) اور چونکہ اس عظیم مقصد تک پہنچنے کے لیے بہت سی رکاوٹیں درپیش ہوتی ہیں اور شیطانی وسوسے بھی مختلف صورتوں میں انسان کے آڑے آتے ہیں لہٰذا زیر تفسیر آیات میں سے آخری آیت میں نمونے کے حیثیت سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو مخاطب کرکے فرمایا گیا ہے جب بھی اس راہ میں تجھے شیطانی وسوسے درپیش ہوں تو متوجہ رہ اوران کے سامنے ڈٹ جا، خودکو خدا کے سپرد کردے اوراس کی مہربانی کے سائے میں پناہ لے کیونکہ وہ سننے والا اور صاحب علم ہے۔

ایسے موقع پر عام طور پر کچھ خیالات ذہن میں اٹھتے ہیں اور یا نام نہاد مصلحت اندیش لوگ اس قسم کی ہدایات دیتے ہیں کہ لوگوں کی ڈنڈے کے زور سے ہی اصلاح کی جاسکتی ہے خون کے دھبے خون ہی سے دھوئے جاسکتے ہیں وغیرہ۔ اس طرح سے وہ ایسے کو تیسا کے فارمولے کو ہرجگہ پر عملی جامہ پہنانا چاہتے ہیں اور برائی کا جواب برائی سے دینا چاہتے ہیں۔

لیکن قرآن فرماتا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ لوگ ایسے وسوسوں کا شکار ہوجائیں، سوائے خاص اوراستثنائی مواقع کے سختی سے کام لینا شروع کردیں۔

البتہ مندرجہ بالا آیت کا مفہوم بہت وسیع ہے اور وہ کہہ رہی ہے تمام شیطانی وسوسوں کے مقابلے میں خدا کی پناہ طلب کریں۔

(۳۷)وَ مِنۡ اٰیٰتِہِ الَّیۡلُ وَ النَّہَارُ وَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ؕ لَا تَسۡجُدُوۡا لِلشَّمۡسِ وَ لَا لِلۡقَمَرِ وَ اسۡجُدُوۡا لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَہُنَّ اِنۡ کُنۡتُمۡ اِیَّاہُ تَعۡبُدُوۡنَ	رات، دن، سورج اور چاند ہیں تو اس کی نشانیوں میں سے ہیں، سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو، اس خدا کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو کہ اسی کی عبادت کرو۔
(۳۸)فَاِنِ اسۡتَکۡبَرُوۡا فَالَّذِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّکَ یُسَبِّحُوۡنَ لَہٗ بِالَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ ہُمۡ لَا یَسۡـَٔمُوۡنَ السجدۃ	اگر وہ (پروردگار کی عبادت سے) تکبر کریں تو تمہارے رب کے پاس ایسے لوگ بھی ہیں جو رات دن اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور وہ تھکتے بھی نہیں۔
(۳۹)وَ مِنۡ اٰیٰتِہٖۤ اَنَّکَ تَرَی الۡاَرۡضَ خَاشِعَۃً فَاِذَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡہَا الۡمَآءَ اہۡتَزَّتۡ وَ رَبَتۡ ؕ اِنَّ الَّذِیۡۤ اَحۡیَاہَا لَمُحۡیِ الۡمَوۡتٰی ؕ اِنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ	اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک اور خاضع ہے پس جب ہم اس پر پانی بھیجتے ہیں تو وہ حرکت میں آجاتی ہے اور نشو ونما کرتی ہے جس نے کہ اسے زندہ کیا ہے وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر

سجدہ صرف خدا کو کرو

درحقیقت ان آیات سے اس سورہ کے ایک نئے حصے کا آغاز ہو رہا ہے جس میں توحید، معاد اور نبوت اور قرآن کی عظمت کا بیان ہے اور یہ درحقیقت مشرکین کی بتوں کی طرف دعوت کے مقابلے میں دعوت الی اللہ کا ایک روشن مصداق ہے۔

بات توحید کے مسئلہ سے شروع کی گئی ہے اور آفاقی آیات کے ذریعے لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ رات، دن، سورج اور چاند ہیں تو پروردگار کی نشانیوں میں سے ہیں۔

رات آرام وسکون کا ذریعہ اور دن کی روشنی اور چمک دمک تحرک اور فعالیت کا سبب ہوتی ہے۔ یہی دونوں مل کر منظم اور مرتب طریقے سے انسانی زندگی کے پہیے کو چلا رہے ہیں۔

یہ سورج ہمارے نظام شمسی میں تمام مادی برکات کا سرچشمہ ہے۔ روشنی، گرمی، حرکت، بارش کا نازل ہونا، نباتات کا اگنا سب سورج کے مرہون منت ہیں۔

اسی طرح چاند بھی تاریک راتوں کو روشنی بخشنے کا ذریعہ، بیابانوں میں سفر کرنے والوں اور صحراؤں میں مسافروں کے لیے دلکش اور زیبا چراغ ہے اور اپنے مدوجزر کے ذریعے بے انتہا برکتیں وجود میں لاتا ہے۔

اسی لیے تو کچھ لوگوں نے آسمان کے ان دونوں روشن چراغوں کے سامنے سجدہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ درحقیقت انہوں نے عالم اسباب میں مسب الاسباب کو دیکھے اور اس کی معرفت حاصل کیے بغیر اسباب کی پرستش شروع کر دی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن اس کے ساتھ ہی کہہ رہا ہے، سورج اور چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اُسے سجدہ کرو جس نے ان کو خلق فرمایا ہے اگر تم اسی کی عبادت کرنا چاہتے ہو۔

تم ان برکتوں کے منبع و مرکز اور سرچشمہ کو تلاش کیوں نہیں کرتے؟ اس کے مقدس آستان پر جبہ سائی کیوں نہیں کرتے؟ کیوں ایسی مخلوق کی عبادت کرتے ہو جو خود قوانین آفرینش کی اسیر ہے۔

(۳۸) پھر قرآن فرماتا ہے کہ اگر یہ منطقی دلیل بھی ان کی افکار و عقول کے لیے موثر نہ ہو اور اس کے باوجود وہ بتوں اور مجازی معبودوں کی عبادت میں جُتے رہیں اور معبود حقیقی کو فراموش کر دیں اور اگر عبادت خدا کے بارے میں تکبر کا اظہار کریں تو تو ہرگز نہ گھبرا کیونکہ مقرب فرشتے اس کی بارگاہ میں شب و روز اس کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور کبھی اس کی عبادت سے نہ تنگ آتے ہیں اور نہ ہی تھکاوٹ کا اظہار کرتے ہیں۔

اگر جاہل اور نادانوں کا ایک گروہ اس کی پاک ذات کو سجدہ نہیں کرتا تو کیا ہوا، یہ وسیع کائنات مقرب فرشتوں سے معمور ہے جو ہمیشہ رکوع، سجود، حمد اور تسبیح میں مصروف ہیں اور پھر یہ کہ اس پاک ذات کو تو ان فرشتوں کی عبادت کی بھی ضرورت نہیں بلکہ انہیں اس کی عبادت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس عالم امکان میں جو بھی اعزاز اور کمال ہے سب اس کی عبودیت کے زیر سایہ ہے۔

(۳۹) ایک بار پھر قرآن توحید پر مشتمل آیات کی طرف لوٹتا ہے جو مسئلہ معاد کا پیش خیمہ ہے۔ اگر پہلی آیت میں سورج، چاند اور آسمانی آیات کے بارے میں گفتگو تھی تو یہاں پر ارضی اور زمینی نشانیوں کا تذکرہ ہے۔

ارشاد فرماتا ہے اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ تم زمین کو خاشع و خشک اور بے حرکت پاتے ہو تو جب ہم اس پر بارش کے حیات بخش قطرے بھیجتے ہیں تو وہ حرکت میں آجاتی ہے اور نشو و نما کرنا شروع کر دیتی ہے۔

بے حس و حرکت، خشک اور مردہ زمین کی اور اس کے یہ تمام آثار حیات اور گونا گوں جلوے کہاں؟

اس واضح ترین توحیدی مسئلے یعنی زندگی کے مسئلے کہ جس کے اسرار اب بھی بہت سے عظیم دانشوروں سے پوشیدہ ہیں، سے خوبصورت طریقے سے گریز کرتے ہوئے معاد کے مسئلے کو بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے بے شک جس ذات نے اس مردہ زمین کو زندہ کیا ہے وہی مردوں کو بھی قیامت کے دن زندہ کرے گی۔

جی ہاں! وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کی قدرت کے دلائل ہر جگہ ظاہر اور اس کی نشانیوں کو ہر سال اپنی آنکھوں کے دیکھتے ہو۔ پھر معاد میں کیوں شک و شبہ کا اظہار کرتے ہو۔

(۴۰)اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْۤ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ	جولوگ ہماری آیات میں تحریف کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکیں گے۔آیا وہ شخص بہتر ہے جو آگ میں ڈالا جائے گا یا وہ جو آرام وسکون کے ساتھ بروز قیامت عرصہ محشر میں آئے گا؟ جو کچھ چاہو بجالاؤ،تم جو کچھ بھی انجام دیتے ہو خدا اسے دیکھ رہا ہے۔
(۴۱)اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ	جولوگ ذکر (قرآن) کے اپنے پاس آجانے کے بعد اس کے منکر ہو گئے ہیں (وہ بھی ہم سے نہیں چھپ سکیں گے) اور یہ ایک ایسی کتاب ہے جو قطعاً نا قابل شکست ہے۔
(۴۲)لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ لَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ	کوئی باطل نہ تو اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے، کیونکہ یہ صاحب حکمت اور قابل تعریف خدا کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

تفسیر

آیات حق کی تحریف کرنے والے

گزشتہ آیات میں پروردگار عالم کی آیات اور نشانیوں کا ذکر تھا اب ان آیات میں ان لوگوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے جو آیات توحید کی تحریف کرتے ہیں اور لوگوں کو غافل و گمراہ کرتے ہیں۔خدا فرماتا ہے جو لوگ کہ ہماری آیات میں تحریف کرتے ہیں وہ ہم سے چھپ نہیں سکیں گے۔

ہوسکتا ہے وہ لوگوں کو مغالطے میں ڈال دیتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنی بداعمالیوں پر پردہ ڈالتے ہوئے خود کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا لیتے ہوں لیکن ہم سے تو اپنا ایک تھوڑا سا عمل بھی نہیں چھپا سکتے ہو۔

قرآن مجید ان تمام چیزوں کو اسی سلسلہ گفتگو میں ایک واضح موازنے کے ساتھ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے: آیا جو شخص آگ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو بروز قیامت ایمان کے زیر سایہ نہایت امن واطمینان کے ساتھ عرصہ محشر میں قدم رکھے گا؟

جن لوگوں نے شک اور فساد کی آگ بھڑکا کر لوگوں کے ایمان کو جلا کر خاکستر کر دیا، اس دن انہیں خود کو بھی لقمہ آتش بننا ہوگا اور جن لوگوں نے ایمان کے زیر سایہ عالم بشریت کے لیے امن وامان کا ماحول مہیا کیا ہے انہیں قیامت کے دن بھی انتہائی اطمینان اور

سکون کا ماحول میسر ہونا چاہیئے تو کیا اس دن ہمارے اعمال جسمانی صورت اختیار نہیں کرلیں گے؟

جب کسی کی ہدایت سے مایوس ہو کر اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں جو تمہارا جی چاہے کرو، چنانچہ اسی آیت میں اس سلسلے میں انہیں بھی خطاب کرکے یہی کہا گیا ہے جو تمہارا جی چاہے کرو۔

لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ خدا تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ امر ان کی آزادی عمل یا کسی کام کو ضروری طور پر انجام دینے کے معنی میں نہیں ہے اسے بارے میں تنبیہ کی گئی ہے کہ ان کے کانوں میں کوئی بھی حق بات موثر واقع نہیں ہوتی۔

(۴۱) اس آیت میں توحید اور معاد کے بجائے موضوع سخن قرآن اور نبوت کو بنایا گیا ہے اور ضدی مزاج اور متعصب کفار کو ایک بار پھر تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔اور جو لوگ اس ذکر اور خدا کی یاد دلانے والی چیز (قرآن مجید) کے اپنے پاس آجانے کے بعد کافر ہو گئے وہ ہم سے چھپ نہیں پائیں گے۔

اس کے بعد قرآن مجید کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے فرمایا گیا ہے: یقیناً یہ ناقابل شکست کتاب ہے۔

یہ ایسی کتاب ہے جس کی مثال لانا کسی کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی غالب آ سکتا ہے۔ یہ ایک بے نظیر کتاب ہے جس کی منطق پختہ اور واضح ہے جس کے دلائل ٹھوس اور محکم ہیں جس کی تعبیریں مربوط اور گہری ہیں جس کی تعلیمات اصولی اور ثمر آور ہیں اور جس کے احکام وفرامین ہر دور میں انسان کی حقیقی ضروریات سے ہم آہنگ ہیں۔

(۴۲) پھر اس کتاب کی ایک اور واضح صفت اور عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کسی قسم کا باطل، نہ تو اس کتاب کے آگے سے آسکتا ہے اور نہ ہی اس کے پیچھے سے۔

وہ ایسا خدا ہے کہ جس کے تمام افعال حکمت پر مبنی ہیں اور نہایت ہی کمال و درستی کے حامل ہیں اسی لیے وہ تمام حمد وستائش کا مستحق ہے۔

نہ تو اس کے مفاہیم میں کوئی تناقض گوئی ہے اور نہ سابقہ علوم اور کتب سے اس کے خلاف کوئی چیز ملتی ہے۔ نہ تو کوئی شخص اس کے حقائق کو باطل کرسکتا ہے اور نہ ہی کبھی منسوخ کرسکتا ہے۔

اس کے معارف، قوانین، نصائح اور خبروں میں نہ اب کوئی تضاد ہے اور نہ ہی آئندہ ظاہر ہوگا۔

کوئی آیت بلکہ کوئی کلمہ نہ اس سے کم ہوا ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس پر اضافہ کی گئی ہے دوسرے لفظوں میں تحریف کرنے والوں کے ہاتھ اس کے بلند دامان تک نہ پہنچ سکے ہیں اور نہ ہی پہنچ پائیں گے۔

کیونکہ یہ خداوند حکیم و حمید کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

(۴۳)مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدۡ قِیۡلَ لِلرُّسُلِ مِنۡ قَبۡلِکَ ؕ اِنَّ رَبَّکَ لَذُوۡ مَغۡفِرَۃٍ وَّ ذُوۡ عِقَابٍ اَلِیۡمٍ	جو نا روا تہمتیں تجھ پر لگائی جاتی ہیں وہی تجھ سے پہلے پیغمبروں پر لگائی گئی ہیں، تیرا پروردگار بخشش اور دردناک عذاب کا مالک ہے۔
(۴۴)وَ لَوۡ جَعَلۡنٰہُ قُرۡاٰنًا اَعۡجَمِیًّا لَّقَالُوۡا لَوۡ لَا فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ ؕ ءَاَعۡجَمِیٌّ وَّ عَرَبِیٌّ ؕ قُلۡ ہُوَ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ہُدًی وَّ شِفَآءٌ ؕ وَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ وَقۡرٌ وَّ ہُوَ عَلَیۡہِمۡ عَمًی ؕ اُولٰٓئِکَ یُنَادَوۡنَ مِنۡ مَّکَانٍۭ بَعِیۡدٍ ۬	اور اگر ہم اسے عجمی قرآن بناتے تو وہ یقیناً یہی کہتے کہ اس کی آیات کیوں واضح نہیں ہیں؟ آیا عجمی قرآن، عربی پیغمبر کے لیے درست بات ہے؟ کہہ دے یہ ان لوگوں کے لیے ہدایت اور شفاء ہے جو ایمان لے آئے ہیں لیکن جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرا پن ہے گویا وہ اندھے ہیں اور اسے نہیں دیکھ پاتے۔ وہ ان لوگوں کے مانند ہیں جنہیں دور سے پکارا جاتا ہے۔
(۴۵)وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ فَاخۡتُلِفَ فِیۡہِ ؕ وَ لَوۡ لَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ لَقُضِیَ بَیۡنَہُمۡ ؕ وَ اِنَّہُمۡ لَفِیۡ شَکٍّ مِّنۡہُ مُرِیۡبٍ	ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، پھر اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر اس بارے میں تمہارے پروردگار کی طرف سے کوئی فرمان نازل نہ ہو چکا ہوتا (کہ انہیں مہلت دی جائے تاکہ اتمام حجت ہو جائے) تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ (اور وہ عذاب الٰہی کے مستحق ہو چکے ہوتے) لیکن وہ ابھی تک تیری کتاب میں شک کرتے ہیں۔

(۴۶)مَنۡ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفۡسِهٖ وَ مَنۡ اَسَآءَ فَعَلَیۡهَا ؕ وَ مَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلۡعَبِیۡدِ	جوشخص نیک عمل بجالاتا ہےخوداسی کے فائدہ کے لیے ہے اور جوشخص برائی کرے وہ خود سے برائی کرتا ہےاورآپ کا پروردگار بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔

تفسیر

قرآن ہدایت اورشفاء

چونکہ کفار مکہ دین اسلام اورخودآنحضرت ﷺ کے ساتھ زبردست مقابلے کا آغاز کر چکے تھےاورگزشتہ آیات میں توحید کے دلائل تھے نیزان کے الحادوکفراورآیات الٰہی کی تکذیب کی خبرتھی۔لہٰذا زیرتفسیران آیات میں سے پہلی آیت پیغمبر ﷺ کی تسلی کی خاطراوران دوسرے مسلمانوں کواستقامت اور پامردی کا درس دینے کے لیے نازل ہوئی ہےجنہیں دشمن کے زبردست دباؤ کا سامنا ہو۔سب سے پہلے فرمایا گیا ہےناروانسبتیں جوتیری طرف دی جاتی ہیں وہی تجھ سے پہلے پیغمبروں کی طرف دی جاچکی ہے۔

اگرآپ کوساحر کہتے ہیں تو آپ سے پہلے انبیاء کوبھی یہی کچھ کہتے تھے،اگرآپ کوجھوٹا کہتے ہیں تو وہ بھی اس تہمت سے محفوظ نہیں تھے۔خلاصہ کلام یہ کہ نہ تو آپ کی طرف سے توحیداور دین حق کی طرف دعوت کوئی نئی بات ہےاور نہ ہی ان کی طرف تہمت اورتکذیب۔لہٰذا آپ استقامت سے اپنے فریضے کوانجام دیجئے اوران کی باتوں کی ہرگز پرواہ نہ کیجئے۔

پھرآیت کےآخرمیں فرمایا گیاہے بےشک تیراپروردگار بخشش اوردردناک سزاکامالک ہے۔

رحمت اوربخشش ان لوگوں کے لیے ہے جوقرآن کوتسلیم کرتے ہیں اوردردناک عذاب ان کے لیے ہے جوجھٹلاتے ،تہمتیں لگاتے اورمخالفت پرکمربستہ ہوجاتے ہیں۔

(۴۴)اس آیت میں ان متعصب اورضدی مزاج لوگوں کے عجیب وغریب بہانوں کے متعلق گفتگو ہورہی ہےاوروہ یہ کہ وہ کہتے تھے،قرآن عجمی زبان میں کیوں نازل نہیں ہوا تا کہ ہم اسے بیشتراہمیت دیتےاورغیرعرب بھی اس سے زیادہ استفادہ کرتے؟

اسی موقع پرقرآن مجیدان کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے۔اگرہم اسے عجمی قرآن بناتے تو وہ یقیناً یہی کہتے کہ اس کی آیات کیوں واضح نہیں ہیں؟ یہ اس قدرپیچیدہ کلام کیوں ہے؟ یہ تو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

وہ یہ بھی کہتے کہ یہ عجیب بات ہے کہ قرآن عجمی اورپیغمبرعربی۔یا کہتے عجمی کتاب اورعربی لوگ۔

خلاصہ کلام یہ کہ وہ دل کےایسے بیمار ہیں کہ جوبھی منصوبہ بنایا جاتااور پروگرام مرتب کیا جاتااسی پراعتراض کرتے اورطرح طرح کے بہانے بناتے۔

پھرقرآن مجید پیغمبراکرم ﷺ سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہہ دے کہ یہ آسمانی کتاب ان لوگوں کے لیے ہدایت اور شفاء کا سبب ہے جوایمان چکے ہیں۔

اور جولوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرا پن ہے اور اسے وہ سمجھ نہیں پاتے۔
اور نابینا ہونے کی وجہ سے اسے نہیں دیکھتے۔
یہ بالکل ان لوگوں کی طرح ہیں کہ جنہیں دور سے پکارتے ہیں۔
اور معلوم ہے کہ ایسے لوگ نہ تو سنتے ہیں اور نہ ہی دیکھتے ہیں۔

(۴۵) اس آیت میں پیغمبر اسلام ﷺ اور اوائل اسلام کے مومنین کی تسلی اور دلجمعی کے لیے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس سر پھری قوم کی ہٹ دھرمی، انکار اور حیلے بہانوں سے آپ گھبرائیں نہیں یہ ان کا پرانا طریقہ کار ہے ہم نے موسیٰ کو آسمانی کتاب عطا کی اس میں اختلاف پیدا ہو گیا کچھ نے اسے قبول کیا اور کچھ نے انکار کر دیا۔

اگر آپ یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہم ان ضدی اور ہٹ دھرم دشمنوں کے عذاب میں جلدی نہیں کرتے تو یہ صرف اس لیے ہے کہ تربیت کی مصلحتوں کا تقاضا یہی ہے کہ وہ آزاد ہوں اور جہاں تک ممکن ہو اتمام حجت ہو جائے، اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے اس بارے میں کوئی فرمان صادر نہ ہوا ہوتا تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ اور خدائی عذاب بہت جلد انہیں آلیتا۔

یہ خدائی فرمان انسانی ہدایت کی مصلحت اور اتمام حجت کے طور پر تھا۔ یہ طریقہ کار تو سابقہ امتوں میں بھی رہا ہے۔ اور آپ کی امت میں بھی جاری ہے۔

لیکن ابھی تک انہوں نے اس حقیقت کو تسلیم نہیں کیا اور تیرے قرآن میں شک کرتے ہیں اور شک بھی ایسا جس میں بدگمانی شامل ہے۔

(۴۶) زیر بحث آخری آیت میں قرآن مجید نے انسانی اعمال کے بارے میں ایک قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے اور وہ یہ ہے مومنین قرآن سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور بے ایمان لوگ فیض الٰہی کے اس چشمے سے محروم ہیں اور یہ بات قرآن میں بار بار آئی ہے۔ یہی اس بحث کا تتمہ اور تکمیلی حصہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے جو شخص نیک اعمال بجالائے ان کا فائدہ خود اس کے لیے ہے اور جو شخص برائی کرے وہ بھی اپنے آپ سے برائی کرے گا اور تمہارا پروردگار ہرگز بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

بنابریں اگر وہ اس کتاب پر اور اس عظیم دین پر ایمان نہ لائیں تو وہ نہ تو خدا کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی آپ کو کیونکہ اچھائی اور برائی اپنے کرنے والے کی طرف پلٹ جاتی ہے۔ اور وہ لوگ خود ہی اپنے اعمال کا میٹھا یا کڑوا پھل کھائیں گے۔

یہاں پر اور قرآن کے دوسرے مقامات پر ظلام (بہت ظلم کرنے والا) مبالغے کا صیغہ اس بات کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو بغیر دلیل کے خدا سزا دے تو یہ بہت بڑے ظلم کا مصداق بن جاتا ہے۔ کیونکہ اس سے قطعاً اس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اور بالخصوص چونکہ اس کی مخلوق بہت بڑی تعداد میں ہے اگر ہر شخص پر بھی ذرہ بھر ظلم کرے تو بھی "ظلام" کا مصداق پیدا کرے گا۔

(۴۷)اِلَيۡهِ يُرَدُّ عِلۡمُ السَّاعَةِ ؕ وَ مَا تَخۡرُجُ مِنۡ ثَمَرٰتٍ مِّنۡ اَكۡمَامِهَا وَ مَا تَحۡمِلُ مِنۡ اُنۡثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلۡمِهٖ ؕ وَ يَوۡمَ يُنَادِيۡهِمۡ اَيۡنَ شُرَكَآءِىۡ ۙ قَالُوۡۤا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنۡ شَهِيۡدٍ ۚ	قیامت اوراس کے واقع ہونے کے لمحے کے راز صرف خدا جانتا ہے کوئی پھل اپنے چھلکے سے باہر نہیں نکلتا ، کوئی مونث حاملہ نہیں ہوتی اور کوئی وضع حمل نہیں کرتی مگر اسی کے علم کے ساتھ اور جس دن ان لوگوں کو پکارے گا کہ کہاں ہیں وہ شریک جو تم میرے لیے بناتے تھے ؟ تو وہ کہیں گے (پروردگارا) ہم نے عرض کیا ہے کہ اپنی باتوں کا ہمارے پاس کوئی گواہ نہیں ہے۔
(۴۸)وَ ضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَدۡعُوۡنَ مِنۡ قَبۡلُ وَ ظَنُّوۡا مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ	اور جن معبودوں کو وہ اس سے پہلے بلایا کرتے تھے وہ محو اور گم ہو جائیں گے اور وہ جان لیں گے کہ ان کی کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔

تفسیر

سب راز اللہ کے پاس ہیں

گزشتہ آیت میں یہ بات ہو رہی تھی کہ نیک اور بد اعمال کی بازگشت ان کے انجام دینے والوں کی طرف ہوتی ہے۔ اور ضمنی طور پر روز قیامت کی جزا اور سزا کے بارے میں اشارہ تھا۔

اب یہاں پر مشرکین کی طرف سے کیے گئے اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جس قیامت کے بارے میں تم کہتے ہو وہ کب آئے گی؟

قرآن مجید ان آیات میں پہلے تو ان کے اس سوال کے جواب میں کہتا ہے کہ قیامت کے زمانے سے آگاہی خدا ہی کے ساتھ خاص ہے اور اس کا علم صرف خدا کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

اس سے نہ تو کوئی نبی مرسل آگاہ ہے اور نہ ہی ملک مقرب۔

پھر فرمایا گیا ہے کہ صرف قیام قیامت کے زمانے کا علم ہی خدا کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کائنات اور موجودات عالم کے ظاہری اور باطنی رازوں کا علم بھی اسی کے پاس ہے کوئی پھل اپنے چھلکے سے باہر نہیں نکلتا، کوئی عورت یا مادہ جانور حاملہ نہیں ہوتی اور وضع

حمل نہیں کرتی مگر خدا کے علم اور اس کی آگاہی کے ساتھ۔

نباتات، حیوانات کی دنیا اور عالم انسانیت میں جو نطفہ بھی منعقد ہوتا ہے اور ثمر آور ہو کر متولد ہوتا ہے خداوند عالم کے فرمان اور اس کے علم و حکمت کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

پھر فرمایا گیا ہے کہ یہ لوگ جو قیامت کا انکار کرتے ہیں یا اس کا مذاق اڑاتے ہیں جس دن کہ قیامت برپا ہوگی انہیں خدا پکار کر کہے گا کہ کہاں ہیں وہ شریک جو تم میرے لیے قرار دیتے تھے؟ تو وہ کہیں گے، خداوندا ہم نے عرض کر دیا ہے کہ ہم اپنی باتوں پر کوئی گواہ نہیں رکھتے۔

ہم جو کچھ کہتے تھے وہ سب بے اساس اور بے بنیاد باتیں تھیں۔ ایسی باتیں تھیں جو جہالت، لاعلمی اور اندھی تقلید کا نتیجہ تھیں۔ آج ہمیں اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے۔ کہ یہ سب باطل اور بے بنیاد دعوے تھے۔

(۴۸) اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ اس سے پہلے وہ جن معبودوں کو پکارا کرتے تھے آج ان میں سے کوئی بھی دکھائی نہیں دیتا۔ سب مٹ گئے اور نیست و نابود ہو گئے ہیں۔

اصولی طور پر قیامت کا منظر ان کے لیے اس حد تک وحشتناک ہوگا کہ بتوں کی یادگاریں ان کی نگاہوں اور ذہنوں سے مٹ جائیں گی۔

جی ہاں! اس دن انہیں معلوم ہوگا کہ کوئی جائے پناہ اور راہ فرار ان کے لیے موجود نہیں ہے۔

(۴۹) لَا يَسْئَمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ۫ وَ اِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَئُوْسٌ قَنُوْطٌ	انسان کبھی بھی نیکی (اور نعمت) کی دعا سے نہیں تھکتا، اور جب کسی برائی سے دوچار ہوتا ہے تو مایوس اور نا اُمید ہو جاتا ہے۔
(۵۰) وَ لَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَ مَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ لَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْۤ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَ لَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ	اور جب ہم اسے کسی مصیبت کے بعد اپنی رحمت (کا لطف) چکھاتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میری لیاقت اور استحقاق کی بنا پر تھا اور میرا گمان نہیں ہے کہ قیامت برپا ہوگی (اور بالفرض قیامت ہو بھی تو) جس دن میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جاؤں گا تو اس کے نزدیک میرے لیے اچھی جزا ہے لیکن کافروں نے جو اعمال انجام دیئے ہیں ہم انہیں (بہت جلد) آگاہ کر دیں گے اور انہیں عذاب شدید چکھائیں گے۔

(۵۱)وَ اِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَی الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَ نَاٰ بِجَانِبِہٖ ۚ وَ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِیۡضٍ	اور جب ہم کسی انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور تکبر کی حالت میں حق سے دور ہو جاتا ہے۔ لیکن جب بھی اسے تھوڑی سی تکلیف پہنچے تو (اس کے دور ہونے کے لیے) لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے۔
(۵۲)قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ کَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ ثُمَّ کَفَرۡتُمۡ بِہٖ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ ہُوَ فِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ	کہہ دے مجھے بتاؤ۔ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کرو تو اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو دور کی مخالفت اور گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

تفسیر

یہ کم ظرف انسان

گزشتہ آیات میں مشرکین اور ان کے انجام کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی اسی مناسب سے زیر نظر آیات میں ضعیف الایمان بلکہ بے ایمان لوگوں کی کیفیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے جو بڑی وضاحت کے ساتھ ان کوتاہ اندیش اور کم ظرف افراد کی صورت حال کو مجسم کر کے پیش کر رہی ہے۔

پہلے فرمایا گیا ہے انسان کبھی بھی نیکیوں، مال و دولت اور زندگی کی نعمتیں مانگنے سے نہیں تھکتا۔

اس کی حرص و ہوس کا تنور ہمیشہ گرم ہی رہتا ہے۔ اسے جتنا بھی مل جائے پھر کہتا ہے۔ "ھل من مزید" اسے جس قدر بھی دے دیا جائے پھر بھی سیر ہونے کو نہیں آتا۔

لیکن اگر دنیا اس سے منہ موڑ لے، اس کی نعمتیں زائل ہو جائیں۔ سختی، تنگدستی اور فقر و فاقہ اسے دامن گیر ہو جائے تو وہ بالکل مایوس اور نا اُمید ہو جاتا ہے۔

یہاں پر انسان سے مراد غیر تربیت یافتہ انسان ہیں جن کا دل معرفت الٰہی، خدا پر ایمان اور قیامت کے لیے جوابدہی کے احساس کے نور سے منور نہیں ہوا۔

(۵۰) اس آیت میں علم و ایمان سے دور انسان کی ناپسندیدہ حالت یعنی اس کے غرور اور خود پسندی کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے فرمایا گیا ہے۔ جب ہم کسی انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا لطف چکھاتے ہیں جبکہ اس سے پہلے تکلیف پہنچ چکی ہوئی ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ میری اپنی لیاقت اور استحقاق کی وجہ سے ہے۔

یہ مغرور بے چارہ اس بات کو بھول چکا ہوتا ہے کہ اگر لطف خداوندی شامل حال نہ ہو تو اس نعمت کے بجائے مصائب میں گرفتار ہو جائے۔

اسی آیت میں ہے کہ آخر کار یہ غرور اسے آخرت کے انکار تک پہنچا دیتا ہے اور وہ کہتا ہے مجھے یقین نہیں ہے کہ قیامت بھی قائم ہوگی۔

بالفرض اگر قیامت ہو بھی تو جب میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جاؤں گا تو میرے لیے وہاں اچھی جزا اور بہت سی نعمتیں آمادہ ہیں جس خدا نے مجھے اس دنیا میں اس قدر عزت عطا فرمائی ہے آخرت میں تو یقیناً اس سے بہتر خاطر تواضع کرے گا۔

لیکن خداوند عالم ان مغرور اور سرکش افراد کو آیت کے آخر میں یوں تنبیہ کرتا ہے کہ ہم بہت جلد کافروں کو ان کے ان اعمال سے آگاہ کریں گے کہ جو وہ انجام دے چکے ہیں اور انہیں سخت عذاب چکھائیں گے۔

(۵۱) اس آیت میں اس قسم کے انسانوں کی اس حالت کو بیان کیا جا رہا ہے جو مادی دنیا کے آنے اور چلے جانے کے موقع پر ان پر طاری ہوتی ہے یعنی نعمتوں کے حصول کے وقت فراموشی اور مصیبت کے وقت آہ وزاری۔

چنانچہ فرمایا گیا ہے جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور حق سے دور ہو جاتا ہے۔

لیکن جونہی اسے تھوڑی سی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کے دور ہونے کے لیے لمبی چوڑی دعائیں کرتا ہے۔

جی ہاں! ایمان اور تقویٰ سے خالی انسان کی یہی حالت ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ ایسی حالتوں سے دوچار رہتا ہے۔ جب اسے نعمتیں مل جائیں تو اس وقت وہ حریض مغرور اور بھول جانے والا بن جاتا ہے اور جب نعمتیں منہ موڑ کر چلی جائیں تو مایوس اور ناامید ہو کر واویلا شروع کر دیتا ہے۔

لیکن اس کے مقابلے میں ایسے مردان حق اور مردان حق اور مکتب انبیاء کے سچے پیروکار بھی ہیں جو اس قدر وسیع ظرف اور بلند حوصلوں کے مالک ہیں کہ نہ تو نعمتوں کا حصول انہیں آپے سے باہر کر دیتا ہے اور نہ ہی دنیا کے منہ پھیر لینے سے وہ بے حوصلہ ہو کر مایوس ہو جاتے ہیں۔

(۵۲) زیر بحث آخری آیت میں خود ان متعصب اور ہٹ دھرم لوگوں کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے اور دفع ضرر کے مشہور اصول کی روشن اور واضح انداز میں وضاحت اور تشریح کی گئی ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے ان سے کہہ دے مجھے بتاؤ اگر یہ قرآن خداوند واحد و یکتا کی طرف سے ہو (حساب و کتاب، سزا و جزا اور جنت وجہنم بھی ہو)۔ اور تم کافر ہو جاؤ تو اس شخص سے

بڑھ کر کون گمراہ ہوگا جو دور کی مخالفت اور گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

یہ وہی انداز گفتگو ہے جو ائمہ اطہار متعصب اور ہٹ دھرم لوگوں کے مقابلے میں اپناتے تھے۔ چنانچہ کتاب کافی میں ایک روایت میں ہے کہ امام جعفر صادق نے اپنے زمانے کے مشہور مادہ پرست اور ملحد ابن ابی العوجاء سے جملہ ارشاد فرمایا:

''اگر وہی ہے جیسے کہ تم کہتے ہو (کہ خدا اور قیامت کا وجود نہیں ہے)............ حالانکہ ایسا نہیں ہے............ تو تم بھی نجات پا گئے اور ہم بھی۔ لیکن اگر حقیقت وہی ہے جو ہم کہتے ہیں............ اور ہے بھی ایسا ہی............ تو ایسی صورت میں ہم بچ جائیں گے اور تم برباد ہو جاؤ گے۔

(۵۳) سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَ لَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ	ہم بہت جلد انہیں کائنات کے اطراف میں اور ان کے اپنے نفوس میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے تاکہ وہ واضح ہو جائے کہ وہ حق ہے آیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تیرا پروردگار ہر چیز پر شاہد اور گواہ ہے۔
(۵۴) اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَاۗءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ۧ	آگاہ رہو کہ وہ اپنے پروردگار کی ملاقات کے بارے میں شک وشبہ میں پڑے ہوئے ہیں لیکن خدا ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

تفسیر

چھوٹے اور بڑے جہان میں حق کی نشانیاں

یہ اس سورۂ کی آخری دو آیات ہیں جن میں دو اہم مطالب کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو درحقیقت اس پوری سورت کی جملہ مباحث کا خلاصہ ہیں۔ پہلی آیت توحید (یا قرآن) کے بارے میں گفتگو کر رہی ہے اور دوسری معاد کے بارے میں۔

پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے۔ ہم بہت جلد انہیں کائنات کے اطراف وآفاق میں اور اسی طرح خود ان کے نفوس میں اپنی نشانیاں دکھلائیں گے تاکہ انہیں اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ خدا حق ہے۔

سورج، چاند اور ستارے کی تخلیق اور ان پر صحیح انداز میں حاکم نظام، حیوانات، نباتات، پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں کی

آفرینش اور ان کے بے شمار اور حیران کن عجائبات اس کے بے شمار اسرار آمیز گونا گوں موجودات کہ جن کی تخلیق سے ہر روز نت نئے انکشافات ہوتے رہتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک خداوند متعال کی ذات اقدس کی حقانیت پر واضح دلیل ہے آفاقی آیات کہلاتی ہیں۔

اور انسان جسم کی تخلیق، انسانی دماغ کی حیرت انگیز ساخت، دل، رگوں اور ریشوں اور ہڈیوں کی منظّم حرکت، نطفے کا انعقاد، رحم مادر میں جنین کی پرورش اور ان سب سے بڑھ کر روح انسانی کے حیرت انگیز اسرار و رموز کہ جن میں سے ہر ایک پروردگار عالم اور خالق کائنات کی کتاب معرفت کا ایک گوشہ ہے، انفسی آیات کہلاتی ہیں۔

آخر میں اس لطیف اور دلچسپ بیان کو ایک اور خوبصورت اور بامعنی جملہ کے ساتھ مکمل کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ آیا ان کے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ خدا ہر چیز پر شاہد اور گواہ ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنی قدرت کے خط تکوین کے ذریعے تمام موجودات کی پیشانی پر، تمام درختوں کے پتوں پر، تمام پھولوں کی پنکھڑیوں پر، زمین کے تمام اسرار آمیز طبقوں پر، آنکھ کے نفیس و ظریف پردوں پر، آسمان کے صفحے پر اور زمین کے دل پر گویا ہر ہر چیز پر اپنی توحید کی نشانیاں لکھ کر اپنی تکوین کا شاہد بنا دیا ہے۔

(۵۴) اس سورت کی آخری آیت اس مشرک، مفسد اور ظالم ٹولے کی بدبختی کا اصل سرچشمہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہے۔ آگاہ رہو کہ وہ پروردگار کی ملاقات اور قیامت کے دن کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہو۔

چونکہ حساب و کتاب اور سزا و جزا پر ایمان نہیں ہے لہٰذا ہر جرم کا ارتکاب کر گزرتے ہیں اور ہر شرمناک کام انجام دے دیتے ہیں، ان کے دلوں پر غفلت اور غرور کے پردے پڑے ہوئے ہیں اور پروردگار سے ملاقات کی فراموشی نے انہیں عظمت انسانیت کی بلندی سے پستی میں دھکیل دیا ہے۔

لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ خدا ہر چیز پر محیط ہے۔

ان کے تمام اعمال، گفتار اور نیتیں خدا کی بارگاہ علم میں مکمل طور پر عیاں ہیں اور سب کچھ قیامت کی عظیم عدالت کے لیے اکٹھا ہو رہا ہے۔

درحقیقت آخری جملہ معاد کے بارے میں کفار کے بعض شکوک وشبہات کا جواب ہے جن میں سے کچھ شبہات یہ بھی ہے کہ یہ بات کس طرح ممکن ہے کہ یہ منتشر اور پھر مخلوط مٹی جدا ہو جائے؟ کون سی طاقت ہر انسان کے اجزاء کو یکجا کر سکے گی؟ علاوہ بریں پوری تاریخ کے تمام انسانوں کی نیتوں، اعمال اور گفتار سے کون آگاہ ہو سکتا ہے؟

قرآن مجید ان تمام سوالوں کے جواب میں کہتا ہے:

’’جو تمام چیزوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس پر یہ تمام باتیں روشن ہیں تمام چیزوں پر اس کے علمی احاطہ کی دلیل تمام چیزوں پر اس کی تدبیر ہے، یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مدبر عالم دنیا جہان کے حالات سے بے خبر ہو؟‘‘

عالم کا تمام چیزوں پر احاطہ نہایت ہی دقیق اور لطیف معنی رکھتا ہے اور وہ ہے تمام موجودات کا اپنی ذات میں اس کے وجود مقدس کے ساتھ وابستہ ہونا۔

دوسرے لفظوں میں اس ساری کائنات میں سوائے ایک پاک ذات کے کسی بھی چیز کا وجود اصالت نہیں رکھتا اور قائم بالذات نہیں ہے اور دوسرے تمام ممکنہ موجودات کا وجود اس طرح اسی کی ذات کے سہارے قائم اور اسی سے وابستہ ہے کہ اگر ایک لمحے کے لے یہ رابطہ ختم ہو جائے تو تمام کائنات تباہ و برباد ہو جائے۔

سورہ شوریٰ

اس کی ۵۳ آیات ہیں

مکہ میں نازل ہوئی

(البتہ چند آیات کے بارے میں اختلاف ہے)

سورہ شوریٰ کے مندرجات

اس سورت کی گفتگو کا مندرجہ ذیل حصوں میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے

پہلا حصہ جو اس سورت کا اہم ترین حصہ شمار ہوتا ہے اس میں وحی، انبیاء کے ساتھ خدا کا اس مرموز طریقے سے رابطہ کے متعلق گفتگو ہوئی ہے۔

دوسرا حصہ مشتمل ہے توحید کے دلائل، آفاق وانفس میں خدا کی آیات کے اشارات پر کہ جن سے وحی کی گفتگو کی تکمیل ہوتی ہے

تیسرے حصہ میں معاد کے مسئلے اور قیامت کے دن کفار کے انجام کی طرف اشارہ ہے۔

چوتھے حصہ میں اخلاقی مباحث کا ایک سلسلہ ہے۔ آیت اڑتیس (۳۸) میں مسلمانوں کو باہمی مشورے کا حکم دیا گیا ہے اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''شوریٰ'' رکھا گیا ہے۔

سورہ شوریٰ کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''جو شخص سورہ شوریٰ کی تلاوت کرے وہ بروز قیامت آفتاب کے مانند چمکدار چہرے کے ساتھ محشور ہوگا اور اسی حالت میں اللہ رب العزت کی بارگاہ میں پیش ہوگا خدا فرمائے گا۔ میرے بندے تو نے سورہ حٰم عسق کی پابندی کے ساتھ تلاوت جاری رکھی جبکہ تو اس کے ثواب سے بے خبر تھا اور اگر اس ثواب سے باخبر ہوتا تو تو اس کی تلاوت سے کبھی نہ تھکتا۔ لیکن آج میں تجھے اس کا ثواب ضرور عطا کروں گا، پھر حکم دے گا کہ اسے بہشت کی خصوصی نعمتوں تک پہنچا دیا جائے''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) حٰمٓ ۚ	حٰم
(۲) عٓسٓقٓ	عسق
(۳) کَذٰلِکَ یُوۡحِیۡۤ اِلَیۡکَ وَ اِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۙ اللّٰہُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ	خداوند عزیز وحکیم تیری طرف اور جو پیغمبر تجھ سے پہلے ہو گزرے ہیں اسی طرح وحی کرتا ہے

(۴)لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ هُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ	جو کچھ آسمانوں میں ہے وہ بھی اور جو کچھ زمین میں ہے وہ بھی سب خدا کے لئے ہے اور وہ بلند مرتبہ اور صاحب عظمت ہے۔
(۵)تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ	نزدیک ہے کہ مشرکین کی ناجائز تہمتوں کی وجہ سے آسمان اوپر سے پھٹ جائیں ۔فرشتے ہمیشہ اپنے پروردگار کی تسبیح اور حمد بجا لاتے ہیں اور جو لوگ زمین پر ہیں ان کے لئے استغفار کرتے ہیں ،آگاہ رہو کہ خداوند عالم بخشنے والا اور مہربان ہے۔

تفسیر

نزدیک ہے کہ آسمان پھٹ جائیں

اس سورت میں ایک بار پھر ہم حروف مقطعات کی تلاوت کر رہے ہیں اور اب کی مرتبہ نسبتاً زیادہ تعداد میں انہیں دیکھ رہے ہیں ۔یعنی پانچ حروف کی تعداد میں حٰم عسق حٰم قرآن مجید کی سات سورتوں مومن حٰم شوریٰ، زخرف ، دخان ، جاثیہ اور احقاف کے آغاز میں آیا ہے لیکن اس سورت شوریٰ میں عسق کا اس کے ساتھ اضافہ ہے۔

(۳) حروف مقطعات کے بعد حسب معمول وحی اور قرآن کی بات شروع ہوتی ہے ارشاد ہوتا ہے اسی طرح خداوند عزیز و حکیم تیری طرف اور تجھ سے پہلے انبیاء کی طرف وحی کرتا ہے۔

وحی کا سرچشمہ تو ہر جگہ ایک ہی ہے اور وہ ہے خداند عالم کا علم اور اس کی قدرت اور تمام انبیاء کی وحی کے مطالب ومضامین بھی اصول اور قواعد بھی ایک جیسے ہوتے ہیں۔

اس کی ناقابل شکست عزت اور قدرت کا تقاضا ہے کہ وہ وحی اور اس کے عظیم مضامین پر قدرت رکھتا ہو۔

اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وحی ہر لحاظ سے حکمت پر مبنی اور انسان کی ارتقائی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہو۔

(۴) پھر فرمایا گیا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے صرف اس کے لئے ہے اور وہ بلند مرتبے اور عظمت کا مالک ہے۔

زمین اور آسمان میں اس کی ملکیت اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ اپنی مخلوق اور اس کے انجام سے بے خبر نہ ہو، بلکہ ان کے امور کو سنبھالے اور وحی کے ذریعے ان کی ضروریات کو پورا کرے۔

(۵) اس آیت میں فرمایا گیا ہے قریب ہے کہ خدا کی طرف سے باعظمت وحی کے نزول یا مشرکین کی خدا کی ذات پاک کی طرف ناروا تہمتوں اور بتوں کے شریک بنانے کی وجہ سے آسمان اوپر سے پھٹ جائیں۔

سلسلہ آیت کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے فرشتے اپنے رب کی تسبیح اور حمد بجالاتے ہیں اور زمین میں رہنے والوں کے لئے استغفار کرتے ہیں۔

اس جملے کا پہلے حصے سے رابطہ پہلی تفسیر کی بنا پر یوں ہوگا کہ اس عظیم آسمانی وحی کے حامل فرشتے ہمیشہ خدا کی حمد اور تسبیح بجا لاتے ہیں اور اس کی ہر کمال کے ساتھ ستائش کرتے ہیں اور اسے ہر نقص سے منزہ ومبرا سمجھتے ہی ں اور چونکہ اس وحی کے مضامین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرائض اور ان کی ادائیگی کا حکم ہے اور ہوسکتا ہے اس بارے میں مومنین سے کسی قسم کی لغزش سرزد ہو جائے۔ لہٰذا قرآن کہتا ہے کہ فرشتے مومنین کی امداد کے لئے آگے بڑھتے ہیں اور ان کی لغزشوں کی معافی چاہتے ہیں اور خدا سے ان کی لئے مغفرت طلب کرتے ہیں۔

آخر میں خداوند عالم کی دیگر دو صفات کا ذکر فرمایا گیا ہے جو رحمت اور مغفرت کے بارے میں ہے اور مسئلہ وحی اور اس کے مطالب و مضامین اور مومنین کے فرائض کے سلسلے ہے ارشاد فرمایا گیا ہے آگاہ رہو خداوند عالم بخشنے والا مہربان ہے۔

تو اس طرح سے مسئلہ وحی سے متعلق خداوند عالم کے اسمائے حسنہ بیان ہوئے ہیں اور ان کے ضمن میں مومنین کے بارے میں فرشتوں کی دعا کی قبولیت۔

(۶) وَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ اللّٰهُ حَفِیْظٌ عَلَیْهِمْ ۖ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَكِیْلٍ	جنہوں نے خدا کے علاوہ اوروں کو اپنا ولی بنایا ہے اللہ ان کے تمام اعمال کا حساب محفوظ رکھتا ہے اور تیرا یہ کام نہیں ہے کہ انہیں حق کے قبول کرنے پر مجبور کرے۔
(۷) وَ كَذٰلِكَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا وَ تُنْذِرَ یَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ	اور اس طرح ہم نے تیری طرف فصیح عربی قرآن نازل کیا ہے تاکہ ام القریٰ اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کو ڈرائے اور انہیں اس روز سے بھی خوف دلائے جس میں تمام لوگ جمع ہوں گے اور اس میں کسی قسم کا شک بھی نہیں ہے، وہی دن جس میں کچھ لوگ تو بہشت میں اور کچھ جہنم میں ہوں گے۔

(۸)وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَہُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّ لٰکِنۡ یُّدۡخِلُ مَنۡ یَّشَآءُ فِیۡ رَحۡمَتِہٖ ؕ وَ الظّٰلِمُوۡنَ مَا لَہُمۡ مِّنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ	اور اگر خدا چاہتا تو ان سب کو ایک ہی امت قرار دیتا اور انہیں زبردستی ہدایت کرتا لیکن زبردستی ہدایت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا لیکن خدا جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر دیتا ہے اور ظالموں کے لئے کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے۔

تفسیر

اُم القریٰ سے قیام

چونکہ گزشتہ آیات میں شرک کے مسئلہ کی طرف اشارہ ہو چکا ہے لہٰذا زیرنظر آیات میں سے پہلی آیت میں مشرکین کے انجام کی نشاندہی کی گئی ہے ارشا ہوتا ہے جن لوگوں نے خدا کے علاوہ دوسرے لوگوں کو اپنا ولی بنایا ہے خدا ان کے اعمال کا حساب محفوظ رکھتا ہے اور ان کی نیتوں سے آگاہ ہے۔

تا کہ موقع پر ہی ان کا حساب چکا دے اور انہیں ضروری سزا دے دے۔

پھر روئے سخن پیغمبر اسلام ﷺ کی طرف کر کے فرمایا گیا ہے تیرا یہ کام نہیں ہے کہ انہیں حق قبول کرنے پر مجبور کرے۔

آپ کا کام تو صرف تبلیغ رسالت اور خدا کے احکام خدائی بندوں تک پہنچانا ہے۔

(۷) اس کے بعد ایک بار پھر مسئلہ وحی کو بیان کیا جا رہا ہے اور اگر سابقہ آیات میں خود وحی کی بات ہو رہی تھی تو یہاں پر وحی کا مقصد بتایا جا رہا ہے فرمایا گیا ہے اور اسی طرح ہم نے تیری طرف فصیح عربی قرآن نازل کیا ہے اور تجھ پر اس کی ہے تا کہ تو ام القریٰ (مکہ) اور اس کے اردگرد والوں کو ڈرائے۔

اور انہیں اس دن سے ڈرائے کہ جس دن تمام لوگ جمع ہوں گے اور اس میں کسی قسم کا شک وشبہ بھی نہیں ہے۔

جس دن کہ لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے ایک گروہ بہشت میں اور ایک جہنم کی آگ میں ہوگا۔

جس دن کہ تمام انسانوں کے اجتماع کی وجہ سے ذلت ورسوائی سخت اور دردناک ہوگی۔

(۸) اور چونکہ "فریق فی الجنة و فریق فی السعیر" کا جملہ لوگوں کی دو حصوں میں تقسیم کی نشاندہی کرتا ہے لہٰذا اس آیت میں ارشا ہوتا ہے اگر خدا چاہتا تو ان سب کو ایک ہی امت قرار دیتا ان کو جبری طور پر ہدایت کرتا اور مومن بناتا۔

لیکن جبری طور پر ایمان لانے کا کیا فائدہ؟ اور یہ انسانی کمال کا معیار کیونکر قرار پا سکتا ہے؟ حقیقی تکامل اور ارتقاء وہی ہوتا ہے جو انسان اپنے ارادے، اختیار اور مکمل آزادی، سے طے کرے۔

یہ ایک عظیم ترین امتیاز اور اعزاز ہے جو خدا نے انسان کو عطا فرمایا ہے اور تکامل وارتقاء کا غیر محدود راستہ بھی اس کے لئے کھول دیا گیا ہے اور یہ خداوند عالم کی نا قابل تردید اور اٹل سنت ہے۔

پھراس بارے میں ایک اوراہم مسئلہ بیان فرمایا گیا ہے اورایسے لوگوں کی تعریف اورتوصیف کی گئی ہے جو بہشت کے مستحق اورسعادت مند ہیں اور یہ ان لوگوں کے مقابلہ میں ہے جوجہنم میں جائیں گے ارشاد ہوتا ہے لیکن خدا جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کر دے اورظالموں کے لئے کوئی ولی اورمددگار نہیں ہے۔

(۹)اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ ۚ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ وَ هُوَ یُحْیِ الْمَوْتٰى ۫ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۧ	آیا انہوں نے خدا کے علاہ دوسروں کو اپنا ولی بنالیا ہے؟ جبکہ ولی تو صرف اللہ ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔
(۱۰)وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیْ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۖۗ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ	تم جس چیز میں بھی اختلاف کرتے ہواس کا فیصلہ خدا کے ہاتھ ہے وہی خدا میرا پروردگار ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف پلٹ جاؤں گا۔
(۱۱)فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا ۚ یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ ؕ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ	وہ ہی آسمانوں اورزمین کو پیدا کرنے والا ہے اورتمہاری جنس ہی سے تمہارے لئے جوڑا بنایا ہے اور جانوروں میں بھی جوڑے بنائے ہیں۔اوراسی جوڑے ہونے کے کے ذریعے تمہاری تعداد بڑھاتا ہےاس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے وہی سننے اوردیکھنے والا ہے۔
(۱۲)لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ	آسمانوں اورزمین کی چابیاں اسی کے پاس ہیں جن کے لئے چاہتا ہےاس کا رزق وسیع کردیتا ہےاورجس کے لئے چاہتا ہے محدود کر دیتا ہے یقیناًوہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔

تفسیر

ولی مطلق صرف خدا ہے

چونکہ گزشتہ آیات کی تفسیر میں یہ حقیقت بیان ہوئی تھی کہ خدا کے سوا کوئی بھی ولی اورمددگار نہیں ہے زیرنظر آیات میں اس حقیقت کی تائیداورغیرخدا کی ولایت کی نفی میں کچھ معتبراور مضبوط دلائل پیش کئے جارہے ہیں۔چنانچہ سب سے پہلے تعجب اورانکار کے انداز میں ارشادفرمایا گیا ہے آیاانہوں نے خدا کے علاوہ دوسروں کواپناولی بنالیا ہے۔

جبکہ ولی تو صرف خدا ہے۔

لہٰذا اگروہ اپنے لئے کوئی ولی اور سرپرست بنانا بھی چاہتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ خدا کو ہی بنائیں۔

اس کے بعد ایک اور دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔

اور چونکہ معاد اور قیامت کا معاملہ اسی کے ہاتھ میں ہے اور انسان کی سب سے بڑی پریشانی اس کی مرنے کے بعد دوبارہ زندگی کی کیفیت کے بارے میں ہے لہٰذا اسی کی ذات پر توکل کرنا چاہیے نہ کہ کسی اور پر۔

پھر تیسری دلیل بیان فرماتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہی ہر چیز پر قادر وتوانا ہے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ولی ہونے کی اصل شرط قدرت رکھنے اور صحیح معنوں میں قادر ہونے میں مضمر ہے۔

(۱۰) اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنی ولایت کی چوتھی دلیل کو اس صورت میں بیان کرتا ہے تم جس چیز میں اختلاف کرو گے اس کا فیصلہ خدا کے ہاتھوں میں اور وہی تمہارا اختلاف ختم کر سکتا ہے۔

جی ہاں! ولایت کی ایک شان یہ بھی کہ جو لوگ اس کے پرچم تلے زندگی بسر کر رہے ہوں اگر ان کے درمیان کسی قسم کا اختلاف ہو جائے تو وہ صحیح فیصلے کے ذریعے اس اختلاف کو ختم کردے۔

خداوند عالم کی پاک ذات میں ولایت کے انحصار کے مختلف دلائل ذکر کرنے کے بعد پیغمبر ﷺ کی زبانی ارشاد فرمایا گیا ہے وہی خدا میرا پروردگار ہے جس میں کمال کی یہ صفات پائی جاتی ہے ذالکم اللہ ربی اسی لئے تو میں نے اسے اپنا ولی اور مددگار منتخب کیا ہے اسی پر توکل کیا ہے اور تمام مشکلات ومصائب کے وقت اسی کی جانب رجوع کرتا ہوں۔

(۱۱) یہ آیت خداوند کریم کی ولایت مطلقہ کی پانچویں دلیل بھی ہو سکتی ہے اور مقام ربوبیت اور توکل وانابی کی لیاقت اور اہلیت کی دلیل بھی ہو سکتی ہے فرمایا گیا ہے وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو وجود بخشا ہے۔

البتہ یہاں پر آسمانوں اور زمین سے مراد تمام آسمان، زمین اور ان میں موجود تمام چیزیں ہیں۔ کیونکہ خداوند عالم کی خلاقیت ان سب پر محیط ہے۔

پھر خدا کے دوسرے افعال کی توصیف کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے تمہاری جنس ہی سے تمہارے لئے جوڑا بنایا ہے اور جانوروں کے بھی جوڑے بنائے ہیں اور تمہیں اس جوڑے ہونے کے ناطے سے بڑھاتا اور پھیلاتا ہے۔

انسانوں کے لئے جوڑا بھی انسانی جنس ہی سے بنایا ہے کہ ایک طرف تو روحانی طور پر اس کی تسکین وآرام کا سبب ہے اور دوسری طرف اس کی نسل کی بقاء تولید اور اس کے وجود کو برقرار رکھنے کا ذریعہ ہے۔

اس آیت میں جو تیسری صفت بیان ہوئی ہے وہ یہ کہ ''اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے''۔

دراصل یہ جملہ تمام خدائی صفات کی معرفت کی بنیاد ہے جب تک اس جملے کو پیش نظر نہ رکھا جائے خدا کی کسی بھی صفت کی حقیقت تک رسائی نہیں ہو سکتی کیونکہ ''معرفة الله'' کی راہ کے راہیوں کے لیے جو سب سے زیادہ اور خطرناک مقام آتا ہے وہ تشبیہ کا مقام

کہ جہاں پروہ اسے مخلوق کی صفات سے تشبیہ دیتے ہیں اور یہ امر اس بات کا سبب بن جاتا ہے کہ انسان شرک کی گھاٹی میں جا گرتا ہے۔

باالفاظ دیگر خدا ہر لحاظ سے غیر محدود اور لا متناہی وجود ہے اور اس کے علاوہ جو بھی ہے وہ ہر لحاظ سے محدود اور متناہی ہے عمر قدرت علم، حیات، ارادہ، فعل غرض ہر لحاظ سے اور اسی چیز کا نام تنزیہ ہے جس کے ذریعے خداوند عالم کو ممکنات کے تمام نقائص سے پاک سمجھا جاتا ہے۔

آیت کے آخر میں اس کی پاک ذات کی ایک اور صفت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

جی ہاں! وہی خالق بھی ہے اور مدبر بھی سننے والا بھی اور دیکھنے والا بھی اس کے باوجود نہ تو اس کی کوئی مثال ہے نہ شبیہ اور نظیر۔

(۱۲) زیر نظر آیات میں سے آخری آیت میں خداوند عالم کی تین اور صفات بیان کی جارہی ہیں کہ جن میں سے ہر ایک صفت ولایت اور ربوبیت کے مسئلے کو خاص انداز میں پیش کر رہی ہے۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے آسمانوں اور زمین کی چابیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں۔

اسی لیے جو شخص بھی جو کچھ رکھتا ہے سب اسی کا ہے جو کچھ حاصل کرنا چاہتا ہے اسی سے حاصل کرنا چاہتا ہے اسی سے حاصل کرے صرف چابیاں ہی اس کے ہاتھ میں نہیں بلکہ زمین و آسمان کے خزانے بھی اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

بعد کی صفت جو کہ درحقیقت پہلی صفت کا نتیجہ ہے کے بارے میں فرمایا گیا ہے اور جس کے لئے چاہے رزق کو کشادہ کر دے اور جس کے لئے چاہے روزی تنگ کر دے۔

چونکہ خزائن عالم اسی کے ہاتھ میں ہیں لہٰذا ہر شخص کا رزق و روزی بھی اسی کے دست قدرت میں ہے اپنی مشیت کے مطابق جو کہ اس کی حکمت سے ظاہر ہوتی ہے اور بندگان خدا کی مصلحت بھی اسی میں ہوتی ہے رزق تقسیم کرتا ہے۔

چونکہ تمام موجودات کو رزق سے بہرہ مند کرنا، ان کی ضروریات اور دوسری بہت سی خصوصیات کو جاننے اور ان سے آگاہ ہونے پر موقوف ہے لہٰذا آخری صفت کے بارے میں فرمایا گیا ہے وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

تو اس طرح سے چار آیات میں خدا کی گیارہ ذاتی اور فعلی صفات بیان ہوئی ہیں۔

(۱۳) شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ؕ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ؕ	تمہارے لئے وہی دین مقرر کیا ہے جس کے متعلق نوح کو ہدایت کی تھی اور وہ جو ہم نے تیری طرف وحی بھیجی اور جو ہدایت ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسی کو کی وہ یہ تھی کہ دین کو قائم و برقرار رکھو اور اس میں تفرقہ ایجاد نہ کرو۔ ہر چند کہ تیری یہ دعوت مشرکین پر سخت گراں ہے، خدا جسے چاہے منتخب کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف لوٹے اس کی ہدایت کرتا ہے۔

(۱۴)وَ مَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۭ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ	وہ علم اور آگاہی کے بعد ہی تفرقہ کا شکار ہوئے ہیں اور اور یہ تفرقہ بازی حق سے انحراف اور عداوت وحسد کی وجہ سے تھی اور اگر تیرے پروردگار کی جانب سے فرمان صادر نہ ہو چکا ہوتا کہ وہ ایک خاص مقرر شدہ مدت تک کے لئے زندہ اور آزاد رہیں۔ تو خدا نے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا، ہوتا اور جو لوگ ان کے بعد کتاب کے وارث ہوئے ہیں وہ بدگمانی پر مبنی شک وشبہ میں مبتلا ہیں۔

تفسیر

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین تمام انبیاء کے دین کا نچوڑ ہے

اس سورہ کی اکثر گفتگو مشرکین سے متعلق ہے اور گزشتہ آیات میں بھی اسی موضوع پر بات ہو رہی تھی۔ لہٰذا زیر نظر آیات بھی اس حقیقت کو واضح کر رہی ہیں کہ توحید الٰہی کی طرف اسلام کی دعوت کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ تمام اوالعزم انبیاء کی دعوت ہے نہ صرف توحید کی حد تک، تمام بلکہ بنیادی مسائل میں تمام انبیاء کی دعوت کے اصول تمام آسمانی ادیان میں ایک ہی تھے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے خدا نے ایسا دین تمہارے لئے مقرر فرمایا ہے جس کی ہدایت پہلے اولوالعزم پیغمبر نوح کو فرمائی تھی۔

اور اسی طرح جس چیز کی ہم نے تیری طرف وحی بھیجی اور ابراہیم، موسیٰ عیسیٰ کو اس کی سفارش کی۔

تو اس طرح سے جو کچھ گزشتہ پیغمبروں کی شریعتوں میں موجود تھا وہ سب کچھ آپ کی شریعت میں موجود ہے۔

لہٰذا آیت میں ایک کلی حکم کے تحت تمام انبیاء کے بارے میں فرمایا گیا ہے ہم نے ان سب کو حکم دیا دین کو قائم و برقرار رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

دو اہم امور کا حکم تھا، ایک تو تمام امور میں خدا کے دین کو قائم و برقرار رکھیں صرف عمل کی حد تک نہیں بلکہ اسے قائم، زندہ اور برقرار بھی رکھیں اور دوسرے بہت بڑی بلا سے پرہیز کریں یعنی دین میں تفرقہ اور نفاق ایجاد نہ کریں۔

اسی آیت میں آگے چل کر فرمایا گیا ہے ہر چند کہ تیری یہ دعوت مشرکین کے لئے سخت گراں ہے۔

سالہا سال کے تعصب اور جہالت کی وجہ سے وہ لوگ شرک اور بت پرستی سے مانوس ہو چکے ہیں اور شرک ان کے وجود میں حلول کر چکا ہے جس کی بنا پر توحید کی دعوت سے انہیں وحشت ہوتی ہے۔

لیکن پھر بھی جس طرح انبیا کا انتخاب خدا کے ہاتھ میں ہے اسی طرح لوگوں کی ہدایت بھی اسی کے دست قدرت میں ہے

خدا جسے چاہے منتخب کرے اور جو اس کی طرف لوٹ جائے اسے ہدایت کرتا ہے۔

اس آیت میں خدا کے صرف پانچ انبیاء کی طرف اشارہ ہوا ہے (یعنی نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف کیونکہ یہی پانچ اولوالعزم رسول ہیں یعنی نئے دین وآئین کے مالک صرف یہی پانچ بزرگوار ہیں درحقیقت یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شریعت صرف ان پانچ بزرگوں میں منحصر ہے۔

(۱۴) چونکہ اولوالعزم انبیاء کی دعوت کے دوارکان میں سے ایک دین میں تفرقہ بازی سے پرہیز ہے اور یقیناً ان سب نے اسی اساس پر تبلیغ بھی کی ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان مذہبی اختلافات کا سرچشمہ کیا ہے اور یہ کہاں سے پیدا ہوئے ہیں؟ یہ آیت اسی سوال کا جواب دیتی ہے اور دینی اختلاف کے سرچشمہ کی نشاندہی یوں کرتی ہے انہوں نے تو تفرقہ بازی کا رستہ اس وقت اختیار کیا جب ان پر تمام حجت ہوگئی اور کافی حد تک علم ان کے پاس پہنچ گیا اور یہ فرقہ بازی دنیاوی محبت، جاہ طلبی، ظلم، حسد اور عداوت کی وجہ سے تھی۔

معلوم ہوا کہ ان کے مذہبی اختلافات کا سرچشمہ جہالت اور بے خبری نہیں بلکہ بغاوت، سرکشی، ظلم، راہ حق سے انحراف اور ذاتی آرا تھیں۔

یہ آیت ان لوگوں کے لئے ایک واضح جواب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مذہب نے آکر آدمیت کے درمیان کے اختلاف اور انتشار پیدا کر دیا ہے اور پوری تاریخ میں منصب ہی خونریزی کا سبب بنا ہے۔

پھر خداوند عالم فرماتا ہے اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے فرمان جاری نہ ہو چکا ہوتا کہ وہ ایک مقررہ وقت تک کے لئے زندہ اور آزاد رہیں تو خدا نے ان کے درمیان فیصلہ کر دیا ہوتا یعنی وہ باطل کے طرفداروں کو نیست ونابود کر دیتا اور حق کے پیروکاروں کو کامیابی عطا کرتا۔

یقیناً یہ دنیا آزمائش، نشونما اور ارتقاء کا گھر ہے اور یہ چیز آزادی عمل کے بغیر امکان پذیر نہیں ہے۔ یہ خداوند عالم کا تکوینی فرمان ہے جو ابتدائے آفرینش سے چلا آرہا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوسکتی یہ دنیاوی زندگانی کی طبیعت میں شامل ہے۔ لیکن آخرت کے امتیازات میں سے یہ بات ہے کہ یہ تمام اختلافات وہاں پر حل ہوں گے اور انسانیت ایک ہی لڑی میں منسلک ہو گی۔

آخری جملے میں ان لوگوں کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں جو ان لوگوں کے بعد برسر کار آئے ہیں یعنی جنہوں نے انبیاء کا زمانہ نہیں دیکھا۔

ارشاد فرمایا گیا ہے جو لوگ ان کے بعد آسمانی کتاب کے وارث ہوئے ہیں وہ اس کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا ہو گئے اور شک بھی ایسا کہ جس میں بدگمانی شامل ہے۔

(۱۵)فَلِذٰلِکَ فَادۡعُ ۚ وَ اسۡتَقِمۡ کَمَاۤ اُمِرۡتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَہُمۡ ۚ وَ قُلۡ اٰمَنۡتُ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنۡ کِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرۡتُ لِاَعۡدِلَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمۡ ؕ لَنَاۤ اَعۡمَالُنَا وَ لَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ ؕ لَا حُجَّۃَ بَیۡنَنَا وَ بَیۡنَکُمۡ ؕ اَللّٰہُ یَجۡمَعُ بَیۡنَنَا ۚ وَ اِلَیۡہِ الۡمَصِیۡرُ ؕ	تو بھی ان لوگوں کو اس خدا کے واحد دین کی طرف بلا اور جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے استقامت دکھا اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر اور کہہ دے کہ میں ہر اس کتاب پر ایمان لا چکا ہوں جو نازل ہوئی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدالت کروں۔ اللہ ہمارا اور تمہار رب ہے ہمارے اعمال کا نتیجہ ہمارے لئے اور تمہارے اعمال کا نتیجہ تمہارے لئے ہے ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی ذاتی جھگڑا تو ہے نہیں۔ خدا ہمیں اور تمہیں ایک جگہ پر جمع کریگا اور سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔

تفسیر

حکم کے مطابق استقامت کیجئے

گزشتہ آیات میں بغاوت، ظلم اور انحراف کی وجہ سے امتوں کے درمیان اختلاف اور تفرقہ بازی کی بات ہو رہی تھی، لہٰذا ان آیات میں خداوند عالم نے پیغمبر اسلام ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اختلافات کو دور کرنے اور انبیاء کے دین کے احیاء کی کوشش میں لگے رہیں اور اس راہ میں پوری استقامت سے کام لیں۔

ارشاد ہوتا ہے انسانوں کو خدا کے واحد دین کی طرف دعوت دے اور انہیں اختلافات سے نجات دلا۔

پھر اس راہ میں استقامت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا گیا اور جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے استقامت دکھا۔

چونکہ انسانی خواہشات اس راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہوتی ہیں لہٰذا تیسرے حکم میں ارشا ہوتا ہے ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو۔

کیونکہ یہ لوگ آپ ﷺ کو اپنے ذاتی رجحانات اور مفادات کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ جس کا انجام تفرقہ جدائی انتشار اور نفاق ہے ان کی خواہشات کو ٹھوکر لگائیں اور سب کو پروردگار کے ایک دین پر جمع کریں۔

ہر دعوت کا ایک نقطہ آغاز ہوتا ہے اور اس کا نقطہ آغاز خود پیغمبر اسلام ﷺ کو قرار دیتے ہوئے چوتھا حکم دیا گیا ہے کہہ دے

کہ میں ایمان لایا ہوں ہر اس کتاب پر جو خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے

میں آسمانی کتابوں کے درمیان فرق کا قائل نہیں ہوں، سب کو مانتا ہوں۔

وحدت اور اتحاد کو وجود میں لانے کے لئے اصول عدالت کی پاسداری ضروری ہوتی ہے لہٰذا پانچویں حکم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہہ دے کہ مجھے حکم مل چکا ہے کہ تم سب کے درمیان عدالت کروں۔

یہ عدالت خواہ فیصلہ جات میں ہو یا اجتماعی حقوق اور دوسرے مسائل میں۔

ان پانچ احکام کے بعد تمام اقوام کے مشترکہ نکات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے اللہ ہمارا اور تمہارا پروردگار ہے۔

ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں اور ہر شخص اپنے اعمال کا جوابدہ ہے۔

ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی لڑائی جھگڑا نہیں کسی کو ایک دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں ہے اور ہمارا تم سے کوئی ذاتی مفاد وابستہ نہیں ہے۔

اصولی طور پر احتجاج اور استدلال کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ حق کافی حد تک واضح ہو چکا ہے اس کے علاوہ آخر کار ہم ایک جگہ اکٹھے ہوں گے اور خدا ہمیں اور تمہیں قیامت میں جمع کرے گا۔

اور اس دن ہم سب کے درمیان فیصلہ کرنے والا ایک ہی ہوگا اور ہم سب کی بازگشت اسی کی طرف ہوگی۔

تو اس طرح سے ہم سب کا خدا ایک، انجام ایک، قاضی اور مرجع ایک اور پھر یہ کہ ہم سب اپنے اعمال کے جوابدہ ہیں اور ایمان اور عمل صالح کے بغیر کسی کو کسی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔

(۱۶)وَ الَّذِیۡنَ یُحَآجُّوۡنَ فِی اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا اسۡتُجِیۡبَ لَہٗ حُجَّتُہُمۡ دَاحِضَۃٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ وَ عَلَیۡہِمۡ غَضَبٌ وَّ لَہُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ	جو لوگ اس کی دعوت قبول کر لینے کے بعد خدائے واحد کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں ان کی دلیل ان کے پروردگار کے نزدیک باطل اور بے بنیاد ہے ان پر خدا کا غضب ہے اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔
(۱۷)اَللّٰہُ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ وَ الۡمِیۡزَانَ ؕ وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ قَرِیۡبٌ	اللہ تو وہ ہے جس نے کتاب کو برحق نازل کیا اور حق و باطل کی پہچان کا ترازو بھی تجھے کیا معلوم کہ شاید قیام قیامت کی گھڑی قریب ہو۔

(۱۸) يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ؕ اَلَآ اِنَّ الَّذِيْنَ يُمَارُوْنَ فِي السَّاعَةِ لَفِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ	جولوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے بارے میں جلدی کرتے ہیں لیکن جو ایمان دار ہیں وہ ہمیشہ خوف و ہراس کے ساتھ اس کے منتظر ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے آگاہ ہو جو لوگ قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں وہ پرلے درجے کی گمراہی میں مبتلا ہیں۔

تفسیر

جلدی نہ کرو قیامت آ کر رہے گی

گزشتہ آیات میں آنحضرت ﷺ کو حکم ملا تھا کہ تمام آسمانی کتابوں کا احترام کرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کے درمیان عدل وانصاف بھی رائج فرمائیں اور ان سے کسی قسم کا جھگڑا نہ کریں زیر نظر آیات میں ان باتوں کی تکمیل ہو رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کی حقانیت کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے ارشاد ہوتا ہے اس کی دعوت لوگوں کی طرف سے ہو جانے کے بعد خدائے واحد کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں ان کی دلیل ان کے پروردگار کے نزدیک باطل اور بے بنیاد ہے۔

اور ان پر خدا کا غضب ہے کیونکہ وہ جان بوجھ کر اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

اور قیامت کے دن بھی ان کے لئے خدا کا سخت عذاب ہوگا۔ کیونکہ ہٹ دھرمی اور جھگڑے کا انجام یہی ہوتا ہے۔

یہاں پر "من بعد ما استجیب له" اس کی دعوت قبول کر لئے جانے کے بعد سے کیا مراد ہے؟ مفسرین نے اس بارے میں کئی تفاسیر بیان کی ہیں۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد پاک دل اور بے لوث لوگوں کی طرف سے دعوت کی قبولیت ہے جو فطرت الٰہی کی راہنمائی، وحی پروردگار کے مضامین اور پیغمبر ﷺ کے مختلف معجزات دیکھنے کی وجہ سے مسلمان ہو گئے۔

پھر خداوند عالم کی توحید اور اس کی قدرت کے دلائل میں سے ایک دلیل کو بیان فرمایا گیا ہے جس میں بے منطق جھگڑا کرنے والوں کے لیے نبوت کا ثبوت بھی موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے خدا تو وہ ہے جس نے آسمانی کتاب کو برحق نازل فرمایا ہے اور اسی طرح میزان کو بھی۔

''حق'' ایک جامع کلمہ ہے جو معارف اور عقائد حقہ، صحیح خبروں، فطری اور اجتماعی ضرورتوں اور اس قسم کی دوسری تمام چیزوں پر محیط ہے کیونکہ حق وہ چیز ہوتی ہے جو غیب خارجی سے موافق ہو اور ذہنی اور خیالی پہلو نہ رکھتی ہو۔

اسی طرح ایسے مواقع پر میزان کا بھی ایک جامع معنی ہے ہر چند کہ لغوی طور پر اس کا اطلاق ترازو اور وزن کرنے والے

آلات پر ہوتا ہے لیکن کنائے کے طور پر اس کا اطلاق پرکھنے کے ہر قسم کے معیار، خدا کے صحیح قوانین اور حتیٰ کہ پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم اور ائمہ اطہار علیہم السلام کی ذات پر بھی ہوتا ہے کیونکہ ان کا وجود بھی حق اور باطل کے درمیان امتیاز کا معیار ہے۔ اور قیامت کے دن کا میزان بھی اسی معنی کا ایک نمونہ ہے۔

اسی طرح سے خداوند عالم نے پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم پر ایک ایسی کتاب نازل فرمائی ہے جو حق بھی ہے اور اقدار کو پرکھنے کا معیار اور میزان بھی ہے۔

چونکہ ان تمام مسائل کا خصوصی نتیجہ حق وعدالت اور قیامت کے دن میزان اعمال کا ظہور ہے لہٰذا آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے تجھے کیا معلوم شاید قیامت کی گھڑی قریب ہو۔

وہی قیامت جو جب برپا ہوگی تو سب اس کی عدالت میں حاضر ہوں گے اور وہاں پر ان کے اعمال کو میزان پر تولا جائے گا اور رائی کے دانے کے برابر بلکہ اس سے بھی کمتر کو ٹھیک ٹھیک پرکھا اور تولا جائے گا۔ تاکہ کسی پر ذرا بھر بھی ظلم نہ ہونے پائے۔

(۱۸) پھر قرآن قیامت کے بارے میں کفار اور مومنین کے ردعمل کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے جو لوگ قیامت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے بارے میں جلدی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قیامت کب آئے گی۔

وہ اس قسم کی باتیں اس لیے ہرگز نہیں کرتے کہ انہیں قیامت سے کوئی محبت ہے یا محبوب سے ملاقات کا شوق ہے نہیں بلکہ وہ تو قیامت کا مذاق اڑانے کے لیے ایسی باتیں کرتے ہیں۔

البتہ جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ ہمیشہ خوف وہراس کے ساتھ اس کے منتظر ہیں اور وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ ہمیشہ حق ہے اور یقیناً آ کر رہے گی۔

یہیں سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ قیامت اور خدا کی عظیم عدالت پر ایمان، خاص کر اس امر کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ قیامت کسی وقت بھی واقع ہو سکتی ہے مومنین کی تربیت کے لیے کس قدر مؤثر ہے۔

آیت کے آخر میں ایک عمومی اعلان کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے آگاہ رہو جو لوگ قیامت کے بارے میں شک کرتے ہیں اور اس کے بارے میں کٹ حجتی کرتے ہیں وہ سخت گمراہی میں ہیں۔

کیونکہ اس دنیا کا نظام بذات خود اس بات پر دلیل ہے کہ یہ کسی اور جہان کا مقدمہ ہے کہ جس کے بغیر اس دنیا کی آفرینش لغو اور بے معنی ہوگی جو نہ تو حکمت الٰہی سے ہم آہنگ ہے اور نہ ہی اس کی عدالت سے۔

(۱۹) اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۧ	خدا اپنے بندوں کے لیے صاحب لطف وکرم ہے جسے چاہے رزق عطا کرتا ہے اور وہ طاقتور اور ناقابل تسخیر ہے۔

(۲۰)مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَۃِ نَزِدۡ لَہٗ فِیۡ حَرۡثِہٖ ۚ وَ مَنۡ کَانَ یُرِیۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡیَا نُؤۡتِہٖ مِنۡہَا وَ مَا لَہٗ فِی الۡاٰخِرَۃِ مِنۡ نَّصِیۡبٍ	جو شخص آخرت کی کھیتی کو چاہتا ہے ہم اسے برکت دیتے ہیں اور اس کے محصول میں اضافہ کر دیتے ہیں اور جو شخص دنیاوی کھیتی کا طلب گار ہے اسے اس میں سے حصہ دیتے ہیں لیکن آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

تفسیر

دنیا اور آخرت کی کھیتی

گزشتہ آیات میں خداوند عالم کے سخت عذاب کی بات ہو رہی تھی اور ساتھ ہی منکرین قیامت کا یہ تقاضا بھی زیر بحث آیا تھا کہ قیامت جلدی کیوں نہیں آتی؟ اب زیر نظر آیات میں سے سب سے پہلی آیت میں اس کے قہر کا تذکرہ اس کے لطف کے ساتھ ساتھ کیا گیا ہے اور منکرین معاد کے قیامت کے بارے میں بے معنی جلد بازی پر مبنی سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے خدا اپنے بندوں کے بارے میں لطیف ہے اور صاحب لطف و کرم ہے۔

چنانچہ اگر مغرور جاہلوں کو عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا تو یہ بھی اس کا لطف و کرم ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنے لطف عمیم کے مظاہر میں سے ایک کو بیان فرماتا اور وہ ہے اس کی طرف سے عطا ہونے والا رزق۔ارشاد ہوتا ہے وہ جسے چاہے رزق عطا فرماتا ہے۔

اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کچھ لوگ اس کی روزی سے محروم ہیں بلکہ اس سے مراد رزق کی وسعت ہے کہ جسے چاہے وسیع روزی عطا فرما دیتا ہے جیسا ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے۔

"اگر خدا سب بندوں کے لیے روزی فراخ کر دے تو وہ زمین میں سرکشی کرنے لگیں"۔

شوریٰ..........۲۷۔

ظاہر ہے کہ یہاں پر روزی کے مفہوم میں معنوی اور مادی دونوں طرح کی روزی شامل ہے اور جسمانی اور روحانی روزی بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے وہ طاقتور اور نا قابل تسخیر ہے۔

اگر وہ اپنے بندوں کے ساتھ روزی اور لطف کا وعدہ کرتا ہے تو اس کی انجام دہی پر قادر بھی ہے۔اسی لیے اس کے وعدہ کے بارے میں خلاف ورزی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

(۲۰)اس آیت میں ایک لطیف تشبیہ کے ذریعے دنیا والوں کو خدا کی روزی سے استفادہ کرنے کے لحاظ سے ایسے کسانوں سے تشبیہ دی گئی ہے جن میں سے کچھ تو آخرت کے لیے کھیتی باڑی کرتے ہیں اور کچھ دنیا کے لیے اور پھر ان دونوں زراعتوں کا نتیجہ واضح

طور پر بیان فرمایا گیا ہے جو شخص آخرت کی زراعت کا طلب گار ہے ہم اسے برکت دیں گے اور اس کے محصولات میں اضافہ کریں گے۔

اور جو لوگ صرف دنیا کے لیے کاشت کرتے ہیں اور ان کے پیش نظر بھی صرف یہی فانی دنیا اور اس کا مال ومتاع ہے تو اس میں سے کچھ حصہ ہم انہیں دیں گے لیکن آخرت میں انہیں کچھ بھی نصیب نہیں ہوگا۔

اس طرح سے نہ تو دنیا پرست اپنی آرزو کو پہنچ پائیں گے اور نہ ہی آخرت کے طلب گار دنیا سے محروم رہ جائیں گے لیکن فرق یہ ہوگا کہ دنیا کے طلب گار خالی ہاتھ آخرت کو سدھاریں گے اور آخرت کے خواہاں بھرے دامن کے ساتھ وہاں پہنچیں گے۔

یہ ایک عمدہ تشبیہ اور خوبصورت کنایہ ہے۔ تمام انسان کسان ہیں اور یہ دنیا ایک کھیتی ہے ہمارے اعمال اس کا بیج ہیں۔ خدائی ذرائع بارش کی مانند ہیں جو اس پر برستی ہے لیکن یہ بیج مختلف ہوتے ہیں بعض بیج تو ایسے ہوتے ہیں جن کا محصول غیر محدود اور جاودانی ہوتا ہے اس کے پودے ہمیشہ سرسبز وشاداب اور ثمرات سے معمور ہوتے ہیں جب کہ کچھ بیج ایسے ہوتے ہیں جن کا محصول بہت کم، زندگی مختصر اور پیداوار کڑوی اور ناخوشگوار ہوتی ہے۔

اس طرح سے نہ تو دنیا پرست اپنی آرزو کو پہنچ پائیں گے اور نہ ہی آخرت کے طلب گار دنیا سے محروم رہ جائیں گے لیکن فرق یہ ہوگا کہ دنیا کے طلب گار خالی ہاتھ آخرت کو سدھاریں گے اور آخرت کے خواہاں بھرے دامن کے ساتھ وہاں پہنچیں گے۔

(۲۱)اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَ لَوۡ لَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ	آیا ان کے ایسے معبود ہیں جنہوں نے خدا کی اجازت کے بغیر ان کے لیے کوئی دین بنا دیا ہے؟ اگر ان کے لیے ایک مہلت مقرر نہ ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا اور خدا کے عذاب کا حکم نازل ہو چکا ہوتا اور ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔
(۲۲)تَرَى الظّٰلِمِيۡنَ مُشۡفِقِيۡنَ مِمَّا كَسَبُوۡا وَ هُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمۡ ؕ وَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِىۡ رَوۡضٰتِ الۡجَنّٰتِ ۚ لَهُمۡ مَّا يَشَآءُوۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَضۡلُ الۡكَبِيۡرُ	اس دن تو ظالموں کو دیکھے گا کہ وہ اپنے انجام دیئے ہوئے اعمال کی وجہ سے سخت خائف ہوں گے لیکن وہ انہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گا لیکن جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے عمل صالح بھی انجام دیئے وہ بہشت کے بہترین باغوں میں ہوں گے اور جو کچھ بھی وہ چاہیں گے ان کے پروردگار کے پاس ان کے لیے فراہم ہے اور یہی فضل عظیم ہے۔

(۲۳)ذٰلِکَ الَّذِیۡ یُبَشِّرُ اللّٰہُ عِبَادَہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ فِی الۡقُرۡبٰی ؕ وَ مَنۡ یَّقۡتَرِفۡ حَسَنَۃً نَّزِدۡ لَہٗ فِیۡہَا حُسۡنًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ شَکُوۡرٌ	یہ وہی چیز ہے جس کی خدا اپنے ان بندوں کوخوشخبری دیتا ہے جو ایمان لے آئے ہیں اورانہوں نے عمل صالح انجام دیئے ہیں کہہ دے میں تم سے رسالت کا کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اپنے قریبیوں کی دوستی کے جوشخص نیک عمل انجام دے گا ہم اس کی نیکی میں اضافہ کریں گے۔ کیونکہ خداوندعالم بخشنے والا اور قدردان ہے۔

شان نزول

تفسیر مجمع البیان میں اس سورت کی ۲۳ویں تا ۲۶ویں آیت کی شان نزول پیغمبراسلام صلى الله عليه وآله وسلم کے بارے میں مروی ہے جس کا خلاصہ اس طرح ہے۔

’’جب پیغمبر اسلام مدینہ تشریف لاچکے اور اسلام کی بنیادیں مضبوط ہوگئیں تو انصار نے کہا کہ ہم رسول اللہ کی خدمت میں جا کر عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ کو مالی مشکلات درپیش ہیں تو ہمارے یہ مال غیر مشروط طور پر آپ صلى الله عليه وآله وسلم کی خدمت میں حاضر ہیں۔ جب آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم نے ان کی باتیں سن لیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہہ دیجئے کہ میں تم سے اپنی رسالت کا اجر نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے نزدیکیوں سے محبت کرو تو آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم نے یہ آیت انہیں سنائی اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد بھی میرے قریبیوں سے محبت کرنا۔

یہ سن کر وہ خوشی خوشی وہاں سے واپس آگئے لیکن منافقین نے یہ شوشہ چھوڑ دیا کہ یہ بات معاذ اللہ رسول نے ازخود کہی ہے اور خدا پر جھوٹ باندھا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے بعد ہمیں اپنے رشتہ داروں کے آگے ذلیل ورسوا کرے۔

چنانچہ اس کے بعد اگلی آیت نازل ہوئی ’’ام یقولون افتری علی اللّٰہ کذباً.................‘‘ جو ان لوگوں کا جواب تھا۔ پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم نے کسی کو بھیج کر یہ آیت انہیں سنائی کچھ لوگ نادم ہو کر رونے لگے اور سخت پریشان ہوئے آخرکار اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا ہے ’’و ھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ............‘‘ آنحضرت صلى الله عليه وآله وسلم نے پھر کسی کو بھیج کر یہ آیت ان تک پہنچائی اور انہیں خوشخبری دی کہ ان کی خالص توبہ قبول بارگاہ ہو چکی ہے‘‘۔

تفسیر

مودت اہل بیت اجر رسالت ہے

اسی سورت کی ۱۴ ویں آیت میں ذکر تھا دین کا تعین پروردگار عالم کی طرف سے اور تبلیغ کا کام اوالعزم انبیاء کے ذریعے ہوتا ہے اب مذکورہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں اس تعین کی غیر خدا سے نفی کی بات ہو رہی ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ قانون الٰہی کے مقابلے میں کسی اور قانون کو کوئی قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ اصولی طور پر قانون گزاری کا حق ہی صرف خدا کو حاصل ہے ارشاد ہوتا ہے آیا ان کے ایسے معبود ہیں جنہوں نے خدا کی اجازت کے بغیر ان کے لیے کوئی دین بنا دیا ہے۔

جبکہ کائنات کا خالق، مالک اور مدبر صرف خدا ہے۔ لہٰذا قانون گزاری کا حق بھی صرف اسے حاصل ہے اور اس کی اجازت کے بغیر کوئی شخص بھی اس کی اس قلمرو میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ لہٰذا اس کی قانون سازی کے مقابلے میں جو کچھ بھی ہوگا وہ باطل ہوگا۔

اس کے فوراً بعد باطل قانون سازوں کو دھمکی اور تنبیہ کے لہجے میں خبردار کیا جا رہا ہے اگر ان لوگوں کو مہلت دینے کے بارے میں خدا کا فرمان حق نہ ہوتا اور ان کے لیے مہلت مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ ان کے لیے عذاب کا حکم آچکا ہوتا اور انہیں کسی قسم کی مہلت نہ ملتی۔

اس کے باوجود انہیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

(۲۲) پھر ظالمین کے لیے عذاب اور ان کے مقابلے میں مومنین کی جزا کی کچھ مزید وضاحت فرماتے ہوئے کہا گیا ہے اس دن آپ ظالموں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنے انجام دیئے گئے اعمال سے سخت خائف ہوں گے لیکن ان کا کیا فائدہ ان کے اعمال کی سزا انہیں مل کر رہے گی۔

لیکن جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک اعمال انجام دیئے وہ بہشت کے بہترین اور سرسبز و شاداب باغات میں ہوں گے۔

جبکہ صالح مومنین کے بارے میں خداوند عالم کا فضل و کرم یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا ان پر خدا کی اس قدر مہربانی ہوگی کہ جو کچھ بھی چاہیں گے ان کے پروردگار کے پاس ان کے لئے سب کچھ فراہم ہوگا۔

گویا ان کے عمل اور جزا کا کوئی تقابل نہیں کیا جا سکتا اس سے بڑھ کر دلچسپ بات "عند ربھم" (ان کے پروردگار کے پاس) کی تعبیر ہے جو مومینن کے بارے میں خداوند عالم کے بے حد و حساب لطف و کرم کو بیان کر رہی ہے اس سے بڑھ کر اور کیا مہربانی ہو سکتی ہے کہ انہیں خدا کا قرب حاصل ہوگا۔

چنانچہ آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے یہ ہے خدا کا بہت بڑا فضل۔

(۲۳)اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہو سکتی ہے۔اس عظیم جزا کی عظمت کو اس آیت میں بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ وہی چیز ہے جس کی خوشخبری خدا نے اپنے ان بندوں کو دی ہے جو ایمان لے آئے اور عمل صالح بجالائے ہیں۔

وہ خوشخبری دیتا ہے تاکہ اطاعت اور بندگی کرتے ہوئے اور خواہشات نفسانی سے مقابلے کے دوران میں اور دشمنوں سے جہاد کرتے ہوئے وہ جن مشکلات سے گزریں انہیں خوشی سے جھیل لیں۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ رسالت کی وجہ سے یہ خیال لوگوں کے دل میں آسکتا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی رسالت کی تبلیغ کا لوگوں سے اجر طلب فرمائیں گے اسی بارے میں فوراً پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ کہہ دیے میں اس بارے میں تم سے کچھ نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے قریبیوں کے ساتھ محبت کرو۔

ذوی القربیٰ کی دوستی جیسا کہ آگے چل کر بیان ہوگا ولایت کے مسئلے اور خاندان رسالت میں سے ہونے والے ائمہ معصومین علیہم السلام کی پیشوائی اور رہبری کی طرف لوٹ جاتی ہے۔جو درحقیقت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہبری اور ولایت الٰہیہ کے تسلسل کے مترادف ہے اور ظاہر ہے کہ اس ولایت اور رہبری کو تسلیم کرنا ایسا ہے جیسا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت ونبوت کو تسلیم کرنا جو کہ انسان کی اپنی سعادت کا ذریعہ ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ خود انسان کی طرف ہی لوٹ جاتا ہے۔

احمد نے فضائل الصحابہ میں اسناد کے ساتھ سعید بن جبیر سے اور انہوں نے عامر سے یوں روایت نقل کی ہے:

''جب آیت نازل ہوئی تو اصحاب نے عرض کیا یارسول اللہ آپ کے وہ نزدیکی کون لوگ ہیں کہ جن کی مودت ہم پر واجب ہوئی ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا علی، فاطمہ اور ان کے دو بیٹے ہیں اور اس بات کو آپ نے تین مرتبہ دہرایا''۔

(۲۴)اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا ۚ فَاِنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یَخْتِمْ عَلٰی قَلْبِکَ ؕ وَ یَمْحُ اللّٰہُ الْبَاطِلَ وَ یُحِقُّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے لیکن اگر خدا چاہے تو تیرے دل پر مہر لگا دے اور ان آیات کے اظہار کی قدرت تجھ سے چھین لے اور وہ باطل کو نابود کر دیتا ہے اور حق کو اپنے فرمان سے قائم کر دیتا ہے کیوں کہ وہ دلوں کے اندر سے آگاہ ہے۔
(۲۵)وَ ھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۙ	وہ وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہ معاف کر دیتا ہے اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو اسے جانتا ہے۔

(۲۶)وَ یَسۡتَجِیۡبُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ یَزِیۡدُهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ وَ الۡكٰفِرُوۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ شَدِیۡدٌ	اور جولوگ ایمان لائے ہیں اورانہوں نے عمل صالح انجام دیئے ہیں ان کی دعاؤں کوقبول کرتا ہےاوران پر اپنے فضل کا اضافہ کردیتا ہےلیکن کافروں کے لیے سخت عذاب ہے۔

تفسیر

وہ بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے

یہ آیات، رسالت، اجر رسالت، مودت ذی القربا اور اہل بیتؑ کے بارے میں سابقہ آیات کے سلسلے کی کڑیاں ہیں سب سے پہلے فرمایا گیا ہے کہ وہ لوگ اس وحی خدا کو قبول نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ اس نے خدا پر جھوٹ باندھا ہے سب باتیں اس کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں جنہیں خدا کی طرف منسوب کرتا ہے۔

جب کہ اگر خدا چاہے تو تیرے دل پر مہر لگادے اوران آیات کے اظہار کی قدرت تجھ سے چھین لے۔

درحقیقت یہ چیز اس مشہور منطقی استدلال کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی شخص نبوت کا دعوی کرے اور معجزے اور آیات بینات بھی اس کے ہاتھوں اور زبان سے ظاہر ہوں اور خدا کی تائید اور نصرت بھی اسے حاصل ہو۔لیکن وہ خدا پر جھوٹ باندھنا شروع کر دے تو حکمت الٰہی اس بات کی متقاضی ہوگی کہ وہ تمام معجزات اور خدا کی نصرت وحمایت سب اس سے واپس لے لی جائے اور خدا اسے ذلیل ورسوا کردے۔

پھراسی امر پرتاکید کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے خدا باطل کو مٹاتا ہے اور حق کو اپنے حکم سے قائم اور ثابت کرتا ہے۔

یہ خداوند عالم کا فریضہ ہے کہ اپنی حکمت کی بنا پر حق کو ظاہر اور باطل کو ذلیل وخوار کرے تو پھر کیونکر کسی کو اس بات کی کھلی چھٹی دے سکتا ہے کہ وہ اس پر افتراء پردازی کرے۔

اور اگر کوئی شخص یہ تصور کرے کہ پیغمبر اسلام علم خدا سے چھپ کر ایسا اقدام کرتے ہیں تو یہ اس کی زبردست غلطی ہوگی کیونکہ وہ تو دلوں میں موجود ہر چیز سے آگاہ ہے۔

اور چونکہ خداوند عالم نے اپنے بندوں کے لیے بازگشت کا راستہ ہمیشہ کھلا رکھا ہے اور آیات قرآن مجید میں بارہا مشرکین اور گناہگاروں کے برے اعمال کا ذکر کرنے کے بعد گناہگاروں کے لیے توبہ کے دروازوں کو کھلا رکھنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔زیر تفسیر آیات میں بھی سابق گفتار کے بعد فرمایا گیا ہے۔خدا تو وہ ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔

اور گناہوں کو معاف کرتا ہے۔لیکن اگر ظاہر میں تو توبہ کرلو اور باطن میں کچھ اور کام کرو تو یہ تصور مت کرو کہ تمہارا یہ طریقہ کار

خداوندعالم کے علم کی تیز بین نگاہوں سے چھپا رہے گا۔ نہ نہ جو کچھ تم بجالاتے ہو وہ اسے جانتا ہے۔

(۲۶) زیرتفسیر آیات کے سلسلے کی آخری آیت میں مومنین کی عظیم جزا اور کافرین کے دردناک عذاب کو مختصر سے جملوں میں بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے خدا ان لوگوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے جو ایمان لے آئے ہیں اور اعمال صالح بجالاتے ہیں۔

بلکہ ان کے لیے اپنا فضل بڑھا دیتا ہے اور جن چیزوں کے لیے وہ دعا بھی نہیں کرتے انہیں عطا کر دیتا ہے۔

لیکن کافروں کے لیے سخت عذاب ہے۔

بہت سے مفسرین کا نظریہ ہے کہ یہ چار آیات (آیت ۲۳ تا ۲۶) مدینہ میں نازل ہوئی ہیں لیکن جیسا کہ ہم آغاز میں بتا چکے ہیں کہ ان آیات کی شان نزول ہمارے اس مدعا کی دلیل ہے اور وہ روایات بھی اسی بات کے لیے اچھی دلیل ہیں جن کے مطابق اہل بیت علیہم السلام سے علی، فاطمہ، حسن اور حسین مراد ہیں۔ کیونکہ معلوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا سیدہ طاہرہ علیہا السلام سے عقد مدینہ منورہ میں انجام پایا اور مشہور روایات کی بنا پر جناب حسن علیہ السلام اور جناب حسین علیہ السلام کی ولادت تیسری اور چوتھی ہجری میں ہوئی۔

(۲۷) وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِی الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ	جب اللہ اپنے بندوں کی روزی وسیع کر دیتا ہے تو وہ زمین میں سرکشی اور ظلم کرنے لگ جاتے ہیں لہٰذا جتنی مقدار وہ چاہتا ہے نازل کرتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں سے آگاہ اور بینا ہے۔
(۲۸) وَ هُوَ الَّذِیْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ يَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَ هُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِيْدُ	اور وہ تو وہی ہے جو مفید بارش کو اس وقت نازل کرتا ہے جب وہ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں اور اپنی رحمت کا دامن پھیلا دیتا ہے اور وہ ولی اور حمید ہے۔
(۲۹) وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَ هُوَ عَلٰی جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ؑ	اور اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کی خلقت، اور ان کے اندر چلنے والی مخلوق بھی کہ جسے اس نے پھیلایا ہے اور جب بھی وہ چاہے انہیں اکٹھا کرنے پر قادر ہے۔
(۳۰) وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ ؕ	جو مصیبت بھی تم پر نازل ہوتی ہے وہ خود تمہارے اپنے ہی انجام دیئے ہوئے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہے اور وہ بہت سے (گناہ) تو معاف کر دیتا ہے۔

(۳۱)وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ	اورتم زمین میں خدا کی قدرت سے ہرگز فرارنہیں کر سکتے اور خدا کے علاوہ تمہارا کوئی بھی ولی اور مددگار نہیں ہے۔

شان نزول

مشہور صحابی خباب بن ارت کہتے ہیں کہ پہلی آیت "و لو بسط اللّٰہ............" ہم لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری یہودی قبائل بنی قریظہ، بنی نضیر اور بنی قینقاع کے فراداں مال پر نظر تھی اور ہماری آرزو تھی کہ اے کاش ہمارے پاس بھی ایسا ہی مال ہوتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے ہمیں خبردار کر دیا کہ اگر خداوند عالم اپنے بندوں کی روزی فراواں کر دے تو وہ سرکشی پر اتر آئیں گے۔

تفسیر

سرکش ثروتمند

ان آیات کا گذشتہ آیات سے تعلق شاید اس وجہ سے ہوسکتا ہے کہ گذشتہ آیات میں سے آخری آیت میں آیا تھا کہ خدا مومنین کی دعا قبول فرماتا ہے جس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہی صورت حال ہے تو پھر ان مومنین میں لوگ غریب کیوں ہیں اور وہ جو دعا کرتے ہیں قبول کیوں نہیں ہوتی؟

اس قسم کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے خداوند عالم فرماتا ہے اگر خدا اپنے بندوں کی روزی وسیع کردے تو وہ زمین میں طغیان، سرکشی اور ظلم کرنے لگتے ہیں۔

لہٰذا جتنی مقدار میں وہ چاہتا ہے اور مصلحت سمجھتا ہے، روزی نازل کرتا ہے۔

گویا اس طرح سے روزی کی تقسیم کا مسئلہ باقاعدہ حساب و کتاب کے تحت ہے جو خدا نے اپنے بندوں کے بارے میں مقرر کر دیا ہوا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کو اچھی طرح جانتا ہے اور ان سے خوب واقف ہے۔

وہ ہر شخص کے ظرف کو اچھی طرح جانتا ہے اور اسی کی مصلحت کے پیش نظر اسے روزی عطا کرتا ہے۔ نہ اس قدر زیادہ دیتا ہے کہ سرکش ہو جائے اور نہ اس قدر کم دیتا ہے کہ فقر وفاقہ سے داد وفریاد کرنے لگے۔

(۲۸) یہ ٹھیک ہے کہ خدا تعالیٰ روزی کو حساب کے ساتھ نازل کرتا ہے تاکہ اس کے بندے سرکشی نہ کریں لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ انہیں محروم کر دے اور روزی ان سے بالکل روک دے لہٰذا بعد کی آیت میں فرمایا گیا ہے:

اور وہ تو ہے جو مفید بارش، لوگوں کے مایوس ہو جانے کے بعد نازل کرتا ہے اور اپنی رحمت کا دامن پھیلا دیتا ہے۔

ایسا ہونا بھی چاہئے کیونکہ وہ ایک ولی وسرپرست اور تعریف کے لائق ہے۔

یہ آیت باوجودیکہ پروردگار عالم کی نعمتوں اور مہربانیوں کو بیان کر رہی ہے لیکن توحید کی نشانیوں کو بھی ظاہر کر رہی ہے کیونکہ

باران کا نزول ایک دقیق اور منظم نظام کے تحت عمل میں آتا ہے۔

(۲۹) اور اسی مناسبت سے ایک بار پھر اس آیت میں خداوند عالم کے علم وقدرت کی اہم ترین نشانیوں میں سے ایک نشانی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ اس کی نشانیوں میں سے ہے آسمان اور زمین کی تخلیق اور ان کے اندر چلنے والی مخلوق بھی کہ جسے اس نے پھیلایا ہے۔

آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے اور وہ ان کو جب چاہے، جمع کرنے پر قادر ہے۔

اس آیت میں تمام چلنے والی چیزوں کو جمع کرنے سے کیا مراد ہے؟ بہت سے مفسرین نے انہیں بروز قیامت حساب وکتاب اور اعمال کی جزا کے لئے جمع ہونے کے معنی میں لیا ہے۔

یہ امکان بھی ہے کہ یہاں پر "**جمع**" کا لفظ "بث" کا نقطہ مقابل ہو یعنی "بث" کا لفظ تمام زندہ اور چلنے والی مخلوق کی پیدائش اور توسیع کی طرف اشارہ ہو۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ جب بھی خدا چاہے گا انہیں "**جمع**" کرکے نیست ونابود کردے گا۔

جیسا کہ تاریخی طور پر اب تک روئے زمین پر کئی قسم کی چلنے پھرنے والی چیزیں عجیب طریقے پر بڑھیں اور ساری زمین میں پھیل گئیں اور اس کے کچھ عرصے بعد جمع اور منقرض ہوگئیں۔ ان کی افزائش اور وسعت بھی خدا کے ہاتھ میں ہے کہ زندگی دینے والا بھی خدا ہے خاتمہ کرنا بھی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

(۳۰) گذشتہ آیات میں رحمت خدا کی بات ہو رہی تھی اور اس سے فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جن مصائب میں ہم گھرے ہوئے ہیں یہ کہاں سے آتے ہیں؟

تو یہ آیت اسی سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتی ہے جو مصائب اور ناخوشگوار واقعات تمہیں پیش آتے ہیں وہ ان اعمال کی وجہ سے ہوتے ہیں جن کو تم نے خود انجام دیا ہے۔

نیز یہ بات بھی یاد رکھو کہ یہ تمہارے غلط اعمال کی مکمل سزا نہیں ہے کیونکہ وہ تمہارے بہت سے کاموں کو بخش دیتا ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام سے ایک حدیث منقول ہے:

"بلائیں، ظالموں کے لئے تادیب ہوتی ہیں، مومنوں کے لئے امتحان، انبیاء کے لئے درجات اور اولیاء کے لئے مقام و مرتبہ اور بزرگی ہوتی ہیں"۔

(۳۱) بہر حال ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگ اس بات کا تصور کریں کہ وہ خدا کے اس حتمی قانون اور ناقابل اجتناب طریقہ کار سے راہ فرار اختیار کرسکتے ہیں لہٰذا اس سلسلے کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے تم زمین میں خدا کی قدرت سے ہرگز فرار نہیں کرسکتے۔

تم کس طرح اس کی قدرت اور حکومت کے دائرہ اختیار سے فرار کرسکتے ہو، جبکہ تمام کائنات ارض وسماوی پر بلاشرکت غیرے اس کی حکومت ہے۔ اگر تم یہ باور کرتے ہو کہ اس بارے میں کوئی امداد کو آپہنچے گا تو یاد رکھو خدا کے علاوہ نہ تو کوئی تمہارا ولی ہے اور نہ ہی مددگار۔

درحقیقت یہ آیت انسان کی کمزوری اور ناتوانی کو مجسم کرتی ہے جب کہ اس سے پہلی آیت خدا کی عدالت اور رحمت کو۔

(۳۲)وَ مِنۡ اٰیٰتِهِ الۡجَوَارِ فِی الۡبَحۡرِ کَالۡاَعۡلَامِ ؕ	اس کی نشانیوں میں سے وہ کشتیاں ہیں جو پہاڑوں کی طرح سمندر میں رواں دواں ہیں۔
(۳۳)اِنۡ یَّشَاۡ یُسۡکِنِ الرِّیۡحَ فَیَظۡلَلۡنَ رَوَاکِدَ عَلٰی ظَهۡرِهٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوۡرٍ ۙ	اگر وہ چاہے تو ہوا کو روک دے اور یوں وہ کشتیاں پشت سمندر پر رکی رہیں، اس میں ہر صبر اور شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں۔
(۳۴)اَوۡ یُوۡبِقۡهُنَّ بِمَا کَسَبُوۡا وَ یَعۡفُ عَنۡ کَثِیۡرٍ ۫	یا اگر وہ چاہے تو ان میں سوار افراد کے انجام شدہ اعمال کی وجہ سے انہیں تباہ کردے جبکہ وہ بہت سے لوگوں کو معاف کر دیتا ہے۔
(۳۵)وَّ یَعۡلَمَ الَّذِیۡنَ یُجَادِلُوۡنَ فِیۡۤ اٰیٰتِنَا ؕ مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِیۡصٍ	تا کہ جو لوگ ہماری آیات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں وہ یہ بات جان لیں کہ ان کی کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔
(۳۶)فَمَاۤ اُوۡتِیۡتُمۡ مِّنۡ شَیۡءٍ فَمَتَاعُ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا ۚ وَ مَا عِنۡدَ اللّٰهِ خَیۡرٌ وَّ اَبۡقٰی لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَکَّلُوۡنَ ۚ	جو چیز تمہیں عطا کی گئی ہے وہ دنیاوی زندگی کا ناپائیدار مال و متاع ہے اور جو کچھ پروردگار کے پاس ہے وہ ایمانداروں اور اپنے رب پر بھروسہ کرنے والوں کے لئے زیادہ بہتر اور زیادہ پائیدار ہے۔

تفسیر

ہواؤں اور کشتیوں کی روانی خدا کی نشانی

قرآن مجید نے ان آیات میں ایک بار پھر پروردگار عالم کی نشانیوں اور توحید کے دلائل کو بیان کیا ہے اور اس سلسلے کی گزشتہ گفتگو کو جاری رکھے ہوئے ہے۔

یہاں پر ان چیزوں کو بیان کیا جارہا ہے جن سے انسان کو اپنی مادی زندگی میں ہر روز سروکار رہتا ہے خاص کر جو لوگ ساحل پر رہتے ہیں یا دریائی سفر اختیار کرتے ہیں۔ فرمایا گیا ہے۔ خدا کی آیات اور نشانیوں میں سے وہ کشتیاں ہیں جو پہاڑوں کی طرح سمندر پر رواں دواں ہیں۔

(۳۳) مزید تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے۔ اگر خدا چاہے تو ہواؤں کو روک دے اور کشتیاں سطح سمندر پر ٹھہر جائیں۔

آیت کے آخر میں نتیجے کے طور پر ارشاد فرمایا گیا ہے اس میں ہر اس شخص کے لئے نشانیاں ہیں جو صبر اور شکر کرتا ہے۔

یقیناً ہواؤں کی اس حرکت، کشتیوں کے چلنے، سمندروں کی تخلیق اور ان امور میں حکم فرما نظام اور ہم آہنگی میں خدا کی پاک ذات کے لئے گونا گون نشانیاں ہیں۔

"صبار" اور "شکور" یہ دو اوصاف مجموعی صورت میں حقیقت ایمان کی منہ بولتی تصویریں ہیں کیونکہ مومن مشکلات اور مصائب میں "صبور" ہوتا ہے اور نعمتوں پر "شکور" یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

" الایمان نصفان نصف صبر و نصف شکر"

ایمان کے دو حصے ہیں ایک صبر ہے اور دوسرا شکر

(۳۴) اس آیت میں اس نعمت الٰہی کی عظمت کو ایک بار پھر اجاگر کرنے کے لئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

یا اگر اللہ چاہے تو ان کشتیوں میں سوار افراد کے انجام شدہ اعمال کی وجہ سے انہیں تباہ و برباد کر دے۔

لیکن پھر بھی لطف خداوندی انسان کے شامل حال ہوتا ہے اور وہ بہت سے لوگوں کو معاف کر دیتا ہے۔

اگر وہ معاف نہ کرے تو اسے خاص و پاک بندوں اور معصومین علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی شخص اس کی سزا سے نہ بچ سکے۔

(۳۵) تاکہ جو لوگ ہماری آیات کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں اور مخالفت اور انکار پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں وہ جان لیں کہ ذات خدا کے علاوہ ان کی کوئی بھی پناہ گاہ نہیں ہے۔

اس لئے کہ وہ سوچ سمجھ کر اور جان بوجھ کر مخالفت پر کمر بستہ ہو چکے ہیں اور اس دشمنی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنی ستیزہ کاری جاری رکھے ہوئے ہیں لہٰذا وہ خدا کے عفو و رحمت کے فیضان سے محروم ہیں۔

(۳۶) اس سلسلے کی آخری آیت میں روئے سخن تمام لوگوں کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

جو کچھ تمہیں عطا کیا گیا ہے وہ دنیاوی زندگی کا ناپائیدار مال و متاع ہے۔

مبادا دنیا تمہیں فریب دے کر غفلت میں ڈال دے اور تم یہ سمجھتے رہو کہ وہ ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی، وہ تو بجلی کی ایسی رو ہے جو ایک لمحے میں گزر جاتی ہے ایسا شعلہ ہے جو ہوا کے ایک جھونکے سے بجھ جاتا ہے سطح آب پر ایک بلبلہ ہے اور طوفانوں کی راہ میں ایک غبار ہے لیکن جو کچھ پروردگار کے پاس ہے وہ ایمان داروں اور اپنے رب پر بھروسہ کرنے والوں کے لئے زیادہ بہتر اور زیادہ پائیدار ہے۔

اگر تم کر سکتے ہو تو اس مادی کائنات کی پست، محدود اور چند روزہ متاع زندگی کا اس جاودانی سرمائے سے تبادلہ کر لو، یہی تمہاری سودمند تجارت اور بے مثال کامیابی ہے۔

اسی لئے تو اسلام کے عظیم الشان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

''خدا کی قسم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال ایسے ہے جیسے تم میں سے کوئی شخص اپنی انگلی کو سمندر میں ڈبوئے اور پھر اسے نکال کر دیکھے کہ اس سے اسے کیا ملا ہے؟''

(۳۷)وَ الَّذِیۡنَ یَجۡتَنِبُوۡنَ کَبٰٓئِرَ الۡاِثۡمِ وَ الۡفَوَاحِشَ وَ اِذَا مَا غَضِبُوۡا ہُمۡ یَغۡفِرُوۡنَ ۚ	وہی لوگ جو بڑے گناہوں اور برے اعمال سے اجتناب کرتے ہیں اور جب غصے میں آتے ہیں تو معاف کر دیتے ہیں۔
(۳۸)وَ الَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِرَبِّہِمۡ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ۪ وَ اَمۡرُہُمۡ شُوۡرٰی بَیۡنَہُمۡ ۪ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۚ	وہی جنہوں نے اپنے پروردگار کی دعوت کو قبول کیا ہے اور نماز قائم کرتے ہیں اور ان کے کام باہم مشورے کے ذریعے انجام پاتے ہیں اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔
(۳۹)وَ الَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَصَابَہُمُ الۡبَغۡیُ ہُمۡ یَنۡتَصِرُوۡنَ	وہی لوگ جب ان پر ظلم ہوتا ہے تو وہ ظلم کے آگے جھک نہیں جاتے بلکہ مدد طلب کرتے ہیں۔
(۴۰)وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ سَیِّئَۃٌ مِّثۡلُہَا ۚ فَمَنۡ عَفَا وَ اَصۡلَحَ فَاَجۡرُہٗ عَلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ	اور برائی کا بدلہ اسی جیسی سزا ہے اور جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر خدا پر ہے۔ بے شک خدا ظالموں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

تفسیر

اہل ایمان ظلم کے آگے نہیں جھکتے

ایمان اور توکل کی صفات کے بعد جو کہ قلبی صفات ہیں ان آیات میں ان کے سات قسم کے اعمال کی طرف اشارہ ہو رہا ہے ان میں سے کچھ تو منفی پہلو کے حامل ہیں اور کچھ مثبت کے، کچھ انفرادی ہیں اور کچھ اجتماعی، کچھ مادی ہیں اور کچھ معنوی۔ اور یہ ایسے اعمال ہیں۔ جو ایک صالح اور طاقتور حکومت اور صحیح و سالم معاشرے کے بنیادی ارکان ہیں۔

پہلی صفت کو اصلاح سے شروع کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے خدا کی جزا اور جو کچھ خدا کے پاس ہے ان لوگوں کے لئے سب سے بہتر اور سب سے زیادہ پائیدار ہے جو گناہان کبیرہ سے اجتناب کرتے ہیں اور بری باتوں سے پرہیز کرتے ہیں۔

روایات اہل بیت علیہم السلام میں ''کبائر'' کی اس صورت میں تفسیر ہوئی ہے کہ:

''گناہان کبیرہ وہ ہوتے ہیں جن کی سزا خداوند عز وجل نے جہنم مقرر فرمائی ہے''

اس طرح سے خدا پر ایمان اور توکل کی پہلی نشانی گناہان کبیرہ سے پرہیز اور اجتناب ہے۔

دوسری صفت بھی پاکیزگی اور اصلاح کے پہلو کی حامل ہے اور انسان کے زبردست بحرانی حالات میں غیظ وغضب پر کنٹرول کی علامت ہے، خدا فرماتا ہے وہ ایسے لوگ ہیں جو غصے کے وقت معاف کردیتے ہیں۔

نہ صرف غصے کے وقت زمام اختیار ان کے قابو میں رہتی ہے اور وہ کسی غلط کام کا ارتکاب نہیں کرتے بلکہ آپ عفو وغفران سے اپنے اور دوسرے لوگوں کا دل کینوں سے صاف کردیتے ہیں۔

یہ وہ صفت ہے جو خدا پر صحیح معنوں میں ایمان اور ذات حق پر توکل کے سوا پیدا نہیں ہوتی۔ حضرت امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں۔

''جو شخص خواہشات، خوف اور غصے کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھتا ہے خدا اس کے جسم کو جہنم کی آگ پر حرام کردیتا ہے''۔

(۳۸) اس آیت میں تیسری سے چھٹی صفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہی لوگ کہ جنہوں نے اپنے پروردگار کی دعوت کو قبول کیا ہے اور اس کے فرمان کو دل وجان سے مانا ہے

اور نماز کو قائم کیا ہے۔

اور ان کے کام باہم مشورے کی صورت میں انجام پاتے ہیں۔

اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

گزشتہ آیت میں مومنین کے وجود کی گناہوں سے دوری اور غیظ وغضب پر قابو پانے کی بات کی گئی تھی لیکن زیر تفسیر آیت میں ان کے وجود کی مختلف پہلوؤں سے اصلاح کی بات ہورہی ہے جن میں سے اہم ترین چیز دعوت پروردگار کی قبولیت اور اس کے فرمان کے آگے سر تسلیم خم کردینا ہے۔

(۳۹) ایک اور توصیف میں جو سچے مومنین کی ساتویں صفت ہے فرمایا گیا ہے وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب بھی ان پر ظلم کیا جاتا ہے ظلم کے آگے ہتھیار نہیں ڈالتے بلکہ دوسروں سے مدد طلب کرتے ہیں۔

یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جہاں پر ستم رسیدہ لوگوں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ ظلم وستم کے مقابلے کے لئے دوسرے لوگوں سے مدد طلب کریں، وہاں پر ایسے لوگوں کا بھی فرض بنتا ہے کہ ان کی مدد کریں۔

(۴۰) لیکن جہاں تک ایک دوسرے کی مدد کرنے کا سوال ہے وہ مدد عدل وانصاف کی راہوں سے ہٹ کر جذبہ انتقام کینے اور تجاوز کی حد تک نہ پہنچ جائے، اسی لئے بعد کی آیت میں فوراً ہی اسے ان چیزوں سے مشروط کرتے ہوئے خداوند عالم فرماتا ہے کہ اس بات کا خاص خیال رہے کہ برائی کی سزا، اسی برائی جیسی ہوتی ہے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ظالم کے کام کو تو ''سیئة'' اور برائی سے تعبیر کرنا صحیح ہے لیکن اسے سزا دینا تو یقیناً ''سیئة'' اور برائی نہیں ہے یہاں پر ''سیئة'' کا لفظ کیوں استعمال ہوا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر آیت میں مظلوم کی نصرت طلبی کے جواب میں

ظالم کی سزا کو "سیئة" سے تعبیر کیا گیا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ درحقیقت برابر کے قرینے کے طور پر استعمال ہوا ہے یا اس لئے کہ چونکہ سزا پانے والے ظالم کی نگاہ میں یہ ردعمل سیئۃ ہوتا ہے نیز ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کو سیئۃ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ سزا بھی ایک تکلیف اور دکھ ہوتی ہے جو بذاتِ خود ایک بری چیز ہے ہر چند کہ قصاص اور ظلم کی سزا اچھی چیز شمار ہوتی ہے۔

یہ بات اس تعبیر سے ملتی جلتی ہے جو سورہ بقرہ کی آیت ۱۹۴ میں یوں بیان ہوئی ہے۔

''جو شخص تم پر تجاوز کرے تم بھی ایسے ہی اس پر تجاوز کرو اور خدا سے ڈرو اور حد سے نہ بڑھ جاؤ''

لیکن صورت حال خواہ کچھ بھی ہو، ہوسکتا ہے کہ یہ تعبیر اس عفوو درگزر کا مقدمہ ہو جو بعد کے جملے میں بیان ہوا ہے گویا قرآن یہ کہنا چاہتا ہے کہ سزا جیسی بھی ہو ایک قسم کی تکلیف ضرور ہے لہذا اگر فریق مخالف نادم اور پشیمان ہو جائے تو عفو در گزر کے لائق ہے۔

ایسے حالات میں درگزر سے کام لو کیونکہ جو شخص عفو اور اصلاح سے کام لیتا ہے اس کا ثواب خدا کے پاس ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے خدا ظالموں کو ہرگز دوست نہیں رکھتا۔

ہر ایک کے لئے عفو اور سزا کے اپنے حالات اور مواقع ہوتے ہیں عفو ایسے مقام پر ہوتا ہے جہاں انسان انتقام کی قدرت رکھتا ہو، اگر معاف کر دے تو یہ اس کی کمزوری نہیں ہوگی ایسی معافی کا بہت فائدہ ہوتا ہے۔

کسی کے کئے کی سزا اور انتقام ایسے مقام پر عمل میں آنے چاہئیں جہاں ظالم ہنوز شیطانی راستے پر قائم ہو اور مظلوم اپنی طاقت کی بنیادوں کو مضبوط مستحکم نہ کر سکا ہو اور معاف کرنا کمزوری سمجھا جاتا ہو تو ایسے مقامات پر ظالم کو سزا ملنی چاہیے۔

(۴۱) وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِکَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ؕ	جو شخص مظلوم ہونے کے بعد مدد طلب کرے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔
(۴۲) اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ	اعتراض اور سزا تو ان لوگوں کے لئے ہے جو دوسرے لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق ظلم روا رکھتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔
(۴۳) وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۠	لیکن جو لوگ صبر کرتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں تو یہ بڑے کاموں میں سے ہے

تفسیر

نصرت طلبی عیب نہیں ظلم کرنا عیب ہے

یہ آیات درحقیقت نصرطلبی، ظالم کی سزا اور عفو درگزر کے سلسلے میں گزشتہ آیات کی تاکید، تشریح اور تتمہ ہیں۔

پہلے فرمایا گیا ہے جو شخص مظلوم ہونے کے بعد کسی سے مدد طلب کرے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

استغاثہ اور نصرت طلبی مظلوم کا مسلم حق ہے اور مظلوم کی مدد کرنا ہر آزادی پسند اور بیدار ضمیر کے مالک انسان کا فرض ہے۔

(۴۲) اعتراض اور سزا تو صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو لوگوں پر ستم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق ظلم کو روا رکھتے ہیں۔ دنیا میں کیفر اور سزا پانے کے علاوہ ان کے لئے آخرت میں بھی دردناک عذاب ہے۔

(۴۳) زیر نظر آخری آیت میں صبر واستقامت اور عفو درگزر کے مسئلے کو ایک بار پھر بیان کیا گیا ہے تا کہ ایک مرتبہ پھر اس حقیقت کو زوردار لفظوں میں بیان کر دیا جائے کہ مظلوم کا ظالم سے انتقام، قصاص اور اسے سزا ہرگز عفو و درگزرشت سے مانع نہیں ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے جو لوگ صبر کرتے ہیں اور فریق مخالف کو معاف کر دیتے ہیں تو یہ ان کے بڑے کاموں میں سے ہے۔

"عزم الامور" کی تعبیر سے ممکن ہے اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ یہ ایسے کاموں سے ہے جن کا خدا نے حکم دیا ہے اور ہرگز منسوخ نہیں ہوا۔ یا ایسے کاموں میں سے ہے جن کے بارے میں انسان کو عزم راسخ سے کام لینا چاہیے۔

(۴۴) وَ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ وَّلِیٍّ مِّنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ وَ تَرَی الظّٰلِمِیۡنَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ یَقُوۡلُوۡنَ ہَلۡ اِلٰی مَرَدٍّ مِّنۡ سَبِیۡلٍ ﴿ۚ﴾	جسے خدا گمراہی میں ڈال دے اس کے لئے اس کے بعد کوئی بھی ولی اور مددگار نہیں ہوگا اور قیامت کے دن تم ظالموں کو دیکھو گے کہ جب وہ عذاب الٰہی کا مشاہدہ کریں گے تو کہیں گے کہ آیا واپسی (اور تلافی) کی کوئی سبیل ہے؟
(۴۵) وَ تَرٰىہُمۡ یُعۡرَضُوۡنَ عَلَیۡہَا خٰشِعِیۡنَ مِنَ الذُّلِّ یَنۡظُرُوۡنَ مِنۡ طَرۡفٍ خَفِیٍّ ؕ وَ قَالَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّ الۡخٰسِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَہۡلِیۡہِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ فِیۡ عَذَابٍ مُّقِیۡمٍ	اور تو انہیں دیکھے گا کہ وہ آگ کے لئے پیش کئے جائیں گے جب کہ سخت ذلت کی بنا پر وہ سر جھکائے ہوں گے اور کنکھیوں سے (اس کی طرف) دیکھیں گے اور جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ کہیں گے صحیح معنوں میں ان لوگوں نے خسارہ اٹھایا ہے جو بروز قیامت اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو کھو چکے ہیں۔ آگاہ رہو (آج کے دن) ظالم دائمی عذاب میں ہیں۔

ان کیلئے خدا کے علاوہ ان کے اولیاء اور مدد گار نہیں کہ جو ان کی مدد کو پہنچیں اور جسے خدا گمراہی میں ڈال دے اس کے لئے نجات کی کوئی سبیل نہیں ہے۔	(۴۶)وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ اَوْلِيَآءَ يَنْصُرُوْنَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ

تفسیر

آیا واپسی کی کوئی سبیل ہے؟

گزشتہ آیات میں ظالموں، ستمگاروں اور تجاوز کاروں کے بارے میں گفتگو تھی، زیر نظر آیات میں ان کے انجام اور کچھ سزاؤں کی بات ہو رہی ہے۔

پہلے تو انہیں ایسا گمراہ قرار دیا گیا ہے جن کا کوئی ولی اور سرپرست نہیں ہوتا ہے ارادہ ہوتا ہے جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے اس کے بعد اس کا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہوگا۔

نہ تو ہدایت کا پہلو جبری ہوتا ہے اور نہ ضلالت کا بلکہ یہ انسانوں کے اپنے اعمال کا براہ راست نتیجہ ہوتا ہے بعض اوقات انسان ایسے کام انجام دیتے ہیں جن کی وجہ سے خدا ان کی توفیق سلب کر لیتا ہے اور نور ہدایت ان کے دل میں خاموش کر دیتا ہے اور انہیں گمراہی کی تاریکیوں میں چھوڑ دیتا ہے۔

بہرحال یہ ان ظالموں کی دردناک سزاؤں میں سے ایک ہے پھر فرمایا گیا ہے تم ظالموں کو دیکھو گے کہ جب وہ عذاب الٰہی کا مشاہدہ کریں گے تو سخت پشیمان ہو کر کہیں گے کہ آیا واپسی اور ان گناہوں کی تلافی کی کوئی سبیل ہے؟

لیکن ان کی درخواست خواہ کسی بھی صورت میں ہو مسترد کر دی جائے گی۔

(۴۵) یہ آیت اس گروہ کی تیسری سزا کو یوں بیان کرتی ہے اس دن تم ان کو دیکھو گے کہ جب وہ جہنم کی آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے تو سخت ذلت کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے کنکھیوں سے اس کی طرف نگاہ کریں گے۔

یہ اس شخص کی صورت حال ہوتی ہے جو کسی چیز سے زبردست ڈر جاتا ہے اور پوری آنکھ سے اسے نہیں دیکھنا چاہتا اور اسے غافل بھی نہیں رہنا چاہتا مجبوراً اسے اس چیز کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے اور بار بار اسے دیکھنا بھی پڑتا ہے لیکن پوری آنکھ سے نہیں بلکہ نظر بچا کے۔

آخری سزا جو یہاں پر بیان ہوئی ہے وہ مومنین کی طرف سے سخت ملامت اور دردناک سرزنش ہوگی جیسا کہ آیت کے آخر میں ہے ایماندار لوگ کہیں گے صحیح معنوں میں وہ لوگ خسارے میں ہیں جو اپنے وجود کا سرمایہ اور اپنے اہل خاندان کو قیامت کے دن کھو چکے ہیں اور نقصان اٹھا چکے ہیں۔

اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہوگا کہ انسان اپنی ہستی کو کھو دے اور پھر اپنے بیوی بچوں اور قریبی عزیزوں سے جدا ہو جائے

اورعذاب الٰہی میں گرفتار ہوکر حسرت اور جدائی کی آگ میں بھی جلتا رہے؟

پھر فرمایا گیا ہے اے اہل محشر تم سب کو معلوم ہوجانا چاہیے کہ آج سے تمام ظالم اور ستمگر دائمی عذاب میں ہوں گے۔

اس نکتے کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ جن ظالموں کے لئے دائمی عذاب ہے قرینے کے مطابق ان سے کافر لوگ مراد ہیں۔

(۴۶) یہ آیت بھی اسی بات کی گواہ ہے کہ جس میں کہا گیا ہے ان کے اولیاء اور مددگار نہیں ہیں جو ان کی مدد کریں اور عذاب الٰہی ان سے دور کریں۔

ان لوگوں نے اپنے تعلقات خدا کے خالص بندوں، انبیاء و اولیاء سے منقطع کر لئے تھے، لہٰذا وہاں پر بھی ان کا کوئی یارو مددگار نہیں ہوگا۔، مادی طاقتیں بھی بیکار ہوچکی ہوں گی، اسی لئے وہ تن تنہا عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔

اس معنی کو مزید تاکید کے لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے جسے خدا گمراہی میں چھوڑ دے اس کی نجات کی کوئی سبیل نہیں ہے۔

(۴۷) اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّ مَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ	اپنے پروردگار کی دعوت قبول کر، اس سے پہلے کہ وہ دن آپہنچے جس کے لئے ارادہ خداوندی کے سامنے کوئی بازگشت نہیں۔ اس دن نہ تو تمہاری کوئی پناہ گاہ ہے اور نہ ہی کوئی بچانے والا۔
(۴۸) فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ	اگر وہ منہ پھیرلیں تو (غم نہ کھا کیونکہ) ہم نے تجھے ان کا نگران بنا کر نہیں بھیجا۔ تیرا فرض صرف پیغام پہنچانا ہے اور جب ہم اپنی رحمت (کا لطف) انسان کو چکھاتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے اور جب ان کے انجام دیئے ہوئے عمل کی وجہ سے ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو پھر انسان کفران کرنے لگتا ہے۔
(۴۹) لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ	زمین و آسمان کی ملکیت اور حاکمیت خدا ہی کے لئے ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہے بیٹی عطا کرتا ہے اور جسے چاہے بیٹا عطا کرتا ہے۔

(۵۰)اَوۡ یُزَوِّجُهُمۡ ذُکۡرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَ یَجۡعَلُ مَنۡ یَّشَآءُ عَقِیۡمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌ قَدِیۡرٌ	یا اگر چاہے تو بیٹا اور بیٹی دونوں عطا کر دیتا ہے اور جسے چاہے بانجھ بنا دیتا ہے کیونکہ وہ علیم اور قدیر ہے۔

تفسیر

اولاد، اللہ کا عطیہ ہے

جہاں تک گزشتہ آیات کا تعلق ہے ان میں کافروں اور ظالموں کی سزا کے کچھ دردناک، ہولناک اور وحشت ناک حصے کو بیان کیا گیا ہے لیکن زیر نظر آیات میں روئے سخن تمام لوگوں کی طرف ہے اور انہیں خبردار کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی ایسے ہی دردناک انجام سے دوچار ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی دعوت کو لبیک کہتے ہوئے راہ حق کو اختیار کریں۔

ارشاد ہوتا ہے: اپنے پرودگار کی دعوت قبول کر، اس سے پہلے کہ وہ دن آ پہنچے کہ جس لئے ارادہ خداوندی کے سامنے کوئی بازگشت نہیں۔

اور اگر تم یہ خیال کرو کہ اس دن لطف الٰہی کے سائے کے علاوہ کوئی جائے پناہ اور اس کی رحمت کے علاوہ اور کوئی بچانے والا اور مدافع ہوگا تو یہ تمہاری بھول ہے کیونکہ اس دن کون تمہارا دفاع کرے گا۔

(۴۸) اس آیت میں روئے سخن پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف کر کے ان کی دلجوئی کے طور پر فرمایا گیا ہے اس کے باوجود اگر وہ تجھ سے منہ پھیر لیتے ہیں تو تو غم نہ کھا کیونکہ ہم نے تجھے انہیں روگرانی سے روکنے کے نگران بنا کر نہیں بھیجا۔

تیرا فریضہ تو صرف خدائی پیغام پہنچانا ہے اور بس خواہ وہ مانیں نہ مانیں۔

اپنے فریضہ کو صحیح معنوں میں انجام دیتا رہ اور ان پر اتمام حجت کرتا رہ۔ جن لوگوں کے دل اس کے لئے آمادہ ہیں وہ مان لیں گے اگر چہ بہت سے لوگ اس سے منہ بھی پھیر لیں تو اس بارے میں جوابدہ نہیں ہے

پھر ایمان اور روگردانی کرنے والے افراد کی صورت حال اور ان کی کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے جب ہم انسان کو اپنی طرف سے کوئی رحمت نصیب کرتے ہیں تو وہ اس سے خوش ہو جاتا ہے۔

اور جب ان کے عمل انجام دینے کی وجہ سے ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو انسان کفران کرتا ہے۔

جب کہ شکر ضروری ہے لیکن خدا کی نعمتیں پا کر بھی وہ بیدار نہیں ہوتے اور اس کا شکر بجا نہیں لاتے اور اس منعم حقیقی کی معرفت اور اطاعت کا فریضہ انجام نہیں دیتے اور نہ ہی گناہوں کی وجہ سے ملنے والی سزاؤں کے ذریعے وہ خواب غفلت سے بیدار ہوتے ہیں اور نہ رسول اللہ کی دعوت حق ان پر کچھ اثر کرتی ہے۔

(۴۹) پھر اس حقیقت کو ظاہر کرنے کے لئے کہ اس دنیا میں ہر طرح کی نعمت اور رحمت خدا کی طرف سے ہے اور کوئی شخص از خود کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہے ایک کلی مسئلہ او واس کے واضح مصداق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے آسمانوں اور زمین کی

ملکیت اور حکومت خدا ہی کے لئے ہے وہ جو چاہے پیدا کرے۔

اس حقیقت کا کہ کوئی شخص از خود کسی بھی چیز کا مالک نہیں جو کچھ ہے اسی کی طرف سے ہے اس کا ایک واضح نمونہ یہ ہے کہ جسے چاہے لڑکی عطا کردے اور جسے چاہے لڑکا دے دے۔

(۵۰) یا اگر چاہے تو لڑکا اور لڑکی دونوں دے دے اور جسے چاہے بانجھ اور بے اولاد بنادے۔

تو اس لحاظ سے لوگ چار حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں ایک وہ جن کے ہاں صرف لڑکا ہے اور وہ بیٹی کے خواہش مند ہیں تو وہ جن کے ہاں صرف لڑکی ہے وہ لڑکے کے خواہش مند ہیں تیسرے وہ جن کے ہاں دونوں ہیں اور چوتھے وہ جوان دونوں سے محروم ہیں اور ان کا دل اولاد کی آرزو میں تڑپ رہا ہے۔

"یھب" عطا کرتا ہے کی تعبیر اس بات کی روشن دلیل ہے کہ جس طرح لڑکے خدا کا عطیہ ہوتے ہیں اسی طرح لڑکیاں بھی اسی کا عطیہ ہیں اور ان میں فرق سمجھنا ایک سچے مسلمان کے لئے صحیح نہیں ہے کیونکہ دونوں خدائی "ھنبہ" عطیہ ہیں۔

بہرحال یہ صرف اولاد کی پیدائش ہی کی بات نہیں بلکہ ہر چیز پر خدا کی مشیت مطلقاً حکم فرما ہے اور وہ ایسا حاکم ہے جو قادر بھی ہے اور آگاہ و حکیم بھی جس کا علم اور قدرت ساتھ ساتھ ہیں لہٰذا فرمایا گیا ہے وہ دانا و قادر ہے۔

(۵۱) وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ	کسی انسان کے لائق یہ بات نہیں ہے کہ خدا اس سے باتیں کرے مگر وحی کے ذریعے یا پردے کے پیچھے سے یا پھر وہ اپنے کسی پیغامبر کو بھیجتا ہے اور وہ حکم خدا کے مطابق جو کچھ اللہ چاہتا ہے وحی کرتا ہے کیونکہ وہ بلند مرتبہ اور حکمت والا ہے۔

شان نزول

بعض مفسرین نے اس آیت کی ایک شان نزول بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آکر عرض کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خدا کے ساتھ براہ راست باتیں کیوں نہیں کرتے؟ اسے اپنی آنکھوں سے کیوں نہیں دیکھتے؟ اگر آپ نبی ہیں تو جیسے موسیٰ نے خدا سے گفتگو کی ہے اور اسے دیکھا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے، ہم اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ یہی کام انجام نہیں دیں گے یہ سن کر آنحضرت نے ارشاد فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے خدا کو کبھی نہیں دیکھا اس موقع پر مندرجہ بالا آیت نازل ہوئی کہ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ انبیاء کا رابطہ اللہ سے کن ذرائع سے ہوتا ہے۔

تفسیر

انبیاء کے خدا کے ساتھ رابطے کے ذرائع

جیسا کہ سورت کے آغاز میں بتایا جاچکا ہے کہ اس سورت میں زیادہ تر وحی ونبوت جیسے مسئلہ پر زور دیا گیا ہے۔سورت کا آغاز بھی وحی کے مسئلہ کے ساتھ ہوا اور اس کا اختتام بھی اسی مسئلہ پر ہو رہا ہے۔

گزشتہ آیات میں خدائی نعمتوں کا تذکرہ تھا لیکن ان آیات میں عالم انسانیت میں پروردگار کی تمام نعمتوں میں سے اہم ترین نعمت اور تمام مہربانیوں میں سے بالاترین مہربانی وحی اور انبیاء کے خدا کے ساتھ رابطے کا ذکر کیا جارہا ہے۔

پہلے تو فرمایا گیا ہے کسی بھی انسان کے لائق نہیں ہے کہ خدا اس سے باتیں کرے (اور اس کے آمنے سامنے آئے کیونکہ وہ جسم وجسمانیت سے منزہ اور مبرا ہے) مگر اس کے دل پر وحی اور مخفیانہ ہر آیت کے ذریعے۔

یا پردے کے پیچھے سے خدا کی باتیں سننے کے ذریعے۔

یا کوئی پیغامبر بھیجنے کے ذریعے کہ جو اس تک خدا کا پیغام پہنچائے۔

اس وقت خدا کا بھیجا ہوا حکم پروردگار کے مطابق جو کچھ خدا چاہتا ہے اس کے پیغمبر پر وحی کرتا ہے۔

جی ہاں خدا کا بندوں کے ساتھ گفتگو کا ذریعہ ان تین راستوں کے علاوہ اور کوئی نہیں کیونکہ وہ بلند مرتبہ اور صاحب حکمت ہے۔

یہ آیت ان لوگوں کے لیے ایک واضح جواب ہے جو شاید اپنی بے خبری کی بنا پر یہ خیال کریں کہ وحی کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام خدا کو دیکھتے ہیں اور اس کے ساتھ باتیں کرتے ہیں۔

(۵۲)وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِىْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِىْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۙ	اور جس طرح ہم نے گزشتہ انبیاء کی طرف وحی بھیجی اسی طرح تیری طرف بھی اپنے فرمان سے روح کو وحی کیا، قبل ازیں تجھے معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا ہے؟ اور ایمان کیا ہے (اور قرآن کے مطالب سے آگاہ نہ تھا) لیکن ہم نے اسے نور بنایا ہے کہ اس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کی چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور تو یقیناً سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔

(۵۳)صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ اِلَی اللّٰهِ تَصِیْرُ الْاُمُوْرُ ۠	اس خدا کا راستہ، آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے، آگاہ رہو کہ سب چیزوں کی بازگشت خدا ہی کی طرف ہے۔

تفسیر

قرآن روح ہے

گزشتہ آیت میں وحی کی کلی اور عمومی گفتگو کے بعد، زیر تفسیر آیات میں خود پیغمبر اسلام ﷺ کی ذات پر وحی کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جس طرح ہم نے گزشتہ انبیاء پر مختلف طریقوں سے وحی نازل کی تجھ پر بھی اپنے فرمان سے روح کو وحی کیا۔

آیت میں مذکور ''روح'' سے مراد قرآن مجید ہے جو قلب و روح کی زندگی کا سبب ہے۔

بہر حال سلسلہ آیت کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس سے پہلے تو کتاب اور ایمان سے آگاہ نہیں تھا لیکن ہم نے اسے ایسا نور بنایا ہے کہ جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت کریں۔

یہ خدا کی مہربانی تھی جو تیرے شامل حال رہی اور یہ آسمانی وحی تھی جو تجھ پر نازل ہوئی اور تو نے اس کے تمام مطالب کو مان لیا۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے یقیناً تو لوگوں کو صراط مستقیم کی ہدایت کرتا ہے۔

یہ قرآن صرف تیرے لیے نور نہیں بلکہ دوسرے تمام لوگوں کے لیے بھی نور ہے اور صراط مستقیم کی طرف لوگوں کی ہدایت کرتا ہے اور راہ حق پر چلنے والوں کے لیے یہ خدا کا ایک عظیم احسان ہے اور تمام تشنہ کاموں کے لیے آب حیات ہے۔

(۵۳) لہٰذا تفسیر کے طور پر ''صراط مستقیم'' سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب کی سب اسی کی ہیں۔

اس راہ سے بڑھ کر اور کون سی راہ سیدھی ہوگی جو مبدا عالم ہستی تک جا پہنچائے؟ اس سے بڑھ کر اور کون سی راہ زیادہ صاف ہوگی جو کائنات کے خالق تک جا پہنچے؟

اس آیت کا آخری جملہ جو سورہ شوریٰ کا آخری جملہ بھی ہے درحقیقت اس معنی کی دلیل ہے کہ راہ مستقیم صرف وہ راہ ہے جو خدا کی طرف جاتی ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے آگاہ ہو سب چیزوں کو اسی کی طرف لوٹ جانا ہے۔

یہ جملہ جہاں پرہیزگاروں کے لیے خوشخبری ہے وہاں ظالموں اور گناہگاروں کے لیے ایک تنبیہ بھی ہے کہ یاد رکھو تم سب نے اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

یہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ وحی کو صرف خدا ہی کی جانب سے نازل ہونا چاہیئے کیونکہ ہر ایک چیز کی بازگشت اسی کی طرف اور ان کی تدبیر خدا کی طرف سے ہے۔

نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کس دین پر تھے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خداوند عالم کی طرف سے اپنے لئے ایک خاص پروگرام رکھتے تھے، اور اسی پر عمل پیرا تھے اور درحقیقت یہ ان کی ذات کے لیے مخصوص ایک دین تھا جب تک کہ اسلام نازل نہیں ہو گیا۔

اس قول پر وہ حدیث شاہد ہے جو نہج البلاغہ میں موجود ہے کہ

''جس وقت سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دودھ بڑھائی ہوئی اللہ نے اپنے فرشتوں میں سے ایک عظیم فرشتے کو آپ کے ساتھ ملا دیا ۔ جو شب و روز مکارم اخلاق اور نیک راستوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے ساتھ رکھتا اس فرشتے کی ماموریت رسول اللہ کے لیے مخصوص پروگرام کی دلیل ہے''۔

سورہ زخرف

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی
اوراس کی ۸۹ آیات ہیں

سورہ زخرف کے مضامین

اس سورت کے مضامین کو خلاصے کے طور پر سات حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلا حصہ: اس میں قرآن مجید، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی اہمیت اور اس آسمانی کتاب یعنی قرآن پاک کے ساتھ جہلا کی ناپسندیدہ روش کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے۔

دوسرا حصہ: آفاق میں توحید کے کچھ دلائل اور انسان پر خدا کی گوناگوں نعمتوں کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔

تیسرا حصہ: اسی حقیقت کی تکمیل کرتا ہے یعنی اس حصے میں شرک کے خلاف جدوجہد، خدا کی ذات کی طرف ناروانسبتوں کی نفی، اندھی تقلید اور لڑکیوں سے نفرت اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھنے جیسی خرافات کے خلاف بات کی گئی ہے۔

چوتھا حصہ: حقائق کو مجسم کرنے کے لیے کچھ سابق انبیاء اور ان کی اقوام کی سرگزشت بیان کی گئی ہے اور خصوصی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی داستانوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔

پانچواں حصہ: اس میں معاد کے مسئلے کے ضمن میں مومنین کی جزا اور کفار کے دردناک انجام کو بیان کیا گیا ہے اور مجرمین کو زوردار الفاظ میں تنبیہ کی گئی ہے۔

چھٹا حصہ: یہ اس سورت کا اہم ترین حصہ ہے اور اس میں ان جھوٹی اقدار کا ذکر ہے جو بے ایمان لوگوں کے افکار پر حکم فرما چلی آ رہی ہیں۔ اور انہی جھوٹی اور بے بنیاد اقدار کی وجہ سے وہ زندگی کے اہم مسائل کو بھی سمجھنے میں گوناگوں غلطیوں کے مرتکب ہوتے چلے آ رہے ہیں۔

ساتواں حصہ: اس میں بھی موثر اور مفید پندونصیحت پائی جاتی ہے یوں یہ حصہ دوسرے حصوں کی تکمیل کرتا ہے۔ اس سورت کا نام اس کی ۳۵ ویں آیت کے لفظ سے لیا گیا ہے جس میں مادی اقدار اور زخرف (سونا اور اس جیسی چیزوں کے بارے میں بات چیت کی گئی ہے۔

سورہ زخرف کی تلاوت کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث ہے:

''جو شخص سورہ زخرف کی تلاوت کرے گا وہ ان لوگوں میں قرار پائے گا جنہیں روز قیامت اس طرح مخاطب کیا جائیگا اے میرے بندو آج نہ تو تم پر کسی قسم کا خوف ہے اور نہ ہی غم، تم بہشت میں حساب و کتاب کے بغیر چلے جاؤ''۔

یہ عظیم بشارت اور بے حد و حساب فضیلت، غور و فکر اور ایمان و عمل کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی کیونکہ تلاوت تو سمجھنے کے لیے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے اور ایمان و عمل اس کے ثمر ہوتے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱) حٰمٓ ۚ	حٰم۔
(۲) وَ الۡكِتٰبِ الۡمُبِيۡنِ ۙۛ	اس کتاب کی قسم جس کے حقائق آشکار ہیں۔
(۳) اِنَّا جَعَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۚ	کہ ہم نے اسے فصیح اور عربی قرآن بنایا ہے تاکہ تم اسے سمجھ سکو۔
(۴) وَ اِنَّهٗ فِىۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَيۡنَا لَعَلِىٌّ حَكِيۡمٌ ؕ	اور وہ اصلی کتاب (لوح محفوظ) میں ہمارے پاس ہے جو کہ بڑی عظمت والا اور حکمت آموز ہے۔
(۵) اَفَنَضۡرِبُ عَنۡكُمُ الذِّكۡرَ صَفۡحًا اَنۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّسۡرِفِيۡنَ	آیا اس ذکر (قرآن مجید) کو ہم اس لیے تم سے واپس لے لیں کہ تم اسراف کرنے والی قوم ہو؟
(۶) وَ كَمۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ نَّبِىٍّ فِى الۡاَوَّلِيۡنَ	اور گزشتہ قوموں میں ہم نے (ہدایت کے لیے) کس قدر انبیاء بھیجے ہیں!
(۷) وَ مَا يَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ نَّبِىٍّ اِلَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ	لیکن ان کے پاس کوئی بھی پیغمبر نہیں جاتا تھا مگر یہ کہ وہ اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔
(۸) فَاَهۡلَكۡنَاۤ اَشَدَّ مِنۡهُمۡ بَطۡشًا وَّ مَضٰى مَثَلُ الۡاَوَّلِيۡنَ	ہم نے توان لوگوں کو بھی ہلاک کر ڈالا، جو طاقت کے لحاظ سے ان سے بہت زیادہ تھے اور پہلے لوگوں کا ذکر گزر چکا ہے۔

تفسیر

گناہ رحمت کو نہیں روک سکتے

سورت کے آغاز میں ہم ایک بار پھر حروف مقطعات "حٰم" کو پاتے ہیں یہ چوتھی سورت ہے کہ جس کا آغاز "حٰم" سے ہو رہا ہے۔

حروف مقطعات کے بارے میں ہم پہلے ہی تفصیل کے ساتھ بحث کر چکے ہیں۔

(۲)اسی سلسلے کی دوسری آیت میں قرآن مجید کی قسم کھاتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے۔قسم ہے اس آشکار کتاب کی۔
اس کتاب کی قسم جس کے حقائق آشکار، مفہوم واضح ،اسکی سچائی کے دلائل نمایاں اور اسکی ہدایت کی راہیں واضح اور روشن ہیں۔

(۳)ہم نے اسے ایک عربی قرآن قرار دیا ہے تاکہ تم اسے سمجھ سکو۔

قرآن کا عربی ہونا یا تو اس لحاظ سے ہے کہ وہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے جو حقائق بیان کرنے کے لیے دنیا کی وسیع اور جامع ترین زبانوں سے ہے اور باریک مطالب نہایت ہی ظرافت اور لطافت کے ساتھ بیان کرتی ہے۔

یا ''عربی'' بمعنی ''فصاحت'' کے ہے(کیونکہ لفظ ''عربی'' کا ایک معنی فصیح بھی ہے)اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہم نے اس قرآن کو نہایت ہی فصاحت کے انداز میں نازل کیا ہے تاکہ جملات اور کلمات کے ذریعے اچھے سے اچھے حقائق کو ظاہر کرے اور سب لوگ اسے بخوبی سمجھ سکیں۔

(۴) پھر اس آسمانی کتاب کی تین اور صفات کو بیان فرماتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور وہ اصل کتاب لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے جو بلند مرتبہ اور حکمت آموز ہے۔

''ام الکتاب'' کا معنی ایسی کتاب ہے جو تمام آسمانی کتابوں کی اصل واساس ہے اور وہ، ہی لوح ہے جو خدا کے نزدیک ہر قسم کے تغیر وتبدل اور تحریف اور ایسی کتاب ''پروردگار عالم کا علم'' ہے جو خود اسی کے پاس ہے اور تمام کائنات کے حقائق کائنات میں ماضی اور حال ومستقبل میں وقوع پذیر ہونے والے حالات اور تمام آسمانی کتابیں اس میں درج ہیں اور اس حد تک خدا کے علاوہ کسی کو رسائی حاصل نہیں ہے مگر جنہیں خدا خود آگاہ کرے۔

یہ قرآن مجید کی بہت بڑی عظمت ہے جس کا سرچشمہ حق تعالٰی کا بے پایاں علم ہے جس کی اصل واساس خود خدا کے پاس ہے اسی دلیل کی بناء پر قرآن مجید کی دوسری صفت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ بلند مرتبہ کتاب ہے۔

تیسری صفت کے بارے میں فرمایا گیا ہے حکمت آموز، مستحکم، پختہ اور حساب شدہ ہے۔

(۵)اس آیت میں قرآن سے منہ موڑنے اور اس کا انکار کرنے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے آیا ہم قرآن کو جو کہ تمہاری بیداری اور توجہ کا سبب ہے تم سے اس لیے واپس لے لیں کہ تم اسراف اور تجاوز کرنے والے لوگ ہو۔

یہ ٹھیک ہے کہ تم نے حق کی مخالفت اور دشمنی میں کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا اور مخالفت کو افراط واسراف کی حد تک پہنچا چکے ہو۔لیکن خدا کا لطف وکرم اور رحمت ومہربانی بھی اس قدر وسیع ہے کہ وہ تمہاری ایسی باتوں کو اپنی رحمت کے آگے سدراہ نہیں سمجھتا اور اس بیدار کرنے والی آسمانی کتاب کو مسلسل تمہارے لیے بھیجتا رہتا ہے تاکہ جن دلوں میں تھوڑی سی آمادگی پائی جاتی ہے ان میں حرکت پیدا ہو اور وہ سیدھی راہ پر آجائیں اور پروردگار عالم کی عمومی رحمت اور رحمانیت کا یہی معنی ہے جو دوست اور دشمن دونوں کے

لیے ہے۔

(۶) پھر مذکورہ فرمان کے شاہد کے طور پر بھی رسول پاک ﷺ کی تسلی اور تشفی کے لیے بھی اور ساتھ ہٹ دھرم منکرین کو تنبیہ اور تہدید کے طور پر مختصر لیکن محکم انداز میں فرمایا گیا ہے۔

ہم نے گزشتہ قوموں میں ہدایت کی خاطر بہت سارے انبیاء کو بھیجا ہے۔

(۷) لیکن ان کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آتا تھا مگر یہ کہ اس کا مذاق اڑاتے تھے۔

اس قسم کے مخالفین، مذاق اور تمسخر لطف الٰہی سے ہرگز مانع نہ ہوئے یہ وہ فیض الٰہی ہے جو ازل سے ابد تک جاری وساری ہے اور ایسی سخاوت ہے جو تمام بندگان خدا کے لیے یکساں ہے۔

(۸) البتہ یہ بات بھی ان (کفار) کو نہیں بھولنی چاہیے کہ خداوند کریم کا بے حد وحساب لطف وکرم اس کی سزا سے مانع بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مجرم کو سزا بھی اس حکمت کا تقاضا ہوتی ہے۔اسی لیے اس آیت میں فرمایا گیا ہم نے تو ان لوگوں کو بھی ہلاک اور نیست ونابود کردیا ہے جو ان سے زیادہ طاقت ور تھے۔

اور گزشتہ لوگوں کی داستان بھی گزر چکی ہے۔

جو آیات ہم نے اس سے پہلے آپ ﷺ پر نازل فرمائی ہیں ان میں ایسی ہی سرکش قوموں کو سرکشی اور نافرمانی کے بہت سے نمونے پیش کیے گئے ہین اور وحی کے ذریعے ان کے تفصیلی حالات آپ تک بے کم وکاست پہنچ چکے ہیں ان اقوام میں کچھ ایسی قومیں بھی تھی جو مشرکین عرب سے کئی گنا زیادہ طاقتور تھیں۔ان کے پاس ذرائع اور وسائل کی فراوانی تھی افرادی قوت کی کوئی کمی نہیں تھی فوج کے لحاظ سے بھی وہ بہت قوی تھیں استعداد بھی ان کی زیادہ تھی جیسے فرعون اور اس کی قوم اور طاقت کے لحاظ سے عاد وثمود کی قومیں۔

(۹) وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ لَيَقُوۡلُنَّ خَلَقَهُنَّ الۡعَزِيۡزُ الۡعَلِيۡمُ ۙ	اور اگر آپ ان سے سوال کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ یقیناً یہی کہیں کہ خداوند قادر وعلیم ہی نے انہیں پیدا کیا ہے۔
(۱۰) الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الۡاَرۡضَ مَهۡدًا وَّ جَعَلَ لَـكُمۡ فِيۡهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ‌ ۚ	وہی جس نے زمین کو گہوارہ اور تمہارے سکون کی جگہ بنایا ہے اور تمہارے لیے زمین میں رستے مقرر کیے ہیں تا کہ تم ہدایت پا جاؤ (اور مقصد تک پہنچ جاؤ)۔

(۱۱)وَ الَّذِیۡ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنۡشَرۡنَا بِہٖ بَلۡدَۃً مَّیۡتًا ۚ کَذٰلِکَ تُخۡرَجُوۡنَ	وہی خدا جس نے آسمان سے مقرر مقدار میں پانی نازل کیا اور اسکے ذریعے ہم نے مردہ زمینوں کو زندگی عطا کی اور اسی طرح تم قیامت میں زندہ ہوگے۔
(۱۲)وَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا وَ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنَ الۡفُلۡکِ وَ الۡاَنۡعَامِ مَا تَرۡکَبُوۡنَ ۙ	وہی خدا تو ہے جس نے ہر چیز کو جوڑے کی صورت میں پیدا کیا ہے اور تمہارے لیے کشتیوں اور جانوروں میں سے سواریاں بنائی ہیں جن پر تم سوار ہوتے ہو۔
(۱۳)لِتَسۡتَوٗا عَلٰی ظُہُوۡرِہٖ ثُمَّ تَذۡکُرُوۡا نِعۡمَۃَ رَبِّکُمۡ اِذَا اسۡتَوَیۡتُمۡ عَلَیۡہِ وَ تَقُوۡلُوۡا سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ سَخَّرَ لَنَا ہٰذَا وَ مَا کُنَّا لَہٗ مُقۡرِنِیۡنَ ۙ	تا کہ تم ان کی پشت پر بخوبی بیٹھ سکو، پھر جب تم ان پر سوار ہو جاؤ تو اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو اور کہو کہ پاک ومنزہ ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے لیے مسخر کر دیا، ورنہ ہم میں تو اس کی طاقت نہیں تھی۔
(۱۴)وَ اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنۡقَلِبُوۡنَ	اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جائیں گے۔

تفسیر

توحید کے کچھ دلائل

یہاں سے توحید اور شرک کی گفتگو شروع ہوتی ہے اور سب سے پہلے انسانی فطرت اور سرشت کو پیش نظر رکھ کر توحید پر اثبات کیا جاتا ہے۔

آیت کے پہلے حصے میں فرمایا گیا ہے اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ یقیناً وہ جواب میں یہی کہیں گے کہ انہیں عزیز وحکیم خدا نے پیدا کیا ہے۔

پھر خدا کی ان پانچ عظیم نعمتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک نظام آفرینش کا ایک نمونہ اور خدائی آیات میں سے ایک آیت ہے۔

سب سے پہلے زمین کا ذکر ہے فرمایا گیا ہے وہی خدا تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو گہوارہ اور سکون کا مقام بنایا۔

دوسری نعمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس نے زمین میں تمہارے لیے راہیں مقرر کی ہیں تا کہ تم ہدایت پا جاؤ اور

منزل مقصود تک پہنچ جاؤ۔

ہم جانتے ہیں کہ تقریباً تمام خشکی کو بہت سے نشیب وفراز نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے اور چھوٹے بڑے پہاڑوں اور مختلف ٹیلوں نے اسے ڈھانپ رکھا ہے پھر دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے پہاڑی سلسلوں کے درمیان عام طور پر کٹاؤ وموجود ہیں جن کے درمیان میں سے انسان اپنی راہیں بنا سکتا ہے اور بہت کم اتفاق ہوگا کہ یہ پہاڑ مکمل طور پر زمین کے مختلف حصوں کے درمیان جدائی کا سبب بنے ہوئے ہوں۔

یہ نظام آفرینش کے اسرار میں سے ایک راز اور بندوں پر خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

اس کے علاوہ زمین کے بہت سے حصے دریائی راستوں کے ذریعے ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور یہ بات بھی آیت کے عمومی مفہوم میں شامل ہے۔

(۱۱) تیسری نعمت بارش کا نزول ہے کہ جو مردہ زمینوں کو زندہ کرتی ہے بعد کی آیت میں اس بات کو یوں بیان کیا جارہا ہے وہی خدا تو ہے جس نے مقررہ مقدار میں آسمان سے پانی نازل کیا ہے۔

اور اس کے ذریعے ہم نے مردہ زمین کو زندگی عطا کی۔

جس طرح مردہ زمینیں بارش کے پانی کی وجہ سے زندہ ہوجاتی ہیں تم بھی مرنے کے بعد اسی طرح زندہ ہو کر قبروں سے باہر آجاؤ گے۔

(۱۲) بارش کے نازل ہونے اور نباتات کی زندگی کے تذکرے کے بعد چوتھے مرحلے میں مختلف حیوانات کی تخلیق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہی خدا ہے جس نے سب کو جوڑوں کی صورت میں پیدا کیا ہے۔

ازواج کے معنی جوڑے ہیں اور یہ لفظ مختلف قسم کے جانوروں کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس سے پہلے کی آیات میں نباتات کا ذکر آچکا ہے۔

اور ہر ایک جانتا ہے کہ زوجیت کا قانون تمام جانداروں میں حکم فرما ہے اور اگر کچھ شاذونادر قسم کے جاندار اس سے مستثنیٰ ہوں تو یہ بات قانون کے کلی ہونے سے مانع نہیں ہے۔

پانچوں مرحلے پر اس سلسلے کی آخری نعمت کا تذکرہ کرتے ہوئے ان سواریوں کے بارے میں گفتگو فرمائی گئی ہے جنہیں خداوند عالم نے بری اور بحری راہیں طے کرنے کے لیے انسان کے اختیار میں دے دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اس نے تمہارے لیے کشتیوں اور چوپایوں میں سے سواریاں بنائی ہیں کہ جن پر تم سوار ہوتے ہو۔

یہ بنی نوع انسان پر خداوند عالم کا ایک بہت بڑا احسان اور اس کی کرم نوازی ہے کہ جو کسی دوسرے زندہ مخلوق میں دیکھنے میں

نہیں آتی۔

(۱۳) اس آیت میں اس قسم کی سواریوں کے آخری تخلیقی مقصد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے تاکہ تم ان سواریوں کی پشت پر بخوبی سوار ہو جاؤ، پھر اپنے پروردگار کی نعمت کو یاد کرو اور کہو، پاک و پاکیزہ ہے وہ ذات کہ جس نے ان کو ہمارے لیے مسخر کر دیا ورنہ یہ ہمارے بس میں تو نہ تھیں۔

(۱۴) زیر نظر آخری آیت میں سوار ہوتے وقت سچے مومنین کی گفتگو کا ذکر ہے اور اسی پر یہ آیت مکمل ہو جاتی ہے وہ سواری پر سوار ہوتے وقت کہتے ہیں اور ہم ہر صورت میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔

یہ جملہ گذشتہ آیات میں توحید کے بارے میں گفتگو کے بعد مسئلہ معاد کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ہمیشہ خالق اور مبداء کی طرف توجہ انسان کو معاد کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

نیز اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مبادا تم ان سواریوں پر سوار ہوتے وقت اور ان پر قابو پانے کے بعد مغرور اور دنیاوی چکا چوند میں مگن ہو جاؤ بلکہ تمہیں ہر حالت میں آخرت کی فکر کرنی چاہئے کیونکہ ہمیں اس دنیا سے دوسرے جہان کی طرف منتقل ہو کر جانا ہی ہے۔

(۱۵) وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ؕ	اور انہوں نے خدا کے لیے اس کے بندوں میں سے ایک جز قرار دیا ہے (اور ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہا ہے) انسان واضح کفر کرنے والا ہے۔
(۱۶) اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ	آیا اس نے اپنی مخلوقات میں سے بیٹیوں کو اپنے لیے چن لیا ہے اور بیٹوں کو تمہارے لیے؟
(۱۷) وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ	حالانکہ جب ان میں سے جنہوں نے رحمان کے لیے شبیہ قرار دیا ہے کسی کو بھی اسی چیز (بیٹی کی پیدائش) کی خوشخبری دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصے سے بھر جاتا ہے۔

(۱۸)اَوَ مَنۡ یُّنَشَّؤُا فِی الۡحِلۡیَةِ وَ هُوَ فِی الۡخِصَامِ غَیۡرُ مُبِیۡنٍ	آیا جو زیب و زینت میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت اپنا مدعا اور مقصود بھی بیان نہ کر سکے، (اسے خدا کی اولاد سمجھتے ہو)؟
(۱۹)وَ جَعَلُوا الۡمَلٰٓئِکَةَ الَّذِیۡنَ هُمۡ عِبَادُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوۡا خَلۡقَهُمۡ ؕ سَتُکۡتَبُ شَهَادَتُهُمۡ وَ یُسۡـَٔلُوۡنَ	ان لوگوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں مونث سمجھ رکھا ہے آیا وہ ان کی تخلیق کے وقت شاہد اور موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی لکھی جائے گی اور اس بارے میں ان سے پوچھا جائے گا۔

تفسیر

فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کیوں سمجھتے ہو؟

گزشتہ آیات میں کائنات میں خداوند عالم کی نشانیوں اور اس کی نعمتوں اور کرم نوازیوں کو شمار کیا گیا ہے اور عقیدہ توحید کی بنیادوں کو مستحکم کیا گیا ہے اس کے بعد زیر نظر آیات میں اس کے نقطہ مقابل یعنی شرک اور غیر اللہ کی پرستش کے خلاف نبرد آزمائی کا آغاز فرمایا گیا ہے اور سب سے پہلے شرک کی ایک قسم یعنی فرشتوں کی پوجا پاٹ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے انہوں نے خدا کے لیے اس کے بندوں میں سے ایک "جز" قرار دیا ہے۔

"جز" کے ذریعہ یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ فرشتوں کو خدا کی اولاد سمجھتے تھے کیونکہ ہمیشہ اولاد اپنے ماں باپ کے وجود کا جز و ہوا کرتی ہے جو نطفے کی صورت میں ان سے جدا ہوتی ہے اور آپس میں مرکب ہو جاتی ہے اسی سے اس کے وجود کا آغاز ہوتا ہے۔

ساتھ ہی یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ وہ فرشتوں کی عبادت بھی کیا کرتے تھے کیونکہ وہ ان کو خدا کے مقابل معبودوں میں شمار کیا کرتے تھے۔

پھر ارشاد فرمایا گیا ہے انسان واضح طور پر کفر کرنے والا ہے۔

اسے تو یہ چاہیے تھا کہ اپنی پیشانی اپنے خالق اور ولی نعمت کے آستان پر جھکا دیتا لیکن اس نے کفر و انکار کی راہ اختیار کرتے ہوئے اس کی مخلوق کے دامن کو جا پکڑا۔

(۱۶) اس آیت میں قرآن ان کے اس خرافاتی نظریئے اور بودے فکر کی مذمت کرنے کے لیے خود ان کے ذہنی اور مسلمہ امور سے استدلال فرماتا ہے کیونکہ وہ مرد کی جنس کو عورت کی جنس پر ترجیح دیتے تھے بلکہ اصولی طور پر وہ لڑکیوں کو اپنے لیے باعث ننگ و عار سمجھتے تھے چنانچہ فرماتا ہے آیا خدا نے اپنی تمام مخلوقات میں سے بیٹیوں کو اپنے لیے اور بیٹوں کو تمہارے لیے منتخب کیا ہے۔

تمہارے خیال میں بیٹی کا مرتبہ پست ہے تو پھر کیونکر تم اپنے آپ کو خدا پر ترجیح دیتے ہو؟ اس کے حصے میں بیٹیاں اور اپنے حصے میں بیٹے کس لیے قرار دیتے ہو؟

(۱۷) ایک بار پھر اسی موضوع کو دوسرے انداز میں بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خو شخبری دی جاتی ہے جس چیز کو انہوں نے خداوند رحمان کے لیے شبیہ قرار دیا ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصے سے بھر جاتا ہے۔

یہ تعبیر لڑکیوں کی پیدائش کے بارے میں زمانہ جاہلیت کے احمق مشرکین کے خرافاتی انکار کو بخوبی بیان کر رہی ہے کہ وہ خود اپنے گھر میں بیٹی کی ولادت کی خبر سن کر کس قدر پریشان اور غمگین ہو جاتے تھے لیکن اس کے باوجود فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے۔

(۱۸) اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے آیا جو بناؤ سنگار میں پرورش پائے اور بحث ومباحثہ نزاعی گفتگو اور جدل مجادلہ کے موقع پر اپنا مدعا اور مقصود بھی بخوبی بیان نہ کر سکے، اسے خدا کی اولاد سمجھتے ہو اور بیٹوں کو اپنی اولاد سمجھتے ہو۔

یہاں پر قرآن مجید نے عورتوں کی دو ایسی صفات بیان کی ہیں جو ان میں عام طور پر دیکھنے میں آتی ہیں اور یہ ان کے احساساتی پہلو سے پیدا ہوتی ہیں ایک تو ان کا زیوارت اور بناؤ سنگار کی چیزوں سے قلبی لگاؤ اور دوسرے شرم وحیا کی وجہ سے لڑائی جھگڑے اور بحث ومباحثہ کے وقت اپنے مقصود کے بیان کرنے پر نا کافی قدرت۔

(۱۹) اسی سلسلے کی آخری آیت میں بات کو زیادہ صراحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے، انہوں نے فرشتوں کو جو کہ خدا کے بندے ہیں مونث (اور خدا کی بیٹیاں) سمجھ رکھا ہے۔

پھر انکاری استفہام کے طور پر ان کے جواب میں فرمایا گیا ہے آیا وہ فرشتوں کی تخلیق کے وقت موجود تھے اور انہوں نے اپنی موجودگی کی وجہ سے اس قسم کا نتیجہ نکالا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے اس بے بنیاد عقیدے کے بارے میں ان کی گواہی ان کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہے اور قیامت کے دن ان سے اس بارے میں پوچھا جائے گا۔

(۲۰) وَ قَالُوۡا لَوۡ شَآءَ الرَّحۡمٰنُ مَا عَبَدۡنٰهُمۡ ؕ مَا لَهُمۡ بِذٰلِکَ مِنۡ عِلۡمٍ ٭ اِنۡ هُمۡ اِلَّا یَخۡرُصُوۡنَ ؕ	انہوں نے کہا اگر خدا چاہتا تو ہم ان کی ہرگز عبادت نہ کرتے ،لیکن وہ اس بات پر یقین نہیں رکھتے اور جھوٹ کے علاوہ کچھ نہیں کہتے۔
(۲۱) اَمۡ اٰتَیۡنٰهُمۡ کِتٰبًا مِّنۡ قَبۡلِهٖ فَهُمۡ بِهٖ مُسۡتَمۡسِکُوۡنَ	یا یہ کہ ہم نے اس سے پہلے انہیں کوئی کتاب دی ہے اور وہ اس سے تمسک کیے ہوئے ہیں؟

(۲۲)بَلۡ قَالُوۡۤا اِنَّا وَجَدۡنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤی اُمَّۃٍ وَّ اِنَّا عَلٰۤی اٰثٰرِهِمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ	بلکہ وہ کہتے ہیں ہم نے اپنے آباءواجداد کو جس مذہب پر پایا ہے انہی کے نقش قدم پر ہم کو بھی ہدایت کی گئی ہے۔

تفسیر

تقلید آباء کی بیہودہ دلیل

گزشتہ آیات میں بت پرستوں کے اس خرفانی عقیدے کا منطقی جواب دیا گیا ہے جو وہ فرشتوں کے بارے میں رکھتے تھے۔

زیر تفسیر آیات بھی اسی چیز کو آگے بڑھاتے ہوئے اس بارے میں مزید تحقیقات کا دروازہ کھولتی ہیں اور اس بے ہودہ خرافات کو دوسرے طریقوں سے باطل کرتی ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے ان کے پورے دلائل میں سے ایک دلیل کو خلاصہ کے طور پر بیان کرتے ہوئے اس کا جواب بھی دیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے انہوں نے کہا اگر خدا چاہتا تو ہم ان کی ہر گز عبادت نہ کرتے یہ تو اس کی مرضی ہے کہ ہم ان کی عبادت کرتے ہیں۔

ممکن ہے یہ تعبیر اس لیے بھی ہو کہ وہ عقیدہ جبر کے قائل تھے اور کہتے تھے کہ ہم جو کچھ بھی کرتے ہیں سب خدا کی مرضی اور اس کی منشاء سے انجام دیتے ہیں۔

اسی آیت کے آخر میں بت پرستوں کے اس بے ہودہ عقیدے کا ایک مختصر سے جملے کے ذریعے یوں جواب دیا گیا ہے وہ اپنے اس دعوے پر یقین نہیں رکھتے اور جھوٹ کے علاوہ کچھ نہیں کہتے۔

انہیں تو مسئلہ جبر اور اپنے اعمال پر خدا کی رضا مندی کا علم اور یقین بھی نہیں ہے بلکہ بہت سے دوسرے نفس پرستوں اور مجرمین کے مانند اپنے سر سے گناہ کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے جبر کے موضوع کا سہارا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تقدیر کے ہاتھوں نے ہمیں اس راہ پر لا کھڑا کیا ہے۔

(۲۱)اس آیت میں ایک اور دلیل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ممکن ہے وہ اس کے ذریعے استدلال کریں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے یا یہ کہ ہم نے اس کتاب سے پہلے انہیں کتاب دی ہے اور وہ اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔

یعنی انہیں اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لیے یا تو عقلی دلائل سے کام لینا چاہئے یا پھر نقلی دلائل سے۔ حالانکہ نہ تو ان کے پاس کوئی عقلی دلیل موجود ہے اور نہ ہی نقلی، تمام عقلی دلائل توحید کی دعوت دیتے ہیں اور تمام انبیاء اور آسمانی کتابوں نے بھی توحید کی طرف دی ہے۔

(۲۲)اس سلسلے کی آخری آیت میں ان کے اصل بہانے کی طرف اشارہ کیا گیا اور یہ بہانہ بھی محض ایک خرافات اور ایک اور خرافات کی بنیاد ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباءواجداد کو اس مذہب پر پایا ہے اور ہم بھی ان کے آثار کی

طرف ہدایت کئے گئے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان کے پاس صرف اپنے آباء واجداد کی اندھی تقلید کے سوااور کوئی دلیل نہیں تھی اور پھر تعجب اس پر ہوتا ہے کہ اس تقلید کے ذریعے وہ خود کو ہدایت یافتہ بھی سمجھتے تھے۔ حالانکہ اعتقادی مسائل میں آزاد خیال انسان کے افکار وعقائد کی بنیاد تقلید پر نہیں ہوتی اور تقلید بھی جاہل سے جاہل کی۔

(۲۳)وَ كَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ	اسی طرح ہم نے کسی دیار میں تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا پیغمبر نہیں بھیجا مگر یہ کہ بدمست ومغرور دولت مندوں نے کہا کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایک مذہب پر پایا ہے اور ہم ان کے آثار کی پیروی کرتے ہیں۔
(۲۴)قٰلَ اَوَ لَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰی مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ	(ان کے پیغمبر نے) کہا اگر میں اس سے بھی زیادہ ہدایت کرنے والا دین تمہارے پاس لا چکا ہوں جس پر تم اپنے آباء واجداد کو پاتے ہو (تو کیا پھر بھی تم انکار کروگے)؟ انہوں نے کہا (ہاں) ہم ہر اس چیز کا انکار کرتے ہیں جو تم لوگ لا چکے ہو۔
(۲۵)فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ	لہٰذا ہم نے ان سے انتقام لیا۔ پس دیکھ کہ جھٹلانے والوں کا کیسا انجام ہوا۔

تفسیر

اندھے اور بہرے مقلدین کا انجام

یہ آیات بت پرستی کے بارے میں مشرکین کے اصلی بہانے کے سلسلے میں جو کہ باپ دادا کی اندھی تقلید پر مبنی ہے گذشتہ آیات کا تتمہ ہیں۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے یہ صرف عرب مشرکوں کا ہی دعویٰ نہیں بلکہ اسی طرح ہم نے کسی شہر و دیار میں تجھ سے پہلے کوئی ڈرانے والا پیغمبر نہیں بھیجا مگر بدمست اور مغروروں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو کسی مذہب پر پایا ہے اور ہم ان کے آثار کی اقتدار کرتے ہیں۔

(۲۴) یہ آیت اس جواب کو بیان کررہی ہے جو انبیائے ماسلف انہیں دوٹوک الفاظ میں دیا کرتے تھے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے

ان کے پیغمبروں نے انہیں کہا آیا اگر میں کوئی ایسا دین لا چکا ہوں جو تمہارے آباء و اجداد کے طریقہ کار سے زیادہ واضح اور زیادہ ہدایت کرنے والا ہو پھر بھی تم اس کا انکار کرو گے۔

یہ سب سے زیادہ مودب تعبیر ہے جو ہٹ دھرم اور مغرور قوم کے سامنے پیش کی جا سکتی ہے کہ جس سے ان کے جذبات کو کسی طرح ٹھیس نہ پہنچے۔

اس قسم کی قرآنی تعبیرات، مباحثہ ومناظرہ کے موقع پر خاص کر جاہل اور مغرور کے ساتھ بحث ومباحثہ کے وقت ہمیں گفتگو کرنے کا سلیقہ بتاتی ہیں۔

لیکن اس کے باوجود وہ جہالت، تعصب اور ہٹ دھرمی میں اس قدر غرق ہو چکے تھے کہ یہ جچی تلی اور مودبانہ گفتگو بھی موثر ثابت نہ ہو سکی، انہوں نے اپنے انبیاء کے جواب میں صرف اتنا کہا کہ ہم ہر اس چیز کا انکار کرتے ہیں جس کو تم لے آئے ہو۔

(۲۵) ظاہر ہے کہ ایسی سرکش، ہٹ دھرم اور بے منطق قوم کو جینے اور زندہ رہنے کا کوئی حق حاصل نہیں اور جلد یا بدیر ان پر عذاب الٰہی نازل ہونا ہی چاہئے تا کہ اس قسم کے گھانس پھونس اور خس وخاشاک کا خاتمہ کر دے اور اسے راستے سے ہٹا دے۔ لہٰذا اسی سلسلے کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے لہذا ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں سخت سزا دی۔

کسی قوم کو طوفان کے ذریعے کسی کو تباہ کن زلزلے کے ذریعے، کسی کو تیز وتند جھکڑ اور کسی کو بجلی کی چنگھاڑ کے ذریعے غرض ہم نے ان میں سے ہر ایک کو تباہ کن حکم کے ذریعے نیست ونابود کر دیا اور ہلاک وفنا کر دیا۔

مشرکین مکہ کی عبرت آموزی کے لیے آیت کے آخر میں روئے سخن پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف ہے اور فرمایا گیا ہے دیکھ تو جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔

مکہ کے ہٹ دھرم مشرکین کو بھی ایسے ہی انجام کا انتظار کرنا چاہئے۔

(۲۶)وَ اِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِیۡمُ لِاَبِیۡهِ وَ قَوۡمِهٖۤ اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ ۙ	اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ (چچا آذر) اور اپنی قوم سے کہا کہ اس چیز سے بیزار ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔
(۲۷)اِلَّا الَّذِیۡ فَطَرَنِیۡ فَاِنَّهٗ سَیَهۡدِیۡنِ	سوائے اس خدا کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری راہنمائی بھی کرے گا۔
(۲۸)وَ جَعَلَهَا کَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیۡ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ	اور اس نے کلمہ توحید کو باقی رہنے والے کلمہ کی صورت میں اپنی اولاد میں قرار دیا تا کہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔

(۲۹)بَلْ مَتَّعْتُ هٰٓؤُلَآءِ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ	لیکن ہم نے ان لوگوں کو اور ان کے آباؤ اجداد کو دنیاوی نعمتوں سے بہرہ مند کیا یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور خدا کا آشکار رسول پہنچ گیا۔
(۳۰)وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ	لیکن جب ان کے پاس حق آ گیا تو انہوں نے کہا یہ تو جادو ہے اور ہم ہرگز اسے ماننے والے نہیں۔

تفسیر

توحید انبیاء کا دائمی پیغام

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سرگزشت اور بابل کی بت پرست قوم کے واقع کی طرف اشارہ ہے تا کہ اس طرح سے گزشتہ آیات میں مذکور تقلید کی خدمت کو مکمل کیا جا سکے۔ کیونکہ:

ایک تو حضرت ابراہیم علیہ السلام ملت عرب کے سب سے بڑے بزرگ اور جد امجد تھے سب لوگ ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور انکی تاریخ پر فخر کیا کرتے تھے۔ جب وہ تقلید کے پردوں کو چاک کرتے ہیں تو اگر یہ لوگ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں تو انہیں ان کی اقتداء کرنی چاہئے۔

دوسرے جو بت پرست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں آ گئے تھے وہ بھی اسی لیے مقصد اور کھوکھلی دلیل (باپ دادا کی تقلید) کا سہارا لیتے تھے لیکن جناب ابراہیم علیہ السلام نے ان کی اس دلیل کو یکسر مسترد کر دیا۔

پہلے ارشاد ہوتا ہے اس وقت کو یاد کیجئے جب ابراہیم نے اپنے (منہ بولے) باپ (آذر) اور اپنی بت پرست قوم سے کہا میں اس چیز سے بیزار ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔

(۲۷) چونکہ بہت سے بت پرست خدا کی پرستش بھی کیا کرتے تھے لہٰذا انہوں نے فوراً ان کو مستثنیٰ کرتے ہوئے فرمایا سوائے اس خدا کے کہ جس نے مجھے پیدا کیا ہے اور وہی میری راہنمائی کرے گا۔

انہوں نے اس مختصر سی عبارت میں ایک تو عبودیت کو پروردگار عالم میں منحصر کر دیا کیونکہ معبود وہی ہو سکتا ہے جو خالق کائنات اور مدبر عالم ہو اور یہ بات سب مانتے تھے کہ خالق، خدا ہے اور ساتھ ہی خدا کی تکوینی اور تشریعی ہدایت کی طرف اشارہ بھی ہے کیونکہ لطف کا قائدہ اسی بات کا متقاضی ہے۔

(۲۸) حضرت ابراہیم علیہ السلام فقط اپنی زندگی میں اصول توحید کے طرف دار اور ہر قسم کی بت پرستی کے دشمن نہیں تھے بلکہ انہوں نے سرتوڑ کوشش کی کہ کلمہ توحید دنیا میں ہمیشہ کے لیے باقی اور برقرار رہے جیسا کہ بعد کی آیت میں ارشاد ہوتا ہے انہوں نے کلمہ توحید کو باقی رہنے والے کلمہ کی صورت میں اپنی اولاد میں مقرر کر دیا تا کہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔

یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ آج روئے زمین پر جو دین بھی توحید کا دم بھرتا ہے وہ ابراہیم کی توحید پر مبنی تعلیمات سے ہدایت لیتا ہے اور خدا کے تینوں عظیم پیغمبروں یعنی جناب موسیٰ علیہ السلام، جناب عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہ السلام انہی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور اس بارے میں قرآن مجید کی یہ ایک سچی پیش گوئی ہے۔

(۲۹) یہ آیت درحقیقت اسی سوال کا ایک جواب ہے اور وہ یہ کہ ان حالات کے باوجود آخر کیا وجہ ہے کہ خداوند عالم مشرکین مکہ کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔

اس سوال کے جواب میں فرمایا گیا ہے بلکہ ہم نے (مشرکین مکہ کے) اس گروہ اور ان کے باپ دادا کو دنیاوی نعمتوں سے بہرہ مند کیا حتیٰ کہ حق اور خدا کا واضح رسول ان کے پاس آ گیا۔

ہم نے شرک وبت پرستی کے باطل ہونے میں صرف عقلی حکم پر اکتفا نہیں کیا اور نہ ہی توحید کے بارے میں صرف ضمیر کے حکم کو کافی سمجھا بلکہ اتمام حجت کے لیے انہیں مہلت دی حتیٰ کہ یہ آسمانی کتاب جو سرتا پا حق ہے اور یہ عظیم الشان پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی ہدایت کے لیے آ گئے۔

(۳۰) لیکن تعجب کی بات ہے کہ جب حق (قرآن مجید) ان کے پاس پہنچ گیا تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی اصلاح کرتے اور گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کا ازالہ کرتے۔ الٹا بہت سے لوگوں نے مخالفت پر کمر باندھ لی اور کہا یہ تو جادو ہے اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں۔

جی ہاں! انہوں نے قرآن کو جادو کہا اور خدا کے عظیم الشان پیغمبر کو جادوگر۔ اگر وہ اپنی اس روش سے باز نہ آتے تو عذاب الٰہی ان کے دامن گیر ہو جاتا۔

(۳۱) وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ	اور انہوں نے کہا یہ قرآن ان دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے (مال دار) آدمی پر نازل کیوں نہیں کیا گیا؟

(۳۲)اَهُمۡ يَقۡسِمُوۡنَ رَحۡمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَيۡنَهُمۡ مَّعِيۡشَتَهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَ رَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعۡضُهُمۡ بَعۡضًا سُخۡرِيًّا ؕ وَ رَحۡمَتُ رَبِّكَ خَيۡرٌ مِّمَّا يَجۡمَعُوۡنَ	کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کو دنیاوی زندگی میں تقسیم کردیا ہے۔اور بعض لوگوں کو بعض دوسرے لوگوں پر فوقیت دی ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کی خدمت کریں اور آپس میں تعاون کریں اور جو کچھ یہ لوگ جمع کرتے ہیں تمہارے پروردگار کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔

تفسیر

قرآن کسی دولت مند پر نازل کیوں نہیں ہوا؟

گزشتہ آیات میں انبیاء کی دعوت کے ردعمل میں مشرکین کی حیلہ سازیوں اور بہانہ جوئیوں کا تذکرہ تھا لیکن زیر تفسیر آیات میں خداوند عالم ان کے ایک اور بے بنیاد اور کھوکھلے بہانے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے انہوں نے کہا یہ قرآن ان دوشہروں (مکہ اور طائف) کے کسی بڑے (مالدار اور مشہور) آدمی پر نازل کیوں نہیں ہوا۔

(۳۲) قرآن مجید ایسی غلط اور خرافاتی طرز فکر کو سرکوب کرنے کے لیے دندان شکن جواب دیتا ہے اور اسلامی وخدائی نکتۂ نظر کو مکمل طور پر مجسم کرتے ہوئے پہلے تو فرماتا ہے آیا یہ لوگ تمہارے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں۔

تاکہ جسے چاہیں نبوت عطا کردیں جس پر چاہیں آسمانی کتاب نازل کردیں۔اس سے بھی قطع نظر اگر لوگوں کی زندگی میں کوئی فرق اور اختلاف پایا جاتا ہے تو یہ ان کے معنوی اور روحانی مقامات ومراتب میں فرق کی دلیل ہرگز نہیں بن سکتی۔ بلکہ ہم نے ان کے درمیان ان کی معیشت کو دنیاوی زندگی میں تقسیم کردیا ہے اور بعض لوگوں کو دوسرے بعض لوگوں پر فوقیت دی ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کی خدمت کریں اور آپس میں تعاون کریں۔

انہوں نے اس بات کو فراموش کردیا ہے کہ انسانی زندگی ایک اجتماعی زندگی ہے اور اس کو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور آپس کی خدمت کے بغیر نہیں چلایا جاسکتا۔

بلکہ تمہارے پروردگار کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے جو کچھ یہ لوگ اکٹھا کرتے ہیں خواہ وہ جاہ ومقام ہو۔یا مال ودولت۔

بلکہ یہ تمام دنیاوی عہدے،منصب، مال اور دولت پروردگار کی رحمت اور اس کے قرب کے مقابلے میں مکھی کے پر کے برابر بھی قدروقیمت نہیں رکھتے۔

(۳۳)وَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَّجَعَلۡنَا لِمَنۡ یَّکۡفُرُ بِالرَّحۡمٰنِ لِبُیُوۡتِہِمۡ سُقُفًا مِّنۡ فِضَّۃٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَیۡہَا یَظۡہَرُوۡنَ ۙ	اگر کفار کا مادی وسائل سے استفادہ اس بات کا سبب نہ ہوتا کہ گمراہی میں سب لوگ ایک ہی طریقے کے ہوجائیں گے تو ہم ان کے لیے جو خدا کا انکار کرتے ہیں گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور وہ سیڑھیاں بھی جن پر وہ چڑھتے ہیں۔
(۳۴)وَ لِبُیُوۡتِہِمۡ اَبۡوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَیۡہَا یَتَّکِـُٔوۡنَ ۙ	اور ان کے گھروں کے دروازے اور وہ (خوبصورت نقرئی) تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں۔
(۳۵)وَ زُخۡرُفًا ؕ وَ اِنۡ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ؕ وَ الۡاٰخِرَۃُ عِنۡدَ رَبِّکَ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ۠	اور زیب و زینت کے دوسرے وسائل بھی لیکن یہ سب کچھ تو صرف دنیاوی زندگی کے ساز و سامان ہیں اور آخرت تو تیرے پروردگار کے نزدیک صرف پرہیزگاروں کے لیے ہیں۔

تفسیر

چاندی کے محل......جھوٹی قدریں

یہ آیات بھی اسلامی نظام کی اقدار کا ذکر کر رہی ہیں اور بتا رہی ہیں کہ مال و دولت اور مادی جاہ و منصب کوئی معیار نہیں ہے۔ چنانچہ اس سلسلے کی سب سے پہلی آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے اگر کفار کا مادی وسائل سے استفادہ اس بات کا سبب نہ ہوتا کہ تمام لوگ کفر کی طرف مائل ہو کر گمراہی میں ایک ہی طریقہ کے ہوجائیں گے تو ہم ان لوگوں کے جو خداوند رحمان کا انکار کرتے ہیں۔ گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے

اور جن گھروں کی کئی منزلیں ہوتی ہیں ان کی سیڑھیاں بھی کہ جن پر وہ چڑھتے ہیں۔

(۳۴) پھر فرمایا گیا ہے کہ اس کے علاوہ ہم ان کے گھروں کے دروازے اور تخت قرار دیتے ہیں جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں۔

(۳۵) پھر بھی اسی بات پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ آگے چل کر فرمایا گیا ہے کہ اس کے علاوہ زیب و زینت کے دوسرے وسائل بھی۔

تا کہ ان کی پر تعیش زندگی ہر لحاظ سے مکمل ہوجائے۔ یعنی نقرئی چھتوں کی باشکوہ اور کئی منزلہ محلات اور عمارتیں، متعدد دروازے اور تخت، زیب و زینت کے مختلف وسائل اور ہر قسم کے نقش و نگار جو عام طور پر دنیا پرستوں کے مطلوب، مقصود اور معدود ہو

اکرتے ہیں۔

پھرفرمایا گیا ہے لیکن یہ سب کچھ دنیاوی مادی زندگی کے وسائل ہیں اور تیرے پروردگار کے نزدیک آخرت تو صرف پرہیز گاروں کے لیے ہے۔

المختصر مادی سرمایہ اور دنیاوی زینت کے یہ وسائل اللہ کی بارگاہ میں اس قدر بے قدر و قیمت ہیں کہ صرف کفار و منکرین حق جیسے بے قدر و قیمت افراد ہی کے شان شایان ہو سکتے ہیں اگر کم ظرف اور دنیا کے دل دادہ بے ایمانی اور کفر کی جانب جھکاؤ پیدا نہ کر لیتے تو خداوند عالم اس سرمائے کو صرف اپنی درگاہ سے دھتکارے ہوئے لوگوں کے ہی نصیب کرتا تا کہ سب لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ ایسے امور انسانی قدر و قیمت اور شخصیت کا معیار نہیں ہوا کرتے۔

یہاں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ان مادی نعمتوں سے کفار و ظالمین کی بہرہ مندی نہ تو ان کی شخصیت کی دلیل بن سکتی ہے اور نہ ہی مومنین کا ان سے محروم ہونا ان کی شخصیت کے منافی ہے اور نہ ہی معقول حد تک ان امور سے استفادہ انسان کے ایمان اور تقویٰ کے لیے نقصان دہ ہو سکتا ہے اور یہی صحیح اسلامی اور قرآنی نظریہ ہے۔

(۳۶)وَ مَنۡ یَّعۡشُ عَنۡ ذِکۡرِ الرَّحۡمٰنِ نُقَیِّضۡ لَہٗ شَیۡطٰنًا فَھُوَ لَہٗ قَرِیۡنٌ	اور جو شخص یادِ رحمٰن سے روگردانی کرتا ہے تو ہم اس کے لیے ایک شیطان کو مقرر کر دیتے ہیں جو ہر دم اس کے ساتھ رہتا ہے۔
(۳۷)وَ اِنَّھُمۡ لَیَصُدُّوۡنَھُمۡ عَنِ السَّبِیۡلِ وَ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّھُمۡ مُّھۡتَدُوۡنَ	اور وہ (شیاطین) ان لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے رہتے ہیں حالانکہ وہ اسی خیال میں ہیں کہ وہی صحیح معنوں میں ہدایت یافتہ ہیں۔
(۳۸)حَتّٰۤی اِذَا جَآءَنَا قَالَ یٰلَیۡتَ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکَ بُعۡدَ الۡمَشۡرِقَیۡنِ فَبِئۡسَ الۡقَرِیۡنُ	یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا کاش مجھ میں اور تجھ میں مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا اور تو کیا ہی برا ساتھی ہے۔
(۳۹)وَ لَنۡ یَّنۡفَعَکُمُ الۡیَوۡمَ اِذۡ ظَّلَمۡتُمۡ اَنَّکُمۡ فِی الۡعَذَابِ مُشۡتَرِکُوۡنَ	آج ہرگز اس قسم کی گفتگو تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی کیونکہ تم ظلم کر چکے ہو اور تم سب عذاب میں شریک ہو۔

(۴۰)اَفَاَنۡتَ تُسۡمِعُ الصُّمَّ اَوۡ تَهۡدِی الۡعُمۡیَ وَ مَنۡ كَانَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ	آیا تو بہروں کو سنا سکتا ہے یا اندھوں کو اوران لوگوں کو جو صریحی گمراہی میں ہیں ہدایت کرسکتا ہے؟

تفسیر

شیاطین کا ساتھی

گزشتہ آیات میں ان دنیا پرستوں کی بات ہورہی تھی جو تمام چیزوں کو مادی پیمانے سے ناپتے ہیں اور زیرنظر آیات میں ان کے مہلک آثار میں سے ایک اثر کے بارے میں گفتگو ہورہی ہے جو دنیا کیساتھ قلبی لگاؤ اور خدا سے یکسر اجنبیت ہے۔

ارشاد ہوتا ہے اور جوشخص یاد رحمٰن سے روگردانی کرتا ہے ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کردیتے ہیں جو ہر دم اس کے ساتھ ہوتا ہے۔

جی ہاں! ذکر خدا سے غفلت اور دنیاوی لذات میں کھوجانے اور دنیاوی چکا چوند سے دل بستگی اس بات کا سبب بن جاتی ہے کہ ایک شیطان انسان پر مسلط ہوجاتا ہے اور وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتا ہے وہ اس کے گلے میں ایک ایسا پٹہ ڈال دیتا ہے جس کے ذریعے اسے ہر جگہ کھینچے پھرتا ہے۔

(۳۷) پھر ایسے دو اہم امور کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو ان غافلوں کے بارے میں یہ شیطان انجام دیتے ہیں ارشاد ہوتا ہے وہ (شیاطین) ان لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔

جب وہ خدا کی طرف رجوع کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو شیاطین ان کی راہوں میں روڑے اٹکاتے اور رکاوٹیں کھڑی کردیتے ہیں تاکہ وہ کسی بھی صورت میں صراط مستقیم کی طرف نہ لوٹ آئیں۔

وہ گمراہی کے راستوں کو ان کی آنکھوں میں اس قدر عمدہ کرکے پیش کرتے ہیں کہ وہ گمان کرتے ہیں کہ صرف وہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔

(۳۸) خلاصہ کلام یہ کیفیت اسی صورت میں برقرار رہے گی۔ غافل اور بے خبر انسان اپنی گمراہی میں اور شیاطین اسے گمراہ کرنے میں لگے رہیں گے، یہاں تک کہ تمام پردے ہٹ جائیں گے اور انسان کی حقیقت بین نگاہیں کھلیں گی اور جب وہ ہمارے پاس آئے گا اور اس کا ساتھی بھی اسی طرح اس کے ہمراہ ہوگا وہی ساتھی جو اس کی تمام تر تباہیوں کا باعث تھا وہ پکار پکار کر کہے گا کہ اے کاش مجھ میں اور تجھ میں مشرق اور مغرب کا فاصلہ ہوتا اور تو کیا ہی برا ساتھی ہے۔

جی ہاں! اس دنیا میں رونما ہونے والے واقعات کو قیامت کے میدان میں وسیع تر صورت میں مجسم کرکے پیش کیا جائے گا

اور جو ساتھی، دولت اور راہنما یہاں پر ہوگا وہی وہاں پر ہوگا۔

(۳۹) لیکن یہ آرزو کبھی پوری نہیں ہوگی اور ان لوگوں کے اور شیطانوں کے درمیان کبھی جدائی واقع نہیں ہوگی۔ اسی لیے بعد کی آیت میں فرمایا گیا ہے آج اس قسم کی گفتگو اور پشیمانی ہرگز تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی کیونکہ تم ظلم کر چکے ہو اور نتیجے کے طور پر تم عذاب میں شریک ہو۔

تمہیں چاہئے کہ تم اس برے ساتھی کے عذاب کے ساتھ اور عذاب کا مزہ بھی ہمیشہ کے لیے چکھتے رہو۔

اس طرح سے ان کی شیاطین سے جدائی کی آرزو ہمیشہ کے لیے ناامیدی میں بدل جائے گی اور اس ساتھی کی صحبت کس قدر روح فرسا ہوگی۔

(۴۰) یہاں پر قرآن مجید نے ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑتے ہوئے روئے سخن پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف کر لیا ہے اور ان دل کے اندھے غافل افراد کے بارے میں گفتگو شروع کر دی ہے جو ہمیشہ آپ کو جھٹلاتے تھے اور گزشتہ آیات میں مذکور لوگوں کی قسم سے تھے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

آیا آپ ﷺ بہروں کو سنا سکتے ہیں؟ یا اندھوں کو ہدایت کر سکتے ہیں؟ یا ان لوگوں کو راہ راست کی دعوت دے سکتے ہیں جو کھلم کھلا گمراہی میں ہیں اور اس گمراہی کا احساس بھی نہیں کرتے۔

(۴۱) فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِکَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ۙ	تو اگر ہم تجھے ان کے درمیان سے لے جائیں تو ہم ان کو سزا ضرور دیں گے۔
(۴۲) اَوْ نُرِيَنَّکَ الَّذِیْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَیْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ	یا اگر تیری ہی زندگی میں جس عذاب کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تجھے دکھا دیں پھر بھی ہم ان پر ہر طرح سے قابو رکھتے ہیں۔
(۴۳) فَاسْتَمْسِکْ بِالَّذِیْٓ اُوْحِیَ اِلَیْکَ ۚ اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ	جو کچھ تجھ پر وحی کی گئی ہے تو اسے مضبوطی سے تھامے رہ کہ یقیناً تو سیدھی راہ پر ہے۔
(۴۴) وَ اِنَّهٗ لَذِکْرٌ لَّکَ وَ لِقَوْمِکَ ۚ وَ سَوْفَ تُسْئَلُوْنَ	اور یہ تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے یاد آوری کا ایک ذریعہ ہے اور عنقریب تم لوگوں سے باز پرس کی جائے گی۔

(۴۵)وَ سۡـَٔلۡ مَنۡ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِکَ مِنۡ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلۡنَا مِنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ اٰلِـہَۃً یُّعۡبَدُوۡنَ ؑ	اور ہم نے تجھ سے پہلے اپنے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں ان سب سے دریافت کر دیکھ آیا ہم نے رحمان خدا کے علاوہ ہم نے اور معبودان کی پرستش کے لیے مقرر کیے تھے؟

تفسیر

دامن وحی مضبوطی سے پکڑے رہو

گزشتہ آیات میں ہٹ دھرم اور نا قابل ہدایت کفار اور ظالمین کے ذکر کے بعد زیر تفسیر آیات میں روئے سخن پیغمبر اکرم ﷺ کی طرف کر کے ایسے لوگوں کو شدید تنبیہ اور اور پیغمبر اسلام ﷺ کی تسلی اور دلجوئی کی خاطر ارشاد فرمایا گیا ہے اگر ہم تجھے ان کے درمیان سے لے جائیں تو ہم ان سے ضرور انتقام لیں گے۔ اور انہیں ضرور سزا دیں گے۔

اس قوم کے درمیان سے پیغمبر ﷺ کے لے جانے سے مراد رسول پاک ﷺ کی وفات ہے۔

(۴۲) اس کے بعد فرمایا گیا ہے اگر تو زندہ بھی رہے اور ہم نے ان سے جس عذاب کا وعدہ کیا ہے وہ دکھا بھی دیں پھر بھی ہم ان پر ہر طرح سے قابو رکھتے ہیں۔

وہ ہر حالت میں ہمارے قابو میں ہیں، خواہ آپ ان لوگوں کے درمیان موجود ہوں یا نہ ہوں اور ان کی اسی روش پر قائم رہنے کی صورت میں یہ لوگ ہمارے انتقام اور ہماری سزا سے نہیں بچ سکتے۔

(۴۳) اس تنبیہ کے بعد رسول پاک ﷺ کو خدا کی طرف سے حکم ملتا ہے تیری طرف جو وحی کی گئی ہے تو اسے مضبوطی سے تھامے رہ کیونکہ تو یقیناً سیدھی راہ پر ہے۔

تیری کتاب اور طرز عمل میں زرہ بھر کجی اور ٹیڑھا پن نہیں ہے اور کفار و مشرکین کے ایک ٹولے کا انہیں قبول نہ کرنا تیری حقانیت کی نفی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ تو اپنے اس سلسلے کو پوری طرح سے جاری رکھ باقی سب ہمارے ذمہ ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے یہ قرآن کہ جس کی تجھ پر وحی کی گئی ہے تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے یاد آوری کا ایک ذریعہ ہے۔

اسکے نزول کا مقصد ہی لوگوں کو بیدار کرنا اور ان کے فرائض سے انہیں آگاہ کرنا ہے۔

اور تم لوگوں سے عنقریب ہی باز پرس کی جائے گی کہ تم نے اس خدائی پروگرام اور اس آسمانی وحی کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔

(۴۵) پھر بت پرستی کی نفی اور مشرکین کے عقائد باطل کرنے کے لیے ایک اور دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور ہم نے تجھ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں ان سب سے دریافت کر دیکھ آیا ہم نے رحمان خدا کے علاوہ اور معبود قرار دیئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمام انبیاء نے توحید کی طرف بلایا ہے اور سب نے دوٹوک الفاظ میں بت پرستی کی مذمت کی ہے بنابریں پیغمبر اسلام ﷺ نے بتوں سے اپنی مخالفت کے سلسلے میں کوئی نیا کام انجام نہیں دیا۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام کی دائمی سنت کا احیاء فرمایا ہے۔

(۴۶)وَ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِہٖ فَقَالَ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ	اور ہم ہی نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس بھیجا تو (اس نے ان سے کہا) میں سارے جہانوں کے پالنے والے خدا کا رسول ہوں۔
(۴۷)فَلَمَّا جَآءَہُمۡ بِاٰیٰتِنَاۤ اِذَا ہُمۡ مِّنۡہَا یَضۡحَکُوۡنَ	لیکن جب وہ ان کے پاس ہماری آیت لے کر آیا تو وہ لوگ اس کی ہنسی اڑانے لگے۔
(۴۸)وَ مَا نُرِیۡہِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ اِلَّا ہِیَ اَکۡبَرُ مِنۡ اُخۡتِہَا ۫ وَ اَخَذۡنٰہُمۡ بِالۡعَذَابِ لَعَلَّہُمۡ یَرۡجِعُوۡنَ	اور ہم جو آیت (اور معجزہ) ان کو دکھاتے تھے وہ دوسرے سے بڑھ کر (اور اہم تر) ہوتا تھا اور انہیں سزا کے ذریعے متنبہ کیا تا کہ وہ باز آجائیں۔
(۴۹)وَ قَالُوۡا یٰۤاَیُّہَ السّٰحِرُ ادۡعُ لَنَا رَبَّکَ بِمَا عَہِدَ عِنۡدَکَ ۚ اِنَّنَا لَمُہۡتَدُوۡنَ	اور (جب وہ عذاب میں مبتلا ہوئے تو) کہنے لگے اے جادوگر اس وعدے کے مطابق جو تمہارے پروردگار نے تم سے کیا ہے ہمارے واسطے دعا کر (تا کہ وہ ہمیں اس دردورنج سے نجات دے) ہم ضرور ہدایت پر آجائیں گے۔
(۵۰)فَلَمَّا کَشَفۡنَا عَنۡہُمُ الۡعَذَابَ اِذَا ہُمۡ یَنۡکُثُوۡنَ	لیکن جب ہم ان سے عذاب ہٹا دیتے تو وہ اپنا عہد توڑ ڈالتے۔

تفسیر

مغرور اور عہد شکن فرعونی

ان آیات میں خدا کے رسول حضرت موسیٰ بن عمران کے کچھ حالات اور ان کی فرعون کے ساتھ ملاقات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تا کہ مشرکین کی ان بے بنیاد باتوں کا جواب دیا جائے کہ جو وہ کہتے تھے اگر چہ خدا نے کوئی پیغمبر ہی بھیجنا تھا تو مکہ یا طائف کے

کسی دولت مند شخص کو اس عظیم منصب پر فائز کیوں نہیں کیا؟

چنانچہ زیر نظر پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے اور ہم ہی نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا

(تو موسیٰ نے ان سے) کہا میں سارے جہانوں کے پالنے والے خدا کا رسول ہوں۔

(۴۷) اب ہم دیکھیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام کے منطقی دلائل اور واضح معجزات کے مقابلے میں فرعون اور فرعونیوں کا پہلا ردعمل کیا تھا اس بارے میں قرآن بعد کی آیتوں میں فرماتا ہے لیکن جب موسیٰ ان کے پاس ہمارے معجزے لے کر آئے تو وہ سب اس پر ہنستے تھے۔

سچے راہنماؤں کے خلاف تمام طاغوتوں اور مستکبروں کا یہی پہلا ردعمل ہوتا ہے ان کی دعوت اور دلائل کو سنجیدہ نہ سمجھنا۔

(۴۸) لیکن ہم اتمام حجت کے طور پر اپنی آیات اور نشانیاں یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ہم جو آیت (اور معجزہ) ان کو دکھاتے تھے وہ دوسرے سے بڑھ کر (اور اہم تر) ہوتا تھا۔

اس طرح سے ہم نے عصا اور ید بیضا جیسے معجزوں کے بعد طوفان، ٹڈی دل، جوؤں اور مینڈکوں وغیرہ جیسے معجزے انہیں دکھائے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے ہم نے انہیں متنبہ کرنے والے عذابوں اور سزاؤں میں مبتلا کر دیا شاید کہ وہ بیدار ہو جائیں اور راہ حق کی طرف لوٹ آئیں۔

(۴۹) جیسا کہ اس آیت میں ہے انہوں نے کہا اے جادوگر اس عہد کے مطابق جو تیرے پروردگار نے تجھ سے کیا ہے ہمارے واسطے دعا کرتا کہ وہ ہمیں اس دردورنج اور بلاومصیبت سے نجات دے اور مطمئین رہ کر ہم ہدایت کی راہ کو ضرور اختیار کریں گے۔

یہ عجیب بات ہے ایک طرف تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساحر کہتے ہیں اور دوسری طرف بلاؤں اور مصیبتوں کے دور کرنے کے لیے ان کے دست بداماں ہوتے ہیں اور تیسری طرف ان سے ہدایت اپنانے کا وعدہ کرتے ہیں۔

جی ہاں! جب سر پھرے مغرور، تخت اقتدار پر متمکن ہو جاتے ہیں تو ان کی منطق ایسی ہی ہوتی ہے۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام نے اس قسم کی پھبتی اور توہین آمیز گفتگو کی وجہ سے ہدایت سے دست کشی نہیں کی اور ان کی خیرہ سری پر مایوس نہیں ہوئے اور نہ ہی تھکنے کا نام لیا بلکہ اپنا کام برابر جاری رکھا۔ بارہا دعا کی کہ طوفان بلاتھم جائے اور وہ تھم جاتا لیکن جیسا کہ بعد کی آیت میں فرمایا گیا ہے جب بھی ہم ان سے عذاب ہٹا دیتے وہ اپنا عہد توڑ ڈالتے اور اپنی ہٹ دھرمی اور للکار پر قائم رہتے۔

یہ سب مسلمانوں کے لیے زندہ اور گویا درس ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل جوئی اور تسلی کا باعث ہیں کہ وہ مخالفوں کی ہٹ دھرمی اور مخالفت سے ہرگز نہ گھبرائیں بلکہ اپنی انتھک کوششوں کو جاری رکھیں۔

نیز یہ سخت اور ہٹ دھرم اور دشمنوں کے لئے ایک سخت تنبیہ ہے کہ وہ فرعون اور اس کے ساتھیوں سے نہ تو زیادہ طاقت ور ہیں اور نہ ہی ان جیسے صاحب اقتدار، لہٰذا ان کے کاموں کا انجام بھی دیکھ لیں اور اپنے کاموں کی عاقبت کے بارے میں بھی سوچ لیں۔

(۵۱)وَ نَادٰی فِرۡعَوۡنُ فِیۡ قَوۡمِهٖ قَالَ یٰقَوۡمِ اَلَیۡسَ لِیۡ مُلۡکُ مِصۡرَ وَ هٰذِهِ الۡاَنۡهٰرُ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ؕ	اور فرعون نے اپنے لوگوں سے پکار کر کہا اے میری قوم کیا مصر کی حکومت میری نہیں اور کیا یہ دریا میرے حکم سے نہیں بہ رہے کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو؟
(۵۲)اَمۡ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ مَهِیۡنٌ ۬ۙ وَّ لَا یَکَادُ یُبِیۡنُ	میں اس شخص سے برتر ہوں جو ایک پست خاندان اور طبقے سے تعلق رکھتا ہے اور صاف گفتگو بھی نہیں کرسکتا۔
(۵۳)فَلَوۡ لَاۤ اُلۡقِیَ عَلَیۡهِ اَسۡوِرَةٌ مِّنۡ ذَهَبٍ اَوۡ جَآءَ مَعَهُ الۡمَلٰٓئِکَةُ مُقۡتَرِنِیۡنَ	اگر وہ سچ کہتا ہے تو پھر اسے سونے کے کنگن کیوں نہیں دیئے گئے؟ یا یہ کہ اس کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں آئے (تا کہ اس کی باتوں کی تصدیق کرتے)؟
(۵۴)فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَهٗ فَاَطَاعُوۡهُ ؕ اِنَّهُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ	غرض فرعون نے (ان باتوں کے ذریعے) اپنی قوم کو احمق بنایا اور لوگوں نے اس کی اطاعت کی، بیشک وہ لوگ بدعمل تھے۔
(۵۵)فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡهُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۙ	تو جب ان لوگوں نے ہمیں غضب ناک کر دیا تو ہم نے بھی ان سے بدلہ لیا اور ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔
(۵۶)فَجَعَلۡنٰهُمۡ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلۡاٰخِرِیۡنَ ؑ	اور انہیں عذاب میں پیش قدم اور دوسروں کے لئے عبرت بنا دیا۔

تفسیر

موسیٰ علیہ السلام کے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی منطق ایک طرف ان کے مختلف معجزات دوسری طرف ان سب اسباب نے مجموعی طور پر اس ماحول پر گہرے اثرات ڈالے اور فرعون کے بارے میں لوگوں کے افکار کو ڈانواں ڈول کر دیا۔

اس موقع پر فرعون نے اپنی دھوکہ دہی کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام کا اثر مصری لوگوں کے ذہن سے ختم کرنے کی کوشش کی۔ جیسا کہ قرآن پاک انہی آیات میں فرماتا ہے۔

اور فرعون نے اپنے لوگوں کو پکار کر کہا: اے میری قوم آیا مصر کی وسیع وعریض سرزمین پر میری حکومت نہیں ہے اور کیا یہ عظیم دریا میرے حکم سے نہیں بہ رہے اور میرے محلوں، کھیتوں اور باغوں سے نہیں گزر رہے ہیں؟ کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام کے پاس کیا ہے، کچھ بھی نہیں ایک لاٹھی اور ایک اونی لباس۔

(۵۲) قرآن آگے چل کر فرماتا ہے کہ فرعون نے کہا میں اس شخص سے برتر ہوں جو ایک پست خاندان اور طبقے سے تعلق رکھتا ہے اور صاف طور پر بات بھی نہیں کر سکتا۔

اس طرح سے اس نے اپنے لئے دو بڑے اعزازات حکومت مصر اور نیل کی ملکیت اور موسیٰ علیہ السلام کے دو کمزور پہلو (فقر اور لکنت زبان) بیان کر دیئے۔

حالانکہ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت نہ تھی کیونکہ خدا نے ان کی دعا کو قبول فرما لیا تھا اور زبان کی لکنت کو دور کر دیا تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے مبعوث ہوتے ہی خدا سے یہ دعا مانگی تھی کہ "**و احلل عقدة من لسانی**" (خداوندا میری زبان کی گرہیں کھول دے۔......سورہ طٰہٰ آیت ۲۷) اور یقیناً ان کی دعا قبول ہوئی اور قرآن بھی اس بات پر گواہ ہے۔

(۵۳) پھر فرعون دو اور بہانوں کا سہارا لیتے ہوئے کہتا ہے اسے سونے کے کنگن کیوں نہیں دیئے گئے یا اس کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں آئے کہ جو اس کی باتوں کی تصدیق کرتے۔

کہتے ہیں کہ فرعونی قوم کا عقیدہ تھا کہ روساء او سربراہوں کو ہمیشہ طلائی کنگنوں اور سوانے کے ہاروں سے مزین ہونا چاہئے۔

لیکن انبیاء کرام علیہم السلام ایسی چیزوں سے ہٹ کر رہتے ہیں خاص کر وہ اپنے کردار سے ایسی جھوٹی اقدار کا خاتمہ کر کے ان کی جگہ صحیح انسانی اقدار یعنی علم، تقویٰ اور طہارت کی حکمرانی دیکھنا چاہتے ہیں۔

(۵۴) اس آیت میں قرآن مجید ایک لطیف نکتے کی جانب اشارہ کرتا ہے اور وہ یہ کہ فرعون حقیقت الامر سے قطعاً غافل نہیں تھا اور ان اقدار کے بے وقعت ہونے کی طرف بھی کم و بیش متوجہ تھا لیکن اس نے ان باتوں کے ذریعے اپنی قوم کو احمق بنایا اور ان کی عقلوں کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی۔

اصولی طور پر تمام جابر اور فاسد حکومتوں کا طریق کار یہی ہوتا ہے کہ اپنی خودسری اور ظالمانہ روش کو جاری رکھنے کے لئے لوگوں کی سطح فکر کو پست کر دیتی ہیں مختلف حیلوں اور بہانوں سے انہیں احمق اور بے وقوف بنائے رہتی ہیں۔

کیونکہ ملتوں اور اقوام کے بیداری اور ان کی فکری آگاہی خود غرض اور شیطانی حکومتوں کی بہت بڑی دشمن ہوتی ہے جسے یہ حکومتیں اپنی پوری طاقت سے ختم کرنے کے درپے ہوتی ہیں۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ مندرجہ بالا آیات کو اس جملے کے ساتھ مکمل کیا گیا ہے "بے شک وہ لوگ بدکار تھے"۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر یہ لوگ فاسق نہ ہوتے اور خدا کی اطاعت اور عقل کے فیصلوں سے خارج نہ ہوتے تو اس قسم کے پروپیگنڈا اور ڈینگوں کو قطعاً صحیح نہ سمجھتے۔ یقیناً وہ خود بھی فاسق تھے اور ایک فاسق کے تابع فرمان بن گئے تھے۔

(۵۵) یہ تھی خدا کے رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں فرعون اور اہل فرعون کی فریب کاری۔

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان تمام وعظ و نصیحت اور مختلف طریقوں سے اتمام حجت کے بعد ان کے حق کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنے کی وجہ سے ان کا انجام کیا ہوا؟

اس بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے جب ان لوگوں نے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہمیں غضب ناک کر دیا تو ہم نے بھی ان سے بدلہ لیا اور ان سب کو غرق کر دیا۔

خداوند عالم نے ان کے لئے اپنے تمام عذابوں میں سے غرقابی کے عذاب کو خاص طور پر منتخب کیا کیونکہ ان کی تمام عزت و عظمت اور شان و شوکت دریائے نیل اور اس کی عظیم و سیع نہروں کی وجہ سے تھی کہ اپنے تمام قدرتی وسائل میں سے فرعون نے صرف اسی کا ذکر کیا۔

(۵۶) زیر تفسیر آیات میں سے آخری آیت کو اس مجموعی گفتگو کے نتیجے کے طور پر بیان کیا گیا ہے چنانچہ فرمایا گیا ہے اور ہم نے انہیں عذاب میں پیش قدم اور دوسروں کے لئے عبرت بنا دیا۔

(۵۷) وَ لَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ	اور جب مریم کے بیٹے کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تیری قوم کے لوگ ہنسنے (اور مذاق کرنے) لگے۔
(۵۸) وَ قَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ	اور بول اٹھے کہ بھلا ہمارے معبود اچھے ہیں یا وہ (عیسیٰ اور اگر ہمارے معبود جہنم میں ہیں تو وہ بھی جہنم میں ہے کیونکہ وہ بھی تو ایک معبود تھا) ان لوگوں نے جو مثال تجھ سے بیان کی ہے وہ تو صرف جھگڑنے کو ہے، جبکہ وہ لوگ تو ہیں ہی کینہ پرور اور جھگڑالو۔
(۵۹) اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ؕ	اور وہ تو بس ایسا بندہ تھا جسے ہم نے اپنی نعمتوں سے نوازا اور اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ایک نمونہ بنایا۔

(۶۰)وَ لَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡکُمۡ مَّلٰٓئِکَۃً فِی الۡاَرۡضِ یَخۡلُفُوۡنَ	اور اگر ہم چاہتے تو زمین پر تمہاری جگہ پر فرشتوں کو قرار دے دیتے جو تمہارے جانشین ہوتے۔
(۶۱)وَ اِنَّہٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَۃِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِہَا وَ اتَّبِعُوۡنِ ؕ ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ	اور وہ تو یقیناً قیامت کی آگاہی کا سبب ہے عیسیٰ کا نزول قیامت کے قریب ہونے کی علامت ہے تم لوگ ہرگز اس میں شک نہ کرو اور میری پیروی کر یہی سیدھا راستہ ہے۔
(۶۲)وَ لَا یَصُدَّنَّکُمُ الشَّیۡطٰنُ ۚ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ	اور کہیں شیطان تمہیں (راہ خدا سے) روک نہ دے کیونکہ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔

شان نزول

سیرت ابن ہشام میں ہے

ایک دن رسول خداﷺ ولید بن مغیرہ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ حارث بھی ان کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا۔ قریشی سرداروں کے کئی اور لوگ بھی اس محفل میں بیٹھے ہوئے تھے رسول اکرمﷺ نے ان سے بات کی تو نضر بن حارث آپﷺ کے مقابلے میں کھڑا ہو گیا رسول اللہﷺ نے بت پرستی کے غلط ہونے کو ثابت کرتے ہوئے منطقی دلائل کے ذریعے اسے خاموش کر دیا اور پھر ان کے سامنے اس آیت کی تلاوت کی۔

''تم لوگو اور خدا کے علاوہ وہ معبود کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو جہنم کا ایندھن بنو گے اور تم سب اس میں داخل ہو گے۔ اگر یہ خدا ہوتے تو کبھی جہنم میں نہ جاتے اور تم سب اس میں ہمیشہ رہو گے''۔

اس واقعے کے بعد آنحضرتﷺ اپنی جگہ اٹھ کر چلے گئے اسی اثناء میں عبداللہ بن زبعری آ گیا اور ان لوگوں سے مل گیا ولید نے عبداللہ سے کہا نضر بن حارث تو محمد (ﷺ) کے مقابلے میں عاجز آ گیا ہے اور کوئی جواب نہیں دے سکا۔ محمد (ﷺ) کا گمان ہے کہ ہم اور ہمارے سارے معبود جہنم کا ایندھن ہیں عبداللہ نے کہا خدا کی قسم اگر میں اسے دیکھتا تو ضرور اس کو جواب دیتا تم اس سے پوچھو کہ اگر ایسی ہی صورت حال ہے تو کیا سب عابد اور معبود جہنم میں جائیں گے؟ پھر ہم تو فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں، یہودی عزیز کی اور نصاریٰ عیسیٰ بن مریم کی (پھر کیا حرج ہے کہ ہم فرشتوں اور عزیز و عیسیٰ جیسے انبیا کے ساتھ ایک ہی جگہ پر ہوں)۔

یہ جواب ولید اور دوسرے حاضرین کو بہت پسند آیا۔ ان کے نزدیک یہ ایک دندان شکن جواب تھا چنانچہ انہوں نے

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جا کر یہی کچھ کہا تو آنحضرت نے ارشاد فرمایا: جی ہاں! جسے بھی معبود بننا پسند ہے وہ اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائے گا اور یہ بت پرست تو درحقیقت شیطانوں کی عبادت کرتے تھے اور جن کی عبادت کا شیطان انہیں حکم دیتا تھا۔ اس موقع پر سور انبیاء کی آیت ۱۰۱ اور زیر تفسیر آیت "ولما ضرب اب مریم................" بھی نازل ہوئی

تفسیر

کون سے معبود جہنمی ہیں؟

ان آیات میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خدا ہونے کے بارے میں اور ان کی اور بتوں کی خدائی کے بارے میں مشرکین کے عقیدے کی نفی کی بات کی گئی ہے اور گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت اور ان کی فرعونی بت پرستوں کے ساتھ محاذ آرائی کا جو ذکرہ کیا گیا ہے اس کے تتمہ کی صورت میں بیان ہو رہی ہیں۔

پہلے فرمایا گیا ہے اور جب مریم کے بیٹے کی مثال بیان کی گئی تو اس سے تیری قوم کے افراد ہنسنے لگے اور روگردان ہو گئے۔

مثال سے مراد وہی چیز ہے جب مشرکین نے یہ آیت

"انکم و ماتعبدون منن دون اللہ حصب جھنم"

تم اور خدا کے علاوہ تمام وہ معبود جن کی تم عبادت کرتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں............سورہ انبیاء......۹۸

سننے کے بعد استہزاء اور مذاق کے طور پر کہی تھی اور وہ یہ تھی کہ عیسیٰ بن مریم بھی تو معبود تھے اور اس آیت کی رو سے انہیں بھی جہنم میں جانا چاہیے اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ ہم اور ہمارے بت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہمسائے ہوں انہوں نے یہ کہا اور کھل کھلا کر ہنسنے لگے اور خوب مذاق اڑانے لگے۔

(۵۸) پھر انہوں نے کہا آیا ہمارے خدا بہتر ہیں یا عیسیٰ مسیح علیہ السلام۔

اگر وہ جہنم میں جائیں گے تو ہمارے معبود تو ان سے بڑھ کر نہیں ہیں لیکن تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ تمام حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں اور ان لوگوں نے جو مثال تجھ سے بیان کی ہے تو وہ صرف جھگڑنے کے لئے ہے۔

بلکہ یہ لوگ تو ہیں ہی کینہ پرور اور جھگڑالو اور حق کے خلاف باطل کا سہارا لیتے ہیں۔

(۵۹) بلکہ وہ تو صرف ایک بندہ تھا جسے ہم نے اپنی نعمتوں سے نوازا ہم نے اسے منصب عطا کر کے لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا تھا۔

اور اسے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے ایک نمونہ بنایا۔

عیسیٰ علیہ السلام ساری زندگی خدا کی بندگی میں رہے اور تمام لوگوں کو اسی کی بندگی کی دعوت دیتے رہے جیسا کہ خدا تعالیٰ خود کہتا

ہے جب تک وہ اس دنیا میں تھا اس نے توحید کی راہ سے کسی کو بھٹکنے کی اجازت نہ دی جبکہ عیسیٰ کی الوہیت یا تثلیث کے خرافاتی عقیدے کی بنیاد ان کے بعد لوگوں نے ڈالی۔

(۶۰) اس آیت میں اس لئے کہ انہیں یہ وہم نہ ہو کہ خدا کو ان کی بندگی کی ضرورت ہے وضاحت کرتے ہوئے بیان فرمایا گیا ہے اگر ہم چاہیں تو زمین پر تمہاری جگہ فرشتے لے آئیں کہ جو تمہارے جانشین ہوں۔

وہ فرشتے کہ جو فرمان حق کے تابع ہیں اور اس کی اطاعت و بندگی کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔

(۶۱) اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ تو یقیناً قیامت کی آگاہی کا ایک سبب ہے۔

یا اس وجہ سے کہ اس کی بغیر باپ کے ولادت خدا کی بے انتہا قدرت کی دلیل ہے جس کے پرتو میں مرنے کے بعد کی زندگی حیات بعد الموت کا مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔

یا اس لحاظ سے کہ متعدد اسلامی روایات کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول آخری زمانے میں ہوگا اور یہ قیامت کے قیام کی دلیل ہے۔

بہر حال اس کے فوراً بعد فرمایا گیا ہے قیامت کا قیام یقینی ہے اور اس کا واقع ہونا نزدیک ہے اور تم لوگ ہرگز اس میں شک نہ کرو۔

نہ تو عقیدے کے لحاظ سے اور نہ ہی عمل کے لحاظ سے۔ جیسا کہ غافل لوگ کر رہے ہیں اور میری پیروی کرو کہ یہی سیدھا راستہ ہے۔

(۶۲) لیکن شیطان تو چاہتا ہے کہ ہمیشہ تمہیں غافل اور بے علم رکھے لیکن تمہیں خود ہوش سے کام لینا چاہیے کہ کہیں شیطان تمہیں راہ خدا اور بروز قیامت اپنی تقدیر سنوارنے سے تمہیں روک نہ دے، کیونکہ وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔

اس نے اپنی عداوت اور دشمنی کا اظہار تو روز اول ہی سے کر دیا تھا جب اسے تمہارے ماں باپ آدم وحوا کے دل میں وسوسہ ڈال کر بہشت سے نکلوا دیا تھا اور دوسری مرتبہ اس نے قسم کھائی کہ ''مخلصین'' کے سوا باقی تمام بنی آدم وحوا کے دل میں وسوسہ ڈال کر بہشت سے نکلوا دیا تھا اور دوسری مرتبہ اس نے قسم کھائی کہ ''مخلصین'' کے سوا باقی تمام بنی آدم کو گمراہ کر کے چھوڑے گا۔

(۶۳) وَ لَمَّا جَآءَ عِيۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ قَالَ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِالۡحِكۡمَةِ وَ لِاُبَيِّنَ لَكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ‌ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوۡنِ	اور جب عیسیٰ واضح دلائل لے کر آئے تو کہا میں تمہارے پاس دانائی لے کر آیا ہوں تاکہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو، تمہیں صاف صاف بتا دوں، تو تم لوگ خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

(۶۴) اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّیۡ وَ رَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ	بے شک خدا ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے اسی کی عبادت کر، یہی سیدھا راستہ ہے۔
(۶۵) فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَیۡنِهِمۡ ۚ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡ عَذَابِ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ	لیکن ان میں کئی فرقے بن گئے جنہوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا اور کچھ لوگوں نے انہیں خدا سمجھا تو جن لوگوں نے ظلم کیا ان کے لئے اس دن کے عذاب کا افسوس ہے کہ جو بہت دردناک ہے۔

تفسیر

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں غلو کرنے والے

گزشتہ آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندگی کے کچھ خصوصی پہلو ذکر کئے گئے تھے۔

ارشاد ہوتا ہے جب عیسیٰ علیہ السلام واضح دلائل معجزات اور خدائی آیات لے کر آئے تو کہا میں تمہارے پاس دانائی لے کر آیا ہوں حکمت کا اصلی معنی اصلاح کی غرض سے کسی چیز سے روکنا ہے اس کے بعد تمام عقائد حقہ اور اس صحیح نظام زندگی جس میں تہذیب، نفس اور اخلاق بھی شامل ہیں یہ حکمت علاوہ ازیں ایک اور ہدف کو بھی پیش نظر رکھے ہوئے ہے اور وہ ہے ان اختلافات کا دور کرنا کہ جن کی وجہ سے تمام معاشرتی نظام درہم برہم ہو جاتے ہیں اور لوگ سرگرداں ہو جاتے ہیں اسی لئے جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی گفتگو میں اسی چیز پر زیادہ زور دیا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے اب جب کہ صورت حال یہ ہے اور میری دعوت کا لب لباب یہی ہے تم لوگ خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

(۶۴) پھر اپنی الوہیت کے بارے میں ہر قسم کے شک وشبہ کو دور کرتے ہوئے فرماتے ہیں بے شک میرا پرودگار اور تمہارا پروردگار اللہ ہی ہے۔

میں بھی اپنے وجود اور ہستی کے لئے تمہاری طرح ایک مدبر اور خالق کا محتاج ہوں، وہی میرا مالک اور راہنما ہے۔

مزید تاکید کے طور پر فرماتے ہیں جب یہ عالم ہے تو پھر تم اسی کی عبادت کرو۔

کیونکہ اس کے علاوہ اور کوئی بھی لائق عبادت نہیں، تمام چیزیں مربوب ہیں اور وہ رب ہے تمام اس کے مملوک ہیں اور وہ سب کا مالک ہے۔

ایک بار پھر اپنی اس گفتگو پر تاکید کرتے ہیں تا کہ کسی قسم کے بہانے کی گنجائش باقی نہ رہ جائے، فرماتے ہیں یہی سیدھا راستہ ہے۔

لیکن تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ اس قدر تاکید کے باوجود عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان میں کئی فرقے بن گئے جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کیا۔

کچھ لوگوں نے تو انہیں خدا سمجھا کہ جو زمین پر اتر آیا تھا جبکہ کچھ لوگوں نے انہیں خدا کا بیٹا جانا اور کچھ لوگوں نے انہیں "اقانیم ثلثہ" (باپ، بیٹا اور روح القدس) میں سے ایک سمجھا۔

صرف چند لوگوں نے انہیں خدا کا بندہ اور رسول سمجھا، لیکن ایسے افراد اقلیت میں ہیں۔ آخر کار اکثریت کا عقیدہ غالب آ گیا اور تثلیث اور تین خداؤں کے عقیدے نے تمام مسیحی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

آیت کے آخر میں ان لوگوں کو روز قیامت کے دردناک عذاب کی دھمکی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے جن لوگوں نے ظلم کیا اور صراط مستقیم سے منحرف ہو گئے ان کے لئے دردناک دن کے عذاب کا افسوس ہے۔

جی ہاں قیامت کا دن دردناک دن ہوگا اس کے حساب کا طول دردناک، اس کا عذاب اور سزا دردناک، اس کی حسرت و اندوہ دردناک اور اس کی رسوائی اور ذلت دردناک۔

(٦٦) هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ	وہ لوگ کس انتظار میں ہیں؟ اس میں کہ اچانک ان پر قیامت آجائے اور ان کو خبر تک نہ ہو۔
(٦٧) اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ؕ	اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ہاں البتہ پرہیز گار (کہ وہ دوست ہی رہیں گے)۔
(٦٨) يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَ لَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۚ	اے میرے بندو! آج نہ تمہیں کوئی خوف ہے اور نہ ہی تم غمگین ہو گے۔
(٦٩) اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۚ	یہ وہ لوگ کہ جو ہماری آیات پر ایمان لائے تھے اور ہمارے فرماں بردار تھے۔

تفسیر

کس انتظار میں ہو؟

گذشتہ آیات میں رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے ہٹ دھرم بت پرستوں نیز اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے گمراہ اور مشرک لوگوں کے بارے میں گفتگو تھی زیر نظر آیات میں ان کا انجام مجسم کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

فرمایا گیا ہے۔ وہ لوگ کس انتظار میں ہیں سوائے اس کے کہ اچانک ہی ان پر قیامت آجائے اور ان کو خبر تک نہ ہو۔

یہ سوال جو استفہام انکاری کو صورت میں پیش کیا گیا ہے درحقیقت اس قسم کے ارادے کی حقیقت حال واضح کرنے کے ہے جیسے کسی ایسے شخص کی مذمت میں جو کسی بھی خیر خواہ کی نصیحت کو نہیں سنتا اور اپنی تباہی کے اس بات خود فراہم کرتا ہے یہ کہا جاتا ہے کہ وہ تو صرف اپنی موت کا منتظر ہے۔

(٦٧) اس آیت میں ان دوستوں کی صورت حال بیان کی جارہی ہے جو جرم و گناہ اور دنیا کی چکا چوند زندگی کیلئے ایک دوسرے کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھائے ہوئے ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

اس دن دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، مگر پرہیز گار کہ وہ دوست ہی رہیں گے۔

اس دن اس قسم کی دوستیوں کا دشمنی میں تبدیل ہوجانا فطری بات ہے کیونکہ اس دن ہر دوست اپنے دوست کو اپنی تباہی اور بربادی کا سبب سمجھے گا۔

صرف پرہیز گاروں کی دوستی پائیدار اور جاودانی ہوگی، کیونکہ ان کی دوستی کے معیار اور اقرار پائیدار ہوتے ہیں جس کے نتائج بروز قیامت آشکار ہوں گے۔

(٦٨) اس دن خداوند عالم انہیں فرمائے گا؛ اے میرے بندو! آج نہ تو تمہارے لئے کوئی خوف ہے اور نہ ہی تم غمگین ہو گے یا''عباد لاخوف علیکم ایعم و وال انتم تحزنون''

کس قدر دلکش پیغام ہے خدا کی جانب سے براہ راست پیغام ایسا پیغام جو بہترین اوصاف کے ساتھ شروع ہوتا ہے یعنی اے مرے بندو! ایسا پیغام جو پریشان کن دن میں ہر قسم کی پریشانی دور کردے گا ایسا پیغام جس سے تمام گزشتہ رنج و غم کافور ہوجائیں گے جی ہاں اس پیغام میں مذکورہ چاروں خوبیاں موجود ہیں

(٦٩) زیر تفسیر آیات کے سلسلہ کی آخری آیت میں ان پرہیزگاروں اور خدا کے مکرم و محترم بندوں کو دو اوصفات کے ساتھ نمایاں فرما رہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جو ہماری آیات پر ایمان لے آئے اور ہمارے فرمانبردار تھے۔

(٧٠) اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ اَنۡتُمۡ وَ اَزۡوَاجُكُمۡ تُحۡبَرُوۡنَ	ان سے کہا جائے گا تم اپنی بیویوں سمیت نہایت ہی خوشی اور شادمانی کے ساتھ بہشت میں داخل ہوجاؤ۔
(٧١) يُطَافُ عَلَيۡهِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَهَبٍ وَّ اَكۡوَابٍ ۚ وَ فِيۡهَا مَا تَشۡتَهِيۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَ تَلَذُّ الۡاَعۡيُنُ ۚ وَ اَنۡتُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۚ	ان کے گرد (کھانے کے) طلائی برتنوں اور سنہری جاموں کا دور چلے گا اور وہاں (بہشت میں) جس چیز کو ان کا جی چاہے گا اور جس سے آنکھیں لذت اٹھائیں، سب موجود ہوگا اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔

(۷۲)وَ تِلْکَ الْجَنَّةُ الَّتِیْٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ	یہ وہی بہشت ہے جس کے تم اپنے انجام دیئے ہوئے اعمال کے باعث وارث بنو گے۔
(۷۳)لَكُمْ فِیْهَا فَاكِهَةٌ كَثِیْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ	وہاں تمہارے لئے فراواں پھل ہیں جنہیں تم کھاؤ گے۔

تفسیر

جو جی چاہے اور جس سے آنکھ لذت اٹھائے

یہ آیات خدا کے ان خالص بندوں اور صالح مومنین کی جزا بیان کر رہی ہیں جن کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے اور بہشت بریں کی سات قیمتی نعمتوں کی خوشخبری دے رہی ہیں۔

پہلے فرمایا گیا ہے خداوند عظیم ومنان کی طرف سے انہیں خطاب ہوگا بہشت میں داخل ہو جاؤ۔

اس طرح ان کا حقیقی میزبان خود خدا ہی ہوگا جو اپنے مہمانوں کو دعوت دے کر فرمائے گا کہ تشریف لایئے اور جنت میں داخل ہو جایئے۔

پھر پہلی نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے تم بھی اور تمہاری بیویاں بھی۔

ظاہر سی بات ہے کہ مومن اور مہربان بیویوں کا اپنے شوہروں کے ساتھ ہونا مردوں کے لئے بھی خوشی کی بات ہوگی اور عورتوں کے لئے بھی کیونکہ اگر وہ دنیا میں ایک دوسرے کے دکھ درد کے شریک تھے تو آخرت کی خوشیوں میں بھی ایک دوسرے کے ہمرکاب ہوں گے۔

پھر فرمایا گیا ہے تم سب خوشی اور شادمانی میں مستغرق رہو اس طرح کہ اس خوشی کے آثار تمہارے چہروں سے ظاہر ہوں۔

تیسری نعمت کے بارے میں فرمایا گیا ہے خاص خدمت گاروں کے ذریعے بہترین غذا اور بہشتی مشروبات سے بھرے کھانوں کے طلائی برتن اور شراب طہور کے زرین جام ان کے گرداگرد گھمائے جائیں گے"**یطاف علیکھ بصھاف من ذھمب و اکواب**"

بہترین ظروف اور بہترین کھانوں سے نہایت ہی آرام، اطمینان اور صدق وصفا کے ساتھ، اور کسی قسم کی پریشانی کے بغیر ان کی تواضع کی جائے گی۔

چوتھے اور پانچویں مرحلے پر دو اور نعمتوں کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ جن میں تمام مادی اور معنوی نعمتیں جمع ہیں ارشاد ہوتا ہے اور بہشت میں جس چیز کو جی چاہے اور جس سے آنکھیں لذت اٹھائیں سب کچھ موجود ہوگا۔

(۷۲) یہاں پر اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کہ بہشت کی یہ سب نعمتیں قیمت کے بدلے میں دی جاتی ہیں نہ کہ کسی بہانے کے ذریعے ارشاد فرمایا گیا ہے یہ وہ بہشت ہے جس کے تم اپنے انجام دیئے گئے اعمال کی وجہ سے وارث کر دیئے گئے ہو۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تمہاری نجات کا اصل سبب تو تمہارے اعمال ہی ہیں لیکن جو کچھ تمہیں مل رہا ہے وہ تمہارے اعمال کے مقابلے میں اس قدر زیادہ ہے گویا وہ تمہیں بالکل مفت مل رہا ہے

(۷۳) ساتویں اور آخری نعمت بہشتی پھلوں کی ہے جو اللہ کی سب سے اہم اور بہترین نعمت ہے ارشاد ہوتا ہے بہشت میں تمہارے لئے بہت سے پھل ہیں جنہیں تم کھاؤ گے۔

(۷۴)اِنَّ الۡمُجۡرِمِیۡنَ فِیۡ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ	مجرم جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔
(۷۵)لَا یُفَتَّرُ عَنۡهُمۡ وَ هُمۡ فِیۡهِ مُبۡلِسُوۡنَ	ان کے عذاب میں ہرگز کمی نہیں کی جائے گی اور وہ وہاں ہر چیز سے مایوس ہوں گے۔
(۷۶)وَ مَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَ لٰكِنۡ كَانُوۡا هُمُ الظّٰلِمِیۡنَ	ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ ظالم تھے۔
(۷۷)وَ نَادَوۡا یٰمٰلِكُ لِیَقۡضِ عَلَیۡنَا رَبُّكَ ؕ قَالَ اِنَّكُمۡ مّٰكِثُوۡنَ	اور وہ فریاد کریں گے اے مالک ہماری آرزو ہے کہ تمہارا پروردگار ہمیں موت دے دے (تا کہ ہم آسودہ خاطر ہو جائیں) وہ جواب دے گا تمہیں اسی حال میں رہنا ہے۔
(۷۸)لَقَدۡ جِئۡنٰكُمۡ بِالۡحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَكُمۡ لِلۡحَقِّ كٰرِهُوۡنَ	ہم تو تمہارے پاس حق لے کر آئے ہیں، لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہو۔
(۷۹)اَمۡ اَبۡرَمُوۡۤا اَمۡرًا فَاِنَّا مُبۡرِمُوۡنَ	بلکہ انہوں نے سازشوں پر کمر باندھ لی ہے ہم نے بھی ان کے بارے میں کچھ ٹھان لیا ہے۔
(۸۰)اَمۡ یَحۡسَبُوۡنَ اَنَّا لَا نَسۡمَعُ سِرَّهُمۡ وَ نَجۡوٰهُمۡ ؕ بَلٰی وَ رُسُلُنَا لَدَیۡهِمۡ یَكۡتُبُوۡنَ	وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے بھید اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے۔ جی ہاں! ہمارے رسول (فرشتے) ان کے پاس ہیں اور لکھتے جاتے ہیں۔

تفسیر

مرنے اور عذاب سے جان چھڑانے کی آرزو

ان آیات میں بروز قیامت مجرمین اور کفار کا انجام بتایا گیا ہے تا کہ پرودگار کے فرماں بردار مومنین کے تشویق آور انجام

سے ان کا تقابل کیا جائے اور دونوں پہلو واضح ہو جائیں۔

پہلے فرمایا گیا ہے مجرم جہنم کے عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔

(۷۵) ہو سکتا ہے کوئی سوچے کہ شاید زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ دائمی عذاب کی شدت میں کمی واقع ہو جائے اور یہ عذاب آہستہ آہستہ گھٹتا جائے، لہٰذا بعد کی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ عذاب میں ہرگز کمی نہیں کی جائے گی اور ان کے لئے کسی قسم کی نجات کا راستہ نہیں ہوگا اور وہ وہاں پر ہر چیز سے مایوس ہوں گے۔

اس طرح سے ان کا عذاب ایک تو زمانے کے لحاظ سے دائمی ہوگا اور دوسرے شدت کے اعتبار سے۔

(۷۶) اس آیت میں یہ نکتہ ذہن نشین کرایا جا رہا ہے کہ خدا کا یہ دردناک عذاب ایک ایسی چیز ہے جسے ان لوگوں نے اپنے لئے خود ہی فراہم کیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ وہ لوگ خود ظالم تھے۔

جی ہاں! قرآن مجید نے انسان کی سعادت اور شدت کا اصلی منبع خود انسان اور اس کے اعمال کو ہی بتایا ہے نہ کہ وہ خیالی مسائل جو بعض لوگوں نے اپنی طرف سے گھڑ لئے ہیں۔

پھر ان مجرمین کی ایک اور ناتوانی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ پکاریں گے اے مالک جہنم ہماری آرزو ہے کہ تمہارا پرودگار ہمیں موت ہی دے دے (تاکہ ہم آسودہ خاطر ہو جائیں)۔

حالانکہ ہر شخص موت سے بھاگتا اور زندگی کے دوام کا خواہش مند ہوتا ہے لیکن بعض اوقات انسان پر مصائب کے اس قدر پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں کہ وہ خدا سے موت کی آرزو کرنے لگتا ہے ایسا اتفاق دنیا میں خال خال لوگوں کے لئے پیش آتا ہے لیکن وہاں پر مجرمین کے لئے یہ آرزو عمومی حیثیت کی حامل ہوگی اور وہ موت کی تمنا کریں گے۔

لیکن یہ آرزو بے فائدہ ہوگی، کیونکہ داروغہ جہنم انہیں جواب دے گا تمہیں اسی حال میں رہنا ہوگا اور موت کے ذریعے تمہیں نجات نہیں مل سکتی۔

(۷۸) اس آیت میں جو درحقیقت ان کے آتش جہنم میں دائمی عذاب کی وجہ بیان کر رہی ہے فرمایا گیا ہے ہم تو تمہارے پاس حق لے کر آئے ہیں لیکن تم میں سے بہت سے لوگ حق کو ناپسند کرتے ہیں اور اسے نہیں مانتے۔

''حق'' کا وسیع معنی ہے جو تمام تقدیر ساز حقائق پر محیط ہے اگرچہ توحید معاد اور قرآن کا مسئلہ ان میں سرفہرست ہے یہ تعبیر درحقیقت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم صرف انبیاء کرامؑ ہی کے مخالف نہیں تھے بلکہ سرے سے حق کے مخالف تھے اور یہی مخالفت تمہارے لئے دائمی عذاب کا تحفہ لے کر آئی ہے۔

(۷۹) اس آیت میں ان کی حق سے بیزاری اور باطل کی طرفداری کے ایک گوشے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے بلکہ

انہوں نے سازشوں پر کمر باندھ لی ہے ہم نے بھی ان کے بارے میں کچھ ٹھان لیا ہے۔

(۸۰) یہ آیت درحقیقت ان کی سازشوں کے اسباب میں سے ایک سبب بیان کر رہی ہے ارشاد ہوتا ہے بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے بھید اور سرگوشیوں کو نہیں سنتے۔

لیکن ایسی بات نہیں ہے ہم خود بھی ان کی باتوں کو سنتے ہیں اور ہمارے رسول اور فرشتے ان کے پاس موجود ہیں اور ہمیشہ ان کی ظاہر اور پوشیدہ باتوں کو لکھتے جاتے ہیں۔

(۸۱)قُلۡ اِنۡ کَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ٭ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِیۡنَ	کہہ دے کہ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اس کا اطاعت گزار ہوتا۔
(۸۲)سُبۡحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعَرۡشِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ	منزہ ہے آسمانوں اور زمین کا پروردگار عرش کا پروردگار اس سے کہ جو یہ اس کی تعریف کرتے ہیں۔
(۸۳)فَذَرۡهُمۡ یَخُوۡضُوۡا وَ یَلۡعَبُوۡا حَتّٰی یُلٰقُوۡا یَوۡمَهُمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ	تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے تاکہ وہ باطل میں غوطے کھاتے رہیں اور کھیل کود میں لگے رہیں یہاں تک وہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ان کے سامنے آکر موجود ہو (اور وہ اپنے کئے کو پالیں)۔
(۸۴)وَ هُوَ الَّذِیۡ فِی السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّ فِی الۡاَرۡضِ اِلٰهٌ ؕ وَ هُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ	وہ تو وہی ہے جو آسمان میں بھی معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے اور وہ حکیم وعلیم ہے۔
(۸۵)وَ تَبٰرَکَ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَهُمَا ۚ وَعِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ	بہت بابرکت اور ناقابل زوال ہے وہ جو آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان کی ہر چیز کا مالک اور حاکم ہے اور قیام قیامت کی خبر بھی اسی کو ہے اور تم لوگ اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تفسیر

انہیں باطل میں غوطے کھانے دو

گزشتہ آیات، خصوصاً سورت کی ابتداء میں خدا کے لئے اولاد کے بارے میں مشرکین کی گفتگو اور ان کے عقائد کا تذکرہ تھا

لہذاان آیات میں باطل عقائد کی نفی کے لئے ایک اور طریقہ اختیار کیا گیا ہےاور وہ یہ کہ خدا فرماتا ہے جولوگ خدا کے لئے اولاد ہونے کا دم بھرتے ہیں ان سے کہہ دے کہ اگر رحمان کی کوئی اولاد ہوتی تو میں اس کا سب سے پہلا احترام کرنے والا اور اطاعت گزار ہوتا۔

کیونکہ خدا پر ایمان اور اعتقاد بھی مجھے تم سے زیادہ ہےاور اس کی آگاہی اور معرفت بھی زیادہ ہےاور اس کی اولاد کا احترام بھی میں تم سے پہلے کرتا اور اس کی اطاعت بھی۔

(۸۲) اس گفتگو کے بعد ان بے بنیاد دعووں کی نفی کے لئے ایک اور روشن دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ لوگ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمام آسمانوں اور زمین کا مالک، عرش کا مالک اس سے پاک و پاکیزہ ہے۔

جو ذات آسمانوں اور زمین کی مالک و مدبر ہےاور عرش عظیم کی پروردگار ہے اسے اولاد کی کیا ضرورت ہے؟

(۸۳) پھر ان ہٹ دھرم لوگوں سے بے نیازی، بے اعتنائی اور تہدید کا انداز اختیار کیا گیا ہےاور یہ بذات خود اس قماش کے لوگوں کے ساتھ بحث کا ایک طریقہ ہے فرمایا گیا ہے اب جب صورت حال یہی ہے تو انہیں تو انکے حال پر چھوڑ دے تا کہ وہ باطل میں غوطے کھاتے رہیں اور کھیل کود میں لگے رہیں یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے ان کے سامنے آموجود ہو اور وہ اپنے تلخ اعمال اور برے اور شرمناک افکار کا ثمرہ چکھ لیں۔

یہ وہی ''یوم موعود'' ہے جس کے متعلق سورہ بروج کی آیت ۲ میں قسم کھائی گئی ہے کہ ''والیوم الموعود'' (روز موعود قیامت کے دن کی قسم)۔

(۸۴) اس آیت میں مسئلہ توحید کے بارے میں سلسلہ گفتگو کو جاری رکھا گیا ہے جو ایک لحاظ سے تو ماقبل کی آیات کا نتیجہ ہےاور دوسرے لحاظ سے ان کی تکمیل اور استحکام کی دلیل ہےاور اس میں خداوند کریم کی سات صفات کو بیان کیا گیا ہے جو سب کی سب نظریہ توحید کی بنیادوں کے استحکام کے لئے موثر ہیں۔

پہلے تو ان مشرکین کے عقائد کی نفی کی جاتی ہے جو بزعم خود آسمان اور زمین کے لئے علیحدہ علیحدہ خداؤں کے قائل تھے، بلکہ دریا صحرا، جنگ، صلح حتیٰ کہ مختلف انواع کے لئے علیحدہ اور جداگانہ خداؤں کے قائل تھے ارشاد ہوتا ہے وہ تو وہی ہے جو آسمانوں میں بھی معبود ہےاور زمین میں بھی۔

پھر دوسری اور تیسری صفت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہےاور وہی حکیم و علیم ہے۔

اس کے تمام کام حساب و کتاب اور حکمت پر مبنی ہیں اور وہ ہر چیز سے آگاہ اور باخبر ہے۔

اس طرح سے بندوں کے اعمال سے بخوبی واقف ہےاور اپنی حکمت کے مطابق انہیں جزا اور سزا دیتا ہے۔

(۸۵) چوتھی اور پانچویں صفت میں اس کے وجود کی بے پناہ اور دائمی برکات اور آسمان و زمین میں اس کی مالکیت کے

بارے میں گفتگو کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے بہت ہی بابرکت اور ناقبل زوال ہے وہ جو آسمان وزمین اور ان دونوں کے درمیان کی ہر چیز کا مالک ہے۔

آخر میں چھٹی اور ساتویں صفت کے بارے میں فرمایا گیا ہے اور قیام قیامت کی خبر بھی صرف اسی کو ہے اور تم سب لوگ اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

اسی لئے اگر تمہیں خیر و برکت کی ضرورت ہے تو اسی سے طلب کرو نہ کہ بتوں سے اور قیامت کے دن تمہارا مقدر اسی سے وابستہ ہے اور اس دن تمہاری بازگشت اسی کی طرف ہے۔

(۸۶)وَ لَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ	اس کے سوا یہ جن کو پکارتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے، ہاں مگر وہ لوگ کہ جو برحق کی شہادت دیتے ہیں اور خوب آگاہ ہیں۔
(۸۷)وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ	اگر تو ان سے پوچھے کہ انہیں کس نے پیدا کیا ہے تو یقیناً وہ کہیں گے خدا نے تو پھر وہ خدا کی عبادت سے کیوں کر روگردانی کرتے ہیں۔
(۸۸)وَ قِيْلِهٖ يٰرَبِّ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ لَّا يُؤْمِنُوْنَ وقف لازم	وہ لوگ پیغمبر کی اس شکایت سے کیسے غافل ہیں کہ وہ کہے گا پروردگار ا یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔
(۸۹)فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَ قُلْ سَلٰمٌ ط فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ع	(اب جبکہ یہ عالم ہے) تو تو ان سے منہ پھیر لے اور کہہ دے کہ تم کو سلام لیکن وہ بہت جلد جان لیں گے۔

تفسیر

شفاعت کون کرسکتا ہے؟

ان آیات میں جو سورہ زخرف کی آخری آیتیں ہیں حسب سابق مشرکین کے تلخ انجام اور کئی دلائل کے ذریعے ان کے

عقیدے کے باطل ہونے کو واضح کیا گیا ہے سب سے پہلے فرمایا ہے اگر وہ شفاعت کے گمان میں ایسے معبودوں کی عبادت کرتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہئے خدا کے سوا جن لوگوں کی یہ عبادت کرتے ہیں وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے۔

لیکن چونکہ ان کے معبودوں میں فرشتے اور ان جیسی دوسری مخلوق بھی ہے لہٰذا اسی آیت کے ضمن ہی میں ان کو مستثنٰی کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے مگر وہ کہ جنہوں نے حق کی شہادت دی ہے۔

لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ ہر شخص کے لئے شفاعت کریں گے خواہ وہ بت پرست، مشرک اور آئین توحید سے منحرف ہی کیوں نہ ہوں بلکہ ''وہ اچھی طرح جانتے ہیں'' کہ کن لوگوں کے حق میں شفاعت کر سکتے ہیں۔

(۸۷) پھر خود مشرکین کے اپنے عقائد کو سامنے رکھتے ہوئے انہیں دندان شکن جواب دیتا ہے ارشاد فرماتا ہے اگر تم ان سے پوچھو گے کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو یقیناً وہ کہیں گے کہ خدا نے۔

اسی لئے آیت کے اختتام پر انہیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اگر صورت حال یہی ہے تو پھر خدا کی عبادت سے منہ موڑ کر اس کے غیر کی طرف کیوں رخ کرتے ہیں۔

(۸۸) اس آیت میں رسول پاک کی بارگاہ ایزدی میں اس ہٹ دھرم اور بے منطق قوم کی شکایت کے بارے میں فرمایا گیا ہے وہ لوگ پیغمبر کی اس شکایت سے کیونکر غافل ہیں کہ وہ کہیں گے پروردگارا یہ وہ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔

پیغمبر کہیں گے کہ میں نے انہیں شب و روز تبلیغ کی، انہیں بہشت کی خوش خبری دی اور جہنم کے عذاب سے ڈرایا، گزشتہ اقوام کے انجام سے انہیں مطلع کیا، تیرے عذاب سے انہیں ڈرایا اور گمراہی سے بچنے کی صورت میں انہیں تری رحمت کی ترغیب دلائی، غرض اپنی بساط کے مطابق انہیں سب کچھ بتایا اور جو کہنے کی باتیں تھیں ان سے کہیں لیکن پھر بھی میری ان گرم باتوں نے ان کے سرد دلوں پر کوئی اثر نہ کیا اور وہ ایمان نہیں لائے اس حقیقت سے تو بھی واقف ہے اور وہ بھی۔

اسی سلسلے کی آخری آیت میں خداوند عالم اپنے پیغمبر ﷺ کو حکم دے رہا ہے اب جبکہ صورت حال یہ ہے تو تو ان سے منہ پھیر لے۔

لیکن یہ روٹھنے اور جدا ہونے کی صورت میں نہ وہ کہ جس میں سختی اور ترشی پائی جاتی ہو بلکہ ان سے کہہ دے تم پر سلام۔

دوستی اور تحیہ کے عنوان سے نہیں بلکہ جدائی اور علیحدگی کے طور پر سلام ہو اور یہ سلام درحقیقت اس سلام کے مشابہ ہو جو سورہ فرقان کی آیت ۶۳ میں بیان ہوا ہے:

''جب جاہل لوگ ان کو برے لفظوں کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں تو وہ جواب میں سلام کہہ دیتے ہیں''

ایسا سلام جو بے اعتنائی اور بزرگواری کی علامت ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود انہیں ایک معنی خیز جملے کے ساتھ دھمکی بھی

دی جاتی ہے تا کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ جدائی اور علیحدگی اس بات کی دلیل ہے کہ اب خدا کا ان سے کوئی سروکار ہی نہیں رہا ارشاد ہوتا ہے لیکن وہ بہت جلد جان لیں گے۔

جی ہاں! انہیں معلوم ہو جائے گا کہ انہوں نے اپنی ہٹ دھرمیوں اور ضد کی وجہ سے کیسی آگ اور کس قدر دردناک عذاب فراہم کر لیا ہے؟

سورۂ دخان

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۵۹ آیتیں ہیں۔

سورۂ دخان کے مضامین

اس سورت کو سات حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اس سورت کی ابتدا حروف مقطعات سے ہوتی ہے، پھر عظمت قرآن کا تذکرہ ہے اور اسی تذکرہ میں پہلی بار بتایا گیا ہے کہ اس کا نزول شب قدر میں ہوا۔

اس کے دوسرے حصے میں خدا کی توحید کا ذکر ہے اور کائنات میں اس کی عظمت کی کچھ نشانیوں کا بیان ہے۔

اس کے اچھے خاصے حصے میں کفار کا انجام اور انہیں ملنے والے طرح طرح کے دردناک عذاب اور پرہیزگاروں کے لئے روح پرور جزا کو بیان کیا گیا ہے۔

متعدد آیات میں تخلیق کائنات کا مقصد بیان کیا گیا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ آسمان و زمین کی تخلیق بے فائدہ نہیں ہے۔ جس طرح سورت کا آغاز عظمت قرآن کے ذکر سے ہے اسی طرح اس کا اختتام بھی قرآن کی عظمت کے تذکرے کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس سورت کی دسویں آیت میں ''دخان مبین'' کا لفظ آیا ہے اس لئے اس کا نام سورۂ دخان ہے۔

سورۂ دخان کی تلاوت کا ثواب

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے

''جو شخص شب جمعہ اور جمعہ کے دن سورۂ دخان کی تلاوت کریگا خدا اس کے لئے بہشت میں گھر بنائے گا''۔

ایک اور حدیث میں ابوحمزہ ثمالی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یوں روایت کی ہے۔

''جو شخص اپنی فرض و نفل نمازوں میں سورۂ دخان کی تلاوت کرے گا خدا اسے ان لوگوں کے ساتھ محشور کرے گا۔ جو قیامت کے دن امن و امان میں ہونگے اسے اپنے عرش کے زیر سایہ رکھے گا۔ اس کا حساب آسان طریقے سے لے گا اور اس کے نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دے گا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
(۱) حٰمٓ ۚ	حٰم
(۲) وَ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ۙ	اس واضح کتاب کی قسم
(۳) اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اِنَّا کُنَّا مُنۡذِرِیۡنَ	کہ جسے ہم نے مبارک رات میں نازل فرمایا' ہم ہمیشہ سے ڈرانے والے تھے۔

(۴)فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ	وہ رات کہ جس میں ہر امر خدا کی حکمت کے مطابق مرتب ہوتا ہے۔
(۵)اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۚ	ہماری طرف سے ایک حکم تھا۔ہم ہی نے (محمد) کو بھیجا ہے۔
(٦)رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ	یہ سب تمہارے پروردگار کی رحمت کی وجہ سے ہے بیشک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔
(۷)رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ	وہ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے، اگر تم اہل یقین ہو۔
(۸)لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ	اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔۔وہی جلاتا اور مارتا ہے' وہ تمہارے پروردگار اور تمہارے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے۔

تفسیر

مبارک رات میں قرآن کا نزول

اس سورت کے آغاز میں بھی گذشتہ چار اور آئندہ دو سورتوں کی طرح جو مجموعی طور پر سات سورتیں بنتی ہیں۔ہم ایک بار پھر حروف مقطعات حٰمٓ کی زیارت کر رہے ہیں۔

(۲)اس سورت کی دوسری آیت میں، جیسا کہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں قرآن مجید کی قسم کھائی گئی ہے کہ قسم ہے اس آشکار کتاب کی۔

ایسی کتاب جس کے مندرجات روشن، جس کے معیار آشکار، جس کی تعلیمات زندہ جس کے احکام تعمیری اور جس کے پروگرام منظم اور جچے تلے ہیں۔

(۳)اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ قسم کس لئے کھائی گئی ہے؟ یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتے ہوئے کہتی ہے یقیناً ہم نے قرآن مجید کو جو پیغمبر اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے مبارک رات میں نازل کیا ہے۔ایسی بابرکت رات ہے جس میں عالم بشریت اور دنیائے انسانیت کی تقدیر قرآن کے نزول کی وجہ سے نیا رنگ اختیار کر گئی ہے ایسی رات جس میں مخلوق کا انجام اور اس کی تقدیر یکساں طور پر قلم بند کی جاتی ہے۔جی ہاں! قرآن ایسی تقدیر ساز رات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاک و پاکیزہ دل پر اترا۔

لیکن اس کے نزول کا اصل مقصد کیا ہے؟ وہی جس کی طرف اسی آیت میں اشارہ ہوا ہے کہ ہم ہمیشہ سے ڈرانے والے تھے۔

یہ ہمارا دیرینہ طریقہ کار ہے کہ ہم اپنے انبیاء اور رسولوں کو ظالموں اور مشرکوں کے ڈرانے کے لئے مامور کرتے آئے ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتاب دے کر بھیجنا بھی اسی سلسلے کی آخری کڑی ہے۔

(۴) اس آیت میں شب قدر کی توصیف اور توضیح ہے۔ ارشاد ہوتا ہے شب قدر وہ رات ہے جس میں ہر امر خدا کی حکمت کے مطابق تفصیل کے ساتھ مرتب ہوتا ہے۔ یہ بیان ان بہت سی روایات کے ساتھ ہم آہنگ ہے جن میں کہا گیا ہے کہ شب قدر میں تمام لوگوں کی سال بھر کی تقدیر لکھ دی جاتی ہے اور رزق اور عمر وغیرہ بھی اسی رات کو معین کر دیئے جاتے ہیں۔

(۵) اس آیت میں اس بات کی ایک بار پھر تاکید کی گئی ہے کہ قرآن مجید خدا کی جانب سے ہی ہے، چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے شب قدر میں قرآن کا نزول ہماری طرف سے ایک حکم تھا اور ہم ہی نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا اور بھیجا ہے۔

(٦) پھر نزول قرآن ارسال پیغمبر اور شب قدر میں تمام چیزوں کی تقدیر کے اصل سبب کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے یہ سب تمہارے پرودگار کی رحمت کی وجہ سے ہے۔

جی ہاں اس کی ناپیدا کنار رحمت اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ان کے حال پر نہ چھوڑ دے، بلکہ ان کے لئے کوئی پروگرام اور رہنما بھیجے

اسی آیت کے آخر میں اور بعد کی دوسری آیات میں خداوند عالم کی سات صفات کا تذکرہ ہے جو سب کی سب اس کے مقام و حدانیت کو بیان کرتی ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وہ بے شک بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ وہ اپنے بندوں کی دعاؤں اور درخواستوں کو سنتا ہے اور ان کے رازوں سے آگاہ ہے۔

(۷) پھر تیسری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہ ایسا خدا ہے جو آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پرودگار ہے اگر تم اہل یقین ہو چونکہ بہت سے مشرکین کئی خداؤں اور کئی ارباب کے قائل تھے اور ہر نوع کے لئے علیحدہ رب کا عقیدہ رکھتے تھے اور ممکن تھا کہ گذشتہ آیت میں تیرا رب سے ان کے دل میں یہ توہم پیدا ہو کہ محمد مصطفیٰ کا رب اور ہے اور دوسری چیزوں کا رب اور ہے۔ لہٰذا اس آیت میں ''رب السماوات الارض وما بینھما'' کہہ کر باقی تمام خداؤں پر خط تنسیخ کھینچ دیا گیا ہے اور واضح کر دیا گیا ہے کہ تمام موجودات عالم کا ایک ہی رب ہے۔

(۸) چوتھی، پانچویں اور چھٹی صفت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی جلاتا اور مارتا ہے تمہاری زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے تمہارا اور تمام کائنات کا پروردگار وہی ہے اسی لئے اس کے بغیر کوئی معبود ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، آیا جس کے پاس نہ تو ربوبیت کا عہدہ ہے اور نہ ہی موت وحیات کا مالک ہے، وہ معبود بن سکتا ہے؟

ساتویں اور آخری صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے تمہارا پرودگار تمہارے اگلے باپ دادا کا بھی پروردگار ہے۔

(۹) بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَلْعَبُونَ	لیکن یہ لوگ تو شک میں پڑے (حقائق کے ساتھ) کھیل رہے ہیں۔

(۱۰)فَارۡتَقِبۡ یَوۡمَ تَاۡتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیۡنٍ ۙ	پس اس دن کا انتظار کر کہ جب آسمان سے ظاہر بظاہر دھواں نکلے گا۔
(۱۱)یَّغۡشَی النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِیۡمٌ	وہ تمام لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ دردناک عذاب ہے۔
(۱۲)رَبَّنَا اکۡشِفۡ عَنَّا الۡعَذَابَ اِنَّا مُؤۡمِنُوۡنَ	(وہ کہیں گے) پرودگارا! ہم سے عذاب کو دور فرما دے کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔
(۱۳)اَنّٰی لَهُمُ الذِّکۡرٰی وَ قَدۡ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مُّبِیۡنٌ ۙ	وہ کس طرح سے اور کہاں نصیحت حاصل کریں گے جب کہ ان کے پاس آشکار رسول آ چکا۔
(۱۴)ثُمَّ تَوَلَّوۡا عَنۡهُ وَ قَالُوۡا مُعَلَّمٌ مَّجۡنُوۡنٌ وقف لازم	تو پھر وہ اس کے روگرداں ہو کر کہنے لگے تو دیوانہ ہے جسے دوسرے لوگ سکھاتے پڑھاتے ہیں۔
(۱۵)اِنَّا کَاشِفُوا الۡعَذَابِ قَلِیۡلًا اِنَّکُمۡ عَآئِدُوۡنَ وقف لازم	ہم تھوڑے عرصہ کے لئے عذاب ٹال دیتے ہیں، لیکن تم اپنے کاموں کی طرف لوٹ جاتے ہو۔
(۱۶)یَوۡمَ نَبۡطِشُ الۡبَطۡشَةَ الۡکُبۡرٰی ۚ اِنَّا مُنۡتَقِمُوۡنَ	ہم ان سے پورا بدلہ تو اس دن لیں گے جس دن سخت گرفت کریں گے، یقیناً ہم ان سے بدلہ لے کر رہیں گے۔

تفسیر

جب ہولناک دھواں آسمان پر چھا جائیگا

گذشتہ آیات میں اس بارے میں گفتگو ہو رہی تھی کہ اگر وہ یقین کے خواہاں ہیں تو یقین کے حصول کے اسباب بہت ہیں اور فراہم بھی ہیں۔ زیرِ تفسیر آیات میں سے پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے۔ وہ یقین اور حق کے طلب گار نہیں ہیں بلکہ وہ تو شک میں پڑے حقائق کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ اگر وہ اس آسمانی کتاب اور آپ کی نبوت کی حقانیت میں شک کرتے ہیں تو اس وجہ سے نہیں کہ یہ کوئی پیچیدہ مسئلہ ہے۔ بلکہ اس لئے شک کرتے ہیں کہ اس پر سنجیدگی سے غور نہیں کرتے، بلکہ ہنسی مذاق میں بات کو ٹال دیتے ہیں اس کا تمسخر اڑاتے ہیں۔

(۱۰) آیت میں رسول پاک ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ان ہٹ دھرم اور سخت منکرین کو دھمکی دیتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس دن کا انتظار کرو کہ جس دن آسمان سے ظاہر بظاہر دھواں نکلے گا۔

(۱۱) ایسا دھواں جو تمام لوگوں کو ڈھانک لے گا۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہ خدا کا دردناک عذاب ہے۔

"دخان مبین" سے مراد گہرا دھواں ہے جو کائنات کے خاتمے اور قیام قیامت سے پہلے تمام آسمان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اور یہی چیز دنیا کے اختتام اور ظالموں اور مفسدین کے لئے عذاب الیم کے آغاز کی نشانی ہوگی۔

(۱۲) وحشت اور اضطراب ان کے تمام وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ ان کی آنکھوں سے تمام پردے ہٹا دیئے جائیں گے اور وہ اپنی عظیم غلطیوں سے واقف ہو جائیں گے۔ بارگاہ ایزدی کی طرف رجوع کر کے کہیں گے۔ پرودگارا! ہم سے عذاب دور کر دے کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔

(۱۳) لیکن ان نابکاروں کے اس دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ وہ کس طرح سے اور کہاں نصیحت حاصل کریں گے۔ جب کہ ان کے پاس روشن معجزات اور دلائل کے ساتھ رسول آچکا ایسا پیغمبر کہ جو خود بھی ظاہر اور آشکار تھا اور اس کی تعلیمات، پروگرام، دلائل اور معجزات بھی واضح تھے۔

(۱۴) لیکن بجائے اس کے کہ وہ لوگ اس رسول کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتے خداوند وحدہ لاشریک کی ذات پر ایمان لے آتے اور اس کے احکام کو جان و دل سے قبول کرتے، اس سے روگرادان ہو کر کہنے لگے یہ تو دیوانہ ہے جسے دوسرے لوگ ایسی باتیں سکھاتے پڑھاتے ہیں۔

(۱۵) پھر فرمایا گیا ہے ہم تھوڑے سے عرصے کے لئے تم سے عذاب کو ٹال دیتے ہیں۔ لیکن تم عبرت حاصل نہیں کرتے اور پھر اپنے کاموں کی طرف لوٹ جاتے ہو۔

(۱۶) زیرِ تفسیر آیات میں سے آخری آیت میں فرمایا گیا ہے ہم ان سے پورا بدلہ تو اس عظیم اور سخت سزا کے دن لیں گے، یقیناً ہم بدلہ لے کر رہیں گے۔

(۱۷) وَ لَقَدۡ فَتَنَّا قَبۡلَهُمۡ قَوۡمَ فِرۡعَوۡنَ وَ جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ كَرِيۡمٌ ۙ	اور ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی کہ ان کے پاس ایک پیغمبر بزرگوار آیا۔
(۱۸) اَنۡ اَدُّوۡۤا اِلَىَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّىۡ لَكُمۡ رَسُوۡلٌ اَمِيۡنٌ ۙ	(اور اس نے کہا) اے خدا کے بندو! جس چیز کا حکم ملا ہے اسے بجا لاؤ اور میرے سامنے سرِ تسلیم خم کرو کہ میں تمہارے لئے رسول امین ہوں۔

(۱۹)وَّ اَنۡ لَّا تَعۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ ۚ اِنِّیۡۤ اٰتِیۡکُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ۚ	اور خدا کے سامنے تکبر نہ کرو، کیونکہ میں تمہارے پاس ایک واضح اور روشن دلیل لے کر آیا ہوں۔
(۲۰)وَ اِنِّیۡ عُذۡتُ بِرَبِّیۡ وَ رَبِّکُمۡ اَنۡ تَرۡجُمُوۡنِ ۫	نیز اس بات سے کہ تم مجھے سنگسار کرو، میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔
(۲۱)وَ اِنۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا لِیۡ فَاعۡتَزِلُوۡنِ	اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم مجھ سے کنارہ کشی کر لو۔

تفسیر

خود ایمان نہیں لاتے تو دوسروں کو تو نہ روکو

گذشتہ آیات میں مشرکین عرب کی سرکشی اور حق کے آگے ان کے نہ جھکنے کا ذکر تھا ان آیات میں گذشتہ امتوں کا ایک نمونہ پیش کیا گیا ہے کہ جنہوں نے اسی راستے کو اختیار کیا جس کے نتیجے میں وہ دردناک عذاب کا شکار اور شکست فاش سے دوچار ہوئے تا کہ جہاں پر یہ بات مؤمنین کے دل کی تسلی کا باعث ہو وہاں پر ہٹ دھرم منکرین کے لئے تنبیہ اور تہدید بھی بن جائے۔

اور وہ ہے موسیٰ اور فرعون کی داستان، جس کے بارے میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے اور ان سے پہلے ہم نے قوم فرعون کی آزمائش کی

اور اسی اثنا میں ان کے پاس ایک بزرگوار رسول آیا۔

(۱۸) موسیٰ علیہ السلام نے نہایت سیکھے ہوئے انداز میں اور رنجیدہ لہجے میں دل پذیر اور محبت بھرے انداز سے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا میرے آنے کا مقصد یہ ہے کہ اے خدا کے بندو میرے سامنے سر تسلیم خم کرو اور جس چیز کا تمہیں حکم ملا اسے ادا کرو کہ میں اس کا بھیجا ہوا ہوں۔

بہر حال، آیت کے آخر میں اپنے اوپر لگائے جانے والے الزامات کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک امانت دار پیغمبر ہوں۔

(۱۹) پھر موسیٰ علیہ السلام انہیں اطاعت خداوندی کی دعوت یا بنی اسرائیل کی رہائی کی پیش کش کے طور پر فرماتے ہیں۔ میں اس بات پر بھی مامور ہوں کہ تمہیں یہ بتاؤں کہ خدا کے سامنے سرکشی اور تکبر نہ کرو۔ اپنی حدود میں رہو کیونکہ میں تمہارے لئے ایک واضح اور روشن دلیل لے کر آیا ہوں۔

واضح معجزات بھی اور کھلم کھلے منطقی دلائل بھی۔

(۲۰) چونکہ دنیا پرست مستکبرین جب اپنے ناجائز مفادات پر زد پڑتی دیکھتے ہیں تو کسی قسم کی تہمت، الزام تراشی، نا روا باتوں، حتیٰ کہ قتل اور موت کے گھاٹ اتارنے سے بھی نہیں چوکتے، اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے حفظ ماتقدم کے طور پر پہلے ہی سے کہہ دیا کہ اس بات سے کہ تم مجھے متہم یا سنگسار کرو میں اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں''

ممکن ہے یہ بات اس چیز کی طرف بھی اشارہ ہو کہ مجھے تمہاری دھمکیوں کی پرواہ نہیں ہے اور میں آخر دم تک اپنے موقف پر ڈٹا ہوا ہوں خدا میرا محافظ اور نگہبان ہے۔

(۲۱) اسی سلسلے کی آخری آیت میں حرف آخر کے طور پر جناب موسیٰ علیہ السلام انہیں فرماتے ہیں: اگر مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو کم از کم مجھے چھوڑ دو مجھ سے دور ہو جاؤ اور دوسرے لوگوں کو ایمان لانے سے نہ روکو۔

لیکن کیا یہ بات ممکن ہے کہ مغرور و سرکش ظالم اور جابر لوگ جو اپنی شیطانی طاقتوں ناجائز مفادات کو خطرے میں پڑتا دیکھتے ہیں وہ خاموشی سے بیٹھ جاتے ہیں اور اس قسم کی پیشکش کو فوراً قبول کر لیتے ہیں؟ آئندہ آیات یہی ماجرا بیان کرتی ہیں۔

(۲۲) فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنَّ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ	(موسیٰ نے) اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یہ مجرم لوگ ہیں۔
(۲۳) فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا اِنَّکُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۙ	(موسیٰ کو خدا کا حکم ملا) تو میرے بندوں کو راتوں رات لے کر نکل جا، جبکہ وہ تیرے پیچھے آئیں گے۔
(۲۴) وَ اتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ	(جب تو دریا کو عبور کر لے تو) دریا کو کھلا اور ٹھہرا ہوا رہنے دے کہ وہ غرق ہونے والا لشکر ہیں۔
(۲۵) كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۙ	وہ لوگ کتنے باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔
(۲۶) وَّ زُرُوْعٍ وَّ مَقَامٍ كَرِیْمٍ ۙ	کھیتیاں اور دلکش و گراں قیمت محلّات۔
(۲۷) وَّ نَعْمَةٍ كَانُوْا فِیْهَا فٰكِهِیْنَ ۙ	اور دوسری بہت سی نعمتیں جن میں وہ عیش کیا کرتے تھے۔
(۲۸) كَذٰلِكَ ۫ وَ اَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ	یہ تھا ان کا ماجرا اور ہم نے ان تمام چیزوں کا دوسرے لوگوں کو وراث بنا دیا۔

(۲۹)فَمَا بَکَتۡ عَلَیۡہِمُ السَّمَآءُ وَ الۡاَرۡضُ وَ مَا کَانُوۡا مُنۡظَرِیۡنَ ۠	نہ تو آسمان نے ان پرگر یہ کیا اور نہ ہی زمین نے اور نہ انہیں مہلت ہی دی گئی۔

تفسیر

محلات، باغات اور خزانوں کو چھوڑ کر چلے گئے

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان مجرموں کے تاریک دلوں میں اثر پیدا کرنے کے لئے ہدایات کے تمام وسائل بروئے کار لائے۔ لیکن فرعونیوں میں ان کا ذرہ بھر بھی اثر نہ ہو۔ ہر ایک اک دروازہ کھٹکھٹایا لیکن کہیں کچھ شنوائی نہ ہوئی۔

اسی لئے وہ ان سے مایوس ہوگئے اور ان پر نفرین کے علاوہ انہیں اور کوئی رستہ دکھائی نہ دیا۔ کیونکہ جس فاسد قوم کی ہدایت کی کوئی امید باقی نہ رہے نظامِ آفرنیش میں اسے جینے کا کوئی حق حاصل نہیں۔

اس لئے زیرِنظر پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ءپروردگار کی بارگاہ میں عرض کیا کہ یہ مجرم اور گنہگار لوگ ہیں۔

کیسی عمدہ بددعا ہے؟ موسیٰ علیہ السلام یہ نہیں کہتے کہ خدایا ان کے ساتھ یہ کر اور وہ کر۔ بلکہ صرف یہی کہتے ہیں کہ یہ مجرم لوگ ہیں۔ان کی ہدایت کی کوئی امید باقی نہیں رہ گئی۔

(۲۳) خدا نے بھی ان کی دعا قبول فرمائی اور فرعونیوں پر عذاب کے نزول اور نبی اسرائیل کی اس عذاب سے نجات کے مقدمے کے طور پر موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا؟ تو میرے بندوں کو راتوں رات لے کر نکل جا۔ کیونکہ فرعون اور اس کے لشکر والے تمہارے پیچھے آئیں۔

لیکن گھبراؤ نہیں !ضروری ہے کہ وہ تمہارا پیچھا کریں تا کہ اس انجام کو دیکھ لیں جس کے وہ منتظر ہیں۔

(۲۴) پھر زیرِتفسیر آیات میں بیان فرمایا گیا ہے جب تم سلامتی کے ساتھ دریا کو عبور کرلو تو دریا کو کھلا اور ٹھہرا ہوا رہنے دو۔

ان آیات میں دریا سے مراد ہی عظیم دریائے نیل ہے۔

یہ ایک فطری سی بات ہے کہ جناب موسیٰ اور بنی اسرائیل تو یہ چاہتے تھے کہ جب وہ اس دریا سے گزر جائیں تو فوراً دونوں طرف پانی آپس میں مل جائے اور یہ خشکی کا راستہ فوراً بھر جائے، تا کہ وہ جلدی اور سلامتی کے ساتھ لشکر فرعون سے دور ہو جائیں اور موعود سرزمین کی طرف چل پڑیں، لیکن انہیں حکم ملتا ہے کہ دریا کو عبور کرتے وقت جلد بازی سے کام نہ لیں اور دریا کو اسی حال پر رہنے دیں تا کہ فرعون اور اس کی فوج کا آخری شخص تک اس میں داخل ہو جائے، کیونکہ نیل کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجوں کو ان کی تباہی اور بربادی کا حکم دیا جا چکا ہے۔

اسی لئے آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے وہ سب غرق شدہ لشکر ہیں۔

(۲۵)اب دیکھنا یہ ہے کہ فرعون اور فرعونیون کے غرق ہونے کے بعد کون کون سے عبرت انگیز واقعات رونما ہوئے۔

قرآن کریم نے بعد کی آیات میں ان کی اس عظیم دولت کو پانچ موضوعات کی صورت میں بیان کیا ہے جو ان کی تمام زندگی کی فہرست بنتی ہے اور وہ بنی اسرائیل کو میراث کی صورت میں ملے۔

پہلے فرمایا گیا ہے وہ لوگ کتنے باغات اور چشمے چھوڑ کر چلے گئے باغات اور چشمے ان کے تمام اموال میں زیادہ قیمتی اور نہایت اہم سرمایہ تھے۔

(۲۶) پھر فرمایا گیا ہے اور کھیتیاں اوار دل کش، خوبصورت اور گراں قیمت محلات۔

یہ دونوں بھی ان کا اہم سرمایہ تھے۔ عظیم تر کھیتی باڑی جس کی نیل کے پانی سے آبپاشی کی جاتی تھی اور پورے مصر کا اس پر دارومدار تھا۔

یہی حال اونچے محلات اور آبادیوں کا ہے، کیونکہ انسانی زندگی میں انہیں بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔

(۲۷) چونکہ ان کے پاس مذکورہ چار اہم امور کے علاوہ بڑی مقدار میں حصول نعمت کے اور بھی بہت سے وسائل تھے، جن کی طرف ایک مختصر سے جملے میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور دوسری بہت سی نعمتیں جن میں عیش وعشرت کیا کرتے تھے اور ناز و نعمت کے ساتھ زندگی بسر کیا کرتے تھے۔

(۲۸) اس کے بعد فرمایا گیا ہے جی ہاں ان کے ساتھ ایسا ہی ہوا اور ہم نے فرعون والوں کی تمام دولت وسلطنت اور اموال کا وارث دوسرے لوگوں کو بنا دیا۔

اسی آیت سے اور اس جیسی سورہ شعراء کی آیت سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ فرعون اور فرعون کے ساتھیوں کے غرق ہوجانے کے بعد بنی اسرائیل زمین مصر کی طرف لوٹ آئے اور فراعنہ کی میراث کے وارث بنے اور وہیں پر اپنی حکومت قائم کی۔

(۲۹) اسی سلسلے کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے نہ تو آسمان نے ان پر گریہ کیا اور نہ ہی زمین نے اور نہ ہی انہیں بلاؤں کے نازل ہونے کے تو کوئی مہلت دی گئی۔

ان پر آسمان وزمین کے گریہ نہ کرنے سے شاید ان کی حقارت، اور ان لئے کسی دوست اور ہمدرد کا نہ ہونا مراد ہے۔

(۳۰) وَ لَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۙ	اور ہم نے بنی اسرائیل کو رُسوا کن عذاب سے نجات دلائی،
(۳۱) مِنْ فِرْعَوْنَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَالِيًا مِّنَ الْمُسْرِفِيْنَ	(یعنی) فرعون سے کہ وہ ایک متکبر شخص اور حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا۔

(۳۲)وَ لَقَدِ اخۡتَرۡنٰهُمۡ عَلٰى عِلۡمٍ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۚ	اور ہم نے اپنے علم کی بناپر انہیں عالمین میں سے منتخب کیا اور برتری دی۔
(۳۳)وَ اٰتَيۡنٰهُمۡ مِّنَ الۡاٰيٰتِ مَا فِيۡهِ بَلٰٓؤٌا مُّبِيۡنٌ	اور ہم نے انہیں اپنی قدرت کی ایسی نشانیاں دیں کہ جن میں ان کی صریح آزمائش تھی۔

تفسیر

بنی اسرائیل کی آزمائش

گذشتہ آیات میں فرعونیوں کے غرق اور ہلاک ہونے اور ان کی شان وشوکت اور اقتدار کے خاتمے اور اقتدار اور شان و شوکت کا دوسروں کو منتقل ہونے کا تذکرہ تھا۔ زیرتفسیر آیات میں اس کے دوسرے پہلو یعنی بنی اسرائیل کی نجات کی بات ہورہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ ہم نے بنی اسرائیل کو رسواکن عذاب سے نجات دلائی۔

سخت اور طاقت فرسا جسمانی اور رروحانی اذیتوں سے کہ جوان کے دل کی گہرائیوں میں اتر چکی تھیں۔

(۳۱) جی ہاں! خداوند عالم نے موسیٰ علیہ السلام کے بحکم خدا قیام اور تحریک کی وجہ سے اس مظلوم قوم کو تاریخ کے سفاک ظالموں کے چنگل سے نجات بخشی لہٰذا اس کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے فرعون کے چنگل سے۔

کیونکہ وہ ایک متکبر شخص اور حد سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا۔

(۳۲) آیت میں بنی اسرائیل پر خدا کی ایک اور نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔

ہم نے انہیں اپنے علم کی بناء پر اس زمانے کے عالمین پر برتری دی اور انہیں برگزیدہ کیا۔

لیکن انہوں نے ان نعمتوں کی قدر نہیں جانی، بلکہ کفران نعمت کیا اور اپنے کئے کی سزا پائی۔

اس طرح سے وہ اپنے زمانے کی برگزیدہ امت تھے کیونکہ ''عالمین'' اس دور کے لوگ ہیں نہ کہ تمام زمانوں کے لوگ۔

(۳۳) زیرتفسیر آیات کے سلسلے کی آخری آیت میں ان بعض نعمتوں کا ذکر ہے جو خدا نے انہیں عطا کی تھیں چنانچہ ارشاد ہوتا ہے اور ہم نے انہیں اپنی عظمت اور قدرت کی ایسی نشانیاں دیں جن میں ان کی صریح آزمائش تھی۔

اور یہ زبردست تنبیہ ہے تمام اقوام اور ملتوں کے لئے کہ جب انہیں خدائی مہربانی کامیابی اور نعمت نصیب ہوجاتی ہے۔ تو اس موقع پر سخت امتحان کا دروازہ بھی کھل جاتا ہے۔

(۳۴)اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَيَقُوۡلُوۡنَ ۙ	یہ (مشرکین) کہتے ہیں۔

(۳۵)اِنۡ ھِیَ اِلَّا مَوۡتَتُنَا الۡاُوۡلٰی وَ مَا نَحۡنُ بِمُنۡشَرِیۡنَ	کہ ہمیں تو صرف ایک بار مرنا ہے اور ہرگز زندہ نہیں ہوں گے۔
(۳۶)فَاۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ	(مشرکین نے پیغمبر سے کہا) اگر تم سچ کہتے ہو تو ہمارے آباواجداد کو زندہ کر کے لے آؤ (تاکہ وہ گواہی دیں)۔

تفسیر

یہی موت ہے اور بس

گذشتہ آیات میں فرعون اور فرعونیوں کی زندگی کی تصویر کشی کی گئی تھی اور ان کے کفر وانکار کے انجام کا تذکرہ تھا۔اب ایک بار پھر مشرکین کی باتوں کا ذکر کیا جارہا ہے اور معاد کے بارے میں ان کے شکوک کو جو کہ سورت کے آغاز میں مذکور ہو چکے ہیں ایک مرتبہ پھر دوسرے لفظوں میں اس طرح بیان کیا جارہا ہے: یہ مشرکین کی باتوں کا ذکر کیا جارہا ہے اور معاد کے بارے میں ان کے شکوک کو جو کہ سورت کے آغاز میں مذکور ہو چکے ہیں ایک مرتبہ پھر دوسرے لفظوں میں اس طرح بیان کیا جارہا ہے۔ یہ مشرکین یوں کہتے ہیں۔

(۳۵) ہمیں تو صرف ایک بار مرنا ہے اور ہم ہرگز دوبارہ زندہ نہیں ہونگے۔

معاد، حیات بعد الموت، جزاوسزا اور جنت وجہنم کے بارے میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہتے ہیں ان میں سے کسی ایک کی بھی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ سرے سے حشر ونشر کا ہی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

(۳۶) اس کے بعد ان کی گفتار کو نقل کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے بے بنیاد دعوے کے لئے پورے دلائل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں اگر تم سچ کہتے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے ہمارے پاس لے آؤ تا کہ وہ تمہاری سچائی کی گواہی دیں۔

(۳۷)اَھُمۡ خَیۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ ۙ وَّ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِھِمۡ ؕ اَھۡلَکۡنٰھُمۡ ۫ اِنَّھُمۡ کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ	کیا وہ بہتر ہیں یا قوم تبّع اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے؟ ہم نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا کیونکہ وہ مجرم لوگ تھے۔
(۳۸)وَ مَا خَلَقۡنَا السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ مَا بَیۡنَھُمَا لٰعِبِیۡنَ	ہم نے آسمانوں کو زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے سب کو بے مقصد پیدا نہیں کیا۔

(۳۹)مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ	ہم نے ان دونوں کی صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہےلیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

تفسیر

آیا وہ بہتر ہیں یا قوم تبع؟

سرزمین یمن جزیرۃ العرب میں واقع ہے اوراس کا شمار دنیا کی ایسی آباد اور بابرکت زمینوں میں ہوتا ہے، جو ماضی میں درخشندہ تمدن کی حامل تھیں اس سرزمین پر ایسے بادشاہ حکومت کیا کرتے تھے جن کا نام تبع جس کی جمع تبابعہ ہے تھا چونکہ لوگ ان کی اتباع کیا کرتے تھے اس لئے ان کو تبع کہتے تھے یا پھر اس لئے کہ وہ کئی پشتوں تک یکے بعد دیگرے برسر اقتدار آتے رہے۔

مشرکین مکہ اوران کے معاد و قیامت کے انکار کے تذکرے کے بعد قوم تبع کی داستان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انہیں تنبیہ کی جارہی ہے کہ خدا کا عذاب قیامت ہی میں ان کا منتظر نہیں ہے بلکہ اس دنیا میں بھی ''قوم تبع'' جیسی کافر اور گناہگار قوم جیسے انجام سے بھی دوچار ہوں گے۔

چنانچہ فرماتا ہے آیا وہ بہتر ہیں یا قوم تبع اور وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے؟ ہم نے ان کو ہلاک کرڈالا کیونکہ وہ مجرم لوگ تھے۔

(۳۸) گفتگو کا رخ ایک بار پھر مسئلہ معاد کی جانب موڑ دیا گیا ہےاور لطیف پیرائے میں اس حقیقت کی استدلال کے ساتھ ثابت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور کچھ ان دونوں کے درمیان ہے غرض سب کو بے فائدہ اور بے مقصد پیدا نہیں کیا۔

اگر تمہارے بقول موت، زندگی کے خاتمے کا نام ہے پھر تو یہ آفرینش بے کار بیہودہ اور بے فائدہ ہوگی۔

(۳۹) پھر اس بات کی تاکید کیلئے فرمایا گیا ہے ہم نے ان دونوں کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔

اس کائنات کا برحق ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کا کوئی معقول ہدف اور مقصد ہو اور یہ مقصد اس وقت پورا ہوتا ہے جب ایک اور جہاں کے وجود کو تسلیم کیا جائے۔

لیکن ان میں سے اکثر لوگ ان حقائق کو نہیں جانتے۔

کیونکہ وہ اپنی سوجھ بوجھ اور سوچ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔اگر وہ ایسا کرنے لگ جائیں تو مبداء و معاد کے دلائل واضح اور آشکار صورت میں موجود ہیں۔

(۴۰)اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ	(باطل سے حق) کی جدائی کا دن ان سب کے لئے مقرر گھڑی ہے۔

(۴۱)يَوْمَ لَا يُغْنِیْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْـًٔا وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۙ	جس دن کوئی دوست اپنے دوست کی ذرہ بھر امداد نہیں کر سکے گا اور نہ کسی طرف سے انہیں کمک پہنچ سکے گی۔
(۴۲)اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۠	مگر جن پر خدا اپنی رحمت فرمائے کیونکہ وہی عزیز و رحیم ہے۔

تفسیر

جدائی کا دن یا یوم الفصل

زیر نظر آیات درحقیقت معاد کے بارے میں گذشتہ آیات کا نتیجہ ہیں کہ جن میں اس کائنات کی تخلیق کی حکمت کے حوالے سے قیامت کے وجود پر استدلال کیا گیا تھا۔

سب سے پہلی آیت میں اس استدلال سے یہ نتیجہ حاصل کیا جا رہا ہے کہ یوم الفصل یا جدائی کا دن ان سب کے لئے مقرر گھڑی ہے۔

(۴۱) پھر اس جدائی کے دن کی کچھ تشریح کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس دن کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی فریاد کو نہیں پہنچے گا اور کوئی دوست اپنے دوست کی ذرہ بھر امداد نہیں کر سکے گا۔ اور کہیں سے انہیں کمک نہیں پہنچے گی۔

یقیناً وہی دن فصل اور جدائی کا دن ہوگا کہ جب انسان اپنے عمل کے سوا باقی تمام چیزوں سے جدا ہو جائے گا۔ مولیٰ جس معنی میں بھی ہو یعنی دوست ہو یا سرپرست ولی نعمت ہو یا قریبی رشتہ دار، ہمسایہ ہو یا مددگار وغیرہ قیامت کی مشکالات میں ایک معمولی سی مشکل بھی حل کرنے سے عاجز ہوگا۔

(۴۲) وہاں پر صرف ایک گروہ مستثنیٰ ہوگا جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے مگر وہ کہ جس پر خدا نے رحمت کی ہو کیونکہ خدا صاحب غلبہ اور رحیم ہے اس میں شک نہیں ہے کہ خدا کی یہ رحمت بلا شرط نہیں ہے، بلکہ صرف ان مومنین کے شامل حال ہوگی جو عمل صالح انجام دے چکے ہیں۔

(۴۳)اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۙ	بیشک تھوہر کا درخت
(۴۴)طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۖۚ	گناہگاروں کی سزا ہے۔
(۴۵) كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ ۙ	جو پگھلی ہوئی دھات کی طرح پیٹ میں اُبال کھائیگا

(۴۶)كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ	جیسے کھولتا ہوا پانی۔
(۴۷)خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ قصلے	(فرشتوں سے خطاب ہوگا) اس مجرم کافر کو پکڑو اور دوزخ میں پھینک دو،
(۴۸)ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ط	پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا عذاب (پانی) ڈالو۔
(۴۹)ذُقْ ج اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ	(لے عذاب کا)، مزا چکھ، کیونکہ تو زبردست طاقتور اور قابل احترام تھا۔
(۵۰)اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ	یقیناً یہ وہی چیز ہے جس میں تم لوگ ہمیشہ شک کیا کرتے تھے۔

تفسیر

تھوہر کا جہنمی درخت

گذشتہ آیات میں یوم الفصل یا جدائی کے دن کی بابت بات ہو رہی تھی، لیکن ان آیات میں دوزخیوں کے وحشت ناک اور لرزا دینے والے عذاب کی ایک جھلک پیش کی جا رہی ہے جو درحقیقت گذشتہ آیات کا خاتمہ ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ تھوہر کا درخت۔

(۴۴) گناہگاروں کی غذا ہے۔

یہی لوگ ہوں گے جو اس کڑوے بدمزہ بدبودار اور مہلک درخت کو کھائیں گے۔

(۴۵) پھر فرمایا گیا ہے پگھلی ہوئی دھات کی طرح وہ گناہگاروں کے پیٹ میں ابال کھائے گا۔

(۴۶) جیسے کھولتا ہوا پانی۔

بہر حال جب تھوہر ان کے جسم میں پہنچے گا تو انتہائی زیادہ حرارت پیدا کر کے کھولتے ہوئے پانی کے مانند پیٹ میں ابال پیدا کردے گا۔، یہ غذا قوت اور طاقت کا ذریعہ بننے کے بجائے مصیبت، عذاب اور دکھ درد کا سبب بن جائے گی۔

(۴۷) پھر فرمایا گیا ہے کہ دوزخ پر مامور فرشتوں کو خطاب ہوگا: گناہوں میں غرق ان مجرموں کو پکڑو اور انہیں جہنم میں پھینک دو۔

(۴۸) پھران کی ایک اور المناک سزا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے پھر دوزخ پر مامور فرشتوں کو حکم دیا جائے گا۔اس کے سر پر کھولتا ہوا عذاب ڈالو۔

اس طرح سے ایک تو وہ اندر سے جلیں گے اور دوسرے باہر سے جہنم کی آگ ان کے تمام وجود کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور آگ کے درمیان میں بھی ان پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا۔

(۴۹) ان تمام دردناک جسمانی عذابوں کے بعد انہیں جانکاہ روحانی سزاؤں سے بھی دوچار ہونا پڑے گا۔ارشاد ہوتا ہے کہ اس گناہگار سرکش اور بے ایمان مجرم سے کہا جائے گا۔مزہ چکھ! کیونکہ تو وہی شخص تو ہے جو بزعم خویش سب سے زیادہ طاقتور اور سب سے زیادہ قابل احترام تھا۔

جی ہاں! یہ تو ہی تھا کہ اس تمام غرور کے ساتھ ہر قسم کے جرم کا ارتکاب کیا کرتا تھا۔اب تو اپنے تمام اعمال کا مزہ چکھ کہ سب کچھ تیری آنکھوں کے سامنے مجسم ہو چکا ہے۔جس طرح تو دنیا میں لوگوں کے جسم وروح کو جلایا کرتا تھا اب تو خود اندر اور باہر سے خدا کے قہر کی آگ اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں جل رہا ہے۔

(۵۰) اس سلسلے کی آخری آیت میں فرمایا گیا ہے: انہیں خطاب ہوگا: یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں تم لوگ ہمیشہ شک وشبہ کیا کرتے تھے۔

قرآن کی کس قدر آیات میں مختلف دلائل کے ذریعے اس دن کی حقانیت تمہارے گوش گزار کی گئی؟

لیکن افسوس کہ تمہارے پاس سننے والے کان نہیں تھے۔

(۵۱) اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ ۙ	یقیناً پرہیز گار لوگ امن امان کی جگہ ہونگے۔
(۵۲) فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ ۚۙ	باغوں اور چشموں میں۔
(۵۳) یَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ ۚۙ	ریشم کی نازک وضخیم ودبیز پوشاکیں پہنیں گے اور ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہونگے۔
(۵۴) كَذٰلِكَ ۫ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِیْنٍ ؕ	اسی طرح ہیں بہشت والے اور ہم ان کی حور العین کے ساتھ تزویج فرمائیں گے۔
(۵۵) یَدْعُوْنَ فِیْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِیْنَ ۙ	وہ جس قسم کے پھل چاہیں گے انہیں دیئے جائیں گے۔وہاں نہایت اطمینان سے رہیں گے۔

(۵۶) لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَ وَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۙ	وہاں پہلی دفعہ کی موت کے سوا ان کو موت کی تلخی نہیں چکھنی پڑے گی اور خدا انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔
(۵۷) فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ	یہ تمہارے پروردگار کا فضل اور اس کی بخشش ہے یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔

تفسیر

پرہیزگار لوگ اور بہشت کی گوناگوں نعمتیں

چونکہ گذشتہ آیات میں جہنمیوں کے دردناک عذاب کا تذکرہ تھا، لہٰذا ان آیات میں اہل بہشت کی نعمتوں اور جزاء کو شمار کر کے ان ہر دو کی اہمیت کو زیادہ آشکار کیا گیا ہے۔ اہل بہشت کو سات قسموں میں خلاصہ کیا گیا ہے۔

پہلی یہ کہ پرہیزگار لوگ امن وامان کی جگہ میں ہوں گے۔

اسی لئے انہیں کسی تکلیف اور بے چینی کا سامنا نہیں پڑے گا۔ وہ آفات و بلیات، رنج وغم اور شیطانوں اور طاغوتوں سے بالکل محفوظ ہوں گے۔

(۵۲) پھر دوسری نعمت کو بیان کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: وہ باغوں اور چشموں میں رہیں گے اور ان کی قیام گاہوں کو ہر طرف سے چشموں اور باغوں نے اپنے گھیرے میں لیا ہوگا۔

(۵۳) تیسرے مرحلے پر ان کے زیبا اور خوبصورت لباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ وہ نرم و نازک اور ضخیم و دبیز ریشمی لباس زیب تن کریں گے اور تختوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھیں گے۔

البتہ بہشت میں نہ تو سخت سردی ہوگی اور نہ ہی سخت گرمی کہ جسے اس قسم کے لباس کے ذریعے روکا جائے۔ بلکہ یہ بہشت والوں کے گوناگوں اور طرح طرح لباسوں کی طرف اشارہ ہے۔

(۵۴) چوتھے مرحلے میں ان کی ازواج کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے جی ہاں اسی طرح ہیں اہل بہشت اور ہم ان کی حورالعین کے ساتھ تزویج کریں گے۔

(۵۵) اس کے بعد اہل بہشت کی پانچویں نعمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ وہ جس قسم کے پھل چاہیں گے انہیں دیئے جائیں گے اور وہ وہاں پر نہایت ہی اطمینان سے رہیں گے۔

(۵۶) بہشت اور بہشتی نعمتوں کا دوام اور ہمیشگی، متقین کے لئے خدا کی چھٹی نعمت ہوگی کیونکہ وصال کے وقت جو چیز انسان کو بے چین کر دیتی ہے وہ فراق کا اندیشہ ہے اسی لئے خدا تعالیٰ فرماتا ہے وہاں پہلی دفعہ کی موت کے سوا جس کی تلخی وہ دنیا میں چکھ چکے ہوں گے انہیں موت کی تلخی نہیں چکھنی پڑے۔

آخر میں اس سلسلے کی ساتویں اور آخری نعمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور انہیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھے گا۔
ان نعمتوں کی تکمیل اس بات سے ہورہی ہے کہ عذاب کا احتمال اور سزا کا خوف بہشت والوں کو پریشان نہیں کرے گا۔
یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر پرہیز گاروں میں کسی قسم کی لغزش بھی ہوگی تو خداوند عالم اپنے لطف وکرم سے انہیں معاف کردے گا اور انہیں اطمینان دلائے گا۔ کہ وہ اس لحاظ سے پریشان نہ ہوں۔

(۵۷) اسی سلسلے کی آخری آیت میں مذکورہ ساتوں صفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نتیجہ کے طور پر فرمایا گیا ہے یہ سب تمہارے پروردگار کا فضل اور اس کی بخشش ہے اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے جو پرہیز گاروں کے شامل حال ہے۔
یہ ٹھیک ہے کہ پرہیز گاروں نے دنیا میں بہت زیادہ نیکیاں اور کار خیر انجام دیئے ہوں گے لیکن ان ناچیز اعمال کی جزا اس قدر بے انتہاء اور جاودانی نعمتیں نہیں ہیں۔ یہ تو خدا کا فضل وکرم ہے جس کی وجہ سے انہیں یہ عظیم نعمتیں میسر آئیں گی۔

(۵۸) فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ	ہم نے یہ قرآن تیری زبان میں آسان کردیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔
(۵۹) فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ۧ	پس تو بھی منتظر رہ اور وہ بھی منتظر رہیں۔

تفسیر

آپ بھی منتظر رہیں اور وہ بھی منتظر رہیں

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ سورہ دخان کا آغاز قرآنی آیات کی عظمت، گہرائی اور گیرائی کے ذکر کے ساتھ ہوا اور یہ مندرجہ بالا آیات پر اختتام پذیر ہورہی ہے جو قرآنی آیات کی گہری تاثیر بیان کررہی ہیں تاکہ سورت کا آغاز اور انجام ہم آہنگ ہوجائے۔
ارشاد فرمایا گیا ہے، ہم نے اس قرآن کو تیری زبان میں آسان کردیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔
اس کے مندرجات نہایت عمیق اور گہرے ہیں اس کے تمام پہلو بہت وسیع اور ہمہ گیر ہیں اس کے مطالب ایسے سادہ اور رواں ہیں کہ ہر شخص کے لئے قابل فہم اور ہر طبقے کے لئے قابل استفادہ ہیں۔

(۵۹) لیکن چونکہ ان اوصاف کے باوجود کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کلام حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے ہیں لہٰذا آخری آیت میں انہیں سخت الفاظ میں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اگر وہ اس کے باوجود نصیحت قبول نہیں کرتے تو تو بھی منتظر رہ اور وہ بھی منتظر رہیں۔
آپ ﷺ تو کفار پر کامیابی کے سلسلے میں وعدہ الٰہی کی تکمیل کے منتظر رہیں اور وہ شکست کے۔

سورۂ جاثیہ

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۳۷ آیات ہیں

سورۂ جاثیہ کے مضامین

1............قرآن مجید کی عظمت اور اس کی اہمیت۔

2............مشرکین کے سامنے توحید کے کچھ دلائل کا بیان۔

3............نیچریوں کے کچھ دعوے اور ان کے منہ توڑ جوابات۔

4............بنی اسرائیل جیسی بعض اقوام کے انجام کی طرف کچھ اشارہ جو سورت کے مباحث پر شاہد ہے۔

5............ان گمراہ لوگوں کو زبردست تنبیہ جو اپنے گمراہ کن عقاید پر سختی سے ڈٹے ہوئے ہیں۔

6............حق کی راہ سے سر موانحراف کئے بغیر عفو و درگزر سے کام لینے کی دعوت۔

7............قیامت کے لرزا دینے والے واقعات کی طرف اشارے، خاص کر نامۂ اعمال کا تذکرہ جو انسان کے تمام اعمال کو بے کم و کاست بیان کر دے گا۔

اس سورت کا نام جاثیہ اس لئے ہے اس کی ۲۸ ویں آیت سے یہ لفظ لیا گیا ہے جس کا معنی ہے گھٹنے ٹیکنے والا قیامت کے دن عدل الٰہی کی دادگاہ میں بہت سے لوگوں کی یہی کیفیت ہوگی۔

سورہ جاثیہ کی تلاوت کا ثواب

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں ہے۔

''جو شخص سورہء جاثیہ کی تلاوت کرے گا۔ البتہ اس کے مطالب میں غور و فکر کرے گا۔ اور اپنی زندگی کو ان مطالب کے مطابق ڈھالے گا۔ خدا بروز قیامت اس کے تمام عیوب کی پردہ پوشی کرے گا اور اس کے خوف کو اطمینان میں بدل دے گا''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
(۱) حٰمٓ ۚ	حٰمٓ
(۲) تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ	یہ کتاب خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو غالب و دانا ہے۔
(۳) اِنَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ ؕ	بے شک آسمان اور زمین میں ایمان والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

(۴)وَ فِیۡ خَلۡقِکُمۡ وَ مَا یَبُثُّ مِنۡ دَآبَّۃٍ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ	اور اسی طرح تمہاری اور زمین میں پھیلے ہوئے چلنے پھرنے والوں کی خلقت میں نشانیاں ہیں، ان کے لئے جو اہل یقین ہیں۔
(۵)وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ وَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ رِّزۡقٍ فَاَحۡیَا بِہِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا وَ تَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ اٰیٰتٌ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ	نیز رات اور دن کے آنے جانے میں' اور اس نے آسمان سے جو رزق نازل فرمایا ہے، اس کے ذریعے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کیا ہے، اس میں بھی اور ہواؤں کے چلنے میں بھی عقل سے کام لینے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔
(۶)تِلۡکَ اٰیٰتُ اللّٰہِ نَتۡلُوۡہَا عَلَیۡکَ بِالۡحَقِّ ۚ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَ اللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ یُؤۡمِنُوۡنَ	یہ خدا کی آیات ہیں جن کو ہم حق کے مطابق تیرے سامنے پڑھتے ہیں۔ پھر خدا اور اس کی آیتوں کے بعد کونسی بات ہوگی، جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے؟

تفسیر

ہر جگہ اللہ کی نشانیاں موجود ہیں

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ چھٹی سورت ہے جس کا آغاز حروف مقطعات سے ہو رہا ہے۔

مشہور مفسر طبرسی اس آیت کے آغاز میں بہترین قول فرماتے ہیں۔

''بہترین قول یہ ہے کہ یہ کہا جائے حٰم اس سورت کا نام ہے پھر بعض مفسرین سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں اسے ''حٰم'' کے نام سے موسوم کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ قرآن جو سراپا اعجاز ہے حروف تہجی سے تشکیل یافتہ ہے''۔

(۲) شاید یہی وجہ ہے کہ فوراً قرآن کی عظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ کتاب خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو غالب و دانا ہے۔

عزیز کا معنی صاحب قدرت اور ناقبل شکست ہے اور حکیم کا معنی ایسی ذات ہے جو تمام چیزوں کے اسرار سے آگاہ ہے اور جس کے تمام افعال بجے تلے اور حکمت پر مبنی ہیں۔

(۳) پھر آفاق و انفس میں عظمت خداوندی کی آیات اور نشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں اور حق کے طلب گاروں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

آسمانوں کی عظمت ایک طرف اوراس کا محیر العقول نظام کہ جس پر کروڑں سال گزرنے کے باوجوداس میں سرموانحراف نہ آنا دوسری طرف اورزمین کی ساخت اوراس کے عجائبات تیسری طرف سب مل جل کرخدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔

(۴) پھران آفاقی آیات کے بعد انفسی آیات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اورتمہاری تخلیق میں بھی اورزمین میں پھیلے ہوئے جانوروں کی خلقت میں بھی یقین کرنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

ان میں سے ہرایک اپنے مقام پرمبدئے آفرینش کی حکمت اوراس کے بے پایاں علم کی ایک آیت اورنشانی ہے۔

(۵) اس آیت میں تین عظیم نعمتوں کا تذکرہ ہے جوانسان اور دوسری مخلوقات کی زندگی میں اہم کردارادا کرتی ہیں اور ہر ایک آیات خداوندی میں سے ایک آیت ہے اوروہ نعمتیں ہیں نور پانی اور ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے رات اوردن کے آنے جانے میں اوراس نے آسمان سے جورزق نازل فرمایا ہے اوراس کے ذریعے زمین کومرنے کے بعد زندہ کیا ہے اس میں بھی اور ہواؤں کے چلنے میں بھی عقل سے کام لینے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

نوروظلمت اوررات دن کے آنے جانے کا مسئلہ جوایک خاص نظم کے ساتھ ایک دوسرے کے خلیفہ اورجانشین ہوتے رہتے ہیں، حساب شدہ اورتعجب آور ہے۔

دوسرے مرحلے میں زندگی عطا کرنے والے آسمانی رزق یعنی بارش کا تذکرہ ہے کہ نہ توجس کی لطافت طبع میں کوئی حرف ہے اورنہ ہی اس کی زندگی عطا کرنے والی قدرت میں کوئی کلام ہرجگہ زندگی تروتازگی اورزیبائی کی نشانیاں پائی جاتی ہیں۔

تیسرے مرحلے پر ہواؤں کے چلنے کی بات ہورہی ہے ایسی ہوائیں جوآکسیجن ایک سے دوسری جگہ پہنچاتی رہتی اوراور جانداروں کی ضرورت پوری کرتی رہتی ہیں کاربن ڈائی آکسائیڈ سے آلودہ ہواؤں کوصاف کرنے کے لئے دشت وجنگل اورصحراؤں کی طرف بھیجتی رہتی ہیں اورصاف ہونے کے بعدانہیں دوبارہ شہروں اورآبادی کی طرف لے آتی ہیں عجیب بات ہے کہ زندہ موجود کے یہ دونوں گروہ یعنی حیوانات اورنباتات بالکل ایک دوسرے کے برعکس عمل کرتے ہیں، حیوانات آکسیجن گیس حاصل کرتے ہیں اورکاربن ڈائی آکسائیڈ خارج کرتے ہیں۔ جبکہ نباتات کاربن ڈائی آکسائڈ حاصل کرتے ہیں اورآکسیجن خارج کرتے ہیں تاکہ نظام زندگی میں توازن برقراررہے اورمرورایام کے ساتھ زمین پرموجودمفید ہواؤں کے ذخائرختم نہ ہونے پائیں۔

اس کے علاوہ یہی ہوائیں ہوتی ہیں جونباتات میں نسل کشی کا کام دیتی ہیں انہیں ثمرآور بناتی ہیں، مختلف زمینوں میں مختلف قسم کی تخم پاشی کرتی ہیں۔ قدرتی چراگاہوں اورجنگلوں کو پروان چڑھاتی ہیں۔ سمندروں کے دل میں موجوں ابھارتی ہیں۔ جن سے سمندروں کی حیات اورحرکت کا پتہ چلتا ہے۔ پانی کو بدبوداراورخراب ہونے سے بچاتی ہیں یہی ہوائیں ہیں جوسفینوں کوسمندروں کے سینوں پررواں دواں رکھے۔ ہوئے ہیں۔

(۶) زیرنظر آخری میں آیت گزشتہ آیات کا مجموعی طور پرنتیجہ نکالتے ہوئے قرآنی آیایت کی عظمت واہمیت کوان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ خدا کی آیایت ہیں، جن کوہم ٹھیک ٹھیک تمہارے سامنے پڑھتے ہیں۔

سچ مچ اگر یہ لوگ ان آیات پر ایمان نہیں لائیں گے تو پھر کس چیز پر ایمان لائیں گے؟ اسی لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے۔ تو خدا اور اس کی آیتوں کے بعد کونسی بات ہوگی جس پر یہ کافر لوگ ایمان لائیں گے۔

سچ مچ قرآن مجید توحید کے استدلال اور برہان و وعظ و نصیحت کے لحاظ سے اس قدر مضامین کا حامل ہے کہ جس دل میں ذرہ بھر بھی آمادگی اور جس سر میں تھوڑی سی حق کی قبولیت کی آمادگی موجود ہے اسے خدا، طہارت اور تقویٰ کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر یہ آیات بنیات کسی پر اثر انداز نہیں ہوتیں تو ان کی ہدایت کی امید بھی نہیں رکھنی چاہئے۔

(۷)وَيۡلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيۡمٍ ۙ	جھوٹے گناہ گار کے لئے افسوس ہے۔
(۸)يَّسۡمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتۡلٰى عَلَيۡهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسۡتَكۡبِرًا كَاَنۡ لَّمۡ يَسۡمَعۡهَا ۚ فَبَشِّرۡهُ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ	کہ اس پر خدا کی آیات مسلسل پڑھی جاتی ہیں اور وہ انہیں سنتا رہتا ہے، پھر بھی غرور سے مخالفت پر اڑا رہتا ہے، گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں۔ تو پس ایسے شخص کو دردناک عذاب کی خوش خبری دے دے۔
(۹)وَ اِذَا عَلِمَ مِنۡ اٰيٰتِنَا شَيۡئَا ۨاتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ؕ	اور جب اُسے ہماری آیتوں میں سے کسی آیات سے آگاہ کیا جاتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے زلیل و خوار کرنے والا عذاب ہے۔
(۱۰)مِنۡ وَّرَآئِهِمۡ جَهَنَّمُ ۚ وَ لَا يُغۡنِىۡ عَنۡهُمۡ مَّا كَسَبُوۡا شَيۡئًا وَّ لَا مَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَوۡلِيَآءَ ۚ وَ لَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ؕ	جہنم ان کے پیچھے پیچھے ہے اور جو کچھ وہ کما چکے ہیں وہ انہیں نجات نہیں دلائے گا اور نہ ہی وہ کہ جن کو انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنا سرپرست بنایا تھا، ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔

تفسیر

گنہگار جھوٹے پر پھٹکار

گذشتہ آیات سے معلوم ہوتا تھا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو خدا کے کلام کو مختلف توحیدی دلائل اور وعظ و نصیحت کے ساتھ سنتے تو ہیں لیکن ان کے دل پر ان کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

زیر تفسیر آیات میں ایسے لوگوں اور ان کے انجام کے بارے میں تفصیلی گفتگو ہو رہی ہے۔ سب سے پہلے ارشاد ہوتا ہے: ہر

جھوٹے گناہگار پر افسوس ہے

"افاک" مبالغے کا صیغہ ہے اور ایسے شخص کے معنی ہیں ہے کہ جو بہت جھوٹ بولتا ہے اور کبھی بڑے جھوٹ کے معنی میں بھی آتا ہے ہر چند کہ زیادہ نہ ہو۔

ان آیات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ آیات الٰہی کے مقابلے میں معاندانہ ردِعمل ان لوگوں کا کام ہوتا ہے جو سر سے پاؤں تک گناہوں میں غرق اور جھوٹ سے آلودہ ہوتے ہیں، نہ کہ پاک اور نیک سیرت لوگوں کا۔

(۸) پھر ان کی معاندانہ روش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے: اس پر خدا کی آیات مسلسل پڑھی جاتی ہیں اور وہ انہیں سنتا رہتا ہے اور پھر وہ غرور کے باعث مخالفت پر اڑا رہتا ہے گویا اس نے ان کو سنا ہی نہیں۔

زیر تفسیر آیت کے آخر میں انہیں زبردست تہدید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ایسے شخص کو درناک عذاب کی خوشخبری دے دے۔

جس طرح اس نے رسول اللہ اور مومنین کے دلوں کو دکھایا ہے اسی طرح ہم بھی اسے دردناک عذاب میں مبتلا کریں گے۔

(۹) پھر فرمایا گیا ہے: جب یہ ہٹ دھرم مستکبر ہماری آیات میں سے کسی آیت سے واقف ہو جاتا ہے اور اسے جان لیتا ہے تو اس کی ہنسی اڑاتا ہے۔ ہماری سب آیات کا (خواہ انہیں جان چکا ہے یا نہیں) مذاق اڑاتا ہے۔ جب

کہ یہ جہالت اور بے علمی کی انتہا ہے کہ انسان کسی ایسی چیز کا انکار کرے یا اس کا مذاق اڑائے جسے وہ سرے سے نہیں سمجھتا اور یہ ان کی ہٹ دھرمی اور عناد کی بہت بڑی دلیل ہے۔

آیت کے آخر میں ایسے لوگوں کی سزا کو ان لفظوں میں بیان کیا گیا ہے: ان کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

اس آیت میں "عذاب مھین" کی یوں تشریح کرتی ہے: اور جہنم ان کے پیچھے ہی پیچھے ہے۔

"پیچھے ہی پیچھے" کی تعبیر کیوں اختیار کی گئی ہے حالانکہ جہنم تو ان کے آگے آگے ہوگی اور وہ آگے جا کر ہی وہاں پہنچیں گے؟ ممکن ہے یہ اس لحاظ سے ہو کہ وہ دنیا کی طرف منہ کرکے آخرت اور خدا کے عذاب کو پس پشت ڈال چکے ہیں۔

بہرصورت، آیت کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ اگر ان کا یہ گمان ہو کہ بے پناہ مال و دولت، بت اور مصنوعی خدا انہیں عذاب سے نجات دلائیں گے تو یہ ان کی بھول ہے کیونکہ جو کچھ وہ کما چکے ہیں وہ انہیں عذاب سے نجات دلائے گا اور نہ ہی وہ کہ جنہیں انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنا سرپرست بنایا تھا۔

چونکہ فرار اور نجات کی کوئی راہ نہیں ہوگی لہٰذا انہیں خدا کے قہر و غضب کی آگ میں ہمیشہ جلنا ہوگا۔ اور ان کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔

ان لوگوں نے دنیا میں خدائی آیات کو معمولی سمجھا لہٰذا خدا نے ان کے عذاب کو بڑا کر دیا وہ بڑائی کا ظہار کرتے تھے۔ لہٰذا خدا بھی ان کو عذاب عظیم دے گا۔

(۱۱)هٰذَا هُدًى ۚ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۚ	یہ (قرآن) سبب ہدایت ہے اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کیا ان کے لئے سخت اور دردناک عذاب ہے۔
(۱۲)اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۚ	خدا ہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں، تا کہ اس کے فضل سے اپنا حصّہ حاصل کرو اور شاید کہ اس کی نعمتوں کا شکر بجالاو۔
(۱۳)وَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ	نیز جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، سب کو اپنی طرف سے تمہارا مسخر کر دیا ہے۔ اس میں اہلِ فکر کے لئے اہم نشانیاں ہیں۔
(۱۴)قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ	مومنین سے کہہ دیجئے، جو لوگ خدا کے دنوں (روزِ قیامت) کی توقع نہیں رکھتے ان سے درگزر کریں تا کہ خدا اس دن ہر قوم کو اسکے ان اعمال کی جزا دے جو وہ انجام دیتی رہی ہے۔
(۱۵)مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۫ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ	جو شخص نیک کام کرتا ہے وہ اپنے لئے ہی کرتا ہے اور جو بُرا کام کرے گا اس کا وبال بھی خود اسی پر ہوگا۔ پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تفسیر

سب تیرے لئے سرگرداں اور تیرے زیرفرمان ہیں

گزشتہ آیات میں آیات الٰہی کی عظمت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ زیر تفسیر آیات بھی اس موضوع پر گفتگو کر رہی ہیں ارشاد ہوتا ہے: یہ قرآن مجید سبب ہدایت ہے۔

حق کو باطل سے جدا کرتا ہے، انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے، راہ حق کے راہیوں کا ہاتھ پکڑ کر انہیں منزل مقصود تک پہنچاتا ہے، لیکن جن لوگوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کیا ہے ان کے لئے سخت اور دردناک عذاب ہے۔

(۱۲) پھر سلسلہ گفتگو کو توحید کی بحث کی جانب موڑ دیا گیا ہے اس سورت کی ابتدائی آیات میں بھی اس ضمن میں گفتگو موجود

ہے مشرکین کو توحید اور خدا شناسی کے موثر درس دیئے گے ہیں۔

کبھی قرآن ان کے احساسات کو جھنجھوڑتے ہوئے کہتا ہے: خدا ہی تو ہے، جس نے دریا کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تا کہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور اس کے فضل سے تم اپنا حصہ حاصل کرو شاید کہ اس کی نعمتوں کا شکر بجالاؤ۔

کشتیوں کے ذکر کے بعد تمام مخلوق کی تسخیر کو کلی طور پر بیان فرماتے ہوئے کہتا ہے: اور جو کچھ آسمانوں میں ہے سب کو اپنی طرف سے تمہارے لئے مسخر کر دیا ہے۔

جب تمام نعمتیں اس کی جانب سے ہیں اور ساری کائنات کا خالق مدبر اور پروردگار اسی کی ذات پاک ہے تو پھر انسان دوسروں کے پیچھے کیوں جائے اور اپنا سر ضعیف مخلوق کو آستانے پر کیوں جھکائے اور منعم حقیقی کی معرفت سے کیوں غافل ہو؟

اسی لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: اس میں اہل فکر کے لئے اہم نشانیاں ہیں۔

پہلی آیت میں انسانی احساسات سے استفادہ کیا گیا ہے۔ اور اس آیت میں ان کے قول وافکار سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ خداوند مہربان ہر ممکنہ زبان کے ذریعے اپنے بندوں کے ساتھ باتیں کرتا ہے، کبھی تو دل کی زبان کے ساتھ۔ ان سب میں سوائے ایک ہدف کے اور کچھ بھی مطلوب ومقصود نہیں اور وہ ہے غافل انسانوں کی بیداری اور انہیں خدائی راستے پر گامزن کرنا۔

(۱۴) پھر کفار کے ساتھ میل جول کے موقع پر مومنین کو ایک اخلاقی سبق دیا جا رہا ہے تا کہ سابق منطقی بحثوں کو اس کے ذریعے سے پایہ تکمیل تک پہنچایا جائے۔ اسی لئے روئے پیغمبر اسلام صلى الله عليه وآله وسلم کی طرف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: مومنین سے کہہ دے کہ جو لوگ خدا کے دنوں (روز قیامت) کی توقع نہیں رکھتے، ان سے درگزر کریں اور سخت گیری سے کام نہ لیں۔

ممکن ہے کہ وہ ایمان اور خدائی تربیت کی مبادیات سے دور ہونے کی وجہ سے سخت اور نامناسب روش اپنائے ہوئے ہوں اس لئے غلط الفاظ استعمال کرتے ہوں۔ لہٰذا تمہارا فرض بنتا ہے کہ تم اپنی طرف سے عظمت کا ثبوت دو اور کھلے دل کے ساتھ ایسے لوگوں سے ملاپ رکھو مبادا ان کی ہٹ دھرمی میں اضافہ ہو اور حق سے ان کا فاصلہ بڑھتا جائے۔

تا کہ اس قسم کے لوگ اس عظمت اور عفو ودرگزر سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں اس لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے تا کہ خدا وند عالم اس دن ہر قوم کو اس کے ان اعمال کی جزا دے جو وہ انجام دیتی رہی ہے۔

(۱۵) ارشاد فرمایا گیا ہے: جو شخص نیک کام کرتا ہے وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے کرتا ہے۔ اور برا کام کرتا ہے۔ تو اس کا وبال اسی پر ہوگا۔ پھر تم سب اپنے پروردگار کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اپنے اعمال کا نتیجہ پالو گے۔

یہ تعبیر جو قرآنی آیات میں کئی بار ذکر ہوئی ہے۔ اور مختلف عبارتوں کے ساتھ بیان ہوئی ہے ان لوگوں کا جواب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہماری اطاعت یا نافرمانی خدا کو کیا نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے اور اس کی اطاعت یا معصیت سے نہی پر اصرار کے کیا معنی ہیں؟

یہ آیت کہتی ہے کہ یہ سب نفع یا نقصان تمہارے ہی لئے ہے اور تم ہی اپنے اعمال صالح کے پرتو میں ارتقائی مراحل طے کر و گے اور قرب الٰہی کے آسمان تک پرواز کرو گے یا جرم وگناہ کے نتیجے میں پستی میں جا کرو گے۔ اور غضب الٰہی کے گڑھوں اور رحمت خداوندی کے بعد اس کی ابدی لعنت کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گرو گے۔

(۱۶)وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحُکۡمَ وَ النُّبُوَّۃَ وَ رَزَقۡنٰہُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلۡنٰہُمۡ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ۚ	اور ہم نے ء بنی اسرائیل کو آسمانی کتاب، حکومت اور نبّوت عطا فرمائی انہیں پاکیزہ رزق مرحمت فرمایا اور انہیں (اپنے زمانے کے) تمام لوگوں پر فضیلت عطا کی۔
(۱۷)وَ اٰتَیۡنٰہُمۡ بَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ ۚ فَمَا اخۡتَلَفُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَہُمُ الۡعِلۡمُ ۙ بَغۡیًۢا بَیۡنَہُمۡ ؕ اِنَّ رَبَّکَ یَقۡضِیۡ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ فِیۡمَا کَانُوۡا فِیۡہِ یَخۡتَلِفُوۡنَ	اور ان کو نبوت و شریعت کے روشن دلائل عطا کئے۔ پس ان لوگوں نے علم آ چکنے کے بعد بس ظلم اور برتری کی خواہش کی بناء پر ایک دوسرے سے اختلاف کیا۔ لیکن یہ لوگ جن باتوں میں اختلاف کر رہے ہیں قیامت کے دن تیرا پروردگار ان میں فیصلہ فرما دے گا۔
(۱۸)ثُمَّ جَعَلۡنٰکَ عَلٰی شَرِیۡعَۃٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ فَاتَّبِعۡہَا وَ لَا تَتَّبِعۡ اَہۡوَآءَ الَّذِیۡنَ لَا یَعۡلَمُوۡنَ	پھر ہم نے تجھے برحق شریعت اور دین پر برقرار رکھا پس اسی کی پیروی کرتا رہ اور نادان سرکشوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرنا۔
(۱۹)اِنَّہُمۡ لَنۡ یُّغۡنُوۡا عَنۡکَ مِنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِیۡنَ بَعۡضُہُمۡ اَوۡلِیَآءُ بَعۡضٍ ۚ وَ اللّٰہُ وَلِیُّ الۡمُتَّقِیۡنَ	یہ لوگ خدا کے مقابلے میں ہرگز تجھے بے نیاز نہیں کر سکتے (اور نہ ہی عذاب سے بچا سکتے ہیں) اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے مددگار رہیں، جبکہ خداوند عالم پرہیزگاروں کا مددگار ہے۔
(۲۰)ہٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ	ان لوگوں کے لئے بینائی کے وسائل اور ہدایت و رحمت کے ذرائع ہیں جو ان پر یقین رکھتے ہیں۔

تفسیر

بنی اسرائیل کی ناشکری

گذشتہ آیات میں خداوند عالم کی مختلف نعمتوں شکرگزاری اور اعمال صالحہ سے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔ ان آیات میں ان بعض گذشتہ اقوام کا تذکرہ ہے جن کو خدا کی نعمتیں ملیں، لیکن انہوں نے ان کی قدردانی نہیں کی۔

ارشاد ہوتا ہے۔ ہم نے بنی اسرائیل کو آسمانی کتاب، حکومت اور نبوت عطا کی اور انہیں پاکیزہ رزق دیا اور انہیں اپنے زمانے کے تمام لوگوں پر فضیلت عطا کی۔

اس آیت میں پانچ نعمتوں کا تذکرہ ہے جو خداوند عالم نے بنی اسرائیل کو عطا کی تھیں۔ بعد میں ذکر ہونے والی نعمت کو ملا کر یہ چھ عظیم نعمتیں بن جاتی ہیں۔

سب سے پہلی نعمت تو آسمانی کتاب یعنی تورات ہے جو دینی معارف، حلال وحرام اور ہدایت وسعادت کی راہیں بیان کرتی تھیں۔

دوسری نعمت حکومت اور منصب ہے۔

ان پر خدا کی طرف سے تیسری نعمت نبوت کی تھی کیونکہ خداوند عالم نے بنی اسرائیل میں سے بہت انبیاء منتخب کئے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے۔

''ایک ہزار سے زیادہ تھے''

ایک اور روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء کی تعداد چار ہزار افراد تھی''۔

چوتھے مرحلے پر مادی نعمتوں کا تذکرہ ہوتا ہے، نہایت ہی جامع اور مانع تذکرہ ارشاد ہوتا ہے ہم نے انہیں پاک و پاکیزہ روزی عطا فرمائی ہے۔

پانچویں نعمت بلاشرکت غیرے فضیلت و برتری اور قدرت وطاقت تھی جیسا کہ اسی آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے: اور انہیں اپنے زمانے کے تمام لوگوں پر فضیلت عطا کی۔

(۱۷) اس آیت میں خداوند عالم اس چھٹی نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے جو اس قدر ناشناس قوم کو عطا کی گئی فرماتا ہے: اور ہم نے ان کو نبوت اور شریعت کے روشن دلائل عطا کئے۔

لیکن ان ناشکروں نے بہت جلد آپس میں اختلاف کھڑے کر دیئے، جیسا کہ اسی آیت کے ضمن میں قرآن فرماتا ہے: انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اپنے پاس علم و معرفت کے آجانے کے بعد اور اس اختلاف کا منشاء وہی جاہ طلبی اور بالا دستی کی خواہش تھی۔

قرآن مجید اسی آیت کے آخر میں انہیں خبردار کرتے ہوئے کہتا ہے: لیکن یہ لوگ جن باتوں میں اختلاف کر رہے ہیں، قیامت کے دن تمہارا پروردگار ان کے بارے میں فیصلہ کر دے گا۔ تو گویا آپس میں اختلاف کر کے ایک تو انہوں نے دنیا میں اپنی عظمت اور طاقت کو کھو دیا اور دوسرے اپنے لئے آخرت کا عذاب مول لے لیا۔

(۱۸) خداوند عالم نے نبی اسرائیل کو جو نعمتیں عطا کی تھیں اور انہوں نے کفران نعمت کیا۔اس کے ذکر کے بعد اس عظیم نعمت کا بیان ہے جو خالق کائنات نے پیغمبر اسلام ﷺ اور دوسرے مسلمانوں کو عطا فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے: پھر ہم نے تجھے برحق شریعت اور دین پر برقرار رکھا۔

چونکہ یہ راستہ، نجات اور کامیانی کا ضامن ہوتا ہے لہٰذا اس کے فوراً بعد فرمایا گیا ہے۔اے میرے رسول بس تو اس کی پیروی کرتا رہ۔

اور چونکہ اس کے برعکس جاہلوں اور نادان سرکشوں کی خواہشات نفسانی کی پیروی ہی ہوتی ہے۔لہٰذا آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے: اور نادان سرکشوں کی خواہشات نفسانی کی پیروی نہ کرنا۔

(۱۹) یہ آیت درحقیقت مشرکین کے آگے جھکنے کی نہی کی ایک دلیل اور علت ہے ارشاد ہوتا ہے: یہ لوگ خدا کے مقابلے میں نہ تو تجھے بے نیاز کر سکتے ہیں اور نہ عذاب سے بچا سکتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ان کے باطل دین کی پیروی کرے گا اور عذاب الٰہی اس کے دامنگیر ہوگا تو یہ لوگ ہرگز ہرگز اس کی امداد نہیں کر سکیں گے اور اگر خداوند عالم کوئی نعمت اس سے سلب کرلے تو وہ لوگ اس کی تلانی نہیں کر سکتے اس آیت میں اگر چہ روئے سخن پیغمبر ﷺ کی ذات کی طرف ہے لیکن مراد تمام مومنین ہیں۔

پھر فرمایا گیا ہے: ظالم لوگ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔یہ سب ایک قماش کے لوگ ہیں اور ایک ہی راستے کے راہی ہیں سب کمزور وناتواں ہیں۔

لیکن یہ باور بھی آپ ہرگز نہ کریں کہ آپ اور دوسرے باایمان افراد اس وقت اگر اقلیت میں ہیں تو آپ لوگوں کا کوئی یارو مددگار نہیں ہے کیونکہ ''اللہ پرہیزگاروں کا مددگار ہے''

یہ ٹھیک ہے کہ بظاہر وہ لوگ بہت بڑی تعداد میں ہیں اور بڑی طاقت ودولت کے مالک بھی ہیں لیکن حق کی بے انتہا قدرت کے سامنے تو وہ ایک ناچیز ذرے سے زیادہ قیمت نہیں رکھتے۔

(۲۰) زیر تفسیر سلسلے کی آخری آیت میں ہیں گذشتہ مضامین اور دین الٰہی کی پیروی کی طرف انبیا کی دعوت پر تاکید کرتے ہوے فرمایا گیا ہے: یہ قرآن اور شریعت ان لوگوں کے لئے بینائی کے وسائل اور ہدایت ورحمت کے ذرائع ہیں جو ان پر یقین رکھتے ہیں۔

بہر حال یہ جو فرمایا گیا ہے کہ قرآن میں عین بصیرت اور عین ہدایت ورحمت ہے یہ ایک نہایت ہی خوبصورت تعبیر ہے جو اس آسمانی کتاب کی عظمت وتاثیر اور گہرائی وگیرائی پر دلالت کرتی ہے لیکن ان لوگوں کے لئے جو رہرو منزل اور متلاشی حق ہیں۔

(۲۱)اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡیَاهُمۡ وَ مَمَاتُهُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡكُمُوۡنَ ﴿۲۱﴾	جولوگ بُرے کاموں کے مرتکب ہوئے ہیں کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں کے برابر کردیں گے جو ایمان لائے اور اچھے اچھے کام بھی کرتے رہے کہ ان سب کا جینا مرنا یکساں ہوگا؟ یہ لوگ کیا برا فیصلہ کرتے ہیں!
(۲۲)وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ وَ لِتُجۡزٰی كُلُّ نَفۡسٍۭ بِمَا كَسَبَتۡ وَ هُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ	اور خدا نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے تا کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر (بالکل) ظلم نہیں کیا جائے گا۔
(۲۳)اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ وَ اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلۡمٍ وَّ خَتَمَ عَلٰی سَمۡعِهٖ وَ قَلۡبِهٖ وَ جَعَلَ عَلٰی بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنۡ یَّهۡدِیۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ	کیا تو نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور خدا نے سمجھ بوجھ کر اُسے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے، اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی ہے اور اسکی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے؟ تو پھر ایسی حالت میں خدا کے سوا اسے اور کون ہدایت کرسکتا ہے! کیا تم غور نہیں کرتے ہو؟

تفسیر

لوگوں کا مرنا جینا ایک سا نہیں ہے

گذشتہ آیات میں دو مختلف اور متضاد گروہوں کا ذکر آیا کہ مومن کا گروہ اور دوسرا کافروں کا یا ایک پرہیزگاروں کا اور دوسرا مجرمین کا۔ اس کے بعد زیر نظر آیات میں ان دونوں گروہوں کو آمنے سامنے رکھ کر ان کا باہمی تقابل کیا گیا ہے۔ پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے: جو لوگ برے کاموں کے مرتکب ہوئے ہیں کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انکو ان لوگوں کے برابر کردیں گے جو ایمان لائے اور اچھے اچھے

کام بھی کرتے رہے کہ ان کا مرنا جینا یکساں ہوگا۔

یہ لوگ کیا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

بہر حال یہ آیت کہتی ہے کہ یہ ایک غلط سوچ ہے کہ کوئی شخص یہ تصور کرلے کہ ایمان یا گناہ اور کفر کا انسانی زندگی میں کوئی عمل دخل نہیں ہوتا ایسا بالکل نہیں ہے ان دونوں قسم کے لوگوں کی زندگی اور موت مکمل طور پر مختلف ہے۔

(۲۲) یہ آیت درحقیقت گذشتہ آیت کی تفسیر اور توجیہ ہے پروردگار فرماتا ہے اور خداوند عالم نے آسمانوں اور زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔

تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ساری کائنات اس بات کی غمازی کررہی ہے کہ اس کائنات کے پیدا کرنے والے نے اسے محور حق پر ٹھہرایا ہے اور ہر مقام پر حق وعدالت کا حکم فرمایا ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو پھر یہ بات کیونکر ممکن ہے کہ وہ صالح العمل مومنین اور بے ایمان مجرمین کو ایک جیسا قرار دے۔

(۲۳) یہ آیت کافروں اور مومنوں کی عدم مساوات پر ایک اور دلیل ہے ارشاد ہوتا ہے بھلا تو نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔

اور چونکہ خدا جانتا تھا کہ وہ ہدایت کے لائق ہی نہیں، لہٰذا اس نے اسے گمراہی میں ہی چھوڑ دیا ہے۔

اور اس کے کان اور دل پر مہر لگادی ہے اور اس اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا ہے تاکہ وہ گمراہی کی وادی میں بھٹکتا پھرے۔

تو پھر ایسی حالت میں خدا کے سوا اسے کون ہدایت کرسکتا ہے۔ تو کیا اب بھی تم لوگ غور وفکر نہیں کرتے ہو؟ اور ایسے شخص کے اور اس شخص کے درمیان فرق نہیں سمجھتے ہو جو راہ حق کو پا چکا ہے۔ سچ مچ نفس پرستی کس قدر خطرناک بات ہے جو رحمت اور نجات کے تمام دروازوں کو انسان پر بند کردیتی ہے اور اس بارے میں رسول اسلام ﷺ کی یہ حدیث کس قدر ناطق اور واضح ہے کہ:

''آسمان کے زیر سایہ ہرگز کسی معبود کی عبادت نفس پرستی جیسی عبادت سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں ہے''۔

کیونکہ عام قسم کے بت ایسی چیز ہیں جن کی اپنی کوئی خاصیت اور خصوصیت نہیں ہوتی، لیکن خواہشات نفسانی کا بت گمراہ کن ہے اور مختلف گناہوں اور گمراہیوں اور بے راہروی کی جانب لے جاتا ہے۔

(۲۴)وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا وَ مَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَ مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ	اوران لوگوں نے کہا کہ ہماری زندگی تو بس دنیا ہی کی ہے۔ کچھ لوگ ہم میں سے مرتے ہیں اور کچھ لوگ ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ ہم کوتو بس فطرت وزمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔ وہ اپنی ان باتوں پر یقین بھی نہیں رکھتے بلکہ بے بنیاد گمان ہی کرتے ہیں۔
(۲۵)وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی اور روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے مقابلے میں ان کے پاس کوئی دلیل تو ہوتی نہیں سوائے اس کے کہ وہ کہیں اگر تم سچے ہوتو ہمارے باپ دادا کو زندہ کر کے لے آؤ (تا کہ وہ گواہی دیں)۔

تفسیر

دہریوں کے عقائد

ان آیات میں منکرین توحید کے بارے میں ایک اور بحث کا سلسلہ شروع ہوتا ہے البتہ یہاں پر منکرین کے ایک خاص گوہ یعنی دہریوں کا نام لیا گیا ہے جو عالم ہستی اوراس کائنات میں صانع حکیم کے وجود کا مطلقاً انکار کرتے تھے، جبکہ اکثر وبیشتر مشرکین عام طور پر ظاہر میں خدا پر ایمان رکھتے تھے اور بتوں کو اس کی بارگاہ تک رسائی کے لئے اپنا شفیع سمجھتے تھے، خداوند عالم فرماتا ہے انہوں نے کہا ہماری زندگی تو بس دنیا ہی کی ہے ہم میں سے کچھ لوگ مرتے ہیں اور کچھ پیدا ہو جاتے ہیں اوران کی جگہ لے لیتے ہیں اوراس طرح سے انسانی نسل کا سلسلہ جاری ہے۔

اور ہمیں تو زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔

اس طرح وہ ایک تو معاد کا انکار کرتے تھے اور دوسرے مبداء کا پہلا جملہ ان کے معاد کے انکار کی غمازی کرتا ہے۔

بہرحال قرآن مجید نے ان لوگوں کی فضول باتوں کا جواب ایک مختصر لیکن جامع جملے میں دے دیا ہے اور قرآن مجید کے اور بھی بہت سے مقامات پر یہی جواب ملتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وہ جو یہ کہتے ہیں کہ کوئی معاد نہیں ہے اور جہان کا مبداء زمانہ ہی ہے اپنی ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے بلکہ

بے بنیاد گمان ہی کرتے ہیں۔

(۲۵) اس آیت میں معاد کے بارے میں ان لوگوں کے عقیدے کے سلسلے میں بہانہ تراشیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے؛ اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی اور روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے مقابلے میں ان کے پاس کوئی دلیل تو ہوتی نہیں، سوائے اس کے کہ وہ کہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو زندہ کرکے لے آؤ تا کہ وہ تمہاری صداقت کی گواہی دیں۔

جی ہاں! ان کی صرف یہی دلیل تھی اور کس قدر بودی اور بے بنیاد دلیل۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے تو مردوں کے زندہ کرنے پر اپنی قدرت کی مختلف دلیلیں پیش کی ہیں۔

(۲۶)قُلِ اللّٰہُ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یَجۡمَعُکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یَعۡلَمُوۡنَ	کہہ دیجئے کہ خدا تم کو زندہ کرتا ہے، پھر وہی تمہیں مارتا ہے، پھر قیامت کے دن، جس میں کسی طرح کا شک نہیں، تمہیں جمع کرے گا، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔
(۲۷)وَ لِلّٰہِ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ یَوۡمَ تَقُوۡمُ السَّاعَۃُ یَوۡمَئِذٍ یَّخۡسَرُ الۡمُبۡطِلُوۡنَ	اور آسمانوں اور زمین کی مالکیت اور حاکمیت خاص خدا ہی کی ہے اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن اہلِ باطل خسارے میں ہوں گے۔
(۲۸)وَ تَرٰی کُلَّ اُمَّۃٍ جَاثِیَۃً ۟ کُلُّ اُمَّۃٍ تُدۡعٰۤی اِلٰی کِتٰبِہَا ؕ اَلۡیَوۡمَ تُجۡزَوۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ	اس دن تم ہر امت کو دیکھو گے کہ (خوف کی شدت سے) گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی اور ہر امت اپنے نامہ اعمال کی طرف بلائی جائے گی (اور ان سے کہا جائے گا) جو کچھ تم لوگ کیا کرتے تھے آج اس کا تم کو بدلہ دیا جائے گا۔
(۲۹)ھٰذَا کِتٰبُنَا یَنۡطِقُ عَلَیۡکُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ اِنَّا کُنَّا نَسۡتَنۡسِخُ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ	یہ ہماری کتاب ہے جو تم سے حق بات کہہ رہی ہے۔ جو کچھ تم کرتے تھے ہم لکھتے جاتے تھے۔

(۳۰)فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُدۡخِلُهُمۡ رَبُّهُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ ذٰلِکَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ	لیکن جولوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے انہیں ان کا پروردگار اپنی رحمت میں داخل فرمائیگا، یہ بہت واضح کامیابی ہے۔
(۳۱)وَ اَمَّا الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ۟ اَفَلَمۡ تَکُنۡ اٰیٰتِیۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ فَاسۡتَکۡبَرۡتُمۡ وَ کُنۡتُمۡ قَوۡمًا مُّجۡرِمِیۡنَ	لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کیا (ان سے کہا جائے گا) کیا تمہارے سامنے ہماری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں؟ تم نے تکبر کیا اور تم لوگ تو تھے ہی مجرم۔

تفسیر

اللہ کی عادلانی کچہری میں سب گھٹنے ٹیک دیں گے

یہ آیتیں درحقیقت دہریوں کا ایک اور جواب میں ہیں جو مبداء اور معاد کے منکر تھے اور گذشتہ آیات میں ان کی باتوں کی طرف اشارہ بھی ہو چکا ہے۔

چنانچہ ان آیات میں سب سے پہلے فرمایا گیا ہے کہہ دے کہ خدا ہی تم کو زندہ کرتا ہے پھر وہی تمہیں مارتا ہے پھر تمہیں قیامت کے دن حساب وکتاب کے لئے جمع کرے گا، وہی دن کہ جس کے بارے میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

وہ نہ تو خدا کو مانتے تھے اور نہ ہی روز جزا کو اور اس آیت کے مضامین درحقیقت ان دونوں قسموں کے لئے استدلال ہیں کیونکہ پہلے توحیات کے مسئلے پر زور دیا گیا ہے۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ وہ ذات پہلی مرتبہ زندگی عطا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ زندگی عطا کرنے پر کیونکر قدرت نہیں رکھتی؟

"لاریب فیه"

(اس میں کسی قسم کا شک نہیں)۔

نیز چونکہ بہت سے لوگ ان آیات پر غور وفکر سے کام نہیں لیتے اس لئے آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

(۲۷) یہ آیت معاد کے مسئلے پر ایک اور دلیل ہے اور اس طرح کی گفتگو ہم قرآن کی اور بھی آیات میں پڑھ چکے ہیں۔ ارشاد فرمایا گیا ہے اور سارے آسمانوں اور زمین کی ملکیت اور حاکمیت خاص خدا کے لئے ہے۔

جوذات تمام کائنات کی مالک اور حاکم ہے وہ یقیناً مردوں کو زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتی ہے اور ایسا کام اس کی قدرت کے لئے قطعاً مشکل نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دنیا کو آخرت کی کھیتی اور مرنے کے بعد کے جہاں کے لئے نفع بخش تجارت کا مرکز قرار دیا ہے لہٰذا آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے جس دن قیامت برپا ہوگی اس دن اہل باطل خسارے میں رہیں گے۔

اس تجارتی منڈی میں حیات، عقل وہوش اور دنیاوی نعمتیں انسان کا سرمایہ ہوتی ہیں۔ باطل پرست افراد اسے یہیں پر جلد ختم ہوجانے والے مال کے بدلے میں بیچ ڈالتے ہیں جب کہ روز قیامت صرف قلب سلیم، ایمان اور عمل صالح ہی کام آئیں گے۔ لیکن وہ لوگ اپنے خسارے کو اپنی ہی آنکھوں سے مشاہدہ کریں گے۔

(۲۸) یہ آیت قیامت کے منظر کی نہایت واضح الفاظ میں تصویر کشی کر رہی ہے اور کہتی ہے اس دن تم ہر امت کو دیکھو گے کہ گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی۔

پھر قیامت کے ایک اور منظر کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے اور ہر امت اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلائی جائے گی اور اس سے کہا جائے گا جو کچھ تم لوگ کیا کرتے تھے آج اس کا تم کو بدلہ دیا جائے گا۔ یہ کتاب نامۂ اعمال ہی ہے کہ جس میں انسان کی تمام نیکی برائی رفتار، گفتار اور کردار درج ہوں گے۔

''کل امة تدعی الی کتابها'' کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کے انفرادی اعمال نامے کے علاوہ ہر امت اور گروہ کے اجتماعی اعمال نامے بھی ان کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔

(۲۹) ایک بار پھر انہیں خدا کی طرف سے خطاب ہوگا اور تاکید کے طور پر ان سے کہا جائے گا۔

یہ ہماری کتاب ہے جو تم سے حق کہہ رہی ہے اور تمہیں تمہارے اعمال بتا رہی ہے۔

اس دن تم جو چاہتے تھے انجام دیتے تھے اور اس بات کا ہرگز گمان تک نہیں کرتے تھے کہ کر تمہارے اعمال کہیں درج بھی ہو رہے ہیں لیکن ہم نے حکم دے دیا تھا کہ جو کچھ بھی تم انجام دو گے لکھتے رہیں۔

(۳۰) قیامت کی عدالت کے آخری مرحلے کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ ہر گروہ اپنے اعمال کا نتیجہ پالے گا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے لیکن جو لوگ ایمان لائے اور وہ اچھے اعمال بجالائے، تو ان کو ان کا پرودگار اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔

آیت کے آخری جملے میں فرمایا گیا ہے: یہ بہت واضح کامیابی ہے۔

(۳۱) اس آیت میں ایک اور ٹولے کے انجام کا ذکر ہے، جو ٹھیک اس گروہ کا مدمقابل ہے ارشاد ہوتا ہے لیکن جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان سے کہا جائے گا۔

کیا تمہارے سامنے ہماری آیتیں نہیں پڑھی جاتی تھیں؟

تم نے تکبر کیا اور حق کے سامنے سر نہیں جھکایا۔

اورتم لوگ تو گناہگار تھے

یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ آیت صرف کفر کے متعلق گفتگو کررہی ہے لیکن اس میں برے اعمال کا تذکرہ نہیں ہے جوعذاب الٰہی میں داخل ہونے کا سبب ہیں۔

(۳۲)وَ اِذَا قِيۡلَ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ لَا رَيۡبَ فِيۡهَا قُلۡتُمۡ مَّا نَدۡرِىۡ مَا السَّاعَةُ ۙ اِنۡ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّ مَا نَحۡنُ بِمُسۡتَيۡقِنِيۡنَ	اور جب کہا جاتا تھا کہ خدا کا وعدہ حق ہے اور قیامت میں کچھ شک نہیں ہے،تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے قیامت کیا چیز ہے؟ ہم تو اس بارے میں صرف گمان رکھتے ہیں،اوراس پر یقین ہرگزنہیں رکھتے۔
(۳۳)وَ بَدَا لَهُمۡ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوۡا وَ حَاقَ بِهِمۡ مَّا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ	پھران کے کرتوتوں کی برائیاں ان پرظاہر ہوجائیں گی اور جس کی یہ ہنسی اڑایا کرتے تھےان پرواقع ہوکررہے گا۔
(۳۴)وَ قِيۡلَ الۡيَوۡمَ نَنۡسٰٮكُمۡ كَمَا نَسِيۡتُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا وَ مَاۡوٰٮكُمُ النَّارُ وَ مَا لَـكُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ	اوران سے کہا جائے گا آج ہم بھی تمہیں اسی طرح بھلا دیں گے جس طرح تم نے آج کے دن کی ملاقات کو بھلا دیا تھااورتمہاراٹھکانا جہنم ہےاورکوئی تمہارامددگارنہیں۔
(۳۵)ذٰلِكُمۡ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذۡتُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتۡكُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا ۚ فَالۡيَوۡمَ لَا يُخۡرَجُوۡنَ مِنۡهَا وَ لَا هُمۡ يُسۡتَعۡتَبُوۡنَ	یہ اس لئے ہے کہ تم لوگوں نے خدا کی آیتوں کوہنسی مذاق بنا رکھا تھااوردنیوی زندگی نے تمہیں غرور میں مبتلا کررکھا تھا۔ آج کے دن یہ لوگ نہ تو دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ہی ان سے کوئی عذرقبول کیا جائے گا۔
(۳۶)فَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الۡاَرۡضِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ	بنابریں حمدوستائش خداہی کے لئے سزاوار ہے جوآسمانوں اور زمین کاپروردگاراورسارے جہانوں کامالک ہے۔

(۳۷)وَ لَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۠ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۧ	اور آسمانوں اور زمین میں اس کے لئے عظمت اور بڑائی ہے اور وہی غالب، حکمت والا ہے۔

تفسیر

جس دن انسان کے برے اعمال ظاہر ہو جائیں گے

زیر تفسیر آیات میں سب سے پہلی آیت درحقیقت ان امور کی وضاحت ہے جو گذشتہ آیات میں اجمالی صورت میں بیان ہوئے ہیں اور خدا کی آیات اور انبیاء کی دعوت کے مقابلے میں کفار کے استکبار کی تشریح ہے ارشاد ہوتا ہے جب کہا جاتا تھا کہ خدا کا وعدہ سچا ہے اور قیامت میں کچھ شک نہیں ہے تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا چیز ہے ہم تو اس بارے میں صرف گمان رکھتے ہیں اور اس پر ہرگز یقین نہیں رکھتے۔

(۳۳) یہ آیت ان کی سزا اور عذاب کی بات کر رہی ہے یہ سزا ہماری دنیاوی مقرر کردہ سزاؤں جیسی نہیں ہے ارشاد ہوتا ہے وہاں پر ان کے کرتوتوں کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی۔ تمام برائیاں مجسم ہو کر سامنے آجائیں گی اور ان کے روبرو واضح اور آشکار صورت میں پیش ہوں گی ان کی ہم دم اور ہم نشین ہو کر انہیں ہمیشہ دکھ پہنچاتی رہیں گی۔

آخرکار جس چیز کا وہ مذاق کرتے ہیں وہ ان پر واقع ہو کر رہے گی۔

(۳۴) سب سے دردناک بات یہ ہے کہ خداوند رحمان ورحیم کی جانب سے انہیں خطاب ہوگا۔ اور کہا جائے گا آج ہم بھی تمہیں اسی طرح بھلا دیں گے، جس طرح تم آج کے دن کی ملاقات کو بھلا چکے تھے۔

آیت کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ان سے کہا جائے گا۔ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے۔ اور اگر تمہارا گمان ہو کہ کوئی شخص تمہاری مدد کو پہنچے گا تو یہ بھی دوٹوک الفاظ میں سن لو کہ تمہارا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

(۳۵) لیکن تم کیوں اور کس لئے اس مصیبت میں گرفتار ہوئے ہو؟ تو سن لو کہ یہ اس لئے ہے کہ تم لوگوں نے خدا کی آیتوں کو ہنسی مذاق بنا رکھا تھا اور دنیاوی زندگی نے تمہیں غرور میں مبتلا کر رکھا تھا۔

آیت کے آخر میں ایک مرتبہ پھر اسی چیز کو دوسرے لفظوں میں دہرایا گیا ہے اور اس کی تاکید کی گئی ہے جو گذشتہ آیت میں بیان ہو چکی ہے ارشاد ہوتا ہے آج کے دن وہ نہ تو دوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ہی ان سے کوئی عذر قبول کیا جائے گا۔

(۳۶) اس سورت کے آخر میں توحید اور معاد کی بحث کو تکمیل کے لئے دو آیتوں میں ربوبیت کی وحدت اور خداوند عالم کی عظمت قدرت اور حکمت کو بیان کیا جا رہا ہے اور اس حصے میں خداوند عالم کی پانچ صفات کو منعکس کیا جا رہا ہے اور یہی اس سورت کا اہم

ترین حصہ ہے۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے بنابریں تمام حمد وستائش خدا ہی کے سزاوار ہے۔

کیونکہ وہی ہے جو سارے آسمانوں کا پروردگار زمین کا رب اور سارے جہانوں کا مالک ہے۔

ذاتِ کردگار کی حمد و ربوبیت کے ساتھ توصیف کرنے کے بعد تیسری صفت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: سارے آسمانوں اور زمین میں اس کے لئے بڑائی عظمت، سربلندی اور بلند و بالا مرتبہ ہے۔

کیونکہ اس کی عظمت کے آثار آسمانوں کی وسعتوں اور زمین کی پہنائیوں، بلکہ سراسر کائنات میں پائے جاتے ہیں۔

آخر میں چوتھی اور پانچویں صفت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے وہی غالب اور ناقبل تسخیر قادر اور مطلق صورت میں حکمت والا ہے۔

اس طرح سے سورۂ جاثیہ جو خداوند عالم کی عزیز وحکیم صفات کے ساتھ شروع ہوئی تھی انہی اوصاف کے ساتھ اپنے اختتام کو پہنچتی ہے، اس سورت کے سارے مندرجات بھی اس کی بے انتہا عزت وحکمت کے گواہ ہیں۔

سورۂ احقاف

مکہ میں نازل ہوئی

اس کی ۳۵ آیات ہیں

سورۂ احقاف کے مضامین

۱.........قرآن کی عظمت کا بیان

۲......... ہر طرح کے شرک اور بت پرستی کے خلاف دوٹوک موقف

۳.........لوگوں کو معاد اور پروردگار کی عدالت کے مفہوم کی فہمائیش

۴.........ضمنی طور پر مشرکین اور مجرمین کے لئے تنبیہ کے طور پر قوم عاد کی داستان کا ایک حصہ بھی بیان کیا گیا ہے جو سرزمین احقاف میں سکونت پذیر تھی (سورت کا نام بھی یہیں سے لیا گیا ہے۔

۵.........پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے عمومی اور وسیع ہونے کا تذکرہ، اس حوالے سے کہ یہ انسانوں کے علاوہ جنات کے لئے بھی ہے۔

۶.........مومنین کے لئے تشویش اور کفار کے لئے انذار بھی اس سورت میں موجود ہے اور امید وخوف کے مبادی بھی اس میں موجود ہیں۔

۷.........پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر واستقامت کی تلقین کی گئی ہے اور گذشتہ عظیم پیغمبروں کے نقش قدم پر زیادہ سے زیادہ چلنے کی دعوت دی گئی ہے۔

سورہ احقاف کی فضیلت

یہ حدیث کہ جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے، اس میں اس سورت کی فضیلت یوں وارد ہوئی ہے۔

''جو شخص سورۂ احقاف کی تلاوت کرے گا اسے دنیا میں موجود ریت کے ہر زرے کے بدلے دس نیکیاں دی جائیں گی اور دس برائیاں مٹائی جائیں گی اور دس درجے بلند کئے جائیں گے''

ظاہری بات ہے کہ اس قسم کے حسنات اور درجات صرف الفاظ کی تلاوت سے حاصل نہیں ہو جاتے، بلکہ ایسی تلاوت سے مراد ہے جو تعمیر، بیدار کرنے والی اور ایمان وتقویٰ کے راہ پر چلانے والی ہو اور سچ مچ سورہ احقاف کے مضامین اپنے اندر ایسا اثر رکھتے بھی ہیں، بشرطیکہ انسان طالب حقیقت اور آمادۂ عمل ہو۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) حٰمٓ ۚ	حمٰ
(۲) تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ	یہ کتاب عزیز اور حکیم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

(۳)مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ	ہم نے سارے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، اسے حق کے ساتھ ایک خاص معیّن وقت تک کیلئے پیدا کیا ہے، لیکن کافروں کو جن چیزوں سے ڈرایا جاتا ہے وہ ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

تفسیر

اس کائنات کی تخلیق حق کی بنیاد پر ہے

یہ سورہ ''حوامیم'' کے خاندان کی سات سورتوں میں سے ایک ہے، جن کے اوائل میں حٰم کا کلمہ مذکور ہے۔ حروف مقطعات کی تفسیر میں صرف اسی حد تک اکتفاء کرتے ہیں کہ یہ جھنجھوڑ کر رکھ دینے والی تحرک انگیز اور معانی و مطالب سے معمور قرآنی آیات حا اور میم وغیرہ جیسے سادہ حروف تہجی سے مرکب ہیں۔ خدا کی عظمت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اس قدر عظیم چیز کو اس حد تک سادہ حرفوں سے وجود میں لایا ہے۔

(۲) شاید اسی لئے فوراً ہی فرمایا گیا ہے یہ کتاب خداوند عزیز و حکیم قادر و توانا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

یہ وہی تعبیر ہے جو ان تین سورتوں کے آغاز میں بیان ہو چکی ہے۔ جن کے اول میں حمہ ہے سورہ مومن جاثیہ اور احقاف۔

یقینی بات ہے کہ ایک نا قابل تسخیر قدرت اور بے کران حکمت ضروری ہے کہ جو اس قسم کی کتاب نازل کرے۔

''تدوینی کتاب'' کے بعد تکوینی کتاب کا ذکر فرمایا گیا ہے اور آسمانوں اور زمین کی عظمت اور حقانیت کی بات کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ہم نے تو سارے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے کو صرف حق کی اساس پر پیدا کیا ہے۔

نہ تو اس کی آسمانی کتاب میں کوئی خلاف حق کلمہ موجود ہے اور نہ ہی اس کی کائنات میں غیر موزوں اور حق کے مخالف کوئی چیز موجود ہے۔

لیکن جس طرح اس تخلیق کا آغاز ہے اسی طرح اس کا انجام بھی ہے۔ لہٰذا آیت کے اگلے حصے میں فرمایا گیا ہے، ہم نے اس کے لئے ایک خاص وقت معین کر دیا ہے۔

باوجود اسکے قرآن حق ہے اور تخلیق کائنات بھی برحق، ہٹ دھرم کفار جن چیزوں سے ڈرائے جاتے ہیں ان سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

ایک طرف تو قرآنی آیات پے درپے انہیں اس بات کا خوف دلا رہی ہیں کہ تمہیں ایک عظیم عدالت کا سامنا کرنا ہے۔ دوسرے طرف اپنے خاص نظام کے تحت تخلیق کائنات بذات خود متنبہ کر رہی ہے کہ حساب و کتاب ہوگا لیکن یہ بے پرواہ غافل نہ تو اس پر توجہ کرتے ہیں اور نہ ہی اس پر۔

(۴)قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ مَّا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اَرُوۡنِیۡ مَاذَا خَلَقُوۡا مِنَ الۡاَرۡضِ اَمۡ لَہُمۡ شِرۡکٌ فِی السَّمٰوٰتِ ؕ اِیۡتُوۡنِیۡ بِکِتٰبٍ مِّنۡ قَبۡلِ ھٰذَاۤ اَوۡ اَثٰرَۃٍ مِّنۡ عِلۡمٍ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ	ان سے کہہ دیجئے: مجھے بتاؤ کہ خدا کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو کیا تم نے ان کو دیکھا ہے کہ انہوں نے زمین میں کچھ پیدا کیا ہو یا آسمانوں کے بنانے میں ان کی کوئی شرکت ہو۔ اگر تم سچ کہتے ہو تو اس سے پہلے کوئی آسمانی کتاب یا گذشتہ لوگوں کے علم کے آثار میں سے کچھ ہو تو میرے سامنے پیش کرو (تاکہ تمہاری بات کی سچائی کی دلیل بن سکے)۔
(۵)وَ مَنۡ اَضَلُّ مِمَّنۡ یَّدۡعُوا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مَنۡ لَّا یَسۡتَجِیۡبُ لَہٗۤ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ وَ ہُمۡ عَنۡ دُعَآئِہِمۡ غٰفِلُوۡنَ	اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو خدا کے بجائے ایسے کو پکارے جو اُسے قیامت تک جواب ہی نہ دے (بلکہ) وہ ان کی دعا اور ندا سے بالکل غافل ہیں۔
(۶)وَ اِذَا حُشِرَ النَّاسُ کَانُوۡا لَہُمۡ اَعۡدَآءً وَّ کَانُوۡا بِعِبَادَتِہِمۡ کٰفِرِیۡنَ	اور جب لوگ عرصہ قیامت میں جمع کئے جائیں گے تو وہ معبودان کے دشمن ہو جائیں گے، حتیٰ کہ ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے۔

تفسیر

گمراہ ترین لوگ

گذشتہ آیات میں زمین و آسمان کی تخلیق کی بات ہو رہی تھی کہ یہ سب کچھ خداوند عزیز و حکیم کی طرف سے ہے۔ اس بات کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کائنات میں اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے کیونکہ وہی ذات عبادت کے لائق ہے جو کائنات کی خالق اور مدبر ہے اور یہ دونوں صفات اس کی ذات پاک میں موجود ہیں۔

اس بحث کی تکمیل کے لئے زیر تفسیر آیات میں روئے سخن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کر کے فرمایا گیا ہے ان مشرکین سے کہہ دے کہ مجھے بتاؤ کہ خدا کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کرتے ہو کیا تم نے دیکھا ہے انہوں نے زمین میں کوئی چیز پیدا کی ہے؟

یا آسمانوں کی تخلیق، مالکیت اور ان کے چلانے میں ان کی کچھ شرکت ہے؟

جب تمہیں یہ بات تسلیم ہے کہ بتوں کا نہ تو ارضی موجودات کی تخلیق میں کوئی عمل دخل ہے اور نہ ہی آفتاب و ماہتاب، ستاروں اور عالم بالا کی مخلوق کی آفرینش میں اور تم خود علی الاعلان اس بات کا اعتراف کرتے ہو کہ ان سب کا خالق اللہ ہے تو پھر اپنی

مشکلات کے حل اور برکتوں کے حصول کے لئے بے خاصیت اور عقل وشعور سے عاری مخلوق یعنی بتوں کے دامن سے کیوں وابستہ ہو؟ اگر فرض کیا تم کہتے ہو کہ تخلیق و آفرینش کے معاملے میں ان کی شرکت ہے تو پھر اگر تم سچ کہتے ہو تو اس سے پہلے کوئی آسمانی کتاب جو تمہاری باتوں کی تصدیق کرے یا گذشتہ لوگوں کے علم کے آثار جو اس بات کی گواہی دیں میرے سامنے پیش کرو۔

(۵) اس آیت میں ان مشرکین کی گمراہی کی گہرائیوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس سے بڑھ کر اور کون گمراہ ہوسکتا ہے جو خدا کو چھوڑ کر کسی ایسی چیز کی پرستش کرے جو اس کی پکار کا قیامت تک جواب ہی نہ دے سکے۔

نہ صرف ان کے بلاوے کا جواب نہیں دیتے بلکہ ان کی باتوں کو بھی بالکل نہیں سن پاتے۔ اور وہ ان کی دعا اور ندا سے بھی بالکل غافل ہیں۔

(۶) اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہوگی کہ جب مشرک لوگ قیامت کے دن جمع کئے جائیں گے تو وہ معبود ان کے دشمن ہوجائیں گے۔ حتیٰ کہ ان کی عبادت کا بھی انکار کریں گے۔

جو معبود صاحبان عقل ہیں وہ تو باقدعدہ طور پر ان سے دشمنی کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے عبادت گزاروں سے برأت کا اظہار کریں گے اور فرشتے بھی اسی طرح کریں گے، حتیٰ کہ شیاطین اور جنات بھی ان سے نفرت اور بیزاری کا اظہار کریں گے۔ اور جو بے عقل چیزیں ہیں خدا تعالیٰ انہیں بھی زندگی اور عقل عطا فرمائے گا تا کہ وہ لب کشائی کر کے اپنے عابدوں سے دشمنی اور نفرت کا اظہار کریں۔

(۷) وَ اِذَا تُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمۡ ۙ ہٰذَا سِحۡرٌ مُّبِیۡنٌ ؕ	اور جب ہماری واضح آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کفار اس حق کے بارے میں، جو ان کے لئے آچکا ہے، کہتے ہیں: ''یہ تو کھلم کھلا جادو ہے''۔
(۸) اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ؕ قُلۡ اِنِ افۡتَرَیۡتُہٗ فَلَا تَمۡلِکُوۡنَ لِیۡ مِنَ اللّٰہِ شَیۡئًا ؕ ہُوَ اَعۡلَمُ بِمَا تُفِیۡضُوۡنَ فِیۡہِ ؕ کَفٰی بِہٖ شَہِیۡدًاۢ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَکُمۡ ؕ وَ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ	بلکہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے ان آیات کی خدا کی طرف جھوٹی نسبت دی ہے۔ پس کہہ دو کہ اگر میں نے جھوٹی نسبت دی ہے تو تم خدا کے سامنے میرا دفاع نہیں کرسکو گے۔ وہ ان کاموں کو بہتر جانتا ہے جن میں تم داخل ہوتے ہو۔ یہی بات کافی ہے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور وہی بڑا بخشنے والا، اور مہربان ہے۔

(۹) قُلۡ مَا كُنۡتُ بِدۡعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَاۤ اَدۡرِیۡ مَا یُفۡعَلُ بِیۡ وَ لَا بِكُمۡ ؕ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ وَ مَاۤ اَنَا اِلَّا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ	(اے رسول) کہہ دیجئے کہ میں نیا رسول نہیں ہوں اور میں نہیں جانتا کہ (خدا) میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا (سلوک) کرے گا؟ میں تو صرف اسی بات کی پیروی کروں گا جو مجھ پر وحی ہوتی ہے اور میں تو بس علانیہ طور پر ڈرانے والا ہوں۔
(۱۰) قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَ كَفَرۡتُمۡ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی مِثۡلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسۡتَكۡبَرۡتُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ۠	یہ بھی کہہ دیجئے کہ مجھے یہ بتاؤ کہ اگر یہ (قرآن) خدا کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کر بیٹھو، حالانکہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس کی گواہی بھی دے دے اور ایمان بھی لے آئے اور تم تکبّر کر بیٹھے (تو تم سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا) خدا عالم ظالم قوم کو (ہرگز) ہدایت نہیں کرتا۔

تفسیر

کہہ دیجئے میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں

یہ آیات بھی حسب سابق مشرکین کی کیفیت بیان کر رہی ہیں اور آیات خداوندی کے ساتھ ان کے برتاؤ کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے جب ہماری واضح آیتیں ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کفار اس حق کے بارے میں جو ان کے لئے آ چکا ہے کہتے ہیں یہ تو کھلم کھلا جادو ہے۔

قرآن پاک کی اس تاثیر کو گمراہ کن تفسیر کے ساتھ کھلم کھلا جادو کا نام دیتے تھے، جو بذات خود ان کا درپردہ ایک قسم کا یہ اعتراف تھا کہ قرآن انسانی قلوب میں انتہائی زیادہ تاثیر رکھتا ہے۔ بنا بریں مندرجہ بالا آیت میں لفظ ''حق'' انہی قرآنی آیات کی طرف اشارہ ہے۔

(۸) لیکن انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک قدم اور آگے بڑھ گئے اور کھلے بندوں کہتے ہیں اس نے ان آیات کو خدا کی طرف جھوٹی نسبت دی ہے۔

اس موقع پر خداوند عالم اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کا منہ توڑ جواب دیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ ان سے کہہ دے اگر ایسا ہی ہے جیسے تم سمجھتے ہو اور میں نے اس قرآن کو خدا کی طرف جھوٹ منسوب کر دیا ہے، تو لازم ہے کہ وہ مجھے رسوا کرے اور تم

لوگ خدا کے سامنے میرا دفاع نہیں کرسکو گے۔

یہ بات کیسے ہوسکتی ہے کہ خداوند عالم ان آیات بینات اوراس جاودانی معجزے کوکسی جھوٹے شخص کے ہاتھوں پر ظاہر کرے؟ یہ بات خدا کی حکمت اوراس کے لطف سے بعید ہے۔

پھران کی تنبیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے۔لیکن خداان کاموں کودوسرے لوگوں سے بہتر جانتا ہے جن میں تم داخل ہوتے ہو اور وقت آنے پر تمہیں سخت سزادے گا۔

بعد کے جملے میں اس بات کومزید زوردے کر بیان کیا جارہا ہےلیکن کچھ اور لہجے میں یہی بات کافی ہے کہ خدا میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔

وہ رسالت کی دعوت وتبلیغ کے سلسلے میں میرے صدق وصفا،میری سعی وکوشش اور میری تگ ودوکوبھی جانتا ہےاورتمہارے کذب وافتراء،تمہاری ریشہ دوانیوں اور سیاہ کاریوں کوبھی دیکھ رہا ہے۔اوریہی چیز میرے اورتمہارے لئے کافی ہے۔

البتہ انہیں توبہ اورراہ راست پرآجانے کی راہنمائی کے طور پر فرمایا گیا ہے۔وہ غفوربھی ہے اوررحیم بھی بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

وہ توبہ کرنے والوں کوبخش دیتا ہےاورانہیں اپنی رحمت کی وسعت میں شامل فرمالیتا ہے۔

(۹)اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہہ دے کہ میں کوئی نیارسول نہیں ہوں جودوسرے رسولوں سے مختلف ہو۔

اورکیا میں نہیں جانتا کہ خدا میرے ساتھ کیا کرے گااورتمہارے ساتھ کیا کرے گا۔

میں توصرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جومجھ پروحی کی جاتی ہے۔

اورمیں توبس اعلانیہ طور پرڈرانے والا ہوں۔

(۱۰)اسی سلسلے کی آخری آیت میں گذشتہ آیات میں مذکورگفتگو کے طور پر فرمایا گیا ہے:

یہ بھی کہہ دے کہ مجھے یہ توبتاؤ کہ اگر یہ قرآن خدا کی طرف سے ہواورتم اس کاانکار کربیٹھو،حالانکہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ اس کی گواہی بھی دے دےاورایمان بھی لے آئے اورتم تکبر کرتے ہوئے اس کے آگے نہ جھکے توتم سے بڑھ کراورکون شخص گمراہ ہوگا؟ یقینی بات ہے کہ خدا ظالم قوم کوہدایت نہیں کرتا۔

اس بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے کہ وہ گواہ کون تھا جس نے قرآن کی حقانیت کے خلاف گواہی دی۔اکثر مفسرین کے درمیان جوقابل قبول ہے وہ یہ ہے کہ یہ گواہ یہود کامشہور عالم عبداللہ بن سلام تھا جومدینہ میں اسلام لایا اورمسلمین کی صف میں شامل ہوگیا۔

(۱۱)وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَوۡ کَانَ خَیۡرًا مَّا سَبَقُوۡنَاۤ اِلَیۡہِ ؕ وَ اِذۡ لَمۡ یَہۡتَدُوۡا بِہٖ فَسَیَقُوۡلُوۡنَ ہٰذَاۤ اِفۡکٌ قَدِیۡمٌ	اور کافر مومنوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ اگر(دین اسلام) بہتر چیز ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے سبقت حاصل نہ کر جاتے اور جب خود وہ اس کے ذریعے سے ہدایت نہیں پاتے تو کہتے ہیں کہ یہ تو ایک پرانا جھوٹ ہے،
(۱۲)وَ مِنۡ قَبۡلِہٖ کِتٰبُ مُوۡسٰۤی اِمَامًا وَّ رَحۡمَۃً ؕ وَ ہٰذَا کِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِیًّا لِّیُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ٭ۖ وَ بُشۡرٰی لِلۡمُحۡسِنِیۡنَ ۚ	اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی اور یہ وہ کتاب ہے جو تورات کی نشانیوں سے ہم آہنگ ہے، فصیح اور واضح عربی زبان میں ہے تا کہ ظالموں کو ڈرائے اور نیکوکاروں کو خوشخبری دے۔
(۱۳)اِنَّ الَّذِیۡنَ قَالُوۡا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسۡتَقَامُوۡا فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۚ	بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ اس پر قائم رہے، تو ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
(۱۴)اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ خٰلِدِیۡنَ فِیۡہَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ	وہی تو اہلِ جنت ہیں کہ جو اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ انجام دیتے رہے۔

شان نزول

اسلام کی دعوت غرباء، فقراء اور بادیہ نشین لوگوں میں بہت مقبول ہوگئی اور ان لوگوں نے بڑی تیزی سے اس کا کھلے دل سے استقبال کیا کیونکہ ایک تو ان کے ناجائز مفادات نہیں تھے جن کو کوئی خطرہ لاحق ہوتا۔ دوسرے ان کے دماغ میں تکبر اور غرور کی ہوا نہیں تھی اور تیسرے خوشحال، عیاش اور ہوس پرست طبقے کی نسبت ان کا دل زیادہ پاک اور صاف تھا۔

ایسے غریب غرباء کی طرف سے اسلام کا اس قدر گرم جوشی کے ساتھ استقبال اس دین الٰہی کے طاقت ور ہونے کا ایک واضح ثبوت تھا جسے مغرور اور متکبر لوگوں نے اس کی بہت بڑی کمزوری پر محمول کیا اور کہنے لگے کہ یہ کیسا دین ہے جس کے پیروکار مٹھی بھر بادیہ نشین، غریب غرباء، فقیر فقراء اور کنیز وغلام ہیں۔ اگر یہ کوئی معقول مکتب فکر ہوتا تو اسے نچلی سطح کے لوگ اور معاشرے کے پست افراد ہرگز نہ اپناتے اور ہم جو کہ بالائی سطح کے افراد اور معاشرے کے چشم و چراغ ہیں کبھی پیچھے نہ رہتے۔

تفسیر

کامیابی کی دوشرطیں

یہ آیات بھی حسب سابق کفار کے اعمال وگفتار اوران گمراہی کوزیر بحث لاکران کی نکوہش کررہی ہیں۔ پہلے توان کی غرور آمیز اورکسی منطق سے عاری گفتگو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور کافرلوگوں نے مومنوں کے بارے میں کہا ہے کہ اگر ایمان اوراسلام کوئی اچھی چیز ہوتے تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے ہرگز سبقت حاصل نہ کرجاتے۔

یہ مٹھی بھرلوگ یاتو فقیر و بے بضاعت ہیں یا پھر دیہاتی، غلام اوراجڈ اور یہ بات کیونکر ممکن ہے کہ وہ حق کو سمجھ جائیں اوراس کی طرف متوجہ ہوجائیں اورہم جو کہ اس معاشرے کے چشم وچراغ ہیں اس بات سے غافل اور بے خبررہ جائیں۔

لہٰذا آیت کے آخر میں اس لطیف پیرائے میں انہیں جواب دیا گیا ہے چونکہ وہ خودقرآن کے ذریعے ہدایت نہیں پاتے تو بڑی جلدی کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو ایک پرانا جھوٹ ہے۔

یعنی انہوں نے خودقرآن سے ہدایت حاصل نہیں کی ورنہ قرآن میں توہدایت کی کمی نہیں ہے۔

(۱۲) پھرایک اوردلیل کو بیان کیا جارہا ہے جوقرآن کی حقانیت کے ثبوت اورمشرکین کی اس تہمت کی نفی کے لئے ہیں جو وہ کہتے تھے کہ یہ ایک قدیمی جھوٹ ہے ارشاد ہوتا ہے۔ اس عظیم کتاب کی صداقت کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ کی وہ کتاب خدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے جولوگوں کی پیشوا اوررحمت تھی اوراس نے اپنے بعد کے انبیاء کی اوصاف کو بیان کیا ہے اور یہ قرآن بھی ایسی کتاب ہے جوتورات میں مذکورنشانیوں سے ہم آہنگ ہے۔

توپھرتم یہ کیسے کہتے ہوکہ یہ ایک قدیمی جھوٹ ہے۔

اس کے فورابعد فرمایا گیا ہے یہ اس حالت میں ہے کہ یہ آسمانی کتاب فصیح اورواضح عربی زبان میں ہے جس سے تمام لوگ بہرہ در ہوتے ہیں۔

آیت کے آخر میں نزول قرآن کے آخری مقصد کو دومختصر سے جملوں میں اس طرح واضح کرتا ہے مقصد یہ ہے کہ ظالموں کو ڈرائے اورنیکوکاروں کوخوشخبری دے۔

(۱۳) اس آیت درحقیقت محسنین نیکوکاروں کی تفسیر ہے جوگذشتہ آیت میں مذکور ہے۔ ارشاد ہوتا ہے جنہوں نے کہا ہمارا پروردگار اللہ ہے پھروہ اس پر قائم رہے تو نہ ان کو کچھ خوف ہوگا اورنہ وہ غمگین ہوں گے۔

بنابرین محسنین وہ لوگ ہیں جواعتقادی لحاظ سے توحید کے راستے پر اورعملی لحاظ سے صبرواستقامت کی بنیادوں پر قائم ہیں۔

(۱۴) اس آیت میں توحید پرست نیکوکاروں کو اہم ترین بشارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے وہی تو اہل جنت ہیں کہ جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہ ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ انجام دیتے رہے۔

(۱۵)وَ وَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡهِ اِحۡسَانًا ؕ حَمَلَتۡهُ اُمُّهٗ كُرۡهًا وَّ وَضَعَتۡهُ كُرۡهًا ؕ وَ حَمۡلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوۡنَ شَهۡرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَةً ۙ قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡكُرَ نِعۡمَتَكَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَ اَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰىهُ وَ اَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۚؕ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡكَ وَ اِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ	اور ہم نے انسان کو نصیحت کی کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرے۔اس کی ماں تکلیف کی حالت میں اسے اپنے شکم میں رکھتی ہے، پھر تکلیف ہی سے اسے جنم دیتی ہے اس کا شکمِ مادر میں رہنا اوراس کی دودھ بڑھائی کی مدت تیس مہینے ہوئے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری جوانی وکمالِ قدرت کو پہنچتا ہے، چالیس برس کے سن میں داخل ہوتا ہے تو کہتا ہے: خداوند! مجھے توفیق عطا فرما کہ تو نے جو احسانات مجھ پر اور میرے والدین پر کئے ہیں ان کا شکر بجالاؤں اور ایسا نیک کام کروں جسے تو پسند فرمائے ، نیز میری اولاد کو صالح بنا، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں اور میں یقیناً فرمانبرداروں میں سے ہوں۔
(۱۶)اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ نَتَقَبَّلُ عَنۡهُمۡ اَحۡسَنَ مَا عَمِلُوۡا وَ نَتَجَاوَزُ عَنۡ سَیِّاٰتِهِمۡ فِیۡۤ اَصۡحٰبِ الۡجَنَّةِ ؕ وَعۡدَ الصِّدۡقِ الَّذِیۡ كَانُوۡا یُوۡعَدُوۡنَ	یہی وہ لوگ ہیں جن کے بہترین اعمال ہم قبول کرتے ہیں، ان کے گناہوں سے درگزر کرتے ہیں اوران کا مقام اہل بہشت میں ہے۔ یہ وہ سچا وعدہ ہے جوان سے کیا جاتا ہے۔

تفسیر

والدین سے نیکی کا حکم

یہ اور بعد کی آیات درحقیقت وہ وضاحت ہے جس کا گذشتہ آیات میں ظالموں اور محسنین کے بارے میں اجمالی طور پر تذکرہ ہو چکا ہے۔

سب سے پہلے نیکوکاروں کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے۔اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے اوران کی زحمات کا شکریہ ادا

کرنے سے بات شروع کی گئی ہے جو شکر پرودگار کا مقدمہ ہے۔ارشاد ہوتا ہے ہم نے انسان کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ سے نیکی کرے۔

پھر ماں کے حقوق کی اولیت کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا گیا ہے اس کی ماں تکلیف کی حالت میں اسے پیٹ میں رکھتی ہے اور تکلیف ہی سے اسے جنم دیتی ہے اور اس کا پیٹ میں رہنا اور اس کی دودھ بڑھائی کی مدت تیس مہینے ہے۔

اس تیس مہینے کی مدت میں ماں اپنے بچے کے بارے میں بہت بڑی فداکاری اور ایثار کا مظاہرہ کرتی ہے۔

قرآن مجید نے یہاں صرف ماں کی مشکلات کو بیان کیا ہے اور باپ کا تذکرہ نہیں کیا اس لئے نہیں کہ باپ کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی کیونکہ ان میں بہت سی مشکلات میں باپ بھی ماں کے ساتھ شریک ہوتا ہے۔لیکن چونکہ ماں کا حصہ زیادہ ہوتا ہے لہٰذا ماں کے تذکرے کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔

حتمی طور پر قرآنی تعبیر سے یہ بات بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ حمل کی مدت سے جس قدر عرصہ کم کیا جائے گا بچے کی رضاعت میں اسی قدر اس کا اضافہ کیا جائے گا تاکہ دونوں عرصہ مل کر تیس ماہ بن جائیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے انسانی زندگی اسی طرح جاری اور ساری رہتی ہے یہاں تک کہ وہ زمانہ پہنچ جاتا ہے جس میں وہ جسمانی طاقت کے لحاظ سے اپنے کمال کو پہنچ جاتا ہے اور چالیس برس کی حدود میں داخل ہوجاتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ:

''شیطان اپنا ہاتھ ان لوگوں کے چہرے پر پھیرتا ہے جو چالیس سال کی عمر کو تو پہنچ جاتے ہیں لیکن گناہوں سے توبہ نہیں کرتے اور کہتا ہے میرا باپ قربان جائے اس چہرے پر جو کبھی کامیاب نہیں ہوگا اور اس انسان کی پیشانی پر کامیابی کا نور نہیں چمک رہا''۔

بہرحال قرآن مجید سلسلہ گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتا ہے کہ جب لائق اور باایمان شخص چالیس سال کے سن کو پہنچتا ہے تو خدا سے تین چیزوں کی درخواست کرتا ہے سب سے پہلے تو کہتا ہے: خداوندا مجھے ہدایت عطا فرما اور توفیق دے کہ میں ان نعمتوں کا شکرادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمائی ہیں۔

اپنی دوسری درخواست میں رب العزت کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے۔خداوندا مجھے توفیق عطا فرما کہ نیک اعمال بجالاؤں ایسے اعمال جن سے تو راضی ہو۔

آخر میں تیسری درخواست ان الفاظ میں پیش کرتا ہے خداوندا میری اولاد اور میرے خاندان کو اصلاح کے راستے پر دوام عطا فرما۔

اور آیت کے آخر میں ان دو مطالب کو بیان کررہا ہے جو ایک دوسرے کے لئے موثر اور عملی امور ہیں کہتا ہے پروردگار میں اس عمر میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور توبہ کرتا ہے۔

میں ایسے مرحلہ پر پہنچ چکا ہوں کہ جس میں میری زندگی کے خطوط کو متعین ہونا چاہئے اور آخر العمر تک مجھے اسی طرح برقرار رہنا چاہئے۔اور یہ بھی کہتا ہے کہ میں یقیناً فرمانبرداروں میں ہوں۔

(۱۶) اس آیت میں اس مومن شکر گزار، صالح العمل اور توبہ کرنے والے گروہ کے اجر اور جزا کا واضح ذکر ہے اس میں تین اہم جزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔سب سے پہلے فرمایا گیا ہے یہی تو وہ لوگ ہیں جن کے بہترین اعمال ہم قبول فرمائیں گے۔

خداوند عالم ان کے بہترین اعمال کو قبولیت کا معیار قرار دیتا ہے حتیٰ کہ دوسرے درجے اور کم اہمیت کے اعمال کو بھی اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم سے پہلے درجے کے اعمال میں شمار کرتا ہے۔

خدا کی دوسری مہربانی ان کے گناہوں سے صرف نظر ہے ارشاد فرمایا گیا ہے ہم ان کے گناہوں سے درگزر کریں گے۔جبکہ ان کا مقام اہل بہشت میں ہے۔

خدا کی تیسری مہربانی ان کے ساتھ یہ ہوگی کہ باوجود ان کی لغزشوں کے اللہ تعالیٰ انہیں پاک وصاف کر کے نیک اور پاک لوگوں میں انہیں جگہ دے گا جو مقربان بارگاہ رب العزت ہوں گے۔

آیت کے آخر میں مذکورہ نعمتوں کی تاکید کے لئے فرمایا گیا ہے یہ وہ سچا وعدہ ہے جو ان سے کیا جاتا ہے۔

(۱۷) وَ الَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ اَتَعِدٰنِنِیْۤ اَنْ اُخْرَجَ وَ قَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِیْ ۚ وَ هُمَا یَسْتَغِیْثٰنِ اللّٰهَ وَیْلَكَ اٰمِنْ ۖۗ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚۖ فَیَقُوْلُ مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ	اور جو شخص اپنے ماں باپ سے کہتا ہے کہ تم پر اُف! کیا تم مجھے وعدہ دیتے ہو کہ میں قیامت کے دن اٹھایا جاؤں گا حالانکہ بہت سے لوگ مجھ سے پہلے گزر چکے (اور ہرگز نہیں اٹھائے گئے)؟ اور وہ دونوں ہمیشہ فریاد کرتے اور خدا سے مدد طلب کرتے رہتے ہیں کہ تجھ پر وائے ہو' ایمان لے آ، کیونکہ خدا کا وعدہ یقیناً سچا ہے لیکن وہ ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ یہ تو بس اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔
(۱۸) اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ حَقَّ عَلَیْهِمُ الْقَوْلُ فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِیْنَ	یہ لوگ بھی جنوں اور انسانوں کی انہی (کافر) امتوں میں شامل ہیں جو ان سے پہلے گذر چکی ہیں اور جن کے بارے میں عذاب کا وعدہ پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کیونکہ یہ سب لوگ گھاٹا اٹھانے والے تھے۔

(۱۹)وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۚ وَ لِيُوَفِّيَهُمْ اَعْمَالَهُمْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ	نیز لوگوں نے جیسے کام کئے ہوں گے انہی کے مطابق سب کے درجے ہوں گے تاکہ خدا انہیں ان کے اعمال بلاکم وکاست سپرد کر دے اوران پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تفسیر

والدین کے حقوق پائمال کرنے والے

گذشتہ آیات میں ان مومن لوگوں کا تذکرہ تھا جو ایمان، عمل صالح، حق کی نعمتوں کے شکرانے اور والدین اور اولاد کے حقوق کی ادائیگی کے ذریعے تقرب الٰہی کی راہوں پر گامزن ہوئے ہیں اوراس کے خالص لطف وکرم سے فیض یاب ہوتے ہیں۔لیکن زیرتفسیر آیات میں ان لوگوں کے بارے میں گفتگو ہورہی ہے جو بالکل ان کے برعکس ہیں یعنی بے ایمان، حق ناشناس اور ماں باپ کے نافرمان لوگ۔ارشاد ہوتا ہے:

''اور جو شخص اپنے ماں باپ سے کہتا ہے تم پر اف کیا تم مجھے وعید دیتے ہو کہ میں قیامت کے دن اٹھایا جاؤں گا حالانکہ مجھ سے پہلے بہت سے لوگ گزر چکے ہیں جو مر گئے، لیکن دوبارہ نہیں اٹھائے گئے''

لیکن والدین ایسے سرپھرے بیٹے کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتے اور وہ دونوں ہمیشہ فریاد کرتے ہیں اور خدا سے مدد طلب کرتے ہیں کہ اے بیٹا تجھ پر افسوس ہے ایمان لے آ، کیونکہ خدا کا وعدہ ضرور سچا ہے۔

مگر وہ ہے کہ اسی طرح اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہتا ہے۔اور اپنی سرکشی پر ڈٹا رہتا ہے۔وہ تکبر اور بڑی بے پرواہی سے کہتا ہے یہ تو بس اگلے لوگوں کے افسانے ہیں۔

یہ جو تم کہتے ہو کہ معاد وقیامت ہوگی اور حساب وکتاب ہوگا یہ سب خرافات ہیں اور گئے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں میں ان کے سامنے کبھی سر نہیں جھکاؤں گا۔

یقیناً دل سوز ماں باپ کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسے جہالت ونادانی کے گرداب سے نکال کر نجات کی راہوں پر لگا دیں تاکہ یہ فرزند دل بند خدا کے دردناک عذاب میں گرفتار نہ ہو لیکن وہ ہے کہ مسلسل اپنے کفر پر ڈٹا ہوا ہے اور اسی پر مصر ہے آخر کار ناچار وہ اسے چھوڑ دیتے ہیں۔

(۱۸) جس طرح گذشتہ آیات میں صالح الاعمال مومنین کی جزا کا تذکرہ تھا، اسی طرح یہاں پر گستاخ اور عقل کے اندھے کافروں کا انجام مذکورہ ہے۔ارشاد ہوتا ہے یہ لوگ جنوں اور انسانوں کی دوسرے کافر امتیں جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں، ان ہی میں شامل ہیں۔ان پر بھی عذاب کا وعدہ پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے۔اور یہ بھی دردناک عذاب میں گرفتار ہوں گے اور یہ بھی جہنمی ہیں۔کیونکہ

وہ سب لوگ نقصان اٹھانے والے تھے۔

اس سے بدتر گھاٹا اور کیا ہوگا کہ اپنا تمام سرمایہ حیات ضائع کرکے خدا کے غیظ وغضب کو خرید چکے ہیں۔

(۱۹) اسی سلسلے کی آخری آیت میں پہلے تو ان دونوں گروہوں کے مختلف درجات اور مراتب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کہتا ہے ان لوگوں نے جیسے کام کئے ہوں گے انہی کے مطابق سب کے درجے ہوں گے۔

ایسا ہرگز نہیں ہے کہ بہشتی یا جہنمی سب ایک ہی درجے پر فائز ہوں بلکہ وہ بھی اپنے اعمال کے تفاوت، خلوص نیت کے تناسب اور معرفت کے میزان کے لحاظ سے مختلف مقام رکھتے ہیں اور صحیح معنوں میں عدالت یہیں پر حکم فرما ہے۔

پھر فرمایا گیا ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے تاکہ خدا انہیں انکے اعمال بے کم وکاست دے دے۔

یہ تعبیر "**تجسم اعمال**" کے مسئلے کی طرف ایک اور اشارہ ہے کہ وہاں پر انسان کے اعمال خود اسی کے ساتھ ہوں گے۔ اس کے نیک اعمال اس کے لئے رحمت اور اطمینان کا موجب بنیں گے اور برے عمل بلا، اضطراب، رنج اور عذاب کا سبب۔

آخر میں تاکیدی طور پر فرمایا گیا ہے اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا جائے گا۔

کیونکہ وہ اپنے ہی اعمال کو پالیں گے تو پھر ظلم وستم کا تصور کیسا؟

(۲۰) وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ۠	جس دن کافر جہنم کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا: تم تو اپنی دنیوی زندگی میں مزے لوٹ چکے ہو اور اس سے بہرہ مند ہو چکے ہو، تو آج تمہیں ذلت بار عذاب سے سزا دی جائے گی اس لئے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے، نیز اس لئے بھی کہ تم گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔

تفسیر

زہد اور آخرت کا ذخیرہ

کفار ومجرمین کی سزا کے بارے میں یہ آیت بھی گذشتہ آیات کے مانند اسی سلسلے کو مزید وضاحت کے ساتھ بیان کر رہی ہے اور ان کے جسمانی اور روحانی عذاب کے چند گوشوں کو اجاگر کر رہی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے۔ جس دن کافر لوگ جہنم کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ تم اپنی دنیاوی زندگی میں مزے لوٹ چکے ہو اور اس سے بہرہ مند ہو چکے ہو تو آج تم کو ذلت بار عذاب سے سزا دی جائے گی اس لئے کہ تم زمین میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس لئے بھی کہ تم گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔

جی ہاں! تم لذتوں میں غرق تھے اور اس دنیا کی مادی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہونے کے علاوہ تم اور کچھ نہیں جانتے تھے اور مادر پدر آزادی کی بناء پر تم معاد کا انکار کرتے تھے تاکہ تمہارے ہاتھ بالکل کھلے رہیں اور دنیاوی نعمتوں کے حصول میں تم دوسروں پر ہر طرح کا ظلم وستم روا رکھتے تھے۔ لہٰذا آج تم ان تمام ہوس رانیوں، خواہشات پرستیوں، ظلم وتکبر اور فسق وفجور کی سزا پاؤ۔

(۲۱) وَ اذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَ قَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ	(اے رسول) قومِ عاد کے بھائی (ہود کی داستان) انہیں یاد دلا۔ جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ڈرایا جبکہ ان سے پہلے بہت سے ڈرانے والے انبیاء ماضی قریب اور بعید میں گزر چکے تھے۔ (ہود نے قوم سے کہا) خدائے واحد کے سوا کسی کو عبادت نہ کرو، میں تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔
(۲۲) قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	وہ بولے: کیا تو اس لئے آیا ہے کہ (جھوٹ اور فریب کے ذریعہ) ہمیں ہمارے معبودوں سے پھیر دے؟ اگر تو سچ کہتا ہے تو جس عذاب کی ہمیں دھمکی دیتا ہے، اُسے لے آ۔
(۲۳) قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ٘ وَ اُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَ لٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ	(ہود نے) کہا: (سزا کے وقت کا) علم تو بس اللہ کے پاس ہے اور میں جو احکام دیکر بھیجا گیا ہوں وہ تمہیں پہنچائے دیتا ہوں۔ لیکن میں تمہیں ہمیشہ جہالت میں پڑی رہنے والی قوم پاتا ہوں۔
(۲۴) فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ	پس جب انہوں نے عذاب کو بادل کی صورت میں دیکھا کہ ان کے دروں اور ندی نالوں کی طرف امڈا آ رہا ہے تو خوشی خوشی کہنے لگے یہ تو بارش برسانے والا بادل ہے۔ (لیکن ان سے کہا گیا:) یہ وہی چیز ہے جس کے آنے کی تم جلدی کر رہے تھے۔ (یہ) وحشت ناک آندھی ہے جو دردناک عذاب کی حامل ہے۔

(۲۵) تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ	جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تباہ و برباد کر دے گی۔ پس صبح ہوئی تو ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔ ہم گناہگار لوگوں کو یونہی سزا دیا کرتے ہیں۔

تفسیر

قوم عاد اور تباہ کن آندھی

قرآن مجید کلی حقائق کو بیان کرنے کے بعد ان کے قابل ذکر مصداق بیان کرتا ہے تاکہ وہ کلی حقائق سامنے آ جائیں، لہٰذا یہاں پر بھی سرکش متکبرین اور ہوس پرست متکبرین کے احوال کی وضاحت قوم عاد کی مثال سے لی گئی ہے جو ایک واضح نمونہ ہے ارشاد ہوتا ہے مکہ کے ان مشرکین کو قوم عاد کے بھائی ہود کی سرگزشت یاد دلا۔

پھر فرمایا گیا ہے جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمین احقاف میں ڈرایا، جب کہ ان سے پہلے ماضی قریب اور بعید میں بہت سے انبیاء گزر چکے تھے جنہوں نے اپنی قوم کو ڈرایا تھا۔

''و قد خلت النذر و من خلفه'' (ڈرانے والے انبیاء جو ہود علیہ السلام کے آگے پیچھے آ چکے تھے) یہ ان انبیاء کی طرف اشارہ ہے جو ان سے پہلے مبعوث ہو چکے تھے۔ کچھ تو بہت کم مدت کے فاصلے سے آئے تھے، جن کے بارے میں قرآن نے ''من بین یدیه'' کہا ہے اور کچھ بہت زیادہ مدت کے فاصلے سے کہ جنہیں ان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ہود علیہ السلام نے ان سے کہا خدائے واحد کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو پھر انہیں متنبہ کرتے ہوئے مزید کہا میں تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

(۲۲) لیکن اس ہٹ دھرم اور سرکش قوم نے خدا کی اس دعوت کے مقابلے کی ٹھان لی اور حضرت ہود علیہ السلام سے اس قوم کے افراد بولے کیا تو اس لئے آیا ہے کہ ہمیں جھوٹ اور فریب کے ذریعے ہمارے خداؤں سے پھیر دے۔

تو اگر سچ کہتا ہے تو جس عذاب کی ہمیں دھمکی دیتا ہے اسے لے آ۔

(۲۳) لیکن ہود علیہ السلام نے اس احمقانہ تقاضے کے جواب میں ان سے کہا علم تو صرف خدا کے پاس ہے۔

وہی بہتر جانتا ہے کہ کب اور جن حالات میں وہ تباہ کن عذاب کو نازل کرے اس سے نہ تو تمہارے تقاضوں کا تعلق ہے اور نہ ہی میرے ارادے اور اختیار کو اس میں کچھ دخل ہے۔

پھر فرماتے ہیں میرا کام تو صرف یہ ہے کہ میں جو احکام دے کر بھیجا گیا ہوں وہ تم تک پہنچائے دیتا ہوں۔

لیکن میں تمہیں دیکھ رہا ہے کہ تم ہمیشہ جہالت اور نادانی میں پڑی رہنے والی قوم ہو۔

تمہاری بدبختی کا اصل سرچشمہ بھی یہی جہالت ہے اور جہالت بھی ایسی جس میں ہٹ دھرمی، تکبر اور غرور پایا جاتا ہے اور وہ تمہیں خدا کے بھیجے ہوئے بندوں کی دعوت کا مطالعہ کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

(۲۴) سرانجام ہود علیہ السلام کی تمام نصیحتوں اور برادارانہ شفقت اور رہبری ان سنگدلوں پر کچھ اثر نہ کرسکی اور وہ حق کو قبول کرنے کے بجائے اپنے باطل عقیدے پر بڑی ہٹ دھرمی کے ساتھ ڈٹے رہے حتیٰ کہ نوح علیہ السلام کی بھی لوگ ان الفاظ کے ساتھ تکذیب کرتے تھے کہ اگر سچ کہتے ہو تو جس عذاب کا وعدہ کیا ہے وہ کیا ہوا؟

اب جب کہ کافی اتمام حجت ہو چکی اور انہوں نے زندہ رہنے کی عدم اہلیت کا ثبوت فراہم کر دیا تو حکمت الٰہی بھی اس بات پر آمادہ ہوگئی کہ ان پر استیصالی عذاب یعنی تباہ کن عذاب نازل کرے۔

انہوں نے اچانک دیکھا تو افق پر ایک ابر ظاہر ہوا اور بہت جلد پورے آسمان پر پھیل گیا۔

جب انہوں نے اسے بادل کی صورت میں دیکھا کہ ان کے دروں اور ندی نالوں کی طرف امڈا آرہا ہے۔ تو خوشی خوشی کہنے لگے یہ تو بارش برسانے والا بادل ہے۔

لیکن بہت جلد انہیں بتا دیا گیا کہ یہ بارش برسانے والے بادل نہیں ہیں یہ تو وہی وحشت ناک عذاب ہے جس کے آنے کی تم جلدی مچا رہے تھے۔ یہ وہ وحشت ناک آندھی ہے جو دردناک عذاب کی حامل ہے۔

بظاہر یہ بات کہنے والا خود خداوند بزرگ و برتر ہے یا پھر حضرت ہود علیہ السلام ہیں جب ان کی خوشی کے نعرے سنے تو ان سے یہ کہا گیا۔

(۲۵) جی ہاں! یہ تباہ کن آندھی ہے۔ جو اپنے پروردگار کے حکم سے ہر چیز کو تباہ و برباد کردے گی۔

ہر چیز سے مراد انسان، چوپائے اور ان کے اموال ہیں، کیونکہ بعد کے جملے میں فرمایا گیا ہے تو ایسے عالم میں ان کی صبح ہوئی کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے گھر تو صحیح سالم تھے لیکن وہ خود ہلاک ہو گئے اور ان کے اجسام اور اموال بھی تیز و تند آندھی سے ذریعے دور دراز کے جنگلوں، بیابانوں یا پھر سمندر میں پھینک دیئے گئے۔

آخر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ یہ انجام اس گمراہ قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہم گناہگار لوگوں کو یونہی سزا دیا کرتے ہیں۔

یہ ایک تنبیہ ہے کہ تمام مجرموں، گناہگاروں، کافروں، ہٹ دھرم لوگوں اور خودغرض افراد کے لئے اگر تم بھی اس راہ پر چلو گے تو تمہارا انجام بھی ان لوگوں سے قطعاً بہتر نہیں ہوگا۔

(۲۶)وَ لَقَدْ مَكَّنّٰهُمْ فِيْمَآ اِنْ مَّكَّنّٰكُمْ فِيْهِ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَّ اَبْصَارًا وَّ اَفْئِدَةً ۖ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَ لَآ اَبْصَارُهُمْ وَ لَآ اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَيْءٍ اِذْ كَانُوْا يَجْحَدُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ حَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۧ	اور ہم نے اِن (قومِ عاد کے افراد) کو وہ قدرت دی جو تمہیں نہیں دی۔ ان کے لئے کان، آنکھ اور دل بنائے تھے (لیکن نزولِ عذاب کے وقت) انہیں ان کی آنکھوں، کانوں، اور عقلوں نے کچھ فائدہ نہ دیا۔ کیوں کہ وہ خدائی آیات کا انکار کرتے تھے۔ آخر کار جس چیز کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اس نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا۔
(۲۷)وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَ صَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ	اور ہم نے تمہارے اردگرد کی قوموں کو ہلاک کر دیا اور اپنی نشانیوں کو مختلف صورتوں میں ان کے سامنے بیان کیا تا کہ یہ لوگ باز آ جائیں۔
(۲۸)فَلَوْ لَا نَصَرَهُمُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُرْبَانًا اٰلِهَةً ۭ بَلْ ضَلُّوْا عَنْهُمْ ۚ وَ ذٰلِكَ اِفْكُهُمْ وَ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ	پس خدا کے سوا جنہیں ان لوگوں نے تقرب کے لئے معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان کی کیوں نہ مدد کی، بلکہ وہ تو ان سے گم ہو گئے؟ یہ تھا ان کے جھوٹ اور افترا پردازیوں کا نتیجہ۔

تفسیر

تم قوم عاد سے زیادہ طاقتور نہیں ہو

یہ آیات درحقیقت گذشتہ آیات کا نتیجہ بیان کر رہی ہیں جن میں قوم عاد کی دردناک سزا کی گفتگو کی گئی تھی مشرکین مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ہم نے قوم عاد کو وہ طاقت دی تھی جو تم کو نہیں دی۔

وہ جسمانی لحاظ سے بھی تم سے زیادہ طاقت ور تھے اور مال و دولت اور مادی مسائل کے لحاظ سے بھی۔

اس کے باوجود وہ لوگ تم سے طاقت میں کئی گناہ زیادہ تھے وہ خدا کی سزا کے طوفان کے سامنے نہ ٹھہر سکے تم کس باغ کی مولی ہو؟

پھر فرمایا گیا ہے ہم نے ان کے لئے کان اور آنکھ اور دل بنائے وہ حق کے ادراک میں نگاہ اور پہچان کے لحاظ سے بھی قوی اور طاقت ور تھے۔ لیکن نزول عذاب کے وقت انہیں ان کی آنکھوں، کانوں اور عقلوں نے کچھ فائدہ نہ دیا۔ کیونکہ وہ خدائی آیات کا انکار کرتے تھے۔

آخر کار جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے اس نے انہیں ہر طرف سے گھیر لیا۔

(۲۷) پھر بات کو زیادہ زور دے کر بیان کیا گیا ہے اور نصیحت آمیز انداز میں مشرکین مکہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے کہ نہ صرف قوم عاد بلکہ ہم نے تمہارے اردگرد کی سرکش قوموں کو بھی ہلاک کر ڈالا۔

جن قوموں کے علاقے تم سے زیادہ دور نہیں تقریباً جزیرہ نمائے عرب کے اردگرد ہی وہ آباد تھے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے اور ہم نے اپنی نشانیوں کو مختلف صورتوں میں ان سے بیان کیا تا کہ یہ لوگ باز آ جائیں

(۲۸) اسی سلسلے کی آخری آیت میں انہیں سرزنش کرتے ہوئے ان الفاظ کے ساتھ ان پر تنقید کی گئی ہے تو خدا کے سوا جن کو ان لوگوں نے تقرب خدا کے لئے معبود بنا رکھا تھا انہوں نے ان سخت اور حساس لحات میں ان کی کیوں مدد نہ کی؟

سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ برحق معبود ہوتے تو اپنے معبودوں کی ایسے سخت اور حساس لحات میں مدد کرتے اور ہولناک عذاب کے چنگل سے انہیں چھٹکارا دلاتے۔

پھر فرمایا گیا ہے۔ نہ صرف ان کی امداد نہیں کی بلکہ ان سے گم بھی ہو گئے۔

اس طرح کی بے حیثیت اور بے قیمت مخلوق جو نہ تو کسی کام کا مبداء ہے اور نہ ہی کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکتی ہے اور ہر طرح کے حادثے اور سانحے کے وقت غائب اور گم ہو جاتی ہے وہ کیونکہ عبادت کے لائق ہو سکتی ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے یہ تھا ان کے جھوٹ اور افتراء پردازیوں کا نتیجہ۔

یہ ہلاکت اور بدبختی، یہ دردناک عذاب اور مصیبت کے موقع پر معبودوں کا گم ہو جانا ان کے جھوٹ اور افتراء پردازیوں ہی کا نتیجہ ہیں۔

(۲۹) وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ	اور اس وقت کو یاد کر جب ہم نے جنّوں میں سے ایک گروہ کو تیری طرف متوجہ کیا کہ قرآن سنیں۔ پھر جب وہ حاضر ہوئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے: خاموش ہو کر سنتے رہو۔ جب (قرآن) تمام ہوا تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے اور انہیں جا کر ڈرایا۔
(۳۰) قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ	انہوں نے کہا: اے قوم! ہم ایک (ایسی) کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے، اپنے سے پہلے کتابوں کی نشانیوں سے ہم آہنگ ہے اور حق کی طرف اور سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتی ہے۔

(۳۱)یٰقَوۡمَنَاۤ اَجِیۡبُوۡا دَاعِیَ اللّٰہِ وَ اٰمِنُوۡا بِہٖ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِکُمۡ وَ یُجِرۡکُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ	اے ہماری قوم! خدا کی طرف بلانے والے کی بات مانو اور اس پر ایمان لے آؤ تاکہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ دے۔
(۳۲)وَ مَنۡ لَّا یُجِبۡ دَاعِیَ اللّٰہِ فَلَیۡسَ بِمُعۡجِزٍ فِی الۡاَرۡضِ وَ لَیۡسَ لَہٗ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اَوۡلِیَآءُ ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ	اور جو شخص خدا کی طرف بلانے والے کی بات مانے گا وہ ہرگز خدا کے عذاب سے زمین میں فرار نہیں کرسکتا اور خدا کے علاوہ اس کا کوئی سرپرست اور مددگار نہیں ہوگا اور ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

تفسیر

جنات ایمان لاتے ہیں

ان آیات میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آسمانی کتاب پر جنات کے ایمان لانے کا ذکر تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔

قوم ہود کی داستان درحقیقت مشرکین مکہ کے لئے ایک زبردست تنبیہ کی حیثیت رکھتی تھی اور قوم جن کے ایمان لانے کی داستان ایک اور تنبیہ تھی۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے اس وقت کو یاد کر جب ہم نے جنوں میں سے ایک گروہ کو تیری طرف متوجہ کیا کہ دل لگا کر قرآن سنیں۔

پھر فرمایا گیا ہے جب وہ قرآن کے سامنے حاضر ہوئے اور اس کی روح پرور آیات کو سنا تو ایک دوسرے سے کہنے لگے خاموش ہو کر سنتے رہو۔

یہ اس وقت تھا جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نصف شب میں یا نماز صبح کے دوران قرآنی آیات کی تلاوت کر رہے تھے۔

آخر الامر جب نور ایمان ان کے دل میں چمک اٹھا تو انہوں نے آیات قرآنی کی حقانیت کو اپنے اندر محسوس کرلیا۔لہٰذا جب قرآن پڑھنا تمام ہوا تو وہ مبلغین کے مانند اپنی قوم کی طرف واپس آگئے اور اسے جا کر ڈرایا اور جو حقیقت ان پر نمایاں ہوگئی تھی اس سے قوم کو آگاہ کیا۔

(۳۰) یہ آیت قوم کی طرف پلٹ جانے کے بعد ان جنوں کی دعوت و تبلیغ کی کیفیت بیان کر رہی ہے۔ایسی دعوت جو جامع، نپی تلی، مختصر اور بامعنی ہے انہوں نے کہا اے قوم ہم ایک کتاب سن کر آئے ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہے۔

اس کتاب کی کچھ مخصوص صفات ہیں پہلی صفت تو یہ ہے کہ اپنے سے پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے مضامین ان کے مضامین سے ہم آہنگ ہیں اور سابقہ کتابوں میں جو نشانیاں بیان کی گئی ہیں وہ اس میں بخوبی دیکھی جا سکتی ہیں۔

اس کی دوسری صفت یہ ہے کہ سب کو حق کی طرف ہدایت کرتی ہے۔

وہ یوں کہ جو شخص بھی اپنی عقل اور فطرت سے کام لے اسے اس میں حقانیت کی علامتیں بخوبی نظر آئیں گی۔

اس کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتی ہے۔

(۳۱) انہوں نے پھر کہا اے ہماری قوم خدا کی طرف بلانے والے کی بات مانو اور اس پر ایمان لے آؤ۔

کہ وہ تمہیں عظیم اجر عطا فرمائے گا۔ تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور تمہیں دردناک عذاب سے پناہ میں رکھے گا۔

(۳۲) اس سلسلے کی آخری آیت میں جن مبلغین کی آخری گفتگو کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا اور جو شخص خدا کی طرف بلانے والے کی بات نہیں مانے گا وہ ہرگز خدا کے عذاب سے زمین میں قرار نہیں کر سکتا۔

اور خدا کے علاوہ اس کا کوئی یار و مددگار اور سرپرست نہیں ہوگا۔

اور لہٰذا یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اس سے بڑھ کر اور کیا بدترین اور واضح ترین گمراہی ہوگی کہ انسان حق اور پیغمبر خدا حتٰی کہ خود خدا کے مقابلے پر کمر بستہ ہو جائے کہ جس کے بغیر پوری کائنات میں نہ تو کوئی پناہ گاہ ہے اور نہ ہی اس کے ملک سے فرار کر کے کہیں اور جا سکتا ہے۔

(۳۳) اَوَ لَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ لَمۡ يَعۡىَ بِخَلۡقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنۡ يُّحۡیِۦَ الۡمَوۡتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ	کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ جس خدا نے سارے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے ذرا بھی عاجز نہیں ہُوا، وہ اس بات پر قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کرے؟ وہ یقیناً ہر چیز پر قادر ہے۔
(۳۴) وَ يَوۡمَ يُعۡرَضُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا عَلَى النَّارِ ؕ اَلَيۡسَ هٰذَا بِالۡحَقِّ ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡفُرُوۡنَ	اس دن کا سوچو جس دن کفار آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے (تو ان سے کہا جائے گا:) کیا یہ برحق نہیں ہے؟ تو وہ لوگ کہیں گے: بالکل! ہمارے پروردگار کی قسم! (کہ برحق ہے۔ تو اسوقت) فرمائے گا: تو لو اب اپنے انکار و کفر کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو۔

(۳۵)فَاصۡبِرۡ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الۡعَزۡمِ مِنَ الرُّسُلِ وَ لَا تَسۡتَعۡجِلۡ لَّهُمۡ ؕ کَاَنَّهُمۡ یَوۡمَ یَرَوۡنَ مَا یُوۡعَدُوۡنَ ۙ لَمۡ یَلۡبَثُوۡۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنۡ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلۡ یُهۡلَکُ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡفٰسِقُوۡنَ	بنابریں جس طرح اولوالعزم پیغمبر صبر کرتے رہے تم بھی اس طرح صبر کرو اور ان کے (عذاب کے) لئے تعجیل نہ کرو، جس دن وہ ان وعدوں کو دیکھیں گے، جو ان سے کئے گئے تھے، تو انہیں معلوم ہو جائے گا گویا ایک دن (صرف) میں گھڑی بھر دنیا میں رہے ہیں۔ یہ ابلاغ ہے سب لوگوں کے لئے، تو کیا فاسقوں کے سوا اور کوئی ہلاک ہوگا؟

تفسیر

اولوالعزم پیغمبروں کی طرح صبر کریں

یہ آیات جو سورہ احقاف کی آخری آیتیں ہیں معاد کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں کیونکہ ایک تو گذشتہ آخری آیات میں جنوں کے مبلغین کی زبانی معاد کی بات ہوئی تھی اور دوسرے سورہ احقاف کے ابتدائی حصوں میں توحید عظمت قرآن مجید اور پیغمبر السلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے اثبات کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے اور اس سورت کے آخری حصے میں معاد کے مسئلے کو پیش کیا جا رہا ہے۔ اس طرح سے تینوں اعتقادی اصولوں کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ سب سے پہلے فرمایا گیا ہے کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ جس خدا نے سارے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے ذرا بھی تھکا نہیں اور نہ ہی عاجز ہوا وہ اس بات پر قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کرے، یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ امکان معاد پر ایک نہایت دندان شکن دلیل ہے۔

(۳۴) اس آیت میں گناہگاروں اور معاد کے منکروں کے دردناک سزا کے منظر کو مجسم کر کے فرمایا گیا ہے۔

اس دن کا سوچ کہ جس دن کفار آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔

جی ہاں! کبھی تو دوزخ کو کافروں اور گناہگاروں کے سامنے لایا جائے گا اور کبھی گناہگاروں اور کافروں کو دوزخ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور ہر ایک کا اپنا خاص مقصد ہوگا جن کے بارے میں چند آیات پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے۔

جب کفار کو جہنم کے سامنے پیش کیا جائے گا اور وہ جہنم کے جھلسانے والے کوہ پیکر اور وحشت ناک شعلوں کو دیکھیں گے تو ان سے کہا جائے گا کیا یہ برحق نہیں۔

آیا آج بھی قیامت خدا کی عدالت اور اس کی سزا و جزا کا انکار کر سکتے ہو؟ اب بتاؤ کہ کیا یہ گذشتہ لوگوں کے خرافات پر مبنی قصے کہانیاں ہیں؟

انہیں اعتراف کے سوا کوئی اور صورت نظر نہیں آئے گی لہذا کہیں گے بالکل ہمارے پروردگار کی قسم برحق ہے اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں، ہم خود گمراہ تھے کہ اسے ناحق سمجھتے تھے۔

تو اس وقت خداوند تعالیٰ یا اس کے فرشتے کہیں گے تو لو اب انکار اور کفر کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو۔

تو اس طرح سے وہ تمام حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور اعتراف کریں گے، اعتراف اور اقرار بھی ایسا کہ جو انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گا۔

(۳۵) اس سلسلے کی اخری آیت میں جو درحقیقت سورہ احقاف کی بھی آخری آیت ہے اللہ تعالیٰ گذشتہ آیات میں معاد کے اثبات اور کفار کی سزا کے پیش نظر اپنے رسول کو حکم دیتا ہے بنابریں جس طرح اولوالعزم پیغمبر صبر کرتے رہے تو بھی صبر کر۔

صرف آپ ہی کو اس قوم کی عداوت اور مخالفت کا سامنا نہیں کرنا پڑ رہا، تمام اولوالعزم پیغمبروں کو بھی یہی مشکلات درپیش تھیں اور انہوں نے استقامت اور صبر وضبط کا مظاہرہ کیا۔

"من الرسل" میں "من" اور بزرگ انبیاء کے ایک خاص گروہ کی طرف اشارہ ہے جو صاحبان شریعت تھے، جیسا کہ سورہ احزاب کی ساتویں آیت میں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

"اس وقت کو یاد کر جب ہم نے انبیاء سے پیمان لیا اور تجھ سے اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بن مریم سے بھی ہم نے ان سب سے محکم اور پختہ پیمان لیا"۔ (احزاب......۷)

شیعہ اور سنی کتب میں اس بارے میں بہت سی روایات ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبر یہی پانچ ہیں۔

ان سب باتوں کے بعد قرآن فرماتا ہے اور ان کفار کے بارے میں عذاب کی تعجیل نہ کر۔ کیونکہ قیامت جلد آنے والی ہے اور جس چیز کے بارے میں خود ان کو جلدی ہے وہ اسے بہت جلد اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اس دن انہیں سخت سزا دی جائے گی پھر انہیں اپنی غلطیوں کا پتہ چلے گا۔

دنیا کی عمر آخرت کے مقابلے میں اس قدر کوتاہ ہے کہ جس دن وہ ان وعدوں کو دیکھیں گے جو ان سے کئے گئے تھے تو انہیں معلوم ہوگا کہ گویا دن کی صرف ایک گھڑی وہ اس دنیا میں ٹھہرے ہیں۔

پھر تمام لوگوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ ابلاغ ہے سب لوگوں کے لئے۔

ان سب لوگوں کے لئے جو پروردگار کی عبودیت کی راہ سے ہٹ گئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو دنیا کی زود گزر زندگی اور اس کی خواہشات میں مگن ہو چکے ہیں۔ المختصر اس ناپائیدار دنیا میں رہنے والے تمام لوگوں کے لئے ابلاغ ہے آخری جملے میں بامعنی اور تہدید آمیز سوال کے طور پر فرمایا گیا ہے تو کیا فاسق لوگوں کے سوا کوئی اور ہلاک ہوگا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبر واستقامت کا مجسم نمونہ تھے

خدا کے عظیم پیغمبروں خصوصاً پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سخت مصائب، زبردست طوفانوں اور طاقت فرسا مشکلات کے

مقابلے میں انتہائی صبر واستقامت کی آئینہ دار تھی۔اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے راہ حق میں اس قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، راہ حق کے راہیوں کو اس سے سبق لینا چاہئے۔

ہم عام طور پر تاریخ اسلام کے روشن نقطے سے اس کے ابتدائی تاریک ایام کو دیکھنے کے عادی ہیں اور مستقبل کے جھروکوں سے ماضی کو دیکھنے کا یہ انداز حقائق و واقعات کو اور طرح سے پیش کرتا ہے۔لیکن ہمیں ان ایام کو تصور میں لانا چاہئے جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تن تنہا تھے اور افق زندگی میں کامیابی کی کوئی کرن دکھائی نہیں دیتی تھی۔

ہٹ دھرم دشمن ان کی نابودی پر کمر بستہ تھے حتیٰ کہ نزدیک ترین رشتہ دار بھی صف اول کے دشمنوں میں شامل تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی بائیکاٹ اس حد تک سخت کر دیا گیا تھا کہ ہر طرف کی راہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کے ساتھیوں پر مسدود ہو گئی تھیں، کچھ تو بھوک کی وجہ سے اور کچھ بیماری کی وجہ سے راہی ملک بقا ہو گئے۔

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسے سخت دن بھی گزرے ہیں کہ جن کے ذکر سے زبان وقلم دونوں عاجز ہیں۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے طائف تشریف لے گئے تو اہل طائف نے نہ صرف آپ کی دعوت پر لبیک نہیں کیا بلکہ اس قدر پتھر مارے کہ پاؤں مبارک سے خون جاری ہو گیا۔

بے سمجھ لوگوں کو اکسایا کہ آپ پر آوازیں کسیں اور بدکلامی کریں آپ کو مجبوراً ایک باغ میں پناہ لینا پڑی اور ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر اپنے خدا سے یوں راز و نیاز کرنے لگے۔

''خداوندا میں کمزوری، ناتوانی، مجبوری کی اور لوگوں کی مجھ سے بے احترامی کی تجھ سے شکایت کرتا ہوں۔اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے تو مستضعفین کا پروردگار ہے تو میرا پروردگار ہے تو مجھے کس کے حوالے کرے گا؟ کیا دور دراز کے ان لوگوں کے جو مجھے غصے سے بھرے درپیش آئے ہیں یا ان دشمنوں کے جو میرے امر کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لے لیں گے؟ پروردگارا اگر تو مجھ سے راضی ہو جائے تو میرے لئے یہی کافی ہے''

کبھی وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر کہتے تھے اور کبھی دیوانہ کہہ کر بلاتے تھے۔

کبھی آپ کے سر پر گرد وغبار ڈالا جاتا۔

لیکن ان تمام مصائب ومشکلات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر وشکیبائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

اور آخر کار اس کا شیریں پھل بھی پا لیا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین نہ صرف جزیرہ نمائے عرب میں بلکہ مشرق سے غرب تک پھیل گیا۔اور آج ہر صبح وشام چار گوشۂ جہان سے اور دنیا کے پانچوں براعظموں میں اذان سنائی دیتی ہے۔جو آپ کی فتح اور کامرانی کی آواز ہے۔اور یہی ہے معنیٰ ''فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل'' کا۔

سورہٴ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی
اور اس کی ۳۸ آتیں ہیں۔

سورۂ محمد(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مضامین

اس سورت کی دوسرے آیت میں چونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مذکور ہوا ہے اس لئے اس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا گیا ہے اور اس کا دوسرا نام قتال بھی ہے۔ واقع یہ ہے کہ دشمنان اسلام کے ساتھ جنگ اور جہاد جو نہایت اہم موضوع ہے اس سورت پر سایہ فگن ہے جب کہ اس سورت کی دوسرے بہت سی آیات میں کفار اور مومنین کے حالات اور صفات خصوصیات کا تقابل کیا گیا ہے اسی طرح ان کے اخروی انجام کو بیان کیا گیا ہے۔ کلی طور پر اس سورت کے ذیل کے مضامین کو چند حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱............ایمان اور کفر کا مسئلہ اور اس دنیا میں اور اس جہان میں مومنین اور کفار کے حالات کا تقابل۔

۲............دشمنوں کے ساتھ جنگ اور جہاد کے مسئلے پر واضح بحث اور جنگی قیدیوں کے متعلق حکم۔

۳............اس کا ایک بڑا حصہ منافقین کے حالات کی تشریح کرتا ہے۔ جو ان آیات کے نزول کے وقت مدینہ میں تخریبی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

۴............ایک اور حصے میں زمین کی سیر اور گذشتہ اقوام کے انجام کے سلسلے میں تحقیق کی بات کی گئی ہے اور ان کے انجام سے درس عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

۵............کچھ آیات میں جنگ کے مسئلے کی مناسبت سے الٰہی امتحان کا تذکرہ ہے۔

۶............ایک اور حصے میں انفاق راہ خدا میں خرچ کرنے کی بات کی گئی ہے جو بذات خود جہاد کی ایک قسم ہے اور اس کا نقطہ مقابل بخل ہے اس کے بارے میں بھی گفتگو کی گئی ہے۔

۷............سورت کی بعض آیات میں اسی مناسبت سے کفار کے ساتھ صلح جو شکست اور ذلت کا موجب بنے کی بات کی گئی ہے اور اس قسم کی صلح سے روکا گیا ہے۔

مجموعی طور پر اس سورہ میں جس اصل مسئلے پر زیادہ زور دیا گیا ہے وہ جنگ کا مسئلہ ہے۔

سورہ محمد(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تلاوت کی فضیلت

امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس میں آپ علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

''جو شخص سورہ محمد(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تلاوت کرے، کبھی بھی شک وشبہ اس کے دین میں داخل نہیں ہوگا اور خدا اسے کبھی دین کے فقر میں مبتلا نہیں کرے گا اور اسے ہرگز بادشاہ کا خوف لاحق نہیں ہوگا اور آخر عمر تک شرک وکفر سے محفوظ اور امان میں ہوگا اور جب مرے گا تو خدا ایک ہزار فرشتے کو حکم دے گا کہ اس کی قبر میں جا کر نماز ادا کریں اور اس نماز کا ثواب اس مرنے والے کو ملے گا اور یہ ہزار فرشتے محشر تک اس کے ساتھ رہیں گے اور عرصہ محشر میں اسے امن وامان کے مقام پر لے جا کھڑا کریں گے اور وہ ہمیشہ اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امان میں رہے گا''۔

ظاہری بات ہے کہ جولوگ ان آیات کے مندرجات کو اپنی ذات پر نافذ کریں گے اور سخت، بے رحم اور بے منطق دشمن کے ساتھ برسرِ پیکار ہوں گے تو ان کے دل میں نہ تو کسی قسم کا شک وشبہ پیدا ہوگا اور نہ ہی ارادہ میں لغزش۔ایک تو ان کے دین کی بنیادیں مستحکم ہوں گی اور دوسرے خوف، ذلت اور تنگ دستی کا خاتمہ ہوگا اور ساتھ ہی قیامت میں رحمت الٰہی کے جوار میں نعمتوں سے بہرہ در ہوں گے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱)اَلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعۡمَالَہُمۡ	جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور لوگوں کو خدا کے راستے سے روکا اللہ ان کے اعمال کو اکارت کر دیتا ہے۔
(۲)وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوۡا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ ہُوَ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۙ کَفَّرَ عَنۡہُمۡ سَیِّاٰتِہِمۡ وَ اَصۡلَحَ بَالَہُمۡ	اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے اور جو کچھ محمد پر نازل ہو، سب برحق ہے اور پروردگار کی جانب سے ہے۔اس پر بھی ایمان لے آئے تو خدا ان کے گناہوں کو بخش دے گا اور ان کی حالت بھی سنوار دے گا۔
(۳)ذٰلِکَ بِاَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوا اتَّبَعُوا الۡبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الۡحَقَّ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ؕ کَذٰلِکَ یَضۡرِبُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ اَمۡثَالَہُمۡ	یہ اس وجہ سے ہے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اس حق کی جو ان کے پروردگار کی طرف سے تھا۔ اللہ اس طرح لوگوں کے لئے ان کی زندگی (کے حالات) کو بیان فرماتا ہے۔

تفسیر

مومن حق کی اور کافر باطل کی اتباع کرتے ہیں

یہ تین آیات درحقیقت مقدمہ ہیں ایک اہم جنگی حکم کا جو چوتھی آیت میں دیا گیا ہے۔پہلی آیت میں کفار کا اور دوسری میں

مومنین کا حال بیان کرنے کے بعد تیسری آیت میں ان کا آپس میں تقابل کیا گیا ہے تا کہ جب دونوں خطوط اور راستے واضح ہو جائیں تو ظالم اور بے رحم دشمن کے ساتھ عقیدے پر مبنی جنگ کے لئے پوری آمادگی حاصل ہو جائے۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور لوگوں کو خدا کے راستے سے روکا اللہ ان کے اعمال اکارت کر دیتا ہے۔ یہ کفار کے سرغنوں اور مکہ کے مشرکین کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) یہ آیت مومنین کی کیفیت بیان کر رہی ہے جو کفار کے مدمقابل ہیں اور ان کفار کی کیفیت گذشتہ آیت میں مذکور ہو چکی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور انہوں نے اچھے اچھے کام کئے اور جو کچھ محمد ﷺ پر نازل ہوا اور سب برحق ہے اور پروردگار کی جانب سے ہے اس پر بھی ایمان لے آئے تو خدا ان کے گناہوں کو بھی بخش دے گا اور ان کی دنیا اور آخرت میں حالت سنوار دے گا۔

(۳) اس آیت میں مومنین کی کامیابی اور کفار کی شکست کا اصل نکتہ ایک مختصر لیکن واضح تقابل کی صورت میں بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور مومنوں نے اس حق کی جو ان کے پروردگار کی طرف سے تھا۔

''حق''، یعنی عینی حقیقتیں جن میں سرفہرست پروردگار عالم کی ذات پاک ہے اور اس کے بعد وہ حقائق ہیں جن کا انسانی زندگی سے تعلق ہوتا ہے اور وہ قوانین ہیں جو بندے اور خدا کے درمیان نیز خود بندوں کے درمیان باہمی رابطے کا کام دیتے ہیں۔

''باطل''، یعنی اٹکل پچو، خیالات، نیرنگیاں، خرافاتی افسانے اور بے ہودہ اور بے مقصد کام، غرض عالم ہستی پر حکم فرما ہر قسم کے گمراہ کن قوانین۔

جی ہاں! مومنین حق کی اس معنی کے ساتھ جو بیان ہوا ہے پیروی کرتے ہیں اور کفار، باطل کی یہی وجہ ہے کہ مومنین کو کامیابی اور کفار کو ناکامی اور شکست کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے خدا لوگوں کے لئے ان کی زندگی یوں بیان فرماتا ہے

یعنی جس طرح اللہ نے مومنین اور کفار کی زندگی کے خطوط، ان کے عقائد اور عملی پروگرام اور نتائج کو ان آیات میں بیان فرمایا ہے اسی طرح وہ ان کی زندگی کے انجام اور عاقبت الامر کو بھی واضح فرماتا ہے۔

(۴)فَاِذَا لَقِیۡتُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فَضَرۡبَ الرِّقَابِ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَثۡخَنۡتُمُوۡہُمۡ فَشُدُّوا الۡوَثَاقَ ٭ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعۡدُ وَ اِمَّا فِدَآءً حَتّٰی تَضَعَ الۡحَرۡبُ اَوۡزَارَہَا ۚ۟ۛ ذٰلِکَ ؕۛ وَ لَوۡ یَشَآءُ اللّٰہُ لَانۡتَصَرَ مِنۡہُمۡ وَ لٰکِنۡ لِّیَبۡلُوَا۠ بَعۡضَکُمۡ بِبَعۡضٍ ؕ وَ الَّذِیۡنَ قُتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَلَنۡ یُّضِلَّ اَعۡمَالَہُمۡ	جب تم میدان جنگ میں کافروں کے آمنے سامنے آجاؤ تو ان کی گردنیں ماردو اور اس کام کو برابر جاری رکھو یہاں تک کہ کافی حدتک دشمن کا قلع قمع کر دو۔ ایسے میں قیدیوں کو خوب باندھ لو، پھر اس کے بعد یا ان پر احسان کرو (اور انہیں چھوڑ دو) یا رہائی کے بدلے میں ان سے فدیہ لو اور یہ صورت حال اسی طرح جاری رہے، یہاں تک کہ جنگ اپنا سنگین بوجھ زمین پر رکھ دے (اور ختم ہو جائے) طریقہ کار یہی ہے۔ اگر خدا چاہتا تو ان سے کئی اور طریقے سے انتقام لے لیتا۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ تمہاری آزمائش ایک دوسرے سے کرے، اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں خدا ان کے اعمال ہرگز اکارت نہیں کرتا۔
(۵)سَیَہۡدِیۡہِمۡ وَ یُصۡلِحُ بَالَہُمۡ ۚ	اللہ عنقریب ان کی ہدایت کرے گا اور ان کا کام سنوار دے گا۔
(۶)وَ یُدۡخِلُہُمُ الۡجَنَّۃَ عَرَّفَہَا لَہُمۡ	اور انہیں اپنی (جاودانی) بہشت میں داخل کرے گا، جس کے اوصاف اس نے ان سے بیان فرمائے ہیں۔

تفسیر

میدان جنگ میں ارادے کی پختگی ضروری ہے

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں گذشتہ آیات مسلمانوں کو ایک اہم جنگی حکم کے لئے آمادہ کرنے کے لئے مقدمہ تھیں، جس کے بارے میں زیر تفسیر آیات میں تفصیل سے گفتگو کی جا رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے جب میدان جنگ میں کافروں کے آمنے سامنے آجاؤ تو پوری طاقت کے ساتھ ان پر حملہ کرو اور ان کی گردنیں ماردو۔

ظاہر سی بات ہے کہ گردن ماردینا قتل کے لئے کنایہ ہے لہٰذا اس کی ضرورت نہیں ہے کہ مجاہدین اس بات کی کوشش کریں کہ وہ ان کی صرف گردنیں اڑائیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ دشمن کا صفایا کر دیں۔ لیکن چونکہ گردن اڑانا قتل کا روشن ترین مصداق ہے لہٰذا اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

پھر فرمایا گیا ہے یہ کاری ضربیں ان پر برابر جاری رکھو یہاں تک کہ دشمن کا ستیا ناس کر دو اور ان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دو۔ ایسے میں قیدیوں کی گرفتاری کا کام کرو اور انہیں خوب باندھ لو۔

مندرجہ بالا آیت ایک نہایت حساب شدہ جنگی حکمت عملی بیان کر رہی ہے کہ جب تک دشمن کا زور پوری طرح ٹوٹ نہ جائے اس وقت تک جنگی قیدی بنانے کا اقدام نہ کیا جائے کیونکہ اس اقدام سے بعض اوقات مسلمانوں کے میدان جنگ میں پاؤں اکھڑ جانے کا احتمال ہوتا ہے اور جنگی قیدیوں کی گرفتاری اور انہیں محاذ سے پیچھے منتقل کرنے کی وجہ سے اصل فرائض کی ادائیگی سے رہ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

بعد کے جملے میں جنگی قیدیوں کے بارے میں حکم بیان کیا جا رہا ہے کہ جنگ کے خاتمے کے بعد ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ ارشاد فرمایا گیا ہے یا تو ان پر احسان کرو اور کسی معاوضے کے بغیر انہیں چھوڑ دو یا پھر ان سے فدیہ اور معاوضہ لے کر رہا کر دو۔

اس طرح سے جنگی قیدیوں کو جنگ کے خاتمہ کے بعد قتل نہ کرو بلکہ اسلامی رہنما مصلحت کے پیش نظر یا تو ان سے معاوضہ لے کر انہیں چھوڑ دے یا معاوضہ لئے بغیر انہیں رہا کر دے اور یہ معاوضہ درحقیقت ایک قسم کا جنگی تاوان ہے جو دشمن کو ادا کرنا پڑتا ہے۔

اسی آیت کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ صورت حال اس وقت تک جاری رہے اور دشمنوں پر اس وقت تک کاری ضربیں لگاتے رہو اور کچھ لوگوں کو جنگی قیدی بنالو، یہاں تک کہ جنگ اپنا سنگین بوجھ زمین پر رکھ دے۔

جنگ سے صرف اس وقت ہاتھ اٹھاؤ جب دشمن کی تمام توانائیاں ختم ہو جائیں اور جنگ کی آگ بجھ جائے۔

پھر فرمایا گیا ہے تمہاری صورت حال یہی ہونی چاہئے۔

اور اگر خدا چاہتا تو ان سے کئی اور طریقے سے انتقام لے لیتا۔

آسمانی بجلیوں، زلزلوں، آندھیوں اور دوسرے آفات کے ذریعے سے تاہم اس صورت میں آزمائش وامتحان کی بات ختم ہو جاتی، لیکن خدا چاہتا ہے کہ تمہاری ایک دوسرے کے ذریعہ آزمائش کرے۔

جنگ کا حقیقی فلسفہ اور حق و باطل کی معرکہ آرائی کا اصل نکتہ بھی یہی ہے، جنگوں میں حقیقی مومنین کی صفیں غیر حقیقی مومنین سے جدا ہو جاتی ہیں اور کردار کے غازی گفتار کے غازیوں سے جدا ہو جاتے ہیں۔ صلاحتیں پروان چڑھتی ہیں، استقامت اور پامردی کا احیا ہوتا ہے اور دنیا میں زندگی بسر کرنے کا اصل مقصد حاصل ہوتا ہے یعنی قوت ایمان کو پرورش ہوتی ہے اور انسانی اقدار کا صحیح معنوں میں احیا ہوتا ہے۔

زیر تفسیر آیت کے آخری جملہ میں ان شہیدوں کا تذکرہ ہے جو ایسی جنگوں میں اپنی شیریں زندگی کو قربان کرتے ہیں اور اسلامی معاشرے پر ان کا بہت بڑا حق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں خدا ان کے اعمال کو ہرگز اکارت

نہیں کرے گا۔

شہداء پر خدا کی یہ ایک عنایت ہے۔

تین اور عنایتوں کا تذکرہ آئندہ آیات ۵ اور ۶ میں ہوتا ہے۔

(۵) سب سے پہلے فرمایا گیا ہے اللہ انہیں ہدایت کرے گا۔

بلند مرتبہ مقامات، عظیم کامیابی اور رضوان الٰہی کی طرف ہدایت۔

دوسری عنایت یہ کہ ان کے حالات سنوار دے گا۔

اللہ انہیں تسکین، اطمینان خاطر اور روحانی سرور عطا فرماتا ہے۔ فرشتوں کے ہم آہنگ صفائے باطن اور روحانی مدارج سے نوازتا ہے جو ان کے ہمدم ہوتے ہیں۔

اور اپنی رحمت کے جوار میں انہیں اپنی ضیافت میں بلاتا ہے۔

(۶) آخری عنایت یہ ہے کہ انہیں اپنی جاودانی بہشت میں داخل کرے گا جس کے اوصاف انہیں پہلے بتا رکھے ہیں۔

انہیں بہشت بریں اور مقام رضوان کے صرف کلی اوصاف ہی سے آگاہ نہیں کرتا، بلکہ بہشت کے محلات کی علامتوں اور نشانیوں سے بھی مکمل طور پر آگاہ کر دیتا ہے، اس حد تک کہ جب بھی وہ بہشت میں داخل ہوں گے۔ سیدھے اپنے اپنے محلات میں چلے جائیں گے۔

(۷) یٰٓاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَنۡصُرُوا اللّٰهَ یَنۡصُرۡكُمۡ وَ یُثَبِّتۡ اَقۡدَامَكُمۡ	اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔
(۸) وَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا فَتَعۡسًا لَّهُمۡ وَ اَضَلَّ اَعۡمَالَهُمۡ	اور جو لوگ کافر ہیں وہ مرجائیں اور ان کے اعمال اکارت ہوں۔
(۹) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَرِهُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ	یہ اس لئے کہ خدا نے جو چیز نازل فرمائی انہوں نے اسے ناپسند کیا تو خدا نے ان کے اعمال کو حبط کر دیا۔
(۱۰) اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا كَیۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ وَ لِلۡكٰفِرِیۡنَ اَمۡثَالُهَا	تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیا ہوا؟ خدا نے انہیں ہلاک کر دیا اور کافروں کے لئے اسی طرح کی سزا ہوگی۔

(۱۱)ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوۡلَی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ اَنَّ الۡکٰفِرِیۡنَ لَا مَوۡلٰی لَہُمۡ ؑ	یہ اس وجہ سے ہے کہ خدا ایمان داروں کا مولا اور سرپرست ہے،لیکن کافروں کا کوئی سرپرست نہیں۔

تفسیر

تم خدا کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا

یہ آیات مثل سابق مومنین کو دشمنان حق کے خلاف قیام کی ترغیب دے رہی ہیں اور دلکش تعبیر کے ساتھ انہیں جہاد پر آمادہ کر رہی ہیں۔ارشاد ہوتا ہے اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

ایمان کے مسئلے پر تاکید اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سچے دل سے ایمان کی ایک علامت دشمنان دین کے ساتھ جنگ ہے۔

خدا کی مدد کرنے کا مطلب واضح ہے کہ اس کے دین کی مدد کی جائے، اس کے پیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم کی نصرت کی جائے۔ پیغمبر صلى الله عليه وآله وسلم کی شریعت اور تعلیمات کی نصرت کی جائے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خدا نے اپنے دین کے دفاع کے بدلے جو وعدہ مجاہدین سے کیا ہے وہ کیا ہے؟ارشاد ہوتا ہے خدا تمہاری مدد کرے گا لیکن کس طریقے سے؟ بہت سے طریقے ہیں تمہارے دل میں نور ایمان، تمہاری روح میں تقوے تمہارے ارادوں میں قوت اور تمہارے افکار میں اطمینان ڈال کر۔

پھر یہ بھی کہ فرشتے تمہاری امداد کے لئے بھیجتا ہے، حالات کا دھارا تمہارے حق میں موڑ دیتا ہے،لوگوں کے دلوں کو تمہاری طرف پھیر دیتا ہے،تمہاری باتوں میں تاثیر بخشتا ہے،تمہاری سرگرمیوں کو مفید اور نتیجہ خیز بناتا ہے غرض خدا کی مدد تمہارے جسم وجان اور تمہارے ظاہر وباطن پر چھا جاتی ہے۔

(۸) چونکہ بعض اوقات دشمن کا جم غفیر اور ان کی افرادی قوت اور مختلف قسم کے اسلحہ جات مجاہدین راہ حق کے افکار کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ہیں۔

لہٰذا اس آیت میں فرمایا گیا ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ ہلاک ہوں اور ان کے اعمال برباد ہوں۔

(۹) یہ آیت ان کے سقوط اور ان کے اعمال کی بربادی کو ان الفاظ میں بیان کرتی ہے۔ یہ اس لئے کہ خدا نے جو چیز نازل فرمائی انہوں نے اسے ناپسند کیا تو خدا نے بھی ان اعمال کو اکارت کر دیا۔

خدا نے ہر چیز سے پہلے آئین توحید کو نازل فرمایا۔لیکن انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا اور شرک کی طرف متوجہ ہو گئے۔خدا نے حق وعدالت اور طہارت وتقویٰ کا حکم دیا لیکن انہوں نے اس کی طرف پیٹھ کر لی اور ظلم وفساد کو اپنا لیا۔

جی ہاں! جب یہ لوگ ان چیزوں سے متنفر ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس راہ میں قدم بھی نہیں اٹھاتے بلکہ ان کی تمام سعی وکوشش باطل کی راہوں پر گامزن ہونے میں صرف ہوتی ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے اعمال اکارت ہوجاتے ہیں۔

(۱۰) قرآن مجید بہت سے مقامات پر ظالموں کو ''حسی نمونے'' دکھاتا ہے لہذا یہاں پر انہیں گذشتہ اقوام کے حالات کا مطالعہ کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرماتا ہے تو کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا کیا انجام ہوا وہی جنہوں نے کفر وسرکشی کی راہیں اختیار کیں اور خدا نے انہیں ہلاک کردیا۔

وہ یہ گمان نہ کریں کہ اس قسم کا دردناک انجام گذشتہ اقوام کے سرکش لوگوں کے لئے مخصوص تھا اور وہ بچ جائیں گے، نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے مشرکین اور کفار کے لئے بھی اس قسم کی سزا ہوگی۔

وہ اس بات کی توقع ہرگز نہ رکھیں کہ ان جیسے کردار کا مظاہرہ بھی کریں گے اور ان جیسے انجام سے دوچار بھی نہیں ہوں گے، انہیں چاہئے کہ گذشتہ لوگوں کے آثار بھی دیکھیں اور اپنے مستقبل اور انجام کا بھی ان کی زندگی کے آئینے میں مشاہدہ کریں۔

(۱۱) اسی سلسلے کی آخری آیت میں خدا نے مومنین کو اپنی مکمل حمایت کی یقین دہانی کرواتے ہوئے سرکش کفار کی نابودی کی خبر دی ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ خدا ایمان داروں کا مولا اور سرپرست ہے لیکن کافروں کا کوئی مولا نہیں ہے۔

ظاہری بات ہے کہ جو لوگ اس کی ذات پاک کی ولایت کے زیر سایہ ہوتے ہیں خدا ان کے ہر آڑے وقت میں مدد فرماتا ہے اور ثبات قدمی عطا فرماتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے گوہر مراد کو پا لیتے ہیں لیکن جو لوگ اس دائرے سے خارج ہوتے ہیں ان کے اعمال کو اکارت کردیتا ہے اور انجام کار وہ ہلاکت سے دوچار ہوتے ہیں۔

(۱۲) اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ وَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يَتَمَتَّعُوۡنَ وَ يَاۡكُلُوۡنَ كَمَا تَاۡكُلُ الۡاَنۡعَامُ وَ النَّارُ مَثۡوًى لَّهُمۡ	(یقیناً خدا ان لوگوں کو، جو ایمان لے آئے اور اچھے اچھے کام کرتے رہے، بہشت کے ان باغات میں پہنچادے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اور جو کافر ہیں وہ دنیا کی جلد ختم ہونے والی متاع سے استفادہ کرتے ہیں اور چوپایوں کے مانند کھاتے ہیں اور آخر ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔
(۱۳) وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ هِىَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنۡ قَرۡيَتِكَ الَّتِىۡۤ اَخۡرَجَتۡكَ ۚ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ فَلَا نَاصِرَ لَهُمۡ	اور جس شہر نے تجھے نکال دیا، کتنے شہر تھے جو اس سے زیادہ طاقت ور تھے کہ جنہیں ہم نے تباہ وبرباد کردیا جب کوئی ان کا مددگار بھی نہیں تھا۔

(۱۴)اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ	تو کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل رکھتا ہو اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جس کی بداعمالیاں اسے بھلی کر کے دکھائی گئی ہوں اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتا ہو؟۔

تفسیر

مومنین اور کفار کا انجام

گذشتہ آیات میں حق و باطل اور ایمان وکفر کی مسلسل آویزش کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے اب ان آیات میں ایک واضح تقابل کے ذریعے مومنین اور کفار کا انجام بیان کیا جارہا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ یہ دونوں گروہ دنیا ہی کی زندگی میں ایک دوسرے سے مختلف نہیں ہیں بلکہ آخرت میں بھی ان کی زندگی میں زبردست فرق ہوگا ارشاد ہوتا ہے خدا ان لوگوں کو جو ایمان لے آئے اور اچھے اچھے کام کرتے رہے۔بہشت کے ان باغات میں پہنچادیگا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

جبکہ کافرلوگ دنیا کی زود گزر متاع سے استفادہ کرتے ہیں اور چوپایوں کے مانند کھاتے ہیں اور آخر ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ دونوں قسم کے لوگ اسی دنیا میں رہ رہے ہیں اس کی نعمتوں سے بہرہ مند بھی ہورہے ہیں لیکن فرق یہ ہے کہ مومنین کی زندگی کا مقصد ایسے اعمال صالح کی بجا آوری ہے جو مفید، تعمیری اور رضائے الٰہی کے حصول کا سبب ہوتے ہیں جبکہ کفار کی زندگی کا اصل مقصد صرف کھانا پینا اور سونا اور دنیاوی لذتوں سے لطف اندوز ہونا ہوتا ہے۔

(۱۳)اس مقصد کی تکمیل کے لئے بعد کی آیت میں مشرکین مکہ اور سابقہ دور کے بت پرستوں کے درمیان ایک تقابلی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔اور وہ واضح لفظوں میں انہیں سخت تنبیہ کی جارہی ہے اور ضمنی طور پر ان کے ان بعض جرائم کو بیان کیا جارہا ہے جو جنگ کا جواز فراہم کرتے ہیں۔ارشاد ہوتا ہے اور جس سے لوگوں نے تجھے نکال دیا ہے اس سے زیادہ قوی بہت سے شہر تھے جن کو ہم نے تباہ وبرباد کردیا جبکہ کوئی ان کا مددگار نہیں تھا۔

وہ یہ گمان نہ کریں کہ چندروزہ دنیا ان کے کچھ کام آئے گی۔اس لئے وہ اس قدر جسور اور جری ہوچکے ہیں کہ خدا کے عظیم رسول صلى الله عليه وآله وسلم کو مقدس ترین شہر سے نکال دیا ہے۔وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ صورت حال ہمیشہ یونہی رہے گی۔نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے یہ لوگ قوم عاد،ثمود، فراعنہ مصر اور ابرہہ کے لشکر کے مقابلے میں تو بہت ہی کمزور اور ناتوان ہیں، خدا نے تو ان کو بھی نابود کردیا تھا اور انہیں تہس ونہس کردیا تھا ان کی سرکوبی تو معمولی بات ہے۔

(۱۴)اسی سلسلے کی آخری آیت میں مومنین اور کفار کے درمیان ایک اور تقابل کو پیش کیا گیا ہے،ان دونوں گروہوں کا آپس میں ہر چیز میں فرق ہے ایک گروہ ایمان پر قائم اور اعمال صالح پر کاربند ہے جب کہ دوسرا گروہ پورے طور پر حیوانی زندگی گزار رہا ہے۔ ایک پروردگار کی ولایت کے زیر سایہ رہ رہا ہے اور دوسرا بے مولا اور بے سرپرست ہے ارشاد ہوتا ہے تو کیا جو شخص اپنے پروردگار کی

طرف سے روشن دلیل پر ہو اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جس کی بداعمالیاں اسے بھلی کر کے دکھائی گئی ہوں اور وہ اپنی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتا ہو۔

پہلے گروہ نے اپنے راستے کو پالیا ہے اور وہ صحیح معرفت، یقین، دلیل برہان کے ساتھ اس پر گامزن ہے اپنے راستے اور مقصد کو واضح طور پر دیکھ رہا ہے اور اس کی طرف رواں دواں ہے جبکہ دوسرا گروہ غلط پہچان اور حقائق کے عدم ادراک کا شکار ہے اور اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے۔

آشکار اور روشن دلیل کے معنی میں ہے اور یہاں پر قرآن مجید پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اور دوسرے عقلی دلائل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۱۵)مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ ۚ۬ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ وَ لَهُمْ فِیْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِیْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ	جس بہشت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں صاف وشفاف پانی کی نہریں ہیں جن میں بدبو نہیں ہے، دودھ کی نہریں ہیں، جن کا مزہ تک نہیں بدلا، شراب (طہور) کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے لذت ہی لذت ہیں، صاف وشفاف شہد کی نہریں ہیں، ہاں ان کے لئے ہر قسم کے پھل ہیں اور (ان سب سے بڑھ کر) ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہے۔ بھلا یہ لوگ ان کے برابر ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو وہ ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

تفسیر

بہشت کی ایک اور صفت

یہ آیت گذشتہ آیات کے مانند کافر اور مومن دونوں گروہوں کے اوصاف بیان کر رہی ہیں۔ ایک گروہ کے شرمناک اور برے اعمال ہیں جو ان کی نظر میں بھلے معلوم ہوتے ہیں اور دوسرے کے نیک اور صالح۔

اس آیت میں اہل بہشت کی چھ قسم کی نعمتوں اور اہل دوزخ کے دو قسم کے سخت اور دردناک عذاب کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ان کے انجام کو واضح کیا گیا ہے۔

اہل بہشت کی نعمتوں میں چار نہروں کا نام لیا گیا ہے جن میں سے ہر ایک ایک خاص چیز کی ہے اور ہر ایک کا اپنا مزہ ہے، پھر بہشت کے پھلوں کا ذکر ہے اور آخر میں روحانی نعمتوں کا تذکرہ ہے۔

سب سے پہلے فرمایا گیا ہے جس بہشت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں صاف وشفاف پانی کی نہریں ہیں جن میں بدبو نہیں ہے۔

پھر فرمایا گیا ہے اور دودھ کی نہریں ہیں جن کا مزہ تک نہیں بدلا۔

اصولی طور پر بہشت ایک ایسا مقام ہے جہاں پر نہ تو کسی چیز کے بگڑنے کا اندیشہ ہے نہ ہی خراب ہونے کا یہ تو اس مادی دنیا کا خاصہ ہے جس میں مختلف قسم کے جراثیم ہوتے ہیں جو غذا کو خراب کردیتے ہیں۔

اس کے بعد بہشت کی تیسری قسم کی نہروں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے اور شراب طہور کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے لذت ہی لذت ہیں۔

آخر میں بہشت کی چوتھی قسم کی نہر کا حال اس صورت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ اور صاف وشفاف شہد کی نہریں ہیں۔

ان گونا گوں نہروں جن میں سے ہر ایک علیحدہ مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے کے علاوہ پانچویں نعمت کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ اور وہ ہے بہشت کے مختلف النوع پھل ارشاد فرمایا گیا ہے اور وہاں ان کے لئے ہر قسم کے پھل ہیں۔

طرح طرح کے پھل مختلف ذائقے اور مختلف خوشبو کے ساتھ جن کا ہم تصور کر سکتے ہیں یا ہمارے تصور سے باہر ہیں سب کے سب بہشت والوں کو عطا ہوں گے۔

آخر میں خدا کی چھٹی نعمت کا تذکرہ ہے کو گذشتہ مادی نعمتوں سے ہٹ کر ہے اور روحانی حیثیت کی حامل ہے ارشاد ہوتا ہے ان کے لئے ان کے پروردگار کی طرف بخشش ہے۔

اب یہ دیکھنا چاہئے کہ ان کا مقابل گروہ کس انجام سے دوچار ہوگا؟ تو اسی آیت میں اسے بھی بیان فرمایا گیا ہے:

ارشاد ہوتا ہے: بھلا یہ لوگ ان کے برابر ہو سکتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہیں گے اور انہیں کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا، تو وہ ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔

''**سقوا**'' انہیں پلایا جائے گا کی تعبیر اس حقیقت کی غماز ہے کہ ان جہنمیوں کو کھولتا اور جلتا پانی زبردستی پلایا جائے گا وہ اپنی خوشی سے نہیں پیئں گے اور جہنم کی اس آگ میں ان کے سیراب ہونے کے بجائے ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے اور دوزخ کے معمول کے مطابق پھر وہ اپنی اصلی حالت میں آجائیں گے کیونکہ وہاں موت نہیں ہے۔

(۱۶)وَ مِنۡهُمۡ مَّنۡ یَّسۡتَمِعُ اِلَیۡکَ ۚ حَتّٰۤی اِذَا خَرَجُوۡا مِنۡ عِنۡدِکَ قَالُوۡا لِلَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۟ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ وَ اتَّبَعُوۡۤا اَهۡوَآءَهُمۡ	ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو تیری طرف کان لگائے رہتے ہیں لیکن جب تیرے پاس سے نکلتے ہیں تو جن لوگوں کو خدا نے علم و دانش عطا فرمائی ہے، ان سے (بطور مذاق) کہتے ہیں، ابھی اس شخص نے کیا کہا تھا؟ یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے اور وہ اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے ہیں۔
(۱۷)وَ الَّذِیۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًی وَّ اٰتٰهُمۡ تَقۡوٰهُمۡ	جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کی خدا مزید ہدایت کرتا ہے اور انہیں پرہیزگاری کی روح عنایت فرماتا ہے۔
(۱۸)فَهَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنۡ تَاۡتِیَهُمۡ بَغۡتَةً ۚ فَقَدۡ جَآءَ اَشۡرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰی لَهُمۡ اِذَا جَآءَتۡهُمۡ ذِکۡرٰهُمۡ	تو کیا یہ لوگ بس قیامت ہی کے انتظار میں ہیں کہ ان پر ناگہان آ جائے (تو اس وقت وہ ایمان لائیں گے)۔ حالانکہ اس کی نشانیاں تو آ چکی ہیں لیکن جس وقت وہ آ پہنچے گی تو اس وقت ان کی توجہ اور ایمان انہیں کچھ فائدہ نہ دے گا۔
(۱۹)فَاعۡلَمۡ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ مُتَقَلَّبَکُمۡ وَ مَثۡوٰىکُمۡ ۠	پس جان لے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہ، نیز ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں کے لئے استغفار کر اور خداوند تعالیٰ تمہارے چلنے پھرنے اور ٹھہرنے کی جگہ کو جانتا ہے۔

تفسیر

قیامت کی نشانیاں ظاہر ہو چکی ہیں

یہ آیات وحی الٰہی آیات قرآنی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں منافقین کی کیفیت کی تصویر کشی اور دشمنان اسلام کے ساتھ جنگ و جہاد کے مسئلے کو بیان کر رہی ہیں۔

اس لئے زیر تفسیر آیات میں سے پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے ان میں سے کچھ لوگ تیرے پاس آتے ہیں تیری باتوں کو کان لگا کر سنتے بھی ہیں لیکن جب تیرے پاس سے نکلتے ہیں تو جن لوگوں کو خدا نے علم و دانش عطا کی ہے ان سے تحقیر اور تمسخر کے انداز میں

کہتے ہیں ابھی اس شخص نے کیا کہا تھا۔

ان لوگوں کا آنحضرت ﷺ اور آپ ﷺ کی گوہر بار گفتگو کے بارے میں ردعمل، اس قدر تحقیر آمیز غلط اور ناروا تھا جس سے صاف سمجھا جاتا تھا کہ وہ آسمانی وحی پر بالکل ایمان نہیں رکھتے۔

لیکن آیت کے آخر میں قرآن مجید ان کفار کو دندان شکن جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے رسول ﷺ کی باتوں میں نہ تو کسی قسم کی پیچیدگی ہوتی ہے اور نہ ہی بے معنی ہوتی ہیں بلکہ یہ لوگ خود ایسے ہیں جن کے دلوں پر خدا نے مہر لگادی ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ لہٰذا انہیں کچھ سمجھ نہیں آتا۔

(۱۷) ان کے برعکس سچے مومنین ہیں جن کے بارے میں بعد کی آیت میں گفتگو ہو رہی ہے، ارشاد ہوتا ہے جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں انہیں مزید ہدایت کرتا ہے اور انہیں تقویٰ اور پرہیزگاری کی روح عطا فرماتا ہے۔

جی ہاں! انہوں نے ہدایت کیلئے پہلے از خود اقدام کیا اپنی عقل وخرد اور فطرت سے صحیح معنوں میں کام لیا پھر خدا بھی حسب وعدہ اپنی راہ چلنے والے مجاہدوں کی زیادہ سے زیادہ ہدایت اور رہنمائی کرتا ہے۔

(۱۸) اس آیت میں مذاق اڑانے والے اس بے ایمان ٹولے کو زبردست تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے تو کیا یہ لوگ بس قیامت ہی کے انتظار میں ہیں کہ ان پر ناگہاں آجائے تو اس وقت وہ ایمان لائیں گے حالانکہ اس کی نشانیاں تو آہی چکی ہیں لیکن جس وقت قیامت ان کے سر پر آپہنچے گی تو اس وقت ان کے لئے بیداری توجہ اور ایمان مفید واقع نہیں ہوں گے۔

جی ہاں! جس وقت ان لوگوں کو ایمان لانا چاہیئے اور وہ ایمان ان کے لئے مفید بھی ہو اس وقت تو ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور حق کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتے بلکہ تمسخر اڑاتے اور ٹھٹھا مذاق کرتے ہیں لیکن جب ہولناک حوادث اور قیامت کا آغاز دنیا کو لرزہ براندام کردے گا تو اس قسم کے لوگ وحشت زدہ ہو کر خضوع وخشوع اور ایمان کا اظہار کریں گے لیکن اس وقت انہیں اس کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔

(۱۹) اس سلسلے کی آخری آیت ایمان وکفر اور مومنین وکفار کے انجام کے متعلق تمام گفتگو کے نتیجے کے طور پر بیان ہوئی ہے ارشاد ہوتا ہے پس جان لو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔

یعنی توحید کی راہ پر قائم رہو کیونکہ شفا عطا کرنے کی دوا اور نجات کا بہترین وسیلہ یہی توحید ہے کہ جس کی علامات اس سے پہلے کی آیات میں بیان ہو چکی ہیں۔

عقیدے پر مبنی اس مسئلے کے بیان کے بعد ایک بار پھر تقویٰ اور گناہوں سے پاک ہونے کی بات کی گئی ہے ارشاد ہوتا ہے اور اپنے لئے اور ایمان دار مردوں اور ایمان دار عورتوں کے گناہوں پر استغفار کرتے رہو۔

ظاہری بات ہے کہ پیغمبر ﷺ عصمت کی بنا پر ہرگز گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے اور اس قسم کی تعبیر یا تو خوب تر کو چھوڑ کر

خوب کو اپنانے اور کی طرف اشارہ ہے یا پھر مسلمانوں کے لئے تنبیہ اور نمونہ عمل ہے جب معصوم بنی کو استغفار کا حکم ہے تم گناہگار تو بطریق اولیٰ استغفار کرنے کے لئے مامور ہیں۔

اس آیت کے ذیل میں علت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے خدا تمہارے چلنے پھرنے اور ٹھہرنے کی جگہ کو جانتا ہے۔

وہ تمہارے ظاہر و باطن، اندرون و بیرون اور اشارے کنائے کو اچھی طرح جانتا ہے۔ حتیٰ کہ تمہارے افکار، نیتوں اور حرکات وسکنات سے بھی پوری طرح باخبر ہے اسی لئے تمہیں چاہیئے کہ تم اس کی طرف توجہ کرو اور اس کی بارگاہ سے طلب مغفرت کرو۔

(۲۰)وَ يَقُولُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ	اور مومنین کہتے ہیں کہ (جہاد کے بارے میں) کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوتی؟ لیکن جب کوئی محکم سورت نازل ہوتی ہے کہ جس میں جہاد کا ذکر ہوتو تو بیمار دل منافقوں کو دیکھے گا کہ تیری طرف اس طرح دیکھیں گے جس طرح کسی کو موت آنے لگے۔ پس موت اور تباہی ان کے لئے بہتر ہے۔
(۲۱)طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۟ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۟ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ	لیکن اگر وہ اطاعت کریں اور سنجیدہ اور شائستہ بات کریں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے پھر جب جہاد کا حتمی حکم آجائے تو اگر یہ لوگ خدا سے سچے رہیں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔
(۲۲)فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ	لیکن اگر تم روگردانی اختیار کرو تو تم سے سوائے زمین میں فساد اور قطع رحمی کے اور کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔
(۲۳)اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ اَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ	یہ ایسے لوگ ہیں جنہیں خدا نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، ان کے کانوں کو بہرہ اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

(۲۴)اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا	کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا پھر کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

تفسیر

منافق جہاد کے نام سے بھی ڈرتے ہیں

ان آیات میں جہاد کے متعلق مومنین اور منافقین کا ردعمل بیان کیا جا رہا ہے۔ گذشتہ آیات میں ان دونوں گروہوں کے متعلق گفتگو کے سلسلے میں یہ آیات تتمہ کی حیثیت رکھتی ہیں چنانچہ سب سے پہلے فرمایا گیا ہے مومنین ہمیشہ کہتے رہتے ہیں کہ کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوتی۔

ایسی سورت کہ جس میں جہاد کا حکم ہو اور سنگدل خونخوار اور بے منطق دشمن کے مقابلے میں ہمیں ہمارے فرائض سے آگاہ کرے۔ ایسی سورت کہ جس کی آیات ہمارے دل کے لئے نور ہدایت ہوں اور ہماری روح کو اپنے فروغ سے روشن کریں۔

یہ تو ہے حقیقی مومنین کی کیفیت۔

لیکن منافقوں کا حال یہ ہے کہ جب کوئی محکم سورت نازل ہوتی ہے جس میں جنگ اور جہاد کا ذکر ہو تو تو بیمار دل منافقوں کو دیکھے گا کہ تیری طرف اس طرح دیکھیں گے جس طرح کوئی موت کے کنارے پہنچ کر پریشان اور مبہوت ہو کر دیکھتا ہے اور جس کی آنکھوں کے ڈھیلے حرکت کرنے سے رک جاتے ہیں۔

مومنین کے لئے میدان جنگ، محبوب سے اظہار عشق کا مقام، شرافت اور فضیلت کا میدان، استعداد اور صلاحیت کے پروان چڑھنے کی جگہ اور استقامت و فتح و کامرانی کا میدان ہوتا ہے۔ اس طرح کے میدان سے خوف کے کیا معنی۔

جبکہ منافقین کے لئے موت، تباہی اور بربادی کا مقام، شکست اور دنیا دی لذتوں کو خیر آباد کہنے کی جگہ ظلمتوں اور تاریکیوں بھرا میدان اور ایسا میدان ہوتا ہے۔

جس کا مستقبل وحشت ناک اور نامعلوم ہوتا ہے۔ بہرحال آیت کے آخر میں مختصراً فرمایا گیا ہے ان پر افسوس ہے کہ موت اور تباہی ان کے لئے ان کی زندگی سے بہتر ہے۔

(۲۱) اس آیت میں فرمایا گیا ہے لیکن اگر وہ اطاعت کریں اور فرمان جہاد سے منہ نہ موڑیں، نیک، سنجیدہ اور اچھی باتیں کریں تو یہ ان کے لئے بہتر ہے۔

مزید فرمایا گیا ہے پھر جب لڑائی ٹھن جائے اور حکم جہاد ہو جائے تو اگر یہ لوگ خدا سے سچے رہیں اور صدق وصفا کی راہ اختیار کریں تو ان کے حق میں بہتر ہے۔

یہ بات دنیا میں بھی اس کی سرفرازی کا باعث ہے اور آخرت میں بھی وہ ثواب عظیم اور بہت بڑی کامیابی حاصل کریں گے۔

(۲۲) آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے لیکن اگر مخالفت کا راستہ اختیار کرو اور فرمان الٰہی اور اس کی کتاب پر عمل کرنے سے روگردانی کرو تو تم سے سوائے روئے زمین پر فساد برپا کرنے اور قطع رحمی کے اور کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔

کیونکہ اگر تم قرآن اور توحید سے روگرداں ہو جاؤ تو یقیناً جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ گے اور جاہلیت کا طریقہ کار تو بس قتل و غارت اور خوں ریزی اور قریبی عزیزوں اور بیٹیوں کو موت کے گھاٹ اتارنا ہے۔

(۲۳) یہ آیت اس منافق اور بہانہ جو مفسد گروہ کے حتمی انجام کو ان لفظوں میں بیان کرتی ہے یہ وہی لوگ ہیں جنہیں خدا نے اپنی رحمت سے دور رکھا، ان کے کانوں کو بہرہ اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ نہ تو وہ کسی حقیقت کو سن سکتے ہیں اور نہ ہی اسے دیکھ سکتے ہیں۔

وہ اسلامی جہاد کو جو حق وعدالت پر مبنی ہوتا ہے قطع رحمی اور فساد فی الارض سے تعبیر کرتے ہیں لیکن دور جاہلیت میں انہوں نے خود جن جرائم کا ارتکاب کیا ہے اپنی حکومت کے دوران بے گناہوں کا جو خون بہایا ہے اور معصوم نومولود بچوں کو اپنے ہاتھوں سے زندہ درگور کیا ہے کیا وہ سب حق بھی تھا اور عدالت پر مبنی بھی؟ خدا کی لعنت ہوان پر جن کے پاس نہ تو حق سننے کے لئے کان ہیں اور نہ ہی حقیقت کو دیکھنے کے لئے آنکھیں۔

(۲۴) اسی سلسلے کی دوسری آیت میں اس بدبخت گروہ کے انحراف اور گمراہی کے سبب کو یوں بیان فرمایا گیا ہے تو کیا یہ لوگ قرآن آیات میں غور نہیں کرتے تا کہ حقائق ادراک کر کے اپنے فرائض کو انجام دیں، یا پھر کیا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں۔

اس طرح قرآن مجید کو مسلمانوں کی زندگی کے لئے راہنما کی حیثیت سے اختیار کیا جانا چاہئے ااور اسے اپنے لئے اسوہ اور نمونہ عمل قرار دینا چاہئے اس کے احکام پر پورے طور پر عمل کرنا چاہئے۔ اور اس سے سرموں انحراف نہیں کرنا چاہئے اور زندگی کے تمام خطوط کو اس سے ہم آہنگ کرنا چاہئے۔

نیز اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ قرآن مجید سے استفادہ کے لئے ایک قسم کی خودسازی کی ضرورت ہوئی ہے قرآن مجید خود بھی اس قسم کی خودسازی کے لئے معاون ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اگر دلوں پر ہوا و ہوس، تکبر اور غرور، ہٹ دھرمی اور تعصب کے تالے لگے ہوئے ہوں تو یہ رکاوٹیں نور حق کو ان میں داخل ہونے سے روک دیتی ہیں۔

(۲۵) اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَ اَمْلٰى لَهُمْ	جو لوگ حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی الٹے پاؤں پھر گئے ہیں، شیطان نے ان کے برے اعمال کو ان کی نگاہوں میں بنا سجا کر پیش کیا ہے اور انہیں لمبی آرزوؤں پر فریفتہ کیا ہے۔

(۲۶)ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡا لِلَّذِیۡنَ کَرِهُوۡا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِیۡعُکُمۡ فِیۡ بَعۡضِ الۡاَمۡرِ ۚ وَ اللّٰهُ یَعۡلَمُ اِسۡرَارَهُمۡ	یہ اس لئے ہے کہ وہ (منافقین) ان لوگوں سے کہتے ہیں جو (پیغمبر پر) نزول وحی کو ناپسند کرتے ہیں کہ ہم بعض کاموں میں تمہاری پیروی کریں گے، جب کہ خدا ان کے رازوں سے آگاہ ہے۔
(۲۷)فَکَیۡفَ اِذَا تَوَفَّتۡهُمُ الۡمَلٰٓئِکَةُ یَضۡرِبُوۡنَ وُجُوۡهَهُمۡ وَ اَدۡبَارَهُمۡ	اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب (موت کے) فرشتے ان کے چہروں اور ان کی پشت پر مارتے ہوں گے (اور ان کی روح قبض کریں گے)
(۲۸)ذٰلِکَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوۡا مَاۤ اَسۡخَطَ اللّٰهَ وَ کَرِهُوۡا رِضۡوَانَهٗ فَاَحۡبَطَ اَعۡمَالَهُمۡ ۠	یہ سب اس وجہ سے ہے کہ جس چیز سے خدا ناخوش ہے، اس کی تو یہ لوگ پیروی کرتے ہیں اور جس میں خدا کی خوشی ہے اس سے بیزار ہیں۔ لہذا خدا نے ان کے سب اعمال اکارت کر دیئے۔

تفسیر

وہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟

یہ آیات بھی منافقین کے بارے میں ہیں اور ان کے مختلف اعتراضات بیان کر رہی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے بیشک جو لوگ حق واضح ہوجانے کے بعد بھی الٹے پاؤں پھر گئے ہیں، شیطان نے ان کے برے اعمال کو ان کی نگاہوں میں بنا سجا کر پیش کیا ہے اور انہیں لمبی آرزوں پر فریفتہ کردیا ہے۔

(۲۶)اس آیت ان شیطانی تسویلات اور سجاوٹوں کی اس طرح تشریح کرتی ہے یہ اس لئے کہ وہ ان لوگوں سے کہتے ہیں جو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی کو ناپسند کرتے ہیں، ہم بعض کاموں میں تمہاری بات مانیں گے۔

منافقین کا کام یہی ہوتا ہے کہ وہ غلط کار اور مخالف لوگوں کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ اور اگر تمام پہلوؤں کے لحاظ سے ان میں مشترک قدریں نہ پائی جاتی ہوں تو جس حد تک بھی ان کی قدریں آپس میں مشترک ہوتی ہیں ان سے تعاون بلکہ ان کی اطاعت کرتے ہیں۔

منافقین مدینہ بھی بنی نضیر اور بنی قریظہ کے یہودیوں کے پاس آئے جو آنحضرت کی بعثت سے قبل اسلام کے مبلغ تھے۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوگئی تو حسن، تکبر اور مفادات خطرے میں پڑ جانے کی وجہ سے ظہور اسلام کو ناپسند کرنے لگے اور چونکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سازشیں منافقین اور یہود کے درمیان قدر مشترک تھیں لہذا ان سے باہمی تعاون کا وعدہ کرلیا۔

آیت کے آخر میں انہیں مختصر سی عبارت کے ساتھ تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے خدا ان کی مخفی باتوں اور رازوں سے آگاہ ہے۔

ان کے باطنی کفر اور نفاق سے بھی آگاہ ہے اور یہودیوں کے تعاون سے یہ جو سازشیں تیار کرتے ہیں ان سے بھی آگاہ ہے اور وقت آنے پر انہیں سزا دے گا۔

(۲۷) اس آیت میں اس تہدید کی وضاحت ہے جس میں کہا گیا ہے اس وقت ان کا کیا حال ہوگا جب موت کے فرشتے ان کے چہروں اور پشت پر ماریں گے اور ان کی روح قبض کریں گے۔

(۲۸) ان کے چہروں پر اس لئے ماریں گے کہ انہوں نے دشمنان خدا کی طرف منہ کیا ہوگا اور پشت پر اس سے لئے کہ خدا کی آیات اور پیغمبر کی طرف پشت کی ہوگی۔

اسی سلسلے کی آخری آیت میں بھی بوقت وفات ان پر عذاب الہی کی علت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے یہ عذاب اور سزا اس لئے ہے کہ جس چیز سے خدا ناخوش ہے اس کی تو یہ لوگ پیروی کرتے ہیں اور جس میں خدا کی خوشی ہے اس سے بیزار ہیں۔ لہذا خدا نے ان کے سب اعمال کو اکارت کردیا ہے۔

کیونکہ تمام اعمال کی قبولیت اور ہر قسم کی سعی و کوشش منظور ہونے کی شرط اولین خدا کی رضا ہے۔

(۲۹) اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ	کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے ان کا یہ خیال ہے کہ خدا ان کے کینوں کو ظاہر نہیں کرے گا؟
(۳۰) وَ لَوْ نَشَآءُ لَاَرَیْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِیْمٰهُمْ ؕ وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ	اگر ہم چاہیں تو انہیں تجھ کو دکھادیں تاکہ تو انہیں ان کے چہروں سے پہچان لے، اگرچہ تو انہیں ان کے انداز گفتگو سے پہچان سکتا ہے، اور خدا تمہارے اعمال سے واقف ہے۔

(۳۱)وَ لَنَبۡلُوَنَّكُمۡ حَتّٰى نَعۡلَمَ الۡمُجٰهِدِيۡنَ مِنۡكُمۡ وَ الصّٰبِرِيۡنَ ۙ وَ نَبۡلُوَا۟ اَخۡبَارَكُمۡ	ہم تم لوگوں کوضرور آزمائیں گے تاکہ معلوم ہوجائے کہ تم لوگوں میں صحیح معنوں میں مجاہد اور صابر کون ہیں؟ نیز ہم تمہاری خبروں کوبھی آزمائیں گے۔

تفسیر

منافقین اندازگفتگو سے پہچانے جاتے ہیں

ان آیات میں بھی ایک اور بحث کے حوالے سے منافقین کی صفات اور علامات کی طرف اشارہ کیا گیا ہےاوراس بات پر خاص تاکید کی گئی ہے کہ یہ لوگ یہ تصور نہ کریں کہ ہمیشہ اپنے نفاق کو رسول خدا اور مومنین سے چھپائے رکھیں گے اوراپنے آپ کو بہت بڑای رسوائی سے بچاتے رہیں گے۔

سب سے پہلے فرمایا گیاہے کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے انہیں یہ خیال ہے کہ خدا ان کے شدید کینوں کو ظاہر نہیں کرے گا۔

(۳۰) لہٰذا اس آیت میں فرمایا گیا ہے اگر ہم چاہیں تو انہیں تجھ کو دکھا بھی دیں تاکہ تو ان کو ان کے چہرے مہرے سے پہچان لے۔

ہم ان کے چہروں پر ایسا نشان لگائیں گے جسے دیکھ کر آپ صلى الله عليه وآله وسلم ان کے نفاق سے آگاہ ہوجائیں گے اور''رأی العین'' سے انہیں دیکھیں گے۔

پھر فرمایا گیا ہے اگر چہ تو اب بھی انہیں ان کے انداز گفتگو سے پہچان سکتا ہے۔

یعنی دل کے مریض منافقوں کو اس طرح پہچانا جاسکتا ہے۔ کہ وہ ایک صریح اور واضح معنی کو کنائے، تکلیف وتعبیر اور دل دکھانے کے انداز میں استعمال کرتے ہیں۔

لہٰذا ابوسعید خدری سے مروی ایک مشہور روایت میں ہے۔

"لحن القول" سے مراد علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ بغض ہے اور پیغمبر خدا کے زمانے میں منافق لوگوں کو ہم علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ دشمنی سے پہچانا کرتے تھے"۔

جی ہاں! منافقوں کی ایک واضح علامت یہ بھی ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے مومن اول اور اولین جانباز اسلام سے دشمنی کیا کرتے تھے۔

آج کے دور میں بھی ''لحن القول'' کے ذریعے اوران کے اہم اجتماعی مسائل خصوصاً بحرانوں اور جنگوں میں ردِعمل کی وجہ سے منافقین کی پہچان مشکل بات نہیں ہے اور ذرا سا غور وفکر کرنے سے انہیں ان کی رفتار اور گفتار سے پہچانا جاسکتا ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا گیا ہے خدا تم سب کے اعمال کو جانتا ہے۔

(۳۱) اس آیت میں مومنین اور منافقین میں تمیز اور پہچان کے ذرائع پر زیادہ سے زیادہ تاکید کے طور پر فرمایا گیا ہے اور ہم تم لوگوں کو ضرور آزمائیں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تم لوگوں میں صحیح معنوں میں مجاہد اور صابر کون ہیں اور مجاہدوں کی شکل کے سست عناصر منافق کون ہیں؟

نیز اسی آیت کے ذیل میں فرمایا گیا ہے تمہاری آزمائش کے علاوہ ہم تمہاری خبروں کو بھی آزمائیں گے۔

تو اس طرح سے خدا تعالیٰ انسانوں کے اعمال کو بھی آزماتا ہے اور ان کی گفتار اور خبروں کو بھی۔

بہر حال یہ پہلی مرتبہ نہیں ہے کہ خداوند عالم لوگوں کو علی الاعلان فرما تا رہا ہو کہ ہم تمہیں آزمائیں گے تاکہ تمہاری صفیں ایک دوسرے سے نمایاں اور ممیّز ہو جائیں اور حقیقی مومنین کو ضعیف الاعتقاد اور منافقین سے علیحدہ پہچانا جا سکے۔ قرآن کی بہت سی آیات میں آزمائش و امتحان کے مسئلے کو بیان کیا گیا ہے۔

ہم نے بھی پہلی جلد سورہ بقرہ کی آیت ۵۵ کے ذیل میں خدا کی آزمائش کے بارے میں تفصیل سے بحث کی ہے اسی طرح سورہ عنکبوت کے آغاز میں بھی ملاحظ ہو۔

(۳۲) اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ شَآقُّوا الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَیَّنَ لَہُمُ الۡہُدٰی ۙ لَنۡ یَّضُرُّوا اللّٰہَ شَیۡئًا ؕ وَ سَیُحۡبِطُ اَعۡمَالَہُمۡ	بے شک جو لوگ کافر ہو گئے، انہوں نے لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا اور حق کے ظاہر ہو جانے کے بعد رسول خدا کی مخالفت کی تو وہ خدا کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچاتے جب کہ وہ (اللہ) بہت جلد ان کے اعمال کو اکارت کر دے گا۔
(۳۳) یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ لَا تُبۡطِلُوۡۤا اَعۡمَالَکُمۡ	اے وہ لوگوں جو ایمان لے آئے ہو! خدا کی اطاعت کرو، رسول خدا کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو۔
(۳۴) اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ صَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ثُمَّ مَاتُوۡا وَ ہُمۡ کُفَّارٌ فَلَنۡ یَّغۡفِرَ اللّٰہُ لَہُمۡ	جو لوگ کافر ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا، پھر کافر ہی مر گئے تو خدا ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

تفسیر

کفر کی حالت میں مرنے والے نہیں بخشے جائیں گے۔

گذشتہ آیات میں منافقین کے بارے میں مختلف زاویوں سے گفتگو کی گئی تھی اب ان آیات میں کفار کے ایک اور ٹولے کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے بے شک جو لوگ کافر ہو گئے انہوں نے لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا اور حق ظاہر ہو جانے

کے بعد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کی مخالفت کی تو وہ خدا کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچاتے اور وہ بہت جلد ان کے اعمال کو اکارت کردے گا۔

ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ وہی مشرکین مکہ ہوں یا مدینہ کے کافر یہودی ہوں یا دونوں قسم کے لوگ ہوں۔

(۳۳)اس آیت میں روئے سخن مومنین کی طرف ہے اور کفار و منافقین کے طرز عمل کو واضح کرنے کے بعد ان کے راستے کی ان الفاظ میں وضاحت کی گئی ہے اے وہ لوگو جو ایمان لے آئے ہو! خدا کی اطاعت کرو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو۔

(۳۴)اسی سلسلے کی آخری آیت گذشتہ آیات میں کفار کے متعلق جو کچھ بیان ہو چکا ہے ان کی وضاحت اور تاکید کے طور پر ہے اور ساتھ ہی ان لوگوں کو توبہ اور بازگشت کے رستے بتا رہی ہے جو توبہ کرنے کے لئے مائل ہوں، ارشاد ہوتا ہے۔ بے شک جو لوگ کافر ہو گئے اور انہوں نے لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا، پھر کافر ہی مر گئے تو خدا ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔

کیونکہ موت کے ساتھ ہی توبہ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور وہ اپنے کفر اور دوسروں کی گمراہی کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا کر اس دنیا سے سدھاریں گے۔تو پھر انہیں کیسے معاف کیا جاسکتا ہے؟

(۳۵)فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ ۖ وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ	پس تم کبھی ہمت نہ ہارو اور دشمن کو (رسوا کن) صلح کی دعوت نہ دو۔تم تو غالب ہو۔خدا تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے اعمال کے ثواب میں ہرگز کمی نہ کرے گا۔

تفسیر

بے جا اور رسوا کن صلح

گذشتہ آیات جہاد کے سلسلہ میں تھیں اور یہ آیات بھی جہاد ہی کے بارے میں ایک اہم نکتے کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور وہ یہ کہ سست اور ضعیف الایمان افراد جہاد کی سختیوں اور میدان جنگ کی مشکلات سے جان چھڑانے کے لئے عام طور پر صلح کا پرچار کرنے لگتے ہیں۔ یقیناً صلح ایک بہت اچھی چیز ہے،لیکن اپنے مقام پر۔ایسی صلح جو اسلام کے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کرے اور مسلمانوں کی عزت وعظمت اور شرافت کی حفاظت کرے، نہ کہ وہ صلح جو مسلمانوں کی ذلت اور خواری کا باعث بن جائے۔

اسی لئے ارشاد فرمایا گیا ہے اب جب کہ گذشتہ احکام کو تم نے سن لیا تو اب تم ہمت نہ ہارو اور دشمن کو صلح کی دعوت نہ دو،تم برتر ہو۔

یعنی اب جبکہ تمہاری فتح و برتری کی علامت ظاہر ہو چکی ہے تو تم ایسی صلح کی پیش کش کر کے اپنی کامیابی کو ملیامیٹ کر رہے ہو

جس صلح کا معنی پیچھے ہٹنا اور شکست تسلیم کرنا ہے۔ یہ تو سستی اور کمزوری کی وجہ سے ہے، یہ ایک طرح کی بڑی آرام طلب ہے جس کے نتائج نہایت ہی دردناک اور خطرناک ہوتے۔

اسی آیت کے ضمن میں مسلم مجاہدین کے حوصلے بلند کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے اور خدا تمہارے ساتھ ہے اور وہ ہرگز تمہارے اعمال کے ثواب کو کم نہ کرے گا۔ جس کے ساتھ خدا ہے کامیابی کے تمام اسباب وعوامل بھی اسی کے پاس ہیں وہ اپنے آپ کو کبھی اکیلا نہیں سمجھتا نہ تو کبھی سستی کا اظہار کرتا ہے اور نہ ناتوانی کا، صلح کے نام پر دشمن کے آگے ہتھیار نہیں ڈالتا، شہدا کے خون سے حاصل ہونے والے نتائج کو برباد نہیں کرتا۔

(۳۶)اِنَّمَا الحَیٰوۃُ الدُّنیَا لَعِبٌ وَّ لَھوٌ ؕ وَ اِنۡ تُؤمِنُوۡا وَ تَتَّقُوۡا یُؤۡتِکُمۡ اُجُوۡرَکُمۡ وَ لَا یَسۡئَلۡکُمۡ اَمۡوَالَکُمۡ	دنیوی زندگی تو محض کھیل تماشا ہے، اگر تم ایمان رکھو اور تقویٰ اختیار کرو تو وہ تم کو پورا اجر عطا فرمائے گا اور (اس کے عوض) تم سے تمہارا مال طلب نہیں کروں گا۔
(۳۷)اِنۡ یَّسۡئَلۡکُمُوۡھَا فَیُحۡفِکُمۡ تَبۡخَلُوۡا وَ یُخۡرِجۡ اَضۡغَانَکُمۡ	کیونکہ اگر وہ تم سے مال طلب کرے، بلکہ تم سے اصرار کر کے مانگے بھی، تو تم بخل کرتے ہو اور وہ تمہارے غصے اور کینے کو ظاہر کر دے گا۔
(۳۸)ھٰۤاَنۡتُمۡ ھٰۤؤُلَآءِ تُدۡعَوۡنَ لِتُنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ۚ فَمِنۡکُمۡ مَّنۡ یَّبۡخَلُ ۚ وَ مَنۡ یَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا یَبۡخَلُ عَنۡ نَّفۡسِہٖ ؕ وَ اللّٰہُ الۡغَنِیُّ وَ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَکُمۡ ۙ ثُمَّ لَا یَکُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَکُمۡ ۠	جی ہاں! تم وہی لوگ تو ہو جو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہو تو بعض تم میں سے ایسے ہیں جو بخل کرتے ہیں، جو شخص بخل کرتا ہے تو وہ اپنے ہی سے بخل کرتا ہے اور خدا تو بے نیاز ہے جب کہ تم سب محتاج ہو۔ اور اگر تم روگردانی کرو گے تو خدا تمہاری جگہ پر دوسرے لوگوں کو لے آئے گا۔ اور وہ تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔

تفسیر

اگر تم روگردانی کرو گے تو دوسرے لوگ آجائیں گے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ سورہ محمد سورہ جہاد ہے جو جہاد کے مسئلے سے شروع ہوتی ہے اور جہاد ہی کے مسئلے پر ختم ہوتی ہے۔

زیر تفسیر آیات جواس سورت کی آخری آیات ہیں، اسی سلسلے میں انسانی زندگی کے ایک اور مسئلے کو بیان کر رہی ہیں۔اور مسلمانوں کواطاعت الٰہی کے لئے عموماً اور مسئلہ جہاد کیلئے خصوصاً پہلے سے زیادہ شوق دلا رہی ہے۔اورانہیں زیادہ سے زیادہ متحرک کر رہی ہیں۔اور بتا رہی ہیں کہ دنیاوی زندگی کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے کیونکہ جہاد سے باز رکھنے کا ایک اہم عامل دنیاوی زندگی سے مانوس ہونااور مادی دنیا سے دل لگانا ہے۔ارشاد ہوتا ہے دنیاوی زندگی تو بس کھیل تماشا ہے

''لعب''(کھیل) ایسے کام کو کہا جاتا ہے جس میں ایک طرح کا خیالی نظم ونسق پایا جائے،جس کے ذریعے ایک خیالی مقصد تک پہنچا جاسکے(فضول مشغولیت وتماشا)اس کام کو کہا جاتا ہے جوانسان کواپنی طرف مشغول رکھےاوراصولی مسائل سے اس کی توجہ ہٹا دے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ دنیاوی زندگی ایک کھیل تماشااور مہمل مشغولیت ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے اگر تم ایمان رکھواور تقویٰ اختیار کرو،تو وہ تم کو پورا اجر دے گا۔اوراس کے عوض میں تم سے تمہارا مال طلب نہیں کریگا۔اگر تمہارے مال میں سے کچھ مختصر سا حصہ زکوٰۃ اور شرعی حق کے نام سے تم سے لیا جاتا ہے تو وہ بھی خود تم پر ہی خرچ ہوتا ہے۔تمہارے یتیموں، حاجت مندوں اور مسافروں کی ضرورت یا نگہداشت کے لئے اور تمہارے ملک کا امن وامان بحال رکھنے اور استقلال اور آزادی کی حفاظت،ملک کا نظم ونسق چلانے،ملکی ضروریات کو پورا کرنے اور شہر وقصبات کو آباد رکھنے کے لئے ہے۔

بنا بریں یہ مقدر بھی خدا تمہارے لئے ہے، کیونکہ خدااور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سب لوگوں سے بے نیاز ہیں۔تو اس طرح سے آیت کے مفہوم اور صدقات وزکوٰۃ اور راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دینے والی دوسری آیات کے مفہوم کے درمیان کوئی تناقض نہیں۔

(۳۷) یہ آیت اکثر لوگوں کی مال و دولت سے محبت اور دلچسپی کی حد بیان کرتے ہوئے کہتی ہے اگر وہ تم سے مال کا مطالبہ کرے بلکہ اصرار بھی کرے پھر تم بخل کرو گے، بلکہ اس سے بڑھ کر تمہارے کینے اور غصے کو آشکار کرے گا۔

تواس طرح اس تازیانۂ ملامت کے ذریعے انسان کی خفتہ روح کو بیدار کیا جارہا ہے تاکہ وہ مال کی غلامی کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینکیں اور اپنے آپ کو اس حد تک تبدیل کریں کہ سب کچھ دوست کی راہ میں خرچ کر دیں اور سب کچھ اس کیلئے نثار کر دیں، جس کے بدلے میں اس کے تقویٰ،رضا اور خوشنودی کو حاصل کرلے۔

(۳۸) زیر تفسیر آیات میں سے آخری آیت جو سورہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی آخری آیت ہے اور گذشتہ آیات میں مذکور مادی مسائل اور لوگوں کی دنیا سے دلچسپی اور راہ خدا میں خرچ کرنے کے بارے میں ایک اور تاکید ہے ارشاد ہوتا جان لو کہ تم وہی لوگ ہو جو راہ خدا میں خرچ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہو تو تم میں سے بعض لوگ تو اس فرمان الٰہی کی اطاعت کرتے ہیں جب کہ بعض اور لوگ بخل کرتے ہیں۔

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ اس سے پہلی آیت میں تو کہا جا چکا ہے کہ خدا تم سے مال کا مطالبہ نہیں کرتا تو پھر اس آیت میں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم کیونکر دیا جا رہا ہے؟

آیت کا دوسرا حصہ خود ہی اس سوال کا جواب دیتا ہے اور کہتا ہے جو شخص خرچ کرنے سے بخل کرتا ہے تو وہ خود اپنے ہی لئے بخل کرتا ہے۔

کیونکہ اس خرچ کا نتیجہ دنیا میں بھی تمہارے حق میں ہے اور تمہارے فائدے کے لئے ہے کیونکہ طبقاتی فاصلے کم ہو جائیں گے، معاشرے میں امن وامان قائم ہوگا اور عداوت اور کینے کے بجائے پیار ومحبت اور صدق وصفا کا دور دورہ ہوگا۔ یہ ہے تمہارا دنیاوی ثواب اور فائدہ۔

اور آخرت میں بھی وہ تمہیں درہم ودینار کے بدلے میں ایسی نعمتیں عطا فرمائے گا، جس کا انسانی ذہن میں تصور محال ہے۔ اسی لئے تم جس قدر بخل کرو گے، خود اپنے ہی ساتھ بخل کرو گے۔

دوسرے لفظوں میں یہاں پر انفاق کا ذکر زیادہ تر جہاد کے بارے میں انفاق کے لئے ہے اور واضح بات ہے کہ جس قدر بھی جہاد کے امور میں زیادہ امداد کی جائے گی اسی قدر معاشرے کی عزت، استقلال اور وجود کی زیادہ حفاظت کی جا سکے گی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ خدا غنی اور بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو وہ تمہارے خرچ کرنے سے بھی بے نیاز ہے اور تمہاری اطاعت سے بھی۔ یہ تم ہو کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اس کے لطف وکرم، رحمت وعنایت اور اس کے اجر وثواب کے محتاج ہو۔

اصولی طور پر تمام ممکن الوجود اور سوائے ذات خدا کے کل کائنات مجسم ضرورت، فقر اور احتیاج ہے اور غنی بالذات صرف اور صرف خدا ہے۔ باقی سب اپنے اصل وجود میں بھی ہمیشہ اسی کے محتاج ہیں اور لحمہ بہ لحمہ اس کے فیض وجود کے لایزال منبع سے مدد حاصل کرتے رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ایک لحمہ کے لئے بھی وہ اپنے فیض کو روک لے تو تمام کائنات ختم ہو جائے اور عالم ہستی کی عمارت دھڑام سے نیچے آ گرے۔

آخری جملہ تمام مسلمانوں کے لئے تنبیہ کی حیثیت رکھتا ہے کہ تم اس عظیم نعمت کی قدر جانو کہ خدا نے تمہیں اپنے مقدس دین کا محافظ قرار دیا ہے تاکہ تم اس کے دین کے حامی اور اس کے رسول ﷺ کے مددگار رہو اگر تم نے اس عظیم نعمت کی قدر نہ جانی اگر تم نے روگردانی کی تو وہ یہ فریضہ کسی اور قوم کے سپرد کر دے گا۔ جو تم جیسی نہیں ہوگی۔

اگر تم نے اپنے موقف کی اہمیت کو نہ پہچانا اور اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہوئے تو خدا ایک اور قوم کو بھیجے گا اور یہ عظیم ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈال دے گا۔ وہ ایسی قوم ہوگی جو ایثار وقربانی، جاں نثاری اور فداکاری، جان ومال خرچ کرنے اور فی

سبیل اللہ انفاق کرنے میں تم سے کئی درجے برتر اور بالاتر ہوگی۔

یہ ایک بہت بڑی دھمکی اور تنبیہ ہے جس سے ملتی جلتی اور زبردست تنبیہ سورۂ مائدہ کی ۵۳ ویں اور ۵۴ ویں آیت میں بھی بیان ہو چکی ہے ارشاد ہوتا ہے۔

''اے ایمان دارو تم میں سے جو شخص بھی اپنے دین سے پھر گیا وہ خدا کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا خدا مستقبل میں ایسی قوم کو لے آئے گا۔ جسے وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ بھی خدا کو دوست رکھتی ہوگی، مومنین کے آگے تواضع اور کافروں کے سامنے ڈٹ جانے والی ہوگی۔ وہ ایسے لوگ ہوں گے جو راہ خدا میں جہاد کریں گے اور ملامت کرنے والوں سے ہرگز نہ گھبرائیں گے''۔

یہ بات بھی نہایت قابل توجہ ہے کہ زیر تفسیر آیت کے ذیل میں اکثر مفسرین نے نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کچھ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!

یہ کون لوگ ہیں جن کی طرف خدا نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے؟

اس دوران میں سلمان بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی ران پر (ایک اور روایت کے مطابق ان کے شانے پر) ہاتھ مار کر فرمایا۔

''یہ اور اس کی قوم مراد ہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا کی بلندیوں پر بھی ہو تو فارس کے رہنے والے کچھ لوگ اسے وہاں سے بھی حاصل کر لیں گے''۔

ایک اور حدیث حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے جو مندرجہ بالا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تتمہ کی حیثیت رکھتی ہے امام علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''خدا کی قسم خدا نے اپنے اس وعدے کو پورا فرمایا ہے اور غیر عرب کو جوان سے کئی گنا بہتر ہیں ان کا جانشین قرار دیا ہے''۔

سورۂ فتح

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا

اوراس کی ۲۹ آیات ہیں

سورۂ فتح کے مطالب

یہ سورت جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے فتح وکامیابی کا پیغام لانے والی ہے، دشمنان اسلام پر کامیابی، قطع اور نظر آنے والی کامیابی، خواہ وہ کامیابی فتح مکہ کے ساتھ مربوط ہو یا صلح حدیبیہ کے ساتھ یا فتح خیبر سے، یا مطلق طور سے کامیابی۔

جس وقت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ سے مدینہ کی طرف آرہے تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری بوجھل ہوگئی اور چلنے سے رک گئی، اور اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ مبارک کسی بظاہر وجہ کے بغیر سرور وشادمانی میں ڈوب گیا، اور فرمایا بس ابھی ابھی سورۂ فتح کی آیات مجھ پر نازل ہوئی ہیں۔

اور یہاں سے اس سورہ پر چھائی ہوئی ایک خاص فضاء کامل طور پر نمایاں ہوجاتی ہے۔

ایک اجمالی مطالعہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سورہ کے سات حصے ہیں۔

۱............یہ سورت، فتح کی بشارت سے شروع ہوتی ہے اور اس کے اختتام کی آیات بھی اسی مسئلہ سے مربوط ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ میں وارد ہونے اور اس میں مناسک عمرہ انجام دینے کے خواب کے پورا ہونے کی تاکید ہے۔

۲............اس سورت کا دوسرا حصہ صلح حدیبیہ ونزول سکینہ اور مومنین کے دلوں کے لئے تسلی سے مربوط واقعات، اور بیعت رضوان کے مسئلہ کو بیان کرتا ہے۔

۳............ایک اور حصہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبہ اور ان کے بلند وبالا مقصد کو بیان کیا گیا ہے۔

۴............ایک دوسرے حصے میں منافقوں کی کارشکنیوں اور میدان جہاد میں ان کے شرکت نہ کرنے کے بیہودہ عذروں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔

۵............ایک دوسرے حصہ میں منافقین کے کچھ نامناسب تقاضوں کا بیان ہے۔

۶............اس کے بعد یہ سورہ ان لوگوں کا تعارف کراتا ہے جو میدان جہاد میں شرکت کرنے سے معذور ہیں۔

۷............آخری حصہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دین کی راہ کے پیروکاروں کی خصوصیات اور مخصوص صفات کا بیان ہے۔

اس سورہ کی آیات، مجموعی طور پر حد سے زیادہ حساس، ومقدرساز ہیں اور خاص طور سے ان گوناگوں حوادث کے مقابلہ میں جن میں اسلامی معاشرہ الجھا ہوا ہے آج کے مسلمانوں کے لئے الہام آفرین ہیں۔

سورۂ فتح کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے یہ منقول ہے۔

''اپنے مالوں، عورتوں، اور جو کچھ تمہاری ملک میں ہے، اسے'' انا فتحنا '' کی قرات سے محفوظ کرلو جو شخص مسلسل اس کی تلاوت کرے تو قیامت کے دن ایک منادی اس طرح ندا کرے گا۔ کہ اسے تمام مخلوق سنے گی یہ میرے مخلص

بندوں میں سے ہے۔اسے میرے صالح بندوں کے ساتھ ملادو اور بہشت کے نعمتوں بھرے باغات میں اسے داخل کردو اور بہشتوں کے مخصوص مشروب سے اسے سیراب کرو'۔

یہ بات کہے بغیر ظاہر ہے کہ یہ سب فضلیت وافتخار،غور وفکر اور عمل سے خالی تلاوت سے حاصل نہیں ہوتا، بلکہ تلاوت کا اصل مقصد اپنے عادات واخلاق واعمال کو ان آیات کے مفاد کے مطابق ڈھالنا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے۔
(۱)اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ	ہم نے تیرے لئے واضح کامیابی فراہم کردی ہے۔

تفسیر

فتح المبین

اس سورہ کی پہلی آیت میں پیغمبر ﷺ کو ایک عظیم بشارت دی گئی ہے ایسی بشارت جو بعض روایات کے مطابق پیغمبر کے نزدیک تمام دنیا سے زیادہ محبوب تھی فرماتا ہے ہم نے تجھے آشکار اور نمایاں فتح دی ایسی نمایاں کامیابی جو صلح حدیبیہ سے مسلمانوں کو نصیب ہوئی۔لیکن ان آیات کی تفسیر کے واضح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر چیز سے پہلے یہاں مختصراً حدیبیہ کی داستان پیش کریں، جو ان کی شان نزول ہے۔

داستان صلح حدیبیہ

چھٹی ہجری کے ماہ ذی قعدہ میں پیغمبر اکرم ﷺ عمرہ کے قصد سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور تمام مسلمانوں کو اس سفر میں شرکت کا شوق دلایا، اگر چہ ایک گروہ کنارہ کش ہوگیا، مگر مہاجرین وانصار اور بادہ نشین اعراب کی ایک کثیر جماعت آپ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوگئی۔

یہ جمعیت جو تقریباً ایک ہزار چار سو افراد پر مشتمل تھی سب کے سب نے لباس احرام پہنا ہوا تھا اور تلوار کے علاوہ جو مسافروں کا اسلحہ شمار ہوتی تھی کوئی جنگی ہتھیار اپنے ساتھ نہ لیا تھا۔

جب پیغمبر ﷺ مکہ کے نزدیکی مقام عسفان پہنچے تو آپ کو اطلاع ملی کہ قریش نے یہ پختہ ارادہ کرلیا ہے کہ آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے، یہاں تک کہ پیغمبر ﷺ حدیبیہ میں پہنچ گئے۔

اسی دوران پیغمبر ﷺ نے عمر سے فرمایا کہ وہ مکہ جائیں اور اشراف قریش کو اس سفر کے مقصد سے آگاہ کریں عمر نے کہا بہتر یہ ہے کہ عثمان کو اس کام کے لئے بھیجا جائے، عثمان مکہ کی طرف آئے تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ مسلمانوں کے درمیان یہ افواہ پھیل گئی کہ ان کو قتل کردیا ہے اس موقع پر پیغمبر نے شدت عمل کا ارادہ کیا اور ایک درخت کے نیچے جو وہاں پر موجود تھا، اپنے اصحاب سے بیعت

لی، جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہوئی، اوران کے ساتھ یہ عہد و پیان کیا کہ آخری سانس تک ڈٹے رہیں گے، لیکن تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ عثمان صحیح وسالم واپس لوٹ آئے اوران کے پیچھے پیچھے قریش نے سہیل بن عمر کو مصالحت کے لئے پیغمبر کی خدمت میں بھیجا۔ بہت زیادہ بحث وگفتگو کے بعد صلح کا عہد و پیان ہوا۔

یہ پیان حقیقت میں ہر جہت سے ایک عدم تعرض کا عہد و پیاں تھا جس نے مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان مسلسل اور بار بار کی جنگوں کو وقتی طور پر ختم کردیا۔

صلح کے عہد و پیان کا متن اس طرح تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ لکھو:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیل بن عمرو نے جو مشرکین کا نمائندہ تھا کہا میں اس قسم کے جملہ سے آشنا نہیں ہوں۔ لہٰذا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لکھو "بسمک اللھم"

اس کے بعد فرمایا لکھو یہ وہ چیز ہے جس پر محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سہیل بن عمرو سے مصالحت کی۔

سہیل نے کہا: ہم اگر آپ کو رسول اللہ سمجھتے تو آپ سے جنگ نہ کرتے صرف اپنا اور اپنے والد کا نام لکھئے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی حرج نہیں لکھو یہ وہ چیز ہے جس پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ نے سہل بن عمرو سے صلح کی کہ دس سال تک دونوں طرف سے جنگ متروک رہے گی تا کہ لوگوں کو امن وامان کی صورت دوبارہ میسر آئے۔

تمام لوگ آزاد ہیں جو چاہئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد و پیان میں داخل ہو اور جو چاہے قریش کے عہد و پیان میں داخل ہو۔

اس کے علاوہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سال واپس چلے جائیں اور مکہ میں داخل نہ ہوں لیکن آئندہ سال ہم تین دن کے لئے مکہ سے باہر چلے جائیں گے اوران کے اصحاب آجائیں لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔

اس موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ قربانی کے وہ اونٹ جو وہ اپنے ہمراہ لائے تھے اسی جگہ قربان کردیں اور اپنے سروں کو منڈوائیں اور احرام سے باہر نکل آئیں لیکن یہ بات کچھ مسلمانوں کو سخت ناگوار معلوم ہوئی۔ لیکن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتی طور پر خود پیش قدمی کی اور قربانی کے اونٹوں کو نحر کیا اور احرام سے باہر نکل آئے اور مسلمانوں کو سمجھایا کہ یہ احرام وقربانی کے قانون میں ایک استثناء ہے جو خدا کی طرف سے قرار دیا گیا ہے۔

مسلمانوں نے جب دیکھا تو سر تسلیم خم کردیا اور پیغمبر کا حکم کامل طور سے مان لیا اور وہیں سے مدینہ کی راہ لی لیکن غم واندوہ کا ایک پہاڑ ان کے دلوں پر بوجھ ڈال رہا تھا کیونکہ ظاہر میں یہ سارے کا سارا سفر ایک ناکامی اور شکست تھی انہیں اس بات کی خبر نہیں تھی کہ صلح حدیبیہ کی داستان کے پیچھے مسلمانوں اور اسلام کے لئے کتنی کامیابیاں ہوئی ہیں اسی وقت سورۂ فتح نازل ہوئی اور پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فتح عظیم کی بشارت ملی۔

صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان سکون واطمینان کے ساتھ ہر جگہ آجا سکتے تھے اور ان کا جان ومال محفوظ ہو گیا تھا اور عملی طور پر مشرکین کے ساتھ قریبی تعلق اور میل جول پیدا ہوا۔ ایسے تعلقات جس کے نتیجے میں مشرکین کو اسلام کی زیادہ سے زیادہ پہچان کے ساتھ ان کی توجہ اسلام کی طرف مائل ہوئی۔

(۲) لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَ مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ يَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ	مقصد یہ تھا کہ خدا تیرے گذشتہ وآئندہ کے وہ گناہ جن کی وہ تیری طرف نسبت دیتے تھے، بخش دے، اور تجھ پر اپنی نعمت کو تمام کردے، اور تجھے راہ راست کی طرف ہدایت کرے۔
(۳) وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا	اور شکست ناپذیر کامیابی کو تیرے نصیب کرے۔

تفسیر

فتح مبین کے عظیم نتائج

ان دو آیات میں فتح مبین صلح حدیبیہ جو گذشتہ آیت میں بیان ہوئی تھی کے پر برکت نتائج کے ایک حصہ کی تشریح ہوئی ہے فرماتا ہے مقصد یہ تھا کہ خدا تیرے پہلے اور بعد کے گناہ بخش دے اور اپنی نعمت کو تجھ پر تمام کردے اور تجھے راہ راست کی ہدایت کرے۔

(۳) اور تجھے شکست ناپذیر فتح تک پہنچائے۔ اور اس طرح سے خدا نے اپنے پیغمبر کو فتح مبین کے سائے میں چار عظیم نعمتیں عطا فرمائیں مغفرت، تکمیل نعمت، ہدایت ونصرت۔

ایک اہم سوال کا جواب

جب کہ پیغمبر مقام عصمت کی بنا پر ہر گناہ سے پاک ہیں تو پھر اس جملہ سے کیا مراد ہے؟

اہم بات یہ ہے کہ ہم فتح حدیبیہ کا آمرزش گناہ کے مسئلہ کے ساتھ ربط معلوم کریں۔ کیونکہ اوپر کے اصل جواب کی چابی اسی میں چھپی ہوئی ہے۔

تاریخی واقعات اور حوادث پر غور وفکر کرنے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جس وقت کوئی سچا مذہب یا مکتب خیال ظاہر ہوتا ہے اور وہ قائم ہونے کی کوشش کرتا ہے تو بے ہودہ رسم ورواج کے وفادار۔ جو اپنے وجود کو خطرے میں پاتے ہیں۔ ہر قسم کی تہمت اور ناروا نسبت اس کے سر تھوپتے ہیں۔

اگر یہ مکتب اپنی پیش رفت کی راہ میں شکست سے دوچار ہو جائے تو مخالفین کے ہاتھ میں ناروا نسبتوں کی ایک محکم دستاویز آجاتی ہے اور وہ چیخنے چلانے لگتے ہیں۔ ہم نے کہا نہیں تھا کہ اس طرح ہے ہم کہتے نہیں تھے کہ یہ بات ہے؟

لیکن جب وہ کامیابی سے ہمکنار ہو جائے اور اپنے پروگراموں کو کٹھن آزمائشوں سے گزرتے ہوئے پورا کر لے تو تمام

ناروانسبتیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں اور تمام اس طرح کے فقرے ہم نے نہیں کہا تھا؟ افسوس وندامت میں بدل جاتے ہیں اور اس جگہ ہم نہیں جانتے تھے ہمیں معلوم نہیں تھا جیسے فقرے آجاتے ہیں۔

خصوصا پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں یہ ناروانسبتیں اور خیالی گناہ بہت زیادہ تھے آپ کو جنگ طلب، آگ بھڑکانے والا۔ سچے رسم ورواج کی پرواہ نہ کرنے والا، افہام وتفہیم کے ناقابل اور اسی قسم کی دوسری باتوں کا مرتکب سمجھتے تھے۔

صلح حدیبیہ نے اچھی طرح سے نشاندہی کر دی کہ آپ کا دین۔ دشمنوں کے خیال کے برخلاف ایک ترقی کرنے والا اور خدائی دین ہے۔

وہ خانہ خدا کا احترام کرتے ہیں بلا وجہ کسی قوم وقبیلہ پر حملہ نہیں کرتے دلیل کے ساتھ جچی تلی بات کرتے ہیں ان کے پیروکار اس کے عاشق ہیں وہ واقعا تمام انسانوں کو ان کے محبوب اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اگر دشمن جنگ کو اس کے اوپر سوار ہی نہ کر دیں تو وہ صلح اور امن وسلامتی کے طالب ہیں۔

اس طرح سے صلح حدیبیہ نے وہ تمام الزام جن کی ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد یا وہ تمام تہمتیں جن کی اس ماجرے سے پہلے یہاں تک کہ وہ گناہ بھی جن کے آپ کی طرف آئندہ نسبت دینے کا امکان تھا ان سب کو دھو دیا اور چونکہ خدا نے پیغمبر کو یہ کامیابی نصیب فرمائی، لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ خدا نے ان سب کو دھو دیا۔

نتیجہ اس کا یہ ہے کہ یہ الزامات واقعی الزام نہیں تھے بلکہ ایسے الزام تھے جو خیالی لوگوں کے افکار میں تھے جنہیں انہوں نے باور کر لیا تھا جیسا کہ سورۂ شعرا کی آیت ۱۴ میں موسیٰ علیہ السلام کی داستان میں بیان ہوا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ خدا میں عرض کیا۔

فرعونیوں کا میرے اوپر ایک گناہ ہے میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے اس گناہ کے جرم میں قتل کر دیں گے حالانکہ آپ کا گناہ بنی اسرائیل کے ایک مظلوم آدمی کی مدد کرنے اور فرعونیوں میں سے ایک ستمگر کی سرکوبی کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

(۴) هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ فِیۡ قُلُوۡبِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِهِمۡ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ۙ	وہی تو ہے جس نے مومنین کے دلوں میں سکون واطمینان نازل فرمایا۔ تاکہ ان کے ایمان میں مزید ایمان کا اضافہ ہو، نیز آسمانوں اور زمین کے لشکر خدا ہی کے لئے ہیں اور خدا دانا وحکیم ہے۔

تفسیر

مومنین کے دلوں پر نزول سکینہ

گذشتہ آیات میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ اتنی عظیم نعمتیں تھیں جو خدا نے فتح مبین صلح حدیبیہ کے سائے میں پیغمبر ﷺ کو عطا فرمائی تھیں لیکن زیر بحث آیت میں اس عظیم نعمت کے بارے میں بحث کر رہا ہے جو اس نے تمام مومنین کو مرحمت فرمائی ہے فرماتا ہے

وہی تو ہے جس نے مومنین کے دلوں میں سکون واطمینان نازل کیا تا کہ ان کے ایمان میں مزید اضافہ کرے۔

اور سکون واطمینان ان کے دلوں پر نازل کیوں نہ ہو۔ درآنحالیکہ آسمانوں اور زمین کے لشکر خدا کے لئے ہیں اور خدا داناد حکیم ہے۔

"سکینہ" اصل میں "سکون" کے مادہ سے دلی آرام واطمینان کے معنی میں ہے جو ہر قسم کے شک وتر دداور وحشت کو انسان سے زائل کردیتا ہے اور اس کو طوفان حوادث میں ثابت قدم رکھتا ہے۔

ممکن ہے اس سکون میں اعتقادی پہلو ہو، اور وہ اعتقاد میں ڈگمگانے سے بچائے، یا اس میں عملی پہلو ہو اس طرح سے کہ وہ انسان کو ثبات قدم، مقاومت اور صبر وشکیبائی بخشے۔ البتہ گذشتہ مباحث کی مناسبت سے اور خود آیت کی تعبیریں۔ یہاں زیادہ تر پہلے معنی کی طرف نظر جاتی ہے۔

(۵) لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ یُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِیْمًا ۙ	(اس فتح مبین سے ایک اور) مقصد یہ تھا کہ صاحب ایمان مردوں اور صاحب ایمان عورتوں کو (بہشت کے) باغوں میں داخل کرے، جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، وہ ان کے گناہوں کو بخش دے اور یہ خدا کے نزدیک بہت بڑی کامیابی ہے۔
(۶) وَّ یُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّیْنَ بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَیْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِیْرًا	اور (اس کے علاوہ) منافق مردوں، منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو، جو خدا کے بارے میں برے برے گمان رکھتے ہیں۔ عذاب کرے اور وہ برے حادثات (جن کے وہ مومنین پر نازل ہونے کے منتظر ہیں) صرف انہی پر نازل ہوں گے۔ خدا نے ان پر غضب فرمایا ہے، انہیں اپنی رحمت سے دور رکھتا ہے، اور جہنم ان کے لئے آمادہ و تیار ہے اور یہ کتنا برا انجام ہے!

(۷)وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا	آسمانوں اور زمین کے لشکر صرف خدا کے لئے ہیں اور خدا شکست ناپذیر اور حکیم ہے۔

تفسیر

فتح مبین کا ایک اور نتیجہ

شیعہ اور اہل سنت مفسرین کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے کہ جس وقت اس سورہ کی ابتدائی آیات میں پیغمبر اسلام کو فتح مبین، اتمام نعمت، ہدایت اور نصرت کی بشارت دی گئی، تو بعض مسلمانوں نے جو حوادث حدیبیہ سے دل تنگ اور پریشان تھے، عرض کیا۔

اے خدا کے رسول ﷺ یہ تمام خدائی نعمتیں آپ کو مبارک، خدا نے جو کچھ آپ کو دیا ہے یاد دے گا اسے تو اس بیان کر دیا ہے ہمیں وہ کیا دے گا؟ اس موقع پر پہلی زیر بحث آیت نازل ہوئی اور مومنین کو بشارت دی کہ ان کے لئے بھی بڑا ثواب اور اجر عظیم ہے۔

بہر حال یہ آیات اسی طرح صلح حدیبیہ سے مربوط لوگوں کے افکار میں مختلف عمل اور اس کے وزنی نتائج کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں اور ہر گروہ کی سرنوشت کو اس عظیم آزمائش کی بھٹی میں مشخص کرتی ہیں پہلے فرماتا ہے کہ اس عظیم فتح کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ صاحب ایمان مردوں اور عورتوں کو جنت میں داخل کرے جن کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں۔

وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے اور یہ عظیم نعمت ہرگز ان سے چھینی نہیں جائے گی۔

اس کے علاوہ یہ مقصد بھی تھا کہ ان کے برے اعمال پر پردہ ڈال دے اور انہیں معاف کر دے۔

اور یہ خدا نے نزدیک ایک عظیم کامیابی ہے۔

اس طرح سے خدا نے ان چار نعمتوں کے مقابلہ میں جو فتح مبین میں اپنے پیغمبر کو دیں۔ دو عظیم نعمتیں مومنین پر بھی ارزانی فرمائیں بہشت جاودانی اپنی تمام نعمتوں کے ساتھ۔ اور عفو و درگزر ان کی لغزشوں سے یہ اس روحانی اطمینان اور سکون کے علاوہ ہے جو انہیں اس دنیا میں عطا فرمایا ہے۔ اور ان تینوں نعمتوں کا مجموعہ ایک "فوز عظیم" (یعنی بہت بڑی کامیابی) ہے ان لوگوں کے لئے جو اس امتحان کی کھٹالی سے صحیح و سالم باہر نکل آئے۔

(۶) لیکن اس گروہ کے مقابلہ میں بے ایمان منافقین و مشرکین کا ایک گروہ تھا جن کی سرنوشت کی بعد والی آیت میں اس طرح تصویر کشی ہوئی ہے۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ خدا منافق مردوں اور عورتوں اور مشرک مردوں اور عورتوں کو سزا دے۔

وہی کہ جو خدا کے متعلق برا گمان کرتے تھے۔

ہاں! پیغمبر ﷺ اور مومنین کی مدینہ سے روانگی کے وقت یہ گمان رکھتے تھے کہ یہ وہ ہرگز صحیح و سالم مدینہ پلٹ کر نہیں آئے گا۔

اس کے بعد اس عذاب اور سزا کی وضاحت کرتے ہوئے چار عنوانوں کے تحت اس کی تشریح کرتا ہے۔ فرماتا ہے، حوادث

اور برے اثرات ونتائج صرف اسی گروہ پر نازل ہونگے۔

دوسرے یہ کہ خدا نے ان پر غضب کیا ہے۔اور انہیں اپنی رحمت سے بھی دور کر دیا ہے۔

اور آخر میں ان کے لئے ابھی سے جہنم فراہم کر رکھی ہے اور وہ کیا ہی برا انجام ہے۔

(۷) آخری زیر بحث آیت میں ایک مرتبہ پھر خدا کی قدرت کی عظمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے آسمانوں و زمین کے لشکر اور فوجیں خدا ہی کے لئے ہیں اور خدا عزیز وحکیم ہے۔

یہ بات ایک مرتبہ اہل ایمان کے مقامات اور نعمتوں کے ذیل میں بیان ہو چکی ہے اور ایک مرتبہ یہاں منافقین اور مشرکین کے عذاب اور سزاؤں کے ذیل میں آئی ہیں تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ وہ خدا جس کے زیر فرمان آسمانوں اور زمین کے سارے لشکر ہیں وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے اور اس پر بھی اسے توانائی حاصل ہے جس وقت اس کا دریائے رحمت موجزن ہوتا ہے تو جن میں لیاقت وشائستگی ہوتی ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں ان کے شامل حال ہوتا ہے اور جس وقت اس کے قہر وغضب کی آگ شعلہ زن ہو تو پھر کسی مجرم میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ فرار کر سکے۔

(۸)اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيۡرًا ۙ	ہم نے تجھے ایک گواہ، بشارت دینے والے اور ڈرانے والے کے عنوان سے بھیجا ہے۔
(۹)لِتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ تُعَزِّرُوۡهُ وَ تُوَقِّرُوۡهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّ اَصِيۡلًا	تا کہ تم لوگ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور اس کا دفاع کرو، اس کا احترام کرو اور صبح وشام خدا کی تسبیح کرو۔
(۱۰)اِنَّ الَّذِيۡنَ يُبَايِعُوۡنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوۡنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوۡقَ اَيۡدِيۡهِمۡ ۚ فَمَنۡ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنۡكُثُ عَلٰى نَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ اَوۡفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيۡهُ اللّٰهَ فَسَيُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۚ	جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں وہ حقیقت میں خدا ہی کی بیعت کرتے ہیں خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے، پس جو شخص بھی پیمان شکنی کرے گا وہ اپنے ہی نقصان میں پیمان شکنی کرے گا اور جو شخص اس عہد کو، جو اس نے خدا سے باندھا ہے، وفا کرے گا تو وہ (اللہ) اسے بہت جلد ایک عظیم اجر عطا فرمائیگا۔

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت کا استحکام اور لوگوں کی اس کے بارے میں ذمہ داریاں

ہم بیان کر چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ پر بعض نادانوں نے سخت تنقید کی یہاں تک کہ پیغمبر کے بارے میں ان کے سامنے ایسی

باتیں کی گئیں جن سے آپ کی بے حرمتی ہوتی تھی ان باتوں کا مجموعی طور پر تقاضا یہی تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و مقام اور مرتبہ و حیثیت کے بارے میں دوبارہ تاکید کی جائے۔

لہذا پہلی زیر بحث آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے ہم نے تجھے ایک گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

گواہ تمام امت مسلمہ پر بلکہ ایک معنی کے لحاظ سے تمام امتوں پر گواہ۔

(۹) اس آیت میں پیغمبر کے گذشتہ بیان کردہ اوصاف کے ایک مقصد اور نتیجہ کے عنوان سے پانچ اہم احکام بیان ہوئے ہیں جن سے دو حکم تو خدا کی اطاعت اور اس کی تسبیح وتنزیہ میں ہیں اور تین احکام مقام پیغمبر کی تعظیم اور ان کی اطاعت و دفاع کے بارے میں ہیں فرماتا ہے مقصد یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، اور دشمنوں کے مقابلہ میں اس کا دفاع کرو، اس کی عزت و احترام وتکریم کرو اور صبح وشام خدا کی تسبیح وتقدیس کرو۔

(۱۰) آخری زیر بحث آیت میں بیعت رضوان کے مسئلہ کی طرف ایک مختصر سا اشارہ ہے جو اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۸ میں زیادہ تفصیل کے طور پر آیا ہے۔

بہرحال قرآن مجید زیر بحث آیت میں کہتا ہے۔

جو لوگ تیری بیعت کرتے ہیں حقیقت میں وہ خدا کی بیعت کرتے ہیں اور خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ کے اوپر ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے جو شخص عہد اور پیمان شکنی کرے گا درحقیقت وہ اپنے ہی نقصان میں پیمان شکنی کرے گا اور اپنے عہد و پیمان کو توڑے گا۔

اور جو شخص اس عہد و پیمان کے مقابلہ میں جو اس نے خدا کے ساتھ باندھا ہے۔ وفادار رہے گا اور بیعت کا حق ادا کرے گا تو خدا اسے اجر عظیم دے گا۔

اس آیت میں قرآن مجید تمام بیعت کرنے والوں کو خبردار کر رہا ہے کہ اگر وہ اپنے عہد و پیمان پر برقرار رہیں تو ان کے لئے اجر عظیم ہوگا لیکن اگر وہ اس کو توڑ دیں تو اس کا نقصان خود انہیں کو ہوگا وہ یہ خیال نہ کرلیں کہ وہ خدا کو کوئی نقصان پہنچاتے ہیں۔

(۱۱)سَیَقُوْلُ لَکَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَ اَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ یَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ یَّمْلِکُ لَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِکُمْ ضَرًّا اَوْ اَرَادَ بِکُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ کَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا	عنقریب بادیہ نشین اعراب میں سے پیچھے رہ جانے والے (عذرتراشی کرتے ہوئے) کہیں گے کہ ہمارے اموال اور گھر والوں کی حفاظت نے ہمیں اپنی طرف مشغول رکھا (اور ہم سفر حدیبیہ میں آپ کے ہمراہ نہ جا سکے)۔ پس آپ ہمارے لئے طلب مغفرت کیجئے۔ یہ اپنی زبان سے وہ بات کہہ رہے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے۔ کہہ دو: کون ایسا ہے جو خدا سے تمہیں بچا سکے اگر وہ تمہارے لئے نقصان کا ارادہ کرے، یا کون ہے جو اس نفع کو روک سکے جسے پہنچانے کا وہ ارادہ کرے، اور خدا ان تمام اعمال سے جو تم انجام دیتے ہو آگاہ ہے۔!
(۱۲)بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓی اَهْلِیْهِمْ اَبَدًا وَّ زُیِّنَ ذٰلِکَ فِیْ قُلُوْبِکُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ وَ کُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا	بلکہ تم نے یہ گمان کر لیا تھا کہ پیغمبر اور مومنین ہرگز اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے، اور یہ غلط خیال تمہارے دلوں میں زینت پا گیا تھا، تم نے بدگمانی سے کام لیا اور آخر کار تم ہلاک ہوئے۔
(۱۳)وَ مَنْ لَّمْ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ سَعِیْرًا	اور وہ شخص جو خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان نہیں لایا (اس کی سرنوشت دوزخ ہے) کیونکہ ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

آسمانوں اورزمین کی مالکیت اور حاکمیت خدا ہی کے لئے ہے۔ جسے وہ چاہتا ہے (اور شائستہ دیکھتا ہے) بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے، اور خدا غفور ورحیم ہے۔	(۱۴) وَ لِلّٰهِ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ کَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا

تفسیر

جنگ میں نہ جانے والوں کی عذر تراشی

پہلی آیات میں منافقین اور مشرکین کی سرنوشت کا ذکر کرنے کے بعد یہاں پیچھے رہ جانے والے ضعیف الایمان لوگوں کی کیفیت کا بیان ہو رہا ہے تا کہ اس بحث کی کڑیاں مکمل ہو جائیں۔

فرماتا ہے عنقریب بادیہ نشین اعراب میں سے پیچھے رہ جانے والے عذر تراشی کرتے ہوئے کہیں گے ہمارے مال ومتاع اور بال بچوں کی حفاظت نے ہمیں اپنی طرف مائل رکھا اور ہم اس پر برکت سفر میں آپ کی خدمت میں نہ کرہ سکے اب ہمارے عذر کو قبول کرتے ہوئے ہمارے لئے طلب بخشش کیجئے۔

وہ اپنی زبان سے ایسی چیز کہہ رہے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے۔

وہ تو اپنی توبہ تک میں بھی مخلص نہیں ہیں۔

لیکن ان سے کہہ دے خدا کے مقابلہ میں اگر وہ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ وہ تمہارا دفاع کر سکے اور اگر وہ تمہیں کچھ نفع پہنچانا چاہے تو کس میں طاقت ہے کہ اسے روک سکے۔

ہاں! خدا ان تمام اعمال سے جنہیں تم انجام دیتے ہو باخبر اور آگاہ ہے۔

وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ یہ عذر اور بہانے واقعیت اور حقیقت نہیں رکھتے اور جو اصل حقیقت اور واقعیت ہے وہ تمہارا شک وتردد، خوف وخطر اور ضعف ایمان ہے۔

(۱۲) اس کے بعد مزید وضاحت کے لئے مکمل طور پر پردے ہٹا کر مزید کہتا ہے بلکہ تم نے تو یہ گمان کر لیا تھا کہ پیغمبر اور مومنین ہرگز اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ کر نہیں آئیں گے۔

ہاں! اس تاریخی سفر میں تمہارے شریک نہ ہونے کا سبب اموال اور بیوی بچوں کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ اس کا اصلی عامل وہ سوء ظن تھا جو تم خدا کے بارے میں رکھتے تھے اور اپنے غلط اندازوں کی وجہ سے یہ سوچتے تھے کہ یہ سفر پیغمبر اور مومنین کے ختم ہونے کا سفر

ہے اور اس سے کفارہ کشی کرنی چاہئے۔

ہاں! یہ غلط خیال اور شیطانی وسوسے تمہارے دلوں میں زینت پا چکے تھے۔

اور یہ تم نے برا گمان کیا۔

کیونکہ تم یہ سوچ رہے تھے کہ خدا نے پیغمبر کو اس سفر میں بھیج کر انہیں دشمن کے چنگل میں دے دیا ہے اور ان کی حمایت نہیں کرے گا۔

اور انجام کار تم ہلاک ہو گئے۔

اس سے بدتر ہلاکت اور کیا ہو گی کہ تم اس تاریخی سفر میں شرکت، بیعت رضوان اور دوسرے افتخارات واعزازات سے محروم رہ گئے اور اس کے پیچھے عظیم رسوائی تھی اور آئندہ کے لئے آخرت کا دردناک عذاب ہے

(۱۳) چونکہ اس قسم کی غلط صفات کا سرچشمہ بعض اوقات عدم ایمان ہوتا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں کہتا ہے جو شخص خدا اور اس کے پیغمبر پر ایمان نہیں لایا اس کی تقدیر جہنم کی آگ ہے کیونکہ ہم نے کافروں کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

(۱۴) انجام کار آخری زیر بحث آیت میں کفار اور منافقین پر خدا کے عذاب دینے کی قدرت کے اثبات کے لئے فرماتا ہے آسمانوں اور زمین کی مالکیت اور حاکمیت خدا کے لئے ہے، جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہے عذاب کرتا ہے اور خدا غفور ورحیم ہے۔

(۱۵) سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا	جب تم آئندہ چل کر مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے روانہ ہو گے تو پیچھے رہ جانے والے کہیں گے ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دیں (تاکہ اس جہاد میں شرکت کریں)۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں۔ کہہ دو: تمہیں ہرگز ہمارے ساتھ چلنے کی اجازت نہیں ہے۔ خدا نے پہلے ہی سے یہ کہہ دیا ہے لیکن عنقریب وہ یہ کہیں گے تم ہمارے بارے میں حسد کر رہے ہو۔ لیکن وہ اس بات کو سمجھتے ہی نہیں مگر تھوڑا۔

(۱۶) قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا	اعراب میں سے پیچھے رہ جانے والوں کو کہد و تمہیں عنقریب ایک جنگجو قوم کی طرف جانے کی دعوت دی جائے گی تا کہ تم ان سے جنگ کرو یا وہ اسلام لے آئیں، اگر تم نے اطاعت کی تو خدا تمہیں اچھی جزا دے گا اور اگر تم نے اسی طرح سے رو گردانی کی جیسے کہ پہلے بھی روگردانی کر چکے ہو تو وہ تمہیں دردناک عذاب دے گا۔
(۱۷) لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ؑ	''نابینا''، ''لنگڑے'' اور ''بیمار'' پر (اگر وہ میدان جہاد میں شرکت نہ کریں تو) کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا خدا اسے بہشت کے باغات میں داخل فرمائیگا جن کے (درختوں کے) نیچے نہریں جاری ہیں۔ لیکن جو شخص روگردانی کرے گا تو اللہ اسے دردناک عذاب میں گرفتار کرے گا۔

تفسیر

رہ جانے والے آمادہ طلب

جس وقت پیغمبر حدیبیہ سے پلٹ رہے تھے تو حکم خدا سے آپ نے حدیبیہ میں شرکت کرنے والے مسلمانوں کو فتح خیبر کی بشارت دی اور تصریح فرمائی کہ اس جنگ میں صرف وہ شرکت کریں گے اور جنگ میں حاصل شدہ مال غنیمت بھی انہیں کے ساتھ مخصوص ہوگا تخلف کرنے والوں کو ان غنائم میں سے کچھ نہ ملے گا۔

لیکن جونہی ان ڈرپوک دنیا پرستوں نے قرائن سے یہ سمجھ لیا کہ پیغمبر اس جنگ میں جو انہیں درپیش ہے یقینی طور پر کامیاب ہوں گے اور سپاہ اسلام کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آئے گا تو وقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور میدان خیبر میں شرکت کی اجازت چاہی اور شاید اس عذر کو بھی ساتھ لیا کہ ہم گذشتہ غلطی کی تلافی کرنے اپنی ذمہ داری کے بوجھ کو ہلکا کرنے گناہ سے توبہ کرنے اور اسلام و قرآن کی مخلصانہ خدمت کرنے کے لئے یہ چاہتے ہیں کہ ہم میدان جہاد میں آپ کے ساتھ شرکت

کریں وہ اس بات سے غافل تھے کہ قرآنی آیات پہلے ہی نازل ہو چکی تھیں اوران کے راز کو فاش کرچکی تھیں جیسا کہ پہلی زیر بحث آیت میں بیان ہوا ہے۔

جس وقت تم کچھ غنیمت حاصل کرنے کے لئے چلو گے تو اس وقت پیچھے رہ جانے والے کہیں گے ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دیں اوراس جہاد میں شرکت کرنے کا شرف بخشیں۔

اس منفعت جواور فرصت طلب گروہ کے جواب میں کہتا ہے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے کلام کو بدل دیں۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے ان سے کہہ دے تم ہرگز ہمارے پیچھے نہ آنا تمہیں اس میدان میں شرکت کرنے کا حق نہیں ہے۔

یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو میں اپنی طرف سے کہہ رہا ہوں یہ تو وہ بات ہے جو خدا نے پہلے سے ہی کہہ دی ہے اور ہمیں تمہارے مستقبل کے بارے میں باخبر کردیا ہے۔

خدا نے حکم دیا ہے کہ غنائم خیبر اہل حدیبیہ کے لئے مخصوص ہیں اوراس چیز میں کوئی بھی ان کے ساتھ شرکت نہ کرے لیکن یہ بے شرم اور پیچھے رہ جانے والے پھر بھی میدان سے نہیں ہٹتے اور تمہیں حسد کے ساتھ متہم کرتے ہیں اور عنقریب وہ یہ کہیں گے کہ معاملہ اس طرح نہیں ہے بلکہ تم ہم سے حسد کررہے ہو۔

اوراس طرح سے وہ ضمنی طور پر پیغمبر کی بھی تکذیب کرتے ہیں اور جنگ خیبر میں انہیں شرکت سے منع کرنے کی اصل حسد کو شمار کرتے ہیں۔

قرآن آخری جملہ میں کہتا ہے لیکن وہ کچھ بھی تو نہیں سمجھتے مگر تھوڑا۔

ہاں! ان کی تمام بدبختوں کی اصل، جہالت، نادانی اور بے خبری ہے جو ہمیشہ ان کے دامن گیر رہی ہے خدا کے بارے میں جہالت اور مقام پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم معرفت اور انسانوں کی سرنوشت سے بے خبری اور دنیا کی دولت وثروت کے ناپائیدار ہونے کی طرف سے عدم توجہ۔

(۱۶) اسی بحث کو جاری رکھتے ہوئے حدیبیہ میں پیچھے رہ جانے والوں سے گفتگو میں بعد والی آیت میں ایک پیش نہاد کرتا ہے اوران کے سامنے بازگشت کی راہ کو اس طرح سے کھلی رکھتے ہوئے فرماتا ہے بادیہ نشین اعراب میں سے پیچھے رہ جانے والوں سے کہہ دو عنقریب تمہیں ایک جنگجو اور طاقتور قوم سے مقابلہ کے لئے نکلنے اوران سے جنگ کرنے کی دعوت دی جائے گی یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرلیں۔

اگر تم اطاعت کروگے تو خدا تمہیں نیک اجر دے گا اور اگر تم نے روگردانی کی جس طرح سے پہلے تم نے روگردانی کی تھی تو خدا تمہیں دردناک عذاب دے گا۔

اگر تم واقعاً اپنے پہلے عمل سے پریشان ہوگئے ہو اور راحت طلبی اور دنیا پرستی سے ہاتھ اٹھالیا ہے تو پھر اپنی صداقت کا امتحان

ایک دوسرے سخت اور خوفناک میدان میں دو، ورنہ سخت میدانوں سے اجتناب کرنا۔اور راحت وآرام اور صرف غنیمت کے لئے لڑائی کے میدانوں میں شرکت کرنا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

لیکن یہ جو جنگ جو اور طاقت ورقوم جس کی طرف سے اس آیت میں اشارہ ہوا ہے کونسی جمیعت تھی؟

''تقتلوهم او يسلمون ''(ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائیں) کا جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اہل کتاب نہیں تھے کیونکہ انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے بلکہ انہیں اس بات کا اختیار دیا جاتا ہے کہ یا تو وہ اسلام لے آئیں یا اہل ذمہ کی شرائط قبول کرتے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ صحیح طریقہ سے زندگی گزاریں اور جزیہ دیتے رہیں،صرف مشرکین اور بت پرست ہی ہیں جن سے سوائے اسلام کے کوئی چیز قابل قبول نہیں کیونکہ اسلام بت پرستی کو ایک دین کے طور پر قبول نہیں کرتا،اور بت پرستی ترک کرنے کے لئے مجبور کرنا جائز ہے۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ زمانہ پیغمبر ﷺ میں واقعہ حدیبیہ اور فتح خیبر کے بعد مشرکین کے ساتھ اہم جنگ سوائے فتح مکہ اور جنگ حنین کے اور کوئی نہیں تھی۔

لہٰذا زیر بحث آیت انہیں کی طرف اشارہ ہو سکتی ہے خصوصا جنگ حنین جس میں قبیلہ ہوازن اور بنی سعد کے سخت کوشش اور جنگ جو قسم کے لوگ شریک تھے۔

(۱۷) گذشتہ آیت کے نزول اور پیچھے رہ جانے والوں کو ''عذاب الیم''کی دھمکی دینے کے بعد معذوروں اور بیماروں کی ایک جماعت پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے خدا کے رسول ﷺ اس حالت میں ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی اوران کے لئے اس طرح حکم بیان کیا نابینا،لنگڑے اور بیمار پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر وہ میدان جہاد میں شرکت نہ کریں۔

صرف جہاد ہی نہیں ہے کہ جو قدرت وتوانائی کے ساتھ مشروط ہے بلکہ تمام شرعی ذمہ داریاں عمومی شرائط کے ایک سلسلہ کے ساتھ مشروط ہیں جن میں سے ایک توانائی اور قدرت ہے اور آیات قرآن میں بارہا اس معنی کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

لیکن یہ گروہ اگر چہ میدان جہاد میں شرکت سے معاف رکھا گیا ہے مگر انہیں بھی اپنے مقدور بھر قوائے اسلام کو طاقت پہنچانے اور اہداف الٰہی کو آگے بڑھانے کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔

اور شاید زیر بحث آیت کا آخری جملہ بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہو جس میں فرماتا ہے جو شخص خدا اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرے گا وہ اس کو بہشت کے ان باغات میں داخل کرے گا جس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو شخص روگردانی کرے گا اسے دردناک عذاب میں گرفتار کرے گا۔

(۱۸)لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ وَ اَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ۙ	خدا ان مومنین سے جنہوں نے درخت کے نیچے تیری بیعت کی، راضی اور خوش ہوا۔ خدا اس کو جو (صداقت و ایمان سے) ان کے دلوں میں چھپا ہوا تھا جانتا تھا۔ لہٰذا اس نے ان کے دل پر سکون و اطمینان نازل کیا اور اجر و پاداش کے عنوان سے ایک نزدیکی فتح انہیں نصیب فرمائی
(۱۹)وَّ مَغَانِمَ کَثِیْرَۃً یَّاْخُذُوْنَھَا ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا	اور بہت سے غنائم جنہیں وہی حاصل کریں گے۔ اور خدا عزیز و حکیم ہے

تفسیر

بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں سے خدا کی خوشنودی

ہم بیان کر چکے ہیں کہ واقعہ حدیبیہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قریش کے درمیان سفیروں کا تبادلہ ہوا تھا ان میں سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن عفان کو نمائندے کے طور پر مشرکین مکہ اور اشراف قریش کے پاس بھیجا تھا۔ لیکن قریش نے وقتی طور پر عثمان کو روک لیا اور اس کے بعد مسلمانوں میں افواہ پھیل گئی کہ عثمان مارا گیا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا جب تک کہ اس گروہ سے جنگ نہ کروں۔

اس کے بعد آپ اس درخت کے نیچے تشریف لائے جو وہاں پر موجود تھا اور لوگوں کے ساتھ تجدید بیعت کی اور ان سے خواہش ظاہر کی کہ مشرکین کے ساتھ جنگ کرنے میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ اور کوئی شخص میدان جہاد سے فرار نہیں کرے گا۔

یہ بیعت ''بیعت رضوان'' (خوشنودی خدا کی بیعت) کے عنوان سے مشہور ہوئی اور مشرکین کو لرزہ براندام کر دیا اور یہ تاریخ اسلام میں ایک نقطۂ عطف تھا۔

زیر بحث آیات اسی ماجرے کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔

پہلے فرماتا ہے۔ خدا ان مومنین سے جنہوں نے درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کی راضی اور خوشنود ہوا۔

اس بیعت کا مقصد توانائیوں کو زیادہ سے زیادہ منظم کرنا، روحانی تقویت، جنگی آمادگی کی تجدید، افکار کی آزمائش اور وفادار دوستوں کی فداکاری کے وزن کو آزمانا ہے۔

خدا نے ان فداکار اور ایثار پیشہ مومنین کو جنہوں نے اس حساس لمحہ میں پیغمبر سے بیعت کی تھی چار عظیم اجر عطا فرمائے۔ جن میں سے سب سے زیادہ اہم اس کی رضا و خوشنودی تھی جیسا کہ سورۂ توبہ کی آیت ۷۲ میں بیان ہوا ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے خدا اس عہد و پیمان کے بارے میں ان کی وفاداری پر آمادگی اور ان کے دلوں میں چھپے ہوئے ایمان اور صداقت کو جانتا تھا اس لئے ان پر سکون و آرام نازل کیا۔

ایسا سکون و اطمینان کہ دشمنوں کے انبوہ کے درمیان اپنے وطن اور شہر دیار سے دور دراز مقام پر ان کے آمادہ و تیار ہتھیار کے درمیان کافی اسلحہ پاس نہ ہونے کے باوجود کسی قسم کا خوف اور گھبراہٹ محسوس نہیں کی اور یہ ان کے لئے خدا کی دوسری نعمت تھی۔

آیت کے آخر میں تیسری نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اور انہیں اجر کے طور پر قریب کی فتح نصیب کی۔

ہاں! یہ فتح جو اکثر مفسرین کے قول کے مطابق فتح خیبر تھی اگر چہ بعض نے اسے فتح مکہ شمار کیا ہے۔ایثار پیشہ مومنین کے لئے خدا کی تیسری نعمت تھی۔

(۱۹) چوتھی نعمت جو بیعت رضوان کے بعد مسلمانوں کو نصیب ہوئی فراداں مادی غنائم تھے جیسا کہ بعد والی آیت میں فرماتا ہے اور دوسراا جروہ بکثرت غنائم ہیں جو ان کے ہاتھ آئیں گے۔

اسلامی جنگوں سے حاصل ہونے والے غنائم بھی جو فتح حدیبیہ کے بعد حاصل ہوئے اس میں شامل ہو سکتے ہیں۔

اور چونکہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس وعدہ الٰہی پر مکمل اطمینان رکھیں، آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے خدا شکست ناپذیر اور حکیم ہے۔

اگر تمہیں یہ حکم دیا ہے کہ حدیبیہ کے مقام پر صلح کرلو۔تو وہ حکمت کی اساس پر تھا وہ حکمت کہ وقت کے گزرنے نے اس کے اسرار سے پردہ اٹھا دیا ہے اور اگر وہ تمہیں فتح قریب اور غنائم کثیرہ کا وعدہ دیتا ہے تو وہ اس بات پر قادر ہے کہ اپنے وعدوں کو عملی جامہ پہنائے۔

اس طرح سے صاحب ایمان اور ایثار پیشہ مسلمانوں نے بیعت رضوان کے سایہ میں اور ان حساس لمحات میں پیغمبر سے وفاداری کا اعلان کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل کر لی جبکہ بے خبر اور ضعیف الایمان ڈرپوک منافق حسرت کی آگ میں جلتے رہے۔

بیعت اور اس کی خصوصیات

قرائن بتلاتے ہیں کہ بیعت مسلمانوں کی ایجادات میں سے نہیں ہے بلکہ یہ اسلام سے پہلے عربوں میں ایک رسم کے طور پر رائج تھی اسی بناء پر آغاز اسلام میں جب قبیلہ اوس اور خزرج حج کے موقع پر مدینہ سے مکہ آئے تو انہوں نے عقبہ میں پیغمبر ﷺ اسلام کی بیعت کی تھی مسئلہ بیعت کے سلسلہ میں ان کا یہ ردعمل ایک جانے پہچانے کام پر عمل تھا۔اس کے بعد پیغمبر گرامی اسلام ﷺ نے بھی مختلف مواقع پر مسلمانوں سے تجدید بیعت کی کہ ان میں سے ایک موقع یہی حدیبیہ میں بیعت رضوان کا تھا اور اس سے زیادہ وسیع وہ بیعت تھی جو فتح مکہ کے بعد انجام پائی۔جس کی تفصیل انشاءاللہ سورۂ ممتحنہ کی تفسیر میں بیان ہوگی۔

باقی رہی ''بیعت'' کی کیفیت تو وہ کلی طور پر اس طرح سے تھی کہ بیعت کرنے والا اپنا ہاتھ بیعت لینے والے کے ہاتھ پر رکھتا اور زبان حال یا زبان مقال کے ساتھ اطاعت ووفاداری کا اعلان کرتا۔ اور بعض اوقات بیعت کے ضمن میں اس کے لئے شرائط وحدود کا قائل ہوتا تھا مثلاً مال کی حد تک۔

بیعت یا جان کی حد تک پیغمبر اسلام ﷺ عورتوں کی بیعت کو بھی قبول کرتے تھے۔ لیکن وہ ہاتھ میں ہاتھ دینے کے طریقہ سے نہیں ہوتی تھی بلکہ جیسا کہ تواریخ میں آیا ہے آپ پانی کا ایک بڑا برتن لانے کا حکم فرماتے تھے اور اپنا ہاتھ برتن کی ایک طرف ڈبو دیتے تھے اور بیعت کرنے والی عورتیں اپنے ہاتھ دوسرے طرف ڈبو دیا کرتی تھیں۔

(۲۰) وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَ لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۙ	خدا نے بہت سے غنائم کا تمہیں وعدہ فرمایا ہے جو تم حاصل کرو گے لیکن ان میں سے یہ ایک تمہارے لئے جلدی فراہم کر دی ہے اور لوگوں (دشمنوں) کے دست ظلم کو تم سے روک دیا تا کہ یہ مومنین کے لئے ایک نشانی ہو اور تمہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرے۔
(۲۱) وَ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا	علاوہ ازیں دوسرے غنائم وفتوحات، جن پر تمہیں قدرت نہیں ہے لیکن خدا کی قدرت ان پر احاطہ رکھتی ہے، اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر

صلح حدیبیہ کی مزید برکات

یہ آیات اسی طرح سے صلح حدیبیہ سے مربوط مباحث اور اس کے بعد کے واقعات کو بیان کر رہی ہیں اور ان برکات وفوائد کی۔ جو اس رہ گزر سے مسلمانوں کو نصیب ہوئے۔ تشریح کر رہی ہیں۔

پہلے فرماتا ہے خدا نے بہت سے غنائم کا تم سے وعدہ کیا ہے جنہیں تم حاصل کرو گے لیکن یہ ایک بہت جلدی تمہارے لئے فراہم کر دی ہے۔

آیت کا لب ولہجہ بتاتا ہے کہ یہاں غنائم کثیرہ سے مراد وہ تمام غنائم ہیں جو خدا نے مسلمانوں کو عطا کئے تھے چاہے تھوڑی مدت میں اور چاہے طویل مدت میں۔

اس کے بعد اس ماجرہ میں مسلمانوں کے لئے خدا کے الطاف میں سے ایک دوسرے لطف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید فرماتا ہے اور لوگوں کے دست تعدی کو تم سے روک دیا۔

یہ ایک بڑا لطف تھا کہ وہ افراد کی کمی اور کافی مقدار میں آلات جنگ کے نہ ہونے کے باوجود وہ بھی وطن سے دور دراز کے علاقہ میں اور دشمن کے عین گڑھ میں حملے سے بچے رہے اور دشمن کے دل میں اس طرح کا رعب ڈالا کہ جس کی وجہ سے وہ ہر قسم کا حملہ کر نے سے رکے رہے۔

اس کے بعد اس آیت کو جاری رکھتے ہوئے خدا کی نعمتوں میں سے دو دوسری عظیم نعمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے مقصد یہ تھا کہ یہ واقعات مومنین کے لئے (تیری دعوت کی حقانیت پر) نشانی بنیں اور خدا تمہیں صراط مستقیم کی طرف ہدایت کر ے۔

(۲۱) اس آیت میں مسلمانوں کو مزید بشارت دیتے ہوئے کہتا ہے۔

خدا نے تمہیں اور دوسری فتوحات اور غنیمتوں کا وعدہ دیا جن پر تمہیں نہ پہلے قدرت تھی نہ اب ہے لیکن خدا کی قدرت ان سب پر احاطہ کئے ہوئے ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ فتح مکہ اور حنین کے مال غنیمت کی طرف اشارہ ہے اور بعض ان فتوحات اور اموال غنیمت کی طرف جو پیغمبر ﷺ کے بعد امت اسلامی کو نصیب ہوئے (مثل فتح ایران و روم و مصر)۔

یہ احتمال بھی ہے کہ ان تمام ہی کی طرف اشارہ ہو۔

بہرحال یہ آیت اخبار غیبی اور قرآن مجید کی آئندہ کے بارے میں پیشن گوئیوں میں سے ہے یہ کامیابیاں تھوڑی سی مدت میں وقوع پذیر ہوئیں اور ان آیات کی عظمت کو واضح کیا۔

(۲۲) وَ لَوۡ قٰتَلَکُمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوَلَّوُا الۡاَدۡبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡنَ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیۡرًا	اگر کفار (سرزمین حدیبیہ میں) تم سے جنگ کرتے تو بہت جلد بھاگ کھڑے ہوتے اور پھر کوئی اپنا ولی اور یار و یاور نہ پاتے۔
(۲۳) سُنَّۃَ اللّٰہِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلُ ۚۖ وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّۃِ اللّٰہِ تَبۡدِیۡلًا	یہ سنت الٰہی ہے جو پہلے بھی تھی اور تو کبھی بھی سنت الٰہی میں تغیر و تبدیلی نہ پائے گا۔
(۲۴) وَ ہُوَ الَّذِیۡ کَفَّ اَیۡدِیَہُمۡ عَنۡکُمۡ وَ اَیۡدِیَکُمۡ عَنۡہُمۡ بِبَطۡنِ مَکَّۃَ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ اَظۡفَرَکُمۡ عَلَیۡہِمۡ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرًا	اور اللہ وہی تو ہے جس نے ان کا ہاتھ تم سے اور تمہارا ہاتھ ان سے مکہ میں روک دیئے بعد اس کے کہ تمہیں ان پر فتح یاب کر دیا تھا، جو کچھ تم کرتے ہو خدا اسے دیکھ لیا ہے۔

(۲۵)هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ الْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ؕ وَ لَوْ لَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَئُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا	وہ ایسے لوگ ہیں جو کافر ہوگئے ہیں (انہوں نے) تمہیں مسجد الحرام (کی زیارت) سے روکا ہے، تمہاری قربانیوں کے قربان گاہ کی جگہ تک پہنچنے سے مانع ہوئے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ صاحب ایمان مرد اور عورتیں تمہاری بے خبری میں تمہارے پاؤں تلے روندے جائیں گے اور اس طرح سے ایک عار اور عیب لاشعوری طور پر تمہیں لگ جائے گا (تو خدا ہرگز اس جنگ سے مانع نہ ہوتا)۔مقصد یہ تھا کہ خدا جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے ۔اور اگر مومنین اور کفار (مکہ میں) ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے تو ہم کافروں پر دردناک عذاب کرتے ۔

تفسیر

اگر حدیبیہ میں جنگ ہو جاتی

یہ آیات اسی طرح سے ''حدیبیہ'' کے عظیم ماجرے کے کچھ دوسرے پہلوؤں کو بیان کر رہی ہیں اور اس سلسلہ میں دو اہم نکتوں کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔

پہلا یہ کہ خیال نہ کرو سرزمین ''حدیبیہ'' میں تمہارے اور مشرکین مکہ کے درمیان جنگ چھڑ جاتی تو مشرکین جنگ میں بازی لے جاتے' ایسا نہیں ہے' اکثر کفار تمہارے ساتھ وہاں جنگ کرتے تو بہت جلدی پیٹھ پھیر کے بھاگ جاتے' اور پھر کوئی ولی و یاور نہ پاتے''۔

(۲۳) اور یہ بات صرف تم تک ہی منحصر نہیں ہے یہ تو ایک سنت الٰہی ہے جو پہلے بھی یہی تھی اور تم سنت الٰہی میں ہرگز تغیر و تبدیلی نہ پاؤ گے۔

یہ خدا کا ایک دائمی قانون ہے کہ اگر مومنین جہاد کے معاملہ میں کمزوری اور سستی نہ دکھائیں اور پاکیزہ دل اور خالص نیت کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں تو خدا انہیں کامیابی عطا کرتا ہے۔

وہ اہم نکتہ جو یہ آیات خاص طور پر بیان کر رہی ہیں یہ ہے کہ کہیں قریش بیٹھ کر یہ نہ کہنے لگیں کہ افسوس ہم نے جنگ کیوں نہ کی اور اس چھوٹے سے گروہ کی سرکوبی کیوں نہ کی۔افسوس کہ شکار ہمارے گھر میں آیا اور اس سے ہم نے غفلت برتی افسوس افسوس۔

(۲۴) دوسرا نکتہ جو ان آیات میں بیان ہوا ہے یہ ہے فرماتا ہے وہی تو ہے جس نے کفار کے ہاتھ کو مکہ میں تم سے باز رکھا اور

تمہارے ہاتھ کوان سے یہ اس وقت ہوا جبکہ تمہیں ان پر کامیابی حاصل ہوگئی تھی اور خدا وہ سب کچھ جو تم انجام دے رہے ہو دیکھ رہا ہے۔

واقعاً یہ ماجرا "فتح المبین" کا واضح مصداق تھا وہی تعریف جو قرآن نے اس کے لئے انتخاب کی تھی ایک محدود جمیعت کا فی جنگی سازوسامان کے بغیر دشمن کی سرزمین میں داخل ہو جائے ایسا دشمن جس نے کئی بار مدینہ پر لشکر کشی کی تھی اور انہیں درہم برہم کرنے کے لئے ایک عجیب کوشش میں لگا ہوا تھا لیکن اب جبکہ اس نے ان کے شہر و دیار میں قدم رکھ دیا ہے تو اس طرح سے مرعوب ہوا کہ صلح کی پیش نہاد کرتا ہے۔

(۲۵) آخری زیر بحث آیت میں صلح حدیبیہ کے مسئلہ اور اس کے فلسفہ سے مربوط ایک دوسرے نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

وہ تمہارے دشمن ایسے لوگ ہیں جو کافر ہو گئے ہیں اور انہوں نے تمہیں مسجد حرام کی زیارت سے روک دیا ہے اور تمہاری قربانیوں کی قربان گاہ کے مقام تک پہنچنے میں مانع ہوئے ہیں۔

ان کا ایک گناہ تو ان کا کفر تھا اور دوسرا گناہ یہ کہ تمہیں انہوں نے مراسم عمرہ اور طواف خانہ خدا سے روک دیا اور تمہیں قربانی کے اونٹوں کو ان کے محل یعنی مکہ میں قربانی کی اجازت نہ دی۔

ان گناہوں کا تقاضا یہ تھا کہ خدا انہیں تمہارے ہاتھ سے سزا دیتا اور سخت عذاب کرتا۔

لیکن ایسا کیوں نہ کیا؟ آیت کے متن نے اس کی دلیل کو واضح کر دیا ہے فرماتا ہے اگر یہ وجہ نہ ہوتی کہ صاحب ایمان مرد اور عورتیں اسی دوران میں تمہاری لاعلمی اور بے خبری میں تمہارے رگڑے میں آکر ہلاک ہو جاتے اور اس طریقہ سے بغیر اطلاع کے عیب و عار تمہارے دامن گیر نہ ہو جاتا تو خداوند عالم ہرگز اس جنگ سے مانع نہ ہوتا اور تمہیں ان پر مسلط کر دیتا تاکہ وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ جائیں۔

یہ آیت مسلمان مردوں اور عورتوں کے اس گروہ کی طرف اشارہ ہے جو اسلام تو لے آیا تھا لیکن کئی ایک علل واسباب کی بناء پر وہ ہجرت کرنے پر قادر نہ ہوئے تھے اور مکہ ہی میں رہ گئے تھے۔

اس کے بعد اس بات کی تکمیل کے لئے مزید کہتا ہے مقصد یہ تھا کہ خدا جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔

ہاں! خدا چاہتا تھا کہ مکہ کے کمزورونا تواں مومنین کو اپنی رحمت کا مشمول کرے اور انہیں کوئی صدمہ نہ پہنچے۔

اور آیت کے آخر میں مزید تاکید کے لئے فرماتا ہے اگر مومنین کی صفیں مکہ میں کفار سے جدا ہو جاتیں اور مکہ کے مومنین کے ختم ہو جانے کا خوف نہ ہوتا تو ہم کفار کو دردناک عذاب کی سزا دیتے۔ اور انہیں تمہارے ہاتھ سے سخت سزا دیتے۔

یہ ٹھیک ہے کہ خدا معجزانہ طور پر اس گروہ کو دوسروں سے جدا کر سکتا تھا لیکن پروردگار کی سنت، استثنائی موقعوں کے سوا کاموں کو عادی اسباب سے انجام دینا ہے۔

متعدد روایات سے جو شیعہ اور اہل سنت کے طریق سے اس آیت کے ذیل میں نقل ہوئی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ صاحب ایمان افراد تھے جو کفار کے صلب میں موجود تھے خدا نے ان کی وجہ سے کفار کو عذاب نہیں کیا۔

(۲۶)اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۠	اس وقت کو یاد کرو جب کافر اپنے دلوں میں جاہلیت کا غصہ اورنخوت رکھتے تھے (اس کے مقابل) خدا نے اپنے رسول اور مومنین پر سکون اور واطمینان نازل فرمایا اوران کے لئے تقویٰ کولازم قرار دیا کیونکہ وہ ہر شخص سے زیادہ شائستہ، لائق اوراس کے حق داراوراہل تھے۔اور خداہر چیز کو جانتا ہے۔

تفسیر

تعصب اور حمیت جاہلیت، کفار کے لئے بزرگ ترین سد راہ

ان آیات میں پھر حدیبیہ کے ماجرے سے مربوط مسائل بیان کئے جارہے ہیں اوراس عظیم ماجرے کے دوسرے مناظر کو مجسم کررہا ہے۔

پہلے کفار کو خدا و پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے اورحق وعدالت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے روکنے والے ایک اہم ترین عامل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے اس وقت کو یاد کرو جب کافر اپنے دلوں میں جاہلیت کا غصہ اورنخوت رکھتے تھے۔

اوراس کی وجہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کے خانہ خدا میں داخل ہونے اورعمرہ وقربانی کے مراسم کے انجام دینے سے مانع ہوئے اور یہ کہا کہ اگر یہ لوگ جنہوں نے میدان جنگ میں ہمارے آباء واجداد اور بھائیوں کو قتل کیا ہے ہماری سرزمین اور ہمارے گھروں میں وارد ہوں اورصحیح وسالم پلٹ جائیں تو عرب ہمارے بارے میں کیا کہیں گے اور ہماری کیا حیثیت اوراعتبار باقی رہ جائے گا۔

انہوں نے اس عمل کے ذریعہ خانہ خدااوراس کے حرم امن کے احترام کو بھی توڑا،اوراپنے سنن وآداب کو بھی زیر پا روندااور اپنے اورحقیقت کے درمیان ایک ضخیم پردہ بھی کھینچ دیا۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے اس کے مقابلہ میں خدا نے اپنے رسول اور مومنین پر اپنا اطمینان اورقرار نازل فرمایا۔

اس آرام وسکون نے جو خدا پر ایمان اوراعتقاد اوراس کے لطف سے پیدا ہوا تھا۔انہیں ضبط اورنفس پر تسلط کی دعوت دی۔ یہاں تک کہ اپنے بزرگ مقاصد کی حفاظت کے لئے تیار ہوگئے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے جملہ کو ہٹا کر جو کاموں کے شروع کرنے کے لئے اسلام کی نشانی تھا اس کی جگہ جو عربوں کے ماضی دور کی یادگار تھی۔حدیبیہ کے صلح نامہ کے آغاز میں لکھنے پر آمادہ ہوگئے یہاں تک کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محترم نامہ کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب حذف کرنے پر بھی تیار ہوگئے اوراس عشق اور ولی تعلق کے برخلاف جو وہ خانہ خدا کی زیارت اور مراسم عمرہ سے رکھتے تھے اسی حدیبیہ سے مدینہ کی طرف لوٹ جانے پر آمادہ ہوگئے اوراپنے قربانی

کے اونٹ حج وعمرہ کی سنت کے برخلاف اسی جگہ قربان کرنے اور انجام مناسک کے بغیر ہی احرام سے باہر نکل آنے پر تیار ہو گئے۔

ہاں! جاہلیت کا تمدن حمیت وتعصب اور جاہلانہ غیض وغضب کی دعوت دیتا ہے لیکن اسلام کا تہذیب وتمدن قرار وآرام اور ضبط نفس کی طرف بلاتا ہے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے خدا نے ان کے لئے تقویٰ کو لازم دواجب قرار دے دیا اور وہ ہر شخص سے زیادہ اس کے حقدار لائق شائستہ اور اصل تھے۔

آیت کے آخر میں فرماتا ہے اور خدا ہر چیز سے آگاہ اور اس کا عالم تھا اور ہے۔

وہ کفار کی بری نیتوں کو بھی جانتا ہے اور سچے مومنین کے دلوں کی پاکیزگی کو بھی یہاں پر تو وہ اطمینان وتقویٰ کو نازل کرتا ہے اور وہاں جاہلیت کی حمیت کو مسلط کر دیتا ہے۔

(۲۷) لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ۗ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا	خدا نے جو کچھ اپنے رسول کو خواب کے عالم میں دکھایا وہ سچ تھا۔ انشاء اللہ تم سب کے سب قطعی طور پر انتہائی امن وامان کے ساتھ، اس حالت میں کہ تم اپنے سروں کو منڈوائے ہوئے گے، یا اپنے ناخنوں کو کٹوائے ہوئے ہوگے، مسجد الحرام میں داخل ہوگے اور کسی شخص سے تمہیں کوئی خوف و وحشت نہ ہوگی لیکن خدا کچھ ایسی چیزوں کو جانتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے۔ اس سے پہلے اس نے (تمہارے لئے) ایک قریب کی فتح قرار دی۔

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا خواب

یہ آیت بھی داستان حدیبیہ کے ایک اور گوشہ کی تصویر کشی کر رہی ہے قصہ یہ تھا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں ایک خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کے مناسک ادا کرنے کے لئے مکہ میں داخل

ہورہے ہیں اوراس خواب کوصحابہ کے سامنے بیان کردیا۔ وہ سب کے سب شادوخوش حال ہوئے لیکن چونکہ ایک جماعت یہ خیال کرتی تھی کہ اس خواب کی تعبیر اسی سال پوری ہوگی تو جس وقت قریش نے مکہ میں ان کے داخل ہونے کا راستہ حدیبیہ میں ان کے آگے بندکر دیا تو وہ شک وتردید میں مبتلا ہوگئے کہ کیا پیغمبر کا خواب غلط بھی ہوسکتا ہے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کیا میں نے تمہیں یہ کہا تھا کہ یہ خواب اسی سال پورا ہوگا؟

زیرنظر آیت اسی بارے میں مدینہ کی طرف بازگشت کی راہ میں نازل ہوئی اور تاکید کی کہ یہ خواب سچا تھا اور ایسا مسئلہ حتمی و قطعی اورانجام پاجانے والا ہے۔

فرماتا ہے خدا نے اپنے پیغمبر کوخواب میں جو کچھ دکھلایا تھا وہ سچ اور حق تھا۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے انشاءاللہ تم سب سے سب قطعی طور پرانتہائی امن وامان کے ساتھ اس حالت میں کہ تم اپنے سروں کومنڈوائے ہوئے ہوگے۔ یا اپنے ناخنوں کوکٹوائے ہوئے ہوگے مسجد الحرام میں داخل ہوگے اور کسی شخص سے تمہیں کوئی خوف و وحشت نہ ہوگی۔

لیکن خدا اس چیز کو جانتا ہے جسے تم نہیں جانتے۔

اس تاخیر میں ایک حکمت تھی اس سے پہلے ایک قریب کی فتح قرار دے دی۔

"قریباً" کا لفظ فتح خیبر کے ساتھ زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہ اس خواب کے پورا ہونے میں بہت کم فاصلہ رکھتا تھا۔

زیربحث آیت قرآن کے غیبی اخبار میں سے ایک اوراس کتاب کے آسمانی ہونے کے شواہد میں سے ہے اور پیغمبر گرامی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات میں سے بھی ہے جو اس قاطعیت اور تاکید کے ساتھ مسجد الحرام میں داخل ہونے اور مستقبل قریب میں مراسم عمرہ بجالانے کی خبر دیتی ہے اوراس سے پہلے فتح قریب اورنزدیکی کامیابی کی خبر بھی دیتی ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں یہ دونوں پیشن گوئیاں پوری ہوگئیں۔

(۲۸) هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ ؕ وَ کَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیۡدًا ؕ	وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پرغلبہ اور کامیابی فرمائے اوراس بات کے لئے خدا کی گواہی کافی ہے۔

(۲۹) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ٚ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۖ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ۠	محمد خدا کے رسول ہیں، جولوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے مقابلہ میں سخت، آپس میں مہربان ہیں تو انہیں ہمیشہ رکوع اور سجدے میں دیکھتا ہے۔ وہ ہمیشہ خدا کے فضل اور اس کی رضا کو طلب کرتے ہیں ۔ان کی نشانی ان کی پیشانیوں پر سجدہ کے اثر سے نمایاں ہے۔ یہ تعریف وتوصیف تو ان کی تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی توصیف یہ ہے کہ وہ ایسی زراعت کے مانند ہیں جس نے اپنی کونپلیں نکالی ہیں' پھر وہ قوت حاصل کر کے مضبوط اور محکم ہوگئیں، اپنے پاؤں پر کھڑی ہوگئیں اور اس قدر نشو ونما کی کہ زراعت کرنے والوں کو حیران کر دیا۔ یہ اس بنا پر ہے کہ کافروں کو غصہ دلائے۔ خدا نے ان میں سے ایسے لوگوں سے، جو ایمان اور عمل صالح بجالائے، بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

تفسیر

دشمنوں کے مقابلہ میں سخت گیر اور دوستوں کے لئے مہربان

ان دو آیات میں جو سورہ فتح کی آخری آیات میں فتح المبین یعنی صلح حدیبیہ سے مربوط دو دوسرے اہم مسائل کی طرف اشارہ کرتا ہے جن میں سے ایک تو اسلام کے عالمگیر ہونے کے ساتھ مربوط ہے اور دوسرے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام کے اصحاب کے اوصاف اور ان کی خصوصیات اور ان کے بارے میں خدائی وعدہ کو بیان کرتا ہے۔

پہلے کہتا ہے وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے اور اس بات کے لئے خدا کی گواہی کافی ہے۔

یہ خداوند قادر متعال کی جانب سے صریح اور دوٹوک وعدہ ہے اسلام کے تمام دینوں پر غالب ہونے کے بارے میں یعنی اگر خدا نے پیغمبر کے خواب کے ذریعہ کامیابی اور فتح کی خبر دی ہے کہ تم انتہائی امن اور امان کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہوگے اور مراسم

عمرہ بجالاؤ گےاور کسی میں تم سے مزاحمت کرنے کی جرات نہ ہوگی علاوہ ازیں اگر خدا تمہیں فتح قریب خیبر کی کامیابی کی خبر دے رہا ہے تو اس پر تعجب نہ کرو، یہ تو ابتدا ہے انجام کار اسلام عالمگیر ہو جائے گا اور تمام ادیان پر کامیاب و کامران ہوگا۔

اس بارے میں کہ اس کامیابی سے منطقی کامیابی مراد ہے فوجی و لشکری کامیابی۔

لفظ "یظھر" کا موقع استعمال بھی خارجی غلبہ کی دلیل ہے اور اسی بناء پر کہا جا سکتا ہے کہ ان بہت سے وسیع علاقوں کے علاوہ جو دنیا کے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں اسلام کی قلمرو میں داخل ہیں اور اس وقت بھی ۴۰ سے زیادہ اسلامی ممالک میں مجموعی طور پر تقریباً ایک ارب افراد پرچم اسلام کے زیر سایہ سانس لے رہے ہیں ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ ساری دنیا رسمی طور پر بھی اس پرچم کے نیچے آجائے گی اور یہ امر قیام مہدی علیہ السلام تکمیل کو پہنچے گا۔

آخری آیت میں قرآن پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص اصحاب و انصار کی اور ان افراد کی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ پر تھے تورات و انجیل کسی زبان سے ایک بہت ہی واضح تصویر پیش کرتا ہے اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے حدیبیہ اور دوسرے مراحل میں پامردی دکھائی ہے ایک فخر اور مباہات کی بات بھی ہے اور تمام قرون اعصار میں تمام مسلمانوں کے لئے ایک سبق آموز درس بھی ہے۔

ابتدا میں فرماتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خدا کا بھیجا ہوا رسول ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب و انصار کی تعریف و توصیف کا آغاز کرتے ہوئے ان کے ظاہر و باطن اور صاف اور عواطف و افکار و اعمال کو پانچ صفات کے ضمن میں بیان کرتا ہے۔ وہ لوگ جو اس کے ساتھ ہیں کفار کے مقابلہ میں زیادہ سخت اور محکم ہیں۔

اور دوسری صفت یہ بیان کرتا ہے۔ لیکن آپس میں رحم دل اور مہربان ہیں۔

درحقیقت ان کے عواطف و رجحانات کا خلاصہ یہ مہر اور قہر ہی ہیں لیکن ان دونوں کا ان کے وجود میں جمع ہونا کوئی تضاد نہیں رکھتا اور دشمن کے مقابلہ میں ان کا قہر اور دوستوں کے لئے ان کا مہر و محبت اس بات کا سبب نہیں بنتا کہ وہ راہ حق و عدالت سے قدم باہر رکھیں۔ تیسری صفت میں جو ان کے اعمال کے بارے میں ہے مزید کہتا ہے تو انہیں ہمیشہ رکوع و سجود کی حالت میں دیکھے گا اور وہ ہر وقت عبادت خدا میں مشغول رہتے ہیں۔

یہ تعبیر خدا کی عبادت و بندگی کو جو اس کے دو اصلی ارکان رکوع و سجود کے ساتھ بیان ہوئی ہے ان کی دائمی اور ہمیشہ کی حالت کے طور پر ذکر کرتی ہے ایسی عبادت جو حق تعالیٰ کے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے اور کبر و غرور اور خود خواہی کی ان کے وجود سے نفی کی رمز ہے۔

چوتھی توصیف و تعریف میں جو ان کی پاک اور خالص نیت سے بحث کرتی ہے فرماتا ہے وہ ہمیشہ خدا کے فضل اور اس کی رضا کو طلب کرتے ہیں۔ نہ تو وہ کھاوے اور ریاکاری کے لئے قدم اٹھاتے ہیں اور نہ ہی مخلوق خدا سے اجر و پاداش کی توقع رکھتے ہیں۔ بلکہ ان کی نظر صرف اس کی رضا و فضل پر لگی ہوئی ہیں۔

پانچویں اور آخری توصیف میں ان کے آراستہ اور نورانی پیکر ظاہر کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہتا ہے ان کی نشانی ان کے چہرے میں سجدہ کے اثر سے نمایاں ہے۔

بہرحال قرآن ان تمام اوصاف کو بیان کرنے کے بعد مزید کہتا ہے یہ ان اصحاب محمدؐ کی توصیف تورات میں ہے۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا بیان پہلے سے آچکا ہے اور ایسی توصیف وتعریف ہے جو ایک عظیم آسمانی کتاب میں ہے جو ایک ہزار سال سے پہلے نازل ہوئی تھی۔

لیکن اس بات کو نہیں بھولنا چاہیئے کہ اور وہ جو اسکے ساتھ ہیں کی تعبیر ایسے افراد کے بارے میں گفتگو کرتی ہے جو ہر چیز میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے فکر ونظر میں عقیدہ داخلاق میں اور عمل میں نہ کہ صرف وہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہم عصر اور ہم زبان تھے چاہے ان کا طریقہ اور راستہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہی کیوں نہ ہو۔

اس کے بعد ان کی ایک اور آسمانی عظیم کتاب یعنی انجیل میں توصیف کو پیش کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے ان کی توصیف انجیل میں اس زراعت کی طرح ہے جس نے اپنی کونپلوں کو باہر نکالا ہو پھر انہیں تقویت دی ہو یہاں تک کہ وہ مضبوط اور مستحکم ہو کر اپنے پاؤں پر کھڑی ہے اور اس قدر نشو ونما کی ہے اور پر برکت ہوئی ہے کہ زراعت کرنے والوں کو تعجب میں ڈال دیتی ہے۔

حقیقت میں رات میں جو اوصاف ان کے لئے بیان ہوئے ہیں وہ ایسے اوصاف ہیں جو حالات مقاصد اعمال اور ظاہری صورت کے لحاظ سے ان کے وجود کے پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں لیکن وہ اوصاف جو انجیل میں بیان ہوئے ہیں وہ ان کے مختلف پہلوؤں میں ترقی اور نشو ونما کو بیان کرتے ہیں (غور کیجئے)۔

ہاں! وہ ایسے بلند صفات ہیں جو ایک آن کے لئے بھی حرکت وعمل سے نہیں رکتے وہ ہمیشہ کونپلیں نکالتے رہتے ہیں وہ کونپلیں پرورش پاتی ہیں اور بارآور ہوتی ہیں۔ وہ اپنے قول وعمل کے ذریعہ اسلام کو دنیا میں پھیلاتے رہتے ہیں اور روز بروز نئے راستوں کا اسلامی معاشرے میں اضافہ کرتے رہتے ہیں۔

اس کے بعد آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے یہ عالی اوصاف تیزی کے ساتھ بڑھنے والی نشو ونما اور یہ پر برکت حرکت وترقی جتنی دوستوں میں شوق اور نشاط پیدا کرتی ہے اتنا ہی کفار کے لئے غیض وغضب کا سبب بنتی ہے یہ اس بناء پر ہے تاکہ کافروں کو غصہ دلائے۔

اور آیت کے آخر میں فرماتا ہے خدا نے ان میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں اور ساتھ میں عمل صالح انجام دیئے ہیں بخشش اور اجر عظیم کا وعدہ کیا ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ وہ اوصاف جو آیت کی ابتداء میں بیان کئے گئے ہیں ان میں ایمان اور عمل صالح جمع تھا اس بناء پر ان دو اوصاف کی تکرار ان کے دوام اور ہمیشہ برقرار رہنے کی طرف اشارہ ہے یعنی خدا نے یہ وعدہ صرف اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے اس گروہ سے کیا تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے راستہ اور طریقہ پر باقی رہیں گے۔ اور ایمان وعمل صالح کو دوام بخشیں گے ورنہ وہ لوگ جو ایک دن تو اس کے دوستوں اور اصحاب وانصار کے زمرہ میں شامل تھے اور دوسرے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا ہو گئے۔ اور ان کے برخلاف راستے پر چل پڑے وہ اس قسم کے وعدہ میں ہرگز شامل نہیں ہیں۔

سورہ حجرات

یہ سورہ مدینہ میں نازل ہوا

اور اس کی ۱۸ آیات ہیں

سورہ حجرات کے مطالب

اس سورہ میں پیغمبر ﷺ سے مربوط اور اسلامی معاشرے میں ایک دوسرے سے تعلق کے بارے میں بہت اہم مسائل بیان ہوئے ہیں اس سورہ کے مختلف حصوں کا مجموعی طور سے کچھ اس طرح خلاصہ کیا جا سکتا ہے۔

پہلا حصہ اس سورہ کی آیات ہیں جو اسلام کے عظیم ترین پیشوا، پیغمبر اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے آداب اور ان اصولوں کو بیان کرتی ہیں جن کا مسلمانوں کو آپ کے حضور میں کار بند ہونا چاہئے۔

دوسرا حصہ آغاز سورہ کے ''اجتماعی اور معاشرتی اخلاق'' کے اہم اصول کے ایک سلسلہ پر مشتمل ہے جن کی پابندی سے اسلامی معاشرہ میں، محبت وصفا وامنیت واتحاد کی حفاظت ہوتی ہے اور ان کے برخلاف ان کو فراموش کر دینا بدبینی، نفاق، پراگندگی اور بدامنی کا سبب بنتا ہے۔

تیسرا حصہ ایسے احکام ہیں جو سخت اختلافات اور آپس میں لڑپڑنے کے خلاف مبارزہ کرنے کی کیفیت سے مربوط ہیں جو بعض اوقات مسلمانوں میں پیدا ہو جاتے ہیں۔

چھوتھا حصہ انسان کی بارگاہ خدا میں قدر ت قیمت اور مسئلہ تقوی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔

پانچوں حصہ اس مسئلہ کی تاکید کرتا ہے کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ اعتقاد قلبی کے علاوہ اس کے آثار انسانی اعمال اور اموال اور نفسوں کے ساتھ جہاد کرنے میں بھی آشکار ہونے چاہئیں۔

چھٹا حصہ اس چیز سے بحث کرتا ہے کہ اسلام وایمان، خدا کا مومنین کے لئے ایک عظیم ہدیہ ہے لہٰذا بجائے اس کے کہ اس کو قبول کر کے احسان جتلائیں انہیں تو حد سے زیادہ ممنون ومشکور ہونا چاہئے کہ وہ اس ہدیہ کے مشمول ہوئے۔

اور آخر میں:

ساتواں حصہ جو اس سورہ کا آخری حصہ ہے، تمام عالم ہستی کے پوشدہ اسرار، اور انسانوں کے اعمال سے خدا کے علم وآگاہی کے بارے میں گفتگو کرتا ہے۔، جو حقیقت میں ان تمام حصوں کے اجرا کے ضامن کے طور پر آیا ہے۔ جو اس سورہ میں بیان ہوئے ہیں اس سورہ کا نام سورہ ''حجرات'' اس سورہ کی چوتھی آیت کی مناسب سے ہے جس میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے اور اس کی تفسیر عنقریب بیان ہوگی۔

سورہ حجرات کی فضیلت

ایک حدیث میں پیغمبر گرامی اسلام ﷺ کی ایک حدیث میں ہے۔

''جو شخص سورہ حجرات کو پڑھے گا اسے ان تمام افراد کی تعداد کے برابر نیکیاں دی جائیں گی جنہوں نے خدا کی اطاعت کی ہے''۔

ایک اور حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

''جو شخص سورۂ حجرات کو ہر رات یا ہر روز پڑھے گا وہ زائرین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہوگا''۔

یہ بات واضح ہے کہ یہ تمام حسنات اطاعت کرنے والوں اور معصیت کرنے والوں میں اس صورت میں نمو پذیر ہوں گے۔ جب انسان ان دونوں میں سے سے ہر ایک کے اعمال کو، جو اس سورہ میں منعکس ہوئے ہیں۔ وقت کے ساتھ نظر میں رکھے ان میں غور فکر کرے اور اپنے راہ عمل کو اول پر منطبق اور دوسرے سے جدا کرے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔
(۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ	اے ایمان لانے والو! خدا اور اس کے رسول سے کسی چیز میں آگے نہ بڑھا کرو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ بیشک خدا سننے والا، اور جاننے والا ہے۔
(۲) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَرۡفَعُوۡۤا اَصۡوَاتَکُمۡ فَوۡقَ صَوۡتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجۡهَرُوۡا لَهٗ بِالۡقَوۡلِ کَجَهۡرِ بَعۡضِکُمۡ لِبَعۡضٍ اَنۡ تَحۡبَطَ اَعۡمَالُکُمۡ وَ اَنۡتُمۡ لَا تَشۡعُرُوۡنَ	اے ایمان لانے والو! تم اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اس کے سامنے اونچے اونچے نہ بولا کرو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے (زور زور سے) باتیں کرتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سب اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔
(۳) اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ لِلتَّقۡوٰی ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ	وہ لوگ جو اللہ کے رسول کے سامنے اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں، ایسے لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے تقویٰ کے لئے خالص فرما دیا ہے، ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے
(۴) اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَکَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ	لیکن وہ لوگ جو تمہیں حجروں کے پیچھے سے بلند آواز کے ساتھ پکارتے ہیں ان میں سے اکثر سمجھتے نہیں۔

(۵) وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	اگر وہ لوگ اتنا صبر کرتے کہ تم خود نکل کر ان کے پاس آجاتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ اور خدا تو غفور رحیم ہے۔

شان نزول......۱

پہلی آیت کے لئے شان نزول یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی طرف روانہ ہوتے وقت کسی کو مدینہ میں اپنی جگہ متعین کرنا چاہتے تھے، لیکن عمر نے کسی دوسرے آدمی کو متعین کرنے کی تجویز پیش کی اس پر اوپر والی آیت نازل ہوئی اور یہ حکم دیا کہ تم خدا اور پیغمبر سے آگے نہ بڑھا کرو،

شان نزول......۲

دوسری آیت کے شان نزول کے بارے میں ہے کہ قبیلہ بنی تمیم کا ایک گروہ اور ان کے اشراف مدینہ میں وارد ہوئے اور جب مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو بلند آواز کے ساتھ، ان حجروں کے پیچھے سے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہائش گاہ تھی، پکار پکار کر کہا یا محمد اخرج الینا اے محمد باہر آ!

اس چیخ پکار، اور غیر مودبانہ تعبیروں سے پیغمبر کو دکھ ہوا، جس وقت آپ باہر آئے تو انہوں نے کہا ہم اس لئے آئے ہیں تا کہ اپنا فخر تجھ پر ظاہر کریں، اجازت دے تا کہ ہمارا شاعر اور خطیب بنی تمیم کے افتخارات بیان کرے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی۔

پہلے ان کا خطیب کھڑا ہوا اور قبیلہ بنی تمیم کے خیالی فضائل کی بہت سی باتیں بیان کیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت بن قیس سے فرمایا تم ان کا جواب دو، وہ کھڑے ہو گئے اور ان کے جواب میں ایک فصیح و بلیغ خطبہ پیش کیا، جس نے ان کے خطبہ کے اثر کو ختم کر دیا۔

اس کے بعد ان کا شاعر کھڑا ہوا اور اس نے اس قبیلہ کی مدح میں کچھ اشعار کہے جن کا مشہور مسلمان شاعر حسان بن ثابت نے کافی و شافی جواب دیا۔

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے آداب

جیسا کہ ہم نے سورہ کے مضامین و مطالب کے بیان میں اشارہ کیا ہے اس سورہ میں اہم اخلاقی صباحت اور نضباطی احکام کا ایک سلسلہ نازل ہوا ہے جس نے اس کو "سورہ اخلاق" کہلانے کے لائق بنا دیا ہے اور زیر بحث آیات میں جو اس سورہ کے آغاز میں بیان ہوئی ہیں، ان ہی احکام کے دو حصوں کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

پہلا خدا اور رسول پر کسی چیز میں سبقت نہ کرنا۔

دوسرا پیغمبر کی بارگاہ میں شور وغوغا اور چیخ وپکار نہ کرنا۔

اس کے بعد فرماتا ہے اے ایمان لانے والو کسی چیز کو خدا اور سول سے مقدم نہ کرو، اور خدا کا تقویٰ اختیار کرو، کیونکہ خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

خدا اور پیغمبر کے سامنے کسی چیز کو مقدم نہ کرنے سے مراد کاموں میں ان سے سبقت نہ کرنا۔ اور خدا و رسول ﷺ کے حکم کے مقابلہ میں عجلت اور تیزی اختیار نہ کرنا ہے۔

(۲) زیر بحث دوسری آیت دوسرے حکم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتی ہے۔ اے ایمان لانے والو تم اپنی آواز کو پیغمبر کی آواز سے بلند نہ کرو اور اس کے سامنے اونچی آواز کے ساتھ بات نہ کرو، اور داد وفریاد اور چیخ پکار نہ کرو، جیسا کہ تم آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو، کہیں ایسا نہ وہ، کہ تمہارے اعمال ختم اور نابود ہو جائیں درآنحالیکہ تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

پیغمبر ﷺ کا تو مقام ہی بلند ہے، یہ کام تو ماں باپ، اور استاد و معلم کے سامنے ادب واحترام کے خلاف ہے۔

یہ بات ظاہر اور واضح ہے کہ اگر اس قسم کے اعمال مقام شان نبوت کی توہین کی ارادہ سے ہوں تو موجب کفر ہیں اور اس کے بغیر ہوں تو ایذا و گناہ ہیں۔

پہلی صورت میں تو اعمال کے حبط اور نابودی کی علت واضح ہے کیونکہ کفر علت حبط نیک عمل کے ثواب کے ختم ہونے کا باعث ہے۔

اور دوسری صورت میں بھی کوئی امر مانع نہیں ہے کہ اس قسم کا برا عمل بہت سے اعمال کے ثواب کی نابودی اک سبب بن جائے۔

(۳) اس آیت میں اس موضوع پر مزید تاکید کے لئے ان لوگوں کے اجر وثواب کو، جو خدا کے اس دستور پر عمل کرتے ہیں اور پیغمبر کے سامنے انضباط وادب کی رعایت کرتے ہیں، اس طرح بیان کرتا ہے وہ لوگ جو اپنی آواز پیغمبر کے سامنے دھیمی رکھتے ہیں ایسے لوگ ہیں جن کے دلوں کو خدا نے تقویٰ کے لئے خالص اور کشادہ کر دیا ہے اور ان کے لئے مغفرت اور عظیم اجر ہے۔

(۴) یہ آیت مزید تاکید کے لئے ایسے لوگوں کی نادانی اور بے عقلی کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اس حکم الٰہی کو پس پشت ڈال دیتے ہیں ارشاد ہوتا ہے جو لوگ تجھے حجروں کے پیچھے سے بلند آواز کے ساتھ پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل وخرد سے کورے ہیں۔

اصولی طور پر انسان کی عقل وخرد جتنی بلند ہوتی جاتی ہے اتنا ہی اس کے ادب میں اضافہ ہوتا جاتا ہے کیونکہ وہ قدروں اور اقتدار کی ضد کو بہتر طور پر سمجھنے لگتا ہے۔

(۵) زیر بحث آخری آیت میں اس معنی کی تکمیل کے لئے مزید کہتا ہے اگر صبر سے کام لیتے اور اتنا صبر کرتے کہ تم خود نکل کر

ان کے پاس آجاتے تو ان کے لئے بہتر تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ عجلت اور جلد بازی سے بعض اوقات انسان اپنے مقصد تک جلد تر پہنچ جاتا ہے لیکن ایسے مقام پر صبر وشکیبائی ہی مایہ رحمت وآمرزش اور اجر عظیم ہے اور یقیناً یہ اس پر برتری رکھتا ہے اور چونکہ کچھ افراد لاشعوری طور پر پہلے اس قسم کے کام کے مرتکب ہو چکے تھے اور وہ اس خدائی حکم کے نزول کے ساتھ طبعاً وفطرتاً وحشت میں پڑ جاتے لہٰذا قرآن انہیں یہ خوش خبری دیتا ہے کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو وہ بھی خدا کی رحمت میں شامل ہو جائیں گے اس لئے آیت کے آخر میں فرماتا ہے اور خدا غفور و رحیم ہے۔

ادب افضل ترین سرمایہ ہے

اسلام میں ہر شخص اور ہر گروہ سے ملاقات میں احترام وادب سے پیش آنے کی، اور رعایت آداب کے مسئلہ کی بہت زیادہ اہمیت بیان ہوئی ہے۔

ادب کی رعایت زینت کے نئے فاخرہ لباس کی طرح ہے۔

ادب انسان کو اپنے آباؤ اجداد اور بڑوں پر فخر کرنے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

اصولی طور پر دین آداب کا ایک مجموعہ ہے خدا کے لئے ادب پیغمبر کے سامنے ائمہ معصومین علیہم السلام کے سامنے ادب، استاد و معلم، ماں باپ اور عالم ودانش مند کے سامنے ادب۔

ہر چیز میں اور ہر جگہ انضباط اسلامی

مسئلہ مدیریت وفرماندہی نظم وضبط کی رعایت کے بغیر کبھی بھی درست نہیں۔ اگر وہ لوگ جو کسی مدیر ور ہبر کے ماتحت ہوں خود سرانہ عمل کریں تو تمام کاموں کا شیرازہ بکھر جائے گا۔ چاہے رہبر کتنا ہی لائق وشائستہ کیوں نہ ہو۔ بہت سی شکستیں اور ناکامیاں اور جو بہت سے گروہوں، جمعیتوں یا لشکروں کو دامن گیر ہوئی ہیں وہ سب اسی راہ گزر سے ہوئی ہیں اور مسلمانوں نے بھی اس دستور سے تخلف کا تلخ مزہ پیغمبر کے زمانہ میں اور اس کے بعد بارہا چکھا ہے جن میں سے سب سے زیادہ واضح جنگ احد کی شکست ہے جو ایک تھوڑے سے جنگجو گروہ کی بے قاعدگی کی وجہ سے ہوئی تھی۔

(٦) يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ	اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نادانی کی وجہ سے کسی گروہ کو نقصان پہنچا دو اور پھر تم اپنے کئے پر پشیمان ہو۔

(۷) وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۭ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ۭ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ	اور تم یہ جان لو کہ خدا کا رسول تمہارے درمیان ہے۔ اگر وہ بہت سے امور میں تمہاری اطاعت کرے تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے لیکن خدا نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب قرار دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت بخشی ہے اور (اس کے برعکس) کفر و فسق و گناہ کو تمہارے لئے قابل نفرت قرار دیدیا ہے۔ (جن لوگوں میں یہ بات صفات ہوں) وہی تو ہدایت یافتہ ہیں۔
(۸) فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ۭ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ	خدا نے اپنی طرف سے تمہیں فضل و نعمت عطا فرمائی ہے، اور خدا علیم و حکیم ہے۔

شان نزول

مفسرین نے بیان کیا ہے کہ ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جسے پیغمبر ﷺ نے قبیلہ بنی المصطلق کی زکوۃ جمع کرنے کے لئے بھیجا تھا، جس وقت اہل قبیلہ کو پتہ چلا کہ رسول ﷺ اللہ کا نمائندہ آرہا ہے تو وہ بہت خوش ہوئے اور اس کے استقبال کے لئے دوڑے لیکن چونکہ ان کے اور ولید کے درمیان زمانہ جاہلیت میں سخت دشمنی تھی، تو اس نے خیال کیا کہ وہ اسے قتل کرنے کے ارادہ سے آرہے ہیں۔

وہ (اپنے اس گمان کی تحقیق کئے بغیر ہی) پیغمبر ﷺ کی خدمت میں پلٹ آیا اور عرض کیا کہ انہوں نے زکوۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے اور ہم جانتے ہیں کہ زکوۃ ادا کرنے سے انکار حکومت اسلامی کے خلاف ایک طرح کی بغاوت سمجھی جاتی تھی تو اس بناء پر وہ اس بات کا مدعی تھا کہ وہ مرتد ہو گئے۔

پیغمبر ﷺ کو اس پر سخت غصہ آیا اور ان سے جنگ کرنے کا ارادہ کیا تو اوپر والی آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ جس وقت کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کر لیا کرو۔

تفسیر

فاسقوں کی خبروں پر اعتنا نہ کرو

گذشتہ آیات میں مسلمانوں اور ان کے پیشوا پیغمبر ﷺ کے مقابلہ میں وظائف اور ذمہ داریوں کے بارے میں گفتگو تھی۔

زیر بحث آیات اس عظیم رہبر کے سامنے امت کے وظائف اور ذمہ داریوں کو جاری رکھتے ہوئے کہتی ہیں کہ جس وقت تم اس کی خدمت میں خبریں لے کر آؤ تو ان کی بنیاد تحقیق پر ہونی چاہئے۔

پہلے فرماتا ہے اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق شخص تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو اس کے بارے میں تحقیق کر لیا کرو۔

اس کے بعد اس کی علت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بغیر تحقیق عمل کرنے کی صورت میں کسی گروہ کو نادانی کی وجہ سے نقصان پہنچا دو، اور پھر اپنے کئے پر تمہیں پشیمان ہونا پڑے۔

جیسا کہ پیغمبر ﷺ اگر ولید بن عقبہ کے کہنے پر عمل کر لیتے اور قبیلہ بنی المصطلق کے ساتھ ایک مرتد قوم کی حیثیت سے جنگ کرتے تو پھر دردناک فاجعہ اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا۔

علماء علم اصول کے ایک گروہ نے خبر واحد کی حجیت پر اس آیت سے استدلال کیا ہے کیونکہ آیت یہ کہتی ہے کہ فاسق کی خبر میں تحقیق و تلاش لازمی و ضروری ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ شخص عادل خبر دے تو اسے بغیر تحقیق کے قبول کیا جا سکتا ہے۔

(۷) اس آیت میں ایک اہم مطلب کی تاکید کے لئے جو گذشتہ آیت میں بیان ہوا تھا، مزید کہتا ہے تم یہ جان لو کہ رسول تمہارے درمیان میں ہے اگر وہ بہت سے امور میں تمہاری اطاعت کرنے لگے تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔

وہ رہبر و رہنما ہے اپنے افکار اس پر لادنے کے لئے اس پر دباؤ نہ ڈالو، کیونکہ یہ بات تمہارے ہی نقصان میں ہے۔

آیت کے آخر میں مومنین پر خدا کی ایک اور عظیم نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے لیکن خدا نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب قرار دے دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت بخشی ہے۔

اور اس کے برعکس کفر و فسق و گناہ کو تمہارے لئے قابل نفرت قرار دیا ہے۔

آیت کے آخر میں ایک کلی اور عمومی قاعدہ کے طور پر فرماتا ہے جن لوگوں میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ ایمان ان کی نظر میں محبوب و مزین اور کفر و فسق و عصیان ان کی نظر میں منفور ہے وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ یعنی اگر تم اس محبت الٰہی ایمان سے عشق اور کفر و گناہ سے نفر کو محفوظ رکھو اور اس پاکیزگی اور صفائے فطرت کو آلودہ نہ کرو، تو بلاشک وشبہ رشد و ہدایت تمہارے انتظار میں ہے۔

(۸) یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ یہ ایمان کی محبوبیت اور کفر و عصیان سے نفرت نوع بشر پر خدا کی عظیم نعمتوں میں سے ہے فرماتا ہے یہ خدا کی طرف سے ایک فضل ہے اور وہ نعمت ہے جو اس نے تمہیں عطا کی ہے اور خدا دانا و حکیم ہے۔

اسکے علم و حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ رشد و سعادت کے عوامل تم میں پیدا کرے اور اسے انبیاء کی دعوت کے ساتھ ہم آہنگ اور مکمل کر اور انجام کار تمہیں منزل تک پہنچا دے۔

بلاشک وشبہ بندوں کی احتیاج کے بارے میں خدا کا علم اور مخلوقات کی پرورش اور ارتقاء کے سلسلہ میں اس کی حکمت، اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ وہ انہیں یہ عظیم معنوی نعمتیں، یعنی ایمان کو محبوب رکھنا اور کفر و عصیان سے نفرت کرنا مرحمت فرمائے۔

ایمان کے ساتھ عشق اور کفر سے نفرت، بغیر کسی استثناء کے تمام انسانوں کے دل میں موجود ہے اور اگر کچھ لوگوں میں یہ سلسلہ موجود ہے اور اگر کچھ لوگوں میں یہ سلسلہ موجود نہیں ہے تو وہ غلط قسم کی تربیتوں اور خود انہیں کے اعمال کی وجہ سے ہے۔ خدا نے کسی بھی شخص کے دل میں عصیان کی محبت اور ''ایمان سے بغض''، خلق نہیں کیا ہے۔

(۹) وَ اِنۡ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اقۡتَتَلُوۡا فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا ۚ فَاِنۡۢ بَغَتۡ اِحۡدٰہُمَا عَلَی الۡاُخۡرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیۡ تَبۡغِیۡ حَتّٰی تَفِیۡٓءَ اِلٰۤی اَمۡرِ اللّٰہِ ۚ فَاِنۡ فَآءَتۡ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَہُمَا بِالۡعَدۡلِ وَ اَقۡسِطُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ	اور جس وقت مؤمنین کے دو گروہ آپس میں نزاع اور جنگ کریں تو ان کے درمیان صلح کرا دیا کرو۔ اور اگر ان میں سے ایک دوسرے پر تجاوز کرے تو جس نے تجاوز کیا ہے تم بھی اُس کے ساتھ جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر جب وہ لوٹ آئے تو ان دونوں کے درمیان عدالت کے مطابق صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو کیونکہ خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔
(۱۰) اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَۃٌ فَاَصۡلِحُوۡا بَیۡنَ اَخَوَیۡکُمۡ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۰﴾	مؤمنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہٰذا دو بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو اور خدا کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ اس کی رحمت میں شامل ہو جاؤ۔

شان نزول

ان آیات کے شان نزول میں آیا ہے کہ مدینہ کے دو مہور قبیلوں قبیلہ اوس وخزرج کے درمیان ایک اختلاف پیدا ہو گیا اور اس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کی جان کے درپے ہو گئے اور لاٹھیوں اور جوتوں سے ایک دوسرے کو مارنے لگے۔ تو اوپر والی آیت نازل ہوئی اور اس قسم کے حادثات سے نمٹنے کے لئے مسلمانوں کو راہ بتائی۔

تفسیر

مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں

قرآن یہاں ایک کلی اور عمومی قانون کے عنوان سے ہمیشہ اور ہر مقام کے لئے کہتا ہے جس وقت مومنین کے دو گروہ آپس میں نزاع کریں اور لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو۔

تمام مسلمانوں کے لئے ایک حتمی وظیفہ اور ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑنے جھگڑنے، نزاع اور خونریزی سے

روکیں اور خود کو اس سلسلے میں ذمہ دار سمجھیں، نہ کہ بعض بے خبر لوگوں کی طرح تماشائیوں کی صورت میں بے پرواہی کے ساتھ ان مناظر کے قریب سے گزر جائیں۔

ان مناظر کو دیکھنے کے بعد مومنین کی یہ اولین ذمہ داری ہے۔

اس کے بعد دوسری ذمہ داری کو اس طرح بیان کرتا ہے اور اگر ان دونوں میں سے ایک گروہ دوسرے پر تجاوز اور ظلم وستم کرے، اور صلح کی تجویز کو تسلیم نہ کرے تو پھر تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم باغی اور ظالم گروہ کے ساتھ جنگ کرو، یہاں تک کہ وہ حکم خدا کی طرف لوٹ آئے اور سر تسلیم خم کرے۔

واضح ہے کہ اگر باغی اور ظالم گروہ کا خون اس دوران میں بہہ جائے تو وہ خود اسی کی گردن پر ہے اور اصطلاح کے مطابق اس کا خون رائیگاں گیا ہے اگر چہ وہ مسلمان ہی ہوں۔

اس طرح سے اسلام نے ظلم وستم سے روکنے کو چاہے وہ ظالم کے ساتھ جنگ کرنے کی قیمت پر ختم ہو لازمی وضروری سمجھا ہے اور عدالت کے اجر کی قیمت کو مسلمانوں کے خون سے بھی بالاتر جانا ہے اور یہ بات اسی صورت میں ہے کہ جب مسئلہ صلح وصفائی کے طریقہ سے حل نہ ہو۔

اس کے بعد تیسرے حکم کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے اگر ظالم لوگ خدا کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرلیں اور صلح کے اسباب فراہم ہو جائیں تو ان دونوں کے درمیان عدالت کے اصول کے مطابق صلح کرادو۔

یعنی صرف ظالم گروہ کی قدرت کو درہم برہم کرنے پر قناعت نہ کرو، بلکہ یہ جنگ صلح کے لئے زمین ہموار کرنے اور نزاع اور لڑائی کے عوامل کے جڑ سے کاٹنے کے لئے ایک مقدمہ اور تمہید ہونی چاہئے ورنہ تھوڑے سے یا زیادہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ظالم جب بھی اپنے اندر طاقت وقوت محسوس کرتے گا تو لڑنے کے لئے دوبارہ کھڑا ہو جائے گا۔ اور نئے سرے سے جھگڑا اور نزاع شروع کردے گا۔

اور چونکہ گروہی میلانات بعض اوقات افراد کو فیصلہ کرتے وقت دو دشمن گروہوں میں سے ایک کی طرف مائل کر دیتے ہیں۔ اور فیصلہ کرنے والوں کی بے طرفی اور غیر جانب داری کو توڑ دیتے ہی، اس لئے قرآن چوتھے اور آخری حکم میں مسلمانوں کو تنبیہ کر رہا ہے کہ عدل وانصاف سے کام لیں اور ہر قسم کی جانب داری کی نفی کریں کیونکہ خدا عدالت کرنے والے لوگوں کو دوست رکھتا ہے۔

(۱۰) اس آیت میں اس امر کی تاکید اور اس کی علت بیان کرنے کے لئے مزید کہتا ہے۔

مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں اس لئے تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرادیا کرو۔

اور چونکہ اکثر اوقات روابط اس قسم کے مسائل میں ضوابط کے جانشین بن جاتے ہیں لہٰذا دوبارہ خبردار کرتے ہوئے آیت کے آخر میں کہتا ہے خدا کا تقویٰ اختیار کرو، تاکہ اس کی رحمت میں شامل ہو جاؤ۔

اور اس طرح سے مسلمانوں کی ایک دوسرے کے لئے ایک اہم ترین اجتماعی ذمہ داری اجتماعی عدالت کے تمام پہلوؤں

کے ساتھ بوقت اجراء واضح ہوجائے۔

اخوت اسلامی کی اہمیت

''انما المومنون اخوۃ'' کا جملہ جو اوپر والی آیات میں آیا ہے ایک اساسی اور بنیادی اسلامی شعار ہے ایسا شعار جو بہت ہی مضبوط عمیق موثر اور پر معنی شعار ہے۔

اس اہم اسلامی اصل کی بنا پر مسلمان چاہے جس نسل سے ہوں یا جس قبیلہ سے چاہے کوئی سی زبان بولتے ہوں اور کسی سن و سال کے ہوں ایک دوسرے سے برادری کا عمیق احساس رکھتے ہیں چاہے ان میں سے ایک دنیا کے مشرق میں رہتا ہو اور دوسرا مغرب میں زندگی بسر کرتا ہو۔

مراسم حج میں جب مسلمان تمام نقاط جہاں اور اطراف عالم سے اس مرکز توحید میں جمع ہوتے ہیں۔ تو وہاں یہ علاقہ اور لگاؤ، نزدیکی پیوند اور ہم بستگی پورے طور پر محسوس ہوتی ہے اور وہ اس اہم اسلامی قانون کے بعینہ پورا ہونے کا ایک منظر پیش کرتا ہے۔

دوسرے لفظوں میں اسلام تمام مسلمانوں کو ایک خاندان سمجھتا ہے اور سب کو ایک دوسرے کے بہن بھائی کہہ کر خطاب کرتا ہے نہ صرف الفاظ میں اور نعرے کے طور پر بلکہ عمل میں اور آپس کی ذمہ داریوں میں سب بہن بھائی ہیں۔

اسلامی روایات میں بھی اس مسئلہ پر بہت زیادہ تاکید ہوئی ہے۔

ہم ایک روایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ جو پیغمبر اکرم ﷺ سے مومن کے اس کے مومن بھائی پر تیس حقوق کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

''پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر تیس حق رکھتا ہے جن سے وہ بری الزمہ نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ ان حقوق کو ادا نہ کردے یا اس کا مسلمان بھائی اس کو معاف کردے۔

اس کی لغزشوں کو معاف کردے اس کی پریشانی میں اس پر مہربانی کرے اس کے رازوں کو پوشیدہ رکھے اس کی غلطیوں کی تلافی کرے اس کے عذر کو قبول کرے اس کے عہد و پیمان کی رعایت کرے حالت بیماری میں اس کی عیادت کرے۔ اس کی موت کی حالت میں اس کے جنازہ میں حاضر ہو۔

اس کی دعوت کو قبول کرے۔ اس کے ہدیہ کو قبول کرے اس کے عطیہ کا بدلہ دے اس کے احسان کا شکریہ ادا کرے اس کی مدد میں کوشش کرے، اس کی عزت و ناموس کی حفاظت کرے، اس کی حاجت پوری کرے۔ اس کی درخواست کی شفاعت کرے، اور اس کی چھینک پر ''یرحمک اللّٰہ'' کہے۔

اسکی گمشدہ چیزوں کی رہنمائی کرے، اس کے سلام کا جواب دے اس کی گفتگو کو اچھا سمجھے اس کے انعام کو خوب قرار دے، اس کی قسموں کی تصدیق کرے، اس کے دوست کو دوست رکھے اور اس کے ساتھ دشمنی نہ کرے، اس کی مدد میں کوشش کرے چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، ظالم ہونے کی صورت میں اس کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم کرنے سے روکے اور مظلوم ہونے کی صورت میں اس کی مدد

کرے یعنی اس کا حق حاصل کرنے میں مدد کرے۔

اسے حوادث زمانہ کے مقابلہ میں تنہا نہ چھوڑے، نیکیوں اوراچھائیوں میں سے جن چیزوں کو اپنے لئے پسند کرتا ہے اس کے لئے بھی پسند کرے اور برائیوں میں سے جن چیزوں کو اپنے لئے نہیں چاہتا اس کے لئے بھی نہ چاہے''۔

(۱۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَ مَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ	اے ایمان لانے والو! تمہارے مردوں میں سے ایک گروہ وہ دوسرے گروہ کا ٹھٹھا اور مذاق نہ اڑائے کہ شاید وہ ان سے بہتر ہوں، نہ ہی عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، شاید وہ ان سے بہتر ہوں، اور ایک دوسرے کو طعن وتشنیع نہ کرو، اور برے اور ناپسند القاب کے ساتھ ایک دوسرے کو یاد نہ کرو۔ نیز یہ بات تو بہت ہی بری ہے کہ کسی شخص پر ایمان کے بعد کفر کا نام (الزام) رکھو۔ اور جو توبہ نہ کریں تو ظالم ہیں۔
(۱۲) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ	اے ایمان لانے والوں! بہت سے گمانوں سے پرہیز کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں' ہرگز (دوسروں کے کاموں میں) تجسس نہ کرو۔ تم میں سے کوئی دوسرے کی (ہرگز) غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ (یقیناً) تم سب اس چیز سے کراہت رکھتے ہو۔ پس خدا کا تقویٰ اختیار کرو کیونکہ خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

شان نزول

مفسرین نے ان آیات کے لئے مختلف شان ہائے نزول نقل کئے ہین، منجملہ ان کے یہ ہے کہ:

''لایخر قوم من قوم'' کا جملہ ثابت بن قیس پیغمبر کے خطیب کے بارے میں نازل ہوا ہے جس کو کانوں سے کم سنائی دیتا تھا اور جس وقت وہ مسجد میں آتے تھے تو پیغمبر کے نزدیک اس کے لئے جگہ چھوڑ دیتے تھے تاکہ وہ آنحضرت کے ارشادات سن سکے ایک دن وہ مسجد میں وارد ہوئے لوگ نماز سے فارغ ہو چکے تھے اور اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے

تھے وہ مجمع کو چیرتا ہوا کہتا جا رہا تھا کہ جگہ دو جگہ دو یہاں تک کہ وہ ایک مسلمان کے پاس پہنچ گیا تو اس نے کہا کہ یہیں بیٹھ جا تو وہ اس کے پیچھے بیٹھ گیا، لیکن بہت غصے ہوا جس وقت فضا روشن ہوئی تو ثابت نے اس مرد سے کہا تو کون ہے؟ اس نے اپنا نام لیا اور کہا کہ میں فلاں شخص ہوں ثابت نے کہا کیا فلاں عورت کا بیٹا؟ اور اس کی ماں کا نام اس برے لقب کے ساتھ جو زمانہ جاہلیت میں لیا کرتے تھے، لیا اس پر وہ شخص شرمندہ ہوا اور اپنا سر نیچے کر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو اس قسم کے برے کاموں سے منع کیا۔

مفسرین نے کہا ہے "ولانساء من نساء" جناب ام سلمہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن کا بعض ازواج پیغمبر ﷺ نے مخدومہ کے مخصوص لباس کی وجہ سے جو انہوں نے پہن رکھا تھا، یا ان کے چھوٹے قد کی وجہ سے مذاق اڑایا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور انہیں اس عمل سے روکا۔

تفسیر

استہزاء، بدگمانی، غیبت، تجسس اور برے القاب سے یاد کرنا ممنوع ہے

چونکہ قرآن مجید اس سورہ میں اسلامی معاشرے کو اخلاقی معیاروں کی بنیاد پر تعمیر کرنا چاہتا ہے لہٰذا مختلف اسلامی گروہوں کے بارے میں نزاع ومخاصمت کی صورت میں مسلمانوں کی ذمہ داریوں کے بارے میں بحث کرنے کے بعد، زیر بحث آیات میں ان کے اختلافات کی جڑوں کے ایک حصہ کی تشریح کرتا ہے تا کہ ان کے منقطع ہونے سے اختلاف بھی ختم ہو جائیں اور لڑائی جھگڑے اور نزاع کا بھی خاتمہ ہو جائے۔

اوپر والی دونوں آیات میں سے ہر ایک میں ان امور کے تین تین حصوں کو، جو جنگ اور اختلاف کی آگ کو روشن کرنے کے لئے چنگاری بن سکتے ہیں صریح اور منہ بولتی تعبیروں کے ساتھ بیان کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے اے ایمان لانے والو تمہارے مردوں میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ کا ٹھٹھا اور مذاق نہ اڑائے۔

کیونکہ شاید وہ لوگ جن کا مذاق اڑیا جا رہا ہے ان سے بہتر ہوں۔

اسی طرح عورتوں میں سے بھی کوئی گروہ کا مذاق نہ اڑائے، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔

یہاں مخاطب مومنین ہیں چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں، قرآن سب کو خبردار کرتا ہے کہ وہ اس برے عمل سے پرہیز کریں کیونکہ استہزاء اور تمسزاء اور تمسخر کا سرچشمہ، خود کو برتر سمجھنے کا احساس اور کبر وغرور ہے جو طول تاریخ میں بہت سی خونیں جنگوں کا عامل رہا ہے۔

اس کے بعد دوسرے مرحلہ میں فرماتا ہے اور ایک دوسرے کے عیب نہ نکالو اور طعن وتشنیع نہ کرو۔

اور آخر میں تیسرے مرحلہ میں مزید کہتا ہے اور ایک دوسرے کو برے اور ناپسندیدہ القاب کے ساتھ یاد نہ کرو۔

بہت سے منہ پھٹ اور بے مہار لوگ گذشتہ زمانہ میں بھی اور آج بھی دوسروں کو برے القاب سے یاد کرنے پر مصر رہے ہیں اور ہیں اور اس طریقہ سے ان کی تحقیر کرنے ان کی شخصیت کی سرکوبی کرنے یا بعض اوقات ان سے انتقام لینے پر اصرار کرتے ہیں اور اگر کسی نے سابقہ زمانہ میں کوئی برا کام کر لیا تھا۔ اس کے بعد اس نے توبہ کر لی اور وہ مکمل طور پر پاک ہو گیا لیکن اس کے بعد بھی وہ اس کے لئے اسی لقب کو جو اس کی سابقہ وضع کو بیان کرنے والا ہے۔ برقرار رکھتے ہیں۔

اسلام صریح طور پر اس برے عمل سے منع کرتا ہے اور ہر وہ نام اور لقب جو معمولی سے معمولی غیر مطلوب مفہوم رکھتا ہے اور کسی مسلمان کی تحقیر و تذلیل کا سبب بنتا ہے اسے ممنوع قرار دیتا ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن صفیہ دختر حی ابن اخطب (وہی یہودی عورت جو خیبر کے واقعہ کے بعد مسلمان ہو گئی اور پیغمبر اسلام ﷺ کی زوجیت میں آئی) ایک دن پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئی درآنحالیکہ ان کے آنسو جاری تھے پیغمبر نے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا کہ عائشہ مجھے ملامت کرتی ہے اور کہتی ہے اے یہودی کی لڑکی تو پیغمبر نے فرمایا تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ میرا باپ ہارون ہے اور میرا چچا موسیٰ ہے اور میرا شوہر محمد ﷺ ہے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اسی بنا پر آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے بہت بری بات ہے۔ یہ کہ تم کسی پر اس کے ایمان لانے کے بعد کفر کا نام رکھو۔

آیت کے آخر میں مزید تاکید کے لئے فرماتا ہے اور وہ لوگ جو توبہ نہ کریں اور ان اعمال سے دست بردار نہ ہوں، ظالم و ستمگر ہیں۔

اس سے بدتر ظلم اور کیا ہوگا کہ انسان اپنی دل آزار باتوں سے اور تحقیر اور عیب جوئی سے کسی صاحب ایمان کے دل کو آزار پہنچائے جو عشق خدا کا مرکز ہے۔

مفسرین نے نقل کیا ہے کہ "**ولا یغتب بعضکم بعاضاً**" کا جملہ اصحاب رسول اکرم ﷺ میں سے دو افراد کے بارے میں ہے۔ جنہوں نے اپنے ساتھی سلمان کی غیبت کی تھی کیونکہ انہوں نے اسے پیغمبر ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا تاکہ وہ انکے لئے کھانا لے آئیں پیغمبر ﷺ نے سلمان کو اسامہ بن زید کے پاس جو بیت المال کے مسئول تھے بھیج دیا اسامہ نے کہا اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے تو ان دو افراد نے اسامہ کی غیبت کی اور کہا کہ اس نے بخل سے کام لیا ہے اور سلمان کے بارے میں کہا اگر اسے چاہ سمیحہ ایک پانی سے بھرے ہوئے کنوئیں کی طرف بھی بھیجیں تو اس کا پانی بھی نیچے چلا جائے گا۔ اس کے بعد وہ خود چل پڑے تاکہ اسامہ کے پاس جا کر اپنے کام کے بارے میں جستجو کریں، تو پیغمبر ﷺ نے فرمایا مجھے تمہارے منہ سے گوشت کھانے کے آثار نظر آرہے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا اے رسول خدا ہم نے تو آج بالکل ہی گوشت نہیں کھایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں! تم نے سلمان اور اسامہ کا گوشت کھایا تھا تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو غیبت کرنے سے منع کیا۔

(۱۲) اس آیت میں پہلے فرماتا ہے: اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت سے گمانوں سے پرہیز کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہیں۔

اس نہی سے مراد ترتیب آثار سے نہی ہے یعنی جس وقت کسی مسلمان کے بارے میں تمہارے ذہن میں کوئی برا گمان پیدا ہو تو اس کے لئے عمل میں معمولی سے معمولی اعتناء بھی نہ کرو۔ اپنی طرز رفتار میں تبدیلی نہ کرو۔

لہٰذا روایات میں بطور حکم آیا ہے کہ اپنے بھائی کے اعمال کو جہاں تک ہو سکے بہترین صورت پر محمول کر، جب تک کہ اس کے خلاف کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے اور تیرے مسلمان بھائی سے جو سخت بات صادر ہوگئی اس کے لئے ہرگز بدگمانی نہ کر جب تک تو اسکے لئے نیکی پر محمول کرنے کی گنجائش رکھتا ہے۔

پھر بعد والے حکم میں تجسس سے نہی کے مسئلہ کو پیش کرتے ہوئے فرماتا ہے اور ہرگز دوسروں کے کاموں میں تجسس نہ کرو۔

اور آخر میں تیسرے اور آخری دستور میں جو حقیقت میں پہلے دو پروگراموں کا معلول اور نتیجہ ہے فرماتا ہے تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔

اور اس طرح سے برا گمان تو تجسس کا سرچشمہ بنتا ہے اور تجسس افشائے عیوب اور اسرار پنہانی کا موجب ہوتا ہے۔ اور ان امور سے آگاہی غیبت کا سبب بنتی ہے اور اسلام نے معلول اور علت دونوں سے منع کیا ہے۔

اس کے بعد اس عمل کی قباحت اور برائی کو کامل طور سے مجسم کرنے کے لئے اس کو ایک عمدہ مثال میں ڈھال کر کہتا ہے کیا تم میں سے کوئی بھی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟

یقیناً تم سب اس امر سے کراہت رکھتے ہو۔

ہاں! مسلمان بھائی کی آبرو اس کے بدن کے گوشت کی مانند ہے اور اس آبرو کو غیبت کے ذریعہ ختم کرنا اور پوشیدہ بھیدوں کو افشاء کرنا اس کے بدن کا گوشت کھانے کے مانند ہے۔

اور ''مردہ'' کی تعبیر اس بنا پر ہے کہ غیبت لوگوں کے پیٹھ پیچھے کی جاتی ہے جو مردوں کی طرح اپنے آپ سے دفاع پر قدرت نہیں رکھتے۔

اور یہ ایک ایسا ظلم ہے جو انتہائی بزدلانہ ہے کہ جسے انسان اپنے بھائی کے بارے میں روا رکھ سکتا ہے

اور چونکہ ممکن ہے کہ کچھ لوگ ان تینوں گناہوں میں سے بعض سے آلودہ ہوں اور وہ ان آیات کے سننے سے متنبہ اور بیدار ہو جائیں اور تلافی کے لئے تیار ہوں، اس لئے آیت کے آخر میں ان کے لئے راستہ کھلا رکھتے ہوئے فرماتا ہے تقویٰ الٰہی اختیار کرو اور خدا سے ڈرو، کیونکہ خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

سب سے پہلے تقویٰ اور خدا سے ڈرنے کی روح زندہ ہونی چاہیئے اور اس کے بعد گناہ سے توبہ کی جائے تا کہ خدا کا لطف اور اس کی رحمت ان کے شامل حال ہو۔

چند نکات

ا۔معاشرے میں کامل اور ہر پہلو سے امن وامان

وہ چھ احکام جو اوپر والی دو آیات میں بیان کئے گئے ہیں۔تمسخر غیبت جوئی، برے القاب گمان بد تجسس اور غیبت سے نہی اگر کسی معاشرے میں ان پر کامل طور سے عمل ہو تو معاشرے کے تمام افراد کی عزت وآبرو کا ہر لحاظ سے تحفظ ہو جاتا ہے۔

انسان کے پاس چار سرمائے ہیں۔اور ان سب کو اس قانون کے قلعوں کے اندر محفوظ رہنا چاہیئے اور وہ ہیں جان مال اور عزت وآبرو۔

اوپر والی آیات اور اسلامی روایات اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں۔کہ لوگوں کی آبرو اور حیثیت ان کے مال وجان کی طرح ہے بلکہ بعض پہلوؤں سے ان سے بھی زیادہ اہم ہے۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ اسلامی معاشرے میں کامل طور امن وامان کی حکمرانی ہو لوگ ایک دوسرے پر نہ صرف عمل میں اور ہاتھ کے ساتھ حملہ نہ کریں بلکہ لوگوں کی زبان کے لحاظ سے اور اس سے بھی بڑھ کر فکر اور سوچ کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے پر نہ صرف عمل میں اور ہاتھ کے ساتھ حملہ نہ کریں،۔بلکہ لوگوں کی زبان کے لحاظ سے اور اس سے بھی بڑھ کر فکر اور سوچ کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے امن وامان میں ہوں اور ہر شخص یہ محسوس کرے کہ کوئی دوسرا شخص اپنے افکار میں بھی تہمت کے تیر اس کی طرف نہیں پھینکتا اور یہ ایسی بلند ترین سطح کی امنیت ہے جو ایک مذہبی اور مومن معاشرے کے سوا کہیں بھی امکان پذیر نہیں ہے۔

پیغمبر اسلام ﷺ ایک حدیث میں فرماتے ہیں

''خدا نے مسلمانوں کا خون، مال اور عزت وآبرو دوسرے پر حرام کر دی ہے اور اسی طرح یہ بھی کہ اس کے بارے میں برا گمان کرے''

۲۔تجسس نہ کرو

ہم نے دیکھ لیا کہ قرآن نے اوپر والی آیت میں تجسس کو پوری صراحت کے ساتھ منع کیا ہے اور چونکہ اس کے لئے کسی قسم کی کوئی قید وشرط نہیں لگائی۔لہٰذا یہ چیز اس بات کی نشاندہی کرتی ہے۔کہ دوسروں کے کاموں میں جستجو کرنا اور ان کے بھیدوں کو فاش کرنے کی کوشش کرنا، گناہ ہے لیکن وہ قرائن جو آیت کے اندر اور باہر موجود ہیں وہ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں۔کہ یہ حکم افراد کی شخصی اور خصوصی زندگی سے مربوط ہے اور اجتماعی زندگی میں بھی اس حد تک کہ اس سے معاشرے کی سرنوشت میں کوئی اثر نہ پڑتا ہو یہی حکم صادق ہے۔

لیکن یہ بات واضح اور روشن ہے کہ جہاں اس کا دوسروں کی سرنوشت اور معاشرے ی حالت سے تعلق ہو تو پھر مسئلہ کی دوسری شکل ہو جاتی ہے لہٰذا پیغمبر ﷺ کچھ اشخاص اطلاعات جمع کرنے کے لئے مقرر کئے ہوئے تھے۔جنہیں عیون کے عنوان سے

تعبیر کیا جاتا ہے تا کہ وہ ایسی اطلاعات جو داخل اور خارج میں اسلامی معاشرے سے متعلق ہیں۔ آپ ﷺ کے لئے اکٹھی کریں۔

اسی بناء پر حکومت اسلامی بھی مامورین اطلاعاتی رکھ سکتی ہے یا اطلاعات جمع کرنے کے لئے ایک وسیع ادارہ قائم کرسکتی ہے اور جہاں کہیں معاشرے کے برخلاف سازش کا خوف ہو یا امن وامان کو خطرے میں ڈالنے یا حکومت اسلامی کو نقصان پہنچانے کا خطرہ ہو وہاں تجسس کریں، یہاں تک کہ بعض افراد کی خصوصی و داخلی زندگی میں بھی جستجو کریں۔

لیکن یہ امر ہرگز اس اسلامی بنیادی قانون کی حرمت کو توڑنے کے لئے بہانہ نہیں بننا چاہیے، کہ کچھ لوگ اپنے آپ کو اس بات کا مجاز قرار دے لیں کہ وہ مسئلہ سازش اور نقص امن کے بہانہ سے لوگوں کی خصوصی اور شخصی زندگی پر حملہ آور ہوں ان کا اعمال نامہ کھولیں ان کے ٹیلیفونوں پر کنٹرول کریں اور وقت بے وقت ان کے گھروں کی تلاشی لیں۔

خلاصہ یہ کہ تجسس اور معاشرے کے امن وامان کی حفاظت کے لئے لازمی اطلاعات کے درمیان کی سرحد بہت ہی دقیق اور ظریف ہے اور امور اجتماعی کے ادارہ کے ذمہ داروں کو وقت کے ساتھ اس سرحد کی نگرانی کرنا چاہئے تا کہ انسانوں کے اسرار کی حرمت کی حفاظت بھی ہو اور معاشرے اور حکومت اسلامی کا امن وامان بھی خطرے میں نہ پڑے۔

۳۔ غیبت بہت بڑا گناہ ہے

ہم بیان کر چکے ہیں کہ انسان کی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ اس کی حیثیت، آبرو اور شخصیت ہے اور جو چیز اسے خطرے میں ڈال دے وہ ایسا ہے جیسا کہ اس کی جان کو خطرے میں ڈال دیا، بلکہ بعض اوقات شخصیت کو قتل کرنا شخص کو قتل کرنے سے زیادہ اہم شمار ہوتا ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں اس کا گناہ قتل نفس کے گناہ سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے غیبت کے حرام ہونے کے فلسفوں میں سے ایک فلسفہ یہ ہے کہ یہ عظیم سرمایہ برباد نہ ہو اور اشخاص کی حرمت ضائع نہ ہو اور ان کی حیثیت کو داغدار نہ کرے، یہ ایسی بات ہے جسے اسلام نے بہت ہی زیادہ اہمیت دی ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ غیبت بدنیتی پیدا کرتی ہے اجتماعی رشتوں کو کمزور کر دیتی ہے اعتماد کے سرمایوں کو ختم کرتی ہے اور تعاون اور مل جل کر کام کرنے کی بنیادوں کو متزلزل کر دیتی ہے۔

ان چیزوں سے قطع نظر غیبت کینہ وعداوت کا بیج دلوں میں بوتی ہے اور بعض اوقات خونیں نزاعوں اور قتل و کشتار کا سرچشمہ بنتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک دن پیغمبر ﷺ نے بلند آواز میں خطبہ پڑھا اور بلند آواز میں فرمایا:

''اے وہ گروہ جو زبان سے تو ایمان لائے ہو لیکن دل سے ایمان نہیں لائے تم مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، اور ان کے پوشیدہ عیبوں کی جستجو نہ کیا کرو، کیونکہ جو شخص اپنے دینی بھائیوں کے پوشدہ امور کی جستجو کرے خدا اس کے اسرار اور

رازوں کو فاش کردیتا ہے اور اسے خود اسی کے گھر کے اندر رسوا اور ذلیل کردیتا ہے“۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ خدا نے موسیٰ کو وحی کی:

”جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس نے غیبت سے توبہ کرلی ہو تو وہ آخری شخص وہ گا جو جنت میں داخل ہوگا اور جو اس حالت میں مرے کہ غیبت پر اصرار رکھتا ہو تو وہ پہلا شخص ہوگا جو جہنم میں داخل ہوگا“

ایک حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرامی اسلام سے بھی منقول ہے کہ۔

”غیبت کی تاثیر مسلمان کے دین میں اس کے جسم میں جذام کے اثر سے بھی زیادہ تیز ہے“۔

یہ تمام تاکیدیں اور ہلا دینے والی عبادتیں اس فوق العادہ کی اہمیت کی وجہ سے ہے جو اسلام میں مومنین کی آبرو اوران کی اجتماعی حیثیت کی حفاظت کے لئے ہے اور اس مخرب تاثیر کی وجہ سے بھی ہے جو غیبت سے معاشرت کی وحدت آپس کے اعتماد اور دلی تعلقات میں پیدا ہوتی ہے۔

(۱۳) يَاۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ	اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، پھر تمہارے قبیلے اور کنبے بنادیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو لیکن تم میں سے زیادہ مکرم و گرامی خدا کے نزدیک وہ ہے جو زیادہ متقی ہے۔ یقیناً خدا علیم وخبیر ہے۔

تفسیر

تقویٰ بہترین انسانی صفت

گذشتہ آیات میں روئے سخن مومنین کی طرف تھا اور خطاب کی صورت میں تھا اور متعدد آیات کے ضمن میں وہ باتیں جو ایک مومن معاشرے کو خطرے سے دوچار کرتی ہیں بیان کی ہیں اوران سے منع کیا ہے۔

جبکہ زیر بحث آیت میں سارا انسانی معاشرہ مخاطب ہے اور وہ اہم ترین اصل اور بنیاد جو نظم وثبات کی ضامن ہے بیان کرتا ہے اور کاذب اور چھوٹی اقدار کے مقابلہ میں حقیقی انسانی اقدار کی میزان کو مشخص کرتا ہے اور فرماتا ہے اے لوگوں ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں شعوب وقبائل قرار دیا ہے۔ تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔

لوگوں کی ایک مرد اور ایک عورت سے خلقت سے مراد وہی انسانوں کے انساب کی آدم وحوا کی طرف بازگشت ہے اس بناء پر چونکہ وہ سب کے سب ایک ہی جڑ سے ہیں لہٰذا کوئی وجہ نہیں ہے کہ وہ نسب وقبیلہ کے لحاظ سے اور دوسرے پر فخر کریں اور اگر خدا نے ہر قبیلہ اور گروہ کے لئے کچھ خصوصیات خلق کی ہیں تو وہ لوگوں کی اجتماعی زندگی کے نظم وضبط کی حفاظت کے لئے ہے کیونکہ یہ فرق اور تفادت شناخت اور پہچان کے لئے ہے اور افراد کی پہچان کے بغیر انسانی معاشرے میں کوئی نظم وضبط قائم نہیں ہوسکتا۔

بہرحال قرآن مجید زمانہ جاہلیت کے بزرگ ترین فخر ومباہات کے سبب، یعنی نسب وقبیلہ کو ختم کرنے کے بعد واقعی اور حقیقی انسانی اقدار کے معیار کو بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے کہ تم میں سے زیادہ مکرم وگرامی خدا کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

اس طرح سے تمام ظاہری اور مادی امتیازات پر خط کھینچتے ہوئے بڑائی کی واقعیت وحقیقت کو مسئلہ تقویٰ و پرہیز گاری اور خوف خدا میں قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا کے تقرب اور اس کی ساحت قدس سے نزدیکی کے لئے کوئی امتیاز سوائے تقویٰ کے موثر نہیں ہے۔

اور چونکہ تقویٰ ایک روحانی اور باطنی صفت ہے جسے سب سے پہلے انسان کے دل وجان میں مستقر ہونا چاہئے اور ممکن ہے کہ اس کے مدعی تو بہت ہوں مگر اس سے متصف بہت کم ہوں لہٰذا آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے خدا علیم وخبیر ہے۔

وہ پرہیز گاروں کو اچھی طرح سے پہچانتا ہے اور ان کے درجہ تقویٰ وخلوص نیت اور ان کی پاکیزگی اور صفائی سے آگاہ ہے ان کو اپنے علم کے مطابق مکرم ومحترم اور گرامی رکھتا ہے اور اجر و پاداش دیتا ہے جھوٹے دعویداروں کو بھی پہچانتا ہے اور انہیں سزا اور عذاب دیتا ہے۔

سچی اور جھوٹی قدریں

اس میں شک نہیں کہ ہر انسان فطرتاً اس چیز کا خواہاں ہے کہ وہ ایک صاحب قدر وافتخار ہستی قرار پائے لہٰذا اسی وجہ سے اقدار کو کسب کرنے کے لئے اپنے پورے وجود کے ساتھ کوشش کرتا ہے۔

لیکن اقدار کے معیار کی پہچان تہذیبوں اور تمدنوں کے اختلاف کی وجہ سے کامل طور سے مختلف ہے اور بعض اوقات جھوٹی قدریں سچی قدروں کی جگہ لے لیتی ہیں۔

کوئی گروہ اپنی واقعی اور حقیقی قدر و قیمت کسی معروف ومعتبر قبیلہ کے ساتھ انتساب میں سمجھتا ہے۔

خاص طور پر زمانہ جاہلیت کی اقوام کے درمیان انساب وقبائل کے ذریعہ افتخار سب سے زیادہ رائج موہوم افتخار تھا یہاں تک کہ ہر قبیلہ خود کو ''برتر قبیلہ'' اور ہر نسل خود کو ''والا تر نسل'' سمجھتی تھی افسوس کی بات یہ ہے کہ ابھی تک اس کی تلچھٹ اور بقایا جات بہت سے افراد واقوام کی روح کی گہرائیوں میں موجود ہیں۔

ایک دوسرا گروہ مال ودولت کے مسئلہ اور کاخ وقصر وخدم وحشم اور ایسی ہی چیزوں کا مالک ہونے کو قدر و قیمت کی نشانی سمجھتا ہے اور ہمیشہ اسی کے لئے کوشش کرتا رہتا ہے جبکہ ایک اور جماعت اجتماعی اور سیاسی بلند مقامات کو شخصیت کا معیار سمجھتی ہے۔

اور اس طرح سے ہر گروہ اپنے مخصوص راستے پر قدم اٹھاتا ہے اور کسی ایک خاص قدر ومنزلت سے اپنا دل باندھتا ہے اور اسی کو معیار سمجھتا ہے۔

لیکن چونکہ یہ سب امور ایسے متزلزل اور ذات سے خارج اور مادی اور جلدی گزر جانے والے امور ہیں اسلام جیسا ایک

آسمانی دین ہرگز ان کی موافقت نہیں کر سکتا لہٰذا ان سب پر خط بطلان کھینچتے ہوئے انسان کی واقعی اور حقیقی قدر و قیمت کو اس کی ذاتی صفات، خصوصاً تقویٰ و پرہیزگاری ایفائے عہد اور پاکیزگی میں شمار کرتا ہے یہاں تک کہ علم و دانش جیسے اہم موضوعات کے لئے بھی اگر وہ ایمان و تقویٰ اور اخلاقی قدروں کی راہ میں کام نہ آئیں۔ کسی اہمیت کا قائل نہیں ہے۔

کتاب آداب النفوس طبری میں آیا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے ایام تشریق کے دوران جو ذی الحجہ کے ۱۱۔۱۲ اور ۱۳ کے دن ہیں سرزمین منیٰ میں جبکہ آپ ﷺ ایک اونٹ پر سوار تھے لوگوں کی طرف رخ کر کے فرمایا:

''اے لوگو! جان لو کہ تمہارا خدا ایک ہے تمہارا باپ بھی ایک ہے نہ تو عرب کو عجم پر کوئی برتری ہے اور نہ ہی عجم کو عرب پر نہ کسی کالے کو کسی گورے پر اور نہ کسی گورے کو کسی کالے پر مگر تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ کیا میں نے خدا کا حکم تمہیں پہنچا دیا ہے؟ سب نے کہا ہاں آپ ﷺ نے فرمایا یہ بات حاضریں غائبین تک پہنچا دیں''۔

تقویٰ کی حقیقت

آیات سے اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ تقویٰ وہی مسئولیت اور ذمہ داری کا احساس ہے جو دل میں ایمان کے راسخ ہو جانے کے بعد انسانی وجود پر حکومت کرتا ہے اور اس کو فسق و فجور اور گناہ سے باز رکھتا ہے اور نیکی، پاکیزگی و عدالت کی طرف دعوت دیتا ہے۔ انسان کے اعمال کو خالص اور اس کی فکر و نیت کو آلودگیوں سے صاف کرتا ہے۔

بعض بزرگوں نے تقویٰ کے لئے تین مراحل بیان کئے۔

۱......صحیح اعتقادات کی تحصیل کے ذریعہ عذاب جاودانی سے نفس کو محفوظ رکھنا۔

۲...... ہر قسم کے گناہ سے پرہیز کرنا چاہے وہ ترک واجب ہو یا فعل معصیت۔

۳......اپنے آپ کو ہر اس چیز سے بچانا جو انسان کے دل کو اپنی طرف مشغول رکھتی ہے اور حق سے منحرف کرتی ہے اور یہ خواص بلکہ خاص الخاص لوگوں کا تقویٰ ہے۔

(۱۴) قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَ لٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَ لَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ اِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	بادیہ نشین عربوں نے کہا ہم ایمان لائے ہیں۔ کہہ دے تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم اسلام لے آئے اور ابھی تک ایمان تو تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا۔ اگر تم خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہارے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔ بیشک خدا غفور و رحیم ہے۔

(۱۵) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ	واقعی مومن تو صرف وہی لوگ ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں، پھر انہوں نے کبھی شک نہیں کیا اور اپنی جانوں اور مالوں کے ساتھ انہوں نے راہ خدا میں جہاد کیا ہے۔ وہی سچے ہیں۔

شان نزول

بہت سے مفسرین نے اس آیت کے لئے ایک شان نزول بیان کی ہے جس کا خلاصہ اس طرح ہے۔

قبیلہ بنی اسد کا ایک گروہ قحط اور خشک سالی کے ایک سال میں مدینہ میں وارد ہوا اور انہوں نے پیغمبر ﷺ سے کچھ مدد حاصل کرنے کے لئے زبان پر شہادتیں جاری کیں اور پیغمبر ﷺ سے کہا کہ عرب کے دوسرے قبائل نے سواریوں پر سوار ہو کر آپ ﷺ سے جنگ کی لیکن ہم اپنے بیوی بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس آئے ہیں اور ہم نے آپ ﷺ سے کوئی جنگ نہیں کی دراصل وہ اس طریقہ سے یہ چاہتے تھے کہ پیغمبر ﷺ پر احسان جتلائیں۔ اس وقت اوپر والی آیات نازل ہوئیں اور انہیں بتایا کہ ان کا اسلام ظاہری ہے اور ایمان ان کے دل کی گہرائیوں میں نہیں ہے۔

تفسیر

اسلام اور ایمان کا فرق

گذشتہ آیات میں انسانوں کی قدر و قیمت کے معیار یعنی تقویٰ کے بارے میں گفتگو تھی اور چونکہ تقویٰ ایمان کے درخت کا پھل ہے وہ بھی وہ ایمان جو دل و جان کی گہرائیوں میں نفوذ کرے لہٰذا زیر بحث آیات میں ایمان کی حقیقت کو پیش کرتے ہوئے اس طرح بیان ہوا۔

بادیہ نشین اعراب نے کہا ہم ایمان لائے ہیں ان سے کہہ دے تم ایمان نہیں لائے ہو بلکہ یہ کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں لیکن ایمان تو ابھی تک تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا ہے۔

اس آیت کے مطابق اسلام اور ایمان میں فرق یہ ہے کہ اسلام ایک ظاہری قانونی شکل رکھتا ہے اور جو شخص زبان پر شہادتیں جاری کرتا ہے مسلمانوں کی صف میں شامل ہو جاتا ہے اور اس پر اسلام کے احکام جاری ہو جاتے ہیں لیکن ایمان ایک واقعی اور باطنی امر ہے اور اس کی جگہ انسان کا دل ہے نہ کہ اس کی زبان اور اس کا ظاہر۔

یہی معنی ایک دوسری تعبیر میں اسلام و ایمان کی بحث میں بیان ہوئے ہیں فضیل بن لسیار کہتا ہے کہ میں نے امام صادق سے

سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایمان تو اسلام کے ساتھ شریک ہے لیکن اسلام ایمان کے ساتھ شریک نہیں ہے دوسرے لفظوں میں ہر مومن مسلمان ہے لیکن ہر مسلمان مومن نہیں ہے ایمان وہ ہے جو دل میں ساکن ہو لیکن اسلام ایک ایسی چیز ہے جس کے مطابق نکاح، میراث اور خون کی حفاظت کے قوانین جاری ہوتے ہیں''۔

اس کے بعد زیر بحث آیت میں مزید ارشاد ہوتا ہے اگر تم خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے اعمال کا ثواب کامل طور پر عطا کرے گا اور تمہارے اعمال میں جزاء میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

آخری جملے حقیقت میں ایک مسلم قرآنی اصل کی طرف اشارہ ہے کہ اعمال کے قبول ہونے کی شرط ایمان ہے کہتا ہے اگر تم خدا اور رسول پر قلبی ایمان رکھتے ہو جس کی نشانی خدا اور اس کے رسول کے فرمان کی اطاعت ہے تو تمہارے اعمال کی قدر کی جائے گی اور خدا تمہاری چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی قبول کرلے گا۔ اور ان کا اجر دے گا یہاں تک کہ اس ایمان کی برکت سے وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے۔

(۱۵) اور چونکہ اس امر باطنی یعنی ایمان کا حصول کوئی آسان کام نہیں ہے لہٰذا اس آیت میں اس کی نشانیاں پیش کرتا ہے۔ ایسی نشانیاں جو مومن کو مسلم سے اور سچے کو جھوٹے سے اور پیغمبر ﷺ کی دعوت کو عاشقانہ طور پر قبول کرنے والوں کی جان کی حفاظت یا مال دنیا کے حصول کی خاطر ایمان کا اظہار کرنے والوں سے اچھی طرح سے جدا کر دیتی ہے فرماتا ہے۔

واقعی مومنین وہ لوگ ہیں جو خدا اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اس کے بعد انہوں نے کبھی کوئی شک وشبہ نہیں کیا اور اپنے اموال اور نفسوں کے ساتھ راہ خدا میں جہاد کیا ہے۔

ہاں! ایمان کی سب سے پہلی نشانی اسلام کی راہ میں شک وشبہ اور دودلی نہ کرنا ہے دوسری نشانی اموال کے ساتھ جہاد کرنا اور تیسری نشانی جو سب سے زیادہ افضل ہے و برتر ہے نفسوں جانوں کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔

لہٰذا آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے اسی قسم کے لوگ راست گو ہیں اور ایمان کی روح ان کے وجود میں موجزن ہے۔

اس معیار کو جسے قرآن نے سچے مومنین اور اسلام کا اظہار کرنے والے جھوٹوں کی شناخت کے لئے بیان کیا ہے قبیلہ بنی اسد کے فقراء میں منحصر نہیں ہے بلکہ یہ ہر زمانہ کے لئے واقعی مومنین کو جھوٹے دعویداروں سے جدا کرنے کے لئے اور ان لوگوں کے دعووں کی قدر و قیمت کی نشاندہی کرنے کے لئے جو ہر جگہ اسلام کا دم بھرتے ہیں اور اپنے آپ کو پیغمبر ﷺ کا طلب گار سمجھتے ہیں لیکن ان کے عمل میں معمولی سے معمولی نشانی بھی ایمان و اسلام کی نظر نہیں آتی۔

(۱۶) قُلۡ اَتُعَلِّمُوۡنَ اللّٰہَ بِدِیۡنِکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ	کہہ دو! کیا تم خدا کو اپنے ایمان سے باخبر کر رہے ہو حالانکہ وہ ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں جانتا ہے؟ اور خدا ہر چیز سے آگاہ ہے۔

(۱۷) يَمُنُّونَ عَلَيۡكَ اَنۡ اَسۡلَمُوۡا ؕ قُلۡ لَّا تَمُنُّوۡا عَلَىَّ اِسۡلَامَكُمۡ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيۡكُمۡ اَنۡ هَدٰٮكُمۡ لِلۡاِيۡمَانِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ	وہ تم پر یہ احسان جتا رہے ہیں کہ وہ اسلام لے آئے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ تم اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ جتلاؤ بلکہ یہ تو خدا نے تم پر احسان کیا ہے کہ تمہیں ایمان کی طرف ہدایت فرمائی ہے ،اگر تم (ایمان کے دعوے میں) سچے ہو۔
(۱۸) اِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۠	خدا آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اور جو کچھ تم انجام دیتے ہو اس کو بھی دیکھ رہا ہے۔

شان نزول

مفسرین کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ گذشتہ آیات کے نزول کے بعد بدوعربوں کا ایک گروہ جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور قسم کھا کر کہنے لگے کہ وہ ایمان کے دعوے میں سچے ہیں اور ان کا ظاہر و باطن ایک ہے اس پر پہلی زیر بحث آیت نازل ہوئی اور انہیں آگاہ کیا کہ قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے خدا سب کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے۔

تفسیر

مسلمان ہونے کا احسان مت جتلاؤ

گذشتہ آیات میں سچے مسلمانوں کی نشانیاں بیان ہوئی تھیں۔ اور جیسا کہ شان نزول میں بیان ہوا ہے اسلام کا دعویٰ رکھنے والی جماعت کا اصرار یہ تھا کہ ایمان کی حقیقت ان کے دل میں مستقر ہے قرآن کے لئے بھی اور ان تمام افراد کے لئے بھی جو ان ہی جیسے ہیں یہ اعلان کر رہا ہے کہ اصرار کرنے اور قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایمان و کفر کے مسئلہ میں تمہارا اس خدا کے ساتھ واسطہ ہے جو ہر چیز سے باخبر ہے خصوصاً اس آیت میں عتاب آمیز لہجہ میں کہتا ہے ان سے کہہ دے کیا تم خدا کو اپنے ایمان سے باخبر کرنا چاہتے ہو وہ ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں جانتا ہے۔

اور زیادہ سے زیادہ تاکید کے لئے مزید کہتا ہے خدا ہر چیز سے آگاہ ہے۔

اس کی ذات مقدس عین علم ہے اور اس کا علم اس کا عین ذات ہے اور اسی بناء پر اس کا علم ازلی و ابدی ہے۔

(۱۷) اس کے بعد پھر دوبارہ بدوعربوں کی گفتگو کی طرف لوٹتا ہے جو اپنے اسلام لانے کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر احسان جتانے کے لئے کہتے تھے ہم تو آپ کے پاس تسلیم کے دروازے سے آئے ہیں جبکہ بہت سے قبائل عرب جنگ کے دروازے سے آئے ہیں۔ قرآن ان کے جواب میں کہتا ہے وہ تجھ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لائے ہیں۔

ان سے کہہ دے اپنے اسلام کا مجھ پر احسان نہ رکھو۔

بلکہ یہ تو خدا کا تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی طرف ہدایت کی اگر تم ایمان کے دعوے میں سچے ہو۔

منت کی دو قسمیں ہیں اگر اس میں عملی پہلو ہو گرانقدر نعمت کے عطا کرنے کے معنی میں تو ممدوح ہے اور خدا کی نعمتیں اس قسم کی ہیں لیکن اگر اس میں لفظی پہلو ہو جیسا کہ بہت سے انسانوں کے احسان تو یہ ایک قبیح اور ناپسندیدہ عمل ہے۔

''ایمان'' ہر چیز سے پہلے عالم ہستی کے بارے میں انسان کو ایک نیا ادراک دیتا ہے وہ خودخواہی اور غرور کے حجاب اور پردے کو دور کر دیتا ہے انسان کی نظر کے افق کو وسیع کرتا ہے۔ اور اس کی نظر میں عالم خلقت کے بے نظیر شکوہ اور عظمت کو مجسم کر دیتا ہے۔

یہ وہ مقام ہے کہ جہاں انسان پر یہ لازم آتا ہے کہ وہ ہر صبح شام نعمت ایمان کا شکر بجالائے، اور ہر نماز اور ہر عبادت کے بعد سر سجدہ میں رکھے اور خدا کی اس ساری توفیق پر شکر ادا کرے۔

(۱۸) آخری زیر بحث آیت میں جو سورہ حجرات کا اختتام ہے دوبارہ اسی چیز کی جو گذشتہ آیت میں آئی ہے تاکید کرتا ہے اور فرماتا ہے خدا آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے اور جو عمل بھی تم انجام دیتے ہو انہیں دیکھتا ہے۔

تم اس بات پر اصرار نہ کرو کہ تم حتمی اور یقینی طور پر مومن ہو، اور قسم کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ تمہارے دل کے زاویوں اور گوشوں کی خبر رکھتا ہے اور جو کچھ اس میں گزرتا ہے وہ اس سے مکمل طور پر آگاہ ہے وہ زمین کی گہرائیوں اور اعماق کے اسرار اور آسمانوں کے غیوب سے آگاہ ہے اس بناء پر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارے دلوں کے اندر سے بے خبر ہو؟

سورۂ قٓ

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اور اس کی ۴۵ آیات ہیں

سورہ ''ق'' کے مطالب ومضامین

اس سورہ کے مباحث کا محور مسئلہ معاد ہے اور تقریباً اس کی تمام آیات اسی محور کے گرد گھومتی ہیں اور اس میں دوسرے مسائل ضمنی حیثیت رکھتے ہیں۔

معاد سے مربوط مسائل میں امور ذیل بیان کئے گئے ہیں۔

۱............کفار کا مسئلہ معاد سے انکار اور تعجب معاد جسمانی سے

۲............مسئلہ معاد پر نظام آفرینش کی طرف توجہ دلانے کے طریق سے استدلال، خصوصاً مردہ زمینوں کا بارش کے نزول کے ذریعہ احیاء۔

۳............مسئلہ معاد پر پہلی خلقت کی طرف توجہ دلانے کے طریقہ سے استدلال۔

۴............یوم الحساب کے لئے ثبت اعمال کے مسئلہ کی طرف اشارہ اور اس کے لئے اقوال۔

۵............موت سے مربوط مسائل اور اس جہان سے دوسرے گھر کی طرف انتقال۔

۶............روز قیامت کے حوادث کا ایک گوشہ، اور جنت و دوزخ کے اوصاف۔

۷............اختتام جہان کے ہلا دینے والے حوادث کی طرف اشارہ۔

اس کے ضمن میں گذشتہ اقوام کی وضع وکیفیت ان کی دردناک اور شوم سرنوشت کی طرف مختصر اور موثر اشارے ہیں جیسے قوم فرعون، عاد، لوط، شیعب اور تبع کی سرنوشت، نیز خدا کی طرف توجہ اور اس کے ذکر کے سلسلہ میں پیغمبر اسلام ﷺ کو کچھ احکام دیئے گئے ہیں اور سورہ کے آغاز اور اختتام پر عظمت قرآن کے بارے میں ایک مختصر سا اشارہ کیا گیا ہے۔

سورہ ''قٓ'' کی تلاوت کی فضیلت

روایات اسلامی سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم ﷺ اس سورہ کو بہت اہمیت دیتے تھے یہاں تک کہ ہر جمعہ کے دن نماز جمعہ کے خطبہ میں اس کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں امام باقر سے آیا ہے:

> ''جو شخص ہمیشہ واجب اور مستحب نمازوں میں سورہ ''ق'' کی تلاوت کرتا رہے گا، خدا اس کی روزی میں وسعت پیدا کردے گا۔ اور اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دے گا۔ اور قیامت میں اس کا حساب کتاب آسان کردے گا''۔

یہ بات یاد دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ سب افتخار وفضیلت صرف الفاظ کے پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتے بلکہ الفاظ کا پڑھنا تو افکار ونظریات کے بیدار ہونے کا وسیلہ ہے اور وہ عمل صالح اور سورہ کے مطالب کے ساتھ ہم آہنگی کا ایک ذریعہ بھی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے
(۱) قٓ ۚ وَ الۡقُرۡاٰنِ الۡمَجِیۡدِ ۚ	ق، قرآن مجید کی قسم!
(۲) بَلۡ عَجِبُوۡۤا اَنۡ جَآءَہُمۡ مُّنۡذِرٌ مِّنۡہُمۡ فَقَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ ہٰذَا شَیۡءٌ عَجِیۡبٌ ۚ	کفار و مشرکین نے (اس بات پر) تعجب کیا کہ انہی کے درمیان سے ایک ڈرانے والا پیغمبر آیا ہے اور کافروں نے یہ کہا، یہ تو ایک عجب چیز ہے۔
(۳) ءَاِذَا مِتۡنَا وَ کُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِکَ رَجۡعٌۢ بَعِیۡدٌ	کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک ہو جائیں گے تو دوبارہ زندہ کئے جائیں گے؟ یہ بازگشت تو بہت ہی بعید ہے۔
(۴) قَدۡ عَلِمۡنَا مَا تَنۡقُصُ الۡاَرۡضُ مِنۡہُمۡ ۚ وَ عِنۡدَنَا کِتٰبٌ حَفِیۡظٌ	لیکن ہم جانتے ہیں جو کچھ زمین ان کے بدن سے کم کرتی اور ہمارے پاس وہ کتاب ہے جس میں ہر چیز محفوظ ہے۔
(۵) بَلۡ کَذَّبُوۡا بِالۡحَقِّ لَمَّا جَآءَہُمۡ فَہُمۡ فِیۡۤ اَمۡرٍ مَّرِیۡجٍ	جب حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔لہٰذا وہ اپنے پراگندہ کام میں حیران و متحیر ہیں۔

تفسیر

ہٹ دھرم منکرین اپنے کام میں سرگرداں ہیں

یہاں پر ہمیں اس سورہ کی ابتدا میں پھر بعض حروف مقطعہ کا سامنا ہے اور وہ حرف ''ق'' ہے اور جیسا کہ ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں حروف مقطعہ کی ایک قابل توجیہ تفسیر یہ ہے۔ کہ قرآن اپنی عظمت کے باوجود ''الف، با'' جیسے ایک عام مادہ سے بنا ہے اور یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ قرآن مجید کا ایجاد کرنے والا اور نازل کرنے والا بے انتہا علم وقدرت کا مالک ہے جس نے ان عام اور سادہ آلات سے اس قسم کی اعلیٰ ترکیب تخلیق کی ہے۔

بعض مفسرین نے ''ق'' کو خدا کے بعض اسماء کی طرف اشارہ سمجھا ہے (جیسے قادر و قیوم)۔

منجملہ امور کے جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ حروف مقطعات میں سے اس حرف کا ذکر قرآن کی عظمت کے بیان کے لئے ہے۔ یہ ہے کہ اس کے بعد بلافاصلہ قرآن مجید کی قسم کھاتے ہوئے فرماتا ہے۔

قسم ہے قران مجید کی۔

"مجید"، "مجد" کے مادہ سے "وسیع شرافت" کے معنی میں ہے اور چونکہ قرآن بے انتہا عظمت و شرافت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے لفظ مجید ہر لحاظ سے سزاوار ہے اس کا ظاہر زیبا اور خوبصورت ہے اس کے مضامین و مطالب عظیم ہیں اس کے احکام اعلیٰ ہیں اور اس کے پروگرام تربیتی اور حیات بخش ہیں۔

(۲) اس کے بعد کفار و مشرکین عرب کے چند بے بنیاد اعتراضات کو بیان کرتے ہوئے ان میں سے دو اعتراضات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پہلے کہتا ہے بلکہ انہوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ایک ڈرانے والا پیغمبر خود انہی میں سے آیا ہے کافروں نے کہا یہ تو ایک عجیب چیز ہے۔

یہ ایک ایسا اعتراض ہے کہ قرآن نے بارہا اس کی طرف اور اس کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس کو بار بار دھرانا اور اس کی تکرار اس بات کی نشاندہی کرتی ہے۔ کہ یہ کفار کے اصل اور بنیادی اعتراضات میں سے تھا جس کا وہ ہمیشہ تکرار کرتے تھے۔

(۳) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس اعتراض کے بعد اور یہ کہ وہ کس طرح نوح بشر سے ہے؟ انہیں ایک دوسرا اعتراض جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کے مضمون پر تھا وہ ایک ایسے مسئلہ پر تھا جو ان کے لئے ہر لحاظ سے عجیب و غریب تھا وہ کہتے تھے جب ہم مر جائیں گے اور خاک ہو جائیں گے تو کیا پھر زندہ ہو جائیں گے جیسا کہ وہ کہتا ہے یہ بازگشت تو ایک بعید بات ہے۔

(۴) صرف یہی ایک مقام نہیں ہے کہ جہاں انہوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ اعتراض کیا بلکہ انہوں نے بارہا یہی کہا اور بارہا اس کا جواب سنا اور پھر ہٹ دھرمی کرتے ہوئے اس کا تکرار کیا۔

بہر حال قرآن مجید یہاں چند ایک طریق سے اس کا جواب دیتا ہے۔

سب سے پہلے خدا کے غیر متناہی علم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ہم جانتے ہیں جو کچھ زمین ان کے بدن میں سے کم کرے گی اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے جس میں ہر چیز محفوظ ہے۔

اگر تمہارا اعتراض اس بناء پر ہے کہ انسان کی ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی اور اس کا گوشت مٹی ہو جائے گا۔ اور وہ زمین میں مل جائے گا اور اس کے ذرات، بخارات اور گیسوں میں تبدیل ہو کر ہوا میں پھیل جائیں گے تو انہیں کو اکٹھا کر سکتا ہے؟ اور اصلاً کون ایسا ہے جو ان سے باخبر ہو؟

تو اس کا جواب معلوم ہے وہی خدا جس کا علم تمام اشیاء کا احاطہ کئے ہوئے ہے وہ ان تمام ذرات کو پہچانتا ہے اور بوقت ضرورت وہ ان سب کو اسی طرح سے جمع کر لے گا۔ جس طرح مٹی کے ایک ٹیلے کے درمیان سے مقناطیس کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ لوہے کے بکھرے ہوئے ذرات کو جمع کیا جا سکتا ہے، ہر انسان کے پراگندہ ذرات کی جمع آوری خدا کے لئے اس سے بھی زیادہ آسان ہے۔

اور اگر ان کا اعتراض یہ ہے کہ انسان کے اعمال کا حساب کتاب معاد و قیامت کے لئے کون محفوظ رکھے گا تو اس کا جواب یہ

ہے کہ یہ سب لوح محفوظ میں ثبت ہیں اور اصولی طور پر کوئی چیز اس عالم میں گم نہیں ہوتی یہاں تک کہ تمہارے اعمال بھی باقی رہتے ہیں۔اگر چہ ان کی شکل بدل جاتی ہے۔

(۵)اس کے بعد دوسرے جواب کی طرف رخ کرتا ہے جو زیادہ تر نفسیاتی پہلو رکھتا ہے کہتا ہے لیکن جب حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے اس کی تکذیب کی۔

یعنی وہ جان بوجھ کر حق کا انکار کرتے ہیں ورنہ حق کے چہرے پر کوئی گرد و غبار نہیں ہے۔اور جیسا کہ بعد والی آیات میں آئے گا۔وہ اسی دنیا میں خود اپنی آنکھوں سے بار بار معاد کا منظر دیکھتے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کرتے۔

لہٰذا آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے چونکہ وہ جھٹلانے پر تلے ہوئے ہیں لہٰذا ہمیشہ الٹی سیدھی ہانکتے ہیں خود اپنے کام میں حیران ہیں اور الٹے پلٹے کاموں میں گرفتار ہیں۔

کبھی وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجنون کہتے ہیں کبھی کاہن اور کبھی شاعر۔

یہ الٹی سیدھی باتیں اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ انہوں نے حق کو پہچان تو لیا ہے لیکن بہانہ بازی میں لگے ہوئے ہیں اسی لئے ایک بات پر نہیں ٹکتے۔

(٦) اَفَلَمۡ یَنۡظُرُوۡۤا اِلَی السَّمَآءِ فَوۡقَهُمۡ کَیۡفَ بَنَیۡنٰهَا وَ زَیَّنّٰهَا وَ مَا لَهَا مِنۡ فُرُوۡجٍ	کیا انہوں نے آسمان کی طرف، جو ان کے سر کے اوپر ہے، نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اس کو کس طرح سے بنایا ہے، کس طرح سے ستاروں کے ذریعہ اسے سجایا ہے اور اس میں کسی قسم کا شگاف اور غیر موزونی نہیں ہے؟
(٧) وَ الۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا وَ اَلۡقَیۡنَا فِیۡهَا رَوَاسِیَ وَ اَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ زَوۡجٍۭ بَهِیۡجٍ ۙ	اور ہم نے ہی زمین کو پھیلایا ہے، اور اس میں بڑے بڑے پہاڑ قائم کئے ہیں اور ہر قسم کا لہلہاتا ہوا سبزہ اس میں اگا دیا ہے۔
(٨) تَبۡصِرَةً وَّ ذِکۡرٰی لِکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ	تاکہ ہر توبہ کرنے والے بندے کے لئے بصیرت اور بیداری کا وسیلہ اور ذریعہ ہو۔
(٩)وَ نَزَّلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَکًا فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّ حَبَّ الۡحَصِیۡدِ ۙ	اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا، پھر اس سے باغات اور ان اجناس کو اگایا جنہیں کاٹ کر تیار کیا جاتا ہے،

(۱۰) وَ النَّخۡلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلۡعٌ نَّضِيۡدٌ ۙ	نیز بلند قامت کھجوروں کے درخت جن کے پھل ایک دوسرے پر تہ بہ تہ لگے ہوئے ہوتے ہیں۔
(۱۱) رِّزۡقًا لِّلۡعِبَادِ ۙ وَ اَحۡيَيۡنَا بِهٖ بَلۡدَةً مَّيۡتًا ؕ كَذٰلِكَ الۡخُرُوۡجُ	یہ سب کچھ بندوں کو روزی دینے کے لئے ہے اور ہم نے بارش کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کیا ہے۔ہاں مردوں کو زندہ کرنا بھی اسی طرح ہے۔

تفسیر

ایک لمحہ کے لئے آسمان کی طرف دیکھو

یہ آیات اسی طرح سے معاد کے دلائل کو پیش کر رہی ہیں کبھی حق تعالیٰ کی غیر متناہی قدرت کے طریقہ سے اور کبھی اسی دنیا میں معاد کے مناظر کے وجود سے مدد لیتی ہیں۔

سب سے پہلے منکرین کو آسمانوں کی خلقت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہتا ہے کیا انہوں نے اپنے سر کے اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھا۔ کہ ہم نے انہیں کس طرح سے بنایا ہے جس میں کوئی ستون اور پائے نہیں ہیں اور کس طرح سے ہم نے اسے ستاروں کے ذریعہ سے سجایا ہے جبکہ اس میں کوئی شگاف اور غیر موزونیت نہیں ہے؟

یہاں دیکھنے سے مراد غور وفکر اور سوچ بچار کے ساتھ دیکھنا ہے جو انسان کو اس وسیع وعریض آسمان اور اس کے عجائبات کے خالق کی عظیم قدرت سے آشنا کرتا ہے۔

(۷) اس کے بعد زمین کی خلقت کی عظمت کو پیش کرتے ہوئے مزید کہتا ہے اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں بڑے بڑے پہاڑ قائم کئے اور اس میں طرح طرح اور قسم قسم کی ہری بھری لہلہاتی ہوئی گھاس اگائی۔

ہاں! زمین کی پیدائش ایک طرف، اس کا پھیلاؤ پانی کے نیچے سے باہر آنا۔ دوسری طرف پہاڑوں کا پیدا ہونا، جن کی جڑیں ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں اور وہ زرہ کی طرح زمین کو اندرونی اور بیرونی دباؤ سے اور چاند اور سورج کی کشش سے پیدا ہونے والے مدو جزر سے محفوظ رکھتے ہیں تیسری طرف انواع واقسام کے گھاس ان تمام عجائب اور خوبصورتیوں کے ساتھ، چوتھی طرف یہ سب کے سب اس کی بے پایاں قدرت کی دلیل ہیں۔

(۸) اس آیت میں نتیجہ نکالتے ہوئے کہتا ہے ہم نے ان سب کو ان بندوں کی بصیرت اور بیداری کے لئے خلق کیا ہے جو یہ

چاہتے ہیں کہ ہماری طرف لوٹ آئیں اور حق کو پالیں۔

ہاں! وہ ذات جو آسمانوں کو اتنا عظیم اور خوبصورت اور زمین کو اتنا پرنعمت و جمال ونظم وحساب کے ساتھ پیدا کرنے پر قدرت رکھتی ہے تو وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر کیوں قادر نہ ہوگی اور قیامت کیوں برپا نہ ہوسکے گی۔

(۹) اس آیت میں ایک دوسرے استدلال کی بنیاد رکھتے ہوئے کہتا ہے اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی نازل کیا ہے اوراس کے ذریعہ باغات اوران دانوں کو اُگاتے ہیں جنہیں کاٹا جاتا ہے۔

(۱۰) اس کے بعد مزید کہتا ہے اور اسی طرح کھجور کے ایسے بلند قامت درخت جن کے پھل اوپر نیچے ملے ہوئے ہوتے ہیں۔

(۱۱) آخر میں کہتا ہے۔ ہم نے ان سب کو بندوں کو روزی دینے کے لئے خلق کیا ہے۔ اور بارش کے ان حیات بخش قطرات سے ہم نے مردہ زمینوں کو زندگی بخشی ہے ہاں مردوں کا زندہ ہونا اوران کا قبروں سے باہر نکلنا بھی اسی طرح ہے۔

اوراس طرح سے وہ بندوں پر اپنی عظیم نعمتوں کی یادآوری کے ضمن میں اس کی شناخت کی راہ میں ان کی شکرگزاری کی حس کو تحریک کرتے ہوئے انہیں یاددلاتا ہے کہ تم معاد کا نمونہ ہرسال اپنی انکھوں کے سامنے اسی جہان میں دیکھتے ہو کہ مردہ خشک زمینیں جو ہرقسم کے آثار زندگی سے خالی ہوتی ہیں بارش کے قطروں کے نزول کے زیراثر حرکت میں آجاتی ہیں اور قیامت کا شوروغل برپا کردیتی ہیں اور ہرگوشہ وکنار سے گھاس اگنے لگتی ہے۔

یہ عظیم جنبش اور عالم نباتات وگیاہ میں حیات وزندگی کی طرف حرکت اس واقعیت کو بیان کرتی ہے کہ آفریدگار عالم مردہ موجودات کو دوبارہ زندگی عطا کرسکتا ہے کیونکہ کسی چیز کا واقع ہونا۔ اس کے امکان کی سب سے قوی دلیل ہے۔

(۱۲) كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَّ اَصْحٰبُ الرَّسِّ وَ ثَمُوْدُ	ان سے پہلے قوم نوح، اصحاب الرس اور وہ قوم ثمود نے بھی (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کی تھی۔
(۱۳) وَ عَادٌ وَّ فِرْعَوْنُ وَ اِخْوَانُ لُوْطٍ	اسی طرح قوم عاد، فرعون، قوم لوط،
(۱۴) وَّ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَ قَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيْدِ	اصحاب الایکہ (قوم شعیب) اور قوم تبع، ان میں سے ہرایک نے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ پس عذاب کا وعدہ ان کے بارے میں پورا ہوکر رہا۔

(۱۵) اَفَعَيِيْنَا بِالْخَلْقِ الْاَوَّلِ ؕ بَلْ هُمْ فِیْ لَبْسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۠	کیا ہم پہلی خلقت سے عاجز آگئے ہیں؟ لیکن وہ پھر بھی نئی خلقت میں شک وتردید رکھتے ہیں۔

تفسیر

صرف تم ہی نہیں ہو جس کا دشمن سے مقابلہ ہے؟

یہ آیات اسی طرح معاد وقیامت سے مربوط مباحث کو مختلف طریقوں سے بیان کررہی ہیں۔

پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دل داری کے لئے فرماتا ہے۔صرف تو ہی نہیں ہے کہ اس کافر گروہ نے تیری تکذیب کی ہے اور تیری دعوت کے مطالب کو جھٹلایا ہے خصوصاً معاد کے بارے میں ان سے پہلے قوم نوح اور اصحاب الرس اور قوم ثمود نے بھی اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی۔

قوم ثمود وہی خدا کے عظیم پیغمبر صالح کی قوم ہے جو حجاز کے شمال میں ''حجر'' کی سرزمین میں رہتی تھی اور اصحاب الرس کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔ بہت سوں کا نظریہ، یہ ہے کہ وہ ایک قبیلہ تھا جو سرزمین یمامہ میں رہتا تھا اور ان کے پیغمبر کا نام حنظلہ تھا انہوں نے اس کی تکذیب کی اور آخر کار اسے کنویں میں پھینک دیا۔

(۱۳) اس کے بعد مزید کہتا ہے۔طائفہ عاد قوم فرعون اور لوط کے بھائیوں نے بھی۔

لوط علیہ السلام کے بھائیوں سے مراد وہ قوم لوط ہے کیونکہ قرآن نے ان عظیم پیغمبروں کو بھائی کے عنوان سے یاد کیا ہے۔

اور اصحاب الایکہ اور قوم تبع نے بھی۔

''ایکہ'' بہت زیادہ اور گھنے درختوں کے معنوں میں ہے یا دوسرے لفظوں میں جنگل کے مشابہ ہے اور اصحاب الایکہ قوم شعیب کا ایک گروہ ہے جو شہر مدین کے علاوہ کسی اور جگہ رہتا تھا کسی ایسے شہر میں جس میں بہت زیادہ درخت تھے۔

اس کے بعد ان آٹھوں اقوام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے ان میں سے ہر ایک نے خدا کے بھیجے ہوئے رسولوں کی تکذیب کی اور ان کے بارے میں خدا کے عذاب کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔

بہرحال ان اقوام نے اپنے پیغمبروں کی بھی تکذیب کی اور مسئلہ توحید ومعاد کی بھی اور انجام کار دردناک عذاب میں گرفتار ہوئے بعض طوفان میں گرفتار ہوئے بعض سیلاب میں بعض دوسرے صاعقہ اور آسمانی بجلی میں، بعض زلزلہ میں یا ان کے علاوہ دوسری چیزوں میں اور انجام کار انہوں نے تکذیب کا تلخ پھل چکھا۔

(۱۵) اس کے بعد امکان قیامت کے دلائل میں سے ایک اور کو ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کیا ہم پہلی خلقت سے تھک ہار کر عاجز آگئے ہیں کہ اب دوسری خلقت اور قیامت پر قدرت حاصل نہ ہو۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے انہیں پہلی پیدائش کے بارے میں تو کوئی شک نہیں ہے کیونکہ وہ خدا کو ہی انسانوں کا خالق سمجھتے

ہیں لیکن وہ ان واضح دلائل کے باوجود نئی پیدائش اور قیامت کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔

درحقیقت وہ خواہشات نفسانی، تعصب اور ہٹ دھرمی کی بناء پر تناقض میں گرفتار ہیں ایک طرف تو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے ہی انسانوں کو خلق کیا ہے اور انہیں سب کو مٹی سے پیدا کیا ہے لیکن دوسری طرف جب انسانوں کی مٹی سے جدید خلقت کے مسئلہ تک پہنچتے ہیں تو اس کو عجیب وغریب اور باور نہ ہونے والا مسئلہ شمار کرتے ہیں حالانکہ دونوں ایک ہی جیسے ہیں۔

(۱۶) وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖۚ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ	ہم نے انسان کو پیدا کیا، ہم اس کے نفس کے وسوسوں کو جانتے ہیں اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔
(۱۷) اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ	اس وقت کو یاد کرو جب انسان کے ساتھ رہنے والے دونوں فرشتے دائیں اور بائیں طرف سے اس کے اعمال کو لکھتے جاتے ہیں۔
(۱۸) مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ	انسان کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا مگر اس کے پاس ہی ایک نگران فرشتہ اپنے کام کو انجام دینے کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔

تفسیر

تمہاری چھوٹی سے چھوٹی بات کو بھی وہ لکھتے ہیں

ان آیات میں معاد سے مربوط مسائل کے ایک اور حصہ کو بیان کیا جارہا ہے اور وہ روز حساب کے لئے انسانوں کے اعمال کے ثبت وضبط کا مسئلہ ہے۔

سب سے پہلے خدا کے غیر متناہی علم، اور انسانوں پر اس کے علمی احاطہ کی بات کرتے ہوئے فرماتا ہے ہم نے انسان کو خلق کیا ہے اور ہم ہی اس کے نفس کے وسوسوں کو جانتے ہیں

''تو سوس'' سے مراد یہ ہے کہ جب خدا دل میں گزرنے والے خیالوں اور ان جلدی گزر جانے والے وسوسوں سے جو اس کی فکر سے گزرتے ہیں۔ آگاہ ہے تو وہ یقینی طور پر ان کے تمام عقائد واعمال وگفتار سے بھی باخبر ہے اور روز حساب کے لئے سب کے حساب وکتاب پر نظر رکھتا ہے۔

ہاں! وہ خالق ہے اوراس کی خلقت دائم ومستمر، اور ہم تمام حالات میں اس کے وجود کے ساتھ وابستہ ہیں ان حالات میں کس طرح ممکن ہے کہ وہ ہمارے ظاہر و باطن سے بے خبر ہو۔

اور آیت کے ذیل میں اس مطلب کو زیادہ واضح کرنے کے لئے مزید کہتا ہے ہے ہم تو اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔

یہ وہی چیز کہ دوسری جگہ کہتا ہے۔ جان لو کہ خدا انسان اوراس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اورتم سب ہی قیامت میں اس کے پاس جمع ہو جاؤ گے (انفال......۲۴)۔

البتہ یہ سب کی سب تشبیہ ہیں اور خدا کا قرب اس سے بھی برتر و بالاتر ہے۔ اگرچہ محسوسات میں اس سے زیادہ بہتر مثال نہیں مل سکتی۔

اس واقعیت کی طرف توجہ، انسان کو بیدار کرتی ہے اورعدل الٰہی کی عدالت میں اس کی سنگین باز پرس، اور وقیق اعمال نامہ ہے اسے آشنا کرتی ہے اور ایک بے خبر اور لا پرواہ انسان سے اسے ایک ہوشیار صحیح راستہ پر قابل اعتماد اور باتقویٰ انسان بناتی ہے۔

(۱۷) اس آیت میں مزید کہتا ہے۔ اس وقت کو یاد کرو جب وہ دونوں فرشتے جو انسان کی دائیں اور بائیں طرف نگرانی پر مامور ہیں اس کے اعمال کو ضبط تحریر میں لاتے ہیں۔

یعنی انسان کے ظاہر و باطن پر خداوند عالم کے احاطہ علمی کے علاوہ دو فرشتے بھی اس کے اعمال کے حساب و کتاب کی حفاظت اور نگہداری پر مامور ہیں جو اس کی دائیں اور بائیں طرف سے نگرانی کرتے ہیں وہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے جدا نہیں ہوتے، تاکہ اس طریقہ سے زیادہ سے زیادہ اتمام حجت ہو، اور حساب اعمال کی نگہداشت کے مسئلہ پر ایک تاکید ہو۔

روایات اسلامی میں آیا ہے کہ دائیں طرف کا فرشتہ تو نیکیوں کو لکھتا ہے اور بائیں طرف کا فرشتہ برائیوں کو لکھتا ہے اور پہلا فرشتہ دوسرے کا حاکم ہے جس وقت انسان کسی نیک کام کو انجام دیتا ہے تو دائیں طرف کا فرشتہ اس سے دس گنا لکھ لیتا ہے اور جب برا عمل اس سے سرزد ہوتا ہے اور بائیں طرف کا فرشتہ اسے لکھنا چاہتا ہے تو پہلا فرشتہ اس سے کہتا ہے جلدی نہ کرو، لہٰذا وہ اس کے لکھنے میں سات گھنٹہ کی تاخیر کر دیتا ہے۔ چنانچہ اگر مرتکب پشیمان ہو گیا اور اس نے توبہ کر لی تو پھر فرشتہ کوئی چیز نہیں لکھتا، اور اگر اس نے توبہ نہ کی تو پھر اس کے لئے صرف ایک ہی گناہ لکھتا ہے۔

(۱۸) آخری زیر بحث آیت میں پھر ثبت اعمال کرنے والے فرشتوں کے مسئلہ پر تکیہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔ انسان کوئی بات زبان سے نہیں نکالتا، مگر یہ کہ اس کے پاس ایک نگرانی کرنے والا فرشتہ اپنی ماموریت کی انجام دہی کے لئے آمادہ ہے۔

گذشتہ آیت میں انسان کے تمام اعمال رقم ہونے کے بارے میں گفتگو تھی۔ اور اس آیت میں خاص طور پر اس کے الفاظ اور باتوں پر بھی تکیہ کیا گیا ہے۔ اور یہ اس حد سے زیادہ اہمیت اور نقش موثر کی بناء پر ہے جو انسانوں کی زندگی میں ان کی گفتار کو حاصل ہے یہاں تک کہ بعض اوقات ایک ہی جملہ اجتماعی راستے کو خیر یا شر کی طرف موڑ دیتا ہے۔

(۱۹) وَ جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ	پھرانجام کار سکرات موت حق کے ساتھ پہنچ جائے گی۔(اور انسان سے کہا جائے گا) یہ وہی چیز ہے جس سے تو بھاگا کرتا تھا۔
(۲۰) وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ	اور صور پھونکا جائے گا۔ وہی دن تو وحشت ناک وعدہ کے پورا ہونے کا دن ہے۔
(۲۱) وَ جَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ	پھر ہر انسان محشر میں وارد ہوگا جب کہ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہ اس کے ساتھ ساتھ ہوگا۔
(۲۲) لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ	(اس کو خطاب ہوگا) تو اس منظر (اور عظیم عدالت سے) غافل تھا، پس ہم نے تیری آنکھ سے پردہ ہٹا دیا ہے اور آج تیری نظر بہت تیز ہوگئی ہے۔

تفسیر

قیامت اور تیز بین آنکھیں

ان آیات میں معاد سے مربوط مسائل میں سے کچھ اور دوسرے مناظر کو پیش کیا گیا ہے۔ موت کا منظر نفخ صور کا منظر اور محشر میں حاضر ہونے کا منظر۔

پہلے فرماتا ہے آخر کار سکرات موت حق کے ساتھ پہنچ جائے گی۔ مستی سے مشابہ ایک حالت ہے جو موت کے مقدمات کے ظاہر ہونے کے اثر میں حد سے زیادہ ہیجان و انقلاب کی صورت میں انسان کو عارض ہوتی ہے۔ اور بعض اوقات اس کی عقل پر بھی غالب آجاتی ہے۔ اور اس کو اضطراب اور ایک شدید بے آرامی میں ڈبو دیتی ہے۔

ایسا کیوں نہ ہو۔ درحالیکہ موت ایک اہم انتقالی مرحلہ ہے جس میں انسان کو اس جہان سے جس میں اس نے سالہا سال تک رہنے کی عادت ڈالی تھی۔

حضرت علی علیہ السلام موت کے لمحہ اور اس کی سکرات کی ایک بہت ہی عمدہ تصویر کھینچتے ہیں فرماتے ہیں۔

''سکرات موت اپنے پاس کی ہر چیز کو کھو دینے کی حسرت کے ساتھ ان پر ہجوم کرتی ہے ان کے بدن کے اعضاء سست ہو جاتے ہیں ان کے چہروں کا رنگ اڑ جاتا ہے آہستہ آہستہ موت ان میں نفوذ کرنے لگتی ہے ان کے اور ان کی

زبان کے درمیان جدائی ڈالی دیتی ہے، حالانکہ وہ اپنے گھر والوں کے درمیان ہے اپنی آنکھ سے دیکھ رہا ہوتا ہے اور اپنے کان سے سن رہا ہوتا ہے۔ اور اس کی عقل و ہوش صحیح و سالم ہوتے ہیں لیکن وہ بات نہیں کر سکتا''۔

اس حالت میں وہ سوچتا ہے کہ اس نے اپنی عمر کس راستے میں فنا کی؟ اور اپنا زمانہ کس راستے میں ختم کیا؟ اس دولت و ثروت کی یاد اسے ستاتی ہے جس کے جمع کرنے میں اس نے چشم پوشی سے کام لیا تھا اور حلال و حرام اور مشکوت و مشتبہ اکٹھا کرتا رہا تھا اور اس کے جمع کرنے کے نتائج اور ذمہ داری اپنے کندھے پر لے گا۔ حالانکہ ان سے جدائی اور فراق کا وقت آن پہنچا ہے اور وہ پسماندگان کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ وہ تو اس سے متنعم ہوں گے اور فائدہ اٹھائیں گے لیکن اس کا حساب و کتاب اور اس کے لئے جوابدہی اس کے ذمہ ہوگی۔

اس کے بعد قرآن اس گفتگو کو جاری رکھتا ہے۔ اس شخص کو جو سکرات موت کی حالت میں ہے کہا جائے گا یہ وہ ہی چیز ہے جسے تو پسند نہیں کرتا تھا اور اس سے بھاگتا تھا۔

ہاں! موت ایک ایسی حقیقت ہے جس سے اکثر لوگ بھاگتے ہیں کیونکہ وہ اس کو فنا سمجھتے ہیں نہ کہ عالم بقاء کا ایک دریچہ یا ان شدید رشتوں اور تعلقات کی وجہ سے جو وہ دنیا اور مادی نعمتوں کے ساتھ رکھتے ہیں اور ان سے دل نہیں ہٹا سکتے یا اپنے نامہ اعمال کے سیاہ ہونے کی وجہ سے۔

جو کچھ بھی ہے وہ اس سے بھاگتے ہیں لیکن کیا فائدہ؟ کیونکہ یہ ایک ایسی نوشت ہے جو سب کے انتظار میں ہے اور ایک ایسا اونٹ ہے جو گھر کے دروازے پر بیٹھا ہے اور کسی میں اس سے بھاگنے کی طاقت نہیں ہے۔

(۲۰) اس کے بعد ''نفخ صور'' کے مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے صور پھونکا جائے گا۔ اور وہ دن وحشتناک وعدوں کے پورا ہونے کا دن ہے۔

''نفخ صور'' سے مراد وہی ''دوسرا نفخ'' ہے جو قیام و جمع و حضور کا نفخہ ہے وہ نفخہ ہے جو قیامت کے آغاز میں انجام پائے گا۔ جس سے تمام انسان زندہ ہو جائیں گے اور اپنی قبروں سے نکل کر حساب و کتاب کے لئے عدل الٰہی کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔

(۲۱) اس آیت میں محشر میں ورود کے وقت انسانوں کی کیفیت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔ اس دن ہر انسان خواہ نیک ہو یا بد عرصہ محشر میں اس حال میں وارد ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک تو ہنکانے والا ہوگا اور ایک گواہ ہوگا۔

ٹھیک اس جہان کی عدالتوں کی طرح کہ حکومت کا مامور شخص مہتم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس کے اعمال کا شاہد گواہی دیتا ہے۔

(۲۲) یہاں مجرموں کو یا تمام انسانون کو خطاب ہوگا کہ تو اس عظیم عدالت سے غافل تھا۔ اور اب ہم نے تیری آنکھ سے پردہ ہٹادیا ہے۔ آج تیری آنکھ اور نظر تیز ہوگئی ہے۔

ہاں! مادی دنیا کے پردے امیدیں آرزوئیں دنیا کے ساتھ عشق اور لگاؤ، بیوی اور اولاد مال ومقام سرکش ہوا وہوس بغض وحسد، تعصب، جہالت اور ہٹ دھرمی تجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتے تھے کہ آج کے دن کے لئے اسی زمانہ سے دیکھتا جبکہ معاد و قیامت کی نشانیاں واضح تھیں اور اس کے دلائل روشن وآشکار۔

آج غفلت کا گردوغبار بیٹھ گیا ہے جہالت تعصب اور ہٹ دھرمی کے پردے ہٹ گئے ہیں خواہشات امیدوں اور آرزوں کے پرے چاک ہوگئے ہیں یہاں تک کہ جو پردہ غیب میں مستور تھا وہ سب ظاہر ہوگیا ہے۔

(۲۳) وَ قَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ؕ	اس کا ہم نشین فرشتہ کہتا ہے: یہ اس کا نامہ اعمال ہے جو میرے پاس حاضر اور تیار ہے۔
(۲۴) اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۙ	(خدا حکم دے گا) جہنم میں ڈال دو ہر کافر، متکبر اور ہٹ دھرم کو۔
(۲۵) مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبِ ۙ	وہ شخص جو شدت کے ساتھ خیر سے مانع ہے، متجاوز ہے اور شک میں پڑا ہوا ہے۔
(۲۶) اِلَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ	وہ شخص جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود قرار دے دیا ہے، (ہاں) اسے شدید عذاب میں ڈال دو۔
(۲۷) قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَ لٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ	شیاطین میں سے اس کا ہمنیشن کہے گا: پروردگار! میں نے اسے سرکشی کے لئے نہیں ابھارا تھا لیکن وہ خود ہی پرلے درجہ کی گمراہی میں تھا۔
(۲۸) قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَيَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ	خدا فرمائے گا: میرے پاس جدال ومخاصمت نہ کرو۔ میں نے تو پہلے ہی تم پر اتمام حجت کردیا ہے۔

(۲۹) مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَ مَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ	میرا کلام تغیر ناپذیر ہے اور میں کبھی بھی اپنے بندوں پر ظلم نہیں کروں گا۔
(۳۰) يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ	اس دن کو یاد کرو جب ہم جہنم سے کہیں گے: کیا تو پر ہوگئی؟ وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟

تفسیر

فرشتوں اور شیاطین میں سے انسان کے ہم نشین

ان آیات میں پھر معاد قیامت کے ایک اور منظر کی تصویر کشی ہوئی ہے۔ ایک ایسا ہلا دینے والا منظر کہ انسان کا قرین فرشتہ اس کے اعمال اور کرتوتوں کو کھول کر رکھ دے گا۔ اور اس کی سزا کے لئے خدا کا حکم صادر ہو جائے گا۔

پہلے فرماتا ہے اس کا ''قرین'' کہے گا یہ اس کا اعمال نامہ ہے، جو میرے پاس حاضر اور تیار ہے اور وہ اس کے تمام چھوٹے بڑے کاموں سے جو اس نے ساری عمر میں کئے ہیں پردہ اٹھادے گا۔

یہاں ''قرین'' سے مراد وہ فرشتہ ہے جو دنیا میں انسان کے ہمراہ تھا اور اس کے اعمال کو ضبط کرنے پر مامور تھا اور وہ دادگاہ عدل الٰہی میں گواہی دے گا۔

(۲۴) اس کے بعد خدا ثبت اعمال پر مامور دو فرشتوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے جہنم میں ڈال دو ہر متکبر خود خواہ اور ہٹ دھرم کافر کو۔

(۲۵) اس آیت میں ان کفار عنید کی چند قبیح اور مذموم صفات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے وہ شخص شدت کے ساتھ خیر سے مانع ہے متجاوز ہے اور شک و تردید میں گرفتار ہے، بلکہ دوسروں کو بھی شک میں ڈالتا ہے۔

(۲۶) اس گروہ عنید کے اوصاف کو جاری رکھتے ہوئے اس آیت میں پھر مزید کہتا ہے وہی شخص جس نے خدا کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیا ہے اور اس نے شرک اور دوگانگی کی راہ اختیار کر لی ہے۔

ہاں! اس قسم کے شخص کو عذاب شدید میں ڈال دو۔

(۲۷) یہ آیت اس کافر ہٹ دھرم گروہ کی سرنوشت کے ایک دوسرے ماجرے سے پردہ اٹھاتی ہے اور قیامت میں ان کا شیطان کے ساتھ مخاصمہ، جھگڑا اور بحث ہے، وہ تو اپنے تمام گناہ اغوا کرنے والے شیطانوں کی گردن میں ڈالتے ہیں۔ لیکن اس کا قرین شیطان کہے گا۔ پروردگارا! میں نے اس طغیان اور سرکشی کے لئے آمادہ نہیں کیا تھا۔ اور اسے جبراً اس راستہ پر نہیں لایا تھا، اس نے

خود ہی اپنے میل وارادہ سے اس راستہ کو اختیار کیا ہے۔اور وہی دور دراز کی گمراہی میں تھا۔

(۲۸) اگر چہ ان آیات میں صرف شیطان کے دفاع کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے اور شیطان پر کفار کے اعتراض کے بارے میں کوئی گفتگو نظر نہیں آتی، لیکن قرآن کی باقی آیات اور بعد والی آیت کے قرینہ سے طرفین کی گفتگو اجمالی طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ وہ قیامت میں ایک دوسرے کے ساتھ کھینچا تانی اور بحث مباحثہ کریں گے کیونکہ اس آیت میں آیا ہے خدا فرماتا ہے میرے پاس جدال ومخاصمت نہ کرو میں نے پہلے سے تم پر اتمام حجت کر دیا ہے اور تمہیں اس منحوس سرنوشت سے باخبر کر دیا ہے۔

(۲۹) اس کے بعد اور زیادہ تاکید کے لئے مزید کہتا ہے میری بات تغیر ناپذیر ہے اور میرے کسی کلام میں تبدیلی نہیں ہوتی اور میں ہرگز اپنے بندوں پر ظلم نہیں کروں گا۔

بہر حال یہ تعبیر بندوں کے اختیار اور ارادے کی آزادی کی دلیل ہے نہ تو شیطان مجبور ہے کہ شیطنت کرے اور نہ ہی کفار مجبور ہیں کہ راہ کفر وعناد اور راہ شیطان کو اختیار کریں، اور نہ ہی کسی شخص کے لئے اس کے قصد وارادہ سے باہر قطعی سرنوشت مقرر ہوئی ہے۔

(۳۰) آخری زیر بحث آیت میں حوادث قیامت کے ایک مختصر اور ہلا دینے والے حصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔اس وقت کو یاد کرو جب ہم سے کہیں گے کیا تو پر ہوگئی؟ اور وہ جواب میں کہے گی کیا اس سے زیادہ بھی کچھ موجود ہے

بہر حال یہ آیت اچھی طرح سے نشاندہی کرتی ہے کہ دوزخی بہت زیادہ ہے اور دوزخ ایک ہولناک اور وحشتناک منظر رکھتی ہے اور خدا کی تہدید واقعی اور یقینی ہے اور ایسی ہے کہ اس کے بارے میں غور وفکر کرنا ہر انسان کو لرزہ براندام کر دیتا ہے۔

(۳۱) وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ غَيْرَ بَعِيْدٍ	(اس دن) بہشت پرہیزگاروں کے نزدیک ہو جائے گی اور ان میں کوئی فاصلہ نہیں ہوگا۔
(۳۲) هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِيْظٍ	یہ وہ جنت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے اور یہ ہر لوٹنے والے اور حفاظت کرنے والے کے لئے ہے،
(۳۳) مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبِ ۙ	وہ شخص جو خدائے رحمٰن سے پوشیدہ طور سے ڈرے اور توبہ و انابت سے پر دل کے ساتھ اس کے حضور حاضر ہو۔

(۳۴) اِدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُوْدِ	(ان سے کہیں گے) سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ آج کا دن ہمیشگی کا دن ہے۔
(۳۵) لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ فِيْهَا وَ لَدَيْنَا مَزِيْدٌ	جو کچھ وہ چاہیں گے وہاں ان کے لئے موجود ہوگا۔ اور ہمارے پاس اور مزید نعمتیں بھی ہیں۔
(۳۶) وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ ؕ هَلْ مِنْ مَّحِيْصٍ	کتنی ہی بہت سی ایسی اقوام ہیں جنہیں ہم نے ان سے پہلے ہلاک کیا ہے، ایسی اقوام جو ان سے زیادہ طاقتور تھیں اور شہروں اور (ملکوں) کو انہوں نے فتح کیا تھا۔ (پس) کیا فرار کی کوئی جگہ ہے؟
(۳۷) اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَ هُوَ شَهِيْدٌ	یہ اس شخص کے لئے جو عقل رکھتا ہے، یا کان دھر کے سنتا ہے اور دل سے حاضر ہے، ایک تذکرا ور نصیحت ہے۔

تفسیر

اے مجرمو! فرار کی کوئی راہ نہیں ہے

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ اس سورہ کے مباحث عام طور پر مسئلہ معاد اور اس سے مربوط امور کے محور کے گرد چکر لگاتے ہیں، اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ گذشتہ آیات میں ہٹ دھرم کفار کے جہنم میں پھینکنے اور ان کے شدت عذاب کی کیفیت اور ان صفات کے متعلق جو انہیں دوزخ کی طرف کھینچ لے گئے تھے، گفتگو تھی زیر بحث آیات میں ایک اور منظر کی تصویر کشی کرتا ہے کامل احترام کے ساتھ پرہیزگاروں کے جنت میں داخل ہونے کا منظر اور بہشت کی انواع واقسام کی نعمتوں اور ان صفات کی طرف اشارہ جو انسان کو بہشتیوں کی صف میں قرار دیتی ہیں، تا کہ ایک دوسرے کے ساتھ موازنہ کرنے سے حقائق زیادہ واضح اور روشن ہو جائیں۔

پہلے فرماتا ہے اس دن بہشت پرہیزگاروں کے نزدیک ہو جائے گی اور ان سے اس کا کوئی فاصلہ نہیں ہوگا۔

(۳۲) اس کے بعد بہشتیوں کے اوصاف کی تفصیل بتاتا ہے یہ وہ جنت ہے جس کا امت سے وعدہ کیا گیا ہے اور یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو خدا کے حکم کی اطاعت کی طرف لوٹتے ہیں اور اس کے عہد و پیمان اور احکام کی حفاظت کرتے ہیں۔

(۳۴)ان اوصاف کو جاری رکھتے ہوئے جوحقیقت میں گذشتہ اوصاف کی تفسیر وتوضیح ہیں بعدوالی آیت میں ان کے دواور اوصاف کی طرف اشارہ کرتا ہےاورفرماتا ہے وہی شخص جوتنہائی میں خدائے رحمٰن سے ڈرے اورتوبہ کرنے والے دل کے ساتھ اس کے حضور میں حاضر ہو۔

وہ نہ صرف لوگوں کے سامنے بلکہ تنہائی اور خلوت میں بھی کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے۔

یہ خوف اور ''خشیت'' اس بات کا سبب بنتے ہیں۔ کہ ان کا دل ''منیب'' ہو، ہمیشہ کے لئے خدا کی طرف متوجہ ہوجائے اور اس کی اطاعت میں آگے بڑھے، اور ہرلغزش وگناہ سے توبہ کرے، اوراس حالت کو آخر عمر تک برقرار رکھے، اوراسی حالت میں عرصہ محشر میں وارد ہو، اس کے بعد مزید کہتا ہے، جن لوگوں میں یہ چار صفات پائی جاتی ہیں۔ جب بہشت ان کے نزدیک ہوجائے گی تو ''خدا کے فرشتے احترام واکرام کے عنوان سے کہیں گے، سلامتی کے ساتھ جنت میں وارد ہوجاؤ''۔

ہرقسم کی برائی، دکھ درد، آفت وبلا، سزاوعذاب سے مکمل جسمانی وروحانی سلامتی۔

اس کے بعدان کے اطمینان قلب کے لئے مزید کہتا ہے۔ ''آج جاودانی اور ہمیشگی کا دن ہے، نعمتوں کی ہمیشگی، اور بہشت کی اپنی تمام نعمتوں کے ساتھ ہمیشگی''۔

(۳۵) ان دو نعمتوں (سلامتی کی بشارت اور ہمیشہ ہمیشہ بہشت میں رہنے کی بشارت) کے بعد خداوند عالم انہیں دو بشارتیں اور دیتا ہے۔ جومجموعی طور پر چار بشارتیں ہوجاتی ہیں۔ ان چار اوصاف کی طرح جو ان میں پائے جاتے تھے، فرماتا ہے۔ ''وہ جو کچھ بھی چاہیں گے بہشت میں ان کے لئے موجود ہے۔

اور اس کے علاوہ ''دوسری نعمتیں بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔ جوکبھی ان کے وہم وگمان میں بھی نہ آئی ہوں گی۔ کہ وہ ان کی تمنا کریں''۔

اس سے زیادہ بہتر، عمدہ تر اور دل پسند تعبیر کا تصور بھی نہیں ہوتا۔

(۳۶) بہشت و دوزخ، اور بہشتیوں اور دوزخیوں کے صفات کے صفات اوران کے درجات ومراتب کے بارے میں گفتگو کو ختم کرنے کے بعد، اس بحث سے کامل طور پر نتیجہ نکالنے کے لئے، مجرموں کی طرف توجہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ ''کتنی بہت سی قومیں ایسی ہیں جن کو ہم نے ان سے پہلے ہلاک کیا ہے، وہ قومیں جوان سے زیادہ قوی اور طاقتور تھیں۔ انہوں نے کئی ملک فتح کئے تھے۔ اور کئی شہروں پر مسلط ہوئے تھے۔ لیکن وہ کفروظلم وستم اور گناہ کی وجہ سے نابود ہوگئیں''

کیا اس قسم کے افراد کیلئے موت اور عذاب الٰہی سے فرار کی کوئی راہ ہے؟

یہ آیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے ہٹ دھرم کفار کو تنبیہ کررہی ہے۔ کہ وہ گذشتہ لوگوں کی تاریخ پر نگاہ ڈالیں۔ اوران کے

آثار کو تاریخ کے صفحات میں اور روئے زمین پر دیکھیں۔ غور کریں کہ خدا نے اس سے پہلے کی سرکش اقوام کے ساتھ کیا کیا؟ وہ قومیں جو ان سے زیادہ کثرت میں تھیں اور زیادہ طاقتور تھیں۔ اور پھر وہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچیں۔

(۳۷) آخری زیر بحث آیت میں زیادہ تاکید کیلئے مزید کہتا ہے:

''یقیناً گذشتہ لوگوں کی سرنوشت میں، اس شخص کیلئے جو عقل رکھتا ہے۔ یا کان لگا کر سنتا ہے اور حاضر (دماغ) ہے تذکر اور ایک نصیحت ہے''۔

یہاں بھی قلب سے مراد ہی ''عقل'' وشعور وادراک ہے۔

اور اسی طرح سے آیت مجموعی طور پر اس طرح معنی دیتی ہے:

دو گروہ ان مواعظ سے پند ونصیحت حاصل کر سکتے ہیں۔ پہلا گروہ وہ ہے۔ جو عقل وہوش رکھتا ہے۔ اور خود مستقل طور مسائل کا تحلیل وتجزیہ کر سکتا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو اس حد میں تو نہیں ہیں۔ لیکن وہ علماء اور دانشمندوں کے کیلئے اچھے سامعین بن سکتے ہیں۔ اور حضور قلب کے ساتھ ان کی باتوں کو سنتے ہیں۔ اور حقائق کو ان کے ارشاد ورہنمائی کے طریق سے معلوم کرتے ہیں۔

(۳۸) وَ لَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَا فِیْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّ مَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ	ہم نے آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔ کو چھ دن (چھ دوروں) میں پیدا کیا ہے اور اس میں ہمیں کسی قسم کی تکان اور کمزوری نہیں ہوئی۔
(۳۹) فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ ۚ	جو کچھ وہ کہتے ہیں اس پر صبر وشکیبائی اختیار کرو، پھر طلوع آفتاب سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تسبیح وحمد بجالاؤ۔
(۴۰) وَ مِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَ اَدْبَارَ السُّجُوْدِ	پھر رات کے ایک حصہ میں اس کی تسبیح کرو سجدوں کے بعد۔

تفسیر

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے

گذشتہ آیت کو بیان کرنے اور مختلف دلائل کے بعد جو قیامت کے بارے میں ان میں بیان ہوئی ہیں، ان آیات میں امکان معاد کے دلائل میں سے ایک دلیل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور اس کے بعد پیغمبر کو صبر وشکیبائی اور پروردگار کی تسبیح وحمد کا حکم دیتا

ہے۔تا کہ مخالفین کی کارشکنیوں کواس طریقہ سےانہیں برداشت کرتے ہوئے بے کار کردے۔

پہلے فرماتا ہے: ''ہم نے آسمانوں اورزمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے۔کو چھ دن (چھ دوروں) میں پیدا کیا ہے، اوران کے پیدا کرنے میں ہمیں کسی قسم کی تھکان اور کمزوری نہیں ہوئی۔

یہ بات واضح ہے۔کہ جس کی قدرت محدود ہوا گر وہ کسی ایسے کام کوانجام دینا چاہئے۔جواس کی توانائی سے زیادہ ہوتو وہ تھک کر چور ہوجائے گا،لیکن اس ہستی کے بارے میں جس کی قدرت غیر محدوداوراس کی توانائی غیر متناہی ہو یہ امور کوئی مفہوم نہیں رکھتے،اس بناپر وہ ذات جوقادر ہے۔کہ انسان کومرجانے کے بعد دوبارہ زندہ کردےاورزندگی کالباس اس کے بدن پر پہنادے۔

(۳۹) معاد کے مختلف دلائل اور قیامت کے مختلف مناظر کی تصویرکشی کرنے کے بعد، چونکہ ایک گروہ حق کے سامنے سرتسلیم خم نہیں کرتااور باطل پر اڑے ہوئے ہٹ دھرمی کرتا رہتا ہے۔لہٰذا پیغمبر ﷺ کومخاطب کرتے ہوئے ارشاد ہوا ہے۔، جو کچھ وہ کہتے ہیں۔اس پرصبر کرواورشکیبائی ے کام لو''۔

کیونکہ صبر وشکیبائی کی قوت سے ہی ان مشکلات پر کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے۔اور دشمن کی سازشوں کو درہم و برہم کیا جاسکتا ہے۔اورحق کی راہ میں ان کی ناروانسبتوں کو برداشت کیا جاسکتا ہے۔

چونکہ صبر واستقامت مدد ونصرت کی محتاج ہے۔اور بہتریں مدد ونصرت، خدا کی یاداور جہاں کو پیدا کرنے والے کےعلم و قدرت کے مبداء سے ارتباط پیدا کرتا ہے۔،اسکے بعد مزید کہتا ہے:

''اورآفتاب کےطلوع ہونے سے پہلے اوراس کےغروب سے پہلے اپنے پروردگار کی تسبیح وحمد بجالا''۔

(۴۰) اسی طرح ''رات کےایک حصہ میں اس کی تسبیح کراورسجدوں کے بعد بھی''۔

یہ دوامی یاداور مسلسل تسبیح ،بارش کے حیات بخش قطروں کی طرح تیرے دل وجان کی سرزمین پر پڑنی چاہئے یہ اسے سیراب کرتی ہے، تجھے ہمیشہ نشاط وحیات بخشتی ہے۔اور ہٹ دھرم دشمنوں کے مقابلہ میں استقامت کی دعوت دیتی ہے۔

اس بارے میں کہ خدا کی ان چار مواقع پر (طلوع آفتاب سے پہلے،اس کے غروب سے پہلے، رات کے وقت اور سجدوں کے بعد) تسبیح کرنے سے مراد یہ ہے۔کہ تعبیریں روزانہ کی پنجگانہ نمازوں کی طرف اشارہ ہے۔اور بعض کے نزدیک پرفضیلت نوافل کی طرف اشارہ ہے،اس طرح سے کہ''قبل طلوع الشّمس''،نماز صبح کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اس کا آخری وقت طلوع آفتاب ہے۔

اور قبل الغروب''(غروب آفتاب سے پہلے) نماز ظہر وعصر کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ ان دونوں کا آخری وقت غروب آفتاب ہے۔ ''ومن اللیل''(رات میں سے) نماز مغرب و عشاء کو بیان کرتا ہے۔'' وادبارالسجود'' (سجدوں کے

بعد) مغرب کے نوافل کی طرف اشارہ ہے۔ جو مغرب کے بعد بجالائے جاتے ہیں۔

(۴۱)وَ اسۡتَمِعۡ یَوۡمَ یُنَادِ الۡمُنَادِ مِنۡ مَّکَانٍ قَرِیۡبٍ ۙ	کان دھر کے سنو اور اس دن کے منتظر رہو جب ایک ندا کرنے والا قریب کے مکان سے ندا دے گا۔
(۴۲) یَّوۡمَ یَسۡمَعُوۡنَ الصَّیۡحَةَ بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡخُرُوۡجِ	وہ دن جس میں سب لوگ قیامت کے صیحہ (چیخ) کو حق کے ساتھ سنیں گے وہ دن خروج (قبروں سے نکلنے) کا دن ہے۔
(۴۳) اِنَّا نَحۡنُ نُحۡیٖ وَ نُمِیۡتُ وَ اِلَیۡنَا الۡمَصِیۡرُ ۙ	ہم ہی زندہ کرتے ہیں، اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔
(۴۴) یَوۡمَ تَشَقَّقُ الۡاَرۡضُ عَنۡهُمۡ سِرَاعًا ؕ ذٰلِکَ حَشۡرٌ عَلَیۡنَا یَسِیۡرٌ	وہ دن جب زمین ان کے اوپر سے پھٹ جائے گی۔ (وہ قبروں سے) تیزی کیساتھ باہر نکلیں گے اور یہ جمع کرنا ہمارے لئے بہت آسان ہے۔
(۴۵) نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ مَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِجَبَّارٍ ۟ فَذَکِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدِ ࣖ	وہ جو کچھ کہتے ہیں ہم اس سے اچھی طرح آگاہ ہیں اور تم ان کو مجبور کرنے پر مامور نہیں ہو۔ پس اس بنا پر تم تو قرآن کے ذریعہ ان لوگوں کو، جو میرے عذاب سے ڈرتے ہیں، نصیحت کرتے رہو۔

تفسیر

قیامت کے صیحہ (چیخ) کے ساتھ ہی سب زندہ ہو جائیں گے

یہ آیات جو سورۂ ''ق'' کی آخری آیات ہیں اس سورہ کی باقی آیات کی طرح مسئلہ معاد و قیامت کو ہی بیان کرتی ہیں۔ اور پھر اس کے ایک اور گوشہ کو پیش کرتی ہے۔ اور وہ مسئلہ ''نفخ صور'' اور مردوں قبروں سے اٹھنے کا ہے۔

فرماتا ہے: ''کان دھر کے سن اور اس دن کا منتظر رہ جس دن ایک ندا کرنے والا نزدیک کے مکان سے ندا کرے گا''۔

(۴۲) وہ دن جس میں قیامت کے صیحہ (چیخ) کو حق کے ساتھ سنیں گے، وہ دن خروج کا دن ہے''۔

''استمع'' (کان دھر کے سن) میں مخاطب اگر چہ پیغمبر ﷺ کی ذات ہے، لیکن مسلمہ طور پر اس سے مراد تمام انسان ہیں۔

''کان دھرنے'' سے مراد، یا تو انتظار کرنا ہے، کیونکہ جو لوگ کسی حادثہ کا انتظار کرتے ہیں۔ جو ایک وحشتناک حادثہ سے شروع ہوگا وہ ہمیشہ کان کھڑے رکھتے ہیں، اور منتظر رہتے ہیں، یا خدا کی اس گفتگو پر کان دھرنا مراد ہے، اور معنی اس طرح ہوگا:

''اس گفتگو کو سن جو تیرا پروردگار قیامت کے صیحہ (چیخ) کے بارے میں کر رہا ہے''۔

لیکن یہ ندا دینے والا کون ہوگا؟ ممکن ہے کہ خدا کی ذات پاک ہو جو یہ ندا دے گی۔ لیکن زیادہ قوی احتمال یہی ہے کہ وہ اسرافیل ہوگا، جو ''صور'' پھونکے گا، اور قرآن کی آیات میں نام کے ساتھ تو نہیں۔ لیکن دوسری تعبیروں کیساتھ اس کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

(۴۳) اور اس غرض سے کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ اس عظیم عدالت اور عدالت میں حاکم کون ہے؟ مزید کہتا ہے۔ ''ہم ہی زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں، اور سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹ کر آئیں گے،،۔

(۴۴) اس کے بعد مزید وضاحت کیلئے فرماتا ہے۔:

''ان کی بازگشت ہماری طرف اس دن ہوگی۔ جب زمین ان کے اوپر سے شگافتہ ہو جائیگی۔ اور وہ زندہ ہو جائیں گے۔ اور سرعت کے ساتھ نکل کھڑے ہوں گے''۔

آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے:

''قیامت میں لوگوں کا یہ حشر اور جمع کرنا ہمارے لئے سہل اور آسان ہے''۔

یہ واضح ہے کہ وہ خدا جو آسمانوں زمینوں کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، پیدا کرنے والا ہے، اس کے لئے مردوں کا حشر و نشر تو ایک سادہ اور آسان کام ہے۔

(۴۵) آخری زیر بحث آیت جو اس سورہ کی بھی آخری آیت ہے، باری تعالیٰ اپنے پیغمبر کو ان کے سخت اور ہٹ دھرم مخالفین کے مقابلہ میں ایک بار پھر تسلی اور دلداری دے رہا ہے، اور فرماتا ہے۔ جو کچھ وہ کہتے ہیں۔ ہم اس سے بخوبی آگاہ ہیں۔

اور تم انہیں ایمان کیلئے مجبور کرنے پر مامور نہیں ہوئے ہو۔، جو تم قہر اور جبر کے ساتھ انہیں اسلام کی طرف کھینچو۔

تمہاری ذمہ داری تو صرف ابلاغ رسالت، حق کی دعوت اور بشارت و انذار ہے

''جب ایسا ہے تو ان لوگوں کو جو میرے عذاب وعقاب سے ڈرتے ہیں ۔قرآن کے ذریعہ میری یاد لاؤ اور پند ونصیحت کرو''۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ کہ قرآن مومن افراد کو خوف دلانے اور بیدار کرنے کے لئے کافی ہے۔اس کا ہر صفحہ قیامت کی یاددھانی کراتا ہے۔اوراس کی مختلف آیات، گذشتہ لوگوں کی سرنوشت کو واضح کرتی ہیں۔اور بہشت کی نعمتوں دوزخ کے عذابوں کا بیان اور ان حوادث کی توصیفیں، جو قیامت کے قریب اور عدل الٰہی کی عدالت میں واقع ہوں گے، سب کے سب پند ونصیحت کی صورت میں موجود ہیں۔

سورہ ذاریات

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوا
اس کی ٦٠ آیات ہیں

سورۂ ذاریات کے مطالب

اس سورہ میں بحث کا محور پہلے درجہ میں معاد قیامت اور مومنین اور کفار کی جزا سزا سے مربوط مسائل ہیں۔لیکن اس لحاظ سے سورۂ ''ق'' کی طرح نہیں ہے۔ بلکہ اس سورہ میں بحث کے لئے دوسرے عنوانات بھی نظر آتے ہیں۔

کلی طور پر کہا جاسکتا ہے۔کہ اس سورۂ کے مباحث ذیل کے پانچ محوروں کے گرد گردش کرتے ہیں۔

۱............جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔اس کے ایک حصہ میں معاد وقیامت اور اس کے متعلقات کے مباحث بیان ہوئے ہیں۔

۲............اس سورہ کے دوسرے حصہ میں مسئلہ توحید اور نظام آفرینش میں خدا کی آیات اور نشانیوں کا بیان ہوا ہے۔ جو طبعی طور سے معاد کے مباحث کی تکمیل کرتا ہے۔

۳............تیسرا حصہ ان فرشتوں کی داستان کے بارے میں ہے۔ جو ابراہیم علیہ السلام کے مہمان ہوئے تھے۔

۴............اس سورہ کی دوسری آیات موسیٰ علیہ السلام وقوم عاد وقوم ،ثمود قوم اور قوم نوح کے داستانوں سے متعلق مختصر اشارے ہیں۔اور ان کے ذریعہ دوسرے کفار اور دوسرے مجرموں کو خبردار کرتا ہے۔

۵............اور آخر میں اس سورہ کا ایک اور حصہ متعصب اور ہٹ دھرم اقوام کے گذشتہ انبیاء سے مبارزہ کرنے کو بیان کرتا ہے۔اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو سخت ترین مخالفین کے مقابلہ میں قرار پائے تھے۔تسلی دیتا ہے،اور استقامت کی دعوت۔

سورہ ذاریات کی تلاوت کی فضیلت

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے آیا ہے:

''جو شخص دن یا رات کے وقت سورہ ذاریات کو پڑھے گا۔ خدا اس کی زندگی کے حالات اور معیشت کی اصلاح کرے گا۔اس کو وسیع روزی دے گا، اور اس کی قبر کو ایک ایسے چراغ سے روشن کرے گا، جو قیامت کے دن تک چمکتا رہے گا''۔

ہم بار ہا بیاں کر چکے ہیں۔کہ ان عظیم اجروں کو حاصل کرنے کے لئے صرف زبان کافی نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مقصد ایسی تلاوت ہے، جو فکر ونظر میں تحریک پیدا کرے، اور انسان کو عمل پر ابھارے۔

ضمنی طور پر اس سورہ کی نام گذاری ''ذاریات'' کے ساتھ اس سورہ کی پہلی آیت کی مناسبت سے ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	شروع اللہ کے نام سے جو رحمان ورحیم ہے
(۱) وَ الذّٰرِیٰتِ ذَرۡوًا ۙ	ان ہواؤں کی قسم جو بادلوں کو چلاتی ہیں،

(۲) فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ	پھر ان بادلوں کی قسم جو (بارش کا) بار سنگین اپنے ساتھ اٹھاتے ہیں،
(۳) فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ۙ	پھر قسم ہے ان کشتیوں کی جو آسانی کے ساتھ چلتی ہیں،
(۴) فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ۙ	پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو کاموں کو تقسیم کرتے ہیں۔
(۵) اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۙ	(ہاں! ان سب کی قسم) جو کچھ وعدہ تم سے کیا گیا ہے وہ یقیناً سچ ہے۔
(۶) وَّ اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ؕ	اور بلا شک وشبہ اعمال کی جزا واقع ہو کر رہے گی۔

تفسیر

طوفانوں اور بارش لانے والے بادلوں کی قسم

سورہ ''والصافات'' کے بعد یہ دوسری سورت ہے جو بار بار کی قسموں کے ساتھ شروع ہوتی ہے۔ پر معنی اور فکر انگیز قسمیں، بیدار کرنے والی اور آگاہی بخش قسمیں۔

اور یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ ان قسموں کا مضموں قیامت کے مطالب کے ساتھ ایک خاص ربط رکھتا ہے۔ اور ایک خاص عمدگی اور زیبائی کے ساتھ قرآن اس اہم بحث کا مختلف طریقوں کا مختلف طریقوں سے جواب دے رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآنی قسمیں جن کی تعداد بہت زیادہ ہے، اس آسمانی کتاب کے اعجاز کی صورتوں اور قرآن کی زیباترین اور روشن ترین حصوں میں ایک ہے جن میں سے ہر ایک کی تشریح وتفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔

اس سورہ کے آغاز میں خدا نے پانچ مختلف موضوعات کی قسم کا ذکر کیا ہے، جن میں سے چار تو ایک دوسرے کے ساتھ ہیں اور ایک حصہ علیحدہ صورت میں آیا ہے۔

پہلے فرماتا ہے۔ قسم ہے ان ہواوں کی جو بادلوں کو فضا میں چلاتی ہیں۔ اور گرد وغبار اور گیاہ اور پھولوں کے بیج روئے زمین میں ہر جگہ بکھیرتی ہیں۔''

(۲) اس کے بعد مزید کہتا ہے۔ ''قسم ہے ان بادلوں کی جو بارش کا سنگیں بوجھ اپنے ساتھ اٹھائے پھرتے ہیں۔

(۳) ''اور قسم ہے ان کشتیوں کی جو عظیم دریاؤں اور سمندروں کی سطح پر آسانی کے ساتھ چلتی ہیں۔

''اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو کاموں کو تقسیم کرتے ہیں''۔

(۴) اس طرح ہواؤں کے بارے میں پھر بادلوں کے بارے میں اسکے بعد دریاؤں اور نہروں کے بارے میں، اور آخر میں نباتات کے اگانے کے سلسلے میں گفتگو ہوئی ہے۔ جو مسئلہ معاد کے ساتھ جو اس کے بعد آیا ہے۔ قریبی مناسبت رکھتی ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ امکان معاد کی ایک دلیل مردہ زمینوں کو بارش کے ذریعے زندہ کرنے کا مسئلہ ہے جو قرآن میں بار ہا مختلف عبارتوں میں ذکر ہوا ہے۔

(۵) ان چار قسموں کو بیان کرنے کے بعد جو سب کی سب اس مطلب کی اہمیت کو بیان کرتی ہیں۔ جو ان کے بعد آ رہا ہے، فرماتا ہے۔ ''جو کچھ تمہیں وعدہ دیا گیا ہے، وہ یقیناً سچ ہے''۔

دوبارہ تاکید کے عنوان سے مزید کہتا ہے۔ ''اس میں شک نہیں کہ اعمال کی جزاء واقع ہو کر رہے گی''۔

''دین'' یہاں جزاء کے معنی میں ہے۔ اور اصولاً قیامت کا ایک نام ''یوم الدین'' (روز جزا) ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے۔ کہ واقع ہونے والے وعدوں سے مراد یہاں قیامت وحساب جزا و سزا بہشت و دوزخ سے مربوط وعدے، اور معاد سے مربوط تمام امور ہیں۔ اس بناء پر پہلا جملہ قیامت کے تمام وعدوں کو شامل ہے، اور دوسرا جملہ مسئلہ جزاء پر ایک تاکید ہے۔

(۷) وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُکِ ۙ	قسم ہے آسمان کی جو خوبصورت شکنوں والا ہے۔
(۸) اِنَّکُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۙ	یقیناً تم مختلف اور طرح طرح کی باتوں میں لگے ہوئے ہو۔
(۹) یُّؤْفَکُ عَنْهُ مَنْ اُفِکَ ؕ	وہی لوگ اس (روز جزا) پر ایمان لانے سے منحرف ہوتے ہیں۔ جو حق کو قبول کرنے سے روگردانی کرتے ہیں۔
(۱۰) قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۙ	قتل ہو جائیں جھوٹے،
(۱۱) الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۙ	وہی جو جہالت اور غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔
(۱۲) یَسْئَلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ؕ	وہ ہمیشہ سوال کرتے ہیں کہ جزا کا دن کب ہوگا؟
(۱۳) یَوْمَ هُمْ عَلَی النَّارِ یُفْتَنُوْنَ	وہ وہی دن ہے جس میں انہیں آگ میں جلائیں گے۔

(۱۴) ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ ۭ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ	کہ اپنا عذاب چکھو، یہ وہی چیز ہے جس کے لئے تم جلدی ہی کیا کرتے تھے۔

تفسیر

قسم ہے آسمان کی اوراس کی زیبا شکنوں کی

یہ آیات بھی گذشتہ آیات کی طرح قسم کے ساتھ شروع ہورہی ہے۔اور قیامت کے بارے میں کافروں کے اختلافات اور دوسرے مختلف مسائل منجملہ ان کے پیغمبر ﷺ کی شخصیت اور مسئلہ توحید کے بارے میں گفتگو کررہی ہے۔

پہلے فرماتا ہے۔''قسم ہے آسمان کی جوخوبصورت شکنوں والا ہے''۔

(۸) زیرنظر دوسری آیت جواب قسم،یعنی وہ مطلب جس کے لئے قسم کھائی گئی ہے،کو پیش کرتے ہوئے مزید کہتی ہے۔تم سب کے سب مختلف اور قسم قسم کی گفتگو میں پڑے ہوئے ہو''۔

تم ہمیشہ ایک دوسرے کی ضد اور نقیض باتیں کرتے ہو۔اور یہی تناقض تمہاری باتوں کے بنیاد ہونے کی دلیل ہے۔معاد و قیامت کے بارے میں کبھی تو یہ کہتے ہو کہ: ہم اصلاً یہ بات باور نہیں کرتے کہ بوسیدہ ہڈیاں زندہ ہوجائیں۔اور کبھی یہ کہتے ہو کہ ہمیں اس بارے میں شک وتردد ہے۔

اور کبھی اور بڑھا کر کہتے ہو کہ ہمارے آباؤ اجداد اور بڑوں کو لے آؤ تا کہ وہ گواہی دیں۔کہ موت کے بعد قیامت اور معاد ہے تو پھر ہم قبول کریں گے۔

اور پیغمبر اسلام ﷺ کے بارے میں کبھی تو یہ کہتے ہو کہ وہ دیوانہ ہے۔کبھی یہ کہتے ہو۔کہ وہ شاعر ہے،کبھی اسے جادوگر بتاتے ہو۔کبھی یہ کہتے ہو کہ اس کوئی معلم واستاد ہے جوان باتوں کی اسے تعلیم دیتا ہے۔

اسی طرح قرآن کے بارے میں کبھی تو اسے''اساطیر الاولین''(گذشتہ لوگوں کے افسانے اور خرافات) کا نام دیتے ہو۔کبھی اسے شاعر کہتے ہو اور کبھی جادو،اور کبھی جھوٹ۔

یہ تعبیر حقیقت میں مخالفیں کے دعووں کے بطلان پر ایک استدلال ہے۔جو وہ توحید،معاد،پیغمبر اور قرآن کے بارے میں کہتے ہیں۔

اگر چہ ان آیات کے قرینہ سے جو بعد میں آئیں گی،ان ایات کا اصلی تکیہ مسئلہ معاد پر ہے۔

(۹) اس آیت میں حق سے اس انحراف کی علت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔''قیامت پر ایمان سے وہی لوگ منحرف ہوتے ہیں جو حق کے دلائل کو قبول کرنے اور منطق کے سامنے سرتسلیم خم کرنے سے روگردانی کرتے ہیں۔'' ورنہ موت کے بعد کی زندگی کے دلائل واضح واشکار ہیں۔

اس بات کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہ گذشتہ آیات میں قیامت کے بارے میں گفتگو تھی۔ لہٰذا ظاہر ہے۔ کہ اصلی مقصود یا عقیدہ سے انحراف ہے، اور چونکہ گذشتہ آیت میں گفتگو کافروں کی ایسی باتوں کے متعلق تھی۔ جو ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں۔ لہٰذا معلوم ایسا ہوتا ہے۔ کہ یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو واضح منطق اور دلیل سے منحرف ہو جاتے ہیں۔

اس بناء پر مجموع آیات اس آیت اس طرح معنی دیتی ہے۔ وہی لوگ قیامت پر ایمان رکھنے سے منحرف ہوں گے۔ جو دلیل عقل کی راہ اور حق طلبی کی منطق سے منحرف ہو گئے ہیں۔

(۱۰) اس آیت میں جھوٹ بولنے والوں اور اسے بیان کرنے والوں کو شدت کے ساتھ مذمت اور تہدید کرتے ہوئے کہتا ہے۔ قتل کئے جائیں جھوٹ بولنے والے اور ان کے لئے موت ہو (مردہ باد)۔

''خراصون'' وہ لوگ ہیں جو بے بنیاد اور بے سرو پا باتیں کرتے ہیں۔

اصولی طور پر وہ فیصلے جن کا واضح مدرک موجود نہ ہو اور اندازے و تخمین اور بے بنیاد گمانوں پر قائم ہوں، ایسے کام ہیں، جو گمراہ کرنے والے اور نفرین و عذاب کے مستحق ہیں۔

(۱۱) اس کے بعد ان اٹکل پچو باتیں کرنے والے جھوٹے لوگوں کا تعارف کراتے ہوئے مزید کہتا ہے۔ ''وہ ایسے لوگ ہیں جو جہالت، غفلت اور بے خبری میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

(۱۲) اور اسی لئے ہمیشہ سوال کرتے ہیں کہ روز جزا کس وقت ہوگا اور قیامت کب آئے گی۔

یہ گفتگو اس کے مانند ہے کہ بیمار ڈاکٹر سے بار بار سوال کرکے کہ میری عمر کا اختتام کب ہوگا؟ تو ہر شخص اس سوال کو بے بنیاد سمجھے گا اور کہے گا۔ کہ اہم بات تو یہ ہے کہ تو جانے کہ موت حق ہے تاکہ تو اپنا علاج کرے تاکہ کہیں ''جلدی آنے والی موت'' میں گرفتار نہ ہو جائے۔

(۱۳) لیکن اس کے باوجود قرآن انہیں چبھتا ہوا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے'' قیامت اس دن ہوگی جب انہیں آگ پر جلایا جائیگا''۔

(۱۴) اور انہیں کہا جائے گا: اپنے عذاب کو چکھو، یہ وہی چیز تو ہے جس کے لئے تم جلدی کیا کرتے تھے۔

(۱۵) اِنَّ الۡمُتَّقِیۡنَ فِیۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ۙ	پرہیزگار جنت کے باغوں اور چشموں کے درمیان ہوں گے۔
(۱۶) اٰخِذِیۡنَ مَاۤ اٰتٰىهُمۡ رَبُّهُمۡ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَبۡلَ ذٰلِكَ مُحۡسِنِیۡنَ ؕ	اور جو کچھ ان کے پروردگار نے انہیں مرحمت فرمایا ہے اسے حاصل کریں گے کیونکہ وہ اس سے پہلے (دار دنیا میں) نیکوکاروں میں سے تھے۔

(۱۷)کَانُوۡا قَلِیۡلًا مِّنَ الَّیۡلِ مَا یَھۡجَعُوۡنَ	وہ رات کے کچھ ہی حصہ میں سوتے تھے۔
(۱۸)وَ بِالۡاَسۡحَارِ ھُمۡ یَسۡتَغۡفِرُوۡنَ	سحر کے وقتوں میں استغفار کیا کرتے تھے۔
(۱۹)وَفِیۡۤ اَمۡوَالِھِمۡ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَ الۡمَحۡرُوۡمِ	ان کے مالوں میں سائل ومحروم کے لئے ایک حق تھا۔

تفسیر

نیکوکار سحر خیزوں کا اجر

گذشتہ آیات کے بعد، جن میں جاہل جھوٹ بولنے والوں، اور قیامت ومعاد کے منکرین اور انکے عذاب کے بارے میں گفتگو تھی۔ زیر بحث آیات میں مومنین اور ان کے اوصاف اور اجر و پاداش کی بات ہو رہی ہے۔ تا کہ ایک دوسرے کا موزانہ کرکے......جیسا کہ قرآن کی روش ہے......حقائق اور زیادہ واضح وروشن ہو جائیں۔

فرماتا ہے: پرہیزگار جنت میں کے باغات اور چشموں کے درمیان ہوں گے''۔

یہ ٹھیک ہے کہ باغ میں قدرتی طور پر پانی کی نہریں ہوتی ہیں۔لیکن اس کا لطف اور عمدگی اس بات میں ہے۔کہ چشمے خود باغ کے اندر سے پھوٹیں اور درختوں کو ہمیشہ سیراب کرتے ہیں۔ یہ وہ امتیاز اور خصوصیت ہے جو جنت کے باغات میں پائی جاتی ہیں۔ نہ صرف ایک ہی قسم کا چشمہ بلکہ اس میں انواع واقسام کے چشمے موجود ہیں۔

(۱۶) اس کے بعد جنت کی دوسری نعمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اجمالی اور سربستہ صورت میں کہتا ہے۔ان کے پروردگار نے جو کچھ انہیں مرحمت فرمایا ہے، وہ اسے حاصل کرتے ہیں۔

یعنی وہ انتہائی رغبت اور شوق اور کمال رضا کے ساتھ اور خوشی خوشی خدا کی ان نعمتوں کو قبول کریں گے۔

اور آیت کے آخر میں مزید کہتا ہے۔کہ یہ عظیم اجر اور جزا بلاوجہ نہیں ہیں۔ وہ اس سے پہلے دار دو دنیا میں نیکوکاروں میں سے تھے۔

احسان اور نیکوکاری جو یہاں آئی ہے۔ایک وسیع معنی رکھتی ہے۔ جو خدا کی اطاعت کو بھی شامل ہے۔اور خلق خدا سے انواع واقسام کی نیکیوں کو بھی۔

(۱۷) یہ آیات ان کے نیکوکار ہونے کی کیفیت کو واضح کرتے ہوئے ان کے اوصاف میں سے تین اوصاف کو بیان کرتی ہے۔

پہلی یہ کہ ''وہ راتوں کے تھوڑے حصہ میں سوتے تھے۔

یعنی وہ ہر رات کے ایک حصہ میں بیدار رہتے تھے اور عبادت ونماز شب میں مشغول رہتے تھے۔اور ایسی راتیں جن میں وہ ساری رات سوئے رہے ہوں۔اور رات کی عبادت کلی طور پر ان سے فوت ہو گئی ہو۔ بہت کم تھیں۔

(۱۸) ان کی دوسری صفت کو اس طرح بیان کرتا ہے۔ ''وہ ہمیشہ سحر کے اوقات میں استغفار کرتے ہیں۔

آخر شب میں جب غافلوں کی آنکھیں نیند میں ہوتی ہیں اور ماحول ہر لحاظ سے پرسکوں ہوتا ہے۔ مادی زندگی کا شور وغل خاموش ہوتا ہے۔ اور وہ عوامل جو انسان کی فکر کو اپنی طرف مشغول رکھتے ہیں۔ سب خاموش ہیں۔ یہ لوگ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اور بارگاہ خداندی میں حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس کے حضور میں راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ اور خصوصیت کے ساتھ اپنے گناہوں سے استغفار کرتے ہیں۔

(۱۹) اس کے بعد بہشتی پرہیزگاروں کی تیسری صفت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید کہتا ہے۔ ان کے اموال میں سائل ومحروم کے لئے ایک حق ہے

''حق'' کی تعبیر یہاں یا تو اس بناء پر ہے کہ خدا نے ان پر لازم قرار دیا ہے۔ (مثلاً زکوٰۃ خمس اور سارے واجب شرعی حقوق یا انہوں نے خود سے اپنے اوپر لازم قرار لے لیا ہے۔ اور عہد کیا ہے کہ خدا نے ان پر لازم قرار دے لیا ہے۔ اور عہد کیا ہے۔

کہا جا سکتا ہے۔ کہ نیکوکاروں کا دوسروں سے فرق یہ ہے۔ کہ نیکوکاران حقوق کو ادا کرتے ہیں۔ جبکہ دوسرے اس کے پابند نہیں ہیں۔

ان روایات سے بھی جو منابع اہل بیت علیہم السلام سے پہنچی ہے۔ اس بات کی تاکید ہوئی ہے۔ کہ ''کہ حق معلوم'' سے مراد زکواۃ واجب کے علاوہ کی کوئی چیز ہے۔

سائل اور محروم میں کیا فرق ہے؟

ایک گروہ نے تو یہ کہا ہے۔ ''سائل'' وہ شخص ہے جو لوگوں سے مدد کا تقاضا کرے، لیکن ''محروم'' وہ آبرومند شخص ہے۔ جو معاش کے لئے اپنی انتہائی جدوجہد اور کوشش کرتا ہے، لیکن اس کا ہاتھ کہیں نہیں پہنچتا اور اس کا کسب وکار اور زندگی پیچیدہ ہو گئی ہے اور اس کے باوجود اپنی غیرت کی حفاظت کرتا ہے۔ اور کسی سے مدد نہیں مانگتا۔

بہر حال یہ تعبیر اس نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ ہرگز اس انتظار میں نہ بیٹھے رہو کہ حاجت مند تمہارے پاس آئیں اور مدد کی درخواست کریں۔ بلکہ تم پر لازم ہے کہ تم جستجو کرو، پیدا کرو اور ان کی مدد کرو، ان کی مشکلات کی گرہ کھولو اور ان کی عزت وآبرو کی حفاظت کرو۔

(۲۰) وَ فِی الۡاَرۡضِ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ۙ	اور زمین میں طالبان حق کیلئے نشانیاں ہیں۔
(۲۱) وَ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ	اور خود تمہارے وجود کے اندر (بھی نشانیاں ہیں)۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟

(۲۲)وَ فِی السَّمَآءِ رِزۡقُکُمۡ وَ مَا تُوۡعَدُوۡنَ	تمہاری روزی آسمان میں ہے اور وہ جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔
(۲۳)فَوَ رَبِّ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثۡلَ مَاۤ اَنَّکُمۡ تَنۡطِقُوۡنَ	قسم ہے آسمان وزمین کے پرروردگار کی کہ یہ مطلب حق ہے، جیسا کہ تم گفتگو کرتے ہو۔

تفسیر

خدا کی نشانیاں تمہارے وجود کے اندر ہیں۔کیا تم دیکھتے نہیں؟

گذشتہ آیات کے بعد، جن میں معاد اور دوزخیوں اور جنتیوں کے صفات کے بارے میں بیان ہوا تھا۔زیر بحث آیات میں ان نشانیوں کے بارے میں جو زمین اور خود انسان کے وجود کے اندر ہیں گفتگو ہورہی ہے۔تاکہ ایک طرف تو مسئلہ توحید، خدا کی معرفت، اور اس کی صفات کی پہچان سے جو تمام خیرات کی طرف مبدا حرکت ہے، وہ آشنا ہوں اور دوسری طرف مسئلہ معاد اور موت کے بعد کی زندگی پر اس کی قدرت کا انہیں پتہ چلے۔کیونکہ جو روئے زمین میں ان تمام عجائبات میں حیات کا خالق ہے وہ تجدید حیات پر قادر ہے۔

پہلے فرماتا ہے۔''زمین میں ان لوگوں کے لئے جو اہل حق ہیں۔اور حق کے طلب گار ہیں۔اہم نشانیاں ہیں۔

واقعاً اس کرہ خاکی میں خدا کے غیر محدود علم وحکمت اور حق وقدرت کی بے پایاں نشانیاں اس قدر فراواں ہیں کہ کسی بھی انسان کی عمران سب کو پہچاننے کے لئے کافی نہیں ہے۔

ہم یہاں اگر دنیا کے ایک مشہور ماہرفن کی باتوں کے ایک گوشہ کی طرف، جس نے اس سلسلے میں کافی مطالعہ کیا ہے ذرا توجہ دیں تو نامناسب نہ ہوگا۔

''کرسی موریسیں'' کہتا ہے۔عوامل طبیعی کی تنظیم میں انتہائی دقت اور باریک بینی سے کام لیا گیا ہے۔مثلاً۔اگر کرہ ارض کا خارجی قشر، اس سے کہ جواب ہے۔دس حصہ زیادہ ضخیم ہوتا، تو آکسیجن۔یعنی زندگی کا اصل مادہ وجود میں نہ آتا۔یا اگر سمندروں کی گہرائی موجودہ گہرائی سے کچھ حصہ زیادہ ہوتی تو اس وقت زمین کا سارا آکسیجن اور کاربن جذب ہوجاتا۔اور پھر سطح زمین پر نباتی یا حیوانی زندگی کا کسی قسم کا امکان باقی نہ رہتا۔

ایک اور دوسری جگہ کہتا ہے۔اطراف زمیں کی ہوا میں صرف اکیس (۲۱) فی صد آکسیجن ہے............اگر ہوا میں موجود آکسیجن کی مقدار اکیس (۲۱) فی صد کی بجائے پچاس فی صد ہوتی، تو اس عالم کے تمام جلنے والے مواد جل کر خاکستر ہوجاتے اور اگر کوئی چنگاری جنگل کے کسی درخت تک پہنچ جاتی تو تمام جنگل مکمل طور پر راکھ ہوجاتے۔

(۲۱) اس آیت میں مزید کہتا ہے۔خود تمہارے وجود میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔

''کیا تم آنکھیں نہیں کھولتے ،اور حق کی ان تمام آیات اور ظاہر نشانیوں کو نہیں دیکھتے''؟

بلاشک انسان عالم ہستی کا ایک عجوبہ ہے۔اور جو کچھ عالم کبیر میں ہے۔وہ سب کچھ اس عالم صغیر میں موجود ہے۔ بلکہ اس میں ایسے عجائبات ہیں جو دنیا میں کسی جگہ بھی نہیں ہیں۔

وہ کارخانہ جو انسان کے بدن میں ہیں۔مثلاً دل، گردے، پھیپھڑے اور خاص طور سے دسیوں ہزار کلومیٹر کی موٹی اور پتلی رگیں، یہاں تک کہ وہ بال جیسی باریک رگیں جو آنکھ سے نظر نہیں آتیں۔اور وہ پانی، غذا اور ہوا پہنچانے کا کام انجام دیتی ہیں۔کروڑوں اربوں بدن انسانی کے خلئے ہیں۔اور مختلف حواس، جیسے بینائی، شنوائی اور دوسرے حواس میں سے ہر ایک اس کی عظیم آیات میں سے ہر ایک آیت ہے۔

اور سب سے زیادہ ''حیات وزندگی'' کا معما ہے، جس کے اسرار اسی طرح سے غیر شناختہ رہے ہوئے ہیں۔اور انسان کی روح وعقل کی عمارت ہے۔جس کے ادارک سے تمام انسانوں کی عقلیں عاجز ہیں۔

پیغمبر گرامی اسلام ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اپنے آپ کو پہچان لے گا وہ اپنے خدا کو پہچان لے گا۔''

(۲۲) تیسری زیر بحث آیت میں عظمت پروردگار کی نشانیوں کے تیسرے حصے اور معاد پر اس کی قدرت کے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔''تمہاری روزی آسمان میں ہے اور اس چیز کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے۔مفہوم رزق کی وسعت بارش کو بھی شامل ہے۔اور سورج کی روشنی کو بھی جو آسمان سے ہماری طرف آتی ہے اور اس کا نقش واثر پوری زندگی میں حد سے زیادہ محسوس ہوتا ہے اور اس طرح ہوا کو جو تمام زندہ موجودات کے لئے سبب حیات ہے رزق میں شامل سمجھئے۔

وہ چیز جو انسان کی بصیرت میں مانع ہے۔وہ روزی کی حرص ہے، خدا آیت کے آخر میں اطمینان دلاتا ہے کہ اس کی روزی کی ضمانت دی جا چکی ہے۔تا کہ وہ راحت وآرام کے ساتھ عالم ہستی کے عجائبات میں غور وفکر کر سکے۔

لہٰذا اس مطلب کی تاکید کے آخری زیر بحث آیت میں قسم کھاتے ہوئے کہتا ہے۔''آسمان وزمین کے خدا کی قسم یہ مطلب حق ہے، ٹھیک اسی طرح جیسے تم بات کرتے ہو''

معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے۔کہ خدا اپنی عظمت وقدرت کے باوجود بہت شک کرنے والوں دیر سے یقین کرنے والوں ضعیف النفس اور حریص بندوں کو اطمینان دلانے کے لئے قسم کھا رہا ہے۔کہ رزق وروزی اور قیامت کے ثواب وعقاب کے وعدوں کے بارے میں جو وعدہ تم سے کیا گیا ہے۔وہ سب حق ہے۔اور اس میں شک وشبہ کی کوئی بات نہیں ہے۔

(۲۴) هَلۡ اَتٰىكَ حَدِيۡثُ ضَيۡفِ اِبۡرٰهِيۡمَ الۡمُكۡرَمِيۡنَ ۘ	کیا تمہارے پاس ابراہیم کے محترم مہمانوں کی خبر آئی ہے۔

(۲۵)اِذۡ دَخَلُوۡا عَلَیۡهِ فَقَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوۡمٌ مُّنۡکَرُوۡنَ ۚ	کہ جس وقت وہ ان کے پاس پہنچے تو کہا۔ تجھ پر سلام۔ اس نے کہا: تم پر بھی سلام، (میں نے) تمہیں پہچانا نہیں۔
(۲۶)فَرَاغَ اِلٰۤی اَهۡلِهٖ فَجَآءَ بِعِجۡلٍ سَمِیۡنٍ ۙ	اس کے بعد چپکے سے اپنے گھر والوں کی طرف گیا اور ایک موٹا تازہ بھنا ہوا بچھڑا ان کے لئے لایا۔
(۲۷)فَقَرَّبَهٗۤ اِلَیۡهِمۡ قَالَ اَلَا تَاۡکُلُوۡنَ ۫	اور اس کو ان کے پاس رکھ کے کہا: کیا تم کھانا نہیں کھاتے؟
(۲۸)فَاَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِیۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ ؕ وَ بَشَّرُوۡهُ بِغُلٰمٍ عَلِیۡمٍ	پس اس کام میں وحشت محسوس کی۔ انہوں نے کہا: ڈرو نہیں (ہم تو تیرے پروردگار کے رسول ہیں) اور اسے ایک عالم و دانا بیٹے کے تولد کی بشارت دی۔
(۲۹)فَاَقۡبَلَتِ امۡرَاَتُهٗ فِیۡ صَرَّةٍ فَصَکَّتۡ وَجۡهَهَا وَ قَالَتۡ عَجُوۡزٌ عَقِیۡمٌ	اسی اثناء میں اس کی بیوی آگے بڑھی، درحالیکہ (خوشی اور تعجب سے) چلا رہی تھی، اور اپنے منہ پر ہاتھ مارا اور کہا (کیا میرے بیٹا ہوگا حالانکہ میں ایک) بانجھ بڑھیا ہوں؟
(۳۰)قَالُوۡا کَذٰلِکِ ۙ قَالَ رَبُّکِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡحَکِیۡمُ الۡعَلِیۡمُ	انہوں نے کہا: تیرے پروردگار نے اسی طرح کہا ہے اور وہ حکیم و دانا ہے۔

تفسیر

ابراہیم علیہ السلام کے مہمان

ان آیات سے آگے گذشتہ مطالب کی تاکید و تائید کے لئے گذشتہ اقوام کی سرگزشت کا ایک گوشہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اور اس کا پہلا حصہ ان فرشتوں کی سرگذشت ہے جو قوم لوط کو عذاب کرنے کے لئے آدمیوں کی شکل میں ابراہیم علیہ السلام پر ظاہر ہوئے اور ایک بیٹے کے تولد کی بشارت دی جبکہ ابراہیم علیہ السلام بھی بڑھاپے کے سن کو پہنچے ہوئے تھے اور ان کی بیوی بھی سن رسیدہ اور بانجھ تھی۔

اس باعزت بیٹے کا اس سن و سال میں بوڑھے ماں باپ کو عطا کرنا، ایک طرف تو اس چیز کے لئے جو ہر قسم کی روزیوں کے مقدر ہونے کے سلسلہ میں گذشتہ آیات میں آئی تھی، ایک تاکید ہے۔

اور دوسری طرف حق کی قدرت و توانائی پر ایک دلیل اور خدا شناسی کی آیات میں سے ایک آیت ہے جس کے بارے میں

گذشتہ آیات میں بحث ہوئی ہے۔

اور تیسری طرف صاحب ایمان اقوام کے لئے جو حمایت حق کے مشمول میں ایک بشارت ہے جیسا کہ بعد والی آیات جو قوم لوط کے ہولناک عذاب کی بات کرتی ہیں بے ایمان مجرموں کے لئے ایک تہدید اور تنبیہ ہے۔

پہلے روئے سخن پیغمبر کی طرف کرتے ہوئے فرماتا ہے۔کیا ابراہیم علیہ السلام کے محترم مہمانوں کی خبر تجھ تک پہنچی ہے۔

(۲۵) اس کے بعد ان کے حالات کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے۔"جس وقت وہ ابراہیم علیہ السلام پر وارد ہوئے اور کہا۔تجھ پر سلام۔تو اس نے کہا: تم پر بھی سلام ہو۔تمہیں پہچانا نہیں۔

(۲۶) بہر حال ابراہیم علیہ السلام جیسے مہمان نواز اور سخی نے اپنے مہمانوں کی خاطر مدارت کے لئے فوراً کام شروع کر دیا۔ "پوشیدہ طور پر اپنے گھر والوں کی طرف گئے ایک موٹا تازہ بھنا ہوا بچھڑا ان کے لئے لے آئے"۔

ابراہیم علیہ السلام نے ایسا کیوں کیا؟ کیونکہ ممکن تھا، کہ اگر مہمان متوجہ ہو جائیں، تو اس قسم کی پر خرچ میز بانی سے منع کر دیں۔

لیکن ابراہم علیہ السلام نے معدودے چند مہمانوں کے لئے جو بعض کے قول کے مطابق تین افراد اور زیادہ سے زیادہ بارہ افراد تھے۔اتنا فراواں اور بافراغت کھانا کیوں تیار کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ عام طور پر سخی افراد ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی مہمان آجائے تو وہ صرف مہمانوں کے اندازے کے مطابق کھانا تیار نہیں کرتے، بلکہ وہ اتنی غذا تیار کرتے ہیں کہ مہمانوں کے علاوہ وہ تمام لوگ جو ان کے لئے کام کرتے ہیں اس میں شریک ہو جائیں یہاں تک کہ وہ ہمسایوں قرابت داروں اور دوسرے گرد و پیش کے لوگوں کو بھی نظر میں رکھتے ہیں۔

(۲۷) ابراہیم علیہ السلام خود یہ کھانا مہمانوں کے لئے لے کر آئے اور ان کے نزدیک رکھ دیا۔

لیکن انتہائی تعجب کے ساتھ مشاہدہ کیا کہ وہ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا: کیا تم کھانا نہیں کھاتے ؟۔

(۲۸) ابراہیم علیہ السلام خیال کرتے تھے کہ وہ جنس بشر میں سے ہیں: جب انہوں نے دیکھا کہ وہ کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے تو دل میں وحشت محسوس کی۔

کیونکہ اس زمانہ میں اور اس زمانہ میں بھی بہت سی اقوام ہیں جو سنتی اخلاق کے پابند ہیں۔جب کوئی کسی کے دسترخوان پر کھانا کھا لیتا تھا تو پھر اس کو تکلیف و آزار نہیں پہنچاتا تھا اور کوئی خیانت نہیں کرتا تھا اور جہاں نمک کھاتے ہیں وہاں نمک دان کو نہیں توڑتے (نمک حرامی نہیں کرتے)۔لہٰذا اگر مہمان غذا کے لئے ہاتھ نہیں بڑھاتا تو یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ وہ کسی خطرناک کام کے لئے

آیا ہے۔

یہاں پر مہمانوں نے ،جیسا کہ سورہ ہود آیت ۷۰ میں آیا ہے،''اس سے کہا کہ ڈرو نہیں'' اوراس کو تسلی دی،

اس کے بعد مزید کہتا ہے:''انہوں نے اسے ایک دانا اور عالم بیٹے کی بشارت دی''

واضح رہے کہ بیٹا تولد کے وقت تو عالم نہیں ہے لیکن یہ ممکن ہے کہ اس میں استعداد ہو کہ وہ آئندہ عالم اور عظیم دانشمند بنے اور یہاں یہی مراد ہے مشہور یہی ہے کہ وہ ''حضرت اسحاق'' تھے۔

(۲۹)اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی آگے آئی،اس حال میں کہ وہ خوشی اور تعجب سے بلند آواز میں بول رہی تھی۔اس نے اپنے چہرے پر ہاتھ مارا اور کہا: کیا میرے فرزند ہوگا؟ حالانکہ میں ایک بانجھ بڑھیا ہوں؟

(۳۰)لیکن قرآن اس آیت میں فرشتوں کے جواب کو جو انہوں نے اسے دیا نقل کرتا ہے:''انہوں نے کہا کہ تیرے پروردگار نے اسی طرح کہا ہے اور وہ حکیم ودانا ہے''

اگر چہ تو بڑھیا ہے اور تیرا شوہر بھی اس طرح ہے لیکن جب تیرے پروردگار کا فرمان صادر ہو اور اس کا ارادہ کسی چیز سے متعلق ہو جائے تو بلا شک وشبہ وہ پورا ہو جاتا ہے۔

(۳۱)قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ	(ابراہیم نے) کہا:(اے خدا کے) فرشتو! پھر تم کس لئے بھیجے گے ہو؟
(۳۲)قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۙ	انہوں نے کہا: ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔
(۳۳)لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۙ	تا کہ ان پر مٹی کے پتھروں کی بارش کریں،
(۳۴)مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِيْنَ	ایسے پتھر جن پر تیرے پرورگار کی طرف سے اسراف کرنے والوں کے لئے نشان لگے ہوئے ہیں۔
(۳۵)فَاَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيْهَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ	ہم نے ان تمام مومنین کو جو (قوم لوط) کے ان شہروں میں زندگی بسر کرتے تھے باہر نکال لیا۔

(۳۶)فَمَا وَجَدْنَا فِيْهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۚ	ہم نے ان میں (صرف ایک گھرانے کے سوا کوئی باایمان گھرانا پایا ہی نہیں۔
(۳۷)وَ تَرَكْنَا فِيْهَآ اٰيَةً لِّلَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ؕ	اورہم نے ان (شہروں میں) ایسے لوگوں کے لئے، جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں، ایک واضح نشانی چھوڑی ہے۔

تفسیر

قوم لوط علیہ السلام کے بلا دیدہ شہر ایک آیت اور عبرت ہیں

فرشتوں کے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے، اور انہیں اسحاق علیہ السلام کے پیدا ہونے کی بشارت دینے کے واقعہ کے بعد، اس گفتگو کے بارے میں گفتگو ہو رہی ہے، جو''ابراہیم''اور فرشتوں کے درمیان قوم لوط کے سلسلہ میں ہوئی۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ: ابراہیم علیہ السلام شام کی طرف جلاوطن ہونے کے بعد لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دینے اور ہر قسم کے شرک و بت پرستی کے خلاف مبارزہ کرنے میں مصروف تھے''حضرت لوط'' جو ایک عظیم پیغمبر تھے، ان ہی کے زمانہ میں ہوئے ہیں اور احتمال یہ ہے کہ آپ ہی کی طرف سے مامور ہوئے تھے کہ گمراہوں کو تبلیغ وہدایت کرنے کے لئے شام کے ایک علاقہ (یعنی سدوم کے شہروں کی طرف) سفر کریں۔ وہ ایک ایسی گناہگار قوم کے درمیان آئے جو شرک اور بہت سے گناہوں میں آلودہ تھی، اور سب سے قبیح گناہ اغلام اور لواطت تھی، آخر کار فرشتوں کا ایک گردہ اس قوم کی ہلاکت پر مامور ہوا لیکن وہ پہلے ابراہیم کے پاس آئے۔

ابراہیم علیہ السلام مہمانوں کی وضع قطع سے سمجھ گئے کہ یہ کسی اہم کام کے لئے جا رہے ہیں اور صرف بیٹے کی ولادت کی بشارت کے لئے نہیں آئے کیونکہ اس قسم کی بشارت کے لئے تو ایک ہی شخص کافی تھا یا اس عجلت کی وجہ ہے جو وہ چلنے کے لئے کر رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اہم ڈیوٹی رکھتے تھے۔

لہٰذا پہلی آیت میں کہتا ہے۔''اے خدا کے بھیجے ہوئے فرشتو! تم کون سے اہم کام کے لئے مامور ہوئے ہو۔

(۳۲) فرشتوں نے اپنی ڈیوٹی بیان کی اور ابراہیم علیہ السلام سے'' کہا ہم ایک مجرم اور تباہ کار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

ایسی جو عقیدہ کے فساد اور خرابی کے علاوہ انواع واقسام کی آلودگیوں، اور مختلف گناہوں میں جو قبیح اور شرمناک ہیں گرفتار ہیں۔

(۳۳) اس کے بعد انہوں نے مزید کہا: ہم اس بات کے لئے مامور ہوئے ہیں کہ ان پر''پتھروں'' کی بارش کریں اور انہیں اس کے ذریعہ تہ وبالا کر کے ہلاک کر دیں۔

''**حجارة من طين**'' (مٹی پتھر) کی تعبیر وہی چیز ہے جسے سورہ ہود کی آیہ۸۲ میں اس کی بجائے ''**سجیل**'' کہا ہے۔

مجموعی طور پر شاید اس معنی کی طرف اشارہ ہو کہ اس مجرم قوم کو نابود کرنے کے لئے آسمان سے بڑے بڑے پتھروں کے نازل کرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی بلکہ چھوٹے چھوٹے ریت کے ذرات کی بارش جو زیادہ محکم نہیں تھے، بارش کے قطرات کی مانندان پر برسے۔

(۳۴) اس کے بعد مزید کہتا ہے،''یہ پتھر تیرے پروردگار کی طرف سے اسراف کرنے والوں کے لئے نشان لگائے ہوئے تھے۔

(۳۵) قرآن نے یہاں پروردگار کے ان فرشتوں کے بعد کے واقعہ کو۔ کہ وہ لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور مہمانوں کے عنوان سے وارد ہوئے اور وہ بے شرم قوم، اس خیال سے کہ وہ نوع بشر کے خوبصورت جوان ہیں ان کی طرف آئی۔ لیکن بہت جلد ان کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور ان سب کی آنکھیں اندھی ہو گئیں .... چھوڑ دیا ہے اور خدا کی گفتگو کے آخری حصہ کو بیان کرتا ہے۔

فرماتا ہے: ہم نے ان تمام مومنین کو جو قوم لوط کے شہروں میں رہتے تھے بلا کے نازل ہونے سے پہلے ہی نکال دیا۔

(۳۶) لیکن ان تمام علاقوں میں ہمیں ایک گھرانے کے سوا اور کوئی صاحب ایمان نہ ملا۔

ہاں! ہم ہرگز خشک وتر کو ملا کر نہیں جلاتے، اور ہماری عدالت اجازت نہں دیتی کہ مومن کو کافر کی سزا میں گرفتار کریں یہاں تک کہ اگر لاکھوں بے ایمان اور مجرم لوگوں میں ایک فرد بھی باایمان اور مجرم لوگوں میں ایک فرد بھی باایمان اور پاک ہو تو ہم اسے بھی نجات دیتے ہیں۔

یہ وہی مطلب ہے جو سورہ حجر کی آیت ۵۹، ۶۰ میں اس صورت میں آیا ہے مگر لوط علیہ السلام کا خاندان کہ ہم ان سب کو نجات دیں گے سوائے اس کی بیوی کے جس کے لئے ہم نے یہ مقدر کر دیا تھا کہ وہ شہر میں رہے اور ہلاک ہو جائے۔

جیسا کہ آپ ملاحظہ کرر ہے ہیں قوم لوط علیہ السلام کا ماجرا قرآن کی ان پانچ سورتوں میں مختلف عبارتوں میں بیان ہوا ہے۔ جو سب کے سب ایک ہی حقیقت کو بیان کرتے ہیں لیکن چونکہ ایک حادثہ کو مختلف زاویوں سے دیکھا جا سکتا ہے اور ہر نگاہ میں اس کے کسی ایک پہلو کو مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اس لئے قرآن مجید میں بھی تاریخی حوادث عام طور پر اسی طرح پیش ہوئے ہیں اور دہرائے گئے ہیں اور اوپر والی آیات کی مختلف تعبیریں بھی اسی معنی کی گواہ ہیں علاوہ ازیں چونکہ قرآن ایک تربیتی اور انسان سازی کی کتاب ہے اور مقام تربیت گاہ میں ضروری ہے کہ ایک اہم مسئلہ پر بارہا تامل کیا جائے تاکہ پڑھنے والوں کے ذہن میں گہرا اثر چھوڑے۔

بہرحال خداوند عالم نے اس آلودہ قوم کو زمین کے ایک سخت اور ویران کرنے والے زلزلہ سے تہ وبالا کر دیا، اس کے بعد آسمانی پتھروں کی بارش برسائی اور ان کا نام ونشان مٹا دیا یہاں تک کہ ان کے پلید بدن بھی آسمانی گرد وغبار اور پتھروں کے نیچے دفن ہو گئے، تاکہ وہ آئندہ آنے والوں اور تمام بے ایمان مجرم اور آلودہ افراد کیلئے ایک عبرت ہوں۔

(۳۷) اسی لئے آخری زیر بحث آیت میں مزید کہتا ہے''ہم نے ان لوگوں کے لئے جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں

اس سرزمین میں ایک واضح نشانی رکھ چھوڑی ہے۔

یہ ایک تعبیر اچھی طرح سے اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ ان آیات اور خدا کی نشانیوں سے وہی لوگ پند ونصیحت حاصل کرتے ہیں جن میں قبول کرنے کے لئے آمادگی ہو اور جو مسولیت اور ذمہ داری کا احساس کریں۔

(۳۸)وَ فِیۡ مُوۡسٰۤی اِذۡ اَرۡسَلۡنٰہُ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ	موسیٰ (کی زندگی) میں بھی ایک نشانی اور درس عبرت تھا جب ہم نے اسے واضح وآشکار دلیل کے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا تھا۔
(۳۹)فَتَوَلّٰی بِرُکۡنِہٖ وَ قَالَ سٰحِرٌ اَوۡ مَجۡنُوۡنٌ	لیکن فرعون نے مکمل طور پر اس سے منہ پھیر لیا اور کہا: یہ آدمی یا تو دیوانہ ہے یا جادوگر۔
(۴۰)فَاَخَذۡنٰہُ وَ جُنُوۡدَہٗ فَنَبَذۡنٰہُمۡ فِی الۡیَمِّ وَ ہُوَ مُلِیۡمٌ ؕ	پس ہم نے اسے بھی اور اس کے لشکروں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا اور انہیں دریا میں پھینک دیا درانحالیکہ وہ قابل ملامت تھا۔
(۴۱)وَ فِیۡ عَادٍ اِذۡ اَرۡسَلۡنَا عَلَیۡہِمُ الرِّیۡحَ الۡعَقِیۡمَ ۚ	اور اسی طرح عاد کی سرگزشت میں بھی ایک نشانی ہے جب کہ ہم نے ایک تند وتیز آندھی بارش کے بغیر ان کے اوپر بھیجی۔
(۴۲)مَا تَذَرُ مِنۡ شَیۡءٍ اَتَتۡ عَلَیۡہِ اِلَّا جَعَلَتۡہُ کَالرَّمِیۡمِ ؕ	وہ جس چیز کے اوپر سے گذرتی تھی اسے چھوڑتی ہی نہیں تھی، یہاں تک کہ اسے بوسیدہ ہڈیوں کی طرح کردیتی تھی۔
(۴۳)وَ فِیۡ ثَمُوۡدَ اِذۡ قِیۡلَ لَہُمۡ تَمَتَّعُوۡا حَتّٰی حِیۡنٍ	قوم ثمود کی سرگزشت میں بھی ایک عبرت ہے جب کہ ان سے یہ کہا گیا تھوڑی سی دیر کے لئے تم بھی فائدہ اٹھالو۔
(۴۴)فَعَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہِمۡ فَاَخَذَتۡہُمُ الصّٰعِقَۃُ وَ ہُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ	انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کی تو انہیں صاعقہ نے پکڑ لیا (حالانکہ وہ حیرانگی کے ساتھ) دیکھ رہے تھے۔
(۴۵)فَمَا اسۡتَطَاعُوۡا مِنۡ قِیَامٍ وَّ مَا کَانُوۡا مُنۡتَصِرِیۡنَ ۙ	وہ اس زمین پر گرے کہ ان میں اٹھنے کی طاقت ہی نہ رہی اور نہ ہی کسی سے مدد مطلب کرسکے۔

(۴۶)وَ قَوۡمَ نُوۡحٍ مِّنۡ قَبۡلُ ؕ اِنَّهُمۡ كَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ۧ	اسی طرح ہم نے ان سے پہلے قوم نوح کو ہلاک کیا تھا۔ کیونکہ وہ فاسق قوم تھی۔

تفسیر

گذشتہ لوگوں کی تاریخ میں یہ سب عبرت کے درس ہیں

قرآن آیات میں، قوم لوط کی داستان اور اس دردناک انجام کو جو انہوں نے قبیح اور شرمناک گناہوں کی وجہ سے پایا تھا، بیان کرنے کے بعد گذشتہ اقوام میں سے چند قوموں کی سرگذشت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پہلے فرماتا ہے موسیٰ اور اس کی زندگی کی تاریخ میں بھی ایک نشانی اور درس عبرت تھا جب ہم نے اسے فرعون کی طرف واضح اور روشن دلیل کے ساتھ بھیجا۔

"سلطان" اس چیز کو کہتے ہیں ہیں جو تسلط کا سبب بنے اور یہاں معجزہ یا عقلی قوی علیل و منطق ہے یا دونوں ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے مقابلہ میں ان سے فائدہ اٹھایا۔

(۳۹) لیکن فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے عظیم معجزات کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا۔ جو ان کے خدا سے ارتباط کے گواہ تھے۔ اور نہ ہی ان کے منطقی دلائل کے آگے سر تعظیم جھکایا، بلکہ اس غرور تکبر کی وجہ سے جو وہ رکھتا تھا۔ اپنے پورے وجود کے ساتھ اس سے پھر گیا اور کہا یہ شخص یا تو جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ جھوٹے جبار اور سرکش لوگ ان تہمتوں اور جھوٹی نسبتوں میں جو وہ عظیم پیغمبروں کی طرف دیتے تھے ایک عجیب حیرانی تناقض اور پریشان گوئی میں گرفتار تھے کبھی انہیں ساحر و جادوگر کہتے اور کبھی مجنون و دیوانہ، حالانکہ ساحر و جادوگر ایک ہوشیار آدمی ہونا چاہئے جو باریک کام کرنے، اور نفسیاتی مسائل اور مختلف چیزوں کے خواص سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حیرت انگیز کام کرے، اور لوگوں کو غفلت میں رکھے جب کہ مجنون اس کا نقطہ مقابل ہے۔

(۴۰) لیکن قرآن فرعون جبار اور اس کے ساتھیوں کے انجام کے بارے میں اس طرح خبر دیتا ہے ہم نے اسے اور اس کے لشکر کو اپنی گرفت میں لے لیا اور اسے دریا میں پھینک دیا، کیونکہ وہ ایسے اعمال کا مرتکب ہوا تھا، جو سرزنش اور ملامت کے قابل تھے۔

(۴۱) اس کے بعد ایک دوسری قوم یعنی عاد کی اجمالی سرنوشت پیش کرتے ہوئے اس طرح کہتا ہے۔

قوم عاد کی سرگذشت میں بھی ایک آیت و عبرت ہے جبکہ ہم نے ان پر ایک عقیم اور بغیر بارش کا طوفان بھیجا۔

ہواؤں کا عقیم اور بانجھ ہونا اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ بارش برسانے والے بادل اپنے ساتھ لے کر نہ چلیں گیاہ و نباتات میں اپنے عمدہ اثرات نہ چھوڑیں اور ان میں کوئی فائدہ اور برکت نہ وہ اور ہلاکت و نابودی کے سوا کوئی چیز ہمراہ نہ لائیں۔

(۴۲) اس کے بعد اس سخت آندھی کی خصوصیت جو قوم عاد پر مسلط ہوئی تھی۔ بیان کرتے ہوئے مزید کہتا ہے وہ جس چیز

کے پاس سے گزرتی تھی اس کو ختم کئے بغیر نہ چھوڑتی تھی اور خشک کٹی پھٹی گھاس یا بوسیدہ ہڈیوں کی صورت میں لے آتی تھی۔

یہ تعبیر اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ قوم عاد کی تیز آندھی ایک عام تیز آندھی نہیں تھی بلکہ انہیں تباہ کرنے کے علاوہ اور اصطلاح کے مطابق فزیکل دباؤ سے جلانے اور زہریلا بنانے کی خاصیت رکھتی تھی، جو طرح طرح کی اشیاء کو بوسیدہ اور کہنہ بنا دیتی تھی۔

ہاں! خدا کی قدرت ایسی ہے جو نسیم کی ایک حرکت سریع کے ذریعہ طاقتور اور مشہور و معروف اقوام کو اس طرح سے درہم برہم کر دیتی ہے کہ صرف ان کے بوسیدہ جسم ہی باقی رہ جاتے ہیں یہ طاقتور اور ثروت مند قوم عاد کی سرنوشت کی طرف جو سر زمین احقاف عمان اور حضر موت کے درمیان کا علاقہ میں رہتے تھے۔ایک مختصر اشارہ تھا۔

(۴۳) اس کے بعد قوم ثمود کی نوبت آتی ہے اور ان کے بارے میں فرماتا ہے قوم ثمود میں بھی ایک آیت اور عبرت ہے جبکہ ان سے کہا گیا۔تم زندگی کی تھوڑی سی مدت کے لئے فائدہ اٹھالو اور پھر عذاب الٰہی کے منتظر رہو۔

"حتیٰ حین" سے مراد وہی مہلت کے تین دن ہیں جن کی طرف سورۂ ہود کی آیت ۶۵ میں اشارہ ہوا ہے۔

انہوں نے اس اونٹنی کی جو بطور اعجاز آئی تھی کونچیں کاٹ دیں اور ان کے پیغمبر صالح نے ان سے کہا بس تین دن اپنے گھروں میں مزے اڑالو، اور اس کے بعد عذاب الٰہی کے منتظر رہو یہ نہ ٹلنے والی وعید ہے۔

(۴۴) ہاں! انہوں نے اپنے پروردگار کے فرمان سے سرتابی کی، اور اس نے انہیں ناگہانی طور پر آ گھیرا جب حیرانی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ اور ان میں اپنا دفاع کرنے کی کوئی قدرت نہ تھی۔

ظاہر ہے کہ یہ جملہ ان تمام روگردانیوں کی طرف اشارہ ہے، جو وہ صالح کی دعوت کے سارے عرصہ میں کرتے رہے۔ مثلاً بت پرستی، ظلم وستم اور صالح کی اونٹنی کی کونچوں کا کاٹنا جو ان کا ایک معجزہ تھا۔ نہ کہ صرف وہ روگردانیاں جو ان تین دنوں میں انہوں نے انجام دیں، اور بارگاہ خدا میں توبہ وانابت کے بجائے غفلت اور غرور میں ڈوبے رہے۔

(۴۵) انجام کار آخری جملہ جو اس سرکش قوم کے بارے میں فرماتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ۔ وہ اس طرح سے زمین پر گر پڑے کہ ان میں کھڑے ہونے کی بھی قدرت نہ تھی، اور نہ ہی کسی سے مدد طلب کر سکتے ہیں۔

ہاں! صاعقہ نے انہیں اس طرح غفلت میں پکڑ کر زمین پر دے ٹپکا کہ نہ تو ان میں کھڑے ہونے کی طاقت تھی۔ نہ اپنا دفاع کرنے کی قدرت اور نہ ہی نالہ وفریاد اور مدد طلب کرنے کی قوت، اور انہوں نے اسی حالت میں جان دے دی، اور ان کی سر گذشت دوسروں کے لئے ایک درس عبرت بن گئی۔

(۴۶) آخری زیر بحث آیت میں پانچویں قوم یعنی قوم نوح کی طرف ایک مختصر سا اشارہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔:۔ اور ہم نے قوم نوح کو ان سے پہلے ہلاک کیا تھا۔ کیونکہ وہ ایک فاسق قوم تھی۔

"فاسق" اس شخص کو کہتے ہیں جو خدا کے فرمان کی حدود سے باہر قدم نکالے اور کفر وظلم یا دوسرے تمام گناہوں میں آلودہ ہو۔

(۴۷)وَ السَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ	ہم نے آسمان کو (اپنی) قدرت سے بنایا ہے اور ہمیشہ اس کو وسعت دیتے رہتے ہیں۔
(۴۸)وَ الْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ	اور ہم ہی نے زمیں کو پھیلایا ہے اور ہم کیا ہی اچھے پھیلانے والے ہیں۔
(۴۹)وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ	اور ہم نے ہر ہر چیز کے جوڑے جوڑے خلق کئے ہیں تا کہ تم غور کرو اور سمجھو۔
(۵۰)فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ	پس تم خدا ہی کی طرف لپکو کیونکہ میں اس کی طرف سے تمہارے لئے ایک واضح ڈرانے والا ہوں۔
(۵۱)وَ لَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ	اور خدا کے ساتھ دوسرا معبود قرار نہ دو۔ بے شک میں اس کی طرف سے ایک آشکار ڈرانے والا ہوں۔

تفسیر

ہم ہمیشہ آسمانوں کو وسعت دیتے رہتے ہیں

یہ آیات ایک مرتبہ پھر عالم آفرنیش میں آیات خدا کی عظمت کے مسئلہ کو پیش کرتی ہیں، اور حقیقت میں ان مباحث کو۔ جو اسی سورہ کی آیت ۲۰، ۲۱ میں، زمین اور انسانی وجود میں اس کی نشانیوں کے بارے میں، گذر چکی ہیں، تکمیل کرتی ہیں، اور ضمنی طور پر مسئلہ معاد اور موت کے بعد کی زندگی پر خدا کی قدرت کی ایک دلیل ہے، پہلے فرماتا ہے "ہم نے آسمان کو قدرت کے ساتھ بنا کیا، اور ہم ہمیشہ اسے وسعت دیتے رہتے ہیں"،

(۴۸) "اور ہم نے زمین کو بچھایا، اور ہم کیا ہی اچھا بچھانے والے ہیں"۔

اس عظیم قدرت کی نشانیاں آسمانوں کی عظمت میں بھی اور اس خاص نظام میں بھی، جو ان میں کارفرما ہے، اچھی طرح سے واضح ہے۔

ماہریں کے آخری انکشافات کو مدنظر رکھتے ہوئے آیت کا معنی یہ ہے کہ خدا نے آسمانوں کو پیدا کیا اور ہمیشہ انہیں وسعت دیتا رہتا ہے۔

موجودہ علم یہ بتاتا ہے۔ نہ صرف کرہ زمین آسمانی مادوں کو جذب کرتے کرتے بتدریج موٹی اور وزنی ہوتی جارہی ہے بلکہ

آسمان بھی وسیع، اور پھیلتے جارہے ہیں، یعنی وہ ستارے جو ایک کہکشاں میں ہیں، بڑی تیزی کے ساتھ کہکشاں کے مرکز سے دور ہوتے جارہے ہیں، یہاں تک کہ بہت سے موقعوں پر اس پھیلاؤ کی سرعت کا اندازہ بھی لگایا ہے۔

(۴۹) آسمانوں اور زمین کی خلقت کے بعد آسمان اور زمین کے مختلف موجودات اور انواع واقسام کے نباتات وحیوانات کی نوبت آتی ہے اور اس سلسلے میں۔ اس آیت میں فرماتا ہے،: ہم نے ہر چیز کے جوڑے جوڑے پیدا کئے ہیں۔ تاکہ تم غور کرو سمجھو"۔

"من کل شیٔ" (تمام موجودات میں سے) نہ سرف موجودات زندہ بلکہ ممکن ہے کہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو کہ مثبت ومنفی ذرات سے بنی ہوئی تمام اشیا عالم، اور آج کے علمی نکتہ نظر سے یہ بات مسلم ہے کہ "ایٹم" مختلف اجزاء سے ملکر بنے ہیں،، منجملہ ان کے وہ اجزاء جو منفی برقی بار کے حامل ہیں۔ اور انہیں "الکٹران" کہا جاتا ہے اور وہ اجزاء جو مثبت برقی بار کے حامل ہوتے ہیں جو "پروٹون" کہلاتے ہیں۔

(۵۰) اس آیت میں گذشتہ توحیدی مباحث سے نتیجہ نکالتے ہوئے مزید کہتا ہے۔ اس بنا پر تم خدا کی طرف دوڑو کیونکہ میں اس کی طرف سے تمہارے لئے واضح طور پر ڈرانے والہ ہوں"

یہاں "فرار" کی تعبیر ایک عمدہ اور لطیف تعبیر ہے، عام طور پر فرار ایسی جگہ کہا جاتا ہے جہاں انسان ایک طرف سے کسی موجود یا وحشتناک حادثہ سے روبرو ہو گیا ہوں۔ اور دوسری طرف سے کسی جگہ کوئی پناہ گاہ رکھتا ہو۔ لہٰذا پوری تیزی کے ساتھ جائے حادثہ سے دور ہو جاتا ہے اور امن وامان کے نقطہ کی طرف رخ کرتا ہے۔ تم بھی شرک وبت پرستی سے، جو ایک وحشتناک عقیدہ ہے گریز کرو، اور توحید خالص کہ طرف جو واقعی امن وامان کا علاقہ ہے تیزی سے رخ کرو۔

قباحتوں، برائیوں، بے ایمانی، جہالت کی تاریکی اور عذاب جاودانی سے بھاگو اور رحمت حق کی آغوش اور جاودانی سعادت میں داخل ہو جاؤ۔

(۵۱) پھر مزید تاکید کے لئے وحدت پرستی کے مسئلہ پر تکیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"خدا کے ساتھ دوسرا معبود قرار نہ دو، کہ میں تمہارے لئے اس کی طرف سے واضح ڈرانے والا ہوں"۔

(۵۲) كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ	اسی طرح کوئی پیغمبر ان سے پہلے کسی قوم کی طرف نہیں بھیجا مگر یہ کہ انہوں نے کہا اور جادوگر ہے یا دیوانہ ہے۔
(۵۳) اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ	کیا وہ ایک دوسرے کو اس بات کی وصیت کرتے تھے (کہ عموماً اس قسم کی تہمتیں لگائیں) نہیں! بلکہ وہ ایک سرکش اور طوفان اٹھانے والی قوم تھی۔

(۵۴)فَتَوَلَّ عَنۡهُمۡ فَمَآ اَنۡتَ بِمَلُوۡمٍ ۫	اب جب کہ ایسا ہے تو ان سے منہ پھیر لے اور تو ہرگز لائق ملامت نہیں ہے۔
(۵۵)وَ ذَكِّرۡ فَاِنَّ الذِّكۡرٰى تَنۡفَعُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ	اور ہمیشہ نصیحت کرتا رہ کیونکہ نصیحت مؤمنیں کے لئے فائدہ مند ہے۔

تفسیر

نصیحت کر کیونکہ نصیحت وتذکر فائدہ مند ہے

اسی سورہ کی آیت ۳۹ میں یہ آیا ہے۔کہ فرعون نے ،موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے خداوند یکتا اورظلم و بیدادگری کے ترک کرنے کی دعوت کے مقابلہ میں،موسیٰ علیہ السلام کو متہم کیا کہ وہ ''ساحر'' یا ''مجنون'' ہے، یہ نسبت مشرکین کی طرف سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی دی جاتی تھی۔ یہ بات ابتدائی دور کے تھوڑے سے مومنین کے لئے بہت گراں تھی،اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کو آزردہ کرتی تھی۔

زیر بحث آیات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مومنین کی دلداری کے لئے کہتا ہے؛ صرف تو ہی نہیں ہے جوان زہر آلود تہمت کے تیروں کا ہدف قرار پایا ہے:''اسی طرح ہے کہ ان سے پہلے کی کسی قوم کی طرف کوئی پیغمبر نہیں بھیجا گیا مگر یہ کہ انہوں نے کہا: وہ جادوگر یا دیوانہ ہے۔

وہ انہیں اس لئے ''ساحر'' کہتے تھے۔، کیونکہ وہ ان کے پاس ان کے عینی معجزات کا کوئی منطقی جواب نہیں تھا،اور ''مجنون'' کہ کر اس لئے خطاب کرتے تھے۔ کیونکہ وہ محیط اور ماحول کے ساتھ ہم رنگ نہیں تھے۔اور مادی امتیازات کے مقابلہ میں سر تسلیم خم نہیں کرتے تھے۔

(۵۳)اس کے بعد مزید کہتا ہے۔کیا یہ کافر اور عناد رکھنے والی اقوام ایک دوسرے کو وصیت کیا کرتی تھیں۔'' کہ تمام انبیاء پر یہ تہمتیں لگائیں؟

اس طرح سے ہم آہنگی کے ساتھ اور ایک ہی طرز پر عمل کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے ماوراء تاریخ میں کوئی مجلس تشکیل دی ہو۔اور مشورہ کے لئے بیٹھے ہوں۔اور ایک دوسرے کو وصیت ونصیحت کرتے رہے ہوں، کہ انبیاء کو عموماً سحر وجنوں کے ساتھ متہم کرتے رہنا، تا کہ عوام میں ان کے اعتبار کا نفوذ کم ہو جائے۔

اور شاید ان میں سے ہر ایک جب اس دنیا سے جانا چاہتا تھا، تو اپنی اولاد اور دوستوں سے یہ بات کہتے تھے اور وصیت کرتے

تھے۔

اس کے بعد مزید کہتا ہے۔:’’بلکہ وہ ایک سرکش اور طوفان اٹھانے والی قوم ہے‘‘۔ یہ سرکشی اور شرانگیزی کا ہی اثر ہے کہ مردانِ حق کو میدان سے نکالنے کے لئے ہر قسم کے جھوٹ اور تہمت سے متوسل ہوتے تھے۔

(۵۴) پھر دوبارہ تسلی خاطر اور زیادہ سے زیادہ دلداری کے لئے پیغمبر ﷺ سے فرماتا ہے:’’اب جب کہ یہ طاغی و سرکش قوم حق بات سننے کے لئے تیار نہیں ہے، تو ان سے منہ پھیر لے‘‘۔

اور تو مطمئن رہ کہ تو نے اپنے وظیفہ اور ذمہ داری کا کامل طور سے انجام دے دیا ہے، اور تو ’’ہرگز سرزنش اور ملامت کے لائق نہیں ہے‘‘۔

اگر وہ حق قبول نہ کریں تو غم نہ کھاؤ، کیونکہ شائستہ اور صلاحیت رکھنے والے دل اس کو قبول کر لیں گے۔ یہ جملہ حقیقت میں دوسری آیات کی یاد دلاتا ہے۔ اور اس بات کی نشاندہی کرتا ہے۔ کہ پیغمبر اس قدر دلسوز تھے، کہ بعض اوقات ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے سخت تکلیف میں مبتلا ہو جاتے، جیسا کہ سورہ کہف کی آیت ۶ میں آیا ہے:

’’گویا تو چاہتا ہے۔ کہ اپنے آپ کو ان کے اعمال پر غم واندوہ کی بنا پر ہلاک کر دے، کیونکہ وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لائے ہیں۔‘‘

(۵۵) مفسرین کا بیان ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو پیغمبر ﷺ اور مومنین غمزدہ ہوئے اور خیال کیا مشرکین کے مقابلہ میں یہ آخری بات ہے، اور وحی آسمانی قطع ہوگئی ہے۔ اور جلدی ہی عذاب الٰہی نازل ہوگا، لیکن زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ زیرنظر آیت نازل ہوئی۔ اور پیغمبر ﷺ کو حکم دیا:’’تم ہمیشہ پند ونصیحت کرتے رہو۔ کیونکہ پند ونصیحت سے مومنین کو فائدہ پہنچتا ہے‘‘

یہ وہ منزل تھی کہ سب نے اطمینان وسکون کا سانس لیا۔

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آمادہ وتیار دل گوشہ وکنار میں تیری باتوں کے انتظار میں ہیں، اگر ایک گروہ حق کے مقابلہ میں مخالفت کے لئے کھڑا ہے تو دوسرا گروہ دل وجان سے اس کا مشتاق ہے اور تیری دل نشین گفتگو ان کے نفوس میں اپنی تاثیر چھوڑتی ہے۔

(۵۶) وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ	میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اسی لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔

(۵۷)مَآ اُرِیۡدُ مِنۡهُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ وَّ مَآ اُرِیۡدُ اَنۡ یُّطۡعِمُوۡنِ	میں ہرگز ان سے یہ نہیں چاہتا کہ وہ مجھے روزی دیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں۔
(۵۸)اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الۡقُوَّةِ الۡمَتِیۡنُ	خدا ہی روزی دینے والا اور صاحب قوت وقدرت ہے۔

تفسیر

قرآن کی نظر میں انسان کی خلقت کا مقصد

اہم ترین سوالات میں سے وہ سوال جو ہر شخص اپنے آپ سے کرتا ہے یہ ہے کہ: ''ہم کس لئے پیدا کئے گئے ہیں'' اور انسان کی خلقت اور اس جہان میں آنے کا مقصد کیا ہے''؟

اوپر والی آیات، اس اہم اور ہمیشہ کے سوال کا مختصر اور پر معنی تعبیروں کے ساتھ جواب دے رہی ہیں، اور اس بحث کی، جو گذشتہ آیات میں سے آخری آیت مومنین کی یاد آوری کے سلسلہ میں بیان ہوئی تھی، تکمیل کر رہی ہیں، کیونکہ یہ ایک اہم ترین اصول ہے کہ جس کی پیغمبر ﷺ کو پیروی کرنی چاہئے، ضمنی طور پر خدا کی طرف فرار کا مطلب بھی جو گذشتہ آیات میں بیان ہوا تھا واضح ہو جاتا ہے۔

فرماتا ہے ''میں نے جن وانس کو پیدا نہیں کیا مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

(۵۷) میری ان سے کوئی حاجت نہیں ہے ''اور میں ہرگز ان سے یہ نہیں چاہتا کہ وہ مجھے کھانا کھلائیں''۔

(۵۸) ''خدا ہی ہے جو کل بندوں کو روزی دیتا ہے۔ اور وہ صاحب قدرت وقوت ہے''۔

لیکن زیر بحث آیات صرف عبودیت اور بندگی کے مسئلہ پر تکیہ کرتی ہیں، اور پوری صراحت کے ساتھ اس کو جن وانس کی خلقت کے اصلی ہدف اور مقصد کے عنوان سے تعارف کراتی ہیں۔

ان آیات اور ان سے مشابہ آیات میں تھوڑا سا تامل اور غور وفکر یہ نشاندہی کر دیتا ہے کہ اصلی ہدف وہی ''عبودیت'' ہے جس کی طرف زیر بحث آیات میں اشارہ ہوا ہے، اور مسئلہ ''علم و دانش'' اور ''امتحان وآزمائش'' ایسے اہداف ومقاصد ہیں جو عبودیت کی منزلیں طے کرتے ہوئے راستہ میں آتے ہیں۔ اور رحمت خداوندی اس عبودیت کا نتیجہ ہے۔

اس طرح سے واضح ہو جاتا ہے کہ ہم سب پروردگار کی عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں، لیکن اہم بات یہ ہے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ ''عبادت'' کی حقیقت کیا ہے؟

کیا صرف رکوع وسجود، قیام وقعود اور نماز وروزہ جیسے مراسم کا انجام دینا مراد ہے، یا ان کے علاوہ کوئی اور حقیقت ہے؟ اگرچہ رسمی عبادات بھی سب کی سب اہمیت کی حامل ہیں۔

دوسرے لفظوں میں ''عبودیت'' جیسا کہ متن لغت میں آیا ہے۔معبود کے سامنے آخری درجہ کے خضوع کا اظہار رہے اور اسی بناپر صرف وہی ذات معبود ہوسکتی ہے جس نے انتہائی انعام واکرام کیا ہو، اور وہ خدا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔

اس بناپر ''عبودیت'' ایک انسان کے ارتقاء وتکامل کی انتہائی معارج اور خدا سے اس کا قرب ہے۔

عبودیت کامل یہ ہے کہ انسان سوائے معبود حقیقی یعنی کمال مطلق کے کسی کا بھی تصور اور خیال نہ کرے، اس کی راہ کے علاوہ اور کسی راہ پر قدم نہ اٹھائے، اس کے سوا ہر چیز کو بھول جائے، کہ ان تک کہ خود اپنے آپ کو بھی۔

اور خلقت بشر کا ہدف اصلی یہی ہے، جس تک پہنچنے کے لئے خدا نے آزمائش کا میدان فراہم کیا ہے، اور انسان کو علم وآگاہی عطا فرائی ہے۔اور اس کا اصلی اور واقعی وحقیقی نتیجہ بھی اس کی ''رحمت'' کے سمندر میں خود کو سمونا ہے۔

(۵۹)فَاِنَّ لِلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ذَنُوۡبًا مِّثۡلَ ذَنُوۡبِ اَصۡحٰبِہِمۡ فَلَا یَسۡتَعۡجِلُوۡنِ	ان لوگوں کے لئے جنہوں نے ظلم کیا ہے ایسے ہی ایک عظیم عذاب کا حصہ ہے جیسا کہ ان کے ساتھیوں کے حصہ میں آیا تھا۔پس اس بناپر جلدی نہ کریں۔
(۶۰)فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ یَّوۡمِہِمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ ۠	وائے ہے ان لوگوں کے لئے جو کافر ہوگئے اس دن سے جس کا انہیں وعدہ دیا گیا ہے۔

تفسیر

یہ عذاب الٰہی میں حصہ دار ہیں

اوپر کی دو آیات جو سورہ ذاریات کی آخری آیات ہیں، درحقیقت اس سورہ کی مختلف آیات سے ایک قسم کا نتیجہ پیش کرتی ہیں، خصوصاً وہ آیات جو گذشتہ اقوام جیسے قوم فرعون وقوم لوط وعاد وثمود کی سرنوشت کے سلسلہ میں گفتگو کرتی ہیں، اسی طرح وہ گذشتہ آیات جو ہدف آفرینش اور مقصد خلقت کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں۔

فرماتا ہے: اب جبکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مشرک وگنہگار قوم آفرینش کے اصلی ہدف سے منحرف ہو چکی ہے۔تو انہیں جان

لینا چاہئے کہ ان کے لئے بھی عذاب الٰہی کا ایک عظیم حصہ ہے۔ ایسا ہی حصہ ہے، ایسا ہی حصہ جیسا کہ گذشتہ اقوام میں سے ان کے ساتھی رکھتے تھے۔

''اس بنا پر جلدی نہ کریں۔ کہ اگر عذاب الٰہی حق ہے۔ تو پھر وہ ہماری طرف کیوں نہیں آتا''؟

اس گروہ کے بارے میں ظلم کی تعبیر اس بنا پر ہے کیونکہ ''شرک'' اور کفر عظیم ترین ظلم ہے، ظلم کی حقیقت یہ ہے۔ کہ کسی چیز کو اس کے لائق جگہ میں نہ رکھا جائے، اور مسلمہ طور پر بت کو خدا کی جگہ قرار دینا ظلم کا اہم ترین مصداق شمار ہوتا ہے اور اسی بنا پر وہ بھی اسی سلوک کے مستحق ہیں، جس کی گذشتہ مشرک اقوام مستحق تھیں۔

(۶۰) اور آخری آیت میں دنیا کے عذاب کی تہدید کی، آخرت کے عذاب کی تہدید کے ساتھ تکمیل کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ان لوگوں پر وائے ہے جو کافر ہو گئے، اس دن سے جس کا ان سے وعدہ دیا گیا ہے۔''

جس طرح سے یہ سورہ مسئلہ معاد و قیامت کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ اسی مسئلہ پر تاکید کے ساتھ ختم ہو رہا ہے۔